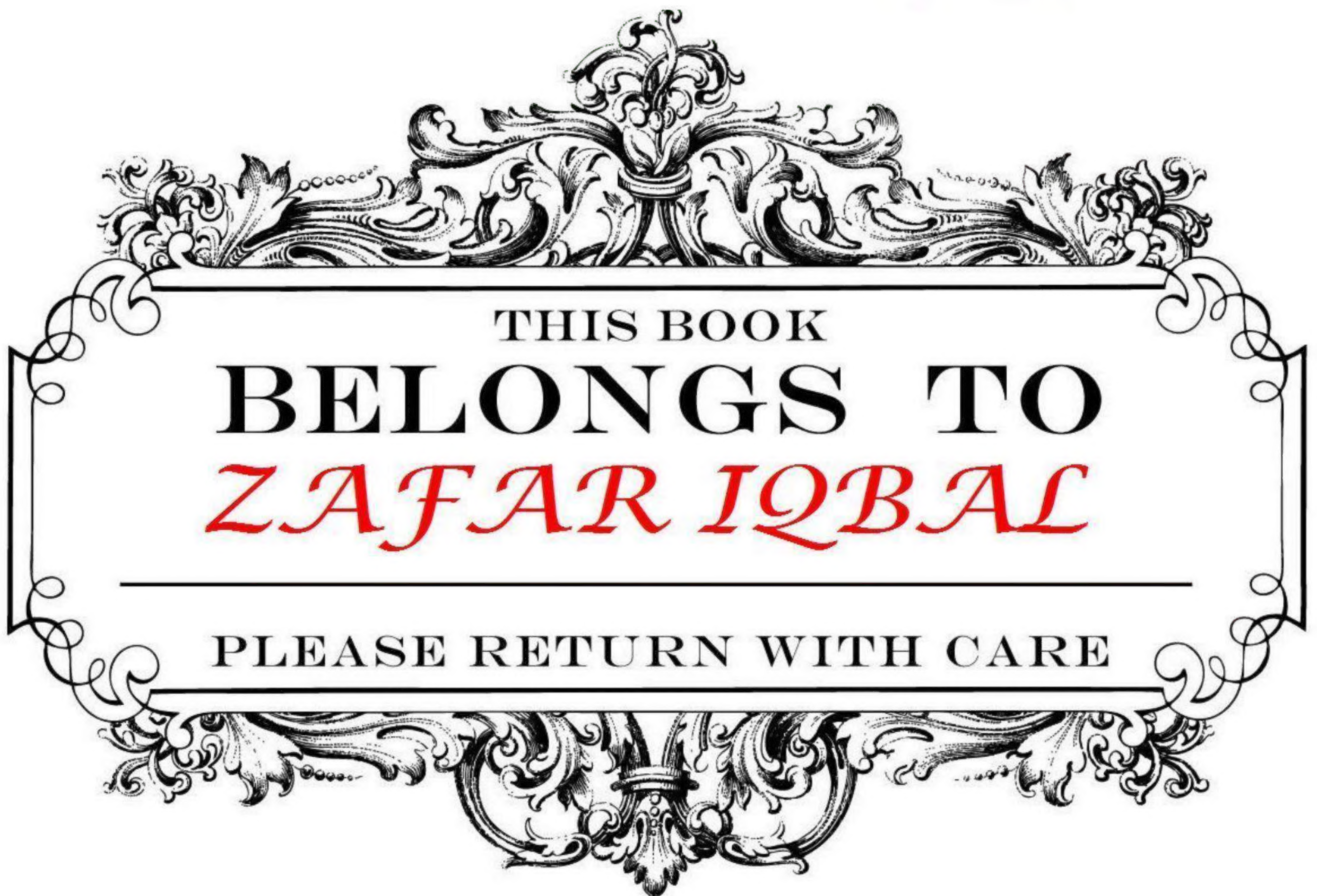
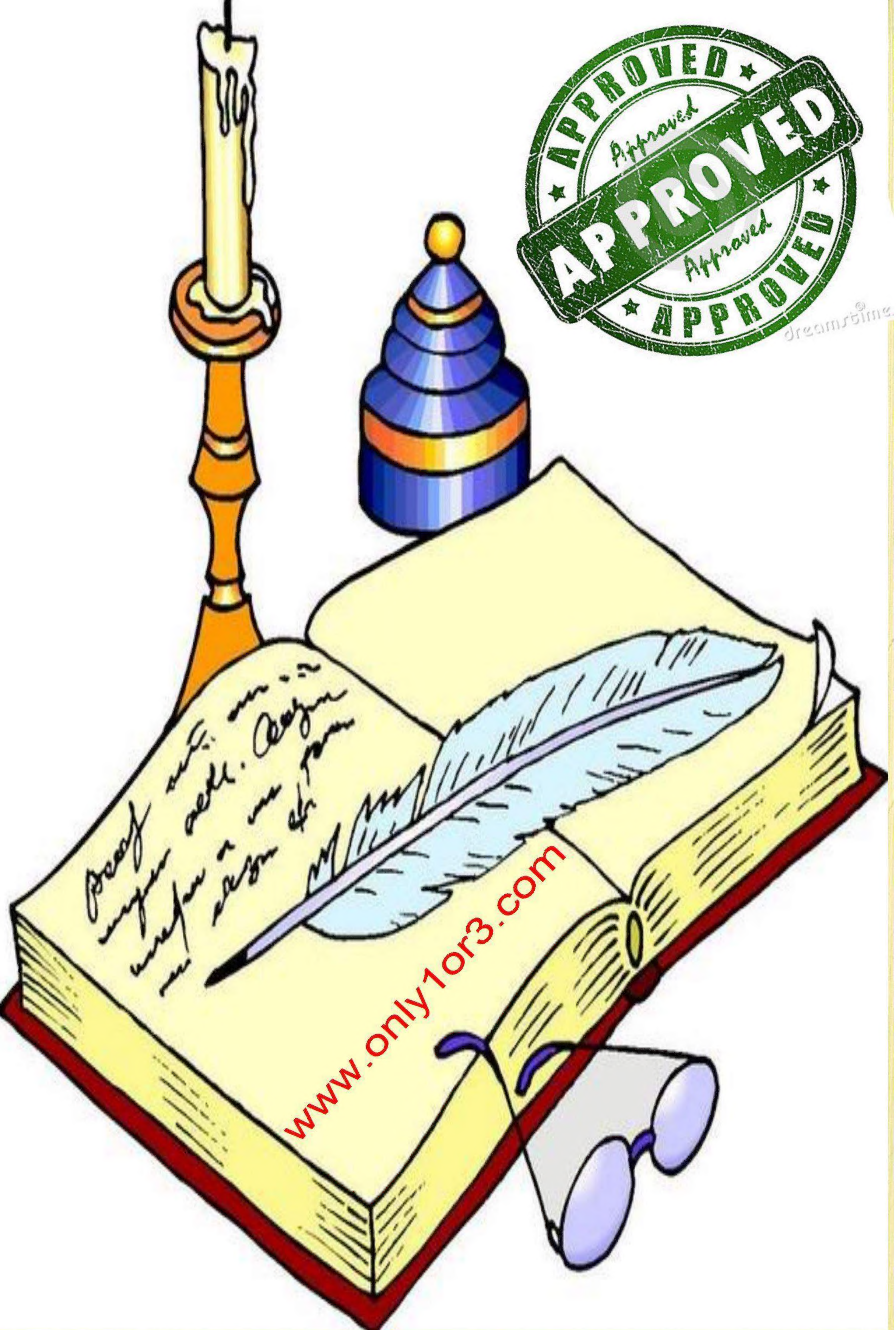


A Unique Presentation





لا توديني في عائشة
(حديث)

كشفت الغيبة عن عمر أمير الأمة

يعني

تحقيق عمر

في الدنيا

عائشة الصديقه

تصنيف

حكيم نياز احمد

ناشر

مشكور اكيڈمي كراچي

لا تودینک فک عائشۃ (حدیث)

کشف الغمۃ عن عمر اُمّ الامۃ

یعنی

تحقیق عمر

رضی اللہ عنہا

عائشۃ الصدیقۃ

تصنیف

حکیم نیاز احمد

ناشر

مشکور اکیڈمی کراچی

جملہ حقوق بحق مصنف محفوظ ہیں

طبع اول
تعداد _____ ایک ہزار
پبلشر _____ مشکور اکیڈمی کراچی
پرنٹر _____ کتب پرنٹر اینڈ پبلشرز لمیٹڈ کراچی
قیمت _____ 100/- روپے

کتاب ملنے کے پتے

۱۔ مشکور اکیڈمی ۴۸۹-۴ بلاک ۲ PECHS کراچی ۲۹
فون نمبر ۴۳۲۸۷۶ ، ۴۳۰۵۰۴

۲۔ حکیم نیاز احمد
حقانی مطب - بلاک ۹ - سرگودھا -
فون نمبر ۲۳۷۳ ، ۲۳۷۹

داخلہ نمبر ۵۶۱۶ تاریخ ۲۳-۶-۹۱

یہ کتاب جناب محمد یوسف بھٹہ نے

انسٹی ٹیوٹ آف پالیسی سٹڈیز کے کتب خانہ

کو بطور تحفہ عطا کیا گیا ہے -

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
		۱	بخاری سے پہلی روایت ہشام موصول
۱۹	ہمارے یقین کے شواہد	۲	بخاری سے دوسری مرسل روایت ہشام
۲۰	بن کو غلطی سے عن لکھ دینے کی مثال	۲	بخاری سے تیسری روایت ہشام موصول
۲۰	چار راوی اور ان سے سماع کی نوعیت	۳	بخاری سے چوتھی ہشام کی روایت موصول
۲۱	اجتماعی سماع ثابت نہیں۔	۳	مسلم سے پہلی روایت ہشام موصول
۲۵	انفرادی سماع	۴	مسلم سے دوسری روایت ہشام موصول
۲۵	متابعات و شواہد	۵	مسلم سے تیسری زہری کی روایت موصول
۲۵	اصل روایت کا تعین اور اس کے متابعات	۵	مسلم سے چوتھی روایت اسود موصول
۲۶	امام بخاری کے نزدیک	۶	ابوداؤد سے ہشام کی روایت موصول
۲۶	امام شافعی کے نزدیک	۷	ابن ماجہ سے ہشام کی روایت موصول
۲۶	امام مسلم کے نزدیک		ابن ماجہ سے دوسری روایت ابو عبیدہ
۲۶	امام ابوداؤد کے نزدیک	۸	موصول
۲۷	امام نسائی کے نزدیک	۸	نسائی سے پہلی روایت ہشام موصول
۲۷	امام ابن ماجہ کے نزدیک	۹	نسائی سے دوسری روایت ہشام موصول
۲۷	امام احمد بن حنبل کے نزدیک	۹	نسائی سے تیسری روایت ابو عبیدہ موصول
۲۸	بیہقی کے نزدیک	۱۰	نسائی سے چوتھی روایت اسود موصول
۲۹	دور نقل روایات	۱۰	نسائی سے پانچویں روایت ابو مسلم موصول
۳۰	دور قرآن	۱۱	کتاب الام سے روایت ہشام موصول
۳۰	دور حدیث		مسند امام احمد بن حنبل سے روایت ہشام
۳۱	دور نقد روایات	۱۱	موصول۔
۳۱	بحث متابعات		مسند امام احمد بن حنبل سے دوسری روایت اسود
۳۱	متابع ابو مسلم	۱۲	موصول۔
۳۲	بحث سند	۱۲	مسند سے تیسری روایت ابو مسلم و یحییٰ مرسل
۳۲	۱۔ احمد بن سعد	۱۷	بیہقی سے روایت ہشام موصول
۳۲	۲۔ سعید بن حکم بن ابی مریم		بحث اسناد
۳۳	۳۔ یحییٰ بن ایوب	۱۸	عبداللہ بن مسعود اس روایت کے راوی نہیں ہیں۔ بن عبداللہ سے عن عبداللہ بنادیا۔

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۵۳	۱۔ عبد بن حمید بن نصر	۳۵	۴۔ عمارہ بن غزیرہ
۵۶	۲۔ عبد الزراق بن ہمام صنعانی	۳۵	۵۔ محمد بن ابراہیم مدنی
۶۱	۳۔ معمر بن راشد	۳۵	۶۔ ابو مسلمہ بن عبد الرحمن بن عوف
۶۳	۴۔ محمد بن مسلم بن شہاب زہری	۳۶	نتائج بحث
۶۴	زہری ائمہ فق کی نظر میں	۳۷	۲۔ متابع ابو عبیدہ نسائی
۶۵	حدیث بسره اور زہری	۳۷	بحث متن
۶۹	عروہ سے زہری کا سماع ثابت نہیں	۳۸	بحث سند
۷۰	زہری کی تدلیس	۳۸	۱۔ قتیبہ بن سعید
۷۱	ایک واقعہ	۳۸	۲۔ عبثہ
۷۱	اصل مروی عنہ کے متعلق احتمالات	۳۹	۳۔ مطرف بن طریف
۷۲	محدثین اور مراسلات زہری	۳۹	۴۔ ابواسحاق سبعی ہمدانی کوفی
۷۲	المرسل حدیث ضعیف	۴۲	۵۔ ابو عبیدہ بن عبد اللہ بن مسعود کوفی
۷۴	تدلیس کیا ہے اور دلس کون ہے؟	۴۳	نتائج بحث
۷۴	اقسام تدلیس	۴۴	۳۔ متابع ابو عبیدہ بن عبد اللہ ابن ماجہ
۷۵	تدلیس ایہام	۴۴	۱۔ احمد بن سنان
۷۵	تدلیس تسویہ	۴۴	۲۔ ابواحمد زبیری
۷۵	وہذا افش انواع التدلیس	۴۵	۳۔ اسرائیل بن یونس بن ابی اسحق
۷۶	تدلیس بالجهول	۴۵	۴۔ ابواسحق اور ابو عبیدہ
۷۶	تدلیس بالبدل	۴۵	نتائج بحث
۷۷	تدلیس تلفیق	۴۶	۴۔ متابع اسود بن یزید
۷۷	تدلیس بالعطف	۴۶	۱۔ ابو معاویہ ضریر
۷۷	تدلیس کے اسباب	۴۷	۲۔ سلیمان بن مہران الاعمش کوفی
۷۷	احکام تدلیس	۵۱	۳۔ ابراہیم نخعی
۷۸	عود الی المقصود	۵۲	۴۔ اسود بن یزید
۷۹	۶۔ متابع ششم عبد اللہ حدثی ابی	۵۲	نتائج بحث
۷۹	امام احمد بن حنبل مسند امام	۵۲	۵۔ متابع زہری عن عائشہ

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۹۵	سے ہے۔	۷۹	بکچی۔
۹۵	علی بن مسہر کی روایت غیر منقطع ہے	۸۰	محمد بن عمر غلط ہے۔
	امام احمد نے اس روایت علی بن مسہر	۸۰	محمد بن بشر
	کو نہیں لیا۔	۸۱	اصل روایت
۹۶	وحدت فی کتابی کا ایہام قابل غور ہے۔	۸۲	اجمال۔ ہشام کے شاگرد
	ابو کریب نے فقہ منا سے شروع ہونے	۸۲	علی بن مسہر
۹۷	والا حصہ روایت تہروج سے ملا دیا ہے	۸۲	تلا بین علی بن مسہر
۹۷	مگر یہ الحاق بے مقصد ہے۔		تفصیل
	فردہ سے یہ روایت تیسری صدی کے	۸۲	۱۔ فروہ بن ابی المغراء
۹۸	دوسرے عشرے میں پہنچی۔	۸۳	۲۔ اسماعیل بن خلیل
۹۸	علی بن مسہر سے اوپر اس روایت کا وجود نہیں	۸۳	۳۔ سدید بن سعید بن سہل ہروی
	اس روایت کی اشاعت کا زمانہ	۸۶	علی بن مسہر علماء رجال کی نظر میں
	تیسری صدی کے عشرہ رابعہ کے بعد شروع	۸۶	علی بن مسہر اور ان کے بھائی
۹۹	ہوتا ہے۔	۸۸	یہ روایت منظر عام پر کب آئی
	اس روایت کی پیدائش ۱۸۹ھ کے قریب		۱۸۵ھ سے پہلے اس روایت کا
	کونے میں ہوئی اشاعت محدودہ ۲۲۰ھ	۸۸	وجود ہی نہیں۔
	کے قریب۔ اشاعت عام ۲۴۰ھ کے بعد		منتقدین کی کتابیں اس روایت سے
	گیارہویں طبقے میں اس کا وجود یقینی ہے	۸۹	خالی ہیں۔
۹۹	دسویں میں مشکوک	۸۹	دو سو سال بعد منظر عام پر آئی ہے۔
	نویں طبقے میں اس کا کوئی راوی نہیں		ابو اسامہ کی طرف اس کی نسبت
	آٹھویں طبقے میں صرف علی بن مسہر ہے	۹۱	تدلیس ہے۔
	جو اس روایت کا موجد ہے۔	۹۲	تدلیس کونے والوں میں عام تھی
	ابو کریب اور ان کے شیخ ابو اسامہ اور علی		مسلم کی اس روایت میں انابو مہذبہ نہیں
	بن مسہر کی کتابیں ان کے ساتھ ہی دفن	۹۲	ہے۔
۱۰۰	کروی گئیں۔	۹۳	اس روایت بالا کا کوئی مؤید نہیں
۱۰۱	ہشام بن عروہ		یہ روایت علی بن مسہر کے غرائب میں

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۱۲۰	۲۔ مولیٰ رفیع بن مہران	۱۰۲	ہشام اور حدیث ام زرع
۱۲۱	مکالمہ زہری و عبد الملک		ہشام کا بغیر آخر عمر میں
۱۲۲	۳۔ مولیٰ حکم بن عقیبہ	۱۰۲	ہشام ہر طب و یا بس اپنے باپ سے
۱۲۳	مولیٰ حبیب بن ثابت	۱۰۲	روایت کرتے ہیں۔
۱۲۳	مولیٰ منصور بن ذاذان	۱۰۳	ہشام کی عادت ترک فی الکتابت
۱۲۳	مصر کے دو موالی علماء	۱۰۳	ہشام منصور کے دربار میں
۱۲۳	مولیٰ حسن بصری		تبصرہ
۱۲۴	مولیٰ محمد بن سیرین	۱۰۵	ہشام کی دہائی خصوصیات
۱۲۵	مولیٰ عبد اللہ بن مبارک۔	۱۰۶	زوجہ ہشام اور روایت ابن اسحاق
۱۲۵	مولیٰ عکرمہ۔		ہشام اپنی بیوی فاطمہ بنت منذر سے
۱۲۵	مولیٰ اسماعیل۔	۱۰۶	روایت کو صرف اپنا حق سمجھتے تھے۔
۱۲۵	چار موالی علماء	۱۰۶	ہشام امام مالک کی نظر میں
۱۲۷	مولیٰ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم		تبصرہ
۱۲۸	مولیٰ اور رائے	۱۰۹	ہشام کی روایت سبایا الامم
۱۳۰	موالیٰ کی بجائے مترفین	۱۱۱	ہشام کی مزید درباری خصوصیات
۱۳۲	روایت سبایا الامم صرف ایک طعن رقابت ہے۔		ہشام کی مغلوب الغضب
	روایت ہشام امت مسلمہ کے لیے فتنہ	۱۱۲	ہشام کے رشتے دار بھی ان سے نالاں تھے
۱۳۲	عظیم ہے۔		اپنی بیوی کے بارے میں ہشام کی غلط بیانی
۱۳۵	سند پر مزید بحث	۱۱۵	فاطمہ ہشام سے بڑی تھیں۔
۱۳۶	فقد منا پر بحث	۱۱۷	حضرت اسماء اور حضرت زبیر کی عمریں
	یہ روایت کلام عائشہ نہیں بلکہ استخراج	۱۱۸	نہادہ عجیب
۱۴۱	ہشام ہے۔	۱۱۸	الغرض
	روایت میں اجمال ابہام ندرت و غرابت	۱۱۹	ہشام کی روایت سبایا الامم پر مزید بحث
۱۴۳	ہے اور نامکمل ہے۔	۱۱۹	موالیٰ علماء یا سبایا الامم
	آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کنبے کی	۱۱۹	۱۔ مولیٰ مکحول

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
	نقشہ ۲ باقی ہے	۱۴۶	مدینہ میں آمد
۱۴۰	اقرب الی الصواب	۱۴۶	رخصتی اور جمیمہ کی بحث
۱۴۰	روایت باللفظ اور روایت بالمعنی	۱۴۷	رخصتی اور جمیمہ
	راوی کا ذاتی ذہن	۱۵۰	صغیر سنی کا تاثر روایت سے ثابت نہیں
	روایت بالمعنی پر راوی کا ذہن غالب	۱۵۱	بخاری کی روایت ثانیہ
۱۴۰	ہوتا ہے	۱۵۱	عمل استخراج
۱۴۱	ماحولی ذہن	۱۵۳	مستقل روایت یا متفرق ٹکڑوں کا مجموعہ
۱۴۱	عصری ذہن	۱۵۴	بخاری کی تیسری روایت
۱۴۱	تاریخی ذہن	۱۵۵	بیان بالواسطہ یا بلاواسطہ
۱۴۱	ملکی ذہن	۱۵۵	رفع اشتباہ
۱۴۲	رفت و گذشت	۱۵۵	بخاری کی چوتھی روایت پر بحث
۱۴۲	عمر عائشہ صدیقہ اور روایت بالمعنی	۱۵۹	متون روایات مسلم پر بحث
۱۴۳	انسان کا تدریجی نشوونما	۱۵۹	مسلم کی پہلی روایت کے متن پر بحث
۱۴۳	عذہ وغیرہ ناقلہ	۱۶۰	مسلم کی دوسری روایت کے متن پر بحث
۱۴۴	عذہ درقیہ کے جوہر کے اثرات	۱۶۰	مسلم کی تیسری روایت کے متن پر بحث
	عذہ جارالدرقیہ کے افعال	۱۶۱	مسلم کی چوتھی روایت کے متن پر بحث
۱۴۵	عذہ نخامیہ کے اگلے لوتھڑے کے افعال	۱۶۲	ابوداؤد کی روایت پر بحث
۱۴۵	جوہر عذہ نخامیہ مکمل	۱۶۲	متون روایات رنسائی پر بحث
۱۴۶	عذہ صنوبریہ کے افعال	۱۶۴	متن روایت کتاب الام
۱۴۷	عذہ توثہ کے افعال	۱۶۴	متن روایت مسند امام احمد
۱۴۷	عذہ فوق الکلیہ کے قشر کے افعال	۱۶۵	حماد بن سلمہ
۱۴۷	تمام عذہ کے مشترک افعال		متن
۱۴۸	نتیجہ بحث	۱۶۷	متن روایت بیہقی
۱۴۹	روایت نزوح کی شرعی حیثیت	۱۶۷	عمومی بحث
	امت مسلمہ عملی اجتماع اس روایت	۱۶۸	عمومی بحث متعلقہ رجال
۱۴۹	کے خلاف یہاں		نقشہ دیگر روایات علاوہ ہشام

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۱۸۷	روایت سے خاموش ہیں۔	۱۷۹	روایت کی توجہات بغرض تسلیم
۱۸۸	دوسری صدی نصف اول کی کتب	۱۷۹	۱۔ بناء قبل البلوغ
	حدیث و تاریخ اس روایت سے خالی ہیں	۱۷۹	۲۔ بناء بمعنى رخصت
	دو براول کے فقہاء اور ائمہ نے اسے	۱۸۰	۳۔ بلوغ فی التسعة
۱۸۹	درنور اغنا نہیں سمجھا۔	۱۸۱	حاصل کلام
	یہاں تک کہ اول سیرت نگاروں نے بھی	۱۸۱	روایت تزوج کی تاریخی حیثیت
۱۸۹	اس روایت کا اعتبار نہیں کیا۔		خود حضرت عائشہ کا خاندان اس روایت
	امام ابو حنیفہ نے اسے تسلیم نہیں کیا۔	۱۸۲	سے بے خبر ہے۔
	امام شافعی نے دوسری صدی کے آخر میں		قلیل الروایات اور کثیر الروایات اس سے
۱۹۲	اسے قبول کیا۔	۱۸۲	بے خبر ہیں۔
	پہلی کتاب حدیث مصنف عبد الرزاق	۱۸۳	صحابہ کے تلامذہ بھی اس سے بے خبر ہیں
	میں مسخ ہو کر شائع ہوئی۔		مدینہ کے منافق تک اس سے بے خبر
	کتب حدیث میں اس روایت کی بسم اللہ	۱۸۳	ہیں۔
۱۹۳	ہی غلط ہوئی۔		خاندان ابوبکر میں سے کوئی اس کا راوی
	احناف اور موالک میں اس روایت کی	۱۸۴	نہیں۔
	مقبولیت کب ہوئی۔	۱۸۵	خود عروہ کا خاندان اس سے بے خبر ہے
۱۹۴	روایت تزوج کا تاریخی جائزہ	۱۸۵	خود ہشام کا خاندان اس سے بے خبر ہے
	روایت کا اختفاء اور افشاء		مدینہ کے تابعین کے ساتوں طبقات
۱۹۴	عروہ نے روایت کو راز سر بہ رکھا۔	۱۸۵	اس سے بے خبر ہیں۔
	افشاء راز کے وقت کوئی عینی شہادت		تابعین مکہ کے پانچوں طبقے اس روایت
	موجود نہ تھی۔	۱۸۶	سے بے خبر ہیں۔
	قول بلا تحقیق	۱۸۶	بمن والے اس سے بے خبر ہیں
	روایت پرتلامذہ ہشام کی شخصیت	۱۸۶	عراق والے بھی اس سے بے خبر ہیں
	کا اثر۔		تابعین کوفہ کا کوئی طبقہ اس سے واقف
	بالآخر اس روایت نے متواتر المتأخرین	۱۸۷	نہیں
	کا مقام حاصل کر لیا۔		بصرے وغیرہ کے صحابہ اور تابعین بھی اس

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۲۲۰	واقعہ کی اہمیت شہادت کی اہمیت کا تقاضا کرتی ہے۔	۱۹۷	مقام بخاری
۲۲۲	امرواقعہ اور قیاس راوی	۲۰۰	طلب حدیث اور اجازت
۲۲۳	ثقہ راوی کی خلاف عقل اور خلاف مسلمات	۲۰۲	حدیث کے لیے عمر کا تعین
۲۲۵	روایت مردود ہے۔	۲۰۲	نقشہ عمر اجازت تلامیذ ہشام
۲۲۶	محدثین کا قبول روایت میں تامل	۲۰۲	روایت کی پیدائش کی رو سے اشاعت کا زمانہ
۲۲۷	روایت بالمعنی	۲۰۲	صحابہ کے زمانے میں عمر عائشہ کا کئی مسئلہ نہیں تھا
۲۲۸	خبر آجاد	۲۰۲	نقشہ روایت تلامیذ ہشام بالواسطہ
۲۲۹	مثال ۱	۲۰۲	وبلا واسطہ۔
۲۳۰	مثال ۲	۲۰۲	عمر ہشام بوقت روایت
۲۳۱	حدیث کے لیے حضرت عائشہ کے اپنے اصول	۲۰۲	ہشام آخر عمر میں قابل اعتماد نہیں رہے تھے۔
۲۳۲	۱۔ خلاف قرآن ہونا۔	۲۰۲	اشاعت روایت غیر علمی
۲۳۳	۲۔ وہم پر مبنی ہونا۔	۲۰۲	جذباتی اسباب
۲۳۴	۳۔ فطری مسلمات کے خلاف ہونا	۲۰۲	ہشام کی روایت کا متابع اول
۲۳۵	۴۔ معمولات دین کے منافی ہونا	۲۰۲	خلاصہ و نتیجہ
۲۳۶	۵۔ سہولت شرعی کے منافی ہونا۔	۲۰۲	متابع دوم
۲۳۷	۶۔ عظمت انسانی کے منافی ہونا	۲۰۲	متابع سوم
۲۳۸	۷۔ تمام ضابطہ شرعی کے منافی ہونا	۲۰۲	متابع چہارم
۲۳۹	۸۔ خلاف عقل ہونا۔	۲۰۲	روایت ہشام نیچے سے اوپر چڑھی
۲۴۰	نتیجہ	۲۰۲	حدیث حجاز یا حدیث عراق
۲۴۱	روایت ہشام ضابطہ تخلیق الہی کے خلاف ہے۔	۲۰۲	کیا اسرائیل حجت تھیں
۲۴۲	صغریٰ بلوغ کی فقہی بحث	۲۰۲	قبول حدیث کے عام ضابطے
۲۴۳	حنفی نقطہ نظر	۲۰۲	کیا صرف راوی کا ثقہ ہونا قبول روایت کے لیے کافی ہے۔
۲۴۴	مالکی نقطہ نظر	۲۰۲	ثقاہت کے ساتھ ثقاہت بھی ضروری ہے

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۲۵۳	نبی کے کام میں دخل اندازی سنگین جرم ہے۔	۲۳۵	شافی نقطہ نظر
۲۲۲	آیت نمبر ۹	۲۳۶	حنبلی نقطہ نظر
۲۵۲	اتباع رسول مع محبت و عظمت رسول	۲۳۶	سن بلوغ
۲۵۶	نبی کے نور ہدایت کے سوا کہیں نور نہیں	۲۳۷	بلوغ فطری
۲۵۶	خلاصہ	۲۳۷	بلوغ انسانی
۲۵۶	رابطہ بحث	۲۳۸	مقصد بلوغ
۲۵۷	ایک مفید اخلاقی بحث	۲۳۸	بلوغ اور تمدن اقوام
۲۵۸	انسانی زندگی کے مختلف دور	۲۳۹	بلوغ اور تمدن عرب
۲۶۰	ہر دور کے مسلمہ معروفات	۲۴۰	بلوغ اور اعظم رجال
۲۶۱	منہج خیر سے صدور شر نہیں ہو سکتا	۲۴۰	بلوغ اور انبیاء ربک یقین
۲۶۲	اطاعت رسول کا حکم شعوری اور اختیاری ہے۔	۲۴۱	بلوغ اور حضرت عائشہ صدیقہ
۲۶۲	کلام نبوت کی شناخت	۲۴۲	روایت ہشام احکام اور اتباع رسول کے خلاف ہے
۲۶۲	روایت ہشام عظمت نبوت کے	۲۴۳	بعثت برائے تزکیہ نفس
۲۶۴	سراسر خلاف ہے	۲۴۳	نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان ہی
۲۶۴	روایت کا انکار عظمت رسول کے	۲۴۴	معیار فیصلہ ہیں
۲۶۷	انکار سے بہتر ہے۔	۲۴۴	دنیا کیل نہیں دار العمل ہے
۲۶۸	نص قطعی کے مقابلے میں خبر آماد کی کوئی حقیقت نہیں۔	۲۴۵	فرامین رسول ہی ماخذ ہدایت ہیں
۲۶۸	ہشام کی روایت نام نہاد توجہات کے خول میں بھی کراہت سے پاک نہیں ہوتی۔	۲۴۷	نبی کریم کی کوئی تعلیم بھی عالمگیر انسانی صداقتوں کے منافی نہیں۔
۲۷۱	کیا حضرت خدیجہ نکاح کے وقت بوڑھی تھیں۔	۲۴۷	محبت رسول کا غلبہ
۲۷۱	منہج نبوت انسان کامل کو دیا جاتا ہے	۲۴۹	نبی اپنی ہر حیثیت میں واجب الاطاعت ہے۔
۲۷۱		۲۵۱	نبی کا کوئی فعل فطرت اور معروف کے خلاف نہیں۔
۲۷۱		۲۵۱	نبی کے تمام افعال و اقوال معصوم عن الخطا ہیں۔

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۲۸۴	بعض رواۃ نے حضرت عائشہؓ کے کھیل کو غزوہ تبوک تک پہنچا دیا۔	۲۷۲	آپ نے ہر قسم کی رہبانیت کو ناپسند فرمایا نکاح عائشہؓ بامقصد تھا بے مقصد نہیں تھا۔
۲۸۶	کھیل کے راوی بھی وہی ہیں جن پر روایت تزوج میں بحث کی جا چکی ہے۔	۲۷۳	روایت ہشام کے خلاف امت مسلمہ کا عملی اجماع۔
۲۸۶	حضرت عائشہؓ کو ہمیشہ کے لئے بچی بنا کر رکھ دیا ہے۔	۲۷۴	فقہیہ اور افقہ کا تقابل
۲۸۶	حضرت عائشہؓ کو متضاد شخصیت بنا دیا گیا ہے	۲۷۶	قبول روایت کے لئے ہمارا پسندیدہ ضابطہ
۲۸۷	حقیقت یہ ہے۔	۲۷۷	علماء نقد حدیث کے تمام ضابطوں کو تسلیم تو کرتے ہیں لیکن استعمال کے وقت ہر روایت سے مرعوب ہو جاتے ہیں۔
۲۸۹	بھلا غور تو کیجیے۔	۲۷۷	ایک غلط روایت کی شہرت نے صحیح روایات کا خاتمہ کر دیا
۲۹۰	کیا صرف حضرت عائشہؓ ہی کھیلتی تھیں۔	۲۷۷	خلاصہ جملہ مباحث۔
۲۹۱	حضرت عائشہؓ کی کم عمری کا تیرا ماخذ۔	۲۷۷	حضرت عائشہؓ کی کم عمری کے دوسرے ماخذ گزریوں اور سہیلیوں کی روایات
۲۹۱	گانے کی روایات۔	۲۷۷	گزریوں کی روایات۔
۲۹۱	عید الاضحیٰ کے دنوں میں گانے کی روایات	۲۷۷	بخاری شریف کی روایات
۲۹۱	بخاری بروایت عبید بن اسماعیل۔	۲۷۷	مسلم شریف کی روایت
۲۹۲	مسلم بروایت ابو بکر بن ابی شیبہ	۲۷۷	مسند امام احمد کی روایت
۲۹۳	مسلم بروایت یحییٰ بن یحییٰ۔	۲۷۷	ابن ماجہ کی روایت
۲۹۳	مسلم بروایت مارون بن سعید الایلی۔	۲۷۷	ابوداؤد کی روایت
۲۹۴	نسائی بروایت قتیبہ بن سعید	۲۸۱	یہ سب روایات ہشام بن عروہ کی ہیں
۲۹۵	نسائی بروایت احمد بن حفص۔	۲۸۱	ان میں دو روایات کو جمع کر کے غلط نتیجے تک پہنچا گیا۔
۲۹۵	مسند امام احمد بروایت عبداللہ۔	۲۸۱	ہشام کے شاگرد نے تین روایتیں جمع کر کے
۲۹۶	جملہ روایات کا مرکزی مضمون۔	۲۸۱	اور خرابی پیدا کر دی۔
۲۹۷	ایک معمولی واقعہ کو رواۃ نے خواہ مخواہ اہمیت دے دی۔	۲۸۲	
۲۹۹	یہ روایات مدرج اور ملحق ہیں۔	۲۸۲	
۲۹۹	جشیوں کے کھیل کی روایات	۲۸۴	
۲۹۹	بیشتر روایات ہشام سے منقول ہیں۔		

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۳۱۵	تلفیق مسند امام احمد میں۔	۳۰۰	بخاری بروایت عبدالعزیز۔
۳۱۵	مزید تلفیق بخاری میں۔	۳۰۱	بخاری بروایت ابراہیم بن المنذر۔
۳۱۶	تلفیق مسند ابو داؤد و طیالسی میں۔	۳۰۱	مسلم بروایت ابراہیم بن دینار۔
۳۱۷	دور اول میں تلفیق عام تھی۔	۳۰۲	نسائی بروایت محمد بن آدم۔
۳۱۷	تابعین میں جمع احادیث۔	۳۰۲	مسلم بروایت جریر بن ہشام۔
۳۱۷	تلفیق کا سلسلہ شروع میں عام تھا۔	۳۰۳	مسلم بروایت یحییٰ بن یحییٰ۔
۳۱۸	دور تابعین میں تلفیق کثرت سے کی گئی۔	۳۰۴	مسند امام احمد بروایت عبداللہ۔
۳۱۸	دور اول میں نقل احادیث۔	۳۰۴	نسائی بحوالہ فتح الملہم۔
۳۱۹	روایت نمبر ۳ میں ہشام کا استنباط معلوم ہوتا ہے۔	۳۰۵	نسائی بحوالہ فتح الباری۔
۳۱۹	حبشہ کی روایت میں یوم عید کا اضافہ بطور تلفیق ہوا۔	۳۰۵	مشکل الآثار بروایت یونس۔
۳۱۹	ابو داؤد کی روایت میں تضاد ہے۔	۳۰۶	ان سب روایات میں ایک ہی واقعہ ہے۔
۳۲۰	تھن کی ضمیر تلفیق پر دلالت کرتی ہے۔ حبشیوں کے کھیل کی دو روایات جن کے آخر میں فاقد روا ہے۔	۳۰۶	ان روایات سے حضرت عائشہ کا بچپن ثابت نہیں ہوتا۔
۳۲۱	بخاری بروایت اسحاق بن ابراہیم۔	۳۰۷	ان اعمال حربیہ کے دیکھنے کی خواہش حضرت عائشہ نے نہیں کی تھی۔
۳۲۲	بخاری بروایت عبداللہ بن محمد۔	۳۰۸	روایات زہری عن سعید بن المسیب۔
۳۲۳	مسلم بروایت ابو طاہر۔	۳۰۸	بخاری بروایت ابراہیم بن موسیٰ۔
۳۲۳	نسائی بروایت علی بن خشرم۔	۳۰۸	مسلم بروایت محمد رافع۔
۳۲۴	مسند امام احمد بروایت ابو المغیرہ۔	۳۰۹	نسائی بروایت اسحاق بن موسیٰ۔
۳۲۴	مسند امام احمد بروایت عبدالرزاق۔	۳۱۰	روایت معمر اور توہین عمر رض۔
۳۲۵	مسند امام احمد بروایت محمد بن مصعب۔	۳۱۱	معمر کی روایات میں عبدالرزاق کی چابکدستی ہو سکتا ہے یہ روایت مرسلات زہری سے ہوں۔
۳۲۶	مسلم بروایت محمد بن سفیان۔	۳۱۲	تلفیق بین الروایات۔
۳۲۶	مسند امام احمد۔	۳۱۲	تلفیق بخاری میں۔
۳۲۸	فاقد روا والی روایات پر سند بحث۔	۳۱۳	تلفیق مسلم میں۔

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۳۳۰	عیسیٰ بن یونس کا سماع اور ائیسے	۳۲۸	تلامیذ عائشہ
	ثابت نہیں۔	۳۲۸	عبد بن عمر۔
۳۳۸	محمد بن مصعب۔	۳۲۸	ابو سلمہ۔
۳۴۰	ابو المغیرہ۔	۳۲۸	عروہ۔
۳۴۱	معمر بن راشد۔	۳۲۸	ہشام بن عروہ
۳۴۲	عبدالرزاق۔	۳۲۸	یہ اصناف کس نے کیا۔
۳۴۳	بحث۔	۳۲۹	ابن شہاب زہری
۳۴۴	عبدالرزاق کی زندگی کے تین دور	۳۲۹	رواۃ زہری
۳۴۶	اوراج حدیث۔	۳۲۹	صلاح
۳۴۶	آخر میں اوراج کی مثال۔	۳۳۰	عقیل
۳۴۶	مثال نمبر ۲۔	۳۳۰	یونس
۳۴۸	مثال نمبر ۳۔	۳۳۰	زمعہ
۳۴۸	شروع میں اوراج کی مثال ۴۔		مسند زمعہ پر تفصیلی بحث
۳۴۸	مثال نمبر ۶۔	۳۳۰	زمعہ کے بارے میں علماء کی رائے۔
۳۴۸	اوراج کی چوتھی صورت	۳۳۱	الاوزاعی
۳۴۹	اقسام اوراج	۳۳۱	شیوخ اوزاعی
۳۴۹	اوراج عبدالرزاق	۳۳۱	محمد بن سیرین
۳۵۱	ایک قابل غور تحقیق	۳۳۲	نافع مولیٰ بن عمر
۳۵۲	عبدالرزاق صراحتہ واضح حدیث	۳۳۲	عبداللہ بن زکریا
	مبھی ہے۔	۳۳۲	ابو مصبیح خالد بن
۳۵۶	عبدالرزاق کی کچھ موضوعات	۳۳۲	یحییٰ بن کثیر
۳۵۶	عبدالرزاق کی ہر روایت میں	۳۳۲	زہری
	چابکدستی ہے۔	۳۳۳	ولید بن مسلم
۳۵۶	عبدالرزاق کا تیسرا دور۔	۳۳۴	ولید کا تالیس تسویر
۳۵۶	ہشام بن یوسف۔	۳۳۴	عیسیٰ بن یونس
۳۵۶	”فاقد روا“ والی روایت۔	۳۳۶	عیسیٰ بن یونس کے متعلق ائمہ کے اقوال

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۳۸۶	ہمورج کا ہلکا پن صغریٰ سے نہ تھا۔	"	مسلم میں زید بن یونس بن زید۔
۳۸۷	عبدالرزاق کی سنگدلی۔	۳۵۷	ابو ظاہر
	روایات اناجاریہ۔	۳۵۸	ابن سعد "ذکرہ" کے اضافے سے بری الذمہ
۳۸۸	۱۔ بخاری بروایت ابراہیم بن موسیٰ۔		یہ ہیں۔
۳۸۹	۲۔ مسند امام احمد بروایت عبداللہ۔	۳۶۰	قائد روا کا اضافہ گستاخانہ تمسخر اور خلاف فطرت ہے۔
۳۹۰	۳۔ مسند امام احمد بروایت عبداللہ۔		عظمت رسول اور عظمت صحابہ عظمت شیوخ سے
۳۹۱	۴۔ مسند امام احمد بروایت عبداللہ۔	۳۶۱	مقدم ہے۔
۳۹۱	پہلی روایت پر تبصرہ۔	۳۶۲	حافظ ابن حجر کا حسن ظن۔
۳۹۲	دوسری روایت پر تبصرہ۔		حضرت عائشہ کی کم عمری یا پھر حال مآخذ۔
۳۹۲	تیسری روایت پر تبصرہ۔	۳۶۵	قصہ افک کی روایات۔
۳۹۵	حدیث مہالقت میں کذب راوی۔	۳۶۶	قصہ افک کے راوی۔
۳۹۶	ابو حفص عمر کا سماع ہشام سے ثابت نہیں۔	۳۶۷	رواۃ عائشہ۔
	چوتھی روایت پر تبصرہ۔	۳۶۸	روایت ہشام خارج از بحث ہے۔
۳۹۷	اتفاقات عجیبہ۔	"	روایت علقمہ بھی خارج از بحث ہے۔
۴۰۰	عائشہ آرائی۔	۳۷۰	انا جاریہ کے رواۃ پر بحث
۴۰۲	حضرت عائشہ کی کم عمری کا چھٹا مآخذ حدیث	۳۷۱	صالح بن کیسان۔
"	خراب۔	۳۷۲	معمر بن راشد۔
۴۰۳	کیا یہ صغریٰ پر وال ہے۔	۳۷۳	۳۔ یحییٰ بن یحییٰ۔
۴۰۴	بلکہ کبر سن پر وال ہے۔	۳۷۴	۴۔ فلیح بن سلیمان۔
	غرض۔	۳۷۵	حدیث افک میں اناجاریہ کی مزید بحث۔
		۳۷۷	اضافہ ثقہ۔
		۳۷۸	انا جاریہ زہری کا جملہ نہیں۔
		۳۷۹	سیرت ابن اسحاق اس اضافے سے خالی ہے۔
		۳۸۰	عبدالرزاق کے سوا کوئی اس اضافے کا ترک نہیں
		۳۸۳	جامع معمر میں یہ روایت نہیں ہے۔
			طبقات کی روشنی میں اضافات کا جائزہ۔

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۲۴	دوسرا قرینہ		
۲۴	بل الساعۃ کے نزول سے حضرت عائشہ کی		جلد دوم
۲۴	نبرداری -	۲	عمر عائشہ اور ہم عصر محققین -
۲۶	تیسرا قرینہ -	۳	حضرت خدیجہ کی بوقت نکاح چہل سالگی
۲۸	روایت ہجرت حبشہ		محل نظر ہے -
۲۸	شرح روایت	۴	نکاح خدیجہ ۲۵، ۲۶ سال کی عمر میں ہوا -
۲۹	عہد شکنی قریش کی طرف سے ہوئی	۵	مولانا شبلی اور عمر نکاح عائشہ
۳۰	قریش کی طرف سے نئی شرائط		آخر ہر جگہ حضرت صدیقہ کی عمر بیان کرنے
	جو ار ابن الدغنه ۵ - تکمیل طویل ہے -	۸	کا مقصد -
۳۲	عمر صدیقہ	۹	نیاز فتح پوری اور نکاح صدیقہ -
۳۲	حضرت عائشہ کا نکاح	۱۰	حضرت عائشہ کی کبر سنی کے اثباتی قرائن
	تحریک نکاح بروایت خواب -	۱۲	- پہلا قرینہ -
۳۵	تحریک نکاح بترغیب خولہ	۱۲	سابقین بالایمان - پہلی فہرست
۳۵	جبیر بن مطعم اور حضرت عائشہ -	۱۳	سابقین بالایمان - دوسری فہرست
۳۶	تنقیحات -	۱۴	سابقین بالایمان - تیسری فہرست
۳۶	تنقیحات سے پہلے محققین کا جائزہ	۱۵	مختلف ترتیبوں کی تطبیق -
۳۶	شبلی نعمانی -		متقدمین کے نزدیک حضرت عائشہ
	کیا حضرت عائشہ جبیر بن مطعم کے صاحبزادہ	۲۰	سابق الایمان رہیں -
۳۸	سے منسوب تھیں -		محمد بن اسحاق کی روایت کا قتل سے بچنا
۳۸	سید سلیمان ندوی -	۲۰	ایک کرامت ہے -
۳۹	نیاز فتح پوری نے مکھی پر مکھی ماری -		حضرت عائشہ کے بارے میں ابن اسحاق
۴۰	مولانا سعید احمد اکبر آبادی بھی قدم بقدم	۲۲	کی روایت قابل ترجیح ہے -
۴۰	تحقیق نقیض کا ہمہ گیر فقدان		کیا صحابہ کی عمروں کا معلوم ہونا ضروریات
۴۱	تنقیح نمبر ۱	۲۲	دین میں سے ہے -
۴۱	جبیر بن مطعم جو ان آدمی تھا -	۲۳	خلاصہ
۴۳	پانچ سالہ عائشہ کی نسبت جو ان جبیر سے مستبعد		

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۵۳	نہ کرتے تب بھی سر سے انقطاع ضروری تھا۔	۴۳	تنقیح نمبر ۲۔
۵۴	سئل سئل ترک نسبت کی بجائے طلاق کے لئے ہوتا ہے۔	۴۴	کب عربوں میں نکاح صغیرہ کا رواج تھا۔
۵۵	ابن ابی بلکہ کی روایت کے نزع نکلنے پر حیرت	۴۴	عمر نکاح فاطمہ بیس یا چھ بیس سال ہے۔
۵۵	تنقیحات ۲ تا ۸	۴۴	عمر نکاح ام کلثوم ۱۸ یا ۲۸ سال ہے۔
۵۵	خولہ کی تجویز نکاح کمسن بچی کے لئے ہرگز نہیں تھی۔	۴۵	پختہ عمری میں نکاح کرنا عالمگیر فطرت
۵۶	حضرت ابو بکر نے بیعتی ہونے کے بجائے کم سن ہونے کا عذر کیوں پیش نہ کیا۔	۴۵	انسانی ہے۔
۵۶	تنقیح نمبر ۹-۱۰	۴۵	حضرت عائشہ کی بہن کا نکاح ۲۶ یا ۲۷ سال کی عمر میں ہوا تھا۔
۵۶	وفات خدیجہ اور نکاح عائشہ کا درمیانی وقفہ	۴۶	ام المؤمنین حضرت زینب کا پہلا نکاح ۲۲ سال کی عمر میں ہوا۔
۵۷	وفات خدیجہ کے بعد وقفہ ۳ سال بعد روایت ابن سعد۔	۴۷	ام کلثوم بنت عقبہ کا نکاح بھی کبر سن میں ہوا
۵۸	وقفہ ۳ سال بروایت ہشام۔	۴۷	تنقیح نمبر ۳
۵۸	وقفہ ۳، ۴، ۵ سال بروایت اسد الغابہ	۴۸	جمیر بن مطعم سے حضرت عائشہ کا نکاح ہو چکا تھا۔
۵۹	ناقابل تطبیق	۴۸	جمیر بن مطعم سے انقطاع ایک ہی دن کی بات سمیت سے نہیں ہوا۔
۶۰	وقفہ کی تعیین نفس مسئلہ کے لئے ضروری نہیں ہے۔	۴۹	جمیر سے انقطاع وعدہ خلافی کی تعریف میں نہیں آتا۔
۶۰	روایت ہشام فی البخاری پر بحث۔	۴۹	جمیر صفت اول کا دشمن اسلام تھا۔
۶۰	مدت بلا نکاح کے حالات کیا تھے۔	۵۰	صرف نسبت چھڑانے کے لئے لڑکی والے لڑکے والوں کے گھر نہیں جایا کرتے۔
۶۱	بعض روایات وقفہ تسلیم نہیں کرتیں۔	۵۱	تدبیر انقطاع۔
۶۲	نکاح قبل از ہجرت تین سال کے قول کو علما نے رد کر دیا۔	۵۲	جمیر نے عائشہ کو طلاق دے دی
۶۳	متفق علیہ والے۔	۵۲	روایت مسند میں پوری گفتگو نقل نہیں کی گئی۔
۶۳	تنقیح نمبر ۱۱۔	۵۳	مشرکین سے نکاح کی ممانعت
۶۳	زمانہ رخصتی۔		نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم عائشہ سے نکاح

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۶۴	و سلم تک اسلام کی تدریجی تاریخ کی وہی راوی	۶۴	دو اور تین سال کے وقفے تعبیری مغالطے ہیں
۶۵	ہیں بخاری جلد ثانی صفحہ ۵۶۶ -	۶۵	دو تین سال کے وقفے کی تردید -
۶۶	طویل صحبت میں حضرت ابو بکر کے بعد حضرت عائشہ افضل ہیں -	۶۶	تحقیق کی رو سے وقفہ صرف ایک سال تھا۔
۶۶	حضرت ابو ہریرہ سے بیشتر روایات سماعی ہیں	۶۶	روایت ابن سعد
۶۶	اور حضرت عائشہ عینی شاہد ہیں -	۶۶	روایت اصالبہ
۶۸	حضرت ابو ہریرہ کے بعض فتاویٰ میں حضرت عائشہ کی اصلاح -	۶۸	زرقانی علی الموابہب
	حضرت عائشہ دیگر مکثرین روایات سے افضل و مقدم ہیں -		۵ سالہ معیت نبی و عائشہ میں تردید قریل ہشام ہے -
	منافقین کے دیرینہ کے کارنامے -		محققین کے قریل سے ہشام کی روایت کے
۹۰	یہ روایات حضرت عائشہ کی رخصتی سے ہیں ہونے کا ثبوت ہیں -	۶۹	سیاق و سباق دونوں رد ہو جاتے ہیں -
		۶۹	ایک سالہ وقفے کی کیا وجہ تھی ؟
		۷۱	خلاصہ بحث
		۷۲	پانچواں قرینہ
		۷۲	واقعہ ہجرت بروایت ابن سعد
	آٹھواں قرینہ (ب)		چھٹا قرینہ
۹۰	حضرت عائشہ کے ہاتھوں خدمتِ اسلم	۷۷	اسلم میں حضرت عائشہ کی روایت عیادت
۹۲	آخری چار روایات ایک ہی روایت کے ٹکڑے میں		ساتواں قرینہ
۹۳	ذہبی کا اعتراض		
۹۳	ذہبی کا اعتراض ہشام کی روایات پر مبنی ہے - جسے ہم کلی طور پر مجروح کر چکے ہیں -	۷۹	غزوہ بدر ۲ میں شرکت عائشہ -
		۸۰	بدری ہونے کی بنا پر حضرت عائشہ کا وظیفہ دیگر از دواح سے زیادہ تھا -
	نواں قرینہ		آٹھواں قرینہ (الف)
۹۵	جنگ احد میں حضرت عائشہ کی خدمات	۸۱	بعثت سے وفات رسول اللہ صلی اللہ علیہ

صفحہ	موضوع	صفحہ	موضوع
		۹۶	عزیزہ احد کی ہولناکی
۱۱۰	تیسرے سوال قرینہ	۹۶	احد کی میدانی خدمت بچیوں کا کام نہ تھا۔
		۹۷	احد کی شرکت سے ۴ سالہ لڑکوں کی مالت
۱۱۰	آیت تخییر۔		اور حضرت عائشہ کو اجازت۔
"	روایت تخییر۔	۹۸	ام سلیم کی سلاح بندی۔
		۹۸	عزوات میں عورتیں مسلح ہوتی تھیں۔
۱۱۳	چودھواں سوال قرینہ		ام عمارہ کو دفاع بنی صلی اللہ علیہ وسلم میں
			سمازخم آئے۔
"	واقعہ معراج۔		
۱۱۴	معراج چہ ہمدی کی تردید کسی صحابی سے		دسواں سوال قرینہ
	ثابت نہیں۔		
۱۱۶	روایت بارہوی میں حضرت عائشہ کا موقف۔	۱۰۰	فنون عربیت و انساب میں مہارت عائشہ
	خلاصہ بحث		مہارت شعر و نسب کے لئے عائشہ رحمہا کا
			کم از کم اپنے معلم والد کے گھر رہنا ضروری
			ہے۔۔
	پندرہواں سوال قرینہ		
۱۱۹	نماز کی تدریجی فرضیت سے حضرت عائشہ		گیارہواں سوال قرینہ
	کی واقفیت۔		
		۱۰۲	کنیت عائشہ۔
	سولہواں سوال قرینہ		قیاس کا تقاضا ہے کہ عبداللہ حضرت عائشہ
		۱۰۵	یقینی ہوں گے۔
۱۳۱	حضرت عائشہ تدریج احکام اور اسرار و حکم		
	کی ماہر تھیں۔	۱۰۷	یار ہواں سوال قرینہ
۱۳۲	ہمارا اصلی موقف۔		
	روایت ہشام میں سہو کتابت	۱۰۷	حضرت عائشہ کا تہور۔
۱۳۵	خطا غفلت و نسیان انسان کی سرشت میں داخل ہے		

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۱۴۴	تقاضائے عمر ایک ناقابل انکار حقیقت ہے۔	۱۳۵	سہو کتابت کی پہلی مثال۔
۱۴۵	خطائے سماعت۔		جبیر بن مطعم کے باب میں مولانا شبلی وغیرہ
۱۴۵	ترک لفظ ابن		کی غفلت۔
۱۴۶	ترک امام بخاری	۱۳۶	سہو کتابت۔
۱۴۶	تسع عشر صرف عشر رہ گیا۔		سہو کی دوسری مثال۔
	وانا یومئذ بنت تسع میں سہو ہشام	۱۳۷	بنی کریم کی تاریخ وفات۔
۱۴۷	فی الکبر میں تناقض سہو حفظ ہشام	۱۳۸	۱۲ وفات۔
۱۴۷	روایت ترمذی عائشہ ہشام کی نسیان زدہ	۱۳۹	۱۲ وفات اور محقق علماء
۱۴۷	روایت ہے جسکی اصلاح امرت کے فرمے		ثانی شہر سبقت قلم سے ثانی عشر چل نکلا
	ہے۔		سہو کتابت کی تیسری مثال
۱۴۸	ترک عشرہ یا عشرین۔	۱۳۹	لم یکنب ابو عبد الرحمن
۱۴۸	خود میرا اپنا حال۔	۱۴۰	نسیان و خطا کی چوتھی مثال۔
۱۴۹	خلاصۃ الکتاب۔		ابن عمر کے نسیان کی تصحیح حضرت عائشہ
۱۵۰	خلاصۃ الکتاب		نے فرمائی۔
۱۵۰	سقوط عشرہ کا ثبوت		پانچویں مثال
۱۵۵	مدلول۔۔۔۔۔	۱۴۰	یا ابا ہریرۃ بالنظر والحسب تقی الناس
۱۵۶	عشر کا لفظ کس سے چھوٹا		چھٹی مثال۔
۱۵۶	امکان ضعیف یہ ہے ترک لفظ عروہ سے	۱۴۱	ولکن السمع یخطئ
	ہوا ہے۔		خدا ابو عبد الرحمن پر رحم کرے۔
۱۵۷	امکان قوی یہ ہے کہ اس سہو کتابت کے	۱۴۱	حضرت عائشہ کی ایک اور تصحیح۔
	ذمہ دار خود ہشام ہیں۔	۱۴۱	لا نعلم انہا نسیت او اخطأت
۱۵۸	استخراج ہشام کی امکانی روئداد	۱۴۲	لعلہ اخطأ سمعک۔
۱۵۹	استخراج ہشام انکی زندگی میں	۱۴۲	یَقُولُ اللَّهُ لِعَائِشَةَ
۱۵۹	استخراج ہشام تلامیذ ہشام کے دور میں۔	۱۴۳	ان الثقة قدیروی وینسی
۱۵۹	استخراج ہشام مبدل بکلام عائشہ رضہ	۱۴۳	خود اہل روایت کو بھول جانا۔
۱۵۹	استخراج بلباس حدیث متواتر۔	۱۴۴	امام زہری خود اپنی روایت کو بھول گئے۔

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
	بڑی تھیں۔	۱۶۰	حالانکہ اس پوری حدیث میں ایک جملہ بھی حضرت عائشہؓ کا نہیں ہے۔
۱۶۸	بنائے قیاس۔	۱۶۲	ہشام کے ساتھ آخری رعایت۔
۱۶۸	دونوں بہنوں سے متعلق تسلسل واقعات	۱۶۲	سہو کثابت نہ ہوتا تو استنباط ہشام کی صورت میں مندرجہ ذیل ہوتیں۔
۱۶۸	ایمان لانے میں دونوں کی معیت۔	۱۶۲	تصحیح کتابت کے بعد ہشام کی روایت۔
۱۶۸	ایمان کے وقت دونوں بالغ تھیں۔	۱۶۲	بالمعنی ہر طرح حقائق کے مطابق ہو جاتی ہے۔
۱۶۸	سیرت ابن اسحاق میں بھی وہی یومئذ کا فقرہ بعد میں درج کیا گیا۔	۱۶۴	عمر عائشہؓ کے بارے میں مزید بحث۔
۱۶۹	اپنے والد کے متعلق دونوں بہنوں کا انداز بیان ایک ہے۔	۱۶۴	ہشام سے ہجرت عائشہؓ کا راوی صرف علی بن مسہر تھا۔
۱۸۱	حضرت عائشہؓ ابتداء اسلام کے بیشتر واقعات کی راوی ہیں۔	۱۶۴	یہ روایت ہجرت تعیین عمر کی کمزور بنیاد ہے۔
۱۸۳	دونوں بہنوں کے نکاح کا زمانہ تقریباً ایک ہے۔	۱۶۶	تعیین عمر کی پختہ بنیاد روایت بکارت ہے۔
۱۸۴	دونوں بہنوں کی عمریں نکاح کے وقت ایک تھیں۔	۱۶۸	حضرت عائشہؓ کا اپنا بیان۔
۱۸۵	زوجین میں تناسب عمری عمر ملاحظہ رہتا ہے۔	۱۶۸	حضرت عبداللہ بن عباس کا بیان
۱۸۴	حضرت عائشہؓ نے اسمار کو کبھی اختی الاکبر نہیں کہا۔	۱۶۹	عمر اسمار اور عائشہؓ میں دس سالہ فرق کے راوی ابوالزناد ہیں۔
۱۸۴	حضرت اسماء کی رخصتی کے میں ہونی یا مدینہ میں۔	۱۶۰	موازنہ ابوالزناد و ہشام بن عروہ
۱۹۰	احتیاط اس میں ہے کہ حضرت عائشہؓ کی عمر کا تعین نہ کیا جائے۔	۱۶۰	ابوالزناد ہشام سے زیادہ حجت ہیں۔
	تاریخ کی سب سے مظلوم شخصیت حضرت عائشہؓ ہیں۔	۱۶۱	ابوالزناد علماء رجال کی نظر میں۔
۱۹۱	برائیت صدیقہ میرے ایمان کا تقاضا تھا۔	۱۶۲	حضرت اسماء کی عمر کے مختلف مدارج
		۱۶۳	حضرت عائشہؓ کی بنا ۱۹-۲۰ سال کی عمر میں ہونی۔
		۱۶۳	تطبیق ابوالزناد و ہشام۔
		۱۶۵	خلاصہ بحث
		۱۶۵	عمر عائشہؓ کے بارے میں ہمارا قیاس۔
		۱۶۶	حضرت عائشہؓ اپنی بہن کے برابر یا ان سے قدر

بسم الله الرحمن الرحيم

اهدنا الصراط المستقيم صراط الذين انعمت عليهم غير المغضوب عليهم ولا الضالين - (تقريب الكتاب)

مسلمان کتاب و سنت کا مکلف ہے۔ قرآن شریف پر ایمان لانا۔ اس کی ہدایت پر عمل کرنا اور سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر عمل کرنا یہی مقصود و مطلوب مومن ہے۔ قرآن شریف بین الدفتین محفوظ ہے۔ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے دور سے اب تک تواتر کے ساتھ ایک نسل سے دوسری نسل تک نقل ہوتا آ رہا ہے۔ اس میں ایک شوشے اور ایک تقطع کی بھی تبدیلی نہ ہوئی ہے اور نہ ہوگی لاکھوں حفاظ قرآن ہر دور میں موجود رہے ہیں اور اب تک ہیں۔ علی سنت پر بھی صحابہ رضی اللہ عنہم کے دور سے اب تک عمل ہو رہا ہے۔ اقوال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یعنی حدیث چونکہ بہت سے امور پر مشتمل ہے۔ علم الاخلاق، علم المعیشت، علم المعاشرت وغیرہ ذالک قرآنی آیات کی تشریح و تفسیر۔ احکام کے اجمال کی تفصیل آپ صلعم سے منقول ہے۔ مختلف صحابہ نے مختلف اوقات میں بعض مسائل آپ صلعم سے دریافت کئے آپ نے جو جوابات دیئے ان پر صحابہ رضی اللہ عنہم نے عمل کیا۔ اور انہیں یاد رکھا اور آئندہ ضرورت مندوں کی رہنمائی کی۔ آپ کے قیمتی اقوال کو صحابہ رضی اللہ عنہم نے حرز جان بنایا اور ان کو ذریعہ سعادت و نجات خیال کیا۔

صحابہ رضی اللہ عنہم کے دور میں ہی تابعین نے آپ کے اقوال کو کوشش سے جمع کیا اور ان کو قلم بند کر لینا ضروری سمجھا صحابہ غزوات کی وجہ سے اور ملکی انتظام و انصرام کی وجہ سے متفرق ممالک محروسہ میں منتقل ہو گئے تھے۔ طلاب علم نے سفر کر کے ان صحابہ رضی اللہ عنہم سے ان علوم کو حاصل کیا جو ان کے سینوں میں محفوظ تھے۔ پھر ان اقوال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ائمہ مجتہدین نے اپنے اجتہاد کی بنیاد رکھی شروع میں تو قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہ دنیا کافی مختار ہو جب فتنے شروع ہو گئے۔ طبیعتوں میں زلیح آگیا۔ کھرے اور کھوٹے میں تمیز مشکل ہو گئی تو ضرورت پیش آئی کہ روایت کو قبول کرنے کے لئے کچھ اصول اور ضابطے بنائے جائیں۔ روایت کو قبول کرنے کے ضابطے بنائے گئے ان ضابطوں سے علم اصول حدیث مرتب ہوا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے جو اقوال و اعمال جو ہم تک پہنچے ہیں۔ سب سے پہلے انہیں قبول کرنے والے اور ان پر عمل کرنے والے صحابہ رضی اللہ عنہم ہیں۔ صحابہ کے متعلق تمام اہل علم نے بطور کلیہ مسلمہ مان لیا ہے۔ اصحابہ کلہم عدول۔ اس لئے صحابہ رضی اللہ عنہم پر جرح و تعدیل کے قواعد جاری نہیں ہوتے۔

علماء رجال نے صحابہ کو رجال کے طبقہ اولیٰ میں شمار کیا ہے اور انہیں جرح و تعدیل سے مستثنیٰ قرار

دیا ہے۔

صحابہ رضی اللہ عنہم میں خود فرقی مراتب ضرور ہے اگر ان کے بیان میں باہم تضاد ہو تو تطبیق و تاویل و ترجیح سے اسے دور کیا جائے گا۔ لیکن ان کے کردار پر ہم بحث کرنے کے مجاز نہیں ہیں۔ یہ درست ہے کہ صحابہ رضی

معصوم نہیں ہیں۔ مگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وجہ سے اور مثالی کردار کے سبب محفوظ و مامون ضرور ہیں۔ نیز انہیں رضی اللہ عنہم کی قرآنی سند عطا ہوئی ہے اس کے علاوہ دین کی پوری عمارت کو بچانے کے لئے ضروری ہے کہ صحابہ کرام کو ترجیح و تفضیل سے ناچار تسلیم کریں۔

ان حضرات نے اپنی جان سے مال سے دین کے پودے کو پالا پوسا۔ کسی قسم کی قربانی سے دریغ نہیں کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زیر ہدایت دنیا کے منظم شکروں سے ٹکڑا گئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بے مثال تربیت سے ایسا مثالی معاشرہ وجود میں لائے کہ چشم فلک سے کبھی رونے زمین پر اس سے بہتر معاشرہ نہیں دیکھا تھا اگر ہم صحابہ کرام پر جرح و قدح شروع کر دیں تو دین کی ہر ایک چیز مشکوک ہو جائے گی۔ قرآن شریف کی صحت مشکوک صلوات کی ہیبت مشکوک۔ روزے کی کیفیت مشکوک زکوٰۃ کی مقدار مشکوک۔ عرض ہر چیز مشکوک ہی مشکوک نظر آئیں گی۔

متشککین اور اباحیین اور منافقین کا حربہ یہ ہوتا ہے کہ امت کے اولین افراد کے کردار کو داغدار بنا دو۔ دین کی ساری عمارت خود بخود زمین پوس ہو جائے گی۔ اس لئے اسلام کے بنیادی احکام اور اعمال کو اگر بچانا ہے تو صحابہ کرام کو محفوظ تسلیم کرنا لازمی ہے اور ان کے کردار کو بچتے اور مستحکم ماننا ضروری ہے۔ اس حقیقت کو ابتداء میں علماء امت نے معلوم کر لیا تھا اور الصحابة كلهم عدول کا قاعدہ بنا دیا تھا۔

خطار و نسیان انسانی فطرت میں شامل ہے۔ مگر اس امکان کا یہ مطلب نہیں کہ اس کا وقوع بھی لازم ہو۔ اس لئے مشاہیر و محاربات کی روایات یکسر محل تامل ہیں بلکہ قابل ترک ہیں۔ جن لوگوں نے تاریخی روایات کی بنا پر صحابہ کے کردار پر جرح کی ہے وہ غلط رواد اور مزاج دین سے نا آشنا ہیں۔

شعوری یا غیر شعوری طور سے بعض صحابہ میں گرفتار ہیں اللہ تعالیٰ انہیں اس مرض سے نجات دے اور ان کی تقصیرات کو معاف فرمائے علماء اصول حدیث نے روایات کو دو قسموں میں تقسیم کیا ہے۔

(۱) احکام کی روایات

(۲) تاریخ اور سیرت کے درجے کی روایات۔

احکام کی روایات کی بہت چھان بین کی گئی لیکن تاریخ اور سیرت کی روایات کو سہل انگاری سے قبول کر لیا گیا۔ اکثر تاریخی اور سیرت کی روایات کو محمد بن السائب کلبی سے محمد بن اسحاق سے اور محمد بن عمر واقدی سے بلا تکلف قبول کر لیا گیا۔ لیکن احکام کی روایات ان سے قبول نہیں کی گئیں۔

تمام جامعین احادیث نے بالاتفاق یہ طریقہ اختیار کیا ہے کہ ہر روایت کے ساتھ اسکی سند ضرور ذکر کرتے ہیں ہر روایت کے دو حصے ہوتے ہیں۔

(۱) سند روایت

(۲) متن روایات

صحاح ستہ کی ہر روایت کے رجال سند کے حالات کتب رجال میں مذکور ہیں ہر مصنف نے سند اسی لئے ذکر کی ہے کہ اس سے روایت کا درجہ متعین کرنے میں آسانی ہوتی ہے۔ سند بیان کر کے خود بری الذمہ ہو جاتا ہے۔ میں نے ابتداء میں صرف صحاح ستہ کی روایات لی تھیں پھر اس روایت تزدج کا استیعاب کرنے کے لئے دوسری کتب حدیث کو بھی شامل کر لیا۔ مثلاً جامع معمر موطا امام مالک موطا امام محمد مصنف عبد الرزاق کتاب الام۔ کتاب الآثار امام ابو یوسف کتاب الآثار امام محمد طبقات ابن سعد۔ سیرت نبویہ لابن ہشام سنن دارمی مسند ابو داؤد طیالہ۔ مصنف ابو بکر بن شیبہ مسند امام احمد اور دوسری کتب سیر وغیرہ۔

میری اس کتاب میں طویل مباحث ہیں اہل علم توجہ کی نظر اصول حدیث پر ہے ان مباحث پر غور فرمائیں گے۔ مگر متوسط درجے کے اصحاب استعداد گہرا کر چھوڑ بیٹھیں گے مسئلہ زیر بحث کے اس طریق استنباط کو اس بیان مختصر بیان کرنا چاہتا ہوں جس سے عام قاری بھی استفادہ کر سکے۔ ہشام بن عروہ کی یہ روایت تزدج عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا میں جملوں پر مشتمل ہے۔

(۱) نكح النبي صلى الله عليه وسلم عائشة وهى بنت ست سنين۔

(۲) وبنى لها وهى بنت تسع سنين۔

(۳) ومات عنها وهى بنت ثمانى عشر۔

اس روایت کی ترتیب کے وقت معلوم ہوا کہ روایت ہشام بن عروہ کو صحاح ستہ کے ہر مصنف نے بیان کیا ہے مگر صحاح ستہ میں سے ترمذی نے اسے بیان نہیں کیا۔ یعنی کسی سند سے اسے ذکر نہیں کیا۔ موطا امام مالک۔ موطا امام محمد اور کتاب الآثار للامامین میں اس روایت کا ذکر ہی نہیں

امام شافعی رحمہ اللہ امام دارمی امام بخاری۔ امام ابو داؤد رحمہم اللہ نے صرف روایت ہشام بن عروہ کو ذکر کیا ہے۔ مصنف میں عبد الرزاق نے بطور قول عروہ و سندوں سے ذکر کیا ہے مگر حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا کے طور سے ذکر نہیں کیا۔

ہر مصنف اپنی کتاب میں بہتر سند سے روایت لاتا ہے۔ اس لئے عبد الرزاق نے اپنے مصنف میں اسے قول عروہ تک محدود رکھا ہے۔

امام مسلم نے ہشام بن عروہ کی روایت کی تائید میں اسی روایت کو ابو معاویہ عن الاعمش عن ابراہیم عن الاسود عن عائشہ رضی اللہ عنہا دوسری سند سے ذکر کیا ہے۔

امام ابن ماجہ نے ہشام بن عروہ کی تائید میں یہی روایت احمد بن سنان۔ ابو احمد زبیری اسرائیل بن یونس الباق ابو عبیدہ کی سند سے ذکر کی ہے۔

امام نسائی نے ہشام بن عروہ کی روایت کی تائید میں یہی روایت اسود کی سند سے۔ ابو عبیدہ کی سند سے۔ ذکر کی ہے۔ اس لئے میں نے ہشام بن عروہ کی روایت کو اصل خیال کیا کیونکہ سب مصنفین نے اس باب میں پہلے

اس روایت کو ذکر کیا اور کسی نے اسے ترک نہیں کیا اور دوسری اسناد سے جو بھی روایت لائے ہیں روایت ہشام کے بعد لائے ہیں۔ اس ترتیب سے یہ ظاہر ہے کہ روایت ہشام اصل ہے اور دوسری روایات متابع ہیں۔ ہمارے طریقہ استنتاج کو سمجھنے کے لئے ضروری ہے کہ طبقات رجال حدیث پر روشنی ڈال دی جائے۔

رواة کے طبقات

الطبقة الاولى - صحابہ کرام جرح و تعدیل سے مستثنیٰ ہیں۔ الطبقة الثانية تابعین سے شروع ہوتا ہے اور یہیں سے جرح و تعدیل کا عمل شروع ہو جاتا ہے۔ اس طبقہ ثانیہ میں کبار تابعین ہیں جیسے سعید بن المسیب عروہ بن زبیر وغیرہ۔

الطبقة الثالثة - تابعین کا طبقہ وسطیٰ۔ اس میں حسن بصری و ابن سیرین ہیں۔ الطبقة الرابعة تابعین کا وہ طبقہ جن کی تمام روایات کبار تابعین سے ہوں جیسے امام زہری۔ الطبقة الخامسة تابعین کا طبقہ صغریٰ جنہوں نے ایک دو صحابی کو دیکھا ہو صحابہ سے سماع برائے نام ہو۔ جیسے الاعمش ہشام بن عروہ۔

الطبقة السادسة - تابعین کا وہ طبقہ جو پانچویں طبقے سے متصل ہو اور کسی صحابی سے ان کا لقاء نہ ہو۔ جیسے ابن جریج۔

الطبقة السابعة - کبار اتباع تابعین جیسے امام مالک و ثوری۔ الطبقة الثامنة - تبع تابعین میں سے طبقہ وسطیٰ جیسے ابن عیینہ۔ الطبقة التاسعة - تابعین کا طبقہ صغریٰ جیسے امام شافعی ابو داؤد طیالسی و عبد الرزاق وغیرہ۔ الطبقة العاشرة - تبع تابعین سے روایت بیان کرنے والا ابراہیم بن ہنبل کے تابعین کو نہیں پایا جیسے امام احمد۔

الطبقة الحادية عشر - تبع تابعین سے روایت کرنے والا درمیانہ طبقہ۔ جیسے الذہلی و امام بخاری۔ الطبقة الثانية عشر - تبع تابعین سے بیان کرنے والا چھوٹا طبقہ جیسے امام ترمذی۔ میں نے طبقات کی یہ ترتیب حافظ ابن حجر کی تقریب التہذیب سے لی ہے۔ طبقہ ثانیہ سے طبقہ سادسہ تک تابعین کے طبقے ہیں۔

طبقہ سابعہ سے طبقہ ناسعہ تک تبع تابعین کے طبقے ہیں۔ طبقہ عاشورہ سے طبقہ ثانیہ عشر تک تبع تابعین کے طبقے ہیں۔ تو گویا تابعین کے پانچ طبقے ہیں تبع تابعین کے تین طبقے ہیں اور اتباع تبع تابعین کے تین طبقے ہیں۔

سند تک طبقہ ثانیہ کے تمام افراد وفات پا گئے تھے۔

اور سند سے سند تک طبقہ ثانیہ سے طبقہ ثامنہ تک کے تمام افراد وفات پا گئے تھے۔
 سند کے بعد طبقہ ناسعہ سے ثانیہ عشر تک کے حضرات ہیں طبقات کی یہ قدرے تفصیل مجھے
 اس لئے بیان کرنی پڑی کہ مسئلہ زیر بحث میں طبقات کی ترتیب ذہن میں ہوگی تو استدلال سمجھنے میں آسانی ہوگی۔
 میں واشگاف طور پر واضح کر دوں کہ میں قرآن کے ساتھ سنت رسول کو ضروری خیال کرتا ہوں۔ مآقا
 کم الرسول فخذوه نص صریح ہے۔ نزلت قیلکم التقلید کتاب اللہ و سنتی۔ سنت کے بغیر قرآن معمم
 ہے۔ سنت و حدیث کے بغیر قرآن سمجھا جاسکتا ہے اور نہ ہی اس پر عمل کیا جاسکتا ہے۔ اسی لئے ہر
 کتاب کے ساتھ نبی ضرور آیا۔

بلکہ نبی پہلے بھیجا جاتا ہے کتاب بعد میں اناری جاتی ہے اسی لئے میں نے اس روایت ترویج پر
 اصول حدیث کو سامنے رکھ کر بحث کی ہے اور ظاہر کیا ہے کہ ہشام بن عروہ سے سہو ہوا ہے اور اس کی نشان
 دہی کی ہے میں نے کتاب میں متابعات پر پہلے بحث کی ہے۔

سند کے ہر راوی کے متعلق اہل نقد نے جو بیان کیا ہے وہ بیان کر دیا ہے۔ پوری سند کے کسی ایک راوی
 کے ضعیف ہونے کی وجہ سے روایت ضعیف قرار دیدی گئی۔

اگر محض یہی سند ہو تو اثبات مدعی کے لئے کافی نہیں اور اصل میں تدلیس اس روایت کو ان اسانید
 سے متعلق کیا گیا پہلے میں نے متابعات پر بحث کی اور اصل روایت کو بعد میں لیا مگر سیدھا اور مختصر راستہ
 یہ ہے کہ اصل روایت پر بحث کر کے واضح کر دوں کہ ہشام بن عروہ سے سہو ہوا ہے اور انہوں نے
 نسیان زدہ روایت پر اپنے قیاس اور استنباط کی بنیاد رکھی ہے اور اپنا وہی استنباط بشکل روایت عائشہ
 رضی اللہ عنہا اٹھویں اور نویں طبقے کے کو فی و بصری حفاظ حدیث کے سامنے بیان کیا اور ان کو فی و بصری
 حفاظ نے اسے قبول کر لیا اور پھر وہی آگے بیان ہوتا چلا گیا۔ یہ روایت گیارہ حفاظ حدیث نے
 ہشام بن عروہ سے سنی اسی وقت یہ روایت مشہور ہو گئی۔ اب کسے حوصلہ ہے گیارہ حفاظ حدیث کی روایت
 کے خلاف لب کشائی کرے مگر اب یہ ہمہ صرف ہشام بن عروہ پر بحث کرنے سے عقیدہ حل ہو جاتا ہے اور
 گیارہ حفاظ حدیث پر بحث کرنے کی ضرورت نہیں رہتی۔

ہشام بن عروہ مدینہ کے رہنے والے ہیں۔ متحدین کے نزدیک قابل اعتماد ہیں امام مالک نے موطا
 میں ان سے روایات لی ہیں مگر آخر میں امام مالک ان سے بدظن ہو گئے تھے اور ان کی کذب بیانی کی وجہ سے ان کو ترک
 کر دیا تھا۔ کان لہ میر صباہ مالک اور اہل مدینہ بھی ہشام بن عروہ سے خفا ہو گئے تھے و نقم علیہ اہل بلدہ
 منقول ہے۔ ہشام بن عروہ نے اپنی زندگی میں تین دفعہ عراق کا سفر کیا۔ پہلے وہ اس طرح روایت بیان کرتے تھے
 سمعت ابی قال سمعت عائشہ رضی اللہ عنہا عراق کے پہلے سفر میں انہوں نے اسی طرح روایات بیان کیں۔

عراق کا دوسرا سفر کیا تو روایت اس طرح بیان کی سمعت ابی یاقال ابی عن عائشة رضی
جب تیسرا سفر عراق کیا تو روایت اس طرح بیان کی عن ابی عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنہا اس
طرز روایت سے امام مالک نے ان سے ناراض ہو گئے اور مدینے والوں نے اسے پسند نہ کیا پھر ہشام بن عروہ کی یہ عادت
ہو گئی تھی کسی سے بھی کوئی روایت سنتے اس روایت کو اپنے باپ کی طرف منسوب کر کے بیان کرتے یعنی
عروہ کی روایت کہتے۔

یہ روایت تزوج عائشہ تیسرے سفر عراق کی ہے۔

میں نے تلاش کیا کہ ہشام بن عروہ نے تیسرا سفر عراق کب کیا تو معلوم ہوا کہ یہ سفر عراق ۱۲۵ھ میں کیا
ابو جعفر منصور اپنے باپ کی ہدایت کے مطابق ہشام بن عروہ کی تعظیم کرتا تھا۔ وہ منصور سے عطیہ لینے عراق
گئے تھے اسی وقت منصور کے خلاف بغاوت ہو گئی۔ وہ بغاوت فرد کرنے کے لئے دار الخلافہ سے غیر حاضر ہوا
ہشام بن عروہ سال بھر اس کے انتظام میں عراق میں رہے۔ منصور سال بھر میں اس بغاوت سے فارغ ہوا جب
وہ واپس آیا تو اس نے دس ہزار ہزار درپہ ہشام کو دیا۔ ابھی انعام لے کر مدینے واپس نہیں ہوئے تھے کہ پیغام
اجل آگیا اور ۱۲۶ھ میں عراق میں وفات پا گئے۔

تاریخ بغداد

اسی سفر عراق میں ہشام نے کوفے اور بصرے والوں کو یہ روایت تزوج اپنے باپ کی نسبت
کر کے سنائی اور کوفے کے حفاظ حدیث نے یہ روایت ان سے لی اور بصرے کے چار حفاظ حدیث نے۔
کوفے کے حفاظ میں سے دو طبقہ ثامنہ کے رواد ہیں اور ۵ طبقہ تاسعہ کے رواد ہیں۔ بصرے کے چاروں
روادہ طبقہ ثامنہ کے رواد ہیں۔ ان سب روادہ کی پیدائش دوسری صدی ہجری کی ہے ان گیارہ عراق کے
روادہ کے علاوہ ہشام بن عروہ سے اس روایت تزوج کا کوئی راوی نہیں ملے۔ ہشام بن
عروہ خود طبقہ خامسہ کے راوی ہیں ان کی پیدائش ۱۱۵ھ کی ہے ان کی وفات ۱۲۶ھ میں ہوئی۔

اپنی وفات سے ایک سال پہلے جب عراق میں انہوں نے یہ روایت کوفی و بصری حفاظ تلامذہ کو
سنائی اس وقت ہشام بن عروہ کی عمر ۸۴ سال تھی اور ۱۲۵ھ تھا۔ ان تلامذہ نے ایک نادر روایت سمجھ کر قبول

کتاب علی میں کوفے کے روادہ میں سفیان ثوری رحمۃ اللہ کو اس روایت کا راوی بیان کیا گیا ہے یہ حافظ حجر کی تصریح پر
مبنی تھا مگر بعد میں تحقیق ہوا سفیان ثوری اس روایت کے راوی نہیں ہیں۔

کر لیا اور چونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے متعلق گھر کے آدمی کی ہدایت تھی۔ جو ان کے باپ کے ذریعے تھی اور وہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حقیقی بھانجے تھے۔ پھر بعد کے روادے نے اس روایت کی تشہیر کا وہ اہتمام کیا کہ حضرت عائشہ اور کم عمری کی روایت لازم و ملزوم ہو گئے۔

جو لوگ ۱۲۴ھ سے پہلے وفات پا چکے تھے وہ اس روایت کے علم سے محروم گئے اور جو بڑی عمر کے اصحاب علم تھے۔ انہوں نے اس نا در روایت کو یا تو قبول نہیں کیا یا ان تک پہنچی نہیں۔ جو روایت ۱۲۵ھ میں ایک دم منصفہ شہود پر آئی ہو۔ اس سے پہلے کسی کو معلوم نہ ہو۔ کون اس غلطی کی گرفت کرنا۔ گرفت کرنے والے تو اللہ کو پیارے ہو چکے تھے چونکہ واقعہ ۱۲۵ھ تھا۔ اس لئے ہشام کا بیان ہی صرف آخر سمجھا گیا۔ جب یقین کے ساتھ معلوم ہو گیا کہ یہ قیاس ہشام ہے جو غلط یاد اور ناقص علم پر مبنی ہے اور لوگوں کے علم میں یقیناً ۱۲۵ھ میں متین جملوں کی مرتب روایت کی شکل میں آیا۔

(۱) فکح النبی صلی اللہ علیہ وسلم عائشۃ وہی بنت ست سنین۔

(۲) وبنی بہا دہی بنت تسع سنین۔

(۳) مات عنها دہی بنت ثمانی عشر۔

تمام روادے ہشام اسی طرح بیان کرتے ہیں (تفصیل کتاب میں دیکھئے) اس لئے اب جہاں بھی یہ روایت پائی جائے گی۔ ہشام کی روایت ہوگی یا اس کا غلط فہمی ہوگی۔

جب اصل روایت ہشام پہلے ہی مرحلے میں مشہور ہو گئی تو بعد کے روادے نے اسے مزید مستحکم کرنے کے لئے اس میں دوسری اسناد مہیا کیں اور اپنی محبوب اسناد سے اس متن کو متعلق کر دیا۔ سوائے اس راوی کے جس نے اس روایت کو اپنی سند سے متعلق کیا اس سند کے اوپر کے راوی اس روایت سے بے خبر ہیں مثلاً ابو معاویہ نے اس متن کو اپنی محبوب سند سے روایت کیا۔

ابو معاویہ عن الاعمش عن ابراہیم عن الاسود عن عائشہ اس متن کے لئے دوسری سند مہیا کر دی۔ یہ ہم اس لئے کہتے ہیں۔ ۱۲۵ھ سے پہلے اس روایت کا وجود ہی نہیں جو لوگ ۱۲۵ھ سے پہلے مر گئے ان تک یہ روایت پہنچی ہی نہیں مگر اس سند کے مہیا ہونے سے ابو معاویہ سے اوپر کے راوی بھی اس روایت کے راوی بن گئے۔ یہ ابو معاویہ کوئی خود بھی ہشام بن عروہ سے اس روایت کے راوی ہیں۔ اور طبقہ ناسعہ کے روادے میں شمار کئے جاتے ہیں۔

اسی طرح طبقہ عاشرہ یا بعد کے روادے نے اس متن کے لئے اور اسناد مہیا کیں۔ متابع ابو عبیدہ کے لئے یہ خدمت انجام دی احمد بن سنان نے جو اس سند کے آخری راوی ہیں۔ اور طبقہ الحادیۃ عشر کے روادے میں سے ہیں۔ اس سند کے طبقہ ناسعہ تک تمام روادے اس روایت سے بے خبر ہیں۔ علی ہذا نسائی میں جو متابع ابو عبیدہ ہے اس نے متن کو اس سند سے متعلق کیا ہے قتیبہ نے جو طبقہ عاشرہ کے راوی ہیں اسی طرح نسائی میں متابع

ابو مسلمہ ہے اس متن کو اس سند سے متعلق کیا ہے احمد بن سنان نے یالن کے چچا سعید بن حکم نے جو علی الترتیب
گیارہویں اور دسویں طبقے کے راوی ہیں مسلم شریف میں متابع زہری ہے اس روایت کے لئے زہری کی سند
عبد الرزاق نے مہیا کی ہے اور مسلم کے استاد عبد بن حمید نے اس مرسل عروہ کو موصول بنا دیا اور نہ مصنف
عبد الرزاق میں مرسل عروہ ہے یعنی قول عروہ ہے غرض آٹھویں اور نویں طبقے میں یہ روایت سامنے آئی اس
لئے ساتویں طبقے تک رواۃ اس روایت کے علم میں جب مجھے یقین ہو گیا کہ روایت حضرت عائشہ رضی
منقول نہیں حضرت عائشہ نکاح کے وقت بالغہ راشدہ تھیں اور یہ روایت استخراج و استنباط ہشام ہے
جو ۱۴۵ھ میں بشکل روایت آٹھویں نویں کو معلوم ہوا۔ تو میں نے اس روایت کے متن پر بھی بحث کی
اور ظاہر کیا کہ ایک تاریخی استنباط ہے اور کس طرح اسے بنایا گیا ہے۔

اگرچہ یہ متن صحاح خمسہ وغیرہ کتابوں میں آیا ہے مگر اصل میں قیاس ہشام ہے۔ پھر میں نے وہ روایات
جمع کیں جن میں حضرت عائشہ رضی کے لئے صغر سنی کے الفاظ آئے ہیں مثلاً جاریۃ حدیثہ السن آیا ہے اور بیان
کیا کہ رواۃ نے مستقل روایات میں یہ جملہ اضافہ کیا اور حضرت عائشہ کی کم عمری کی روایات پر سیر حاصل بحث
کی ہے اور اس روایات پر تاریخی حیثیت سے عظمت اور احترام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیش نظر
تفصیلی بحث کی ہے۔

اس روایت ترویج پر طویل و عمیق تحقیق کرنے کی کیوں ضرورت پیش آئی طالب علمی ہی کے زمانے
سے مجھے یہ عجیب معلوم ہوتا تھا کہ ۹ سال کی بچی جس میں ازدواجی صلاحیت ہی نہیں ہوتی کیسے ازدواجی عمل برداشت
کر سکتی ہے۔ میں لا حول پڑھ کر اس خیال کو ذہن سے ہٹا کر لیتا تھا اور سوچتا تھا جب تمام حدیث کی کتابوں میں
یہ روایت موجود ہے اور متداول کتب تاریخ نے اس روایت کو بیان کیا ہے تو بلوغ قبل از وقت
کی تاویل کر کے ذہن کو مطمئن کر لیتا تھا ایک روز قرآن شریف تلاوت کرتے ہوئے یا ایہا الذین امنوا
لا ترفعوا اصواتکم الی آخرہ پوری آیت پڑھ کر ذہن میں آیا۔ کیا احترام رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ حکم رفع
صوت تک محدود ہے۔ ذہن نے جواب دیا نہیں ہرگز نہیں یہ تو اقل قلیل ہے اور رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم تو احترام کی انتہا کے مستحق ہیں۔ نادانستہ کوتاہی بھی اس میں حبط اعمال کا سبب ہو سکتی ہے۔ بقول غالی

معلوم ہے تجھ کو کہ مخاطب ہے تیرا کون

یاں جنبش لب خارج از آہنگ خطا ہے

آپ کے اقوال و افعال بنی نوع انسان کے اقوال و افعال سے بہتر ہیں آپ کی ذات تو مکارم خلاق
اور مکارم افعال کا منبع ہے۔ آپ مثالی کردار کا کامل نمونہ ہیں قرآن شریف میں آپ کی ذات کو اسوۂ حسنہ فرمایا
گیا ہے۔ آپ کا ہر عمل بلا چون و چرا لائق اتباع ہے۔ بنا رصغیرہ میں فطری طور سے ایسا استکراہ ہے
کہ فطرت سلیمہ اس سے ابار کرتی ہے۔ ہرگز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاکیزہ اور لطیف اعمال میں شامل

ہونے کے قابل نہیں ہے ایسے فعل کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کرنا موہم استخفاف شان رسول ہے اعاذنا اللہ نالستہ جب طاعنات اعمال کا سبب ہے ہم احترام و عظمت و رسول کے مکلف ہیں۔ یہ ایک شرعی فریضہ ہے نص قطعی سے ثابت ہے۔ ہر مسلمان کے لئے ضروری ہے کہ اس کی گہرائیوں سے لے کر ظاہری اعمال تک احترام و عظمت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اظہار کرے۔ یہ روایت منافی احترام ہے۔ استخفاف رسول پر جب طاعنات اعمال و عید نص قطعی ہے۔ یہ روایت ایک تاریخی بیان ہے جزو احد ہے۔ نص بہر حال نص ہے اس کا اتباع واجب ہے۔ صحابہ کی عمروں کا معلوم کرنا واجبات دین سے نہیں ہے نہ بھی معلوم ہوں تو کوئی جرح نہیں ہے۔

علاوہ ازیں یہ انداز روایت ذوق لطیف پر بار ہے۔ ہر بالغ جانتا ہے کہ توالد و تناسل کیا ہے۔ لیکن انسان اپنی ماں کے زفاف اور زہ کے واقع کو بے تکلف بیان نہیں کرتا۔ اگر کبھی طبی ضرورت کے پیش نظر بیان کرے گا تو اشارۃ ذکر کرے گا اور اسے ذکر کرتے ہوئے ناگواری محسوس کرے گا۔

ان روایات نے بنا ر صغیرہ اور حضرت عائشہ کو لازم و ملزوم بنا دیا ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ام المؤمنین ہیں ان کے متعلق کچھ کہتے ہوئے ان کے مقام کو ملحوظ رکھنا چاہیے۔ لطف یہ ہے تمام ازواج مطہرات میں سے بلکہ تمام صحابیات میں سے کسی کے متعلق ایسا بیان نہیں ملتا۔ واقعہ کی یہ صورت معجزہ بھی نہیں کہی جاسکتی۔ معجزہ اسے کہتے ہیں دوسرے لوگ جسے کرنے سے عاجز ہوں۔ بنا ر صغیرہ کو کسی نے معجزات میں شمار نہیں کیا۔ اور یہ عمل یا عمل مقام نبوت سے کم تر فعل ہے جو لوگ لطافت مزاج نبوت کا شعور رکھتے ہیں وہ اسے معجزہ شمار نہیں کر سکتے البتہ بلید الذہن لوگوں کے لئے راستہ صاف ہے ہم اس زمانے میں دیکھتے ہیں۔ معاشرے کے بگڑے افراد چھوٹی بچیوں کو اپنی ہوس کا نشانہ بنانے میں۔ پھر لے جائیں تو سزا پاتے ہیں۔

یہ ہیں وہ وجود جن کی بنا پر اس روایت ترویج کو پرکھا گیا۔ ہمارے علماء مدارس احکام کی روایات پر بحث کرتے ہیں اور اپنا مسلک ثابت کرنے کے لئے رجال سند سے لے کر متون روایات کے لفظ لفظ پر بحث کرتے ہیں۔ تو کیا وجہ ہے کہ غیر متعین روایات پر ہم بحث نہ کریں جب کہ ان تاریخی روایات میں وہ نہ ہر بھرا ہوا ہے کہ صحابہ کے متوازن اور پختہ کردار کو بانی کچھ اطفال بنا کر رکھ دیا ہے۔ دین کے بنیادی اصول کو دار صحابہ کو بے وقعت اور بے حیثیت بنا کر پیش کیا ہے۔

تاریخی روایات اگر صحاح میں موجود ہیں تو اس سے ان کی ماہیت نہیں بدل گئی۔ البتہ بعض فنکار لوگوں نے نالستہ ان تاریخی روایات میں نہ ہر بھرا ہے اور بعض سادہ لوح روائے نالستہ ان روایات کو قبول بھی کیا اور ان کی اشاعت بھی کی۔ بہر حال یہ مسموم روایات حدیث کی معتبر کتابوں میں موجود ہیں۔ کتنے ہی خلوص اور نیک نیتی سے ہم ان کا ذکر کریں اور بے خلوص سے ہم ان کے صحیح ہونے کا یقین کریں مگر ان کی ماہیت میں جوڑ نہر ہے وہ اپنا اثر ضرور کرتا ہے۔ مثلاً حضرت عائشہ کے متعلق جو روایات ان کتابوں میں مذکور ہیں اور

خلاف واقع ہیں کیونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نبوت میں عالمہ بالغہ تھیں۔ لیکن ان روایات مذکورہ کتب سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا جو تشخص ابھرتا ہے ایک بچی کا تصور ذہن میں آتا ہے جو کھٹکندی گڑبڑوں اور کھیلوں کی دلدل ضدی مزاج نابالغہ لڑکی کا تصور سامنے آتا ہے۔ ان روایات کے نہ ہونے تاریخی کے دین کو مسموم کر دیا ہے۔ حالانکہ واقعہ میں وہ سن رشد کو پہنچی ہوئی بالغہ الذہن۔ نابالغہ الزمن عبقری الفطرت ذکیہ عورت تھیں امہات المؤمنین میں انہیں خاص مقام حاصل تھا۔ ان کی خوبیوں کی وجہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ان پر خاص توجہ تھی۔ حضرت عائشہ ہمہ صفت موصوف تھیں مگر ہمارے رواد کا ذہن مسموم ہو گیا تھا۔ ان رواد کے ذہن پر لطف اور تلعب طاری ہو گیا تھا۔ میں نے مندرجہ بالا اصول کو سامنے رکھ کر بہت سی غیر واقعی تاریخی روایات

پر بحث کی ہے۔ اور رجال کی تصریح کی روشنی میں انکا مقام متعین کیا ہے۔ جن روایات میں متضاد مضمون پائے جاتے ہیں وہاں میں نے وہ روایات تلاش کی ہیں جن میں متضاد مضمون نہیں پایا جاتا وہ ایسی روایات ہیں اور ارجح کو ظاہر کیا ہے اگر موسکا مدرج کو بھی متعین کیا ہے پھر یہ بھی ظاہر کیا ہے کہ روایات میں تلیق کی گئی۔ یعنی دو روایتیں تھیں پھر ان کو جمع کر کے ایک سند سے بیان کرنا شروع کر دیا گیا غرض یہ ہے کہ صحابہ کی کردار کشی جن رواد نے بطائف الجیل کی ہے ان رواد پر ہم نے کھل کر بحث کی ہے۔ اب تک علماء نقد نے نقد کو نرم رکھا تھا ہم نے اصول نقد کو سختی سے برتا ہے اور کھل کر جرح کی ہے۔

۱۹۶۳ء میں سے مواد جمع کرنا شروع کیا تھا۔ مسلسل دو سال تک مواد جمع کیا۔ قدیم کتابوں کی تلاش جاری رکھی حتیٰ کہ ترکی کے قدیم کتب خانوں کی قدیم کتابوں سے اقتباسات منگوائے۔

میرے ماموں ظفر حسن مصنف آپ بیتی، جو ترکی میں تعلیم ہیں ان سے جامع معمر کے کئی اقتباسات منگوائے۔ انہیں بزرگ کی وجہ سے جناب ڈاکٹر حمید اللہ صاحب مدظلہ کے مہربانی فرمائی اور مصنف عبدالرزاق سے کئی روایات نقل کر کے ترکی سے روانہ فرمائیں۔ اس وقت تک مصنف عبدالرزاق شائع نہیں ہوئی تھی۔

روایت کو پرکھنے کے لئے محدثین نے جو ضابطے بنائے ہیں بیشتر ان کی بنیاد قبول روایات پر رکھی ہے۔ روایت کو قبول کرنے کا معمولی سا سہارا چاہتے ہیں۔ لعنة الله على الكاذبين وعید ہے مسلمان سے یہ توقع نہیں کہ جھوٹ بولے من کذب علی صیغۃ مقعدہ من النار کی موجودگی میں راوی حدیث بیان کرنے میں آپ کی طرف غلط بات منسوب نہیں کرے گا۔ پھر نقد روایات میں احکام کی روایات میں بال کی کھال نکلتی ہے۔ سیرت کے درجے کی روایات قبول کرنے میں ہر رطب و یابس قبول کرنے کے لئے تیار ہوتے ہیں۔ مشاجرات و محاربات صحابہ میں بلا نقد روایات قبول کرتے ہیں۔

اس لئے میں نے کردار صحابہ کو قبول روایت کی مستقل بنیاد تسلیم کیا ہے۔ اس بنیاد کے پیش نظر کچھ ضابطے اضافہ کئے ہیں۔

(۱) اگر کوئی روایت کردار صحابہ کو داغدار کرتی ہو تو وہ روایت قابل رد ہے ہمارے نزدیک راوی کا بیان غلط ہے۔ کیونکہ اصل میں صحابی اور راوی کا تقابل ہے ہم صحابی کو محفوظ قرار دیں گے۔ کیونکہ دین کی بنیاد صحابہ پر ہے اور راوی کو مجروح قرار دیں گے۔ صحابہ کے متعلق رضی اللہ عنہم نص قرآنی ہے۔ راوی کے صدق کی کوئی سند ہمارے پاس نہیں ہے۔

اس قاعدے کی روشنی میں ہم نے روایت کو پرکھنے کے چند مزید ضابطے بنائے ہیں۔
روایت کے قبول و رد میں ہم انہیں ملحوظ رکھیں گے۔

(۱) جو روایت تباغض صحابہؓ کے مضمون پر مشتمل ہو ہم قرآن کی روشنی میں قبول نہیں کریں گے۔

(۲) جو روایت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم و تربیت کو بے اثر یا محدود اثر کو ظاہر کرے وہ

محل تامل ہے۔

(۳) آپ کی تعلیم و تربیت کے باوجود صحابہؓ میں جاہلی اثرات کو ظاہر کرنے والی روایت کو ہم قبول نہیں کریں گے۔

(۴) جو روایت صحابہؓ کے کردار کو ناہموار ظاہر کرے وہ قابل ترک ہے۔

(۵) جو روایت صحابہؓ کی تنقیص یا مخصوص ناقص کردار کو ظاہر کرے قابل رد ہے۔ روادۃ کی تحقیق

عام طور سے احکام کی روایات کی وجہ سے ہوتی ہے مگر ہم نے روادۃ کو سیرت کے درجہ کی روایات میں بھی تحقیق کرنا ضروری خیال کیا۔ سہل انگاری کی وجہ سے بہت کچھ رطب یا بس سیرت اور تاریخی روایات میں پایا جاتا ہے اسے ہم نے مندرجہ بالا اصولوں کی روشنی میں رد کر دیا ہے جو تاریخی اور سیرت کی روایات صحاح ستہ میں پائی جاتی ہیں ہم نے ان پر بھی نقد کیا ہے اور یہ خیال نہیں کیا روادۃ صحاح ستہ پر بحث مناسب نہیں ہے۔ جب ان روایات کی تنقیح نہیں ہوئی ہمیں حق ہے ان روایات اور ان کے روادۃ پر بحث کریں۔ یہ رجال سند روایات معصوم و محفوظ نہیں ہیں۔

میں جتنا مواد اکٹھا کرتا تھا۔ اس کو اپنے عزیز و ساتھی مولانا حافظ الیف اللہ عثمانی صاحب فاضل دیوبند کے سامنے رکھتا تھا۔ ہم دونوں اس کو ترتیب دیتے تھے۔ میں لکھتا تھا پھر مولانا موصوف اصلاح کرتے تھے۔ دو سال تک یہ سلسلہ جاری رہا۔ اس کے دوران پنجاب یونیورسٹی کی لائبریری سے بھی استفادہ کرتا رہا مینے میں ایک دفعہ ضرور جانا ہوتا تھا دو سال کی محنت شاقہ کے بعد اس مضمون کو موجودہ صورت میں ترتیب دینے میں کامیاب ہوئے۔ کسی گوشے سے بھی ہمیں رہنمائی نہ ملی۔ اب بھی بعض مباحث تشنہ تکمیل تھے۔ مثلاً حضرت عائشہ کی کم عمری کا پانچواں ماخذ روایات رکھ ہے اس روایت میں کنت جارجۃ حدیثہ السن لا اقرء کثیراً من القرآن درج ہے۔ یہ امام زہری کی روایت ہے۔ زہری ۱۲۵ھ میں وفات پا گئے تھے۔ اور یہ روایت تزوج ۱۵۸ھ میں ہشام بن عروہ نے اپنے تیسرے سفر میں بیان کی

تو زہری اس روایت بنم لینے سے بائیس سال پہلے وفات پا چکے تھے اس لئے روایت انک پر غور و فکر شروع کیا۔ کیونکہ اس روایت میں انا جاریہ ہے۔ مختلف روایات انک میں یہ اضافہ عبدالرزاق نے کیا ہے۔ اور زہری اس اضافے سے لاعلم ہیں محمد بن اسحاق کی روایات انک میں یہ اضافہ نہیں ہے مگر مندرجات روایات دیکھنے سے معلوم ہوا کہ یہ واقعہ انک حضرت عائشہؓ کے ساتھ پیش نہیں آیا۔ زہری پر تنقید مشکل ہو گئی۔ چھ مہینے زہری کی ذوجہات شخصیت پر تحقیق میں لگ گئے اور سبب مشکل معلوم ہوئی۔ آخر روایات انک کا استقصا کیا اور اس پر بحث کی دوسو صفحے اس پر لکھے گئے ہم دو آدمی چار سال میں معلوم کر سکے کہ حضرت عائشہؓ کی عمر نکاح کے وقت ہمارے حساب سے ۲۸ سال تھی اور رخصتی کے وقت ۲۹ سال تھی حسب بیان کتب رجال تاریخ نکاح کے وقت، ۱ سال تھی اور رخصتی کے وقت ۱۹ سال تھی یہ دو آدمیوں کی محنت اور کوشش کا نتیجہ ہے۔

علمی مواد جو ہم نے اکٹھا کیا بہت زیادہ تھا مگر تہذیب و ترتیب کے وقت آٹھ سو صفحے رہ گیا اس میں سے دوسو صفحے جو روایات انک پر لکھے گئے تھے کم کر دیئے گئے اسے علیحدہ کتاب کی صورت میں حضرت عائشہ اور انک کے عنوان سے بعد میں شائع کر دیں گا۔

یہ مسودہ ہمارے فاضل دوست مولانا عظمت اللہ صاحب فاضل دیوبند مہتمم مدرسہ تفہیم القرآن جھنگ کے لئے وہ خوش ذوق ادیب اور بہترین کاتب ہیں انہوں نے دو تین سال محنت کر کے کتاب کی شکل میں لکھا مضامین کے لحاظ سے عنوانات قائم کئے ان کی فہرست بنائی وہ ۱۹۷۲ء میں اس سے فارغ ہوئے اب یہ کتاب تین آدمیوں کی کوشش کا نتیجہ ہے اس لئے عبارت میں اکثر جگہ پر لکھا ہے۔ ”ہم نے یہ کہا“ ”ہماری یہ رائے ہے“ لیکن اس کتاب کی پوری ذمہ داری میں قبول کرتا ہوں چونکہ روایات میں نے تلاش کر کے جمع کیں۔ نتائج میں نے اخذ کئے کتاب کی تمام عبارت میری ہے الا ما اشار اللہ ترتیب میری ہے عربی عبارات کے ترجمے میرے ہیں اس کتاب میں اگر کوئی غلطی ہے تو اس کا ذمہ دار میں ہوں اس میں اگر کوئی خوبی ہے تو ہم تین آدمیوں کی کوشش کا نتیجہ ہے۔ خصوصیت سے میرے عزیز ساتھی مولانا حافظ الیاف اللہ صاحب عثمانی کی ثروت نگاہی عمیق بصیرت اور ادبی کاوش کا ثمرہ ہے پہلے خیال تھا اسے شائع نہ کیا جائے کیونکہ اس سے احادیث کی صحت پر حرف آئے گا اور منکرین حدیث کو نقیوت ملے گی مختلف علماء سے تبادلہ خیال کیا اکثر کی رائے یہی تھی کتاب کے مسودے میں بار بار ترمیم کرنی پڑی۔

روایت کو پرکھنے کا راستہ بھی خود ہی پیدا کیا۔ منقول ذخائر میں اس کے لئے مواد بہت ہی کم ملا جن ہم عصر علماء سے مشورہ لیا تو بعض نے فرمایا جب سابق علماء نے کچھ نہیں لکھا تو اب گرے مردے نکالنے کی کیا ضرورت وغیرہ وغیرہ۔ حقیقت تو یہ ہے کہ علماء سے مشورہ لینا خود ہمارے لئے بڑا دشوار مرحلہ تھا۔ پہلے ان کے سامنے

اس طویل الذیل کو پیش کرنا پھر ان سے رائے لینا عجیب معلوم ہوتا تھا۔ شروع میں تو اپنے اطمینان قلب کے لئے اس تاریخی روایت کو دیکھا اور پرکھا مگر اب جب اس روایت پر محنت کو دیکھا اور شرح صدر ہو گیا تو ارادہ کر لیا اہل علم کے سامنے اپنی اس کاوش کو پیش کیا جائے۔ عند الامتحان کرم المراد یہاں ہم کتابوں کے تاجر نہیں ہیں۔ ہمیں تو طباعت کا بھی تجربہ نہیں اس لئے کتاب کے لکھوانے میں کئی نمونے بدست پڑے یہ ہماری نا تجربے کاری کا منہ بولتا ثبوت ہے۔

ابتداء میں صرف عربی عبارتیں تھیں اہل علم پیش نظر تھے بعد میں خیال کیا ان عربی عبارتوں کے ترجمے بھی ہونے چاہئیں۔ میں نے نگ لیٹ کر ترجمے کے ترجموں سے کتاب کی ضخامت ڈیڑھ ٹرہی ہو گئی اس سے یہ نقصان ہوا کتابت اور طباعت کا خرچ بھی بڑھ گیا۔ کاغذ کا خرچ بھی بڑھ گیا۔ قیمت کتاب خود بخود زیادہ ہو گئی۔

دیکھیں کیا گزرے ہے قطرے پہ گہر ہونے تک

اس کتاب میں ہشام بن عروہ پر رجال کے نقطہ نظر سے بحث کی ہے نیران کے ایک تلمیذ علی بن مسہر کوئی پر بحث کی ہے باقی رواد پر ضمناً بحث کی ہے جو کچھ لکھا ہے رجال کی کتابوں سے لکھا ہے حوالہ لکھا ہے اپنی طرف سے کچھ نہیں لکھا۔ حوالے ساتھ کے ساتھ لکھتا رہا۔ مگر مسودات کے بار بار نقل کرنے کی وجہ سے بعض بعض جگہ حوالہ نقل نہیں ہوا۔ اب بہت نہیں رہی کتابوں کو جمع کر کے دوبارہ حوالوں کی تصدیق کروں۔ جو کچھ پہلے کر لیا اسی پر اکتفا کیا۔ اب یہ کام کرنے کی بہت نہیں رہی۔ کئی سال سے ہاتھ میں ریشم ہے تحریر میں وقت ہوتی ہے۔

میں نے کتاب کے دو حصے بنا دیئے ہیں۔

پہلے حصے میں ان چھ ماخذ پر مفصل بحث کی ہے جو حضرت عائشہ کی رخصتی کے وقت کم عمری کو ظاہر کرتے ہیں۔ یعنی روایت تروج (۲) لعب بالبنات کی روایات دوسرے حبشیوں کے کھیل روایات (۴) غنارہ جوری کی روایات۔ فاقہ رواقہ الجاریہ کی روایات (۵) روایت افک میں رنا جارتہ۔ (۶) حدیث خواب نکاح۔

کتاب کے دوسرے حصے میں ان قرآن و شواہد کا ذکر کیا ہے جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے نکاح کے وقت ان کے سن و رشد کو ظاہر کرتے ہیں۔ مثلاً وہ سب نبوت میں اپنے کہنے کے ساتھ ایمان لائیں۔ اسلام کی ابتدائی تاریخ کی واحد راویہ ہیں۔ ابتداء روجی فرضیت صلوٰۃ کی کیفیت انہیں سے منقول ہے۔ سہ ہجری میں ان کی رخصتی غزوہ بدر میں انکی شرکت غزوہ احد میں شرکت وغیرہ وغیرہ۔ اپنے متعلق اتنا ہی کہنا کافی ہے۔ انظر الی ما قال ولہ تنظر الی من قال یہ کتاب ہی میرا سب سے

بڑا تعارف ہے۔

گر قبول اقتد فہو المراد

حکیم نیاز احمد بلاک ۹ سرگودھا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی کم عمری
کا

مأخذ أقول

داخلہ نمبر.....	تاریخ.....
یہ کتاب جناب محمد یوسف بھٹہ نے	
ادبھی ٹیوٹ آف اسلام کے کتب خانہ	
کو بطور تحفہ عطا کی ۔	

روایاتِ نکاح

(ب) نزاکت موضوع

روایات کے انبار میں گم شدہ موضوع پر قلم اٹھانا جو روایات کے انبار میں گم ہو چکا ہو نہایت مشکل کام ہے کسی واقعہ کے متعلق صاحب واقعہ کی اپنی زبان سے جو بیان ہو اس سے زیادہ

یقینی بیان اور کیا ہو سکتا ہے ۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں یہی صورت درپیش ہے ۔ آپ خود بیان فرماتی ہیں کہ نکاح کے وقت میری عمر ۶ سال رخصتی کے وقت ۹ سال اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت ۱۸ سال تھی ۔

حدیث کی کتب متداولہ میں روایت مذکورہ سیر اور حدیث کی کتب متداولہ میں جزوی لفظی اختلاف کے سوا کچھ بھی نہیں ہے ۔

مصنف سے کوئی ضعیف قول بھی صراحتاً اس بیان کے

خلاف مذکور نہیں ۔ زرقانی علی المصائب میں ایک ضعیف قول رخصتی کے وقت کا ساڑھے دس سال کا بیان کیا گیا ہے لیکن اس کی حیثیت بھی محض ایک قول سے زیادہ نہیں ہے ۔

کتب حدیث کے مصنفین کے نزدیک یہ روایت اصول روایات پر پوری اترتی ہے ۔ ان کے مصنفین نے حتی المقدور پوری چھان بین کے بعد انہیں روایات کو قبول کیا ہے جو ان کے نزدیک روایت کے اصولوں پر پوری اترتی ہیں ۔ بخاری اور مسلم تو استناد

میں سند ہیں ۔ ان میں کسی واقعے کا آنا ہی اس بات کی دلیل سمجھا جاتا ہے کہ یہ واقعہ صحیح ہے پھر ان اکابر نے تو یہ مہربانی بھی فرمائی ہے کہ سند بھی ساتھ ہی ذکر کر دی ہے ۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی کم عمری کے چھ ماخذ ہم چاہتے ہیں کہ پہلے وہ تمام روایات معتبرہ بیان کر دی جائیں جو اس سلسلے میں خود حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے منقول

ہیں اور جو ان کی کم عمری پر دلالت کرتی ہیں ۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی کم عمری کے چھ ماخذ ہیں ۔

- ۱۔ روایات تزوج عائشہ رضی اللہ عنہا
- ۲۔ لعب بالبنات و صواحب کی روایات
- ۳۔ لونڈیوں کے گانے کی روایات
- ۴۔ حبشیوں کا کھیل دیکھنے کی روایات میں اپنے متعلق البخاری الحدیث السنن المحلیہ علی الصحیح فرمانا

(ج)

۵۔ واقعہ افک بیان کرتے ہوئے کثرت جاریۃ حدیثہ السن (لا حفظ کثیراً من القرآن فرمانا
۶۔ حدیث خواب

یہ تمام روایات صحاح ستہ اور دوسری معتبر کتابوں میں مذکور ہیں۔ ہم ان روایات پر
علیحدہ علیحدہ اصول حدیث کی روشنی میں روایت اور درایت ہر طرح سیر حاصل بحث کریں گے۔
اور صحیح نتائج نکالنے کی کوشش کریں گے۔

اس کے بعد ان قرائن کا ذکر کریں گے جو صحیح واقعات کی نقاب کشائی کرتے ہیں

روایات تزوج مندرجہ ذیل کتب
حدیث سے لی گئیں۔
ہم نے اپنے غور و فکر میں عموماً صحاح ستہ۔ مند
امام احمد، بیہقی، امام شافعی کی کتاب الام اور رسالہ

”اختلاف حدیث“ کے مواد پر انحصار کیا ہے

اور توضیح و تہریج کے لئے دوسری معتبر کتابوں سے بھی روایات لی ہیں اور افسانوی خرافات کو
تو بالکل ہی ترک کر دیا ہے۔

داخلہ نمبر..... 566	تاریخ..... 23-6-91
یہ کتاب جناب مولانا یوسف بیہقی نے	
ادبیت ڈیپارٹمنٹ کے کتب خانہ	
کو بطور تحفہ عطا کی۔	

کتاب احادیث میں اس کے متعلق جو مواد ملتا ہے وہ حسب ذیل ہے :-
ہم پہلے روایات تزوج نقل کریں گے اور اس کے بعد مالہ و ما علیہ پر مفصل بحث کریں گے

بخاری سے پہلی روایت ہشام موصول۔

۱۔ حدثني فردة بن ابی السخراء قال
حدثني علي بن مسهر عن هشام بن عروة عن
ابیہ عن عائشة قالت تزوجني النبي صلى الله
عليه وسلم وانا بنت ست سنين . فقدمنا
المدينة فنزلنا في بني الحارث بن الخزرج
فوعكت فمزق شعري فوئي جميمة . فأتني
اهي ام رومان داني لفي الرجوحة دمعى صولج
لى . فصرخت بي اهي فأتيتها ما ادرى ما
تريد بي فاخذت بیدی حتى ادققتني على
باب الدار داني لانهج حتى سكن بعض نفسي
ثم اخذت شيئا من ماء فمسحت به وجهي
وراسي ثم ادخلتني الدار فاذا نسوة من الانصار
في البيت فقلن على الخير والبركة دعلى خير
طائر . فاسلمتني اليهن فاصلحن من شاتي
فلم يرعني الا رسول الله صلى الله عليه و
سلم حتى فاسلمتني اليه وانا يومئذ بنت
تسع سنين . (بخاری باب تزويج النبي
عائشة رض ص ۵۶)

حضرت عائشہ رض نے کہا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے
نکاح کیا اور میں چھ سال کی تھی . پس ہم مدینے آئے
بنی حارث بن خزرج میں اترے . میں بیمار ہو گئی میرے
بال گر گئے صرف جیمہ رہ گئے . میری ماں ام رومان میرے
پاس آئی اور میں بھولا بھول رہی تھی . اور میرے ساتھ
میری سہیلیاں تھیں میری ماں نے مجھے پکارا میں اُن کے
پاس آئی . اور میں نہیں جانتی تھی کہ وہ مجھ سے کیا چاہتی
ہیں . پس انہوں نے مجھے ہاتھ سے پکڑا (اور مجھے لے
چلی) یہاں تک کہ وہ گھر کے دروازے پر آکر رکیں
مجھے تھوڑی دیر ٹھہرایا جبکہ مجھے سانس چڑھا ہوا تھا
یہاں تک کہ میرا کچھ سانس ٹلک گیا . پھر انہوں نے کچھ
پانی لیا اور میرے چہرے اور سر پر گھیلا ہاتھ پھیرا . پھر
مجھے گھر کے اندر لے گئیں . میں نے دیکھا گھر کے اندر
انصار کی کچھ عورتیں ہیں . انہوں نے کہا خیر و
برکت ہو (اور پھلے پھولے) پس مجھے ان کے سپرد
کر دیا . انہوں نے میرا بناؤ سنگار کیا . میں بالکل نہ
گنہگار تھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم موجود تھے . اور
چاشت کا وقت تھا . انہوں نے مجھے آپ کے سپرد
کر دیا . اور میں اس وقت نو ۹ سال کی تھی .

۱۸۹

۲۲۵

۲۵۶

ثامنہ علی بن مسهر

عائشہ فردہ بن ابی السخراء

الحادی عشر بخاری

وفات ۵۸

۹۴

۱۴۶

ولادت ۵۸

طبقہ ثانیہ عروہ بن زبیر

خامسہ . ہشام بن عروہ

بخاری سے دوسری مزیل روایت ہشام

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی وفات حضور کے مدینے کی طرف ہجرت کرنے سے تین سال پہلے ہوئی۔ پس آپ نے تقریباً دو سال تک نکاح نہیں کیا۔ پھر عائشہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کیا اور وہ چھ سال کی تھیں پھر رخصتی ہوئی۔ اور وہ ۹ سال کی تھیں۔

ب۔ حدثنا عبید بن اسماعیل قال حدثنا ابو اسامہ عن ہشام بن عروہ عن ابیہ قال لوفیت خدیجۃ قبل مخرج النبی ۱۲ الی المدینۃ بثلاث سنین فلبث سنتین او قریباً من ذلك و نکح عائشۃ۔ وہی بنت ست سنین ثم بنی بھا وہی بنت تسع سنین۔

(بخاری۔ باب التزوج عائشہ ص ۵۶۱)

تفصیل سند مع سنین رواۃ

عائشہ رضی	۵۸	۲۳
ثانیہ عروہ	۹۴	۶۱
خامسہ ہشام	۱۴۶	۱۲۱
تاسعہ ابواسامہ حماد کوفی	۲۰۱	۱۴۵
عاشرہ عبید بن اسماعیل	۲۵۰	۱۹۴
الحادی عشر بخاری	۲۵۶	

بخاری سے تیسری روایت موصول

۱۔ حدثنا محمد بن یوسف (الفریابی) قال حدثنا سفیان (الثوری) عن ہشام بن عروہ عن ابیہ عن عائشۃ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم تزوجھا وہی بنت ست سنین وادخلت علیہ وہی بنت تسع و مکثت عنده تسعاً۔ (بخاری کتاب النکاح۔ باب نکاح الرجل ولده الصغار) تفصیل سند مع سنین رواۃ

عائشہ رضی	۵۸	۲۳
ثانیہ عروہ	۹۴	۶۱
خامسہ ہشام	۱۴۶	

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کیا اور وہ چھ سال کی تھیں۔ اور جب رخصتی ہوئی تو وہ ۹ سال کی تھیں۔ اور وہ آپ کے پاس ۹ سال رہیں۔

(بخاری کتاب النکاح ص ۴۷۱)

سابعہ سفیان الثوری ۹۴
تاسعہ محمد بن یوسف الفریابی ۲۱۲
الحادی عشر بخاری ۱۹۴
بخاری سے چوتھی ہشام کی روایت موصول

ب حدثنام علی بن اسد قال حدثنا وهب
عن هشام بن عروة عن ابيه عن عائشة
ان النبي صلى الله عليه وسلم تزوجها وهي
بنت ست سنين وبنی بهاد هي بنت تسع
سنين قال هشام وانيات انها كانت عند
تسع سنين - (بخاری جلد ۲ کتاب النکاح -
باب نکاح الرجل ولده)

تفصیل سند مع سنین رواة

عائشہ رضہ	۵۸	۹۴
ثانیہ عروہ	۲۳	۱۲۶
خامسہ ہشام	۶۱	۱۴۵
سابعہ وہب بن خالد	۱۰۴	۲۱۸
معلی بن اسد	۱۴۵	۲۵۶
بخاری	۱۹۴	

مسلم سے پہلی روایت ہشام موصول

۱ حدثنابو کریب محمد بن العلامقال
حدثنا ابو اسامه ح وحدثنا ابو بکر بن ابي شيبه
قال وجدت في كتابي عن ابي اسامه عن هشام
عن ابيه عن عائشة قالت تزوجني رسول الله
صلى الله عليه وسلم لست سنين وبنی بی وانا
بنت تسع سنين - قالت تقدمنا المدینة

بے شک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت
عائشہ رضہ سے نکاح کیا . اور وہ چھ
سال کی تھیں اور رخصتی ہوئی تو وہ ۹ سال
کی تھیں . ہشام نے کہا اور مجھے بتلایا
گیا ہے کہ حضرت عائشہ رضہ آپ کے
پاس ۹ سال رہیں -

حضرت عائشہ رضہ نے کہا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم
نے مجھ سے نکاح کیا چھ سال کی عمر میں اور میری
رخصتی ہوئی ۹ سال کی عمر میں . حضرت عائشہ رضہ
نے کہا ہم مدینے پہنچے اور میں ایک مہینہ بیمار رہی
میرے بال گر کر صرف جیمہ کی حد تک رہ گئے
میرے پاس ام رومان آئیں اور میں جھولے پر تھی

و دعت شہراقو فی جمیۃ فاستی ام رومان
وانا علی ارجوحة ومعی صواحبی فصرخت
فی قانتیہا دما دری ماتریدی فاخذت
بیدی فاذا قفتی علی الباب فقلت ہہہ
حتی ذهب نفسی فادخلتني بیتا فاذا نسوة
من الانصار فقلن علی الخیر والبرکة و
علی خیر طائر۔ فاسلمتني الیہن ففسلن
رأسی واصلحنی فلم یرعنی الا رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم رحنی فاسلمتني الیہن۔
(مسلم کتاب النکاح جلد اول ص ۴۵۶) مطبوعہ نوری
اصح المطابع کراچی

اور میرے ساتھ میری سہیلیاں تھیں، ام رومان
نے مجھے پکارا میں ان کے پاس آئی اور میں
ہنیں جانتی تھی، وہ مجھے کس لئے بلارہی ہیں
انہوں نے میرا ہاتھ پکڑا اور دروازے پر تھوڑی
دیر ٹھہرائے رکھا اور مجھے سانس چڑھا ہوا تھا
یہاں تک میرا سانس ٹھہر گیا، انہوں نے
مجھے گھر میں داخل کیا، اس وقت میں نے
دیکھا انصار کی کچھ عورتیں ہیں، انہوں نے
کہا خیر و برکت ہو، انہوں نے مجھے
ان کے سپرد کر دیا، پھر انہوں نے میرا سر
دھویا، اور میرا بناؤ سنگار کیا، میں بالکل نہ
گجھرائی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
موجود تھے، چاشت کا کچھ وقت تھا
پس ان عورتوں نے مجھے آپ کے سپرد
کر دیا۔

تفصیل سند مع سنین رواۃ

عائشہ رضہ		
۵۰	۲۳	ثانیہ عروہ
۹۲	۶۱	خامسہ ہشام
۱۳۶	۱۲۱	تاسعہ ابواسامہ
۲۰۱	۱۶۶	عاشرہ محمد بن العلاء البکر بن کوفی
۲۳۸	۱۶۳	عاشرہ ابو بکر بن ابی شیبہ کوفی
۲۳۵	۲۰۳	الحادی عشر مسلم
۲۶۱		مسلم سے دوسری ہشام کی روایت موصول

حضرت عائشہ رضہ نے کہا نکاح کیا مجھ سے
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اور میں چھ سال
کی تھی اور میری رخصتی ہوئی تو ۹ سال کی
تھی۔

ب حدثنای یحییٰ بن یحییٰ قال حدثننا
ابومعادیۃ عن ہشام بن عروہ قال
حدثننا بن تمیر واللفظ لہ قال وحدثننا
عبدۃ عن ہشام عن ابیہ عن عائشہ

قالت تزوجنی النبی صلی اللہ علیہ وسلم وانا
بنت است منین و بنی بی وانا بنت تسع منین
(مسلم جلد اول صفحہ ۴۵۶)

تفصیل سند مع منین رواۃ

عائشہ رضہ	۵۸	ثانیہ عروہ	۲۳	۹۲
خامسہ ہشام	۶۱	تاسعہ ابو معاویہ کوفی	۱۱۳	۱۹۵
عاشرہ یحییٰ بن یحییٰ	۱۲۲	۲۲۶		

خامسہ ہشام	۶۱	ثامنہ عبیدہ	۱۲۰	۱۸۴
------------	----	-------------	-----	-----

عاشرہ ابن نمیر محمد بن عبد اللہ بن نمیر
مسلم سے تیسری زہری کی روایت موصول

کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضہ سے نکاح کیا اور وہ سات سال کی تھیں۔ وہ آپ کی خدمت میں پیش کی گئیں اور وہ ۹۵ سال کی تھیں اور ان کے کھلونے ان کے ساتھ تھے۔ اور جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی وہ ۱۸ سال کی تھیں۔

ج حدثنا عبد بن حمید قال حدثنا
عبد الرزاق قال حدثنا معمر عن الزہری
عن عروۃ عن عائشہ رضہ ان النبی صلی اللہ
علیہ وسلم تزوجھا وھی بنت تسع منین
وزفت الیہ وھی بنت تسع منین ولعبھا
معھا دماۃ عنھا وھی بنت ثمان عشر
(مسلم جلد اول صفحہ ۴۵۶)

تفصیل سند مع منین رواۃ

عائشہ	۵۸	ثانیہ عروہ	۲۳	۹۲
رابعہ زہری	۵۸ تا ۵۹	سابعہ معمر	۹۶	۱۵۳
تاسعہ عبد الرزاق	۱۲۶	عاشرہ عبد بن حمید	۱۸۵	۲۲۹
الحادی عشر مسلم	۲۰۳	۲۶۱		

مسلم سے چوتھی روایت اسود موصول

د حدثنا یحییٰ بن یحییٰ و اسحاق بن
ابراہیم و ابو بکر بن ابی شیبہ و ابو کریب
قال یحییٰ و اسحاق حدثنا و قال الاخران

حضرت عائشہ رضہ نے کہا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے نکاح کیا اور وہ چھ سال کی تھیں اور ان کی رخصتی ہوئی تو وہ ۹ سال

حد ثنا ابو معاوية عن الاعمش عن ابراهيم
عن الأسود عن عائشة رضي قالت تزوجها رسول
الله صلى الله عليه وسلم وهي بنت ست وبنی
بها وهي بنت تسع ومات عنها وهي بنت
ثمان عشر (مسلم جلد اول ص ۴۵۶)

تفصیل سند مع سنن رواة

عائشہ رضی	۵۸	ثانیہ	اسود	۴۵
خامسہ ابراہیم	۵۰	خامسہ الاعمش	۵۹	۱۴۴
تاسعہ ابو معاویہ	۱۱۳	عاشرہ اسحاق بن ابراہیم	۱۶۶	۲۳۸
عاشرہ البرک بن ابی شیبہ	۱۶۴	عاشرہ یحییٰ بن یحییٰ	۱۶۲	۲۲۶
عاشرہ البرک بن ابی شیبہ	۱۶۶	الحادی عشر مسلم	۲۰۴	۲۶۱

ابوداؤد سے ہشام کی روایت موصول

حد ثنا سلیمان بن حرب و ابو کامل
قالا حد ثنا حماد بن زید عن ہشام بن
عروہ عن ابیہ عن عائشہ رضي قالت
تزوجنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
وانا بنت سبع قال سلیمان ادست . و
دخل فی وانا بنت تسع . (ابوداؤد ص ۲۱)
باب تزویج الصغار (نور محمد - کارخانہ تجارت کراچی)

تفصیل سند مع سنن رواة

عائشہ رضی	۵۸	ثانیہ عروہ	۲۳	۹۴
خامسہ ہشام	۶۱	ثامنہ حماد بن زید	۱۰۶	۱۸۱
تاسعہ سلیمان بن حرب	۱۶۶	عاشرہ ابو کامل	۱۵۸	۲۳۴
الحادی عشر ابوداؤد	۲۱۲			۲۴۵

ابن ماجہ سے ہشام کی پہلی روایت موصول

۱۔ حدثنا سويد بن سعيد قال حدثنا
علي بن مسهر عن هشام بن عروة عن
ابيه عن عائشة قالت تزوجني النبي
صلى الله عليه وسلم وأنا بنت ست سنين
فقد منّا المدينة فنزلنا في حارث بن
الغزرج فوعلت فتمزق شعري حتى
وفي لي جيمته فاتتني امي ام رومان
واني لفي ارجوحة ومعى صواحبات
لي فصرخت بي فاتيتها ما ادرى ما
تريد بي ؟ فاخذت بيدي فاوقفتني
على باب الدار واني لا نهج ثم اخذت
شيئا من ماء فمسحت علي وجهي و
رأسي - ثم ادخلتني الدار فاذا نسوة
من الانصار في البيت فقلن علي
الخير والبركة وعلي خير طائر -
فاسلمتني اليهن فاحملن من شاني
فلم ير عني الا رسول الله صلى الله
عليه وسلم حتى فاسلمتني اليه
وانا ليومئذ بنت تسع سنين
(ابن ماجہ ۱۳۶ مجتہائی دہلی)

حضرت عائشہ رض نے کہا مجھ سے نبی کریم صلی
اللہ علیہ وسلم نے نکاح کیا اور میں چھ
سال کی تھی۔ پس ہم مدینے آئے حارث بن
خزرج میں اترے۔ میں بیمار ہو گئی، میرے
بال گر گئے، صرف جیمہ کی حد تک رہ گئے
میری ماں ام رومان میرے پاس آئی، اور
میں جھوٹے میں تھی، اور میرے ساتھ میری
سہیلیاں تھیں، انہوں نے مجھے پکارا، میں
ان کے پاس آئی اور مجھے معلوم نہ تھا وہ مجھ
سے کیا چاہتی ہیں۔ انہوں نے میرا ہاتھ پکڑا
پھر گھر کے دروازے پر مجھے ٹھہرایا، اور مجھے
سانس چڑھا ہوا تھا۔ پھر انہوں نے تھوڑا سا
پانی لیا، میرے سر اور چہرے پر گھیلا ہاتھ پھیرا
پھر مجھے گھر کے اندر لے گئیں، میں نے دیکھا
انصار کی کچھ عورتیں گھر میں ہیں، انہوں
نے کہا خیر و برکت ہو۔ میری ماں نے
مجھ ان کے سپرد کر دیا انہوں نے میرا بناؤ
سنگار کیا، میں بالکل بے خوف تھی۔ اور
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم موجود تھے، چاشت
کا وقت تھا، ان عورتوں نے مجھے آپ کے
سپرد کر دیا اور میں اس وقت ۹ سال کی
تھی۔

تفصیل سند مع سنن رواۃ

عائشہ رض	۵۸	ثانیہ عروہ	۲۳	۹۴
خامسہ ہشام	۶۱	ثامنہ علی بن مسهر	۱۱۶	۱۸۹

ابن ماجہ دوسری روایت ابو عبیدہ موصول

ب حدیثنا احمد بن سنان قال حدثنا

ابو احمد قال حدثنا اسرائیل عن ابی

اسحاق عن ابی عبیدہ عن عبد اللہ

قال تزوج النبی صلی اللہ علیہ وسلم

عائشہ بنت ابی بکر بن سنان و بنی

بہادہ بنت تسع و قوفی عنہا و ہی

بنت ثمان عشر (ابن ماجہ ص ۱۳۶)

اس نے کہا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت
عائشہ رض سے نکاح کیا اور وہ سات سال
کی تھیں اور رخصتی ہوئی تو وہ ۹ سال کی تھیں
آپ کی وفات ہوئی تو وہ ۱۸ سال کی
تھیں۔

تفصیل سند مع سنین رواۃ

عبداللہ	۳۲	ثالثہ	ابو اسحاق	۳۲	۱۳۴
ثالثہ ابو عبیدہ	۲۸	سابعہ	اسرائیل	۸۲	۱۴۰
تاسعہ ابو احمد زبیری	۲۰۳	الحاذی عشر	احمد بن سنان	۲۵۹	۲۵۰

نسائی سے روایت ہشام موصول

۱۔ حدیثنا اسحاق بن ابراہیم قال أخبرنا

ابو معاویہ قال حدثنا ہشام بن عروہ عن

ابیہ عن عائشہ رض ان رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم تزوج بہادہ بنت تسع و

بنی بہادہ بنت تسع (نسائی کتاب النکاح)

بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے
حضرت عائشہ رض سے نکاح کیا اور وہ چھ
سال کی تھیں اور رخصتی ہوئی تو وہ ۹ سال
کی تھیں۔

تفصیل سند مع سنین رواۃ

عائشہ رض	۵۸	ثانیہ	عروہ	۲۳	۹۴
خامسہ ہشام	۶۱	تاسعہ	ابو معاویہ	۱۱۳	۱۹۵
عاشرہ اسحاق بن ابراہیم بن غلد	۱۴۶	۲۳۸			

نسائی سے دوسری روایت ہشام موصول

ب حدیثنا محمد بن نصر بن مساور
قال حدثنا جعفر بن سليمان عن هشام
بن عروة عن أبيه عن عائشة رقت قالت
تزوجني رسول الله صلى الله عليه وسلم
لسبع سنين ودخل علي تسع سنين .

(و نسائی)

تفصیل سند مع سنین رواۃ

عائشہ	—	۵۸	ثانیہ عروہ	۲۳	۹۲
خامسہ ہشام	۶۱	۱۲۶	ثامنہ جعفر بن سلیمان	۱۰۴	۱۴۸
عاشرہ محمد بن نصر بن مساور	۲۳۹	—	احمد بن شعیب نسائی	۲۱۵	۳۰۳

نسائی سے تیسری روایت ابو عبیدہ موصول

ج احیدنا قتیبہ قال حدثنا عبث
عن مطرف عن ابی اسحاق عن ابی
عبیدہ قال قالت عائشہ رض تزوجنی
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لتسع
سنین وصحبته تسعا (نسائی)

حضرت عائشہ رض نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے نکاح کیا ۹ سال کی عمر میں اور میں آپ کے ساتھ ۹ سال رہی

تفصیل سند مع سنین رواۃ

عائشہ رض	—	۵۸	ثالثہ ابو عبیدہ	۲۸	۸۲
ثالثہ ابواسحاق	۳۲	۱۳۴	سادسہ مطرف	—	۱۴۳
ثامنہ عبث	—	۱۴۲	عاشرہ قتیبہ	۱۵۰ تا ۱۶۸	۲۴۰
احمد بن شعیب نسائی	۲۱۵	۳۰۳	—	—	—

نسائی سے چوتھی روایت اسود موصول

د أخبرنا محمد بن الحلاء واحمد بن حبيب قال حدثنا ابو معاوية عن الاشعث عن ابراهيم عن الاسود عن عائشة رضي قالت تزوجها رسول الله صلى الله عليه وسلم وهي بنت تسع ومات عنها وهي بنت ثمان عشرة سنة (نسائی ص)

حضرت عائشہ رضی نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے نکاح کیا وہ ۹ سال کی تھیں اور آپ کی وفات ہوئی تو وہ ۱۸ سال کی تھیں۔

تفصیل سند مع سنین رواة

عائشہ	۵۸	ثانیہ الاسود	۴۵
خامسہ ابراہیم	۵۰	خامسہ الاشعث	۵۹
تاسعہ ابو معاویہ	۱۱۳	عاشرہ احمد بن حریز	۲۶
عاشرہ محمد بن الحلاء	۱۶۶	نسائی	۲۱۵
			۳۰۳

نسائی سے پانچویں روایت ابوسلمہ موصول

ه أخبرنا احمد بن سعد بن حکم بن ابی مریم قال حدثني عمي قال حدثنا يحيى بن ايوب قال اخبرني عمارة بن غزيرة عن محمد بن ابراهيم عن ابی سلمة بن عبد الرحمن عن عائشة رضي قالت تزوجني رسول الله صلى الله عليه وسلم وهي بنت ست سنين وبني بها وهي بنت تسع سنين (نسائی ص)

حضرت عائشہ رضی نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے نکاح کیا اور وہ چھ سال کی تھیں اور ان کی رخصتی ہوئی اور وہ ۹ سال کی تھی۔

تفصیل سند مع سنین رواة

عائشہ رضی	۵۸	ثالثہ ابوسلمہ مدنی	۲۲
			۱۰۲

۱۳۰	سادہ عمارہ بن غزیہ مدنی	۱۳۰	رابعہ محمد بن ابراہیم مدنی
۲۲۴	عاشرہ سعید بن حکم مصری	۱۶۸	سابعہ یحییٰ بن ایوب مصری
۳۰۳	نسائی	۲۵۹ تا ۲۵۳	الحادی عشر احمد بن سعد بن حکم

کتاب الام

کتاب الام سے روایت ہشام موصول
 اخبرنا سفيان بن عيينة عن
 هشام بن عروة عن ابيه عن عائشة
 قالت تلحنني النبي صلى الله عليه وسلم
 وانا بنت ست اد سبع و بنى بي وانا بنت
 تسع - الشك من الشافعي رح
 (کتاب الام ص ۱ جلد ۵ دار المعرفۃ بیروت)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے نکاح کیا میں چھ یا سات سال کی تھی اور میری رخصتی ہوئی تو میں ۹ سال کی تھی اور یہ شک حضرت امام شافعی رح کو ہے۔

تفصیل سند مع سنین رواۃ

۹۴	۲۳	ثانیہ عروہ	۵۸	عاشرہ رضی
۱۹۸	۱۰۷	ثامنہ سفیان بن عیینہ	۱۴۶	خامسہ ہشام
			۲۰۴	تاسعہ محمد بن ادیس الشافعی

مسند سے روایت ہشام موصول

۱ حد ثنا عبد الله حدثني ابي ثنا حسن بن موسى قال حدثنا حماد ابن سلمة عن هشام بن عروة عن ابيه عن عائشة رضی اللہ عنہا قالت تزوجني رسول الله صلى الله عليه وسلم بتوفي خديجة قبل مخرجه المدينة بنتين او ثلث وانا بنت سبع سنين فلما قدمنا المدينة جاءني نسوة دانا

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے نکاح کیا خدیجہ کی وفات کے بعد مدینے کی ہجرت سے دو یا تین سال پہلے اور میں سات سال کی تھی پس جب ہم مدینے آئے میرے پاس کچھ عورتیں آئیں۔ اور میں جھوٹے میں کھیل رہی تھی اور میرے چھوٹے چھوٹے بال تھے۔ پس وہ مجھے لے گئیں

العب فی ارجوحتہ وانا مجمعتہ
فذهب بنی فہیائنی و صنعتنی ثم
اتین فی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
وہنی فی وانا بنت تسع سنین ۔

اور مجھے تیار کیا اور میرا بناؤ سنگار کیا پھر مجھے
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے آئیں
(اور آپ نے خلوت فرمائی) اور میں ۹ سال
کی تھی ۔

تفصیل سند مع سنین رواۃ

عائشہ رضہ	۵۸	ثانیہ عروہ مدنی	۲۳	۹۴
خامسہ ہشام مدنی	۶۱	ثامنہ حماد بن سلمیٰ بصری	۱۰۲	۱۶۳
تاسعہ حسن بن موسیٰ	۲۱۰	عاشرہ امام احمد	۱۶۴	۲۴۱
اثنا عشر عبد اللہ بن امام احمد	۲۱۵			۲۹۰

سند سے دوسری روایت اسود موصول

ب حدثنا عبد اللہ حدثنی ابی حدشنا
ابومعاویۃ حدثنا الاعمش عن ابراہیم
عن الاسود عن عائشہ رضہ قالت تزوجھا
وہی بنت تسع سنین ومات عنھا وہی
بنت ثمان عشر ۔

حضرت عائشہ رضہ نے کہا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم
نے ان سے نکاح کیا وہ ۹ سال کی تھیں اور آپ
کی وفات ہوئی تو وہ اٹھارہ سال کی تھیں ۔

تفصیل سند مع سنین رواۃ

عائشہ رضہ	۵۸	ثانیہ الاسود	۵۹	۷۵
سادسہ ابراہیم	۵۰	سادسہ الاعمش	۵۹	۱۴۴
تاسعہ ابومعاویہ	۱۱۳	عاشرہ امام احمد	۱۶۴	۲۴۱
اثنا عشر عبد اللہ	۲۱۵			۲۹۰

سند سے تیسری روایت ابوسلمہ و یحییٰ مرسل

ج حدثنا عبد اللہ حدثنی ابی ثنا
ابوسلمہ اور یحییٰ نے ہم سے حدیث بیان کی اُن

محمد بن بشر قال حدثنا محمد بن عمرو
قال حدثنا ابو سلمة ويحيى قال لسا هلك
خديجة جاءت خولتها بنت الحكيم امرأة
عثمان ابن مطعون قالت يا رسول الله صلى
الله عليه وسلم لا تزوج قال من ؟ قالت
ان شئت بكر او ان شئت ثيبا . قال فمن
البكر قالت ابنة احب خلق الله عز وجل
اليك عائشة بنت ابي بكر قال ومن الثيب
قالت سودة بنت زمعة قد امنت بك و
اتبعتك على ما تقول . قال فاذهبي فا
ذكرهما ؟ فدخلت بيت ابي بكر فقالت
يا ام رومان ما ذا ادخل الله عليكم من الخير
والبركة ؟ قال وما ذاك قالت ارسلني
رسول الله صلى الله عليه وسلم وخطب عليه
عائشة قالت انتظري ايا بكر حتى ياتي فجل
ابو بكر فقالت يا ابا بكر ما ذا ادخل الله
عليكم من الخير والبركة قال وما ذاك
قالت ارسلني رسول الله صلى الله عليه وسلم
اخطب عائشة رضي الله عنه . قال دهل تصلح
له انما هي ابنة اخيه . فرجعت الى رسول
الله صلى الله عليه وسلم فذكرت له ذلك
قال ارجعي اليه فقول له انما انا اخوك
وانت اخي في الاسلام وابنتك تصلح لي فرجعت
فذكرت ذلك له قال انتظري وخرج -
قالت ام رومان ان مطعم بن عدي قد كان
ذكرها على ابنة فوالله ما وعد وعدا قط
فاخلفها فدخل ابو بكر على مطعم بن عدي

دونوں نے کہا جب حضرت خدیجہ رضی کی وفات
ہو گئی تو عثمان بن مظعون کی بیوی خولہ بنت
حکیم آئی . اس نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم کیا آپ نکاح نہیں فرمائیں گے . آپ نے
فرمایا کس سے . اس نے کہا کیا آپ کنواری چاہتے
ہیں یا بیوہ چاہتے ہیں آپ نے فرمایا کنواری کون
ہے . اس نے کہا مخلوق میں آپ کے نزدیک
سب سے زیادہ محبوب شخص کی لڑکی عائشہ
بنت ابی بکر آپ نے فرمایا اور بیوہ کون ہے
اس نے کہا سودہ بنت زمعہ جو آپ پر ایمان
لائی ہے اور جس نے آپ کے ہر قول کا اتباع
کیا ہے . آپ نے فرمایا جاؤ ان دونوں سے میرے
متعلق ذکر کرو . وہ حضرت ابو بکر رضی کے گھر گئی اور
کہا اے ام رومان اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے کس
قدر خیر و برکت کا سامان کر دیا . انہوں نے پوچھا
وہ کیا ہے اس نے کہا مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ و
سلم نے بھیجا اور حضرت عائشہ رضی کا رشتہ طلب
کیا ام رومان نے کہا تو حضرت ابو بکر رضی کا انتظار
کرو کہ وہ آجائیں پس حضرت ابو بکر رضی آئے تو
خولہ نے کہا اے ابو بکر رضی اللہ کریم نے تمہارے
لئے کس قدر خیر و برکت کا سامان کر دیا . آپ نے
پوچھا وہ کیا ہے اس نے کہا مجھے رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم نے بھیجا ہے اور عائشہ رضی کا رشتہ
طلب کیا ہے آپ نے کہا کیا یہ ہو سکتا ہے
وہ تو ان کے بھائی کی بیٹی ہے . خولہ اسی وقت
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس واپس گئی
اور حضرت ابو بکر رضی کی یہ بات آپ کے سامنے

دعندہ امرأۃ ام الفتی قالت یا ابن ابی
 قحافة لعلک مصیب صاحبنا تدخلنا فی
 دینک الذی انت علیہ ان تزوج الیہ
 فقال ابوبکر اتقول هذه تقول قال انها
 تقول ذلك فخرج من عنده وقد اذهب
 اللہ وعز وجل ما کان فی نفسه من عدته
 الی وعدها . فرجع فقال لحولت ادعی لی
 رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فدعته فزوجها
 ایاہ وعاثتہ یومئذ بنت ست سنین . ثم
 خرجت فدخلت علی سودة بنت زمعة
 فقالت ماذا دخل اللہ عز وجل من الخیر
 والبرکتہ . قالت وما ذاک قالت ارسلنی رسول
 اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اخطبک علیہ
 قالت وادن ؟ ادخلی الی ابی فاذکری ذلک
 لہا دکان شیخا کبیرا قد ادرکہ السن قد
 تحلف عن الحج فدخلت علیہ فحییته
 تحية المجاہلیۃ فقال من هذه فقالت
 خولت بنت حکیم قال فما شانک قالت
 ارسلنی محمد بن عبد اللہ بن عبد المطلب
 اخطب علیہ سودة قال کفو کدیم ماذا
 تقول صاحبک قالت تحب ذاک قال ادعیہا
 الی فدعته قال ای بنیۃ ان هذه تزعم
 ان محمد بن عبد اللہ بن عبد المطلب
 قد ارسل لخطبتک وهو کفو کدیم اتجین
 ان اذرجک لہ . قالت نعم قال ادعیہ
 لی . فجاء رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
 فزوجها ایاہ فجاءها اخوها عبد اللہ بن

بیان کی آپ نے فرمایا تو ان کے پاس واپس جا
 اور ان سے کہو کہ میں تیرا بھائی ہوں اور تو میرا
 بھائی ہے اسلام میں (نسب میں نہیں) تمہاری
 بیٹی سے میرا نکاح ہو سکتا ہے . وہ اسی وقت
 واپس ہوئی اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو یہ بات
 بتائی حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے کہا تو انتظار کر . اور
 وہ باہر نکل گئے . ام رومان نے کہا مطعم بن عدی
 نے اپنے بیٹے کے لئے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا رشتہ
 طلب کیا تھا والد حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی یہ عادت
 ہے . جب انہوں نے کوئی وعدہ نہیں کیا کہ اسے
 پورا نہ کیا ہو . پس حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ سے نکل کر
 مطعم بن عدی کے ہاں پہنچے وہاں لڑکے کی ماں
 مطعم کی بیوی بھی موجود تھی . اس کی بیوی نے
 کہا ابی قحافہ کے بیٹے شاید تم ہمارے بیٹے کو
 صابی بنانا چاہتے ہو . تم اس دین میں داخل
 کرنا چاہتے ہو جس پر تم ہو . اگر اس نے تمہارے
 ہاں شادی کر لی تو (ایسا ہی ہوگا) پس حضرت
 ابو بکر رضی اللہ عنہ نے مطعم سے کہا تم بھی یہی بات کہتے
 ہو جو تمہاری بیوی کہہ رہی ہے . اس نے کہا
 جویہ کہہ رہی ہے (صحیح ہے) پس حضرت ابو بکر
 رضی اللہ عنہ سے اٹھ آئے اور اللہ تعالیٰ نے اس وعدے
 کا بوجھ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے دل سے اتار دیا .
 (جو آپ نے مطعم سے کیا تھا) پس حضرت
 ابو بکر رضی اللہ عنہ لوٹ آئے . اور خولہ سے کہا رسول اللہ
 صلی اللہ علیہ وسلم کو بلا لاؤ وہ آپ کو بلا لانی .
 ابو بکر رضی اللہ عنہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا نکاح آپ سے
 کر دیا اور عائشہ رضی اللہ عنہا اس وقت چھ سال کی تھیں

زمعة من الحج فجعل يحثي في راسه
 التراب فقال بعد ان اسلم لعمر
 اني لسفيه يوم احثي في راسي التراب ان
 تزوج رسول الله صلى الله عليه وسلم سودة
 بنت زمعة قالت عاتشة فقد منا المدينة
 فنزلنا في حارث بن الخزرج في السبخة قالت
 فجاء رسول الله صلى الله عليه وسلم فدخل
 بيتا واجتمع اليه رجال من الانصار والنساء
 فجاءتني امي داني لفي الرجوحات بين غنمين
 ترجع بي فانزلتني من الارجوحة دلي جيمة
 ففردتها ومسحت وجهي بشيء من ماء
 ثم اقبلت تقودني حتى وقفت بي عند الباب
 داني لا تهج حتى سكن من نفسي ثم دخلت
 بي فاذا رسول الله صلى الله عليه وسلم
 جالس على السرير في بيتنا وعندة رجال
 ونساء من الانصار فاجلبتني في حجرة ثم
 قالت هؤلاء اهلك فبارك الله لك فيهم
 وبارك الله لهم فيك فوثب الرجال والنساء
 فخرجوا داني رسول الله صلى الله عليه وسلم
 في بيتنا ما نحدث على حذر ولا ذبح
 على شاة حتى ارسل اليها سعد بن عباد
 بحفنة كان يرسل بها الى رسول الله صلى
 الله عليه وسلم اذا دار الى نساءه وانا
 يومئذ بنت تسع (مسند امام احمد
 جلد ۲ - ص ۲)

پھر خولہ نکلی اور سودہ بن زمعہ کے پاس گئی اور
 اس سے کہا اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے کس قدر
 خیر و برکت کا سامان کیا ہے، اس نے کہا وہ کیا
 ہے؟ خولہ نے کہا مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ
 وسلم نے بھیجا ہے تم سے نکاح کرنا چاہتے
 ہیں۔ سو، نے کہا تو میرے آبا کے پاس
 جاؤ اور یہ مطالبہ ان سے کرو اور رہا بہت
 بوڑھے تھے۔ عمر پوری کئے بیٹھے تھے اسی لئے
 حج سے رہ گئے تھے۔ پس میں ان کے پاس
 گئی۔ میں نے ان سے جاہلیت کے انداز میں
 سلام کیا۔ آبا نے پوچھا یہ کون ہے خولہ نے
 کہا خولہ بنت حکیم۔ آبا نے کہا تمہارا کیا
 حال ہے۔ (کیسے آنا ہوا) اس نے کہا
 مجھے محمد بن عبد اللہ بن عبد المطلب نے بھیجا
 سودہ کے نکاح کے لئے کہا ہے، اس نے
 کہا ہاں شریف رشتہ ہے۔ پوچھا تیری سہیلی
 کا کیا خیال ہے، خولہ نے کہا اسے یہ رشتہ
 پسند ہے۔ اس نے کہا اسے میرے پاس
 لاؤ میں اسے بلا کر لے گئی، اس نے کہا
 اے میری پیاری بیٹی یہ خولہ کہہ رہی ہے
 کہ محمد بن عبد اللہ بن عبد المطلب نے اسے تیرے
 رشتے کے لئے بھیجا ہے اور وہ شریف کفو
 ہے کیا تو پسند کرتی ہے کہ میں تیرا نکاح
 ان سے کر دوں سودہ نے کہا بیشک بڑے
 میاں نے مجھے کہا انہیں بلا لاؤ پس رسول اللہ
 صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو اس نے
 سودہ کا نکاح حضور سے کر دیا۔ بعد ازاں

سودہ کے بھائی عبداللہ بن زمرہ حج سے واپس
آئے اور اپنے سر میں خاک ڈالنے لگے پھر
بعد میں اسلام لانے کے بعد کہا کرتے تھے
کہ خدا کی قسم میں بہت ہی سقیہ تھا جب
اس غصے میں اپنے سر میں مٹی ڈال رہا تھا کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میری بہن سودہ
بنت زمرہ سے نکاح کر لیا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا۔ پس ہم مدینے
آئے اور حادث بن الخزرج کے قبیلے میں کسج
میں اترے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور انصار کے
مرد و عورتیں آپ کے پاس جمع ہو گئے میری
مال میرے پاس آئی اور میں جھولے میں تھی۔
غذائین کے درمیان مجھے پکڑ کر جھولے سے
اتارا۔ میرے ہمراہ تھے۔ انہیں درست کیا
میرے منہ پر گیلانا تھ پھر مجھے کھینچتی ہوئی
چلی۔ حتیٰ کہ گھر کے دوران پر مجھے ٹھہرایا مجھے
سائنس چڑھا ہوا تھا۔ جب میرا سائنس ٹھہر گیا
تو مجھے گھر میں لے کر داخل ہوئی۔ پس میں
نے دیکھا کہ ہمارے گھر میں رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم تخت پر بیٹھے ہیں۔ اور آپ کے
پاس انصار کے مرد و عورتیں جمع ہیں۔ انصار کی
عورتوں نے مجھے ایک کمرے میں آپ کے
پاس پہنچا دیا۔ پھر انہوں نے کہا یہ آپ کی
بیوی ہے۔ اور اس کے گھر والے ہیں۔ اللہ
تعالیٰ ان میں آپ کے لئے برکت عطا فرمائے
اور ان کے لئے آپ میں برکت عطا فرمائے

اس کے بعد مرد و عورتیں فوراً اٹھ کھڑے ہوئے اور گھر سے چلے گئے، ہمارے گھر میں ہی آپ نے خلوت فرمائی، اس موقع پر میرے لئے نہ اونٹ ذبح کئے گئے اور نہ بکری۔
 حسبِ عادت حضرت سعد بن عبادہ نے دودھ کا بادیہ بھیجا جو وہ ہمیشہ حضورؐ کے لئے بھیجا کرتے تھے آپ کسی بھی بیوی کے گھر ہوں اور میں اس وقت ۹ سال کی تھی۔

تفصیل سند مع سنین رواۃ

ثالثہ	ابو سلمہ بن عبد الرحمن	۶۴	۹۴	ثالثہ یحییٰ بن عبد الرحمن بن حاطب	۱۰۴
سادسہ	محمد بن عمر بن علقمہ	۶۰	۱۳۵	تاسعہ محمد بن بشر العبدی الکوفی	۲۰۳
عاشرہ	امام احمد	۱۶۴	۲۴۱	الثانی عشر عبد اللہ	۲۹۰

بیہقی (کتاب النکاح)

بیہقی سے روایت ہشام موصول

اخبرنا ابو عبد اللہ الحافظ و ابو سعید بن ابی عمر قال حدثنا ابو العباس محمد بن يعقوب حدثنا احمد بن عبد الجبار حدثنا يونس بن بكير عن هشام بن عروة عن ابيه عن عائشة تزوج رسول الله صلى الله عليه وسلم عائشة رضي الله عنها بعد موت خديجة بثلاث سنين وعائشة يومئذ بنت ست سنين و بنى بها رسول الله صلى الله عليه وسلم وهي بنت تسع سنين ومات رسول الله صلى الله عليه وسلم وعائشة بنت ثمانية عشر سنة - رواه البخاري في الصحيح عن

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عائشہ رضی سے نکاح کیا حضرت خدیجہ کی وفات کے تین سال بعد اور حضرت عائشہ رضی کی عمر اس وقت ۶ سال تھی اور رخصتی ہوئی تو وہ ۹ سال کی تھیں اور جب آپ ص کی وفات ہوئی تو ان کی عمر اٹھارہ سال تھی۔ بخاری نے اپنی صحیح میں اسے عبید بن اسامہ سے اس نے ابو اسامہ سے مرسل بیان کیا۔ اور مسلم نے ابو کریب سے موصول بیان کیا اور اسی روایت کو سفیان ثوری و سفیان بن عیینہ و عبدة بن سلیمان و علی بن مسہر و ابو معاویہ وغیرہ نے موصول بیان کیا۔ اور پھر

عبداللہ بن اسماعیل عن ابی اسامۃ مرسلہ۔
 ورواہ مسند عن ابی کریب موصولا وقد
 وصلہ السفیان الثوری و سفیان بن عیینہ
 و عبید بن سلیمان و علی بن مسهر و البر
 معادیہ و غیرہم و اخرجہ موصولا
 عن ادحیہ (نکاح آباء و بکرا جلد ۲ ص ۱۱۴)

تفصیل سند مع شین رواۃ

عاشہ	۵۰	ثانیہ عرہ	۲۳	۹۲
غامہ ہشام	۶۱	تاسعہ یونس بن بکر	۱۲۶	۱۲۶
عاشہ احمد بن عبد الجبار	۱۲۶	محمد بن یعقوب	۲۶۲	۳

بحث اسناد

عبداللہ بن مسعود اس روایت کے راوی نہیں ہیں۔

کرنے جس اس لیے اس روایت کی رو سے حضرت
 عبداللہ بھی ایک مستقل روایت کے راوی بن جاتے
 ہیں۔

مذکورہ بالا تمام روایات کو اکٹھا کر کے دیکھا
 جائے تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے اس روایت
 کے رواۃ صرف چار ہیں۔

لیکن حقیقت میں وہ اس روایت کے راوی
 نہیں ہیں۔ بلکہ اصل میں ابن ماجہ کی سند میں
 ابو عبیدہ بن عبد اللہ تھا۔ بعد کے کسی
 کاتب نے اسے سہواً ابو عبیدہ عن عبد اللہ
 لکھ دیا۔

۱۔ ابو عبیدہ۔ ۲۔ ابو سلمہ۔ ۳۔ اسود
 ۴۔ ابو عبیدہ۔ ان میں سے دو پہلے مدنی ہیں
 اور دوسرے آخر کے کوئی ہیں۔ ابن ماجہ کی ایک روایت
 میں ابو عبیدہ وہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بلا واسطہ
 روایت نہیں کرتے۔ بلکہ اپنے باپ عبداللہ سے روایت

بن عبداللہ کو عن عبداللہ بنا دیا

یعنی بن کو عن بنا دیا۔ پھر بعد کے لوگوں نے

اس روایت کے کثرت طرق کی بنا پر اسے ایک علیحدہ
شاید تصور کر لیا۔

ہمارے یقین کے شواہد

ہمارے اس یقین کی بنیاد مندرجہ ذیل شواہد

ہیں۔

۱۔ ہم نے مسند عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو مسند امام
احمد میں بہت غور اور تحقیق سے دیکھا مگر ہمیں
ان کے مرویات میں یہ روایت نہیں ملی۔

۲۔ نسائی کتاب النکاح میں یہی روایت اسی

سند سے بروایت مطرف آئی ہے۔ اس میں

حضرت عبد اللہ کا نام نہیں ہے۔ بلکہ ابو عبیدہ

بن عبد اللہ خود حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت

بیان کرتے ہیں۔ وہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا

کے ہم عصر بھی ہیں۔ اس لئے یہ زیادہ قرین

قیاس ہے کہ یہ خود حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے

نقل کریں۔ جیسا کہ نسائی کی سند میں ہے۔

اور درجہ کے لحاظ سے نسائی ابن ماجہ پر

مقدم ہے۔

۳۔ مطرف سے ادھر کے رداۃ دونوں کتابوں

میں ایک ہیں۔ ابو اسحاق کے تلمیذ دو ہیں

ایک مطرف۔ دوسرے اسرائیل۔ مطرف ابو

اسحاق سے جو روایت کرتے ہیں اس میں

حضرت عبد اللہ کا نام نہیں ہے۔ اسرائیل کی

روایت میں عبد اللہ ہے۔ تو ایک استاد ایک

بھی سلسلے میں ایک شاگرد کو ایک بات

کہتا ہے اور دوسری کو دوسری بات جو

قطعاً بعید از فہم ہے۔

۴۔ ابن سعد نے اسی سلسلہ میں ابو عبیدہ سے

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی جو روایات بیان کی ہیں

ان میں حضرت عبد اللہ کا نام نہیں بلکہ ابو عبیدہ

عن عائشہ رضی اللہ عنہا ہے۔

۵۔ ابن ماجہ کے سوا کسی محدث نے اس کے ذر

کے ساتھ یہ روایت بیان نہیں کی۔ خود ابن

ماجہ نے بھی اس سند کو اسلی قرار نہیں دیا۔

بلکہ متابعہ ذکر کیا ہے۔ یعنی شاید کے طور پر

ذکر کیا ہے۔

۶۔ ابو عبیدہ ابھی پانچ چھ سال ہی کے تھے۔ کہ

ان کے والد حضرت عبد اللہ کا انتقال ہو گیا

تھا۔ اس لئے ان کا اپنے والد سے نہ سماع

ثابت ہے اور نہ انہیں اپنے والد کی کوئی

بات یاد ہے۔ سند کی تحقیق میں ہم اس

پر گفتگو کریں گے۔ اس صورت میں یہ

روایت مرسل اور منقطع ہو جاتی ہے۔

بیچ کا کوئی آدمی تلاش کرنا پڑے گا۔ اور

وہ موجود نہیں ہے۔ اس لئے صحیح یہی ہے

کہ یہ روایت ابو عبیدہ کی حضرت عائشہ رضی

اللہ عنہا سے تسلیم کی جائے۔ کیونکہ مسلم کی شرائط

کے مطابق کم از کم معاصرہ تو موجود ہے۔

مذکورہ بالا دلائل سے بدھتہ یہ ثابت

ہوتا ہے کہ حضرت عبد اللہ قطعاً اس روایت

کے راوی نہیں ہیں۔ یہ کتابت اور نسخ

کی غلطی ہے جس کی تصحیح نہیں ہو سکی۔ اور

بعد کے لوگوں نے کثرت طرق کی بنا پر اسے

(ماخوذ از مقدمہ النوار الباری ص ۱۲۹)

مستقل علیحدہ روایت تصور کر لیا۔
بن کو غلطی سے عن لکھ دینے کی مثال

چار راوی اور ان سے سماع کی نوعیت

خلاصہ یہ کہ حضرت عبداللہ اس روایت کے راوی نہیں ہے۔ اور یہ کسی سے نسخ کی غلطی ہوئی ہے۔ لہذا روایات تزوج کا دار و مدار صرف مندرجہ ذیل چار روایت پر رہ گیا ہے۔

- ۱ - عروہ عن عائشہ رضی
- ۲ - ابوسلمہ
- ۳ - اسود
- ۴ - ابوعبیدہ

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ان چار روایت کے روایت کرنے کی پانچ صورتیں ہو سکتی ہیں۔

۱ - ان چاروں نے ایک مجلس میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بیک وقت یہ روایت سنی ہو۔

۲ - یا بعض نے یہ روایت ایک مجلس میں بیک وقت سنی ہو۔

۳ - یا ہر ایک نے علیحدہ علیحدہ وقت میں ایک دوسرے کی عدم موجودگی میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے یہ روایت سنی ہو۔

۴ - یا صرف ایک راوی نے یہ روایت سنی ہو۔ باقی مرسلاً بیان کر رہے ہوں

۵ - یا ان میں سے کسی نے بھی یہ روایت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے نہ سنی ہو بلکہ ان

اس قسم کی غلطیاں اکثر و بیشتر کتابت میں ہو جاتی ہیں، مثلاً محدثین میں ایک بحث یہ بھی ہے کہ آیا امام مالک رحمہ اللہ نے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے علمی استفادہ کیا یا نہیں۔ محققین اس کے قائل ہیں کہ امام حنیفہ رحمہ اللہ امام مالک رحمہ اللہ کے شیوخ میں سے ہیں۔ لیکن بعض متاخرین نے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کو امام مالک رحمہ اللہ کا تلمیذ قرار دیا۔

مسند شاہین میں ایک روایت اس سند سے ہے۔

عن اسماعیل بن حماد عن ابی حنیفہ عن مالک

اس سے بعض متاخرین نے فتویٰ لگا دیا کہ امام ابوحنیفہ امام مالک کے تلمیذ ہیں۔ حالانکہ اصل سند یوں ہے :-

عن اسماعیل بن حماد بن ابی حنیفہ عن مالک

کاتب نے غلطی سے ”بن ابی حنیفہ“ کو ”عن ابی حنیفہ بنا دیا۔ اور محض سہو کاتب کی وجہ سے امام ابوحنیفہ امام مالک کے شاگرد قرار پا گئے۔

اگر ہمیں تاریخ سے یہ نہ معلوم ہوتا کہ امام ابوحنیفہ امام مالک سے تقریباً پچیس سال بڑے ہیں اور امام مالک نے آپ سے علمی استفادہ کیا ہے۔ تو یہ غلطی حقیقت بن جاتی۔

کے نیچے کے کسی راوی نے تدلیس سے یا کسی سہو کی وجہ سے ان میں سے کسی ایک کی طرف یہ قول منسوب کر دیا ہو۔

ہمارے نزدیک پہلی چار صورتیں باطل ہیں اور آخری صورت درست ہے۔ جیسا کہ ہم آگے چل کر ثابت کریں گے۔

اجتماعی سماع ثابت نہیں۔

بعض واقعات فطرۃ ہی ایسے ہوتے ہیں کہ ان کی نفس ماہیت ہی میں اجتماع ہوتا ہے۔ مثلاً عبدالرحمن بن یزید ایک روایت بیان کرتے ہیں۔ صلی عثمان بنی اربعاً فقال عبد اللہ بن مسعود صلیت مع النبی صلی اللہ علیہ وسلم یعنی رکعتیں دمع ابی بکر رکعتیں دمع عمر رکعتیں (مسند امام احمد مسند عبد اللہ بن مسعود ص ۴۷۸)

اس روایت کا راوی اگرچہ ایک ہے لیکن نفس روایت سے ظاہر ہے کہ اس کے دیکھنے اور جاننے والے بہت زیادہ ہیں۔ حج کے موقع پر منیٰ میں ازدحام ہوتا ہے۔ اور امام وقت ہی نماز پڑھتا ہے۔ تو ظاہر ہے کہ اس واقع کو دیکھنے والے ہزار ہا اشخاص ہوں گے۔ یا مثلاً حضرت عبداللہ کی یہ روایت

کہ عن ابراہیم عن علقمہ عن عبد اللہ قال صلی بنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فاما زاد واما نقص۔ فقلنا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم احدث فی الصلوۃ شیء۔ قال وما ذاک قلنا صلیت قبل کذا وکذا۔ قال انما انا لبشر انسی کما تنسون فاذا انسی احدکم فلیسجد سجدتین ثم تحول و سجد سجدتین (مسند احمد جلد ۱ ص ۲۲۷)

ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھائی، نماز میں کچھ زیادہ کر دیا یا کم کر دیا ہم نے کہا یا رسول اللہ نماز میں کوئی نئی چیز پیش آئی۔ آپ نے فرمایا وہ کیا؟ ہم نے کہا آپ نے ابھی جو نماز پڑھائی وہ اس طرح ادا فرمائی۔ آپ نے فرمایا۔ میں بھی بشر ہوں بھول جاتا ہوں جیسے تم بھولتے ہو۔ جب تم سے کوئی نماز میں بھول جائے تو دو سجدے کرے (سجدہ سہو) آپ نے قبلہ رُو ہو کر دو سجدے کئے (مسند امام احمد جلد اول ص ۴۲۴) ان روایات میں راوی اگرچہ ایک ہے لیکن نفس خبر کی ماہیت ہی میں یہ ہے کہ اس کے جاننے والے بہت سے ہیں۔

۲ یا بعض دفعہ راوی کے الفاظ ہی کسی اجتماعی عمل کو ظاہر کرتے ہیں۔ مثلاً

حضرت عبداللہ کی یہ روایت کہ

كنا نسلم على النبي صلى الله عليه
وسلم اذا كنا بمكة قبل ان ناتي
ارض حبشة فلما قدمنا من ارض
حبشة اتيناه وسلمنا عليه فلم
يرد فآخذني ما قدرب وما بعد حتى
قضوا الصلوة فسألته فقال ان
الله عز وجل يحدث في امره ما
يشاء دانه قد احدث من امره
ان لا تتكلم في الصلوة -

(مسند مکتبہ جلد ۱) (المکتب الاسلامی
بیروت)

ہم پہلے نماز کی حالت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ و
سلم کو سلام کیا کرتے تھے۔ جب ہم مکہ میں تھے
حبشہ میں ہجرت کر کے آنے سے پہلے۔ پھر ہم جب
حبشہ سے مکہ آئے۔ اور آپ کے پاس آئے اور
ہم نے نماز کی حالت میں سلام کیا تو آپ نے
جواب نہ دیا۔ میرے ذہن میں قسم قسم ترددات پیدا
ہوئے۔ یہاں تک نماز پوری ہو گئی تو میں نے آپ
سے اس کے متعلق پوچھا۔ آپ نے فرمایا اللہ عز وجل
اپنے کام میں جو چاہیں طریقہ اختیار فرمائیں۔ اب
اس نے یہ حکم دیا کہ ہم نماز میں بات نہ کریں۔

۳ یا بعض دفعہ مجمع عام میں یا بر منبر
آپ نے جو خطاب فرمایا۔ مثلاً فاطمہ
بنت اسود مخزومی کی چوری کے سلسلہ
میں جب اسامہ بن زید کی معرفت آپ
سے سفارش کرائی گئی تو آپ نے مسجد
میں بر منبر فرمایا۔

ما بال قوم يلعبون بكتاب الله -
قوم کو کیا ہو گیا وہ اللہ تعالیٰ کی کتاب
سے کھیل رہے ہیں۔

ایک دوسرے موقع پر فرمایا

عن معاشر الانبياء لا نرت ولا
نودث - (منهاج السنن حیدرمد)

۱۵۸

ان روایات کے راوی خواہ ایک ایک ہوں

یا بہت سے ہوں یہی خیال کیا جائے گا کہ
ان سب نے ایک ہی وقت میں یہ روایت
سنی ہے۔ یا یہ عمل دیکھا ہے۔

۴۔ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ روایت کی ماہیت
کسی اجتماعی عمل یا قول پر مشتمل نہیں ہوتی
نہ راوی کا بیان کسی اجتماعی عمل یا قول کی
طرف اشارہ کرتا ہے۔ لیکن اتفاق سے
یا ضرورتاً چند آدمی ایک جگہ جمع ہو جاتے ہیں
اور وہاں کوئی واقعہ ہو جاتا ہے۔ یا بات
چل نکلتی ہے۔ تو ایسا واقعہ اپنی ماہیت
کے اعتبار سے کسی اجتماعی قول یا عمل سے
متعلق نہیں ہوتا۔ لیکن اتفاقی اجتماع کی
وجہ سے ایک ہی وقت میں اس واقعہ
کے کئی راوی بن جاتے ہیں۔ اور ہر راوی

یا بعض راوی اپنے بیان میں کوئی نہ کوئی
ایسا اشارہ کرتا ہے جس سے یہ معلوم
ہوتا ہے کہ راوی اس واقعے کے وقت اکیلا
نہیں تھا بلکہ کچھ اور لوگ بھی اس کے
ساتھ تھے۔ یا تو صراحتہً نام لے گا کہ فلاں
فلاں میرے ساتھ تھے یا اجازت کہے گا کہ
کوئی اور بھی ساتھ تھا۔ مثلاً

ب عن مالک بن انس عن ابن شہاب
عن مالک بن ادس بن حدثان النضری
انہ قال بینا انا عباس فی اہلی حین
فتح النہار اذ رسول عمر بن
الخطاب فقال احب امیر المؤمنین
فانطلقت معہ فبینا انا عباس
عندہ اتاہ۔ حاحبہ یرفأ فقال هل
لک فی عثمان و عبد الرحمن بن
عوف والزبیر و سعد بن
ابی وقاص لیستأذنون قال نعم
فاذن لهم ثم جلس یرفأ یسیر
ثم قال هل فی علی و عباس قال
نعم۔ فاذن لهما فدخل فسلما
فجلسا فقال عباس اقض بینی
وبین هذا و هما یختصمان فی
ما فاء اللہ علی رسولہ من بنی
نضیر فقال الرہط عثمان و اصحابہ
اقض بینہما ارج احدهما من
الآخر۔ فقال عمر تیدکم انشدکم
اللہ الذی بآذنه تقوم السماء

والارض۔ هل تعلمون ان رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم قال لا نورث وما
ترکنا صدقۃ یرید رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم نفسه۔ قال الرہط قد قال
ذلک فاقبل علی علی و عباس فقال انشدکم
اللہ اتعلمان ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم قد قال ذلک قالوا قد قال ذلک۔

میں اپنے گھر میں اپنے بال بچوں میں بیٹھا ہوا
تھا۔ دن چڑھا ہوا تھا کہ حضرت عمر بن الخطاب کا
پیغام بر آیا کہ امیر المؤمنین نے بلا یا ہے۔ میں اس
کے ساتھ ہولیا اور ان کی خدمت میں حاضر ہو
گیا۔ میں وہاں بیٹھا ہوا تھا کہ دربان نے آکر قریب
ہو کر اطلاع دی کہ عثمان رضی اور عبد الرحمن
بن عوف رضی اور زبیر رضی اور سعد بن وقاص رضی
آئے ہیں اجازت چاہتے ہیں۔ امیر المؤمنین
نے کہا اجازت ہے۔ اس نے ان کو اندر آنے
دیا اور بیٹھ گیا۔ پھر قریب آکر کہا علی رضی اور
عباس رضی آئے ہیں۔ حضرت عمر رضی نے کہا
انہیں بھی اجازت ہے۔ ان کو بھی دربان نے
اندر آنے دیا وہ دونوں آئے اور سلام کیا اور
بیٹھ گئے پھر حضرت عباس رضی نے کہا میرا اور اس
کا فیصلہ کیجئے اور وہ دونوں جھگڑ رہے تھے۔
بنی نضیر کی ان املاک کے متعلق جو فتنے ہیں
انہیں حضرت صلعم کو حاصل ہوتی تھیں۔ حضرت عثمان رضی
اور دوسرے موجود اصحاب نے حضرت عمر رضی سے کہا
ان دونوں کا فیصلہ کر دیجئے اور ایک کو دوسرے
کے گلے پڑنے سے بچائے۔ حضرت عمر رضی نے کہا

اسی طرح :-

عن علقمة كنت امشي مع عبد الله
بمناي فلقية عثمان فقام معه يحدثه
فقال له عثمان يا ابا عبد الرحمن
الا تزوجك جارية شابة عليها
ان قدر ما مضى من زمانك فقال
لئن قلت ذاك لقد قالها رسول
الله صلى الله عليه وسلم يا معشر
الشباب من استطاع منكم الباءة
فليتزوج فانه اغض للبصر و
احصن للفرج ومن لم يستطع
فخليه الصوم فانه له وجاء -
(مسند امام احمد ۳ جلد اول)

علقمة سے روایت ہے اس نے کہا - میں
حضرت عبداللہ کے ساتھ منی میں جا رہا تھا کہ راستے
میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہو گئی وہ کھڑے
ہو کر باتیں کرنے لگے ، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے کہا
اے ابو عبد الرحمن ہم کیوں نہ تمہاری شادی ایک
جوان دوشیزہ سے کر دیں ، شاید وہ تمہارے
گزرے ہوئے زمانے کی تلافی کر سکے حضرت
عبداللہ نے جواب میں کہا - اگر آپ اب یہ
بات کہہ رہے ہیں تو کوئی نئی بات تو نہیں
یہ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے ہی فرمایا ہے ۔ اے
نوجوان اگر وہ تم میں سے جو استطاعت رکھتا
ہے نکاح کرے ، یہ غرض بصر ہے اور فواحش
سے بچنے کا بہترین طریقہ ہے اور جس میں استطاعت
نہ ہو تو اسے روزے رکھنے چاہئیں یہ اس کے لئے صیانت ہے

(بسر چشم) ذرا ٹھہرو نرمی سے بات کرو میں تمہیں
اللہ کی قسم دیتا ہوں جس کے حکم سے یہ آسمان و
زمین قائم ہیں کیا تمہیں معلوم ہے رسول اللہ صلی
اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ۔ ہم درخت نہیں چھوڑتے
جو ہم چھوڑ جاتے ہیں صدقہ ہوتا ہے ۔ یعنی رفاہ
عام کے لئے حکومت کا ہوتا ہے ۔ اس گروہ
صحابہ نے کہا بیشک آپ نے ایسا ہی فرمایا
پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ اور حضرت
علی رضی اللہ عنہ کی طرف متوجہ ہو کر کہا میں تمہیں خدا
کی قسم دیتا ہوں کیا آپ دونوں کو معلوم ہے
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا تھا ان دونوں نے
کہا یقیناً آپ نے یہ فرمایا تھا ۔

اس روایت کے سننے اور جاننے والے

بہت سے لوگ ہیں ۔ اس سے یہی معلوم
ہوتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس
کا مجمع عام میں اعلان فرمایا ہو گا ، حضرت علی رضی
اللہ عنہ اور عباس رضی اللہ عنہ کے مطالبہ میراث کے وقت
چند اھباب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس بیٹھے تھے
جو کسی اور ضرورت کے لئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس
آئے تھے یا آپ نے ان کو بلایا تھا ، حضرت علی رضی
اللہ عنہ اور عباس رضی اللہ عنہ بھی تشریف لے آئے ۔ ان دونوں
نے اپنا مطالبہ ان سب لوگوں کی موجودگی میں حضرت
عمر رضی اللہ عنہ کے سامنے رکھا ۔ اس واقعہ کے یہ سب
راوی ہیں ۔ اب مالک بن ادس نے اس مطالبہ
کا ذکر کیا ۔ اگرچہ یہ راوی ایک ہے لیکن اس
نے یہ ظاہر کر دیا کہ اس واقعہ کے وقت اتنے
لوگ وہاں موجود تھے ۔

یہ روایت بتلا رہی ہے کہ اس وقت وہاں تین آدمی تھے۔

لیکن حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی زیر بحث روایت میں کوئی قرینہ ایسا نہیں ہے جو ظاہر کرے کہ اس روایت کے وقت یہ تمام رواقہ یا بعض رواقہ وہاں موجود تھے۔ ان رواقہ مذکورہ بالا میں سے بھی کسی کا بیان ایسا نہیں ہے جو یہ ظاہر کرے کہ اس روایت کے وقت کوئی اور بھی ان کے ساتھ تھا، بلکہ اس روایت کے ساتھ سرے سے کوئی سیاق و سباق بھی ایسا نہیں ہے جو یہ ظاہر کرے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کسی سوال کے جواب میں یہ فرمایا ہے۔ یا از خود یہ روایت بیان کی ہے۔ یا کوئی مسئلہ درپیش تھا۔ جس کے ضمن میں آپ نے یہ فرمایا۔

غرض کوئی قرینہ ایسا نہیں ہے، جو اس خیال کی تائید کرے کہ ان سب رواقہ نے یا ان میں سے بعض نے ایک ہی مجلس میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے یہ روایت سنی ہو، جبکہ ان چار میں سے دو تو کوٹہ کے رہنے والے ہیں، اور ان کا مدینہ کا سفر بھی ثابت نہیں ہے۔

انفرادی سماع | اسی لئے محدثین نے ان کے سماع کو علیحدہ

علیحدہ خیال کر کے اصل روایت ہشام بن عروہ عن ابیہ ہی کو تصور کیا ہے، جسے کسی نے ترک نہیں کیا اور باقی روایات کو

متابعات و شواہد میں شمار کیا ہے۔

نوٹ: متابع اور شاہد، اصول حدیث کی اصطلاح

ہیں۔ اگر ایک سے نیچے تعدد اسناد ہو اور روایت ایک ہی ہو، اور بوجہ ایک روایت کو اصل قرار دیا جائے تو دوسری روایت اس کی متابع ہوگی۔ مثلاً روایت تزوج عن ہشام عن عروہ اصل ہے اور روایت نہری عن عروہ اس کی متابع روایت ہے۔ اور اگر ایک شیخ سے اوپر تعدد ہو یا پوری سند ہی صحابی سے مختلف ہو تو ایسی روایت شاہد کہلاتی گی۔ روایت تزوج اسود بن یزید روایت ہشام بن عروہ کے لئے شاہد ہے، مگر ہم نے بیشتر تائیدی روایات پر متابع کا اطلاق کیا ہے، اور بعض جگہ تائیدی روایت کو شاہد کہا ہے، اور اس مقررہ اصطلاح کی پابندی نہیں کی، اور محدثین بھی تائیدی روایات پر متابع اور شاہد کا اطلاق کر دیتے ہیں، غرض ہماری عبارت میں متابع اور شاہد سے مراد صرف تائیدی روایت ہے۔

اصل روایت کا تعین اور اس کے متابعات

قاعدہ یہ ہے کہ باب میں سب سے پہلے جو روایت بیان کی جاتی ہے، وہ سب سے بہتر ہوتی ہے، اس کے بعد جو روایتیں ذکر کی جاتی ہیں، وہ پہلی روایت کی تائید ہوتی ہیں، صحاح میں سے ترمذی نے تزوج کی کسی روایت کو قبول نہیں کیا، ترمذی کے سوا باقی صحاح میں سب سے پہلے ہشام بن عروہ کی روایت کو ذکر کیا گیا

بت اور پھر اس کے بعد اس کی تائید میں دوسری روایات لائی گئی ہیں۔
میں ان کے تلامیذ کو ایک دوسرے کی تائید میں پیش کیا ہے۔

امام بخاری کے نزدیک

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے محض ہشام بن عروہ عن ابیہ عن عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت کو قبول کیا ہے۔ باقی روایات کو ترک کر دیا ہے۔ یعنی ابولہ اسود اور ابوعبیدہ کی روایات کو بطور متابعات بھی قبول نہیں کیا۔

اس سے معلوم ہو رہا ہے کہ بخاری نے ہشام بن عروہ کی واحد روایت پر اس باب میں اعتماد کیا ہے۔ اور اسی روایت کو حاصل باب خیال کیا ہے اور متابعات میں ہشام بن عروہ کے مختلف تلامیذ ہی کی روایات لائے ہیں۔ جو ایک دوسرے کی تائید کرتے ہیں بخاری باب الحجۃ میں پہلی روایت

علی بن مسہر عن ہشام بن عروہ ہے۔

پھر اسی باب میں دوسری روایت ابو اسامہ عن ہشام بن عروہ ہے۔ لیکن یہ روایت عروہ مرسلاً ہے۔

پھر کتاب النکاح میں

سفیان الثوری عن ہشام بن عروہ ہے اس کی متابعت میں وہب کی روایت ہشام سے ذکر کی ہے۔

غرض امام بخاری رحمہ نے ہشام بن عروہ کو اس باب میں اصل قرار دیا ہے۔ اور متابعات

امام شافعی کے نزدیک

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے اس باب میں ہشام بن عروہ کی روایت کو اصل قرار دیا ہے۔ جو اپنے استاد سفیان بن عیینہ سے ذکر کی ہے۔ اور کسی متابع کا ذکر نہیں کیا۔

امام ابو داؤد کے نزدیک

امام ابو داؤد رحمۃ اللہ علیہ بھی اپنی کتاب میں محض ہشام بن عروہ کی روایت حماد بن زید کے واسطے سے لائے ہیں اور متابعات میں تو انہوں نے ہشام کے کسی دوسرے تلمیذ کی روایت بھی ذکر نہیں کی۔

امام مسلم کے نزدیک

امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ پہلے ہشام بن عروہ کی روایت کو ابو اسامہ کے واسطے سے لائے ہیں۔ اس کی متابعت میں ہشام بن عروہ کے دو اور تلامیذ سے روایات لائے ہیں۔ ایک ابو معاذ کی۔ اور دوسری عبیدہ بن سلیمان کی۔ پھر تیسری روایت عروہ سے بذریعہ زہری لائے ہیں۔

یعنی عروہ سے محض ہشام ہی نقل نہیں کرتے بلکہ ہشام ایک اور مؤید بھی ہیں۔ اور وہ ہیں امام زمان محمد بن مسلم ابن شہاب زہری مدنی۔



اسی کی صدائے بازگشت ہیں۔

امام ابن ماجہ کے نزدیک

ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ پہلی روایت ہشام بن عروہ کی علی بن مسہر کے واسطے سے لائے ہیں۔ جو بخاری میں آچکی ہے۔ دوسری ابو عبیدہ کی ہے جو نسائی میں آچکی ہے۔

ابو عبیدہ کے راوی ابواسحاق ہیں اور ان کے دو شاگرد ہیں۔

۱۔ مطرف اور (۲) اسرائیل۔

نسائی میں ابواسحاق کے شاگرد مطرف بن طریف سے یہ روایت منقول ہے۔ مگر ابن ماجہ میں یہی روایت ابواسحاق کے پوتے اسرائیل سے منقول ہے۔

تو گویا اصل روایت تو ہشام ہی کی ہے اور ابو عبیدہ والی روایت متابع ہے۔

ابن ماجہ والی سند میں بن عبد اللہ کے بجائے عن عبد اللہ سہواً لکھا گیا ہے۔ اگر کوئی عن عبد اللہ کی صحت پر اصرار کرے تو یہ حضرت عبد اللہ پر افتراء ہے اور ساری سند نظر انداز کر دینے کے قابل ہے۔ جیسا کہ پہلے ثابت کیا جا چکا ہے۔

امام احمد بن حنبل کے نزدیک

مسند میں فقہی ترتیب نہیں ہے۔ اس لیے اصل اور متابع کا فیصلہ دوسری روایات کے تقابل سے کیا جائے گا۔

اصل روایت ہشام بن عروہ کی حماد بن سلمہ

اس طرح یہ روایت عروہ سے محض ہشام کے ذریعہ سے نہ ہی بلکہ عروہ سے دوسرے راویوں سے بھی ہیں۔ گویا عروہ سے بیان کر نیالے دو ہو گئے ایک نہ رہا۔

اب اس کے بعد امام مسلم نے عروہ کا ایک اور مؤید ڈھونڈ نکالا۔ اور وہ ہے اسود بن یزید کوفی۔

اس طرح حضرت عائشہ رض سے بیان کرنے والے محض عروہ ہی نہیں رہے بلکہ اسود نے بھی یہ روایت حضرت عائشہ رض سے بیان کی۔

امام نسائی کے نزدیک

نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے پہلے ہشام بن عروہ کی روایت ابو معاویہ کے واسطے سے ذکر کی ہے پھر اس کی تائید میں ہشام بن عروہ کے دوسرے تلمیذ جعفر بن سلیمان کی روایت بیان کی ہے پھر مزید تائید میں حضرت عائشہ رض سے تین روایتیں ذکر کی ہیں۔ ایک ابو عبیدہ بن عبد اللہ کی روایت دوسری ابوسلمہ کی روایت۔ تیسری اسود بن یزید کی روایت۔

نسائی میں حضرت عائشہ رض سے بیان کرنے والے علاوہ عروہ اور اسود کے دو نئے راوی اور بیان کئے گئے ہیں۔ ۱۔ ابوسلمہ مدنی۔ ۲۔ ابو عبیدہ کوفی۔

نسائی ج کے نزدیک بھی ان روایات میں سے محض ہشام بن عروہ کی روایت ہی اصل روایت ہے (گو ناقص ہے) اور باقی تین روایتیں

جن کا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے سماع ثابت ہے۔ ایک عروہ بروایت ہشام و دوسرے اسود بن یزید۔ البتہ مسلم نے عروہ سے ہشام کے علاوہ نہ ہری کے سماع کو بھی تسلیم کیا ہے۔

۳۔ ابن ماجہ کے نزدیک بھی صرف دو راوی ہیں

۱۔ عروہ بروایت ہشام

۲۔ اور ابو عبیدہ۔

۴۔ نسائی کے نزدیک حضرت عائشہ رضی

سے سننے والے چار راوی ہیں۔

عروہ^۱۔ ابو سلمہ^۲۔ اسود^۳ اور ابو عبیدہ^۴

ان محدثین کرام رحمہم اللہ کے بیان سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان مذکورہ بالا رواۃ نے یہ روایت علیحدہ علیحدہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے سنی ہے۔ لیکن اس کے باوجود سند میں یا ان کے بیان میں کوئی قرینہ ایسا نہیں ہے جو ان کے براہ راست سماع کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ثابت کر سکے۔ اس لئے کہ

۱۔ ”حدثنا“ اور ”أخبرنا“ سے جو روایتیں بیان کی جاتی ہیں، ان سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ متکلم نے مخاطب سے براہ راست یہ روایت سنی ہے۔ لیکن ”عن“ میں یہ گنجائش ہے کہ متکلم نے براہ راست مخاطب سے نہ سنا ہو۔ غرض اصلی روایت محض ہشام کی ہے۔ لیکن ناقص ہے۔ باقی روایات ہشام کے علاوہ

کے واسطے سے ہے۔ پھر اس کی متابعت میں اسود والی روایت لائے ہیں۔ اس کے بعد ایک اور مرسل روایت ابو سلمہ اور یحییٰ سے ذکر کی ہے۔

بیہقی کے نزدیک

بیہقی نے ہشام بن عروہ کی روایت کو یونس بن بکر کے واسطے سے ذکر کیا ہے۔ اور دوسری کتب حدیث کی روایات پر ارسال و وصل کے لحاظ سے چند کلمات کہے ہیں۔

غرض کتب حدیث میں ہشام بن عروہ کی روایت کو اصل تسلیم کیا گیا ہے۔ باقی روایات کو متابعات میں شمار کیا گیا ہے۔ بلکہ بعض نے تو صرف ہشام کی روایت کو ذکر کیا ہے اور باقی روایات کو ترک کر دیا ہے۔ چنانچہ ۱۔ بخاری، کتاب الاثم اور البواہر ورح نے محض ہشام کی روایت کو قبول کیا ہے۔ ان کے نزدیک اس روایت کا صرف ایک راوی ہے۔ اور وہ ہے ہشام بن عروہ۔

ان کے نزدیک ہشام سے اوپر عروہ سے بھی کوئی اور اس روایت کا متابع نہیں ہے۔ اور ہمارے نزدیک بھی یہی بات اقرب الی الصواب ہے۔ لیکن یہ روایت ایک ناقص روایت ہے۔

۲۔ مسلم۔ امام احمد اور بیہقی کے نزدیک اس روایت کے راوی صرف دو ہیں

دوسرے رواۃ نے ارسال و تدلیس کے طور پر بیان کی ہیں، بلکہ اختلاطاً بھی بیان کی گئی ہیں۔

دورِ نقلِ روایات

صدرِ اول میں شوقِ علم کی فراوانی کی وجہ سے قرآن کے مطالب معلوم کرنے اور حدیثِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حاصل کرنے کے لئے لمبے لمبے سفر کئے جاتے تھے۔ اور جہاں کہیں بھی ارشادِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا پتہ چلتا تھا۔ اس کے حامل سے اُسے حاصل کرتے تھے۔

اس دور میں پوری توجہ قول و عملِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر تھی اور خیر کا زمانہ تھا اس لئے یہ احتمال بہت کم تھا کہ بیان کرنے والا غلط بیانی کر رہا ہے۔ اس قرن میں جب ایک جگہ سے لوگ دوسری جگہ حصولِ علم کے لئے سفر کرتے تھے تو انہیں کے ذریعے ایک جگہ کی روایات دوسری جگہ پہنچ جاتی تھیں۔ ملک کے اس سرے سے لیکر اُس سرے تک برابر اسی طرح روایات کا تبادلہ ہوتا رہتا تھا۔

یہ روایات بے تکلف مجالس میں انفرادی طور پر بغیر راوی کا نام بتائے بیان کی جاتی تھیں اور یہ خیال بھی نہ ہوتا تھا کہ روایت میں کھوٹ ہے اس دور میں علمِ نام ہی اس کا تھا کہ لوگ قرآن کو سمجھیں اور اقوال و افعالِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

کو معلوم کر کے اس پر عمل کریں۔

جب اس طرح کثرت سے روایات ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہونے لگیں۔ اور روایات کا حجم بڑھ گیا اور زمانہِ دفن بھی شروع ہو گیا اور اس چشمہ صافی میں ادھر ادھر کی کثافتیں شامل ہونے لگیں۔ تو ضرورت پیش آئی کہ خبر کی پُرکھ کا کوئی معیار اور طریق مقرر کیا جائے۔

چنانچہ تابعین کے آخری دور میں اس کا احساس بڑھ گیا کہ خبروں کے قبول کرنے کے لئے ضرور کوئی ضابطہ ہونا چاہیے۔ اس لئے اُس وقت کے علماء نے اپنے اپنے طور پر کچھ ضابطے بنائے جن کے مطابق وہ روایتوں کو پرکھتے اور رد و اخذ کرتے رہے۔

اس سلسلہ میں جہاں اور معیار مقرر کئے گئے جن کا ذکر آئندہ صفحات میں اپنے موقع پر کیا جانے والا ہے وہاں سب سے پہلا اور بنیادی معیار یہ مقرر کیا گیا کہ خبر بیان کرنے والے نے یہ خبر کس سے سنی۔ اس کا نام بتائے تاکہ مُجَرِّعُہ اور مُجَرَّبُہ کو جانچ کر خبر کو قبول کیا جائے۔

لیکن اس سے پہلے جو خبریں شائع ہو چکی تھیں ان کو جانچنے اور پرکھنے کے لئے یہ تسلیم کر لیا گیا کہ مُجَرِّعُہ اور مُجَرَّبُہ میں معاشرت کافی ہے۔ جیسا کہ امام مسلم فرماتے ہیں۔

یا کم از کم ایک ملاقات ثابت ہونی چاہیے جیسا کہ امام بخاری فرماتے ہیں
یا اخذِ علم کا ثبوت بھی ضروری ہے۔ جیسا کہ بعض

دوسرے علماء فرماتے ہیں۔ دورِ قرآن

ہمارے نزدیک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کا پہلا دور قرآن کا دور ہے۔ جمع قرآن، حفاظت قرآن، مشکلات قرآن، مطالب قرآن، لغات قرآن، متشابہات قرآن، دمحکات قرآن کا علم، مصطلحات قرآن وغیرہ اُس دور کے مشاغل تھے۔ اس دور میں بھی لوگ سنت سے غافل اور بے نیاز نہیں تھے۔ لیکن سنت کی طرف پوری توجہ بعد کے دور میں منعطف ہوئی۔

دورِ حدیث

دوسرا دور دورِ حدیث ہے جس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال، آپ کے فیصلے، روزے، نماز کے مسائل کی تشریح، زکوٰۃ کی تفصیل، اس کی شرائط، حصول کے طریقے، احکام کی روایات اخلاقی ہدایات، جن امور سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی زندگی میں واسطہ پیش آیا۔ سب کے متعلق آپ کے افعال و اقوال کو معلوم کرنا اور ان کو محفوظ کرنا اس دور کے مہمات و مسائل تھے۔

بعثت کے بعد آپ کی پوری زندگی قرآن شریف کی عملی تفسیر ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ

كَانَ خَلْقَهُ الْقُرْآنَ۔

قرآن کو سمجھنے کے لئے آپ کی پوری زندگی کا مطالعہ ضروری ہے۔ آپ کا ہر قول اور آپ کا ہر عمل آیات قرآنیہ کی تفسیر اور اس کی عملی توضیح ہے۔ قرآن اور انسانی زندگی کے انطباق کا کامل عملی نمونہ آپ کی زندگی ہے۔ اس لئے اُس دور میں آپ کی زندگی سے متعلق چھوٹی سے چھوٹی بات معلوم کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ حتیٰ کہ سبھی گھریلو زندگی، اٹھنے بیٹھنے، سونے جاگنے، کھانے پینے، بول و براز کے آداب تک میں آپ کی زندگی سے نمونہ لیا گیا ہے۔ اور یہ دور حدیث ہے۔

اس کے ساتھ ساتھ دورِ تفقہ بھی تدریجاً ترقی کرتا رہا۔ جن امور کے متعلق قرآن و حدیث میں کوئی تصریح موجود نہیں تھی۔ اُن کے لئے قیاس و رائے سے کام لیا گیا۔ اور اس قیاس و رائے کے لئے بھی کچھ ضابطے بنائے گئے۔ جن کا مفصل بیان اصول فقہ میں موجود ہے۔

صحابہ رض کا دور بیشتر دورِ قرآن پر مشتمل تھا۔ دورِ تابعین دورِ حدیث ہے۔ اور تبع تابعین کا ابتدائی دور بھی دورِ حدیث ہے۔

اس کے بعد دورِ نقد حدیث شروع ہو جاتا ہے۔

مصنفین صحاح ستہ کا دور نقد حدیث کا دور ہے۔

دورِ نقدِ روایات

ہمارے نزدیک تقریباً ۱۸۰ سالہ تک دورِ حدیث تھا۔ اس کے بعد دورِ نقد شروع ہو گیا۔ ائمہ جرح و تعدیل جتنے ہیں وہ سب ۱۸۰ سالہ کے بعد کے لوگ ہیں۔

دورِ حدیث میں بھی نقدِ حدیث کا رجحان ضرور تھا۔ لیکن وہ اُس وقت تک باقاعدہ فن نہیں تھا اور اصولِ حدیث کی اصطلاحات وضع نہیں کی گئی تھیں۔

دورِ نقلِ حدیث میں محض حدیث بیان کی جاتی تھی۔ راوی کا نام بیان کرنا ضروری نہ تھا۔ محض۔

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
یا عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ و
سلمہ پر نظر ہوتی تھی۔ اگر کسی صحابی سے کوئی بات منقول تھی تو اس کے لئے

عن عمر عن عثمان کہہ دینا کافی تھا۔ اس لئے امام ابو حنیفہ رحمہ اور امام مالک رحمہ نے مراسلاتِ ثقہ کو علی الاطلاق حجت تسلیم کیا ہے۔ اس لئے کہ یہ دورِ حدیث کے لوگ ہیں۔ لیکن امام شافعی رحمہ اور امام احمد رحمہ نے مراسلاتِ ثقہ کو علی الاطلاق حجت تسلیم نہیں کیا اس لئے کہ یہ دونوں امام دورِ نقدِ حدیث سے تعلق رکھتے ہیں۔

بحثِ متابعات

روایت زیرِ بحث پر غور کرتے ہوئے ہم سب سے پہلے اُن روایات پر بحث کریں گے جو بطورِ متابعات اس باب میں آئی ہیں۔ اور ہشام بن عروہ کی روایت پر آخر میں بحث کریں گے جو اس باب کی اصل روایت ہے۔

۱۔ متابِعُ ابوسلمہ (نسائی)

سب سے پہلے نسائی کی روایت جو ابوسلمہ سے مروی ہے اُس کو لیجئے:

۱۔ اخبرنا احمد بن سعد بن حکم بن ابی مریم قال حدثنی عمی قال حدثنا یحییٰ بن ایوب قال اخبرنی عمارۃ بن عزیة عن محمد بن ابراہیم عن ابی سلمة عن عائشة رضی قالت تزوجنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دہی بنت ستاد بنی بھا دہی بنت تسع سنین۔

۱۔ حضرت عائشہ رضی نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے نکاح کیا اور میں چھ سال کی تھی۔ مجھ سے بنا کی اور میں ۹ سال کی تھی۔

بحثِ متن

اول تو اس روایت کے متن میں اضطراب ہے

التفات من التكلم الى الخطاب بلا ضرورة .
خطاب کے دونوں طریقے ایک ہی کلام میں لائے
گئے بالواسطہ اور بلا واسطہ یعنی متکلم کے صیغے
سے بھی اور غائب کے صیغے سے بھی .

یا تو یہ ہونا چاہیے تھا کہ

تزوجنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم وانا بنت ست وبنی بی وانا بنت
تسع سنین - یا یہ ہونا چاہیے تھا کہ

تزوجہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم وھی بنت ست وبنی بہادھی
بنت تسع سنین -

ب۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے
نکاح کیا اور وہ چھ سال کی تھی اور اس سے
بنا کی اور وہ نو سال کی تھی .

اس طرح کا خطاب عام کلام میں بھی مستحسن
ہیں ہے . چہ جائیکہ روایت کے کسی شد
پارے میں اس طرح بیان کیا جائے .

یہ روایت محض نسائی میں آئی ہے .
حدیث کی کسی اور کتاب میں مذکور نہیں ہے
نہ اس کا کوئی متابع ہے اور نہ شاہد .

بحث سہم

اس سند کے اوپر کے تین راوی مدنی ہیں

اور آخری تین راوی مصری ہیں

مدینہ مرکز علم تھا . مگر تعجب ہے کہ

مدینہ میں اس کا کوئی متابع ہے اور نہ
مصر میں .

یہ روایت کچھ اس طرح سینہ بسینہ منتقل
ہوتی چلی آئی ہے کہ چھ درجوں تک کسی کو اس
کا علم نہ ہوا . اور پھر ایک دم دو سو سال کے
بعد منظر عام پر آ گئی .

اب فرداً فرداً اس روایت کے رواۃ کو پرکھئے .

۱۔ احمد بن سعد

یہ مصری ہیں اور ان کے حالات مستور ہیں
امام نسائی کے استاد ہیں . نسائی نے ان کے
متعلق فرمایا ہے کہ لا باس بہ . یعنی ان کی
روایت قبول کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے
میزان الاعتدال . لسان المیزان اور
تذکرۃ الحفاظ ان کے ذکر سے خالی ہیں صرف
تہذیب التہذیب نے ثقہ کہہ کر باقی حالات
سے خاموشی اختیار کی ہے .

۲۔ سعید بن حکم بن ابی مریم

یہ دوسرے راوی پہلے راوی کے چچا ہیں .
مصری ہیں . محض تہذیب التہذیب نے ان کا
ذکر کیا ہے . لسان المیزان اور میزان الاعتدال
ان کے ذکر سے خاموش ہیں . تذکرۃ الحفاظ
نے بھی ان کے متعلق کچھ نہیں لکھا .
صاحب تہذیب التہذیب نے واقعہ
کے بیان میں لکھا ہے .
کہ حدیث نبہان :-

کی جاسکتی ہے جو حدیث نبہان کو معمر سے نقل کرتا ہو۔ حالانکہ یہ حدیث یونس ہے اور یونس کے سوا کسی اور نے اسے بیان نہیں کیا۔

احمد بن منصور کا بیان ہے کہ مجھے کسی کام سے انہی دنوں مصر جانا پڑا۔ وہاں سعید بن مریم نے یہ حدیث نبہان مسلسل سند کے ساتھ زہری سے بواسطہ معمر بیان کی۔ جب وہ اس حدیث کے ذکر سے فارغ ہوئے تو میں ہنس پڑا۔ سعید نے تعجب سے پوچھا کہ ہنستے کیوں ہو؟ میں نے ان کو علی ابن الدین اور امام احمد کی خط و کتابت کا قصہ سنایا تو سعید نے کہا ہمارے مصری اساتذہ تو زہری کی حدیث کے شیدائی ہیں۔ اس لئے میں نے یہ حدیث اس سند کے ساتھ بیان کی ہے۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جس بنا پر امام احمد نے واقدی کو ناقابل قبول قرار دیا وہ سعید میں بھی موجود ہے۔

اس واقعہ سے ان کی احتیاط کا بھی اندازہ ہوتا ہے۔

ہمارا خیال ہے کہ سعید بن مریم کسی ثابت شدہ روایت کو دوسری سند سے متعلق کرنے میں حرج نہیں سمجھتے تھے۔ آگے چل کر ہم اس کو بیان کریں گے۔

۳۔ یحییٰ بن یوب

یہ اس سند کے تیسرے راوی ہیں اور مصری ہیں۔ عبداللہ بن احمد نے اپنے والد امام احمد سے یہ

یونس عن الزہری عن نبہان
عن ام سلمة قالت كنت عند النبي صلى الله
عليه وسلم وعنده ميمونة فاقبل ابن
ام مکتوم وذلك بعد ان امد بالحياب
فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم احتجبا
منه فقلنا يا رسول الله اليس اعني لا يجرنا
ولا يعذرنا قال افعميا وان انتمما السمتما
تبصرانما۔

ام سلمہ سے روایت ہے کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تھی اور آپ کے پاس حضرت ميمونةؓ بھی تھیں۔ پس ابن ام مکتوم (نابینا) آئے یہ آیت حجاب اترنے کے بعد کا واقعہ ہے۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دونوں اس سے پردہ کر دو ہم دونوں نے کہا کیا وہ نابینا نہیں ہے۔ وہ ہمیں نہیں دیکھ رہا اور نہ ہمیں پہچان رہا ہے۔ آپ نے فرمایا کیا تم دونوں اندھی ہو اور اسے نہیں دیکھ رہی ہو۔

درحقیقت حدیث یونس ہے۔ لیکن اس حدیث کو واقدی نے معمر سے بیان کیا ہے۔ اور معمر نہ ہری کے خاص راوی ہیں۔ یہ روایت معمر سے بیان کرنے کے بعد واقدی نے تبسم کیا۔ اس تبسم کا یہ مطلب تھا کہ یہ حدیث نبہان معمر سے منقول نہیں ہے۔

احمد بن منصور کا بیان ہے کہ علی ابن المدینی مشہور ناقد حدیث انہی ایام میں بغداد میں ہمارے پاس آئے واقدی اس وقت بغداد میں قاضی تھے۔ علی ابن المدینی نے امام احمد کو لکھا کہ واقدی سے روایت قبول

رائے نقل کی ہے کہ اسے سییء الحفظ (یہ حافظے کا برا ہے ۔ امام احمد نے دوسرے موقع پر فرمایا یکتب حدیثہ ولا یحتج بہ ان کی حدیث لکھی جاسکتی ہے ۔ اس سے استدلال نہیں کیا جاسکتا ۔

امام احمد نے یہ بھی فرمایا
یخطیء خطاً کثیراً ۔ بہت غلطیاں کرتے ہیں ۔
حاکم نے فرمایا

اذا حدث من حفظه یخطیء

جب زبانی کوئی روایت بیان کرتے ہیں

تو غلطی کرتے ہیں ۔

عقیلی نے ان کو اپنی کتاب ضعفاء میں رکھا
عقیلی نے ہی ان کے متعلق امام احمد کا قول نقل کیا ہے ۔

انہ انکر حدیثہ ۔ امام صاحب نے ان کی حدیث کا انکار کر دیا ہے ۔

(تہذیب التہذیب جلد ۱۱ ص ۱۸۶)

میزان الاعتدال نے ان کے متعلق لکھا ہے
کہ ان کی عجیب و غریب حدیثوں میں سے ایک یہ ہے ۔ جو انہوں نے ابن عباس سے مرفوعاً ذکر کی ہے
ہے المونثون اولاد الجن ۔ یعنی مونثات جن کی اولاد ہیں ۔ ابن عباس سے دریافت کیا گیا یہ کیسے ؟ تو انہوں نے فرمایا کہ جب کوئی ایام حیض میں اپنی بیوی کے پاس جاتا ہے تو شیطان آدمی سے سبقت کرتا ہے اور حمل ہو جاتا ہے تو عورت پیدا ہوتی ہے ۔

صاحب میزان نے بہت سی احادیث ذکر کی ہیں ۔ جو انہوں نے غلط بیان کی ہیں ۔

نسائی نے فرمایا

لیس بالقوی ۔ یہ مستند نہیں ۔

ابن یونس نے فرمایا

حدث عنه الغرباء الاحادیث

لیس عند المصریین منها حدیث

اجنبی لوگ ان سے ایسی احادیث نقل

کرتے ہیں جو اہل مصر کو معلوم ہی نہیں ہیں ۔

ابن سعد نے فرمایا

هو متکراً الحدیث ۔ یہ اوپر ہی حدیث

والے ہیں ۔

دارقطنی کہتے ہیں

فی بعض احادیثہ اضطراب

ان کی بعض احادیث میں کچھ کا کچھ

ہے ۔

اسماعیل نے کہا

لا یحتج بہ ۔ یہ قابل تک نہیں ۔

ابو زرعمہ نے کہا

ربما خل فی حفظہ ۔ بسا اوقات

ان کے حافظے کا خلل ظاہر ہوا ۔

ابن صالح نے کہا

لہ اشیاء یخالف فیہا ۔ ان کی ایسی

چیزیں ہیں جن سے اختلاف کیا جاسکتا ہے ۔

جتنی احادیث بیان کی ہیں سب مُرسل ہیں۔ حالانکہ یہ ان روایات کو موصولاً بیان کرتے ہیں۔

اس کے علاوہ یہ جابر اور ابوسعید سے روایات بیان کرتے ہیں۔ مگر ابو حاتم کہتے ہیں کہ لم یسمع من جابر ولا من ابی سعید شیئاً۔ انہوں نے نہ جابر سے کچھ سنا نہ ابو سعید سے۔

ان کی ایک حدیث مؤطا میں حضرت عائشہؓ سے منقول ہے۔ حالانکہ حضرت عائشہؓ رضہ جابر سے پہلے وفات پا چکی ہیں۔

۶ ابوسلمہ بن عبد الرحمن بن عوف مدنی

یہ جیسٹے راوی ہیں۔

علی بن المدینی۔ امام احمد، ابن معین، یعقوب، ابوداؤد بالاتفاق فرماتے ہیں کہ یہ اپنے باپ سے مرسل ذکر کرتے ہیں۔ امام احمد کہتے ہیں۔

مات ابوه دھوہ صغیر، جب ان کے والد کا انتقال ہوا تو یہ بھڑٹے ہی تھے۔

بقول ابن عبد البر

لم یسمع من ابیه۔ انہوں نے اپنے باپ سے کچھ نہیں سنا۔

بقول امام احمد

لم یسمع عن ابی موسیٰ الاشعری ابو موسیٰ اشعری سے کچھ نہیں سنا۔

بقول ابوزرعه۔ لم یسمع من ابی بکر شیئاً

عمارہ بن غزیہ

۴

یہ اس حدیث کے چوتھے راوی ہیں۔ یہ حضرت انس ابن مالکؓ سے روایت بیان کرتے ہیں لیکن ارباب نقد کا ان کے متعلق فیصلہ ہے کہ بقول دارقطنی لم یلق آتسا۔ یہ حضرت انس سے ملے ہی نہیں

بقول ترمذی لم یرآ لتسا۔ انہوں نے حضرت انس کو دیکھا ہی نہیں

عقیلی نے ان کو ضعفاء میں ذکر کیا ہے۔

بقول عبد الحق ضعفه المتأخرون متأخرین نے ان کو ضعیف قرار دیا ہے

بقول ابن حزم ضعیف ہیں۔

بقول سفیان بن عیینہ۔ باوجودیکہ میں اکثر عمارہ کے پاس جاتا تھا لیکن میں نے ان سے کوئی روایت یاد نہیں کی۔

امام احمد نے فرمایا

ان کی حدیث میں کچھ کمی ہے۔

(تہذیب التہذیب ص ۲۲۳ جلد ۵)

محمد بن ابراہیم مدنی

۵

یہ پانچویں راوی ہیں۔ ان کے بارے میں

امام احمد نے فرمایا

یردی احادیث مناکیر۔ اوپری

حدیثیں بیان کرتے ہیں۔ انہوں نے اپنے باپ سے

ابوبکر سے کچھ نہیں سنا

بقول بخاری

ابو سلمۃ عن عمر منقطع

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ابوسلمہ کی روایت منقطع

ہوتی ہے۔

نظر بن شیبان کا بیان ہے کہ ابوسلمہ نے جو اپنے باپ سے سنا اسے محدثین تسلیم نہیں کرتے۔

ابو سلمۃ لم یسمع من ام حبیبة
وانہ لم یسمع من عمر ابن امیتہ
ابوسلمہ نے نہ ام حبیبہ سے کچھ سنا اور نہ
عمر بن امیہ سے۔

المعزی نے کہا

لم یسمع من طلحۃ ولا من عبادۃ
بن الصامت

نہ انہوں نے طلحہ سے کچھ سنا اور نہ
عبادہ سے۔

ابو خثیمہ نے صراحۃً ان کا طلحہ اور عبادہ سے
عدم سماع ثابت کیا ہے۔ اور جب ان دونوں
سے عدم سماع ثابت ہے تو ابودرداء سے بدرجہ
اولیٰ سماع ثابت نہیں۔ اسی طرح حضرت عثمان
سے بھی سماع ثابت نہیں۔ غرض یہ ابوسلمہ ان سب
سے بے تکلف روایت بیان کرتے ہیں۔ حالانکہ
مندرجہ بالا تصریحات کے بعد ان کا کسی سے بھی
ثابت نہیں۔

ابوسلمہ کے بھائی حمید بن عبدالرحمن جو قاضی
مدینہ رہ چکے ہیں۔ تزویج عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت

بیان نہیں کرتے۔

ابوسلمہ کے دوسرے بھائی مصعب بن
عبدالرحمن یہ بھی قاضی مدینہ رہ چکے ہیں۔ اس
روایت کو بیان نہیں کرتے۔

ابوسلمہ کی اولاد سلمہ، حسن، حسین،
ابوبکر، عبدالجبار، عبدالعزیز، عبدالملک
عمر۔ ان آٹھ میں سے کوئی بھی اس روایت
کو بیان نہیں کرتا۔

یہ عجیب بات ہے کہ اس متبرک
روایت کو باہر کے لوگ تو بیان کرتے ہیں۔ لیکن
گھر کا کوئی آدمی ذکر نہیں کرتا۔
(تہذیب التہذیب وابن سعد ذکر ابوسلمہ)

نتائج بحث

اس پوری سند پر نظر ڈالنے سے مندرجہ ذیل
امور واضح ہوتے ہیں

- ۱۔ یہ روایت واحد عن واحد چلی آ رہی ہے
جو بجائے خود ضعف کی دلیل ہے۔
- ۲۔ اتنے عجیب واقعے کو بیان کیا جائے
اور کسی کو کالوں کا خبر نہ ہو یہ بات قابل
قبول نہیں ہے۔

۳۔ اس روایت کے بعض راوی سخت ناقابل
اعتبار ہیں۔ خصوصیت سے نیچے کے تین
مصری رواۃ۔

۴۔ تابعی بے تکلف صحابی سے روایت کرتا ہے

لشع سنین وصحبته تسعاً۔
یہ روایت بھی سنداً و متناً دونوں حیثیت
سے بحث کے قابل ہے

بحث متن

اس روایت کے متن کا آخری جملہ صحبتہ
تسعاً بالکل واضح ہے۔ یعنی ۹ سال آپ
کے ساتھ رہیں۔ لیکن پہلا جملہ دوسری روایات
کے خلاف ہے۔ کیونکہ تمام روایات میں تزوج
کے متعلق دو ہی قول ہیں۔ ۶ سال یا ۷ سال
یہ ۹ سال کی روایت سب سے الگ اور منفرد
ہے۔

اگر تزوج ۹ سال میں ہوا تو بنا ۱۲ سال میں
ہوگی۔ کیونکہ تزوج اور بنا میں تین سال کا فرق
ہے۔ اس کے بعد ۹ سال حضرت عائشہ رضہ حضور
کی خدمت میں رہیں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ و
سلم کی وفات کے وقت حضرت عائشہ رضہ کی
عمر ۲۱ سال ہو جاتی ہے جسے کوئی بھی تسلیم نہیں
کرتا۔

لہذا یہ بالکل ایک نئے مضمون کی روایت
بن جاتی ہے۔ اور ایسی حالت میں نہ یہ کسی روایت
کی شاہد بن سکتی ہے اور نہ متابع۔

اس بناء پر یا تو یہ قابل ترک ہے یا اس
میں تاویل کی جائے کہ تزوج سے مراد بمنہ ہے
لیکن اس صورت میں علاوہ اس خرابی کے کہ
تزوج کے متعارف معنی کو بدلنا پڑے دوسری

خواہ اس سے بقاء بھی نہ ہو اور سماع بھی
نہ ہو۔ ابوسلمہ صحابہ سے بے تکلف نقل
کرتے ہیں۔ مذکورہ بالا صحابہ کے متعلق تو
ہمیں اس لئے کچھ معلوم ہو گیا کہ یہ حضرات
ابوسلمہ کے ہوش سنبھالنے سے پہلے ہجرات
پا چکے تھے۔ لیکن جو زندہ تھے ان سے
بھی مرسل بیان کرنے میں ابوسلمہ کو کوئی
تکلف نہیں تھا۔ اور اس معاملے میں ان
کی گرفت بھی مشکل ہے۔

۵۔ اگر اس باب میں یہی روایت ہوتی تو
کسی طرح بھی اس پر بھروسہ نہیں کیا جا
سکتا تھا۔

۶۔ یہ روایت تدلیساً اس سند کے ساتھ لگائی
گئی ہے۔ جیسا کہ ہم آئندہ بیان کریں
گے۔

ان وجوہ کی بنا پر یہ روایت اس قابل نہیں
ہے کہ اس سے کچھ بھی استدلال کیا
جائے۔

۲ متابع ابو عبیدہ (نسائی)

نسائی کی دوسری متابع روایت ہے۔
اخبرنا قتیبہ قال حدثنا
عبد الرحمن بن مطرف عن ابي اسحاق
عن ابي عبیدہ قال قالت عائشة رضہ
تزوجني رسول الله صلى الله عليه وسلم

خرابی یہ ہے کہ روایت کا پہلا حصہ حذف ہو گیا
اور روایت مختصر ہو کر صرف دو ٹکڑوں پر مشتمل
رہ گئی۔ یعنی ۹ سال اور معیت ۹ سال

بحث سند

اس روایت کے رجال سند پانچ ہیں۔
اور پانچوں کے حالات مندرجہ ذیل ہیں۔

قتیبہ بن سعید

قتیبہ بن سعید امام مالک کے شاگرد ہیں
ابن لہیعہ۔ جعفر بن سلیمان اور وکیع سے روایت
کرتے ہیں۔ ابن لہیعہ سے روایت کرنے والے
یہ آخری راوی ہیں۔

محمد بن حمید کا بیان ہے کہ قتیبہ سے میں
نے خود سنا کہ ۱۸۲ھ میں جب حصول علم کیلئے
وہ عراق گئے تو ان کی عمر ۱۴-۱۵ سال تھی۔
حاکم کا بیان ہے کہ قتیبہ مامون ہے لیکن
جو روایت جمع بین الصلوٰتین مناذ بن جبل سے بیان
کی ہے وہ موضوع ہے۔

حاکم کہتے ہیں کہ میں نے قتیبہ سے پوچھا
تم نے لیث سے جمع بین الصلوٰتین کی یہ حدیث کس
کی معیت میں سنی۔ اس نے کہا خالد بن مدینی
کی معیت میں۔ حالانکہ لیث کی وفات ۱۱۸ھ
میں ہو چکی تھی۔ اس وقت قتیبہ کی عمر ۳-۴ سال
ہوگی۔

امام بخاری رحمہ اللہ اس خالد کے متعلق فرماتے ہیں

کہ دکان خالد بن مدائنی ہذا یدخل
الاحادیث علی الشیوخ۔
خالد حدیثیں وضع کر کے بزرگوں کی طرف
منسوب کیا کرتا تھا۔

البوسعید بن یونس کہتے ہیں۔

لم یحدث به الا قتیبة۔
البوطیب کہتے ہیں

هو منكر جدا من حدیثہ

اس کی روایات میں سے یہ روایت بہت

بجا اور پری ہے۔

امام بخاری رحمہ اللہ کا خیال ہے کہ خالد نے اس جمع
بین الصلوٰتین والی روایت کو مرویات لیث میں
شامل کر دیا۔ اور وہاں سے یہ روایت چل نکلی۔
اور اگر یہ روایت ابن زبیر کی روایت تھی جیسا کہ
بعض دوسرے محدثین کا خیال ہے اور قتیبہ نے اسے
خود مرویات لیث میں داخل کر دیا۔

تو جو شخص سند میں غلط بیانی کر سکتا ہے۔
وہ متن میں بھی کر سکتا ہے۔

(تہذیب التہذیب)

عشر

اس راوی کے ذکر سے لسان المیزان۔ میزان

الاعتدال اور تذکرۃ الحفاظ خالی ہیں۔ تہذیب

التہذیب میں نہایت مختصر بیان ہے۔ اور اس میں

بھی نہ جرح ہے نہ تعدیل حسب دستور ”ثقة“

کے مختصر سے جملے پر اکتفا کیا گیا ہے۔

مطرف بن طریف

۳

ان سے آخر میں سنا .
ابو اسحاق کے ستر، اسی کے قریب ایسے
استاد ہیں جن سے صرف یہ اکیلے روایت کرتے

ہیں .

مذکورہ بالا کتابیں ان کے ذکر سے بھی خاموش

ہیں .

تہذیب التہذیب میں چند روایتی جملے

ان کے متعلق ملتے ہیں .

عثمان بن ابی شیبہ کا قول ہے

صدوق دلیس بحجت

سچے ہیں لیکن حجت نہیں ہیں .

کسی نے ان سے کہا کہ شعبی جو آپ کا
تلمیذ ہے کہتا ہے کہ آپ نے علقمہ سے کچھ
نہیں سنا . حالانکہ آپ علقمہ سے روایت بیان کرتے
ہیں . ابو اسحاق نے کہا سچ کہتا ہے .

ابن سعد نے کہا کہ ابو اسحاق نے حضرت علی رضی
کے پیچھے نماز بھی پڑھی . حضرت علی رضی سے ملے بھی
لیکن سنا کچھ نہیں .

ابن عیینہ کی روایت

عن ابی اسحاق عن ذی الحوشن

مرسل ہوتی ہے .

لہذا ابو اسحاق عن ذی الحوشن

سننیا . (تہذیب التہذیب)

ابوزرعمہ کہتے ہیں . میں نے اپنے والد سے

دریافت کیا کہ ابو اسحاق کی روایت حضرت انس رضی

سے درست ہے یا نہیں . تو انہوں نے فرمایا نہ

روایت ثابت ہے نہ سماع ثابت ہے .

ابن ابی حاتم نے مراسیل میں لکھا ہے . کہ

میں نے اپنے باپ سے سنا کہ ابو اسحاق نے

ابن عمر سے کچھ نہیں سنا . حجر بن عدی کو ابو اسحاق

نے دیکھا تو ہے لیکن سنا کچھ نہیں .

امام ابو حنیفہ رحمہ نے فرمایا .

ابو اسحاق نے حذیفہ سے کچھ نہیں سنا

ابوزرعمہ نے کہا ہے . کہ حضرت انس رضی

ابو اسحاق سبعی ہمدانی کوئی

۴

ان کا نام عمرو بن عبداللہ ہے . ولادت

۳۰۰ یا ۳۲۰ ہجری ہے . وفات ۱۳۴ھ

یا اس کے قریب ہے . حضرت علی اور مغیرہ بن

شعبہ سے روایت بیان کرتے ہیں . لیکن ان سے

سنا کچھ نہیں .

اسود بن یزید . عبداللہ بن عقبہ بن مسعود اور

علقمہ سے . اور ان کے علاوہ تین سو کے قریب اور

اساتذہ سے روایت کرتے ہیں .

پھر ابو اسحاق سے بیان کرنے والے ان کے

تلامیذ چار سو کے قریب ہیں .

اور مطرف السراہل بن یونس ان کا پوتا ہے .

ایک دوسرا پوتا بن یوسف ہے . الغش . سفیان .

ثوری ان کے مشہور تلامیذ ہیں . ثوری تو ان کے

بارے میں مسند ہیں . مطرف بن طریف نے

سے ابواسحاق نے کچھ نہیں سنا۔

بردیجی نے مراسیل میں لکھا ہے کہ

ابواسحاق نے سلیمان بن مرد سے کچھ نہیں سنا۔

لقمان بن بشر سے اور جابر بن مہرہ سے کچھ نہیں

سنا۔ اور عطاء بن ابی رباح سے کچھ نہیں

شعبہ کہتے ہیں

ابواسحاق نے ابو دائل سے صرف دو حدیثیں سنی

ہیں۔

ابن حبان نے کہا۔

کان مدلسا۔ یہ تو مدلس تھے۔

حسین کراوی نے کہا

کان من المدلسین

ابن مدائنی نے علل میں لکھا ہے کہ شعبہ نے

ابواسحاق سے پوچھا کہ تم نے حارث سے خود سنا۔

تو کہا مجھے مجاہد نے حارث سے نقل کیا۔

شعبہ ہی کا بیان ہے کہ میں ہمیشہ ابواسحاق

سے پوچھ لیتا ہوں کہ وہ آدمی جس سے تم نقل کر رہے

ہو کیا وہ تم سے بڑا ہے۔ اگر جواب دے کہ

ہاں وہ مجھ سے بڑا ہے تو حدیث لیتا ہوں ورنہ

ترک کر دیتا ہوں۔

ابواسحاق جو زجانی کا بیان کہ کوفہ میں

اہل کوفہ کی ایک ایسی جماعت ہے۔ جن کے

مذہب کو بنظر استہسان نہیں دیکھا جاسکتا۔ یعنی

ان کے تشیع کی وجہ سے۔ یہ لوگ کوفہ کے

محدثین میں سربرآوردہ اصحاب ہیں۔ (ہم

رعدی محدثی الکوفہ) جیسے ابواسحاق

مفسور۔ الأعمش۔ زبیدی وغیرہ۔ اور ان کے

اقران۔ لوگ ان کو حدیث کی عظمت کی بناء

پر برداشت کر لیتے ہیں۔ لیکن جب یہ لوگ

مرسل احادیث بیان کرتے ہیں تو اہل علم ان کے

قبول کرنے میں توقف کرتے ہیں۔ کیونکہ ڈر ہوتا

ہے کہ ان احادیث کا ماخذ معلوم کیسا ہے۔ اور

یہ ابواسحاق تو ایسے لوگوں سے بھی روایت بیان

کرتے ہیں جنہیں کوئی جانتا ہی نہیں۔ ان غیر

معروف لوگوں کے علاوہ ابواسحاق کے ذریعے

ہی معلوم ہوئے ہیں۔ جب ابواسحاق نادر روایتیں

نامعلوم لوگوں سے بیان کریں توقف بہتر ہے۔

انہیں جو زجانی کا قول ہے۔

افسد حدیث اہل کوفہ الأعمش

و ابواسحاق یعنی للتدلیس۔

اہل کوفہ کی روایات کو بگاڑنے والے اعمش

و اسحاق ہیں۔ ان کی تدلیس ہی فساد کا سبب

ہے۔ (میزان الاعتدال)

یحییٰ بن معین کا بیان ہے کہ ابن عیینہ نے ابو

اسحاق سے اُس وقت سنا اور روایت کی جب

ان کا حافظ خراب ہو چکا تھا۔

(تہذیب التہذیب)

حافظ سیوطی نے تہذیب الراوی میں لکھا ہے

کہ شیخین نے ابواسحاق کی کوئی روایت ابن عیینہ

کے واسطے سے قبول نہیں کی۔

میزان الاعتدال میں ہے۔

انہ شاخ و سنی۔ وہ بوڑھے ہو گئے

تھے اور بھول گئے تھے۔

بغوی کا بیان ہے کہ بعض اہل علم نے فرمایا

کہ انہیں اختلاط پیدا ہو گیا تھا۔ یعنی مستون اور اسناد میں تبدیلیاں کرنے لگ گئے تھے۔ اس اختلاط کی وجہ سے ان کو معہ ابن عیینہ کے ترک کر دیا گیا تھا۔ (میزان الاعتدال)

وہب بن زعمہ کا بیان ہے کہ ابن المبارک فرمایا کرتے تھے ۲۰ منما اہلک حدیث اہل کوفتا ابو اسحاق واعمش لکم۔ یعنی اہل کوفہ کی احادیث کو تباہ کر دے گا ابو اسحاق اور تمہارے اعمش ہیں۔

(میزان الاعتدال)

منیرہ فرمایا کرتے تھے

اہلک اہل کوفتا ابو اسحاق داعمشکم هذا۔

یعنی کوفہ والوں کو تباہی تک پہنچانے والے ابو اسحاق اور تمہارا یہ اعمش ہے۔ (میزان الاعتدال۔ تہذیب التہذیب)

اس کے علاوہ یہ ابو اسحاق ابو عبیدہ سے حضرت عبداللہ بن مسعود کی حدیث اخذ کرنے میں تکلفِ بارد کا ثبوت دیتے ہیں۔ ان کی عمر اور ابو عبیدہ کی عمر میں بہت تھوڑا فرق ہے۔ یہ بھی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت میں پیدا ہوئے اور ابو عبیدہ بھی۔ ان دونوں کی عمر میں محض دو تین سال کا فرق ہے۔ نہ ابو عبیدہ نے حضرت عبداللہ سے کچھ سنا اور نہ ابو اسحاق نے۔ جب حضرت عبداللہ کی روایت مرسل ہی بیان کر دی ہے تو ابو عبیدہ کو بیچ میں لانے کی کیا ضرورت ہے۔ خود ہی حضرت عبداللہ سے مرسل بیان کر

دیتے۔ کہیں کہیں یہ حضرت ابن مسعود رضی سے بلا واسطہ بھی بیان کرتے ہیں۔ اور ابو عبیدہ کا واسطہ بیچ میں نہیں لاتے۔ مثلاً

قال عبد الرزاق حدثنا معمر عن ابی اسحاق عن ابن مسعود قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لو کنت امتخذنا احد اہلنا لا اتخذت ابابکر رضی خلیلا (مسند امام مسلم ص ۴۰۸)

اسی طرح حضرت عائشہ رضی کے بارے میں ان کا معاملہ ہے۔ ان کی خود حضرت عائشہ رضی سے اسی طرح معاصرت ہے جس طرح حضرت ابو عبیدہ کی حضرت عائشہ رضی سے معاصرت ہے۔ اور یہ ابو عبیدہ کے واسطہ کے بغیر بھی حضرت عائشہ رضی سے روایت کر سکتے ہیں، چونکہ ان کی پیدائش ۳۰ یا ۳۲ء ہے اس لئے حضرت عائشہ رضی کی وفات کے وقت ان کی عمر ۲۶ یا ۲۷ سال تھی۔ اس عمر میں ان کا سماع ہو سکتا ہے اور وہ اس روایت کو براہ راست حضرت عائشہ رضی سے نقل کر سکتے تھے۔ لیکن روایت میں اعتبار پیدا کرنے کے لئے شاید ابو عبیدہ کو سند میں شامل کیا گیا۔

الکمل والنخل ص ۲۹۱ جلد اول میں مذاہب شیعہ بیان کرتے ہوئے رجال شیعہ کی ایک فہرست دی گئی ہے۔ اس میں ابو اسحاق کے متعلق لکھا ہے کہ

ابو اسحاق السبیعی الکوفی کان من

متشیعی الکوفتا و محدثیہم۔

ابو اسحاق کوفی کے شیعوں میں سے تھے اور شیعہ محدثین میں ان کا شمار ہوتا ہے۔

ہمارے متناہین ہیں کہ شیعہ حضرات کذب بیانی سے کام لیتے ہیں۔ بلکہ منشاء یہ ہے کہ چونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں ان حضرات کے ذہن میں کچھ تلخ یادیں پیوست ہیں اس لئے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں ان کا بیان جرح کے قابل ہو جاتا ہے۔ اس تحت الشوری تلخی کی وجہ سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں احتیاط کا دامن ان کے ہاتھ سے چھوٹ جاتا ہے۔ رطب دیابس جو سنتے ہیں نقل کر دیتے ہیں۔

غرض اس سند کے اس راوی ابو اسحاق کوفی کی جلالت شان کے باوجود حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی عمر کی یہ روایت ناقابل اعتبار ہو جاتی ہے۔ ویسے آگے چل کر ہم ثابت کریں گے کہ ابو اسحاق اس روایت سے قطعاً بے خبر ہیں۔ نیچے کے ایک راوی نے اس سند کے ساتھ تزوج عائشہ رضی اللہ عنہا کا مضمون متعلق کر دیا ہے۔

۵۔ ابو عبیدہ بن عبد اللہ بن مسعود کوفی

یہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں۔ لیکن ان سے سنا کچھ نہیں۔

شعبہ نے بتلایا کہ عمرہ بن مرہ نے ایک دفعہ ابو عبیدہ سے دریافت کیا کہ تمہیں اپنے والد

عبداللہ سے کچھ یاد ہے۔ تو جواب دیا کہ نہیں۔ ترمذی نے کہا کہ ان کے نام کا پتہ نہیں۔ اور نہ انہوں نے اپنے والد سے کچھ سنا ہے۔ ابن ابی حاتم نے اپنی کتاب مراسیل میں لکھا ہے کہ میں نے اپنے والد سے پوچھا کہ ابو عبیدہ نے اپنے والد سے کچھ سنا۔ فرمایا کہ نہیں سنا۔ میں نے کہا کہ عبد الواحد بن زیاد ابو مالک اعجمی سے روایت بیان کرتا ہے اور ابو مالک عبداللہ بن ہند سے اور عبداللہ ابو عبیدہ سے بیان کرتا ہے کہ ابو عبیدہ نے کہا۔

خرجت مع ابی لصلوة الصبح یعنی میں صبح کی نماز کے لئے اپنے والد کے ساتھ نکلا۔ تو انہوں نے فرمایا۔

لا ادری۔ مجھے معلوم نہیں۔ اور مجھے یہ بھی پتہ نہیں ہے کہ عبداللہ بن ہند کون ہے۔ میں نے کہا ترمذی نے علل میں لکھا ہے کہ میں نے بخاری سے دریافت کیا کہ ابو عبیدہ کا کیا نام ہے اور یہ کیا ہیں؟ بخاری نے جواب دیا کہ ہو کثیر الغلط۔ ان کی غلطیاں کثیر الوقوع ہیں۔ میں نے کہا عثمان بن ابی حاتم کی روایت ہے کہ ان ابا عبیدہ سمع ابن مسعود ابو عبیدہ نے اپنے باپ ابن مسعود سے روایتیں سنیں تو میرے والد نے فرمایا

اللہ اللہ ابو عبیدہ

عبداللہ کی وفات (۳۷ھ) کے وقت صرف پانچ چھ سال کے تھے۔ (تہذیب التہذیب)

نتائج بحث

ابن عیینہ نے ان سے اس وقت سنا جب یہ
بھول چکے تھے۔ تو مطرف کی یہ روایت صرف
اسی سبب سے قابل رد ہے۔

خلاصہ یہ کہ نسائی شریف کی مذکورہ بالا روایت
پر مندرجہ بالا بحث سے مندرجہ ذیل امور واضح
ہوتے ہیں۔

۱۔ قتیبہ اس روایت کا پہلا راوی وضع حدیث
تک سے دریغ نہیں کرتا۔ اور محض ایک
راوی کی وجہ سے یہ روایت ناقابل اعتبار
ہے۔ گمان غالب یہی ہے کہ اس قتیبہ
نے ہی یہ روایت اس سند سے متعلق
کر کے پھیلائی ہے۔ کیونکہ ۱۴۳ ہجری
سے پہلے اس روایت کا وجود ہی نہیں تھا۔
اس سے پہلے کے رواۃ اس روایت سے
بری الذمہ ہیں۔ یہ روایت قتیبہ نے اپنے
اساتذہ میں سے سفیان ثوری، یا وکیع
یا جعفر بن سلیمان سے سنی ہوگی۔ اور
اپنی انفرادیت ظاہر کرنے کیلئے اسے اس
سند سے متعلق کر دیا۔

۲۔ عبثر اور مطرف نامعلوم الحال رواۃ ہیں۔
نہیں کہا جاسکتا کہ ان ہی کا یہ عمل ہو سکا۔

۳۔ مطرف بن طریف کے متعلق تصریح ہے
کہ انہوں نے ابواسحاق سے بالکل آخر میں
سنا۔ جب ان کا حافظہ خراب ہو چکا تھا
شیخین نے ابواسحاق کی کوئی روایت ابن
عیینہ کے ذریعے قبول نہیں کی۔ کیونکہ

۳۔ ابواسحاق سبعی سو سال کی عمر میں فوت
ہوئے ہیں۔ آخر میں قوی جواب دے
گئے تھے۔ نسیان کا غلبہ ہو گیا تھا۔ اور
اختلاط شروع ہو گیا تھا۔ مزید برآں یہ
تدلیس فرماتے تھے۔ عقیدہ شیعہ تھے۔ ان
کی روایت حضرت عائشہ رضہ کے بارے میں
مجردوح ہے۔ یہ حضرت عائشہ رضہ کے بارے
میں سچی بات بھی کہیں گے تو تنقیص کے پہلو
کو نہ بچا سکیں گے۔

۴۔ آخری راوی ابو عبیدہ بڑے باپ کے بیٹے
ہیں۔ اس لئے تبرکاً ابواسحاق بھی اُس سے
روایت کر سکتے ہیں۔ ارسال اور تدلیس تو
کوفنے والوں کی خاص صنعت ہے۔ ابو
عبیدہ کے متعلق امام بخاری رحمہ اللہ کا یہ فتوے
کہ کثیر الغلط ہیں اس روایت کو متردک
قرار دینے کے لئے کافی ہے۔

ہم ابتدا میں ثابت کر چکے ہیں کہ یہ
حضرت عبداللہ کی روایت نہیں ہے۔ مسند
عبداللہ بن مسعود اس روایت سے خالی ہے۔
ابو عبیدہ نے اسے مرسل بیان کیا ہے
اس لئے یہ ارسال حضرت عبداللہ کے علاوہ
کسی اور ہی سے ہو سکتا ہے۔

معلوم نہیں ہے کہ کیا عمر پائی . کب پیدا ہوئے .
وفات ۲۵۰ھ سے ۲۶۰ھ تک . ہوئی سے
صحیح سن معلوم نہیں ہے
(تہذیب التہذیب)

۳۔ متابع شاہد ابو عبیدہ بن عبد اللہ (ابن ماجہ)

۲۔ ابو احمد زبیری

سفیان ثوری . مالک بن انس اور اسرائیل
سے روایت بیان کرتے ہیں . اور ان سے
ابو بکر بن ابی شیبہ . احمد بن سنان . محمد بن
یونس کدیہی وغیرہ روایت کرتے ہیں .
ان کے متعلق امام احمد فرماتے ہیں کہ
کان کثیر الخطاء فی حدیث سفیان
سفیان سے روایت کرنے میں کثیر الخطاء
ہیں .

ابن دارمی فرماتے ہیں .

لیس بہ بأس . ان کی بات مان
لینے میں کوئی حرج نہیں .

نسائی نے کہا

لا بأس بہ . یہ قابل برداشت ہیں
عجلی کہتے ہیں

کوئی ثقہ یا تشیع . کوئی ہیں
ثقہ ہیں . لیکن شیعہ ہیں .

ابو حاتم فرماتے ہیں

لہ اذہام . یہ وہم میں مبتلا
ہیں .

(تہذیب التہذیب)

ابن ماجہ میں بھی یہ روایت اسی سند سے
مذکور ہے . مگر ابواسحاق سے نیچے بجائے
مطرف کے اسرائیل یعنی ابواسحاق کا پوتا
اسرائیل بیان کرتا ہے . سند یہ ہے .
حدثنا احمد بن سنان قال حدثنا
ابو احمد زبیری حدثنا اسرائیل
عن ابی اسحاق عن ابی عبیدہ
عن عبد اللہ قال تزوج النبی صلی
اللہ علیہ وسلم عائشہ رضی دہی
بنت سبیع سنین و بنی بہا دہی
بنت تسع و توفی عنہا دہی بنت
ثمان عشر .

۱۔ احمد بن سنان

یہ گیارھویں طبقہ کے روادہ میں سے ہیں .
ابو اسامہ زید بن ہارون اور امام شافعی رحمہ
کے شاگرد ہیں . اور نسائی وغیرہ کے شیخ
ہیں . صحاح میں ان سے بہت کم احادیث
مذکور ہیں . بخاری نے ان سے محض ایک
حدیث نقل کی ہے . رجال کی کتاب میں ان
کے حالات سے خاموش ہیں . حتیٰ کہ یہ بھی

۳ اسرائیل بن یونس بن

ابی اسحاق

اعمش اور ہشام بن عروہ کے شاگرد ہیں۔ ان سے ان کے بیٹے مہدی، ابوالاحد اور عبدلرزاق وغیرہ روایت کرتے ہیں۔

صالح بن احمد کہتے ہیں کہ اسرائیل کی جو روایتیں ابی اسحاق سے ہیں ان میں کمزوری ہے۔

اسرائیل نے ابو اسحاق سے بالکل آخر میں سنا جبکہ ان کے قوی جواب دے چکے تھے۔ یحیی القطان کہتے ہیں۔

روی عنہ مناکیس، یہ اسرائیل اپنے دادا سے مناکیس بیان کرتے ہیں۔

امام احمد فرماتے ہیں

ماحدث عنه ليس بشيء . جو کچھ ابواسحاق سے بیان کرتے ہیں بے کار ہیں۔

یعنی فرماتے ہیں

کان اسرائیل لا يحفظ ثم حفظ بعد . اسرائیل پہلے یاد نہیں کرتے تھے بعد میں یاد کرنا شروع کیا۔

يعقوب بن ابی شیبہ کہتے ہیں۔

ليس في الحديث بالقوى ولا بالساقط . یہ حدیث میں نہ قوی ہیں نہ بالساقط . بالکل چھوڑ دینے کے قابل۔

علی بن مدائنی فرماتے ہیں

اسرائیل ضعیف اسرائیل حدیث میں کمزور ہیں۔

عبدالرحمن بن مہدی کہتے ہیں

اسرائیل لص يسرق الحديث

یہ چور ہیں۔ حدیث کی چوری کرتے ہیں۔ یعنی

ایک حدیث دوسری سے چپکا دیتے ہیں۔

دوسروں کی روایات کو اپنی محبوب اسناد

میں لگا دیتے ہیں۔

(تہذیب التہذیب)

۴ ابواسحاق اور ابو عبیدہ

ان دونوں کے متعلق ہم پہلے لکھ چکے ہیں۔

نتائج بحث

احمد بن سنان، ابوالاحد، اسرائیل، ابواسحاق۔

یہ تمام رواۃ ایسے ہیں جن کی وجہ سے یہ

روایت قابل قبول نہیں ملے۔

علم خصوصیت سے جب یہ مصرح ہے کہ

اسرائیل نے اپنے دادا ابواسحاق سے بالکل آخر

میں سنا، صرف اس وجہ سے ہی یہ روایت

قابل رد ہے نیز عبدالرحمن کا بیان ہے

اسرائیل لص يسرق الحديث۔

موصول کرنے کے لئے کسی دوسری طرف رجوع کرنا پڑے گا۔

الغرض یہ روایت بھی اس باب میں ساقط الاعتبار ہے۔

اس کے علاوہ اس روایت میں بنیادی منفع دہی ہے۔ جس کو ہم پہلے ظاہر کر چکے ہیں لہذا اس روایت کو تو بغیر کسی بحث کے رد کر دینا چاہئے تھا۔

اصل بات یہ ہے کہ یہ روایت حضرت عبداللہ پر افتراء ہے۔ اور روایت بیان کرنے والوں کے قلب تدبر کو ظاہر کرتا ہے۔

۴۔ متابع شاہد اسود بن یزید (نسائی)

نسائی کی متابع شاہد روایات میں سے ایک روایت اسود بن یزید والی ہے۔ یہ روایت اسی سند کے ساتھ مسلم، نسائی اور مسند امام احمد بن حنبل میں مذکور ہے۔

حد ثنا ابو معاویہ عن الاعمش عن ابراہیم عن اسود عن عائشہ رضی اللہ عنہا یہ سند ابو معاویہ سے لے کر تک قابل غور ہے۔

محض نسخ سند میں بجائے ابو عبیدہ بن عبد اللہ کے ابو عبیدہ عن عبداللہ نقل ہو گیا ہے۔ جسکی تصحیح بعد میں کسی نے نہ کی۔ اور پھر یہ غلطی بھی تعدد طرق میں شامل ہو گئی۔

یہ روایت احمد بن سنان نے ابو اسامہ سے سنی ہوگی۔ لیکن اسے ابو احمد والی سند سے متعلق کر دیا گیا ہے۔ اور یہ ایک کھلی ہوئی تدلیس ہے۔ یہ کام تو احمد بن سنان کا محققا بعد میں کسی کاتب نے ابن ماجہ کو نقل کرتے ہوئے ”عن“ کو ”عن“ بنا دیا۔ اور یہ روایت ابو عبیدہ کی مرسلات سے نکل کر حضرت عبداللہ کی موصول روایات میں شامل ہو گئی۔ اور اس سلسلہ کی سب سے زیادہ مستند روایت خیال کی جانے لگی۔

۱۔ ابو معاویہ صریح

یہ حافظ حدیث تھے۔ نہایت ضبط کے مالک تھے۔ لیکن آخر عمر میں نابینا ہو گئے تھے

حقیقت میں ہشام بن عروہ ہی کی روایت اور حافظہ بھی خرابی آگئی تھی۔ عقیدہ مرجیہ کو احمد بن سنان نے ابو عبیدہ کی مرویات میں سے تھے۔ انہوں نے اعمش، حجاج بن رکھ دیا ہے۔ اگر اس باب میں صرف ایک ہی ارطاة اور ہشام بن عروہ سے روایت اخذ روایت ہو تو اس پر اعتماد نہیں ہو سکتا۔ اگر ہم کی ہیں۔ اور ان سے ابن جریج نے جو عمر میں من و عن اسے تسلیم ہی کر لیں۔ تو یہ مرسلات ان سے بڑے تھے اور یحییٰ بن قطان نے جو ابو عبیدہ میں سے ایک مرسل ہوگی ہمیں اسے ان کے ہم عمر تھے اور امام احمد بن حنبل اور

اسحاق وغیرہ نے روایت کی ہے ۔

ابن معین نے کہا

اعمش کے تلامیذ میں سے شعبہ اور سفیان کے بعد ابو معاویہ قابل اعتماد ہیں ۔

ابن سعد کہتے ہیں

کان یدلس دکان مرجئا

تدلس کرتے تھے ۔ ارجائی عقیدہ رکھتے تھے ۔

ابو زرعه کہتے ہیں

کان یری الارحاء قیل دکان یدعوا

الیہ ۔

ان کا مسلک ارجاء تھا اور وہ اس مسلک کے

داعیوں اور مبلغوں میں سے تھے ۔

امام احمد فرماتے ہیں کہ

ابو معاویہ ہشام بن عروہ سے جو روایات بیان

کرتے ہیں ان میں اضطراب ہے ۔ وہ مرسل

احادیث کو مرفوع بنا دیتے ہیں

عبداللہ بن احمد کہتے ہیں

میں نے اپنے باپ امام احمد سے سنا کہ غیر

اعمش میں ان کی روایت مضطرب ہے ۔

لا یحفظہا حفظاً جیداً ۔ وہ ان

احادیث کو اچھی طرح یاد نہیں رکھتے ۔ وہ

عبداللہ بن عمر سے مناکیر بیان کرتے ہیں ۔

یعقوب بن ابی شیبہ نے فرمایا

ثقات میں سے تھے لیکن تدلس کرتے تھے ۔

ابوداؤد کہتے ہیں

کان رئیس المرجیۃ فی الکوفۃ

یہ کوفہ کے سب سے بڑے ارجائی تھے ۔

ابن حبان نے فرمایا

کان ثقۃ ولكن کان مرجئاً خبیثاً

یہ بھروسے کا تھا ۔ لیکن خبیث حد تک

مرجی تھا (تہذیب التہذیب ۔ ذکر محمد بن

خازم ابو معاویہ الفریدی)

میزان الاعتدال ۳۵۸۳ میں ہے ۔ وقد

اشتہر عنہ غلو التشیع ۔

تشیع میں غلو کی حد تک مشہور ہیں ۔ وکیع

اسی لئے ان کے جنازے میں شریک نہیں ہوئے

۴۔ سلیمان بن مہران الاعمش کوفی

یہ حضرت انس رضی سے روایت کرتے ہیں ۔

لیکن ان سے سماع ثابت نہیں ۔

عبداللہ بن ابی اوفیٰ سے روایت بیان کرتے

ہیں لیکن کہا جاتا ہے کہ یہ سب مراسلات

ہیں ۔

ابراہیم نخعی سے روایت لیتے ہیں ابو اسحاق

وغیرہ سے روایت بیان کرتے ہیں ۔ ابو اسحاق

نے شیخ ہدوتے ہوئے ان سے روایت بیان کی

ہے ۔ سلیمان تیمیٰ ان سے روایت بیان کرتے

ہیں ۔ جو ان کے ہم عمر ہیں ۔ سفیان بن مبارک

وغیرہ ان کے تلمیذ ہیں ۔ وکیع کی بیشتر

روایات اعمش ہی سے ہیں ۔

اعمش فرماتے ہیں ۔

رأیت الساد ما یمنعنی من ان اسمع

منہ الا استغناء .

میں نے انس کو دیکھا . ان سے روایت میں میرے استغناء کے سوا کوئی چیز آڑے نہیں آئی . یہ بہت بڑے قاری بھی ہیں . عجلی فرماتے ہیں .

اہل کوفہ کے محدث ہیں . لیکن شیعہ ہیں . اعمش جن اساتذہ سے حدیث اخذ کرتے ہیں . اس کے متعلق آئمہ نقد کی آراء یہ ہیں .

امام احمد فرماتے ہیں

اعمش نے شمر بن عطیہ سے کچھ نہیں سنا . ابو صالح مومانی سے کچھ نہیں سنا . یہ کلبی سے تدلیس کرتے ہیں .

ابو حاتم فرماتے ہیں

عکرمہ سے کچھ نہیں سنا . مطرف سے ملے ہی نہیں . عبدالرحمن ابن مزید سے کچھ نہیں سنا . حالانکہ ان سے روایات بیان کرتے ہیں

ابو بکر بزار بیان کرتے ہیں کہ

ابو سفیان سے کچھ نہیں سنا . حالانکہ ابو سفیان سے سنو کے قریب احادیث بیان کی ہیں .

ابن جہان نے کہا کہ

حضرت انس سے اعمش نے پچاس کے قریب احادیث بیان کی ہیں لیکن براہ راست صرف چند حرف ہی سنے ہیں . اعمش نے حضرت انس کو ملے اور واسطہ میں دیکھا ہے وہیں کچھ سنا ہوگا .

کدیبی سے اعمش نے خود کہا میں نے حضرت انس سے صرف ایک حدیث سنی ہے . وہ ہے طلب العلم فریضتنا علی کل مسلم

دمسلمتہ .

حالانکہ ان کی حضرت انس رض سے کافی روایات منقول ہیں .

عطار دی نے اعمش سے یہ قول نقل کیا ہے . کہ ” میں نے حضرت انس رض کو دیکھا ہے . پہلے انہوں نے پیشاب کیا پھر خوب طہارت کی پھر مسح علی الخفین کیا . پھر ہمیں نماز پڑھائی . اور اپنے گھر میں روایات سنائیں .

انہ بال فضل ذکدہ غسلا شديدا ثم توضأ ومسح علی الخفین . ثم صلی بنا فحدث فی دارہ .

عبداللہ بن امام احمد نے فرمایا

ابن صالح سے اعمش کی احادیث منقطع ہیں .

یعقوب بن ابی شیبہ نے اپنی مسند میں لکھا کہ اعمش کی مجاہد سے دس کے قریب حدیثیں صحیح ہیں . اور باقی احادیث جو وہ مجاہد سے بیان کرتے ہیں وہ اصل ہیں البدیعی القات سے لی ہیں .

ابن معین نے کہا اعمش کی محض ایک حدیث ابو اسفر سے صحیح ہے . یعنی صرف ایک حدیث سنی . اعمش نے ابو عمر شیبانی سے کچھ نہیں سنا خلیل نے کہا

اعمش نے حضرت انس کو دیکھا تو ہے . لیکن سماع سے فیض یاب نہیں ہوئے . وہ جو کچھ حضرت انس سے نقل کرتے ہیں سب ارسال ہے .

ابن المناری کا یہ قول کہ اعمش نے ابو بکرہ ثقفی

کے گھوڑے کی رکاب پکڑی۔ بالکل غلط ہے
ابوبکرؓ میں فوت ہو گئے۔ اعمش
۱۳۱ میں پیدا ہوئے۔ توجہ شخص ان کی
پیدائش سے دس سال پہلے فوت ہو چکا ہو۔ اس
کے گھوڑے کی رکاب کیسے پکڑ سکتے ہیں۔

اعمش کے بارے میں بہترین سند یہ خیال
کی جاتی ہے۔

الاعمش عن ابراہیم عن عاتقہ
عن عبد اللہ۔

یہ تمام اقوال تہذیب التہذیب جلد چہارم
ص ۲۲۳ سے لئے گئے ہیں۔

اعمش کا تشیع اس درجہ مشہور تھا کہ بڑے
سے بڑے معتقد کو بھی اقرار کرتے ہی بنا ^{۱۳۳} تدریب الدلائل

میزان الاعتدال بیان سفیان بن عیینہ
میں مذکور ہے۔ میں نے مشہور محدث ابن مبارک
کو کہتے سنا ہے کہ حدیث کو بگاڑنے والے
ابو اسحاق اور اعمش ہیں۔

یحییٰ بن سعید فرماتے ہیں۔
مرسلات ابی اسحاق والاعمش
والسیمی دیحییٰ ابن کثیر مشہد لاشیء
یعنی مرسلات ابی اسحاق اعمش وغیرہ
بالکل بے کار ہیں رتدریب السداد ص ۱۳۳

سیر اعلام النبلاء جلد دوم ص ۲۸۲۔ ذکر
ابی موسیٰ اشعری میں حافظ ذہبی نے لکھا ہے۔

لا اعمش عن شقیق قال کنا مع
حذیفۃ جادسا فدخل عبد اللہ ذابو
موسیٰ مسجدا فقال احدهما منانق

ثم قال ان اشبه الناس هـ دیا د
دکلاً دسمتا برسول اللہ عبد اللہ۔

اس کے بعد حافظ ذہبی فرماتے ہیں۔ اس
قول کی وجہ سمجھ میں نہیں آتی۔ یہ عبد اللہ نے اعمش
سے خود سنا ہے۔ پھر شقیق نے اعمش سے کہا
کہ ہم نے جب یہ بات صحابہ رض کو سنائی تو وہ
ابو موسیٰ سے بگڑ گئے۔ یہ حضرت حذیفہ صحابی
ہیں جن کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے چند
منافقین کے نام کسی مقصد کے لئے بتلا دیئے
تھے۔ صحابہ رض ان سے دریافت کیا کرتے تھے
کہ ہمارا نام تو منافقین میں نہیں ہے۔ ذہبی
فرماتے ہیں۔

دعی الاعمش بیسیس تشیع۔
یعنی اعمش کو ہلکا سا شیعہ کہا گیا ہے۔ اس
کے بعد فرماتے ہیں

لا ریب ان غلاة الشيعة يفضون
ابا موسى لكدفتما ما قاتل مع علي
ثم لما حكم علي نفسه عزلا
وعزل معاوية۔

اس میں شک نہیں کہ غالی شیعہ حضرت
ابو موسیٰ سے بغض رکھتے ہیں کہ انہوں نے حضرت
علی سے مل کر معاویہ سے جنگ میں حصہ نہیں
لیا اور پھر جب حضرت علی نے ان کو حکم بنایا
تو ابو موسیٰ نے حضرت علی اور حضرت معاویہ دونوں
کو معزول کر دیا۔ یہ بغض ان لوگوں کے بارے
میں کتنا ہو گا جو حضرت علی کے مقابلہ میں تلوار
لے کر کھڑے ہوئے۔

المجلد والنحل جلد اول ص ۲۹۱ میں اعمش کو رجال شیعہ میں شمار کیا ہے۔

منتہی المقال فی اسماء الرجال . رجال شیعہ کی معتبر کتاب ہے۔ اس کے صفحہ ۱۵۷ پر سلیمان بن مہران الاعمش کے بیان میں لکھا ہے۔

لہ مذہب و رای خاص فی الفقه لکن بعد وضوح تشیعہ لا یضر۔ واثروا علیہ مع اعترافہم بتشیعہ۔ و ترکوا ذکرہ لحلہ بالمدح۔ وقد ذکرہ الشیخ فی کتاب الرجال درایت ذکرہ فی قاف الاعمش دھو سلیمان بن مہران الاعمش دھو معروف بالفضل والثقة والجلالة والتشیع والاستقامۃ لہ۔ اقول بالحديث المردی المشہور المردی عنہ فی کتب الخاصۃ و العامۃ انه سئلہ المنصور العباسی کمر تحفظ من الحدیث فی فضائل علی۔ قال لہ عشرة الاف۔

اس کا ایک ملک اور فقہ میں ایک خاص نقطہ نظر ہے۔ لیکن یہ معلوم ہو جانے کے بعد کہ وہ حقیقت میں شیعہ تھا۔ اس کا کوئی قول و فعل ہمیں مضر نہیں۔ ہمارے اکابر نے اس کی تعریف کی ہے اور اس کے تشیع کا بھی اعتراف کیا ہے۔ اور شیخ نے اپنی کتاب رجال میں اس کا ذکر کیا ہے۔ میں نے اس کا ذکر

” قاف “ میں دیکھا الاعمش دھو سلیمان بن مہران الاعمش ہے۔ وہ معروف ہے۔ عقل میں ثقاہت میں جلالہ شان میں تشیع میں اور استقلال میں۔ میں کہتا ہوں اور تصدیق کرتا ہوں اس روایت مشہورہ کی جو اعمش سے خواص اور عوام کی کتاب میں مذکور ہے۔ کہ منصور عباسی نے اعمش سے پوچھا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے فضائل میں تمہیں کتنی روایات یاد ہیں۔ اس نے جواب دیا دس ہزار یاد ہیں۔ وہ اسی خیال میں رہے یہاں تک کہ انتقال کر گئے۔ اس کی بزرگی اور عادات کی پختگی ایسی چمکتی ہے جیسے طور کی چوٹی پر روشنی۔

پھر اسی کتاب میں ایک واقعہ نقل کیا ہے کہ مرض وفات میں اعمش کے پاس ابن شبر، ابن ابی لیلیٰ اور امام ابو حنیفہ عیادت کے لئے تشریف لے گئے۔ پہلے طبیعت کا حال دریافت کیا۔ اعمش نے اپنے ضعف اور نقاہت کا ذکر کیا۔ امام ابو حنیفہ نے ازراہ ہمدردی کہا اب دنیا کی زندگی کا تمہارا سہری دن ہے۔ اور آخرت کی زندگی کا پہلا دن۔ اب تم ان بے سرو پا حدیثوں سے رجوع کر لو جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی تعریف میں بیان کرتے رہے ہو۔ اعمش نے پوچھا کہ نسبی۔ امام ابو حنیفہ نے فرمایا مثلاً لبابہ بن ربیع کی یہ حدیث انا قسیم الناس اعمش نے بگڑ کر امام اعظم سے کہا اے یہودی مجھ سے یہ بات کہتا ہے۔ پھر فوراً ہی امام ابو حنیفہ اور ان کے ساتھیوں کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی تعریف

میں کئی حدیثیں سنائیں۔ امام صاحب مع اپنے
ساتھیوں کے اٹھ اٹھے اور فرمایا ہم نے اپنا فرض
پورا کر دیا۔

اس کے بعد لکھا ہے

فناسی حتی فارق الدنيا وهو
جلالته وثالثته في الظهور كالسور
على شاطئ الطور۔

مسند امام اعظم مطبوعہ حیدرآباد
۲۸۴ میں مذکور ہے۔

قال ابو حنيفة انه دخل على سليمان
بن مهران الاعمش مع ابن ابي ليلى وابن
شبرمة في مرضه الذي مات فيه۔
فقال له ابو حنيفة يا ابا محمد انك
في اول يوم من ايام الاخرة والخر يوم
من ايام الدنيا فقد كنت تحدث عن
علي بن ابي طالب احاديث ان سكنت
عنها كان خيرا۔ فقال الاعمش اكشلي
يقال هذا۔ اسندوني۔ اسندوني۔ حدثني

ابو المتوكل الناجي عن ابي سعيد
الخدري قال قال رسول الله صلى الله عليه
وسلم اذا كان يوم القيمة يقول الله
تبارك وتعالى لي ولعلي ادخلا الجنة
من احبكما وادخلا النار من ابغضكما۔
وذلك قوله تعالى۔ الفيا في جهنم
كل كفار عنيد الآية۔ فقال
ابو حنيفة قوموا لا يجرى باعظم من
هذا۔

ابو حنیفہ نے کہا کہ وہ ابن لیلیٰ اور ابن شبرمہ
کے ساتھ سلیمان بن مہران الاعمش کے پاس
اس کے مرض و وفات میں عیادت کیلئے
گئے۔ امام ابو حنیفہ نے اس سے کہا اے
ابو محمد اب تو آخرت کے ایام میں سے
پہلے دن میں ہو اور دنیا کے ایام میں سے
آخری دن میں ہو۔ یعنی اب تمہارے آخری
سانس ہیں۔ تم حضرت علی رضی اللہ عنہ سے وہ
روایات بیان کرتے رہے ہو کہ اگر تم ان روایات
کے بارے میں خاموش رہتے تو اچھا تھا۔
الاعمش نے کہا مجھ جیسے آدمی سے یہ بات
کہی جا رہی ہے۔ یعنی مجھے نصیحت کی جا رہی
ہے۔ فوراً مجھے سہارا دے کر بٹھاؤ کہہ مجھ
سے ابو متوکل ناجی نے ابو سعید خدری سے حدیث
بیان کی اس نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا
جب قیامت کا دن ہوگا تو اللہ تعالیٰ مجھے
اور علی سے کہے گا تم دونوں ان لوگوں کو جنت
میں داخل کر دو جو تمہارے چہیتے ہیں اور دوزخ
میں ان لوگوں کو جھونک دو جنہوں نے تم سے
مخاصمت رکھی۔ اور یہ اللہ تعالیٰ کا قول ہے
تم دونوں پھینک دو جہنم میں ہر کافر سرکش کو
یہ سن کر امام ابو حنیفہ نے کہا اٹھو۔ اس
سے بڑھ کر یہ اور کیا لا سکتا ہے۔

ابراہیم نخعی

ابراہیم رضی اللہ عنہ اور معتبر راوی میں بھٹوڑی
عمر بان ہے زیادہ اور عابد آدمی تھے۔ حکام سے
گریز کرتے تھے۔

کوئی روایت بیان نہیں کی۔ ان کا یہ بائیکاٹ
بتلاتا ہے کہ ان کے دل میں حضرت عثمان رضی
کی طرف سے کچھ تھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ انتخاب
عثمان رضی کے وقت سے کچھ تکدر پیدا ہوا ہوگا
اور ابن مسعود رضی کے واقعہ قرآن سے اس
قدر خفا ہوئے کہ حضرت عثمان رضی سے کچھ بیان
کرنا مناسب نہ سمجھا۔

اس روایت کے بارے میں یہ بالکل بے خبر
ہیں۔ یہ تو ابو معاویہ نے یہ روایت تدلیساً
اپنی محبوب سند کے ساتھ متعلق کر دی ہے
آگے چل کر ہم اس کی تحقیق کریں گے۔

نتائج بحث

اگر اس روایت کو دوسری روایات سے
الگ کر کے دیکھا جائے تو محض اس سند پر
بھروسہ نہیں کیا جاسکتا۔ خصوصیت سے حضرت
عائشہ رضی کے بارے میں شیعہ حضرات کی روایت
فطرۃً مجروح ہوتی ہے۔

اور اس سند میں ائمہ ہیں جو مدلس
مرسل اور غالی شیعہ ہیں۔ ابو معاویہ خود مدلس
ہیں۔ میرے نزدیک انہوں نے اس روایت
کو اس سند سے متعلق کیا۔

یہ نکتہ قابل لحاظ ہے کہ ۲۰۰ سود سے لیکر
ابو معاویہ تک اس کا کوئی متابع نہیں ہے۔
البتہ ابو معاویہ ہشام سے بھی اس روایت کے

صوام و قوام تابعی ہیں۔ طبقہ ثانیہ میں سے
ہیں۔ صاحب تذکرہ نے لکھا ہے کہ

۸۰ حج کئے۔ پچھتر ۵۰۰ میں دنات ہوئی۔ گویا
ہجرت سے پانچ سال پہلے حج کرنے شروع کر دیے
تھے۔ بعض نے کہا کہ چالیس حج کئے۔ یہ قرین قیاس
ہے۔ نہایت عابد تھے۔

سیوطی نے تدریب الراوی میں لکھا ہے۔

کہ فقہاء میں سے نہیں تھے۔

ابن سعد نے کہا

لم یورد عن عثمان شیئاً

(طبقات ابن سعد)

ان کے متعلق ہمیں یہ بات کھٹکتی ہے

کہ تمام خلفاء راشدین سے انہوں نے روایتیں
بیان کی ہیں۔ مگر حضرت عثمان سے کوئی روایت
نہیں لی۔ یہ بزرگ ہر سال حج کو جاتے تھے۔

وہیں ان کی ملاقات ان صحابہ سے ہو جاتی تھی
جو مدینہ کے رہنے والے تھے۔ اور حج کے لئے
آتے تھے۔ یہ کئے ہی میں اکابر صحابہ سے مسائل

دریافت کرتے تھے۔ بارہ سال زمانہ خلافت
عثمان رضی میں حج کو جاتے رہے مگر ان سے

۱۔ عبد بن حمید بن نصر

یہ گیارھویں طبقہ کے راوی ہیں۔ کوفہ کے رہنے والے ہیں۔ پیدائش تقریباً ۱۸۵ھ وفات ۲۴۶ھ ہے۔ مسند کبیر کے مصنف ہیں۔ دوسری صدی کے اختتام پر نوجوانی میں حصول علم میں مشغول ہو گئے۔ یزید بن ہارون محمد بن بشر عبدی، علی بن عاصم، ابو اسامہ اور عبد الرزاق سے اور ان کے طبقے سے روایات لیں۔ عبد الرزاق سے اس روایت کے محض یہ ایک راوی ہیں۔ ان کے سوا اور کوئی عبد الرزاق سے اس روایت کو بیان نہیں کرتا۔ حالانکہ عبد الرزاق کے دوسرے معتبر روادے مثلاً امام احمد وغیرہ ہیں جو اس روایت سے خاموش ہیں۔

امام احمد نے فرمایا

جن لوگوں نے سنہ ۲۴۶ھ سے پہلے سنا وہ درست ہے کیونکہ اس کی نظر درست تھی۔ سنہ ۲۴۶ھ کے بعد عبد الرزاق سے سنا۔ وہ درست نہیں ہے۔ اور جن لوگوں نے سنہ ۲۴۶ھ سے پہلے ترجمہ یہ اس نے کہا بنی سلی اللہ علیہ وسلم نے عائشہ رضی سے نکاح کیا اور وہ چھ سال کی تھی اسے آپ کی خدمت میں پیش کیا گیا تو وہ نو سال کی تھی اور اس کے کھلونے اس کے ساتھ تھے اور جب آپ کی وفات ہوئی تو وہ اٹھارہ سال کی تھی۔ عبد الرزاق سے معمر سے ہشام بن عروہ سے عروہ سے ایسی ہی روایت منقول ہے۔

راوی ہیں۔ لیکن معلوم ہوتا ہے کہ ان سے اس روایت کے انتساب میں غلطی ہو گئی۔ بجائے ہشام سے نقل کرنے کے اعمش سے نقل کر گئے آخری عمر میں اختلال حفظ کے باعث ایسا ہوا ہو یا تدلیساً خود ایسا کیا ہو تاکہ تعدد طرق پیدا ہو جائے

علاوہ ازیں ابو معاویہ ثابت بن سنان کے بعد جو زبانی بیان کرتے تھے اس میں بیشتر غلطیاں ہوتی تھیں۔ ممکن ہے اس زمانہ میں ان سے یہ غلطی ہوئی ہو۔ اور میزان الاعتدال کے بیان کے مطابق ان میں غلو فی التشیع بھی تھا۔ ممکن ہے اس کے زیر اثر ایسا ہوا ہو۔ واللہ اعلم بالصواب۔

۵ متابع زہری عن عائشہ رضی

(مسلم)

اب متابع روایات میں سے ایک روایت زہری عن عروہ بذریعہ عبد الرزاق ہے۔ جو مسلم میں ہے جس کی سند یہ ہے۔

حدثنا عبد بن حمید حدثنا عبد الرزاق حدثنا معمر عن الزہری عن عروہ عن عائشہ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم تزوجھا دہی بنت سبع سنین وزفت الیہ دہی بنت تسع سنین ولعبھا معھا دما مات عنھا دہی بنت ثمان عشر۔

حدثنا عبد بن حمید حدثنا عبد الرزاق حدثنا معمر عن الزہری عن عروہ عن عائشہ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم تزوجھا دہی بنت سبع سنین وزفت الیہ دہی بنت تسع سنین ولعبھا معھا دما مات عنھا دہی بنت ثمان عشر۔

استنبول . ترکی . علم

سنا وہ درست ہے کیونکہ ان کی نظر درست تھی . اس روایت میں علاوہ اس خرابی کے کہ یہ معمر کی روایت ہی نہیں ہے عبدالرزاق کا اس میں اوراج بھی شامل ہے .

علم اب مصنف عبدالرزاق طبع ہو کر آگئی ہے . اس میں یہ روایت اسی طرح منقول مگر ہم نے جب یہ لکھا تھا اس وقت تک یہ کتاب نہیں چھپی تھی . اور ہم نے استنبول کے کتب خانہ سے بڑی محنت سے یہ حوالہ حاصل کیا تھا .

یہ خرابی بھی ہے کہ عبد بن حمید نے عبدالرزاق سے اگر موصولاً سنا ہے تو ان کے اندھا ہونے کے بعد سنا ہے لہذا کسی طرح سے بھی قابل قبول نہیں ہے . علم

اس روایت کا ذکر معمر بن راشد کی کتاب الجامع میں نہیں ہے . حالانکہ یہ روایت معمر سے ہے . اور بہت اہم روایت ہے . عبد الرزاق نے اسے اپنے مصنف میں ذکر کیا .

علم حالانکہ عبدالرزاق کے معتمد تلمیذ امام احمد ہیں . ویسے بھی امام احمد کا بیان ہے کہ جو روایت میری مسند میں نہ آئے وہ مجروح ہے

اول تو یہ روایت زہری کے بانی تلامیذ سے بھی ہونی چاہیے تھی . اور اگر معمر سے تھی تو ان کی جامع میں ہونی چاہیے تھی . پھر عبدالرزاق کے معتمد رواۃ سے منقول ہونی چاہیے تھی مثلاً امام احمد وغیرہ . لیکن واقعہ یہ ہے کہ عبدالرزاق سے صرف عبد بن حمید اس کا ذکر کرتے ہیں . جن کی پیدائش ہی ۱۵۵ھ کے قریب ہے . انہوں نے عبدالرزاق سے مائتین کے بعد موصولاً سنا ہوگا . جبکہ وہ نابینا ہو چکے تھے . اور اس بنا پر ان کی روایت کا اعتبار نہیں رہا .

امام احمد نے مسند میں اس روایت کو بیان نہیں کیا خود مصنف عبدالرزاق میں احس کا ذکر ہے . لیکن وہاں یہ مرسل عروہ ہے موصول نہیں ہے . سند یہ ہے . باب نکاح الصغیر .

یا خود ان عبد بن حمید نے اسے مرسل سے موصول بنا دیا . اس کے علاوہ اس روایت میں اہدیت الیہ کا لفظ بھی قابل غور ہے یعنی کانتھا کانتا جارية اہدیت الیہ

عن عبد الرزاق عن معمر عن الزهري عن عروة قال نكح النبي صلى الله عليه وسلم عائشة وهي بنت ست واهدیت الیہ وہی بنت تسع ولعبها معها ومات عنها دہی بنت ثمان عشر . عبد الرزاق عن معمر عن هشام بن عروة عن أبيه مثله (مصنف ۳۱۱ ۱۳۲ غیر مطبوعہ . کتب خانہ مراد ملا نمبر ۶۰۲ تا ۶۰۶)

اس سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی توہین اور
استخفاف مقصود ہے۔ اس قسم کی تعبیر بہت
کھٹکتی ہے پھر لجبہا معہا کا اضافہ اس لئے
ہے کہ بالکل ہی سچی تھیں۔ یہ روایت معمر اور
ذہری اور عروہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر افتراء ہے
پھر اس باب میں ہشام کی اصل روایت
کی سند ذکر کر کے مسئلہ پر ختم کر دیا۔ اور وہ بھی
مرسل تاکہ یہ تاثر پیدا ہو کہ ہشام کی روایت
میں بھی لجبہا معہا ہے۔ اور اس میں بھی
اھدیت الیہ ہے۔ حالانکہ ہشام کی روایت
میں ان کے کسی تلمیذ نے ان سے ان الفاظ
کا ذکر نہیں کیا ہے۔ یہ معمر اور ہشام پر صریح
بہتان ہے۔

غرض عبد بن حمید کی یہ روایت بے سرو پا
ہے۔ اور مسلم کا اسی موضوع مدلس روایت کو عبد
بن حمید سے موصول قبول کرنا اور اپنی صحیح میں
درج کرنا اس سے بھی زیادہ قابل اعتراض ہے
جبکہ صحاح کے مصنفین نے اسے قبول نہیں کیا
بلکہ پورا ذخیرہ حدیث اس روایت سے خالی
ہے۔ مصنف عبدالرزاق اس وقت موجود
تھی۔ مسلم اُسی میں دیکھ لیتے۔ امام احمد
اور امام بخاری زندہ تھے۔ ان سے پوچھ لیتے۔
مگر اس روایت کو نئی سند سے معلوم کرنے کے
شوق میں اور اپنی صحیح میں ایک منفرد روایت
درج کرنے کی دھن میں ادنیٰ سا بھی احتیاط کا
پہلو اختیار نہیں کیا۔

امام مسلم ہوں یا عبدالرزاق ہوں یا

ذہری جہاں ان کی روایات توہین صحابہ رضی اللہ عنہم کی
متضمن ہوں یا استخفافِ عظمت رسول تک
منجر ہوتی ہوں وہاں ہم ان کو ہرگز معاف نہیں
کریں گے۔ عظمت رسول اور عظمت صحابہ رضی
اللہ عنہم ان روایات سے زیادہ عزیز ہیں۔

مصنف کی اصل روایت میں ہے۔
عن عروۃ قال نكح النبی صلی اللہ
علیہ وسلم عائشۃ الخ
مسلم میں عبد بن حمید سے ہے۔

عن عروۃ عن عائشۃ رضی اللہ عنہا ان النبی
تزوجھا

مصنف کی اصل روایت میں ہے
دھی بنت ست

مسلم میں ہے

دھی بنت سبع سنین

اصل روایت میں ہے۔

اھدیت الیہ

مسلم میں ہے

ذفت الیہ

اصل میں ہے

دھی بنت تسع

مسلم میں ہے

بنت تسع سنین

مسلم کے شیخ نے مرسل سے مرفوع بنایا

ست کو سبع بنایا

سنین کا لفظ بڑھایا

اھدیت کو ذفت بنایا

قبیصہ اور ان کا طبقہ سفیان سے روایت کرنے میں برابر برابر ہی ہیں لیکن یہ لوگ یحییٰ بن سعید بن مہدی، وکیع، ابن المبارک سے مرتبے میں کم ہیں۔

الوزرعمہ فرماتے ہیں کہ

عبدالرزاق احمد من ثبوت حدیثہ
عبدالرزاق ان میں سے ایک ہیں جن کی حدیث ثابت ہے۔

ابن السدسی عبدالوہاب بن ہمام کا بیان ہے کہ میں معمر کے پاس رہتا تھا۔ اس وقت ہمارے ماں چار آدمی معمر سے اخذ علم کے لئے آیا کرتے تھے۔ ہشام بن یوسف، عبدالرزاق بن ہمام، رباح بن زید، محمد بن ثور۔ رباح تو عبادت کے لئے موزوں تھا۔ اس میں لگ گیا۔ ہشام کا رجحان حکام کی طرف تھا۔ اُدھر چلا گیا۔ ابن ثور کثیر النسیان تھا۔ ماں عبدالرزاق کے متعلق خیال تھا کہ یہ عالم ہوگا۔ اور مرجع خلائی بنے گا۔ اور ایسا ہی ہوا۔

امام احمد فرماتے ہیں

حدیث عبدالرزاق احب الی
من حدیث ہولاء البصریین۔ کان
یتعاهد کتبہ وینظر فیہا
بالیمین۔ دکان یحدثہم حفظا
بالبصرة یعنی معمر

عبدالرزاق کی حدیث مجھے زیادہ پسند ہے بہ نسبت ان تمام بصری محدثوں کی روایت کے۔ اس لئے کہ عبدالرزاق اپنی کتابوں کی حفاظت کرتا تھا۔

صرف تین جملوں کی روایت میں استاد اور شاگرد میں اتنا اختلاف پیدا ہو گیا۔ حالانکہ یہ حدیث کا دورِ کتابت ہے۔ یہ لوگ اس قدر غیر محتاط اور نڈر ہیں کہ مرسل کو مرفوع بنادیا۔ مست کو سبع بنادیا اہدیت کو زفت بنادیا اور یہ مسلم کے معتد شیوخ کا حال ہے۔ پھر یہ کہا جاتا ہے کہ رجال شیخین کو ماموں تسلیم کرو۔ یہ کوفے کے محدثین جو اخیر دور ماموں الرشید میں تھے اور جو ماموں کے دور میں ہوئے ہمارے نزدیک اکثر غیر محتاط ہیں۔ ان کی کوئی بھی روایت ہو اسے نہایت احتیاط کے ساتھ قبول کرنا چاہیے۔

۲۔ عبدالرزاق بن ہمام صنعانی

یہ روایت کرتے ہیں اپنے باپ ہمام سے اپنے چچا وہب سے۔ معمر بن راشد سے۔ امام مالک سے۔ ہر دو سفیان سے۔ جعفر بن سلیمان اور اسرائیل سے اور ابن جریر سے۔

پھر آگے ان سے روایت کرنے والے سفیان بن عیینہ اور معمر بن سلیمان ہیں۔ یہ دونوں ان کے شیخ بھی ہیں۔ ان کے ساتھی وکیع اور ابواسامہ بھی ان سے روایت کرتے ہیں۔ امام احمد اور اسحاق اور یحییٰ وغیرہ بھی ان کے راوی ہیں۔ عبد بن حمید۔ محمد بن رافع۔ محمد بن غیلان بھی ان سے روایت کرتے ہیں۔ یحییٰ بن موسیٰ۔ ابو عاصم،

اور ان میں غور و فکر کرتا رہتا تھا۔ یمن میں ۱۰۰ اور
 یہ زبانی حدیث بیان کرتا تھا بصرہ میں یعنی معمر۔
 عبدالرزاق ۱۲۶ھ ہجری میں پیدا ہوئے
 بیس سال کی عمر میں علم حاصل کرنا شروع کیا۔
 یعنی ۱۴۶ھ میں ان کا اپنا بیان ہے کہ میں سا
 سال معمر بن راشد کے پاس بیٹھا۔ یعنی ۱۵۲ھ
 تک۔ اور ۱۵۳ھ ہی میں معمر کی وفات ہو
 گئی۔ معمر کی وفات کے بعد یہ تجارت کے
 سلسلہ میں شام گئے۔ حج کیا۔ ابن جریر
 وغیرہ سے روایات لیں۔ پھر اوزاعی کی
 خدمت میں بیروت پہنچے اور ان سے سنا
 اور وہاں کے اہل علم سے مذاکرے رہے۔
 پھر وطن واپس آ گئے۔ ان سے آئمہ فن نے
 حدیث سنی ہے۔ ان کے ہاں صنعاء میں حاضر
 ہوئے ہیں۔ اسی لئے زید بن المبارک صنعانی
 کا بیان ہے کہ جو ان کے ہاں سے واپس آیا
 یہی خیال لے کر آیا کہ عبدالرزاق سے حدیث
 بیان کرنے میں محتاط رہنا چاہیے۔

ابن عدی کا بیان ہے کہ عبدالرزاق کے
 پاس قسم قسم کی احادیث ہیں اور مناکیر
 نادرہ ہیں۔

ابوزرعہ کہتے ہیں کہ میں نے امام احمد
 سے پوچھا عبدالرزاق حدیث معمر کے حافظ تھے
 فرمایا ہاں۔

معمر کے نعلق کو خود عبدالرزاق اس
 طرح بیان کرتے ہیں کہ

صار هليلجة في فسي

امام احمد نے فرمایا

دوسرا ہجری سے پہلے عبدالرزاق کی بنیائی
 درست تھی۔ جن لوگوں نے اس سے پہلے ان
 سے سنا درست ہے۔ اور جن لوگوں نے
 نابینا ہونے کے بعد سنا درست نہیں۔
 آخر میں تو نابینا ہونے کے ساتھ ساتھ ادسچا
 بھی سننے لگے تھے

عبدالرزاق کی مشہور حدیث الناس جبار
 کے متعلق امام احمد سے اشرم نے پوچھا آپ
 نے فرمایا۔ کون اس حدیث کو عبدالرزاق سے
 بیان کرتا ہے۔ اشرم نے کہا ابن سیبویہ۔
 امام احمد نے جواب میں فرمایا یہ حدیث
 باطل ہے۔ احمد بن سیبویہ نے یہ روایت
 ان سے نابینا ہونے کے بعد سنی ہوگی۔
 عبدالرزاق اس قسم کی احادیث نہ بانی بیان کر
 دیتے ہیں۔ ان کی کتابوں میں یہ احادیث
 نہیں ہیں۔ بہت سے لوگ ان سے وہ کچھ
 منسوب کرتے ہیں۔ جو ان کی کتابوں میں نہیں

کہ اگر کسی

مصنف کی اپنی کتاب میں روایت مذکورہ
 ہو تو مشکوک ہے۔

یحییٰ کا بیان ہے کہ میں نے کبھی عبدالرزاق
 کی زبانی روایت قبول نہیں کی۔ سوائے ایک
 روایت کے۔ کیونکہ ان کی زبانی روایات
 کا اعتبار نہیں تھا۔

نسائی کا بیان ہے کہ آخر میں جن لوگوں

نے ان سے روایات بیان کی ہیں، سب مناکیر ہیں۔ فضائل میں عبدالرزاق نے جو کچھ نقل کیا ہے۔ اس کی کوئی دوسرا موافقت نہیں کرتا۔ کوئی اس کا متابع نہیں ہے۔ مثالب بیان کرنے میں وہ متفرد ہیں
یہ بھی فرماتے ہیں

میں نے عبدالرزاق کو مکے میں احادیث بیان کرتے دیکھا تو پوچھا کہ یہ احادیث سنی بھی ہیں یا نہیں؟ کہا بعض سنی ہیں اور بعض ویسے ہی بیان کر رہا ہوں۔

دارقطنی نے کہا کہ عبدالرزاق معمر سے بعض احادیث بیان کرنے میں غلطی پر ہیں۔ عبدالسندی نے بتلایا کہ ایک دن سفیان بن عیینہ میرے پاس تشریف لائے۔ میں ان کو رخصت کرنے کے لئے ان کے ساتھ تھا۔ راستے میں میں نے اُن سے پوچھا عبدالرزاق سے ملنا ہے؟ انہوں نے فرمایا نہیں۔ یہ تو ان لوگوں میں سے ہے کہ

الذین ضلّ سعيهم في الحياة الدنيا وهم يحسبون أنهم محسنون صنعوا۔

یہ عبدالرزاق عقیدہ غالی شیعہ تھے۔
مغلذ شعیری کا بیان ہے کہ

میں عبدالرزاق کے پاس تھا۔ ایک شخص نے حضرت معاویہ رض کا ذکر کیا تو کہنے لگے ہماری مجلس کو ابوسفیان کے بیٹے کے ذکر سے گندا نہ کرو۔

محمد بن عثمان نے بیان کیا کہ جب عباس بن عظیم صنعاء سے واپس آئے تو ہم ان سے ملنے گئے۔ ان سے عبدالرزاق کے متعلق میں نے دریافت کیا۔ انہوں نے فرمایا۔ میں صنعاء میں عبدالرزاق ہی کی وجہ سے گیا تھا۔ اور اسی کے پاس ٹھہرا تھا۔

فوالله الذي لا اله الا هو عبدالرزاق كذاب والواقدي اصدق منه۔

خدا کی قسم جس کے سوا کوئی معبود نہیں کہ عبدالرزاق بے حد جھوٹا ہے۔ اور واقدی اس کے مقابلے میں سچا ہے۔ محمد بن عثمان کہتے ہیں کہ جو کچھ عباس کہتا ہے بالکل سچ ہے۔

زید بن المبارک صنعانی کا بیان ہے کہ وہ عبدالرزاق کے پاس ہی رہتے تھے۔ اور ہر وقت عبدالرزاق کی خدمت میں لگے رہتے تھے۔ ایک وقت آیا کہ زید بن المبارک نے عبدالرزاق کی کتابیں جلا دیں۔ یعنی عبدالرزاق سے جو لکھا تھا وہ جلا دیا۔ اور ابن ثور کے پاس چلے گئے وہاں علم حاصل کرنا شروع کر دیا۔ محمد بن عثمان نے زید بن المبارک سے اس کا سبب دریافت کیا کہ تم نے کیوں ترک کر دیا۔ تو زید نے جواب دیا کہ جب حدیث ابن الحدثان آئی اور حضرت علی اور عباس کے متعلق حضرت عمر رض کا یہ قول پڑھا کہ تو اپنی بیوی کی میراث لینے۔ اپنے بھتیجے

کی میراث لینے آگیا تو عبدالرزاق نے حضرت
عمرؓ کے متعلق کہا ۔

انظرانی هذا الا نولف ۔
(اس پر لے درجے کے الحق کو دیکھو)

ابن اخ کہتا ہے

رسول اللہؐ نہیں کہتا ، میں نے اسی دن سے
عبدالرزاق کو چھوڑ دیا اُس سے کوئی روایت
بیان نہیں کی ۔

زید بن المبارک کا قول ہے ۔

عبدالرزاق کان کذابا یسرق
المحدث عبدالرزاق زیادہ جھوٹا تھا اور حدیث کا
چور تھا ۔

ابن معین کا بیان ہے کہ میں نے ایک
روز عبدالرزاق سے پوچھا تیرے تمام اساتذہ
اہل سنت ہیں مثلاً معمر ، ابن جریر ۔

ادزاعی ، سفیان وغیرہ ۔ تو نے یہ مذہب
کہاں سے قبول کیا تو کہنے لگا ۔ ایک دن
ہمارے پاس جعفر بن سلیمان آیا ۔ میں نے دیکھا
کہ زہاد کی ہیئت ہے ۔ چنانچہ میں نے اس
کا مذہب قبول کر لیا ۔

امام احمد کا قول ہے کہ

عبید اللہ بن موسیٰ کی حدیث اس کے تشیع
کی وجہ سے رو ہے ۔

مشہور ناقد حدیث ابن معین نے اس کے
بارے میں کہا ۔

هو الله الذي لا اله الا
هو ۔

عبدالرزاق تو اس تشیع میں عبید اللہ بن موسیٰ
سے سوگنا زیادہ ہے ۔ میں نے تو عبدالرزاق
سے وہ سنا جو عبید اللہ بن موسیٰ کے وہم و
گمان میں بھی نہیں آ سکتا ۔

ابوالازہر کا بیان ہے کہ

عبدالرزاق کہتا ہے کہ میں فضیلت شیخین کا اس
لئے قائل ہوں کہ حضرت علیؓ نے ایسا فرمایا
اگر حضرت علیؓ ان کی فضیلت کے قائل نہ
ہوتے تو میں بھی نہ ہوتا ۔ میرے لئے بڑے
عیب کی بات ہے کہ میں علیؓ سے محبت
کر دوں اور ان کے قول کو ترک کر دوں ۔

محمد بن ابی اسری نے عبدالرزاق سے پوچھا
تفضیل کے بارے میں کیا رائے ہے ؟ کہنے
لگے سفیان کہا کرتے تھے ۔ ابو بکر و عمر پھر
چپ ہو رہتے تھے ۔ ایسے ہی امام مالک
کہا کرتے تھے ۔ ابو بکر و عمر پھر خاموش ہو
جایا کرتے تھے ۔

عبدالرزاق سے ایک حدیث منقول ہے
حد ثنا محمد بن سہل بن عسکر
حد ثنا عبدالرزاق قال ذکر الثوری
عن ابی اسحاق عن زید بن النقیع
عن حذیفہ قال قال رسول اللہ صلی
اللہ علیہ وسلم ان ولوا علیا فہادیا
مہدیا ۔

حذیفہؓ نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا
اگر لوگوں نے علی کو والی بنایا تو ہادی اور مہدی
کو بنائیں گے ۔

عبدالرزاق سے کہا گیا تو نے ثوری نے
سنا؟ کہنے لگے کہ

حدثنا النعمان بن ابی شیبہ و یحییٰ
بن الغلاء عنہ .

یعنی الثوری ۔ یہ نعمان مجہول ہے اور
یحییٰ وفات پا چکے تھے ۔

امام ابو عمرو بن الصلاح صاحب مقدمہ
ابن صلاح نے امام احمد کے اس قول کے بعد
کہ ” من سمع عن عبدالرزاق بعد
الحمی لا شیء “

یہ تبصرہ فرمایا کہ میں نے طبرانی میں
الدبری کے واسطے سے عبدالرزاق کی بہت سی
احادیث دیکھی ہیں ، جو مجھے بہت ہی اوپری
معلوم ہوئیں ۔ یا تو ان میں الدبری نے تحریف
اور تصحیف کی ہے ، کیونکہ الدبری بھی سات
سال ہی کے تھے کہ عبدالرزاق کا انتقال ہو گیا
تھا ۔ یا پھر عبدالرزاق خود ایسی مستنکر روایات
بیان کیا کرتے تھے ۔

احمد بن ازہر ثقہ راوی ہیں ، ان کا بیان
ہے کہ عبدالرزاق نے اپنی یاد سے یہ احادیث
سنائیں ۔ اور اس مجلس میں میں اور وہ دو
ہی آدمی تھے ۔

حدثنا معمر عن الزہری عن
عبید اللہ عن ابی عباس ان رسول
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نظر الی علی
فقال لہ انت سید فی الدنیا و سید
فی الاخرة من احبک فقد احببني

ومن الفضل فقد بغضنی ۔

حبیبک حبیب اللہ و بغیضک

بغیض اللہ فالویل لمن بغضک

کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے علی رض کی طرف دیکھا
اور ان سے فرمایا تو دنیا میں بھی سید ہے اور
آخرت میں بھی سید ہے

۲۔ جس نے تجھ سے بغض رکھا اس نے مجھ
سے بغض رکھا

۱۔ جس نے تجھ سے محبت کی ، اس نے مجھ
سے محبت کی ۔ تیرا دوست اللہ کا دوست
ہے ۔ تیرا مبغوض اللہ کا مبغوض ہے ، ہلاکت
ہے اس کے لئے جو تجھ سے بغض رکھے ۔

۱۔ انبأنا معمر عن ابن نجیح
عن محباہد عن ابن عباس قالت
فاطمۃ علیہا السلام یا رسول اللہ صلی
اللہ علیہ وسلم زوجتني عائلا لا مال
لہ ۔ فقال اما ترضین ان اللہ اطلع
علی اهل الارض فاخترنا منہا رجلین
جعل احدهما ابا و الاخر
بعلا

کہ فاطمہ علیہا السلام نے کہا یا رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم آپ نے میرا نکاح ایک مفلس سے
کہہ دیا جس کے پاس ایک پیسہ بھی نہیں
آپ نے فرمایا کیا تو اس بات پر راضی
نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اہل دنیا پر نظر
ڈالی ۔ اور ان میں سے دو کو منتخب کر لیا
ایک کو ان میں سے تیرا باپ بنا دیا دوسرے کو

تیرا خاوند بنادیا

حدثنا ابن راهويه حدثنا

عبد الرزاق عن ابن عيينة عن ابن
زيد بن جذعان عن أبي النضر عن
أبي سعيد مرفوعا . اذا رايت
معاوية منبري فاقتلوه .

(میزان الاعتدال جلد دوم بحث عبدالرزاق
وتہذیب التہذیب جلد ۲)

ب . جب تم معاویہ رضی اللہ عنہ کو میرے منبر پر
دیکھو تو اسے قتل کر دو .

کب نجات حاصل کی۔

قتادہ سے انہوں نے بہت کم سنا . ان
کے اپنے بیان کے مطابق محض ایک حدیث
سنی . حالانکہ قتادہ بصرے میں رہتے تھے اور
یہ بھی بصرے ہی میں تھے . معلوم ہوتا ہے کہ
غلامی کی وجہ سے اہل علم کے پاس بیٹھنے کا اور
حصول علم کا وقت بہت ہی کم ملتا ہوگا .
ان کا اپنا بیان ہے کہ جس سال حسن بصریؒ
کی وفات ہوئی . میں نے پڑھنا شروع کیا .
میری عمر اس وقت چودہ سال تھی . خود فرماتے
ہیں . جلست الی قتادة وانا ابن
اربع عشر سنة . فما سمعت
منه الا حديثا .

میں قتادہ کے پاس بیٹھا . اس وقت
میری عمر چودہ سال تھی . میں نے ان سے
سوائے ایک حدیث کے کچھ نہیں سنا .
قتادہ کی وفات ۳۳ھ میں ہوئی . اس
وقت معمر کی عمر ۲۲ سال تھی .

اس کے بعد ان کے آقا نے ان کو ریشم
کی تجارت کیلئے بھیجا . مدینہ سے یہ رصافہ
میں جا کر نہ ہری سے ملے اور ان سے کچھ سنا
اور بصرے واپس آگئے .

میزان الاعتدال میں ہے

كيف سمعت عن ابن شهاب
قال كنت مملوكا لقوم من طاحية
فارسلوني بترابيعه . فقد مت
المدينة فرأيت شيخا والناس يعرضون

صاحب تہذیب التہذیب کہتے ہیں

اگر کہا جائے کہ کذاب تھا تو اس کے علم کی نفی
ہے . اور اگر کہا جائے مبتدع تھا تو عمل کی
نفی ہے . غرض دو امور سے اس کا معاملہ
باہر نکل گیا ہے .

عبدالرزاق پر مزید بحث آگے آ رہی

ہے .

۳۔ معمر بن راشد بصری

معمر بن راشد بصرے میں پیدا ہوئے چونکہ
یہ غلام تھے . اس لئے ان کے ابتدائی حالات
مستور ہیں .

یہ معلوم نہیں ہے کہ انہوں نے غلامی سے

عليه العلم فعرضت معهم عليه
ولقيت الزهري بالوصافت.

تو نے ابن شہاب سے کیسے سنا اس
نے کہا میں طاحیہ کی قوم کا غلام تھا، انہوں
نے مجھے ریشم دے کر بھیجا کہ میں اسے فروخت
کر آؤں۔ میں مدینہ میں آیا میں نے ایک
بوڑھے کو دیکھا کہ لوگ اس کے سامنے اپنی
روایات پیش کر رہے تھے۔ میں نے اس
پر اپنا علم پیش کیا اور میں زہری سے (بھی)
وصافہ میں جا کر ملا۔

معلوم نہیں انہوں نے مکاتبت سے
آزادی حاصل کی یا ان کے آقا نے ویسے ہی
آزاد کر دیا۔ ۲۴۴ھ میں زہری کی وفات
ہو گئی۔ قتادہ کی وفات کے بعد سے زہری
کی وفات تک چھ سال کا عرصہ ہے۔ اسی
میں انہوں نے یہ سفر کیا ہوگا۔

بہر حال زہری سے ان کی ملاقات بہت
مختصر معلوم ہوتی ہے۔ اور زہری سے ان کا
مبلغ علم یہی کچھ ہے۔ یا زیادہ سے زیادہ
زہری نے حسب عادت ان کو کوئی صحیفہ دے
کر اجازت دیدی ہوگی۔

آزادی کے بعد یہ یمن میں صنعاء چلے
گئے۔ وہاں کے لوگوں نے ان کو وہیں رکھنے
کی کوشش کی، کسی عقلمند نے کہا، ان کو قید
کر لو، چنانچہ وہاں ان کا نکاح کر دیا گیا
اور یہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے صنعاء کے ہو رہے،
کبھی کبھی اپنی والدہ سے ملنے بصرے آیا کرتے

تھے۔ انہوں نے ایک کتاب مرتب کی تھی
جس کا نام الجامع رکھا تھا اور جس کے
راوی صرف عبد الرزاق ہیں، بلکہ معمر کے علوم
کے وارث ہی عبد الرزاق قرار پائے

معمر، زہری، صہام بن منبہ، هشام بن
عروہ اور قتادہ سے روایت کرتے ہیں اور
ان سے روایت کرنے والے یحییٰ بن کثیر،
ابو اسحاق سبیعی اور ایوب ہیں۔ یہ سب ان
کے شیوخ بھی ہیں، ابن جریر، لثری، شعبہ
ان سے روایت کرتے ہیں۔ یہ ان کے ساتھی

اور ہم عمر ہیں۔ ابن عیینہ، ابن المبارک،
عبد الرزاق، فلیح بن سلیمان، عیسیٰ بن یونس،
ہشام بن یوسف صنعانی اور بیشتر صنعانی ان
سے روایت کرتے ہیں۔

یحییٰ بن معین کہتے ہیں کہ جب معمر
عراق والوں سے حدیث بیان کریں، تو قابل
اعتماد نہیں، زہری اور ابن طاؤس سے ان
کی حدیث قبول کی جاسکتی ہے۔ لیکن اہل
بصرہ سے جو بیان کریں قابل ترک ہے۔

یحییٰ بن معین نے دوسرے موقع پر فرمایا،
حدیث معمر عن عاصم ابن
ابی النجود ثابت دھشام ابن عروہ
وہذا الغرب مضطرب کثیر
الادھام۔

معمر کی حدیث عاصم بن ابی النجود سے
اور ثابت سے اور ہشام بن عروہ سے مضطرب
اور کثیر الادھام ہوتی ہے۔

(تہذیب التہذیب و تدریب الراوی)
ان روایات کے بارے میں علماء
اہل سنت نے یا معمر کے بھتیجے کو مورد الزام
قرار دیا۔ یا عبدالرزاق سے نیچے کے کسی راوی
کو مجروح گردانا۔ اور اس طرح درمیان میں
سے عبدالرزاق کو بچالیا۔ لیکن ہم اس رائے
کو تسلیم نہیں کرتے۔

ہمارے خیال میں اس ساری خرابی کے
ذمہ وار عبدالرزاق ہیں۔ ہم آگے روایات
لعب میں اس پر تفصیلی بحث کریں گے۔
اور ثابت کریں گے۔ اور ثابت کریں گے
کہ عبدالرزاق اساتذہ کی معتبر روایات میں
من مانے اور غیر واقعی جملے بڑھایا کرتے تھے۔
اور وضع کی اُس خاص قسم کے مرکب تھے
جس کو اصطلاح محدثین میں ادراج کہتے
ہیں۔ اور جو زیادتی ثقہ کے نام پر قبول کر لی
جاتی ہے۔

۴۔ محمد بن مسلم بن شہاب زہری مدنی

یہ عبداللہ بن عمر سے روایت بیان کرتے
ہیں۔ اور عبداللہ بن جعفر۔ سعید بن المسیب
عبداللہ بن عمر کے تینوں بیٹوں۔ عبید اللہ
سالم۔ عبداللہ۔ عروہ بن زبیر۔ عبداللہ بن
عباس۔ اور قاسم بن محمد سے بھی روایت کرتے ہیں

بصرہ میں انہوں نے جو کچھ بیان کیا اس
میں اغلاط ہیں۔ کیونکہ یہ بصرہ میں زبانی بیان کرتے
تھے۔ ان کی کتاب میں صنعاء میں رہتی تھیں۔ اس
لئے ان میں اغلاط ہوتی تھیں۔
اسی لئے حافظ نے تہذیب التہذیب
۵۴۰ میں فرمایا:-

ان فی روایتہ عن ثابت والاعمش
دھشام ابن عروہ شیا ما حینما حدث
بہ بالبصرة۔

اس کی روایت میں ثابت اور اعمش سے
اور دھشام بن عروہ سے جسے اس نے بصرہ میں
بیان کچھ خرابی ہوتی ہے۔

انہوں نے ۵۳ھ میں بمقام صنعاء ہجر
۵۴ سال وفات پائی۔ بعد میں ان کی بیوی
نے قاضی صنعاء سے نکاح کر لیا۔

عبدالرزاق کے پاس ان کی روایات
امالی کی صورت میں بھی تھیں اور الجامع بھی
انہی کے ذریعے آگے چلی۔

معمر کی کتاب جامع معمر میں ان کی
زندگی ہی میں معمر کے بھتیجے نے جو رافضی تھا
کچھ روایتیں اپنی حسب منشاء داخل کر دی تھیں
معمر کو ان روایات کا پتہ نہ چلا۔ وہ خود ان کو
اپنی روایات سمجھ کر بیان کرتے رہے۔ پھر آگے
عبدالرزاق نے ان روایات کو استاد معمر کی روایات
خیال کر کے بیان کیا۔ اس طرح یہ غیر واقعی روایات
معمر کے نام پر چل نکلیں جو ان کے سب سے معتبر
تلمیذ عبدالرزاق کے واسطے سے منقول ہیں۔

اور یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ یہ حفاظ کی قوم
جو سنتے ہیں اُسے متعلق بیان کرتے ہیں۔
زہری کا عروہ سے عدم سماع ثابت
ہے۔

ا. وقد ادرك وادرك من هواكبر
منه لكن لا يثبت له السماع من
عروة وان كان قد سمع ممن
هواكبر منه

(تہذیب التہذیب - ذکر ابن شہاب)
زہری نے عروہ کا زمانہ پایا اور جو عروہ
سے عمر میں بڑے تھے۔ ان کا زمانہ بھی پایا
لیکن عروہ سے اس کا سماع ثابت نہیں ہے
اگرچہ عروہ سے بڑی عمر کے لوگوں سے اس
نے سنا ہے۔

ب۔ قال ابن ابی حاتم فی علل الحديث
قال ابی حاتم الزهري عن عروة
وهو لم يقع في طريق من
طرق روايات الزهري التصريح
بسماع الزهري عن عروة بل
رواه معنعنا

ابن ابی حاتم نے علل حدیث میں بیان
کیا کہ میرے باپ نے کہا عروہ سے زہری
کی حدیث وہم ہے۔ زہری کی روایات
کے طریقوں میں سے کسی طریقے میں بھی
زہری کے عروہ سے سماع کی تصریح نہیں
ملتی بلکہ معنعن ہی روایت ملتی ہے۔
ج۔ وقد ذكر ابن ابی حاتم عن ابیه

ان سے روایت بیان کرنے والے عمر بن
عبد العزیز۔ اوزاعی۔ ہشام بن عروہ۔ مالک بن
انس۔ معتمر بن سلیمان۔ معمر بن راشد اور سفیان
بن عیینہ ہیں۔ ان کے بعد ایک خلق کثیر راوی
ہے۔

زہری ائمہ فن کی نظر میں

چونکہ زہری امام سیر و روایات میں اس
لئے ان کے متعلق ائمہ فن کی آراء کا ذکر ضروری
ہے۔

امام احمد نے کہا
زہری نے ابن عمر سے کچھ نہیں سنا
ابو حاتم نے کہا

ان کا سماع ابن عمر سے ثابت نہیں۔
معمر سے خود زہری نے کہا

” میں نے ابن عمر سے صرف دو حدیثیں
سنیں “ حالانکہ بیان بہت زیادہ کی
ہیں۔ عبد اللہ بن جعفر سے انہوں نے کچھ نہیں
سنا۔

علی بن المدائنی نے کہا

ابی سے ان کی حدیث وہم ہے۔ اور غیر مستقل
ہے۔ یحییٰ بن سعید اور قتادہ زہری کی مراسیل
کو کچھ نہیں سمجھتے تھے۔ اور فرمایا کہ تھے
تھے۔

هو بمنزلة الريح

حدیث الزہری عن عروۃ وہم
ابن ابی حاتم نے اپنے باپ سے بیان
کیا کہ عروہ سے حدیث زہری وہم ہے ۔
د ۔ وقد ذکر ابن ابی حاتم ایضاً
اتفاق المحدثین علی عدم سماع
الزہری عن عروۃ ۔ وان کان
قد سمع ممن ہر اکبر منه ۔
(امانی الاجبار فی شرح معانی الآثار ص ۳۴)

اور ابن ابی حاتم نے یہ بھی بیان کیا
کہ عروہ سے عدم سماع پر محدثین کا اتفاق ہے
اگرچہ زہری نے عروہ سے بڑی عمر والوں سے
سنا ۔

حدیث بسره اور زہری

علامہ طحاوی نے معانی الآثار میں باب
مسئ الفرج هل یجب فیہ الوضوء
۲۱۰ میں ایک عمدہ بحث کی ہے ۔ اس
بحث میں زہری اور عروہ پر جاندار تبصرہ ہے
اس سے ناظرین کو زہری اور عروہ کا اندازہ ہو
جائے گا ۔

علماء میں یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے کہ
آیا مس ذکر سے وضو لازم آتا ہے یا نہیں
اس مسئلے میں صحابہ کرام رض سے لیکر تابعین
تک دو گروہ ہیں علم

علم ایک فریق کہتا ہے مس ذکر سے وضو

ضروری نہیں ہے ۔ صحابہ میں سے حضرت
علی رض حضرت ابن مسعود رض اس کے قائل ہیں
اور یہی مسلک امام ابو حنیفہ کا ہے ۔ اسی
کو طحاوی نے ترجیح دی ہے ۔

دوسرا فریق کہتا ہے کہ مس ذکر سے
وضو ضروری ہے ۔ صحابہ میں سے بسرہ رض
ابو ہریرہ رض وغیرہ اس کے قائل ہیں ۔ زہری
اور ان کے متبعین کا یہی مسلک ہے ۔ ائمہ
حدیث نے بھی زہری کی روایت کی بناء پر یہی
مسلک قبول کر لیا ہے ۔ اور وہ روایت جس
کی بنا پر یہ مسلک اختیار کیا گیا ہے ۔ اسی سند
سے بیان کی گئی ہے جس سے تزوج عائشہ
کی روایت زہری کے واسطے سے مذکور ہے
اس لئے جو بحث طحاوی نے اس سند پر کی
ہے اُسے مختصراً ہم یہاں پیش کرتے ہیں
اسی سلسلہ کے کچھ ایسے تاریخی مباحث
بھی جنہیں امام طحاوی نے چھوڑ دیا ہے ۔ ہم
بیان کریں گے ۔

وہ آثار جن کی وجہ سے علماء حدیث
وضو کو لازم قرار دیتے ہیں ۔ کتب حدیث
میں مفصل مذکور ہیں ۔ ان میں سے ایک اثر
یہ بھی ہے ۔

۱ حدیثنا عبد الرزاق عن معمر
عن الزہری عن عروۃ عن بسرۃ
من مس ذکر فلیتوضا ۔

کہ جس نے اپنے عضو مخصوص کو چھوا
اسے چاہیے کہ وضو کرے ۔

۱ امام طحاوی فرماتے ہیں کہ

عروہ مروان سے گفتگو کرنے سے پہلے اس کے قائل تھے کہ مس ذکر سے وضو لازم نہیں آتا لیکن مروان سے گفتگو کے بعد اس کے قائل ہو گئے کہ مس ذکر سے وضو لازم آتا ہے۔

۲ مروان نے جب مس ذکر کی روایت عروہ کو سنائی تو عروہ نے سر جھکا لیا۔ مروان نے فوراً ایک شرطی کو بلایا اور بسرہ کی طرف روانہ کیا کہ جاؤ بسرہ سے پوچھ کر آؤ کہ تم نے یہ حدیث نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہے؟ شرطی گیا اور جواب لایا کہ وہ کہتی ہیں کہ ہاں سنی ہے۔ اس کے بعد عروہ اس روایت کے قائل ہو گئے اور بسرہ سے روایت بیان کرنی شروع کر دی۔

۳ اس روایت کی پہلی راوی بسرہ بنت صفوان ہیں۔ یہ صحابیہ ہیں لیکن زیادہ معروف نہیں ہیں۔ جس وقت مروان اور عروہ کی گفتگو ہوئی، اس وقت زندہ تھیں چنانچہ یہ روایت عروہ نے بسرہ سے نقل کی۔ پھر عروہ سے زہری نے، پھر علماء نے اسے قبول کر لیا۔

امام طحاوی نے مختلف دلائل سے یہ ثابت کیا ہے کہ یہ سند قابل اعتماد نہیں ہے۔ یہ سند مرسل اور منقطع ہے۔ اور دوسری روایات کے ذریعہ ثابت کیا ہے کہ عروہ نے یہ روایت بسرہ سے نہیں سنی۔

۴ اس روایت میں بسرہ اور عروہ کے درمیان ایک راوی ہے۔ یعنی مروان یا اس کا شرطی، شرطی تو جھول ہے معلوم نہیں کون تھا۔ کس درجہ کا آدمی تھا۔ معلوم نہیں بسرہ تک پہنچا بھی یا نہیں، اور مروان اس معاملہ میں ہمارے نزدیک مجروح ہے۔ یہ بسرہ مروان کی حقیقی چچی ہے اور مروان کی بیوی عائشہ کی ماں ہے یا دادی ہے۔ علماء آئناں کا اس میں اختلاف ہے۔

وكانت لسرة زوج المغيرة فولدت له عائشة فزوجهها مروان فولدت له عبد الملك كذا قاله وهو غلط. فان ام عبد الملك بنت معاوية اخي المغيرة قاله الزبير بن بكار وهو اعرف نسب قومه.

(الاصابة جلد ۲ ص ۲۲۲)

بسرہ مغیرہ کی بیوی تھی۔ اس سے عائشہ پیدا ہوئی۔ مروان نے عائشہ سے شادی کی۔ اس سے عبد الملک پیدا ہوا ایسے ہی بیان کیا اور یہ غلط ہے اس لئے کہ عبد الملک کی ماں (عائشہ) معاویہ مغیرہ کے بھائی کی بیٹی ہے۔ یہ زہری بن بکار کا قول ہے۔ اور وہ اپنی قوم کے نسب کا سب سے بڑا عالم ہے۔

الف . وكانت لبسة عند المغيرة بن
العاصي فولدت له معاوية وعائشة
وكانت عائشة تحت مروان فهي ام
عبد الملك وقال الزبير وطائفة من
اهل العلم بالنسب ان لبسة بنت صفوان
هي ام معاوية بن المغيرة بن العاصي
وحيدة عائشة بنت معاوية . وعائشة
ام عبد الملك .

(الاستيعاب جلد ۱ بحث لبسة بنت صفوان)

لبسة مغيرة بن العاصي کی بیوی تھی۔

اس سے معاویہ پیدا ہوا اور عائشہ پیدا ہوئی
اور عائشہ مروان کی بیوی تھی اور یہ عبد الملك
کی ماں ہے ۔ اور زبیر اور علیؓ نسب کے
ایک گروہ نے کہا کہ لبسة بنت صفوان
یہ ماں ہے معاویہ بن مغیرہ بن العاصی کی اور
عائشہ بنت معاویہ کی داوی ہے اور
عائشہ عبد الملك کی ماں ہے ۔

ب . وكانت لبسة عند المغيرة بن
ابي العاصي فولدت له معاوية بن
المغيرة . وهو الذي قتل صبرا
رسول الله صلعم منصرفاً من احد
وهو جد عبد الملك وام عبد الملك
عائشة بنت معاوية

(ابن سعد جلد ۴ صفحہ ۲۳۵)

لبسة مغیرہ بن العاصی کی بیوی تھی اس
سے معاویہ پیدا ہوا ۔ اور یہ وہی شخص ہے
جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے احد سے

والیسی میں گرفتاری کی حالت میں قتل کرادیا
تھا ۔ اور وہ عبد الملك کا نانا تھا اور عبد الملك
کی ماں عائشہ بنت معاویہ ہے ۔

وكانت لبسة عند المغيرة
فولدت له معاوية وعائشة فكانت
عائشة ام عبد الملك .

(اسد الغابہ جلد ۵ بحث لبسة)

لبسة مغیرہ کی بیوی تھی اس سے معاویہ
پیدا ہوا اور عائشہ ۔ پس عائشہ عبد الملك
کی ماں تھی ۔

روى عن لبسة ام كلثوم بنت
عقبة وروى عنها ايضا مروان و
سعيد بن المسيب وعروة و
غيرهم .

(ابن سعد جلد ۴ صفحہ ۲۳۵)

ام كلثوم بنت عقبة نے لبسة سے
روایت نقل کی اور مروان نے بھی لبسة
سے روایت بیان کی اور سعید بن المسيب
اور عروہ وغیرہ نے بھی ۔

مذکورہ بالا روایات متضاد بیانات پر
مستعمل ہیں ۔ اصحابہ کی روایت سے معلوم
ہو رہا ہے کہ عائشہ لبسة کی لڑکی ہے اور
مغیرہ کے صلب سے ہے ۔ لیکن صاحب
اصحابہ ۱ سے غلط قرار دیتے ہیں ۔ فرماتے
ہیں کہ عبد الملك کی ماں عائشہ معاویہ کی
لڑکی ہے جو مغیرہ کا بھائی تھا ۔ اور زبیر بن
بکاء کا حوالہ دیتے ہیں ۔ حالانکہ مغیرہ کا کوئی

بھائی معاویہ نہیں تھا۔ مغیرہ کے دو بھائی اور
تھے جن سے اولاد ہوئی ہے۔ عفان بن

ابی العاصی اور حکم بن ابی العاصی

(دیکھئے جہزہ النساب العرب لابن حزم
بیان بنو امیہ)

صاحب اصحابہ کے سامنے جو ابن بکار
کا بیان ہوگا اس میں نسخ میں غلطی ہو گئی
ہوگی۔ صاحب الاستیعاب نے زبیر بن
بکار کا بیان صحیح نقل کیا ہے صاحب استیعاب
نے شروع میں تو وہی مشہور قول نقل کر دیا
ہے کہ معاویہ اور عائشہ بھائی بہن ہیں۔
بسرہ اور مغیرہ کی اولاد ہیں۔ لیکن پھر
ابن بکار اور دوسرے علمائے النساب کے
حوالہ سے اس کی تصحیح کر دی ہے کہ معاویہ
تو بسرہ اور مغیرہ کا بیٹا ہے۔ لیکن عائشہ
ام عبدالملک معاویہ کی بیٹی اور بسرہ کی
پوتی ہے۔

ابن سعد نے بالکل صحیح لکھا ہے کہ
معاویہ عبدالملک کا نانا ہے۔ یہ جنگ
احد میں مشرکین کے ساتھ شریک تھا
گر قتار ہوا۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے
احد سے واپسی میں اسے صبراً قتل کر دیا
اور عائشہ معاویہ کی لڑکی، بسرہ کی پوتی اور
عبدالملک کی ماں ہے۔

محض یہ ایک روایت اس بسرہ سے
مروی ہے اور کوئی روایت منقول نہیں ہے
اس بسرہ سے آگے یہی روایت بیان

کرنے والے سعید بن المسیب، ام کلثوم
بنت عقبہ۔ مروان اور عروہ ہیں۔

یہ بسرہ مبائعات میں سے ہیں۔
بسرہ غالباً فتح مکہ کے موقع پر البوسفیان
کے خاندان کے ساتھ ایمان لائی ہیں۔ اور
اسی وقت بیعت کی ہے۔

علماء نے اس روایت کے متن پر
عمدہ مباحث بیان کئے ہیں۔ لیکن ہم
یہاں اس روایت کو محض تاریخی حیثیت سے
جانچ رہے ہیں۔ بات تو محض اتنی تھی کہ
آپ نے نظافت کے لئے فرمایا تھا۔

من مس ذکرہ فلیتوضأ
مروان اور بنو مروان نے اسے حکومت
کے زور پر ایک فقہی مسلک کی صورت
دے دی۔ گویا اس دور میں یہ بنو مروان کا
سرکاری مذہب تھا۔ جیسا کہ عباسی دور
میں خلق قرآن کا مسئلہ سرکاری مذہب تھا
یہ محض اس لئے کیا گیا کہ آنحضرت صلی اللہ
علیہ وسلم سے ایک روایت کی سعادت
تو ان کے خاندان کی بزرگ عورت کو بھی
نصیب ہوئی ہے۔ اور وہ اس میں منفرد
ہیں۔

ان سے روایات بیان کرنے والے
مندرجہ ذیل رشتہ رکھتے ہیں۔

بسرہ سعید بن المسیب کی خالہ ہیں۔
ام کلثوم بنت عقبہ کی پھوپھی ہیں۔
مروان کی چچی اور ساس یا بیوی کی داری

ہیں ۔
عروہ مروان کے بہنوئی ہیں اور حکم کے داماد ہیں ۔

مروان عروہ کا سالا ہے ۔
حکم بن ابی العاصی کی لڑکی ام یحییٰ عروہ کی بیوی تھیں ۔

رجمہرة النساب العرب لابن حزم بنوزیر بن العوام ص ۱۵۱)

ولد عروہ یحییٰ بن عروہ و محمد ارعثمان و ابابکر و عائشة دخیجتا و امهم ام یحییٰ بنت الحکم بن ابی العاصی بن امیتہ بن عبد شمس و هشام ابن عروہ و صفیتا لام ولد

راہن سعد جلد ۱۴ ص ۱۴۸)
اور پیدا ہوئے عروہ کے یہاں یحییٰ بن عروہ محمد، عثمان، ابوبکر، عائشہ، خدیجہ اس کی ماں ام یحییٰ بنت الحکم بن ابی العاص بن امیہ بن عبد شمس ہے ۔ اور ہشام بن عروہ اور صفیہ یہ ام ولد سے ہیں ۔

عروہ سے زہری کا سماع ثابت نہیں

امام طحاوی نے روایات سے ثابت کیا ہے کہ زہری نے یہ روایت عروہ سے نہیں سنی بلکہ عروہ اور زہری کے درمیان عبد اللہ

بن ابی بکر بن محمد ایک راوی ہے ۔ زہری نے یہ روایت عبد اللہ سے ۔ عبد اللہ نے عروہ سے نقل کی ہے ۔
زہری جب کبھی صنعاء سے روایت لیتے ہیں تو ان کو ترک کر کے خود اپنی نسبت اوپر کے راوی سے براہ راست قائم کر لیتے ہیں ۔ تاکہ ضعیف کا واسطہ درمیان سے نکل جائے ۔ چنانچہ اس روایت میں زہری نے عبد اللہ کو ترک کر دیا ۔

بعض محدثین کا خیال ہے کہ زہری اور عروہ کے درمیان عبد اللہ کا واسطہ نہیں بلکہ ابوبکر بن محمد کا ہے ۔

طحاوی نے مختلف روایات پیش کر کے اسے ثابت کیا ہے اور زہری کی تدلیس ظاہر کی ہے ۔ ساتھ ہی عروہ کی تدلیس بھی بیان کی ہے ۔

مسئ ذکر سے دھوکے و جوب کے قائلین نے اس سند کو جرح سے بچانے کے لئے یہ کیا کہ ہشام بن عروہ براہ راست اپنے باپ عروہ سے اس روایت کو بیان کرتے ہیں ۔ اس صورت میں یہ روایت منقطع نہیں ہے ۔ حضرت ہشام ثقہ اور سب کے نزدیک قابل اعتماد ہیں ۔

امام طحاوی نے اس خیال پر بھی جرح کی اور ثابت کیا کہ ہشام بن عروہ نے بھی یہ روایت براہ راست اپنے باپ عروہ سے نہیں سنی بلکہ ابوبکر بن محمد کے ذریعہ سے

امام طحاوی نے روایات سے ثابت کیا ہے کہ زہری نے یہ روایت عروہ سے نہیں سنی بلکہ عروہ اور زہری کے درمیان عبد اللہ

سنی ہے۔ اور اپنے اس دعوے کو مختلف روایات کی مدد سے ثابت کیا ہے جیسا کہ آگے آ رہا ہے۔

امامی الاحبار شرح معانی الآثار میں مولانا محمد یوسف صاحب نے لکھا ہے کہ طبرانی نے کبیر میں یہ بحث اٹھائی ہے کہ اس روایت کے علاوہ عروہ سے دو اور روایتیں ہیں جن میں ہشام نے عنعنہ کا سہارا نہیں لیا بلکہ صراحتہً کہا ہے۔

”سمعت ابی“ ”اخبی ابی“

تو انہوں نے کہا۔ اخبی ابی۔ یہ روایت مسند امام احمد میں موجود ہے لیکن ان تمام امور کے باوجود نسائی نے ہشام کی تصریح کو قبول نہیں کیا۔ اور اس روایت پر انقطاع کا حکم لگا دیا۔

ہم اپنے مدعا کی وضاحت کے لئے نمبر وار اسناد پیش کرتے ہیں تاکہ معلوم ہو جائے کہ عنعنہ سے کس طرح تدلیس کی جاتی ہے۔

زہری کی تدلیس

۱۔ حدثنا عبد الرزاق عن معمر

عن الزهري عن عروة

عن بسرة قالت...

بظاہر دیکھتے ہیں یہ روایت متصل اور مرفوع معلوم ہوتی ہے، لیکن

حقیقت میں منقطع ہے۔ عروہ اور بسره کے درمیان ایک راوی متروک ہے۔ اور وہ ہے مروان یا شرطی

مروان۔ اور پوری سند اس طرح ہے

حدثنا عبد الرزاق عن معمر

عن الزهري عن عروة عن

مروان او شرطی مروان

عن بسرة قالت...

اس صورت میں یہ روایت موصول ہو گئی۔ لیکن اب بھی اس روایت

میں انقطاع موجود ہے۔ عروہ اور

بسره کے درمیان کا راوی تو معلوم

ہو گیا لیکن زہری اور عروہ کے

درمیان کا راوی معلوم نہیں ہوا۔

اور وہ ہے عبد اللہ بن ابی بکر یا

ابو بکر بن محمد۔ اب روایت یوں

ہو گئی۔

حدثنا عبد الرزاق عن معمر

عن الزهري عن عبد الله بن

ابی بکر عن مروان او شرطی

مروان عن بسرة قالت...

یا حدثنا عبد الرزاق عن معمر

عن الزهري عن ابی بکر

بن محمد عن عروة عن

مروان او شرطی مروان

عن بسرة قالت...

اس کی تائید میں طبرانی نے یہ روایت

پیش کی ہے ۔
 حدیث احمد بن سلمہ عن
 هشام بن عروہ عن مردان عن
 بسرة ۔ مگر یہ روایت بھی منقطع ہے
 اس میں ہشام اور عروہ کے درمیان ایک
 راوی مٹوڑک ہے ۔ اور وہ ہے ابو بکر ۔
 صحیح سند وہی ہے جو ہم نے لکھی
 ہے یعنی

حدیث احمد بن سلمہ عن

هشام ابن عروہ عن ابی بکر عن
 عروہ عن مردان ادشرطی
 مردان عن بسرة

غرضیکہ حق وہی ہے جس کی امام طحاوی
 نے معافی الآثار میں وضاحت کی ہے
 کہ زہری کا عروہ سے سماع ہی ثابت
 نہیں ہے ۔ اس لئے جب بھی زہری
 عروہ سے کوئی روایت بیان کریں گے
 منقطع ہوگی ۔

ایک واقعہ

زہری اور عروہ کے درمیان جو راوی
 عبداللہ بن ابی بکر ہے اس کے متعلق ایک
 حکایت سن لیجئے ۔ جو امام طحاوی نے نقل
 کی ہے ۔

امام شافعی فرماتے ہیں

کہ میرے استاد سفیان بن عیینہ نے فرمایا

کہ دورانِ تعلیم جب ہم کسی آدمی کو چند
 آدمیوں سے حدیث حاصل کرتے دیکھتے
 تھے جن میں سے ایک عبداللہ بن ابی بکر
 بھی تھا تو ہم ان احادیث حاصل کرنے
 والوں کا مذاق اڑایا کرتے تھے ۔ کیونکہ عبداللہ
 بن ابی بکر جیسے لوگ تو جانتے ہی نہ تھے
 کہ حدیث کیا ہے ۔

اصل مروی عنہ کے متعلق احتمالات

چونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے تزوج
 کی روایت بھی اسی سند سے منقول ہے
 اس لئے ہم نے اس سند پر تفصیل سے
 گفتگو کی ہے ۔ ورنہ جب زہری کا عروہ
 سے سماع ثابت ہی نہیں تو زہری نے
 عروہ سے تو سنا ہی نہیں ۔ اب اگر سنا
 ہوگا تو کسی اور سے سنا ہوگا ۔ ہو سکتا
 ہے کہ وہ ہشام بن عروہ ہوں ۔ لیکن یہ
 احتمال بھی باطل ہے ۔ اس لئے کہ زہری
 کی وفات ۱۲۴ھ میں ہوئی ہے اور اس
 وقت تک اس روایت تزوج کا وجود
 ہی نہیں تھا ۔ اس لئے یہ روایت بعد
 میں زہری کے ذمہ لگاٹی گئی ۔

حقیقتاً واقعہ یہ ہے کہ عبدالرزاق
 نے آخر عمر میں ضعف دماغ کی وجہ
 سے (سہواً یا تدلیساً یا اقتضائے طبعی
 سے مجبور ہو کر) دانستہ اس روایت کو

کی روایت عروہ سے منقطع ہوتی ہے اور
مرسل خیال کی جاتی ہے۔

محدثین اور مراسلات زہری

امام شافعی رحمہ اللہ اور دوسرے محدثین نے
زہری کے ارسال کا انکار کیا ہے۔

طبقات الشافعیۃ الکبریٰ ص ۱۸۱ میں
تحریر ہے کہ زہری کثیر الارسال ہیں۔ ارسال
کے بعد وہ اسناد بھی ذکر کر دیتے
ہیں لیکن اس کے باوجود امام شافعی رحمہ اللہ
نے مراسلات زہری کو ترک کر دیا ہے۔

امام شافعی رحمہ اللہ نے زہری کے ان
طریقوں میں سے ان کی کتاب الصلوۃ
کی ایک حدیث کا ذکر کیا ہے جو مرسل
ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ نے معلوم کر لیا ہے
کہ اصل میں یہ حدیث زہری نے سلیمان
بن ارقم سے لی ہے سلیمان بن ارقم بعض
کے نزدیک متروک ہے۔ باقی کے نزدیک
ضعیف ہے۔

(طبقات الشافعیۃ الکبریٰ جلد اول ص ۱۸۱)

۱۔ المرسل حدیث ضعیف

ارسال الزہری لیس بستی و
ثم المرسل حدیث ضعیف عند

مرویات معمر میں رکھ دیا ہے۔ آخری صورت
زیادہ قرین قیاس ہے۔ جیسا کہ ہم اس
روایت کے متن پر بحث کے دوران
بتلائیں گے۔

لیکن تعجب یہ ہے کہ زہری بھی

مدینہ میں رہنے والے ہیں اور عروہ بھی۔
پھر ان دونوں کا سماع ایک دوسرے سے
ثابت نہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ زہری
کے زمانہ تعلیم کے دوران عروہ مدینہ
میں نہ ہوں گے۔ چونکہ ان کے بھائی عبداللہ
بن زبیر مکہ میں تھے اور وہیں سے انہوں
نے اپنی خلافت کا اعلان کیا تھا۔ اس
لئے وہ انہی کے پاس ہوں گے یا ان
کی سیاسی پوزیشن کی وجہ سے گوشہ نشین
ہو گئے ہوں گے کہ کسی آفت میں نہ
پھنس جائیں۔ ان کی شہادت کے بعد
مصر چلے گئے تھے۔ مصر میں سات سال
رہے۔ وہاں شادی کر لی۔ وہیں حکومت
اختیار کر لی۔ مصر میں ان کے والد زبیر کی
جائیداد تھی۔ ان کے حصے میں بھی آئی ہو
گی۔ جب عروہ مصر سے مدینہ واپس
آئے تو زہری طلب معاش میں شام
جا چکے تھے۔ عبدالملک کے دربار سے
منسلک ہو چکے تھے۔ زہری شام کی طرف
شام میں گئے ہیں اور آخر تک بنی مروان
کی حکومت سے متعلق رہے۔ اس لئے
عروہ سے کچھ نہ سُن سکے۔ اسی لئے زہری

سے اور اس نے زہری سے بیان کی ہے۔
ابن جریر کہتے ہیں کہ

میں نے زہری سے اس حدیث کے متعلق دریافت کیا تو انہوں نے اس حدیث کا انکار کر دیا، کیونکہ لسان ہو گیا تھا۔

قال ابن جریر ان التابعین اجمعوا علی قبول المرسل وان الشافعی اول من اباه وقد تنبه البيهقي لذلك فقال في "المخل" ما يستدل به على ضعف المرسل بعد تفسير الناس وظهور الكذب والبدع - وادرس فيه ما اخرجہ مسلم عن ابن سيرين فقال لقد اتى على الناس زمان ما يسل عن اسناد حديث - فلما وقعت الفتنة سئل عن اسناد الحديث فمن كان من اهل السنة يوخذ من حديثه ومن كان من اهل البدع ترك حديثه (تدريبات الرازي ص ۱۲۳)

ابن جریر نے کہا

تابعین کا قول مرسل پر اتفاق ہے، شافعی پہلے شخص ہیں جنہوں نے اس کے قبول کرنے سے انکار کیا۔ بیہقی نے اس پر متنبہ کیا اس نے اپنی کتاب مدخل میں ان امور کا ذکر کیا جن سے ضعف مرسل پر استدلال کیا جاتا ہے یعنی لوگوں میں تغیر آگیا ہے

جماهير المحدثين والشافعي وكثير من الفقهاء واصحاب الاصول - وقال السيوطي ضعيف لا يحتج به - وقال ابو حنيفة ومالك صحيح مقبولا بشرائطه -

تدريبات الرازي ص ۱۱۸، ۱۱۹

زہری کا ارسال لاشی ہے، پھر مرسل حدیث امام شافعی رحمہ اور تمام محدثین کے نزدیک اور اکثر فقہاء اور اصحاب اصول کے نزدیک ضعیف شمار ہوتی ہے۔
سیوطی نے کہا

مرسل ضعیف ہوتی ہے، قابل احتجاج نہیں ہوتی۔ امام ابو حنیفہ اور امام مالک نے کہا۔

مرسل مقبول ہوتی ہے معروف شرائط کے ساتھ۔
بیہقی نے یحییٰ بن سعید سے نقل کیا ہے کہ

مرسل الزہری شر من مرسل غیرہ

امام زہری آخر میں لسان کا شکار ہو گئے تھے۔ چنانچہ

ایما امرأة نكحت بغير إذن وليها فنكاحها باطل باطل جو عورت بلا اذن ولی نکاح کرے اس کا نکاح باطل ہے باطل ہے۔

والی حدیث ابن جریر نے سلیمان بن موسیٰ

ہو اس سے غیر مسموع کو روایت کرنا بغیر اس تصریح کے کہ اسی سے یہ روایت سنی ہے۔

بزار نے یہی تعریف کی ہے۔
یادہ اس معاصر سے نقل کرے جس سے اس کا لقاء نہ ہو اور یہ خیال کرتے ہوئے نقل کرے کہ اس سے ملاقات ہوئی ہے، یہ تدلیس اسناد ہے، اس میں راوی یہ نہیں کہتا کہ حدیثنا یا انھوں نے وغیرہ بلکہ یوں کہتا ہے کہ

عن فلان عن فلان
یا ایسے ہی الفاظ سے ذکر کرتا ہے۔

اقسام تدلیس

تدلیس کی مختلف قسمیں ہیں

۱. تدلیس قطع ۲. تدلیس ابہام
۳. تدلیس تسویر ۴. تدلیس بالجہول
۵. تدلیس بالبدل ۶. تدلیس بالعطف

تدلیس قطع :-

کبھی راوی اور مروی عنہ میں ایک واسطہ چھوڑ دیا جاتا ہے۔ اور کبھی ایک سے زیادہ واسطے چھوڑ دیئے جاتے ہیں۔

مثلاً علی بن خشرم کا بیان ہے کہ ہم سفیان بن عیینہ کے پاس تھے۔ ابن عیینہ نے کہا قال الزہری، ان سے پوچھا گیا تم نے خود نہ ہری سے سنا تو ابن عیینہ نے

بدعتیں اور کذب پھیل گیا ہے۔ اور اس میں وہ روایت بھی بیان کی جو مسلم نے مسلم میں ابن سیرین سے بیان کی ہے لوگوں پر ایسا وقت بھی تھا، جب اسناد حدیث سے سوال نہیں کیا جاتا تھا جب فتنے کا دور آگیا اسناد حدیث کا سوال کیا جانے لگا جو اہل سنت سے ہوتا اس کی حدیث قبول کی جاتی اور جو اہل بدعت سے ہوتا اس کی حدیث ترک کر دی جاتی

تدلیس کیا ہے اور

مدلس کون ہے۔

تدلیس کا چوتھا بار ذکر کرتے ہیں

اس لئے تدلیس کے متعلق اصحاب حدیث کی بحث منقراً بیان کی جاتی ہے۔

تدلیس اسناد

تدلیس یہ ہے کہ آدمی جس سے ملا ہو اور کچھ نہ سنا ہو اس وہم میں مبتلا ہو کر اس سے نقل کر دے کہ میں نے اس سے یہ روایت سنی ہے۔

بعض نے تدلیس کی یہ تعریف کی ہے

کہ ان یروى عن قد سمع منه ما لم يسمع منه من غیر ان يذكر انه سمعه

تدلیس۔ جس سے کوئی روایت سنی

جواب دیا نہیں۔ نہ میں نے خود زہری سے
سنا۔ اور نہ میں نے اس سے سنا جس نے
زہری سے سنا۔ پھر کہا

حدثنی عبدالرزاق عن معمر
عن الزہری۔

اس تدلیس کو تدلیس قطع کہتے ہیں۔
(التقیید والایضاح مقدمہ ابن صلا
ص ۷۹)

تدلیس ابہام

ایک قسم تدلیس کی یہ ہے کہ غیر معروف
کنیت یا نام سے راوی کو ذکر کیا جائے
اور مقصد اس کو چھپانا ہو۔

تدلیس تسویہ

ایک اور قسم تدلیس کی یہ ہے کہ ثقہ
شیخ سے روایت بیان کرے۔ مگر اس ثقہ
شیخ سے اوپر جو راوی ہے وہ چونکہ ضعیف
اور کمزور اور ناقابل اعتبار ہے۔ اس لئے
اس کو درمیان میں سے ترک کر دے۔
اور اس ضعیف سے اوپر جو ثقہ شیخ ہے
اس سے براہ راست نسبت قائم کر دے
یعنی دو ثقہ روات کے درمیان جو ایک
ضعیف ہے اس کو نکال دے۔ یا اس
ضعیف کی جگہ ثقہ کو رکھ دے۔ اس کو

تدلیس تسویہ کہتے ہیں۔ اور یہ تدلیس کی
بدترین قسم ہے۔

اس تدلیس میں اوزاعی کے ایک
تلمیذ ولید بن مسلم مشہور ہیں۔

ابو مسہر کہتے ہیں کہ ولید اوزاعی کی
وہ احادیث بیان کرتے تھے جو اوزاعی نے
کذابین سے نقل کی ہیں۔ لیکن تدلیس کر
کے کذابین کو درمیان سے نکال دیتے تھے۔
صالح جزرہ کا بیان ہے کہ میں نے
ہیشم بن خارجہ کو ولید سے یہ کہتے سنا
ہے کہ تو نے اوزاعی کی احادیث کو تباہ
کر دیا۔

- ۱۔ یعنی الادونراعی عن نافع
- ۲۔ وعن الادونراعی عن الزہری
- ۳۔ وعن الادونراعی عن یحییٰ ابن سعید
کہتا ہے۔ دوسرے راوی تو ان اسناد کو
یوں بیان کرتے ہیں کہ

- ۱۔ عن الادونراعی عن عبد اللہ بن
عامر الاسلمی عن نافع
- ۲۔ عن الادونراعی عن الہیثم
بن مرة عن الزہری
ولید نے جواب دیا میں تو اوزاعی
کو ان ضعفاء سے نجات دلاتا ہوں۔
خطیب کا بیان ہے۔ الاشمش اور
ثوری اس تدلیس کے مرتکب تھے۔
علاقی نے کہا۔

وهذا النوع افحش انواع

تدليس بالمجهول

تدليس بالبدل

ایک تدلیس کی قسم یہ ہے کہ مجھوں
لوگوں سے روایت بیان کی جائے اس طرح کہ
یہی نہ معلوم ہو کہ یہ لوگ کون ہیں . علی بن
الحمد اسی نے اس تدلیس کی ایک مثال پیش کی
ہے .

قال حدثني حسين الاشقر حدثنا

شعيب بن عبد الله عن أبي عبد الله
عن خوف قال بت عند علي فذكر
كلاماً .

ابن المدینی نے حسین سے پوچھا یہ کس
سے سنا . اس نے کہا مجھے شعیب نے ابو
عبد اللہ سے سنا یا اور اس نے خوف سے سنا
پھر میں نے شعیب سے دریافت کیا کہ تو
نے یہ حدیث کس سے سنی تو اس نے کہا
ابو عبد اللہ حصاص سے . میں نے کہا اُس نے
کس سے . حصاص نے کہا حماد القصار سے
پھر میں حماد سے جا کر ملا . اس سے پوچھا
تو نے یہ حدیث کس سے سنی اس نے کہا
فرقہ السنخی سے پہنچی ہے اور اس نے خوف
سے سنی ہے .

یہ تدلیس شعیب نے تین آدمیوں

سے کی ہے . ابو عبد اللہ مجھوں ہے . حماد کا
پتہ نہیں کون ہے . حماد کو فرقہ سے پہنچی

مدلسین کا ایک گروہ ایسا بھی ہے جو
بعض اساتذہ سے کثرت سے روایات لیتے
ہیں . لیکن ان روایات کو دوسرے مشہور اساتذہ
کی طرف نسبت کر دیتے ہیں جن سے یہ
روایات سنی ہی نہیں .

یہ سب اقسام تدلیس اسناد ہیں

(تدریب الراوی ص ۱۴۲)

اگر راوی لفظ محتمل سے بیان کرے
تو مرسل ہے اور قابل قبول نہیں ہے . اور
اگر سمعت وغیرہ سے بیان کرے تو حجت
ہے . اور قابل قبول ہے . اس قسم کی تدلیس
صحیحین میں بھی پائی جاتی ہے . مثلاً قتادہ
سے سفیان سے . ان کے علاوہ اوروں سے
بھی . جیسے عبد الرزاق سے . ولید بن
مسلم سے (تدریب الراوی ص ۱۴۲)

ابن مندہ نے تو امام بخاریؒ کو بھی
مدلس قرار دیا ہے . مثلاً قال لنا فلان
یہ اجازت ہے . وقال فلان . یہ تدلیس
ہے . لیکن علماء نے ابن مندہ کے قول کو
قبول نہیں کیا .

اس کے بعد صاحب التقييد والايضاح

نے کہا

لكن سياقي في النوع الحادي عشر

مايدلك على ان البخاري قد يذكرك
الشيء من بعض شيوخه ويكون
بينهما واسطتا . وهذا هو التدليس
(مقدم ابن صلاح ص ۷۹)

عنقریب ہی گیارہویں نوع میں آئے گا
جو تم پر عیاں کر دے گا کہ بخاری کہیں اپنے
بعض شیوخ سے کسی روایت کا ذکر کرتے
ہیں اور بخاری میں اور اس کے شیخ میں کوئی
واسطہ ہوتا ہے جس کا بخاری ذکر نہیں کرتے
اسی کو تو تدلیس کہتے ہیں ۔

تدلیس تلفیق

دو روایتیں دو اسناد سے ہوں ان
کو ملا کر ایک اسناد سے بیان کیا جائے ۔

تدلیس بالعطف

پہلے ایک شیخ کا ذکر کیا جائے جس
سے روایت سنی ہو پھر اس پر دوسرے شیخ
کا عطف کیا جائے جس سے روایت نہ
سنی ہو اس کے بعد روایت بیان کی جائے

تدلیس کے اسباب

تدلیس کے مختلف اسباب ہوتے ہیں
۱۔ استاد کا ضعیف ہونا ۔

۲ استاد کا علم میں چھوٹا ہونا
۳ متاخر الوفا ہونا
۴ یا کسی استاد سے بہت سنا ہو اور
زیادہ تکرار پسند نہ ہو
یہ سب دانستہ تدلیس کے اسباب
ہیں ۔

احکام تدلیس

تدلیس ہر حال میں مذموم ہے
شعبہ نے ایسے لوگوں کی بے حد مذمت کی
ہے یہاں تک کہہ دیا کہ

لَا تَزْنِ اَنْتَ اَوْ اَبَاكَ اَوْ اُمَّكَ اَوْ
ادلس ۔ میں زنا کے ارتکاب کو تدلیس سے بہتر خیال کرتا ہوں
امام شافعی رحمہ نے فرمایا : تدلیس برادر
کذب ہے ۔ التمدلیس اخو الکذب ۔

ایک فریق نے کہا کہ مدلس کی روایت
قبول ہی نہ کی جائے چاہے بیان کرے یا
نہ کرے ۔ بعض نے کہا معنعنہ مدلس ہر
حال میں قابل رد ہے ۔

بیہقی نے امام شافعی اور دوسرے
اہل علم سے نقل کیا کہ معنعنہ مدلس مقبول
نہیں ۔ طبرانی میں جتنی روایات عبدالرزاق
سے منقول ہیں ۔ بیشتر مستنکر ہیں ۔ اس کی
وجہ یہ ہے کہ صنعاء میں طبرانی کو ایسے
اساتذہ ملے جنہوں نے عبدالرزاق سے
ان کا دماغ چل جانے کے بعد سنا تھا

الدہری توان کی وفات کے وقت سات
سال کا تھا (تدریب و مقدمہ ابن صلاح)

عود الی المقصود

غرض یہ کہ عبدالرزاق کی یہ روایت عنینے
سے بیان کی گئی ہے۔ یہ روایت انقطاع
کی وجہ سے ناقابل اعتماد ہے۔ محض اس
روایت پر بھروسہ نہیں کیا جاسکتا۔ نہ ہری کا
عدم سماع بتلا رہا ہے کہ اصل میں یہ روایت
ہشام ہے۔

پھر نہ ہری کی روایت کا کوئی مؤید نہیں
معمر کے سوا نہ ہری سے اسے کوئی نقل نہیں
کرتا۔ نہ ہری کے سینکڑوں شاگرد ہیں۔ لیکن
صرف معمرا اس روایت کو ان سے بیان کرتے
ہیں اور کوئی بیان نہیں کرتا۔ اسی طرح معمرا سے
عبدالرزاق کے سوا اسے کوئی اور بیان نہیں
کرتا۔

علیٰ ہذا عبدالرزاق سے نیچے اس کا کوئی
مؤید اور شاہد نہیں۔ عبدالرزاق سے صرف عبد
بن حمید نقل کرتے ہیں۔ مسلم کے سوا کسی حدیث
کی کتاب میں یہ روایت نہ ہری نہیں ہے۔
نہ ہری امام وقت ہیں۔ ان کے تلامیذ
میں مدینے کے اور دنیا شے اسلام کے بڑے
بڑے ائمہ شامل ہیں۔ امام مالکؒ ان سے
روایت بیان کرتے ہیں۔ سفیانان ان کے
تلامیذ میں سے ہیں۔ لہذا اس روایت کی سعادت

سے سب محروم رہے۔ اصحاب نہ ہری
میں سے محمد بن اسحاق، امام مالک،
سفیانان اور الزبیری کوئی بھی بیان نہیں
کرتا اور الزبیری تو دس سال رسالہ میں
نہ ہری کے پاس رہے ہیں۔ پھر بھی یہ سعادت
روایت نصیب نہ ہوئی تو صرف معمرا کو نصیب
ہوئی۔ حالانکہ یہ معمرا بالکل ان کے اخیر عمر
میں رضافہ جا کر محض ایک دفعہ ان سے ملے
ہیں۔ اسی وقت ان سے کچھ اخذ کیا ہے
اپنے مالکوں کی تجارت کے سلسلہ میں
گئے تھے کتنا وقت ملا ہوگا کہ علم حاصل
کر لیتے۔ نہ ہری نے وقتی طور پر کوئی چھوٹا
موٹا صحیفہ دے دیا ہوگا اور اس کی احادیث
ویدی ہوں گی۔ اسی کے بھروسے پر نہ ہری
کے سب سے معتمد راوی بن گئے۔

آخر عمر میں نہ ہری کا حافظہ جواب
دے گیا تھا جیسا کہ ایما امراۃ...
والی روایت کے بارے میں ابن جریر کے
بیان سے ظاہر ہے۔

یہ معمرا امام مالک کے ہم عمر ہیں۔
امام مالک ساری عمر مدینے میں رہے
نہ ہری سے سینکڑوں روایتیں لیں۔ مدنی
ہونے اور آزاد ہونے کی وجہ سے ہر
وقت اخذ علم کے مواقع تھے اور نہ ہری
سے اخذ کیا لیکن یہ روایت نہ ہری سے انہیں
نہ مل سکی۔ ملی تو کیسے ملی۔ بصرے کا ایک
غلام اپنے آقا کی تجارت کے لئے مدینہ

بن عروہ کی روایت ہے۔ اس پر گفتگو بخاری کی روایت کے ضمن میں ہوگی۔

دوسری روایت اسود بن یزید والی روایت ہے جس پر مفصل بحث مسلم کی روایت اسود کے ذیل میں ہو چکی ہے۔

تیسری روایت کی سند پر اجمالی نظر ڈال لیتے ہیں۔

اول تو یہ سند مرسل ہے۔

حدثنا عبد اللہ ثنی ابی ثنا محمد بن بشر قال حدثنا محمد بن عمرو قال حدثنا ابو سلمة و یحییٰ قال لساہلکت الخ

۱۔ یحییٰ

یحییٰ مجہول ہے اس سے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ اس سے کونسا یحییٰ مراد ہے۔ آیا یحییٰ بن عروہ مراد ہے، یا یحییٰ بن عبد الرحمن بن عوف مراد ہے، یا یحییٰ بن عبد الرحمن بن حاطب بن بلتعہ مراد ہے۔ صاحب مجمع الزوائد نے سند میں یہ تصریح کی ہے۔

طبرانی میں یہ روایت آئی ہے۔ اس نے بھی یحییٰ بن عبد الرحمن بن حاطب لکھا ہے۔ صاحب مجمع الزوائد نے طبرانی سے نقل کیا ہے :-

عن ابی سلمة و یحییٰ

آیا۔ وقت نکال کر زہری کی زیادت کے لئے رضافہ کیا اور یہ نادر روایت جس سے زہری نے اپنے کسی تلمیذ کو بھی آج تک آگاہ نہیں کیا تھا لے آیا۔ پھر آگے معمر نے یہ روایت متبرکہ سینے میں مقفل رکھی اور اپنے تمام تلامذہ میں سے یہ امانت صرف عبد الرزاق کے سپرد کی۔ پھر آگے عبد الرزاق نے یہ امانت محض عبد بن حمید کو دی۔ زہری غریب کو تو اس روایت کا پتہ ہی نہیں

امام مالک روایت کے قبول کرنے میں بہت محتاط تھے۔ امام مالک نے تو اس روایت کے اصل راوی ہشام سے بھی اس روایت کو قبول نہیں کیا۔ بلکہ اس قسم کی روایات بیان کرنے پر ہشام بن عروہ پر باوجود شیخ ہونے کے ناراضگی کا اظہار فرمایا جیسا کہ آگے آتا ہے چنانچہ ایک موقع پر امام مالک نے فرمایا تھا کہ

لیس کل الناس یکتب عنہم وان کان لہم فضل فی انفسہم انما ہی اخبار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فلا تاخذوا ہا الامن اہلہا (امانی الاحبار ص ۳۲۶)

۶۔ متابع شاہد ششم عبد اللہ دیندار

امام احمد کے مسند کی پہلی روایت ہشام

ابن عبدالرحمن بن حاطب
مسند کی دوسری روایات میں جو محمد
بن عمرو عن یحییٰ ہیں۔ ان میں یحییٰ بن عبدالرحمن

محمد بن عمر غلط ہے

اس سند میں ایک تصحیف یہ ہے
کہ محمد بن عمرو ہے۔ اس میں بھی یہی اشتباہ
ہے کہ اس محمد بن عمرو سے کون مراد ہے۔
مشہور محمد بن عمرو تو محمد بن عمرو واقدی
ہے۔ لیکن یہاں اس سند میں واقدی مراد
نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ ہر

اول تو امام احمد کے نزدیک واقدی
متروک ہیں۔ جیسا کہ ہم ابوسلمہ کی روایت
کے ضمن میں بیان کر چکے ہیں۔

دوسرے واقدی امام احمد کے ہم عصر
ہیں۔ امام احمد کی پیدائش ۱۶۴ھ کی ہے
اور واقدی کی وفات ۲۰۰ھ میں ہوئی۔
واقدی قاضی بغداد تھے۔ امام احمد بغداد
کے رہنے والے ہیں تو ان سے اگر یہ روایت
ہوتی تو براہ راست ہوتی۔ لیکن اس سند
میں امام احمد اور محمد بن عمرو میں ایک واسطہ
محمد بن بشر کا موجود ہے جس سے ظاہر ہوتا
ہے کہ یہ محمد بن عمرو امام صاحب کا معاصر
نہیں بلکہ اوپر کے طبقے کا کوئی اور محمد بن
عمرو ہے۔

اور اگر اسی پر اصرار کیا جائے کہ اس

سے واقدی ہی مراد ہے تو اس صورت میں
یہ روایت علاوہ مرسل ہونے کے منقطع
بھی ہو جاتی ہے۔ اس لئے کہ ابوسلمہ کی وفات
۱۴۲ھ میں ہوئی۔ یحییٰ بن عبدالرحمن بن حاطب
کی وفات ۱۴۲ھ میں ہوئی۔ محمد بن عمر
واقدی کی پیدائش ۱۴۲ھ میں ہوئی لہذا
محمد بن عمرو واقدی کا سماع ان سے ممکن ہی
نہیں

علاوہ ازیں اس دور اور طبقہ میں کوئی
اور محمد بن عمرو مشائخ میں سے نہیں ہے
اس مشکل کو صاحب مجمع الزوائد نے
حل کر دیا ہے۔ انہوں نے اس روایت
کے آخر میں تصریح کی ہے۔

وفیه محمد بن عمرو بن
علقتی ثقة غیر واحد و
بقیة رجالہ رجال الصحیح
(مجمع الزوائد ص ۲۲۷ جلد ۹)
اس سے معلوم ہوا کہ یہ محمد بن عمر
نہیں بلکہ محمد بن عمرو ہے۔ کتابت میں
واؤ رہ گئی۔ اس کے علاوہ وہ مسند
کی دوسری روایات میں جو اس اسناد
سے منقول ہیں محمد بن عمرو ہے۔

۲۔ محمد بن بشر

یہ محمد بن بشر بھی مجہول ہے
علاوہ ازیں محمد بن بشر سے مراد عام

طور سے محمد بن السائب کلبی ہوتے ہیں جیسا کہ حافظ ابن حجر نے شرح منجۃ الفکر میں لکھا ہے لیکن یہاں کلبی مراد نہیں ہو سکتے اس لئے کہ وہ ۱۴۶ھ میں وفات پا چکے تھے۔ اور امام احمد کی پیدائش ۱۶۴ھ میں ہوئی۔ امام احمد کی ان سے نہ معاشرت ہے اور نہ سماع۔ اس لئے اس محمد بن بشر سے مراد امام احمد کے شیخ محمد بن بشر العبیدی الکوفی ہیں۔

سند کے ضعف و قوت پر

روایت کے ضعف و قوت کا دار و مدار ہے۔

اس مرسل روایت میں وہی بنت ستاسنین۔ وہی بنت تسح سنین کا اضافہ انہی محمد بن بشر کا اضافہ معلوم ہوتا ہے۔ انہوں نے روایت ہشام سے متاثر ہو کر یہ اضافہ کیا ہے۔

محمد بن عمرو بن علقمہ حسب تصریح مجمع الزوائد متکلم فیہ ہوں گے لیکن یہ ان کا اضافہ نہیں ہے۔ اس لئے کہ ان کے دور کے بالکل آخر میں یہ روایت منظر عام پر آئی ہے۔ اور اسی لئے اس دور کے اکابر نے اسے نہ قبول کیا نہ روایت کیا۔ ذیل کے نقشہ سے ان کے ادوار کا اندازہ ہو جائے گا۔

ابو سلمہ بن عبد الرحمن بن عوف ولادت ۲۴۷ھ وفات ۹۴ھ

یحییٰ بن عبد الرحمن بن حاطب بن بلتغہ ولادت خلافت عثمان وفات ۱۰۴ھ
محمد بن عمرو بن علقمہ بن وقاص طبقہ سادہ ولادت ۱۴۴ھ وفات ۱۴۵ھ
محمد بن بشر العبیدی الکوفی طبقہ تاسعہ ولادت ۲۰۳ھ وفات ۲۰۳ھ
امام احمد طبقہ عاشرہ ولادت ۱۶۴ھ وفات ۲۴۱ھ
عبداللہ بن احمد طبقہ ثانی عشر ولادت ۲۲۴ھ وفات ۲۹۰ھ

اصل روایت

یعنی روایت ہشام بن عروہ پر بحث

اب ہم ہشام بن عروہ کی روایت تزوج کو لیتے ہیں جس کو تمام اصحاب سنن نے اپنی کتب میں روایت الباب قرار دیا ہے۔ اور ہمارے نزدیک بھی اس باب میں یہی اصل روایت ہے لیکن ناقص ہے۔ یہ روایت تزوج ہشام سے بحد شہرت منقول ہے۔ بلکہ بعض نے تو قریب المتواتر بھی کہہ دیا ہے۔

ہشام کے نیچے اس کے بعض رواۃ پر نقد و جرح کے اعتبار سے بحث ہو سکتی ہے۔ لیکن اس قسم کی جرح سے اس روایت کے ہشام سے منقول ہونے پر کوئی

علی بن مسہر

بخاری کی پہلی روایت جو اُمّ الروایات ہے اس کو ہشام سے بیان کرنے والے محض ایک راوی علی بن مسہر ہیں۔ اور سند یہ ہے۔

حدثني فروة بن ابی المغراء قال حدثني علی بن مسهر عن هشام بن عروة عن ابیہ عن عائشة ر

تلامیذ علی بن مسہر

پھر آگے علی ابن مسہر سے اس روایت کو بیان کرنے والے تین راوی ہیں۔
۱۔ فروہ بن ابی المغراء۔ ان سے یہ روایت بخاری میں مذکور ہے۔
۲۔ اسماعیل بن خلیل۔ جن سے یہ روایت سنن دارمی میں آئی ہے۔

۳۔ سوید بن سعید جن سے یہ روایت ابن ماجہ میں منقول ہے۔

تفصیل

فروہ بن ابی المغراء

فروہ بن ابی المغراء صدوق ہیں اور کوفی ہیں۔ وفات ۲۲۵ھ میں ہوئی۔

اثر نہیں پڑتا۔ کیونکہ پھر بھی ہشام سے بیان کرنے والے دس گیارہ معتد ثقات راوی موجود ہیں۔ اور اتنے آدمیوں کا جھوٹ پر جمع ہونا یا غلط بیانی کرنا یا بھول جانا خلاف قیاس اور خلاف عادت ہے۔ پھر ان کے نیچے بڑے بڑے ائمہ فن ہیں۔ جنہوں نے اپنی ساری عمر خدمت حدیث میں بسر کر دی ہے۔ ان پر جرح و تنقید کے نقطہ نظر سے گفتگو کرنا سورج پر مٹی ڈالنے کے مترادف ہے۔

البتہ اس روایت کی سند میں محض ہشام بن عروہ پر جرح و نقد کے اعتبار سے ہم تفصیلی بحث کریں گے۔ اور ان کے تلامیذ پر بھی اس حیثیت سے گفتگو کریں گے کہ یہ لوگ حضرت ہشام کی شخصیت سے کس طرح متاثر ہوئے اور کیوں انہوں نے اس غیر واقعی روایت کو ہشام سے قبول کر لیا۔

اس کے علاوہ خاص طور سے علی بن مسہر والی حدیث روایت پر جرح و تعدیل کے نقطہ نظر سے بھی گفتگو کریں گے۔ کیونکہ ہشام بن عروہ سے اس روایت کو نقل کرنے والے صرف یہی ایک راوی علی بن مسہر ہیں۔

ہشام جمال کے شاگرد

اس کا کچھ پتہ نہیں ہے۔ یہ دونوں راوی
کوئی ہیں

۳۔ سوید بن سعید بن سہل ہروی

سوید بن سعید بن سہل
ہروی ثم الحدثانی یقال لہ الانباری
صدوق فی نفسه۔ الا انه عمی
فصار یلقن مالیس من حدیثہ۔
عاشۃ۔ وفات ۲۴۰ھ
(تقریب التہذیب)

قال احمد

ارجو ان یكون صدوقا لا بأس

بہ۔

قال ابو حاتم :-

كان صدوقا لكن يبدلس ويكثر

بخاری :-

قد عمی فیلقن مالیس من

حدیثہ۔

يعقوب بن ابی شیبہ :-

صدوق مضطرب الحفظ لا

سیما بعد ما عمی۔

البوزرعة :-

سیء القول فیہ

امام احمد نے کہا

میں امید کرتا ہوں کہ وہ سچا ہو اس

میں کوئی حرج نہیں

دوسری طبقہ کے راوی ہیں۔
یہ مختصر جملے ان کے بارے میں

تقریب التہذیب میں درج ہیں۔ باقی
رجال کی کتابیں ان کے ذکر سے خالی ہیں۔
اور کچھ معلوم نہیں کہ یہ کام کیا کرتے تھے۔ ان
کے اقران کون تھے۔ ان کی علمی حالت کیا
تھی۔ سیرت کیسی تھی۔ کب پیدا ہوئے، کہاں
تعلیم حاصل کی۔

بس ان کی صداقت کی سب سے بڑی
دلیل یہی ہو سکتی ہے کہ بخاری نے ان سے
روایت لی ہے۔

اسماعیل بن خلیل

۲

اسماعیل بن خلیل الخزاز ابو عبد اللہ کوئی

ثقة ہیں۔ دسویں طبقہ سے ہیں۔ وفات
۲۲۵ھ میں ہوئی ہے۔

ان سے بخاری نے مباشرة الحیض میں
اور مسلم نے فضل صلوٰۃ اللیل میں۔ اور
فضل زبیر میں روایت آئی ہے۔ یہ منلوٰات
تقریب التہذیب میں درج ہیں۔ باقی
تمام کتب رجال ان کے ذکر سے خاموش
ہیں۔

بہر حال یہ فروہ سے زیادہ مشہور
ہیں۔ ریشم کی تجارت کرتے تھے۔ صحیحین
کے راوی ہیں۔ کس خاندان سے تھے۔ اور
کہاں تعلیم حاصل کی اور سیرت کیا تھی

ابو حاتم۔

سچا تھا لیکن مدلس اور مکر تھا۔

ابن معین:-

سويد بن سعيد حلال الدم

المدینی:-

لیس بشیء

نہ وہ ثقہ ہے نہ مامون

کچھ بھی نہیں۔

اندھا ہو گیا تھا تو ایسی روایت بیان
کرو تیا تھا۔ جو واقع میں اس کی روایت
نہ تھی۔

یعقوب۔

سچا تھا لیکن مضطرب الحفظ تھا
خصوصیت سے اندھا ہونے کے بعد
ابوزرعه۔

کی رائے ان کے بارے میں اچھی
نہیں تھی

ابوزرعه کا بیان ہے کہ میں نے
ابن معین سے کہا کہ سويد، ابن ابی الرجال
سے بیان کرتا ہے اور وہ عن ابی داؤد
عن نافع عن ابن عمر عن النبی
صلی اللہ علیہ وسلم قال من قال
فی دیننا براہ فاقتلوه۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

جس نے ہمارے دین میں اپنی رائے کوئی بات
کہی اسے قتل کر دو

تو ابن معین نے اس پر جواب دیا

یبتغی أن یبدأ بسويد فیتقتل

چاہیے کہ اس کو سويد سے شروع کیا

جائے پہلے اسے قتل کیا جائے۔

نسائی:-

لیس بثقة ولا مامون

ابو احمد کا بیان ہے کہ میں نے سويد
سے عیسیٰ بن یونس کی حدیث سنی جسے سويد
مالک بن عوف سے مرفوعاً بیان کرتے ہیں
تفترق هذه الامة بضعا و
سبعین فرقة شرها قوم
یقیسون الدأی یستحلون به
المحرام و یحرمون به المحلل۔

یہ امت بہتر ۷۲ فرقوں میں بٹ
جائیگی سب سے بدتر وہ فرقہ ہوگا جو
قیاس سے رائے قائم کرے گا۔ اور
اس کے ذریعے حرام کو حلال کرے گا۔
اور حلال کو حرام۔

میں نے اس پر بحث کی تم یہ حدیث
عیسیٰ بن یونس سے غلط بیان کر رہے ہو
ابن عدی کا بیان ہے کہ یہ حدیث نعیم بن
حماد سے منقول ہے جو متکلم فیہ ہے پھر اس
سے آگے خراسان کے ایک شخص حکم بن
مبارک ابو صالح خواستی نے بیان کی۔ پھر
ضعفاء کی ایک قوم جو سرقہ حدیث میں
مشہور ہیں۔ نے اڑے، مثلاً عبد الوہاب
بن ضحاک۔ نضر بن طاہر، سويد بن سعید

عن مالک عن الزهري
عن انس بن مالك عن ابي بكر
ابن النبي صلى الله عليه وسلم
احدى فرسا الى ابي جهل .

مالک سے اس نے زہری سے اس
نے انس بن مالک سے اس نے ابو بکر سے
بیشک نبی صلعم نے ایک گھوڑا ہدیۃ ابو جہل
کو بھیجا ۔

ابن معین کا قول ہے ۔
لو ان عندی رمحاً فرساً
لکنت اغزوہ . قالہ لماروی
هذا الحديث .

اگر میرے پاس نیزہ اور گھوڑا ہوتا تو
میں سوید سے جہاد کرتا ، یہ بات جب
کہی جب اس نے مذکورہ بالا حدیث بیان
کی

غرض سوید ان حالات کے پیش نظر
نا قابل اعتبار ہیں ۔ معلوم نہیں کیا کیا
خوافات علی بن مسہر سے بیان کی ہوں گی ۔
علی بن مسہر کی اپنی کتابیں تو ان کے
ساتھ دفن ہو چکی تھیں ۔ اور ان کا کوئی تلمیذ
ایسا نہیں تھا جو سوید کی تردید کر سکتا ، اس
لئے ہر غلط سلط روایت جو کہیں سے ملی تھی
علی بن مسہر کی طرف منسوب کر دی ۔

(تہذیب التہذیب)

سوید اپنے آپ کو بھی موطا امام
مالک کا ایک بلا واسطہ راوی بتاتے
ہیں ۔ مگر کہتے ہیں کہ میں نے پس و لیوار
سنا ہے ۔

سوید پرے درجے کے مدلس ہیں ۔
سوید مرفوعاً یہ حدیث بیان کرتے ہیں کہ :
عن ابي معاوية عن الاعمش عن
عطية عن ابي سعيد مرفوعاً . الحسن
والحسين سيد اشباب اهل الجنة
ابي معاوية سے اس نے اعمش سے اس
نے عطیہ سے اس نے ابو سعید سے مرفوعاً سنا
چھن اور حسین دونوں اہل جنت کے جوانوں
کے سردار ہیں ۔

ابن معین کہتے ہیں

هذا باطل عن ابي معاوية .
سوید یہ روایت مرفوعاً ابن عباس
سے بیان کرتے ہیں کہ

من عشق دكتم وعف فهو
شہید

جس نے عشق کیا اور چھپایا اور عقیف
رہا وہ شہید ہے ۔

اسی طرح علی بن مسہر سے بے سرو پا
احادیث بیان کرتے ہیں یہ

اروی الناس عن علی بن مسہر

ہیں

ان کی ایک اور حدیث بھی سن

لیجئے ۔

۴۔ علماء رجال کی نظر میں علی بن مسہر اور ان کے بھائی

علی بن مسہر قرشی کوفی قاضی موصل و
آرمینیہ تھے۔ لہ غرائب بعد
ما اصر۔

نابینا ہونے کے بعد عجیب و غریب
روایتیں بیان کرتے تھے۔

طبقہ ثمانیہ سے ہیں وفات ۱۸۹
(تہذیب التہذیب)

ابن نمیر کا بیان ہے کہ

قد دفن کتبہ وھو کثیر
الروایۃ من الکوفیین۔

اس نے اپنی کتابیں دفن کر دی
تھیں وہ کوفیوں سے کثیر الروایات ہے۔
عقیلی کا بیان ہے کہ امام احمد
جب علی بن مسہر کے متعلق دریافت کیا
کیا تو امام احمد نے فرمایا۔

لا ادعی کیف اقول۔ قال
کان قد ذهب بصرہ فکان
یحدثہم من حفظہ

(تہذیب رقم ۶۲۳ ص ۲۸۲ جلد ۱ تقریب
التہذیب ص ۳۷۵)

مجھے نہیں معلوم میں کیسے کہوں۔

اس کی بصارت جاتی رہی تھی۔ اپنے
حافظے سے حدیثیں بیان کرتے تھے۔

علی ابن مسہر اور ان کے دو بھائی حسن
اور عبدالرحمن امام ابو یوسف کے متوسلین
میں سے تھے انہی کی مہربانی سے یہ علی بن
مسہر مختلف علاقوں میں قاضی لگتے رہے
فقہ حنفی کے خوشہ چیں تھے۔ اس دور
کی سیاسی رتابت کا شکار ہو گئے۔ اور
انکھیں دے بیٹھے۔ قاضی موصل تھے کہ
اشوب چشم میں مبتلا ہو گئے۔ ان کے
مخالفوں نے کچال سے مل کر ایسی دوا نکھوں
میں ڈلوادی کہ پھر دیکھنا نصیب نہیں ہوا
بصارت بھی گئی اور عہدہ قضا بھی گیا۔
واپس آکر کوفہ میں بیٹھ رہے۔ یہ واقعہ
قاضی ابو یوسف کی زندگی ہی کا ہے۔
اپنی زندگی کے آخری دس بارہ سال
انکھوں سے محرومی میں گزارے۔ اس
حالت میں جو روایت بیان کرتے تھے۔
اس کی صحت کی تو کوئی صورت تھی ہی
نہیں۔ اس میں رطب و یابس سب
ہی کچھ ہوتا تھا۔ آخر میں ویسے بھی
حافظہ جواب دے جاتا ہے۔ پھر ان
مصائب کی موجودگی میں جن سے علی بن
مسہر دوچار تھے۔

علاوہ ازیں نوجوان طلاب ماضی کی
مبالغہ آمیز اور نادر روایات کو بہت پسند

کرتے ہیں۔ اس لئے بھی قاضی علی بن مسہر نے ایسی روایات شروع کی ہوں گی۔ اس حالت میں قاضی صاحب موصوف اس وقت کی اعلیٰ سوسائٹی سے منقطع ہو چکے تھے اس لئے ان کے پاس تلامیذ بھی ایسے ہی آتے ہوں گے جن کے لئے ایسے شخص سے بھی علم حاصل کر لینا غنیمت ہوگا۔

ان کے ایک بھائی عبدالرحمن بن مسہر قاضی ابو یوسف کی مہربانی سے قاضی جبل تھے۔ ہارون الرشید ایک مرتبہ بصرے گیا۔ قاضی ابو یوسف ہارون کے ساتھ بٹھے۔ قاضی عبدالرحمن نے جبل کے لوگوں سے کہا کہ آپ لوگ میرے ساتھ چلیں اور ہارون سے میری تعریف کریں کہ قاضی جبل اچھا آدمی ہے، بڑا منصف ہے

پہلے تو لوگوں نے ہاں کر لی۔ مگر بعد میں جواب دیدیا۔ قاضی صاحب فرماتے ہیں کہ میں نے ہمت نہ ماری، داڑھی درست کر کے اکیلا ہی حراۃ میں جا کر ہارون اور قاضی ابو یوسف کے پاس پہنچ گیا۔ میں نے رشید سے کہا قاضی جبل نہایت منصف اور بہترین آدمی ہے، قاضی ابو یوسف گردن جھکائے ہنستے رہے۔ رشید نے ہنسی کا سبب پوچھا امام ابو یوسف نے بتلادیا کہ یہ شخص خود قاضی جبل ہے۔ رشید ہنسا اور کہا کہ هذا الشيخ سخیف غیف العقل سفلة۔ اس کو قضا جبل

سے معزول کر دو۔ چنانچہ معزول کر دیا گیا۔ پھر میں امام ابو یوسف کے پاس جاتا رہا کہ کم از کم مجھے ناحیہ ہی کا قاضی بنا دو۔ مگر انہوں نے میری درخواست نہیں مانی۔ اس پر میں نے یہ روایت بیان کرنی شروع کر دی :-

عن مجالد عن الشعبي ان كنية الدجال ابو يوسف - یہ روایت امام ابو یوسف تک بھی پہنچ گئی۔ انہوں نے فرمایا اچھا ذلک بتلک

غرض یہ اُس دور کے حالات کا اور ان قاضی عبدالرحمن کے گھرانے کا ایک نمونہ ہے۔ بہت ممکن ہے کہ قاضی علی بن مسہر ایسے نہ ہوں لیکن جب ائمہ رجال کی شہادت ہے کہ لہ غرائب بعد ما انصر تو وہ غرائب اسی قسم کے ہوں گے۔

علی بن مسہر نے نابینا حالت میں یہ روایت بیان کی

علی بن مسہر کے ان تین تلامیذ نے اگر یہ روایت ان سے سنی ہے تو ان کے نابینا ہونے کے بعد بالکل آخر میں سنی ہے۔ اس لئے کہ علی بن مسہر کی وفات ۱۸۹ھ میں ہوئی۔ وفات سے کافی عرصہ پہلے وہ نابینا ہو چکے تھے۔ فرد اور اسماعیل کی وفات ۲۲۵ھ میں ہوئی۔ اس لحاظ

دوسروں کو دیدی۔ کیونکہ تینوں رواۃ سے
تینوں کتابوں میں ایک آدھ لفظ کے اول
بدل کے ساتھ ایک ہی روایت ہے۔

یہ روایت منظر عام پر کب آئی

علی بن مسہر نے اس روایت کو ۱۸۵
کے بعد ترتیب دے کر اپنے استاد ہشام
بن عروہ کے واسطے سے اپنے ان تین تلامیذ
میں سے کسی ایک کو یا تینوں کو سنایا اور
انہوں نے اسے لکھ لیا ۱۸۵ء سے پہلے
اس روایت کا وجود قطعاً ہے نہیں۔

۱۸۵ء سے پہلے اس روایت
کا وجود ہی نہیں

جو لوگ ۱۸۵ء سے پہلے وفات پا
گئے وہ اس روایت سے بالکل بے خبر
گئے جو کتابیں ۱۸۵ء سے پہلے لکھی
گئیں ان میں اس روایت کا وجود ہی
نہیں، علی بن مسہر کے ان تلامیذ نے بھی
یہ روایت فوراً ہی بیان کرنی
م شروع نہیں کی، بلکہ ویر سے شروع کی۔
بخاری نے یہ روایت فروہ سے
کم سے کم ۲۲۰ء کے بعد سنی ہوگی، کیونکہ
بخاری کا پہلا سفر کوفہ ۲۱۲ء میں ہے
اسی طرح دارمی نے اسمعیل بن خلیل

سے شیخ کی وفات اور ان کی وفات میں
۳۶ سال کا فرق ہے۔ تو سماعت تو اس
سے پہلے ہی ہوگی تقریباً چار سال وفات
سے پہلے مانیں تو ان کی اپنی وفات سے
چالیس سال پہلے سماعت متحقق ہو جاتی ہے
چونکہ ان کی پیدائش معلوم نہیں اس لئے
اگر ان کی عمر وفات کے وقت ۶۵ سال
مان لیں تو انہوں نے علی بن مسہر سے اس وقت
سنا جب ان کی عمر ۶۵ سال کی ہوگی اور علی
بن مسہر کی عمر ۷۰، ۷۱، ۷۲ سال تھی اور علی
بن مسہر کی اس وقت کی روایت کا اعتبار
نہیں۔ اس لئے کہ اس وقت یہ عجیب و
غریب روایات بیان کرنے لگ گئے تھے

امام احمد نے اسی لئے ان کے بارے میں
توقف فرمایا اور سائل کو یہ جواب دیا
کہ نابینا ہونے کی وجہ سے زبانی حدیثیں
بیان کرتے تھے۔ اور زبانی روایات میں
غلطیاں ہوتی ہی ہیں

سوید بن سعید کی وفات اور ان کے
سماع میں پچاس سال کا فرق ہو گیا تھا۔
ان کے متعلق تو یقین کے ساتھ نہیں کہا جا
سکتا کہ آیا یہ روایت انہوں نے کسی اور سے
سنی اور منسوب علی بن مسہر کی طرف کر دی
یا انہی سے سنی تو حالت نابینائی میں سنی
ہوگی، معلوم یہی ہوتا ہے کہ ان تینوں میں
سے کسی ایک نے یہ روایت علی بن مسہر سے
سنی اور اسے لکھ لیا، پھر یہ تحریری روایت

روایت کے کتاب الآثار للامین بیان سے خالی ہیں۔ حالانکہ جو روایت ایسے نادور مضمون پر مشتمل ہو اسے تو شروع ہی سے عام ہونا چاہیے تھا۔

دو سو سال بعد منظر عام پر آئی۔

ہر دور اور ہر طبقہ میں اس کے ایک دو راوی ہونے چاہئیں تھے۔ نہ یہ کہ پورے دو سو سال تک یہ روایت پردہ خفا میں رہی۔ اور دوسری صدی ہجری کے آخر میں ایک کو فی شیخ فانی ضریر کے دماغ سے باہر آئی۔ اور کوفہ کے دو غیر معروف نوجوانوں کو اور ایک غیر کو فی کو یہ روایت ملی جس کا سراپا آپ صفحات ماضی میں ملاحظہ فرما چکے ہیں۔ اور پھر یہ تینوں بھی اسے تبرک خیال کر کے اس کی عام روایت نہیں کرتے۔ بلکہ چالیس سال بعد جا کر طبقہ عاشرہ کے نوجوان طلبہ کے سامنے اس نادور روایت کا ذکر کرتے ہیں۔ اور وہ جوان طلبہ اس طبقہ عاشرہ کے ان تین بزرگوں سے متاثر ہو کر اور اسے یعنی روایت تزوج کو ہشام بن عروہ کی روایت خیال کر کے اور نادور روایت سمجھ کر نیز اسے قیاس ہشام کا مؤید جان کر اسے قبول کر لیتے ہیں

سے یہ روایت تقریباً اسی زمانہ میں سنی ہو گئی ان دونوں شیوخ کی وفات ۲۲۵ھ میں ہوئی ہے۔ اور دارمی و بخاری کی وفات علی الترتیب ۲۵۵ھ اور ۲۵۶ھ میں ہوئی ہے۔ یہ دونوں ہم عصر ہیں۔ ان دونوں کی تالیفات کا زمانہ بھی ایک ہی ہے یعنی ۲۴۰ھ کے بعد

ابن ماجہ نے یہ روایت سوید سے تقریباً ۲۳۵ھ کے قریب سنی ہو گئی۔ اور اپنی کتاب میں ۲۵۰ھ کے بعد لکھی۔ تو اس روایت کے منظر عام پر آنے کا زمانہ تیسری صدی کا چوتھا عشرہ ہے۔ سب سے پہلے اس کو دارمی نے پھر بخاری نے اپنی اپنی سنن میں لکھا

مقتدین کی کتابیں اس روایت سے خالی ہیں۔

اور جو کتابیں اس سے پہلے لکھی گئیں مثلاً مسانید امام اعظم، سیرت ابن اسحاق ۳۔ جامع معمر ۴۔ مؤطا امام مالک ۵۔ مؤطا امام محمد ۶۔ کتاب الآثار للامین ان میں اس روایت کا کوئی ذکر نہیں ہے ۸۔ مصنف عبد الرزاق ۹۔ مسند البزازی طرابلسی ۱۰۔ طبقات ابن سعد ۱۱۔ سیرت نبویہ لابن ہشام ۱۲۔ کتاب الامم ۱۳۔ مسند امام احمد ۱۴۔ حتی کہ طبری بھی اس

تو ان کی عمر کے ہر دور میں ہونے چاہئیں تھے
ورنہ پھر عراق کے سفر میں تو کم از کم علی بن مسہر
کے سوا دو چار اور ہوتے۔

پھر علی بن مسہر نے اپنی جوانی سے لے
کر بڑھا پے تک کسی کو بھی یہ روایت نہیں
سنائی بالکل اخیر عمر میں کھیا کے نسخے کی
طرح ان کے تین تلامیذ کو یہ سعادت
ملی کہ ان سے یہ روایت ان تک منتقل
ہو گئی۔

پھر اس طبقہ میں بھی یہ روایت عام
نہ ہوئی بلکہ اگلے طبقہ میں آ کر یہ منظر عام پر
آئی، اور نہ کچھ ہوتا تو علی بن مسہر کے طبقہ
تاسعہ میں اور بعد ازاں طبقہ عاشقہ میں
یہ روایت عام ہوتی۔ اس دور کے مصنفین
کی کتابوں میں اس کا اندراج ہوتا۔ مگر یہ
طبقات بھی اس کے وجود سے خالی ہیں۔

حالانکہ عام طور سے یہ ہوتا ہے کہ ایک
طبقہ کی روایت اسی طبقہ میں اور اس سے
اگلے طبقہ میں معروف ہوتی ہے۔ اس
وقت تو ایک ایک روایت کے لئے
طویل سفر کرتے تھے۔

کو نہ مرکز علم تھا۔ مگر اس مرکز علم میں
اس طبقہ میں علی بن مسہر کے سوا کوئی اس
سے واقف نہیں تھا۔ نویں طبقہ کے کسی
راوی نے یہ روایت علی بن مسہر سے نہیں لی
دسویں طبقہ کے تین راویوں تک یہ
روایت پہنچی۔

اور اپنی تصانیف میں درج کرنے کے لئے اپنے
ذخیرہ علم میں سے اسے منتخب کرتے ہیں۔
ہمارے نزدیک تو یہ روایت بالکل
مشکوک بلکہ ہراسر بے اصل ہے۔

علی بن مسہر کو ہشام بن عروہ سے اس
سلسلہ میں اگر کچھ ملا ہوگا تو چند اشارے
ملے ہوں گے جن کو انہوں نے ہشام کی وفات
کے چالیس سال بعد پھیل کر یہ شکل دے
دی۔ اور انہی اشاروں میں وانا یومئذ
بنت تسع بھی ہوگا جس پر ہشام کے قیاس
کی بنیاد ہے۔

آخر جب کوفہ میں ہشام نے اپنے
استنباط کا بشکل روایت اعلان کیا، تو اس
کے راوی تو کوفہ کے سات اور حفاظ حدیث
بھی ہیں۔ اور بصرے کے چار حفاظ ہیں۔
لیکن اس ہجرت والی روایت کا ان میں
سے ایک بھی راوی نہیں۔

پھر اس کے بعد ہشام عرصے تک عراق
میں گھومتے رہے۔ حتیٰ کہ بغداد جا کر اسی
سفر میں وفات پائی۔ کیا علی بن مسہر
کے سوا کوئی راوی اس روایت کو ان سے نہ سن
سکا ایک علی بن مسہر ہی تمام عراق میں بلکہ تمام
عالم اسلام میں ایسے خوش قسمت تھے جن کو
ہشام سے یہ نادر تحفہ مل سکا۔ اور سارا عالم
اسلام اس روایت کی سعادت سے محروم
رہا۔

اس روایت کے راوی ہشام سے اول

یہ روایت ترمذی کی روایت کے آخر
میں الحاق ہے۔

ابو اسامہ کی طرف اسکی
نسبت تدلیس ہے۔

ابن سعد، کان ثقہ مامونا
کثیر الحدیث مدلس۔
ثقہ تھا مامون تھا حدیثیں بہت بیان
کرتا تھا اور مدلس تھا۔

سفیان بن وکیع :- انی لا عجب
کیف جانا حدیث ابی اسامہ . دکان
امره بینا دکان من اسرق الناس
بحدیث جید . دکان مرواہ من
ہشام (تہذیب التہذیب جلد ۳
ص ۳ ذکر حماد بن ناید)

مجھے تعجب ہے ابو اسامہ کی حدیث
کیسے جائز ہے اس کا معاملہ واضح ہے
وہ اچھی حدیث کا سب سے بڑا چور تھا
اور ایسی روایت کو ہشام سے بیان کرتا تھا
اس سے ظاہر ہے کہ یہ ہر اچھی روایت
کو لے کر ہشام سے بیان کرنا شروع کر
دیتے تھے . صورت یہ ہوتی تھی کہ روایت
توان کے خیال میں اپنی سند سے ثابت ہوتی
تھی . یہ محض درمیان سے زائد واسطوں
کو نکال کر اصل راوی ہشام کی طرف
نسبت کر دیتے تھے .

ابو اسامہ کے نزدیک یہ روایت
ان کے شیخ ہشام کی تھی . اس لئے علی

رہ گئی یہ بات کہ مسلم میں اس روایت
کو ابو کریب اور ابو بکر بن ابی شیبہ کے حوالہ
سے ابو اسامہ عن ہشام بیان کیا گیا ہے .
تو چونکہ اس روایت کے اصل مصنف
علی بن مسہر ہیں اس لئے اس کی نسبت
ابو اسامہ کی طرف تدلیس ہے .

یا ایک ضعیف احتمال یہ بھی ہے کہ
علی بن مسہر کے مذکورہ بالا تین تلامذہ میں سے
کسی ایک سے خود ابو اسامہ نے یہ روایت سنی
ہو . ابو اسامہ کی وفات ۲۱۰ھ میں ہوئی .
یہ علی بن مسہر کی وفات کے بعد بارہ سال
زندہ رہے . پھر ابو اسامہ نے اس تلمیذ
اور علی ابن مسہر کو درمیان سے نکال کر
استنباط ہشام (جس کے وہ خود براہ
راست ہشام سے راوی ہیں) کے اخیر میں
اس کو لاحق کر کے ہشام سے بیان کرنا شروع
کر دیا .

ابو اسامہ کوفہ کے محدث ہیں . ان
کے متعلق علماء رجال نے اچھی آراء کا اظہار
کیا ہے . لیکن کوفہ والوں کا عام مرض
تدلیس ان میں بھی تھا .

بن مسہر کو مع ان کے تلمیذ کے درمیان
سے نکال براہ راست شیخ سے روایت
شروع کر دی۔

تدلیس کو فہ والوں میں عام تھی

یہ طریقہ کوفہ والوں میں عام تھا مثلاً
سفیان بن عیینہ نے ایک روایت زہری
بیان کرنی شروع کی۔ درمیان میں ایک صاحب
نے پوچھ لیا آپ نے خود زہری سے یہ
روایت سنی ہے تو وہ اس سوال پر خاموش
ہو گئے تھوڑی دیر بعد پھر کہا

قال الزہری۔ اس پر سائل نے
پھر وہی سوال لوٹایا سفیان نے کہا
لا، انی لست سمع من الزہری
ولا عن سمع من الزہری
بل حدثنی عبدالرزاق عن معمر
عن الزہری

سفیان نے کہا نہیں میں نے زہری
سے نہیں سنا اور نہ اس شخص سے سنا
جس نے زہری سے سنا بلکہ مجھ سے حدیث
بیان کی عبدالرزاق نے معمر سے اس نے
زہری سے۔

پھر آگے یہ روایت ابواسامہ سے ان
کے دو معتبر راویوں کو پہنچی اور ان کے مہرے
پر مسلم نے اس کو روایت ہشام بذریعہ

ابواسامہ خیال کرتے ہوئے اپنی کتاب میں
بیان کیا اور یہ سمجھا کہ بخاری میں تو یہ روایت
ہشام علی بن مسہر کے ذریعہ آئی، میں اسی روایت
ہشام کو ابواسامہ کے ذریعے کیوں نہ لاؤں۔
تاکہ سند بدل جائے اور تعدد طرق بھی ہو
جائے۔

یا پھر یہ روایت ابو کریم اور ابو بکر
کو انہی مذکورہ بالا تین رواۃ میں سے کسی
سے پہنچی اور انہوں نے اس کو تدلیساً ابواسامہ
کی طرف نسبت کر دیا۔ درمیان سے ان
دو واسطوں کو نکال دیا جن سے اصل
میں یہ روایت منقول ہے۔

بہر حال طبقہ عاشرہ میں اس
روایت کے پانچ راوی ہو گئے جن سے
یہ روایت حدیث کی چار کتابوں میں آ
گئی ہے۔

مسلم کی اس روایت میں انا یومئذ نہیں

مسلم کے دو راوی حفاظ حدیث،
کوفی اور نہایت قابل اعتماد ہیں لیکن
تدلیس ہیں۔ ان کی روایت کے اخیر میں
اصل جملہ وانا یومئذ جو جان روایت
ہے موجود نہیں ہے، یہ روایت وہی
ہے جو بخاری میں ہے اور تحریری زبان
میں ہے۔

ہم تسلیم کر لیتے ہیں کہ یہ روایت قابل اعتماد ہیں۔ کیونکہ یہ لوگ بخاری اور دارمی وغیرہ کے اساتذہ ہیں۔ لیکن اس سے اس روایت کی صحت لازم نہیں آتی۔ کیونکہ اس روایت کے اصل راوی تو علی بن مسہر ہیں جو نابینا ہونے کی حالت میں خود ناقابل اعتماد ہیں۔

اس کے علاوہ پوری تاریخ میں اس روایت کا کوئی مؤید نہیں۔ تیسرے انہوں نے اپنی کتابوں کی کسی کو ہوا نہیں دی اور انہیں اپنے ساتھ ہی قبروں میں لے گئے۔

اس روایت بالا کا کوئی مؤید نہیں

بخاری وغیرہ میں اس روایت کا آ جانا اسے قابل قبول نہیں بنا دیتا۔ بخاری نے یہ روایت فروہ سے سنی اور فروہ نے علی بن مسہر سے یا اپنے کسی ہم عصر سے سنی۔ لیکن علی بن مسہر سے اوپر تو اس کا وجود ہی نہیں ہے۔

مسند امام احمد میں اس روایت علی بن مسہر کے (حماد بن سلمہ کی روایت ترمذی میں جسے وہ ہشام سے بیان کر گئے ہیں) چند بے ترتیب جملے آئے ہیں۔ اور غالباً اس روایت کی ابتدائی صورت چند اشارے ہی تھے جسے بعد میں یہ شکل دی گئی ہے۔

علی ہذا مسند امام احمد میں نکاح عائشہ رضی اللہ عنہا اور نکاح سودہ کی مفصل روایت مرسلہ ابوسلمہ اور یحییٰ سے منقول ہے۔ اگرچہ اس کی سند میں محمد بن عمرو علقمہ ہے جو متکلم فیہ ہے۔ لیکن بایں ہمہ یہ روایت محض نکاح سے متعلق تھی۔ اس میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی عمر کا بیان نہیں تھا۔ امام احمد کی سند کے جامعین نے علی

بن مسہر کی روایت کا فقدان سے شروع ہونے والا حصہ اس مرسل روایت کے آخر میں ترمذی کے ساتھ لگا دیا۔ اور اسے ایک پوری روایت بنا دیا۔ چونکہ مضمون متناسب تھا اس لئے یہ حصہ اوپر معلوم نہ ہوا اس طرح یہ روایت علی بن مسہر کی روایت کا ایک عمدہ تابع بن گئی۔ امام احمد کی سند میں کچھ زیادات تو آپ کے صاحبزادے عبداللہ نے کئے اور کچھ راوی مسند مذکور ابوبکر قطیفی (محمد بن احمد) نے کئے۔

مسند مذکور ۱۸ اسنادوں پر مشتمل ہے۔ مسند مذکور کو امام احمد نے بطور بیاض جمع کیا تھا۔ ترتیب نہیں دی تھی۔ یہ خدمت شیخ عبداللہ مذکور نے انجام دی۔ جس میں بہت سی غلطیاں بھی ہو گئیں۔ (مقدمہ الزار الباری شرح صحیح البخاری حصہ اول۔ مولفہ مولانا احمد رضا صاحب بجنوری ص ۱۴۵)

اگر یہ روایت امام احمد تک پہنچتی
تو وہ اسے اس صورت میں جیسا کہ
بخاری وغیرہ میں ہے پیش کرتے۔
متصل سند کے ساتھ قوی راوی سے ایک
روایت حاصل ہو مگر کون ترک کر
سکتا ہے

امام احمد نے اس روایت

علی بن مسہر کو نہیں لیا۔

امام احمد نے علی بن مسہر کا زمانہ پایا
ہے۔ انہوں نے کوفے کا پہلا سفر ۱۸۸ھ
میں کیا ہے۔ اس وقت علی بن مسہر زندہ
تھے۔ ان کے یہ تمام تلامیذ (فروہ
اسماعیل۔ سوید) امام صاحب کے ہم عصر
ہیں۔ پھر کیا وجہ ہے کہ یہ روایت امام
احمد کو کیوں نہ پہنچی

انہوں نے ایک مرسل روایت کے
ضمن میں اس روایت علی بن مسہر کو تتمہ کے
طور سے ذکر کیا۔ اس مرسل کے راوی
محمد بن بشر ہیں جو کہ کوفہ کے رہنے والے
ہیں اور امام احمد کے شیخ ہیں۔ امام احمد
نے دس لاکھ احادیث میں سے چالیس
ہزار احادیث مسند میں جمع کی ہیں۔ تو
اس نادر اور معتبر روایت کو کیوں ترک
کر دیا۔ اس کا یہی مطلب ہے کہ یا تو

امام صاحب کو یہ روایت نہیں پہنچی یا
انہوں نے اسے معتبر خیال نہیں کیا۔

نیز اس سے یہ بھی ظاہر ہے کہ مرسل
کا یہ آخری حصہ امام صاحب کا نہیں ہے
کیونکہ جب ان تک یہ روایت پہنچی ہی
نہیں یا پہنچی تو قبول نہیں کی تو اس مرسل
کے آخر میں کہاں سے آگئی۔ اس

لئے کہ یہ روایت تو اصل میں علی بن مسہر
کی ہے۔ اس میں معمولی تغیر کر کے مسند
میں شامل کیا گیا کیونکہ اس روایت کی
اشاعت کا زمانہ امام صاحب کے بعد
کا ہے۔ غالباً اسے مرسل میں عبد اللہ
یا ابو بکر قطیعی نے شامل کیا ہے۔ تاکہ
یہ مرسل کامل بن جائے۔ اور اس مرسل
میں حضرت عائشہ رضی کی عمر سے متعلق
جملے بھی انہوں نے مناسب موقع پر
جلد حالیہ کی صورت میں اضافہ کئے۔

غرض یہ روایت جہاں بھی گئی ہے
طبقہ عائشہ کے بعد گئی ہے۔ اور ہر حالت
میں یہ علی بن مسہر کی روایت ہے۔ یہ
تحریری روایت جہاں بھی پائی جائے گی
فوراً شناخت ہو جائے گی۔ اسناد
تبدیل ہوں گے مگر روایت تبدیل نہیں
ہوگی۔

ہم نے اس روایت کے متن پر
یہ تسلیم کر کے بحث کی ہے کہ یہ روایت
ہشام ہے۔ لیکن ہماری تحقیق کی روش سے

ہونے کے بعد سنی ہوگی ۔

اس روایت کو فردہ اور اسماعیل نے جن پر ہم بخاری اور دارمی کا استاد ہونے کی وجہ سے بھروسہ کر سکتے ہیں ۔

علی بن مسہر کی روایت غیر منقطع ہے

اپنی جوانی میں علی بن مسہر سے سنا ۔ اس وقت علی بن مسہر بوڑھے اور نابینا تھے ۔ غرض کسی مرحلے پر اس روایت کی تنقیح نہ ہو سکی اور علی بن مسہر سے اوپر اس کا وجود ہی نہیں ۔ مؤید اور مستابع تو کہاں سے آتا ۔

ابو اسامہ کے متعلق ہم لکھ چکے ہیں کہ اس روایت کی نسبت ان کی طرف تالیفاً معلوم ہوتی ہے ۔ اس میں شک نہیں کہ ابو کریم اور ابو بکر صحاح کے بڑے معتمد راوی ہیں ۔ خصوصیت سے مسلم کے شیوخ میں ان کا بڑا مقام ہے ۔ ابو کریم سے مسلم میں ۵۵۶ حدیثیں آئی ہیں ۔ اور ابو بکر سے ۱۵۵۶ حدیثیں بیان ہوئی ہیں ۔ اور یہ دونوں ابو اسامہ کے تلمیذ ہیں ۔ مگر اس روایت علی بن مسہر کے سلسلہ میں ان کی حالت یہ ہے کہ ابو بکر نے اس روایت کو اس طرح بیان کیا ہے ۔

روایت تزوج عائشہ رضہ اور لعب بالبنات کے راوی تو ہشام بن عروہ ہیں ۔ اور یہ روایت تزوج ان کا اپنا استنباط ہے ۔ جو خود ان کے سہو پر مبنی ہے اور لعب بالبنات اسلام سے پہلے کی روایت ہے ۔ جس میں ہشام یا ان کے کسی تلمیذ سے جو براہ راست ان سے اس کا راوی ہے یہ غلطی ہوئی ہے کہ اس روایت کو حضرت عائشہ رضہ کے نکاح کے بعد کی روایت قرار دے دیا ۔ لیکن یہ ہجرت عائشہ رضہ کی فقد منا سے شروع ہونے والی روایت میں بے سرو پا باتیں ہشام کی معلوم نہیں ہوتیں

یہ روایت علی بن مسہر کے غرائب میں سے ہے

یہ تو علی بن مسہر کے غرائب میں سے ہے ۔ اس کے دو راوی فردہ اور اسماعیل کو نے کے نو جوان تھے ۔ جنہوں نے شوق حدیث میں علی بن مسہر کی شخصیت سے متاثر ہونے کی وجہ سے اس کی تحقیق نہیں کی ۔ اور من وعن قبول کر لیا ۔ اس روایت کا تیسرا راوی سويد بن سعید ہے جو ائمہ رجال کی نظر میں ساقط الاعتبار ہے ۔ اس نے بھی یہ روایت اگر علی بن مسہر سے سنی ہوگی تو نابینا

وحدت فی کتابی کا ابہام قابل غور ہے۔

وحدت فی کتابی

عن ابی اسامۃ . اس عبارت سے تو یہی معلوم نہیں ہو رہا ہے کہ ابو بکر نے یہ روایت کس سے کُنی ، بلکہ متبادر یہ ہے کہ ابواسامہ سے نہیں کُنی ، بلکہ کسی سے سن کر کہ یہ ابواسامہ کی روایت ہے ، اپنی کتاب میں لکھ لی ، جب تلامیذ کو سننے لگے تو یہی کہا کہ

” یہ روایت ابواسامہ کی روایت کے طور پر میری کتاب میں درج ہے “ جب تک ابو بکر اور ابواسامہ کے درمیان کا راوی معلوم نہ ہو یہ روایت مجہول ہے۔ ابواسامہ کی روایت کی حیثیت سے قابل قبول نہیں — یا کسی ملنے والے نے ان کو لکھا کہ یہ ابواسامہ کی روایت ہے ، اس کے بھروسے پر بیان کرنا شروع کر دیا۔ اس صورت میں بھی درمیان کا راوی مجہول ہے ، یا اس کا یہ مطلب ہے کہ کتاب بمعنی مکتوب ہے ، یعنی ابواسامہ نے ان کو لکھ کر بھیجا ، یہاں کتاب کے یہ معنی لینا اگرچہ مستبعد ہے ، لیکن مان لیا جائے تو یہ محل تامل ہے کہ دونوں کوفہ کے رہنے والے ہیں ، اس مکتوب کی کیا ضرورت پیش آئی ، اور بہت سی

روایات ابو بکر نے ابواسامہ سے بالمشافہ کُنی ہیں تو یہ روایت کیوں نہ کُنی سکے ، پھر وحدت فی کتابی کا ابہام بھی قابل غور ہے ، علاوہ ازیں روایت بالکتابت ویسے ہی ضعیف ہے ، وحدت فی کتابی سے خود ابو بکر ضعیف کو ظاہر کر رہے ہیں البتہ ابو کریب نے ضرور حدیثنا سے براہ راست سماع کو اور اکیلے کے سماع کو نہیں ، بلکہ بہت سے تلامیذ کے سماع کو ظاہر کیا ہے ۔

اس کے بارے میں یہ عرض ہے کہ اول تو اس وقت تدلیس عام تھی ، جبکہ نہ ہری جیسا امام فن ٹھاٹھ سے یہ کہتا ہو ، اخبارنا عددۃ ۱ چنانچہ بخاری تک میں ان سے اس طرح روایت منقول ہے (حالانکہ نہ ہری کا عروہ سے نہ لقاء ثابت ہے اور نہ سماع تو پھر ابو کریب کا کیا قصور ہے اگر اس نے حدیثنا ابواسامہ کہ دیا ، ان کا تو ابواسامہ سے لقاء بھی ثابت ہے اور سماع بھی

مسلم کے نزدیک تو روایت قبول کرنے کے لئے صرف معاشرت کافی ہے

علاوہ ازیں جیسا کہ ہم پہلے لکھ چکے ہیں ابواسامہ نے درمیان سے تلمیذ علی

بن مسہر اور علی بن مسہر کو نکال کر اس روایت کو براہ راست اپنے لئے ہشام سے منسوب کر لیا ہے۔ آخر ہشام کی روایت تو ہے ہی۔ اگر ابن مسہر کو درمیان سے نکال دیا تو اس سے روایت میں کیا خرابی آگئی۔ پھر یہ تدلیس ابواسامہ نے ہی کی۔ ابو کریب نے تو ابواسامہ سے ہی سنا ہوگا۔

ابو کریب نے فقد منا سے شروع ہونے والا حصہ روایت تزوج سے ملا دیا

میں فقد منا سے شروع ہونے والا حصہ شامل کر لیا۔ انا یومئذ کا جملہ آخر سے حذف کر دیا۔ کیونکہ اس کی ضرورت نہ رہی تھی۔ اس حالت میں ابو کریب کا یہ کہنا کہ حدثنا ابواسامہ بالکل صحیح ہے۔ اس صورت میں یہ عمل ابواسامہ کا نہیں ہے۔ وہ اس روایت سے اپنی زندگی میں بے خبر رہے۔ محض روایت تزوج سے تو واقف تھے۔ اور اسی کے راوی بھی تھے۔

مگر یہ الحاق بے مقصد ہے۔

ہمارے نزدیک ابو کریب نے سنا کیا ہے کہ علی بن مسہر کی روایت کے اس حصے کو جو فقد منا سے شروع ہو رہا ہے روایت تزوج ابو کریب نے ابواسامہ سے سنی تھی۔ اس لئے ان کا یہ کہنا کہ حدثنا ابواسامہ بالکل صحیح ہے۔ لیکن

یہ حصہ ابو کریب نے ابواسامہ سے نہیں سنا۔ بلکہ علی بن مسہر کے کسی راوی فرودہ وغیرہ سے سن کر اپنی روایت تزوج میں شامل کر لیا۔ اتنا ضرور کیا کہ آخر میں سے دانا یومئذ کو اڑا دیا کیونکہ اس کی بجائے پہلے سے روایت تزوج میں دینی بھا دھی بنت تسع ہے یہی عمل ابو کریب نے کیا کہ روایت تزوج کے بعد جو ابواسامہ سے سنی تھی اور اپنی کتاب میں لکھی تھی اس

جس صورت میں یہ حصہ روایت مسلم میں آیا ہے اس کی ضرورت نہیں ہے۔ کیونکہ قیاس ہشام یعنی روایت تزوج کے بنیادی جزو تو فقد منا سے شروع ہونے والی روایت سے پہلے آچکے ہیں۔ اب کس مقصد کے لئے اس کو بعد میں لایا گیا اس کو تو اب اس صورت میں بلا وجہ روایت تزوج کے بعد لاحق کیا گیا۔

ہاں جس صورت میں یہ روایت بخاری اور دارمی میں آئی ہے۔ وہاں اس کا لانا ضروری ہے۔ کیونکہ روایت تزوج کا بنیادی جزو بناء تسع اس روایت کے آخر میں دانا یومئذ کی صورت میں

ہے۔ اس سے صاف عیاں ہے کہ اس روایت کو بعد میں زبردستی بے فائدہ روایت ترمذی کے بنیادی جزو بناء تسمیع کے بعد لاحق کیا گیا۔ ابو بکر اور ابو کریم نے اپنی روایت ترمذی کو جو ابو اسامہ سے انہیں پہنچی ہے کامل کرنے کے لئے ایسا کیا۔

ابو کریم اور ابو بکر نے علی بن مسہر کا زمانہ پایا ہے۔ لیکن نہ معلوم کیوں یہ لوگ اصل راوی تک نہ پہنچ سکے۔ یہ روایت ابو اسامہ کی نہیں تھی کہ ان سے ملتی۔ سنہ ۲۲۵ کے بعد انہیں ملی اور انہوں نے اپنی نسبت اونچی کرنے کے لئے اسے ابو اسامہ سے تدلیساً قرار دے لیا۔ اور اپنے علمی عروج کے زمانے میں اسے بیان کرنے لگے۔

فروہ سے یہ روایت تیسری صدی کے دوسرے عشرہ میں پہنچی

فروہ سے اس روایت کو لینے والے صرف بخاری ہیں۔ بخاری کی پیدائش ۱۹۴ھ ہے۔ بخاری نے پہلا سفر کوثر کا ۲۱۲ھ میں کیا۔ معلوم نہیں اس سفر میں فروہ سے یہ روایت لی یا نہیں۔ فروہ کی وفات ۲۲۵ھ میں ہے۔ بخاری نے یہ روایت غالباً ۲۲۵ھ کے قریب حاصل کی۔ اور جب بخاری نے اپنی جامع مرتب

کی تو اس روایت کو جامع میں شامل کر دیا۔ فروہ سے بخاری کے سوا اس کا کوئی راوی نہیں ہے۔ فروہ کے ذریعے اس کے باہر آنے کا زمانہ سنہ ۲۲۵ھ کے قریب ہے۔ پہلے یہ روایت علی بن مسہر کے سوا کوئی نہیں کسی کو معلوم نہ تھی۔ پھر فروہ نے اسے کسی کو نہ بتایا۔ محض بخاری کو اہل جان کر یہ روایت ان کو بتائی۔ بخاری کے الفاظ میں حدیثی۔ یعنی اکیلے بخاری نے یہ روایت سنی۔ کوئی اور ساتھ نہیں تھا۔ بخاری نے فروہ کی نیکی سے متاثر ہو کر یہ روایت قبول کر لی۔ ورنہ اس کا وجود تو فروہ کے سوا کہیں تھا ہی نہیں۔ پھر بخاری کے ذریعے یہ روایت باہر آئی۔ اگر فروہ سے یہ روایت بخاری قبول نہ کرتے تو انہیں تو کوئی نہیں جانتا تھا۔ اب یہ صدوق بھی ہیں اور معتمد بھی ہیں۔

علی بن مسہر سے اوپر اس روایت کا وجود نہیں ہے۔

بخاری کو یہ روایت طبقہ عاشرہ کے ایک غیر معروف راوی فروہ سے ملی اور اس کو طبقہ ثامنہ کے ایک خانہ نشین نابینا سے جو اس وقت روایات نہیں بلکہ فسانہ عجائب بیان کرتے تھے۔ اور اس سے پہلے اس روایت کا وجود ہی نہیں۔ محض ہشام

ابو بکر سے ۲۳۰ھ کے قریب سنی ہو گئی۔
کیونکہ مسلم کی پیدائش ۲۱۴ھ ہے اور
ابو بکر کی وفات ۲۳۵ھ میں ہو گئی۔ اور
ابو کریم سے مسلم نے یہ روایت ابو بکر کی
روایت کے بعد لی ہو گئی۔ ابو کریم کی
وفات ۲۴۸ھ میں ہوئی۔

اس روایت کی اشاعت کا زمانہ
تیسری صدی کے عشرہ رابعہ کے بعد
شروع ہوتا ہے۔

مسلم کا زمانہ تصنیف بخاری کے بعد
یعنی ۲۵۰ھ کے بعد ہے۔ گویا مسلم کو یہ
روایت ۲۳۰ھ میں معلوم ہوئی۔ علی ہذا
سوید بن سعید سے یہ روایت ابن ماجہ کو
۲۳۵ھ کے بعد اور ۲۴۰ھ سے پہلے معلوم
ہوئی ہوگی۔ ابن ماجہ کی پیدائش ۲۰۹ھ
ہجری اور سوید کی وفات ۲۴۰ھ ہے۔

۱۸۹ھ روایت کی پیدائش
کے قریب کوفے میں اشاعت
محدودہ ۲۲۰ھ کے قریب
اشاعت عام ۲۴۰ھ کے بعد

الغرض اس روایت کی پیدائش ۱۸۹ھ
کے قریب کوفہ میں علی بن مسہر کے تخریض
و مانع سے ہوئی۔ اشاعت محدودہ ۲۲۰ھ

کی طرف نسبت ہے۔ بخاری کے بعد یہ
روایت عام ہوئی اور اس کا اعتبار قائم
ہو گیا۔

علی ہذا اسماعیل بن خلیل کوفے میں ریشم
کے تاجر تھے اس سے زیادہ ان کے متعلق
کچھ معلوم نہیں۔ ان سے عبد اللہ دارمی نے
یہ روایت ۲۲۰ھ کے قریب سنی کیونکہ
اسماعیل کی وفات ۲۲۵ھ میں ہوئی۔
دارمی نے معلوم نہیں کیوں یہ روایت فروہ
سے جب وہ کوفے گئے حاصل نہیں کی یا
بخاری نے یہ روایت اسماعیل بن خلیل
سے کیوں نہیں لی جبکہ وہ اسماعیل سے مباشرة
الحاض میں خود بخاری میں ان کی روایت
قبول کر چکے ہیں۔ یہ محدثین کی انفرادیت
اور تعدد طرق اور ٹریڈ اینٹ کی مسجد
کا ذہن ہے کہ اگر ایک مصنف نے ایک
طبقہ کے کسی راوی سے روایت لے لی تو
دوسرا اسی طبقہ کے دوسرے راوی سے روایت
لانے کا چاہے وہ دوسرے اور تیسرے
درجہ کا راوی کیوں نہ ہو۔

اسماعیل فروہ سے زیادہ معروف ہے،
چونکہ دارمی اس سے روایت لے چکے تھے۔ اس
لئے بخاری نے اس روایت کے لئے فروہ کو
اختیار کیا۔ اس سے ہی یہ معلوم ہو رہا ہے
کہ سنن دارمی بخاری پر مقدم ہے بھر دارمی
سے یہ روایت ان کی کتاب کے ذریعہ
معروف ہوئی۔ اسی طرح مسلم نے یہ روایت

کے قریب ہوئی۔ اور اشاعت عام ۲۴۰
کے بعد ہوئی۔ اس روایت کی ترتیب
طبقہ ثامنہ نے آخر میں ہوئی۔ اس کے باہر
آنے کا زمانہ طبقہ عاشورہ ہے۔ اشاعت کا
زمانہ طبقہ حادی عشر ہے۔ گیارہویں طبقہ اور
دسویں طبقہ سے یہ روایت حدیثنا اور
حدیثی اور اخبارنا سے منقول ہے
علی بن علی بن مسہر سے بھی انہیں الفاظ
سے نقل کی گئی ہے، لیکن علی بن مسہر سے

اوپر عن هشام بن عروہ عن
ابیہ عن عائشہ رضی اللہ عنہا ہے۔ اس
سے معلوم ہوا کہ یہاں سے عمل تدیس
صراحت شروع ہو گیا ہے۔

گیارہویں طبقہ میں اس روایت کا
وجود یقینی، دسویں میں مشکوک
نویں طبقہ میں اس کا کوئی راوی
نہیں۔ آٹھویں طبقہ میں صرف
علی بن مسہر ہے جو اس کا
موجد ہے۔

گیارہویں طبقہ کے بعد اس روایت
کا وجود یقینی ہے۔ اس کے دسویں طبقہ کے
جن لوگوں سے ان کا برہم حدیثین نے یہ روایت
قبول کی وہ یا مدرس ہیں یا غیر معروف یا
قابل ترک۔ نویں طبقہ میں اس روایت کا
کوئی راوی نہیں، دسویں طبقہ کے دو راویوں

نے تدیس اس کی نسبت ابو اسامہ کی طرف
کر دی۔ یا پھر ابو اسامہ نے ہی یہ روایت
علی بن مسہر کے کسی تلمیذ سے لے کر وہاں
سے علی بن مسہر اور ان کے تلمیذ کا نام نکال
کر براہ راست ہشام سے روایت شروع
کر دی۔ اس صورت میں یہ روایت دسویں
طبقہ سے واپس نویں طبقہ میں آئی۔ پھر
دسویں طبقہ کی طرف لوٹی۔ ان غیر معروف
روایت میں محض اس وجہ سے معرفت آئی
کہ یہ بخاری وغیرہ کے استاد تھے۔ آٹھویں
طبقہ میں اس روایت کا راوی صرف ایک
علی بن مسہر ہے۔ اور یہی اس روایت کا
موجد و مرتب ہے۔

بخاری اور ان کے طبقہ نے علم حدیث
کی بے حد خدمت کی ہے کئی لاکھ حدیثیں
جمع کیں اور یاد کیں اور پھر ان میں سے
یہ روایات جو ان کی تحقیق کے مطابق نہایت
معتبر تھیں انہیں منتخب کر کے اپنی کتابوں
میں درج کیں۔ اب ان کی کتابوں میں یہ
روایات اخبار متواترہ ہیں، اس روایت
کو بھی انہوں نے تحقیق کے بعد ہی قبول
کیا ہو گا۔

ابو کویب کی ان کے شیخ
ابو اسامہ کی ان کے شیخ علی بن مسہر
کی کتابیں ان کے ساتھ ہی دفن کر
دی گئیں۔

لیکن مقام حیرت ہے کہ ان حضرات نے اس

روایت کو دسویں طبقہ کے شیوخ سے قبول کر لیا، اور یہ نہ دیکھا کہ اس سے اوپر نویں طبقہ میں اس کا کوئی راوی نہیں۔ اور آٹھویں طبقہ میں صرف علی بن مسہر ہے اور کوئی اس کا متابع نہیں۔ اس سے اوپر کے طبقات میں کوئی اس کا شاہد نہیں۔ اس روایت کے دو راوی ابو بکر و ابو کریب دسویں طبقہ میں معروف تھے مگر مدلس تھے اور ابو بکر کی یہ روایت منقطع ہے کیونکہ وحدت فی کتابی کہہ رہا ہے ابو کریب کی کتابیں ان کی وصیت کے مطابق ان کے ساتھ ہی دفن کر دی گئیں، علی ہذا ان کے شیخ ابو اسامہ کی کتابیں بھی ان کے ساتھ ہی دفن کر دی گئیں، اسی طرح اس روایت کے اصل مصنف علی بن مسہر کی کتابیں بھی ان کے ساتھ ہی دفن کر دی گئیں، تصدیق کا کوئی ذریعہ نہ رہا کہ آیا یہ روایات ان کی کتابوں میں تھیں یا نہیں۔ اور اگر تھیں تو کیا تھیں، ان کے الفاظ اور عبارات کیا تھے، اسناد کی کیا صورت تھی۔

غرض دسویں طبقہ میں اس روایت کے پانچ راویوں میں سے دو غیر معروف، ایک قابل ترک اور باقی دو اگرچہ معروف ہیں لیکن ایک کی روایت منقطع ہے اور دوسرے کی مدلس۔ نویں طبقہ میں بخاری والی روایت کا جو واری اور ابن ماجہ میں بھی آئی ہے کوئی راوی نہیں۔

مسلم میں جو روایت آئی ہے اس کا راوی نویں طبقہ میں ایک ابو اسامہ ہے جو حقیقت میں راوی نہیں ہے بلکہ ان کی طرف اس روایت کی نسبت تدلیس ہے، آٹھویں طبقہ میں اس کا ایک راوی صرف علی بن مسہر اس روایت کا مرتب ہے بغرض یہ روایت کسی حیثیت سے بھی قابل استشہاد نہیں ہے۔
والد اعلم بالصواب۔

ہشام بن عروہ

ولادت ۱۱۷ھ میں ہوئی۔ وفات ۱۲۶ھ میں۔ کل عمر ۸۵ سال پائی، انہوں نے ابن عمرؓ کو دیکھا۔ ابن عمرؓ نے ان کے سر پر ہاتھ پھیرا اور دعا دی۔ حضرت جابرؓ کو دیکھا، حضرت انسؓ کو دیکھا، اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں، اپنے تایا کے لڑکے عباد سے روایت کرتے ہیں، اپنے تایا عبد اللہ سے روایت کرتے ہیں۔

ہشام سے روایت کرنے والے معمر، ابن جریج، شعبہ، مالک بن انس، سفیان ثوری، سفیان بن عیینہ، اسرائیل، ابن ابی الزناد، عبد اللہ بن مبارک، ابو معاویہ، علی بن مسہر، ابن نمیر، اور ابو اسامہ ہیں۔

حضرت ہشام ثقہ ہیں۔ اور ائمہ فن
نے ان کی احادیث کو قبول کیا ہے۔

ہشام کا تغیر اخیر عمر میں۔

ہشام اور حدیث ام زرع

ابو الحسن بن قطان کا بیان ہے کہ اخیر
عمر میں حافظہ میں تغیر آگیا تھا۔

تین دفعہ مدینہ سے عراق کا سفر
کیا۔ آخری سفر سے تو پھر مدینہ واپس
آئے ہی نہیں۔ اور بغداد ہی میں وفات
پا گئے۔ پہلی دفعہ گئے تو عراق میں اس
طرح روایت بیان کی :-

حدثني ابي قال سمعت عائشة .

دوسری مرتبہ گئے تو اس طرح بیان کی
ان خبرنی ابي عن عائشة -

تیسری مرتبہ کوفہ میں اور عراق
کے دوسرے شہروں میں اس طرح روایت
بیان کی عن ابي عن عائشة -

ہشام ہر طب و یا کس اپنے باپ
سے روایت کرنے لگے تھے۔

يعقوب بن ابي شيبة نے کہا :-

لم ينكر عليه شيء الا بعد ما
صار الى العراق فانه انبسط في
الرواية عن ابيه . فانكر عليه
ذلك اهل بلدة والذی نری
ان هشاماً سهل لاهل العراق
انه كان لا يحدث عن ابيه
الا بما سمعه منه . فكان

ابوداؤد سے منقول ہے کہ ہشام بن
عروہ جب حدیث ام زرع بیان کریں۔ تو
انہیں ترک کر دو۔ کہتے ہیں کہ محدثین میں
سے کوئی بھی ہشام بن عروہ کے سوا حدیث
ام زرع کو مرفوع بیان نہیں کرتا۔

ان کے ایک ساتھی ابوالاسود یتیم
عروہ ہیں۔ یہ ابوالاسود عروہ کے پروردہ
ہیں اور یتیم عروہ کہلاتے ہیں آخر میں مصر
چلے گئے تھے۔ عروہ کے معتبر راوی ہیں۔
عروہ ہی کے پاس پلے اور بڑھے اور
عروہ ہی سے پڑھا ہے۔ انہوں نے ہشام
کو جب حدیث ام زرع مرفوع بیان کرتے
دیکھا تو ان کو متروک قرار دے دیا۔ چنانچہ
ابوداؤد نے ابوالاسود کا قول نقل کیا ہے
کہ حدیث ام زرع کو سوائے ہشام کے اور
کوئی مرفوع بیان نہیں کرتا۔

یہ ابوالاسود ہشام بن عروہ پر تعجب
کیا کرتے تھے کہ یہ اپنے باپ کی طرف
ایسی روایتیں منسوب کرتا ہے جو انہوں نے
بیان نہیں کی۔ اور بسا اوقات تو اس
قرب تعلق کے باوجود اس غلط بیانی پر
سال سال بھربھات نہیں کرتے تھے۔

تسہیلہ انہ اسراسل عن ابیہ
 مما کان یسمع من غیر ابیہ
 (تہذیب التہذیب ص ۲۷ جلد ۱)
 ان کی کسی روایت کا انکار نہیں کیا
 گیا مگر جب وہ عراق گئے کیونکہ انہوں نے
 اپنے باپ سے روایات میں وسعت پیدا
 کر دی، اہل مدینہ نے اسے اوپر خیال کیا
 اور جو ہم دیکھتے ہیں وہ یہ ہے کہ ہشام
 نے عراق والوں کے لئے یہ کیا پہلے وہ
 وہی کچھ بیان کرتے جو انہوں نے اپنے
 باپ سے سنا تھا۔ اب یہ تسہیل کی کہ
 جو اپنے باپ کے علاوہ کسی اور سے
 سنا تھا اسے مرسل اپنے باپ سے
 بیان کرنا شروع کر دیا۔

(میزان الاعتدال نے مذکورہ بالا
 حالات پر یہ اضافہ کیا ہوا حد
 الاعلام تغیر فی اخرہ - یعنی
 یہ وہ ایک مشہور شخصیت ہے جس
 کے حافظہ میں آخر میں تغیر پیدا ہو گیا
 تھا، لیکن اختلاط تک نہیں پہنچا تھا
 مگر ابوالحسن بن قطان اور سہیل بن
 صالح کہتے ہیں کہ آخر میں اختلاط کرنے
 لگ گئے تھے۔ یعنی اسناد اور احادیث
 میں گڑبڑ شروع کر دی تھی۔

صاحب میزان ان دونوں کے بیان
 کے خلاف فرماتے ہیں کہ ان کا حافظہ
 ایسا نہیں رہا تھا جیسا کہ جوانی میں تھا اپنی

بعض روایات کو بھول گئے تھے۔ یا وہم
 پیدا ہو گیا تھا۔ ایسا ہے یا ایسا ہے۔
 یہ کوئی تعجب کی بات نہیں ہے وہ نسیان
 سے معصوم تو نہیں تھے۔ آخر عمر میں جب
 وہ عراق گئے تو اپنی احادیث کی بہت بڑی
 مقدار عراق والوں کو سنائی تو اس میں
 کچھ احادیث ایسی بھی آگئیں کہ جنہیں وہ
 صحیح بیان نہ کر سکے۔

(میزان الاعتدال ص ۱۰۳ بیان ہشام بن عروہ)
 عبدالرحمن بن خراش کا بیان ہے کہ
 امام مالک ان کے اس عمل سے خوش
 نہیں تھے۔ اور اہل عراق کے لئے وہ
 جو احادیث بیان کرتے تھے اس پر خفگی
 کا اظہار فرماتے تھے۔

و کان مالک لا یرضاه و یقہم
 علیہ حدیثہ لاهل العراق۔
 والمراد انہ یرسل۔
 (میزان الاعتدال حرف الباء)

امام مالک ان سے خوش نہیں
 تھے اور اہل عراق کے لئے ان کی
 حدیث پر اظہار ناراضگی کرتے تھے۔
 مراد یہ ہے کہ وہ مرسل بیان کرتے
 تھے۔ وهو معدود من
 الطبقة الرابعة من المدينة
 رضی اللہ عنہم و قد ام الکوفة
 ایام جعفر المنصور فسمع منه
 الکوفیون۔ و قد ام بغداد

على المنصور وتوفى بها سنة
ست واربعين (وفيات الاعيان
جلد دوم ص ۳۳۱)

وہ طبقہ اربعہ میں شمار ہوتے ہیں وہ
منصور کے زمانہ خلافت میں کوفے آئے
کوفیوں نے ان سے روایات لیں اور بغداد
منصور کے پاس آئے اور وہیں ۲۶۶ھ
میں وفات پائی ۔

ہشام کی عادت ترک فی الکتابت

ابن ابی شیبہ نے ایک دلچسپ
واقعہ لکھا ہے :-

عن هشام بن عروہ ان اباه
قال له کتبت ؟ قال نعم -
قال عارضت ؟ قال لا - قال
لم تکتب (جامع بیان العلم
لابن عبدالبر جلد اول ص ۱)

ہشام بن عروہ سے روایت ہے
کہ اس کے باپ نے کہا تو نے لکھ لیا
اس نے کہا ہاں لکھ لیا ۔ کہا مقابلہ کر لیا ؟
کہا نہیں ۔ باپ نے کہا تو تو نے گویا لکھا
ہی نہیں ۔

اس روایت سے معلوم ہو رہا ہے
کہ حضرت ہشام کو لکھتے ہوئے چھوڑ جانے
کی عادت تھی ۔ تب ہی تو ان کے والد
عروہ نے فرمایا کہ اگر تو نے مقابلہ نہیں

کیا تو لکھا اور نہ لکھا برابر ہے ۔

اس میں شک نہیں کہ احتیاط کا
تقاضا یہی ہے کہ لکھنے کے بعد مقابلہ
کر لینا چاہیے ۔ لیکن نہ لکھنے کا فتویٰ
تب ہی لگ سکتا ہے ۔ جب لکھتے
ہوئے کلمے اور جملے چھوڑ جانے کی عادت
ہو ۔ اسی لئے ہم کہتے ہیں یہ روایت
تزوج و بنا ہشام کے سہو کتابت کا
شکار ہے ۔ اور ان کے نسیان سے ہی
یہ روایت پیدا ہوئی ہے ۔ جیسا کہ ہم
آئندہ مفصل بیان کریں گے ۔

ہشام منصور کے دربار میں ۔

ہشام بن عروہ اپنی عمر کے اخیر
میں بغداد آ گئے تھے ۔ اور ابو جعفر منصور
کے درباری بن گئے تھے ۔ ابو جعفر منصور
شرع میں اپنے باپ کی ہدایت کے موافق
ان کی قدر کرتا تھا ۔ لیکن جب خود ہشام
نے ایسے طور بنا لئے جو خوشامدیوں کے
ہوتے ہیں تو منصور نے بھی ان کے ساتھ
وہی برتاؤ کیا جو خوشامدیوں کے ساتھ
کیا جاتا ہے ۔

ہشام کو منصور سے بڑے بڑے
عطیات کی امید تھی ۔ اور اسی بھروسے
پر وہ بے تحاشا قرض لیتے چلے گئے چنانچہ
ہشام نے مناسب موقع پر منصور کے سامنے

ہے یہ تو عوام کا کام ہے جس روز ہشام کی وفات ہوئی اسی روز ابو جعفر کے ایک غلام کی وفات ہوئی دونوں کا جنازہ منصور نے ایک وقت میں پڑھا ابن ہشام کے جنازے میں چار تکبیریں کہیں اور غلام کے جنازے پر تعظیماً پانچ تکبیریں کہیں۔ اور اس کا اظہار بھی کر دیا کہ میں نے یہ فرق قصداً اور تعظیماً للغلام کیا ہے۔

ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ وفات کو فے میں ہوئی اور وفن بغداد میں ہوئے۔ (تاریخ بغداد جلد ۱۲ ص ۶۳۸۳ ص ۳۴ نوکر ہشام بن عروہ)

تبصرہ

ہشام کی درباری خصوصیات

ہشام کے ان واقعات سے معلوم ہوتا

ہے کہ

۱۔ ہشام آخر عمر میں بنداوا گئے تھے اور ابو جعفر منصور کے درباری بن گئے تھے۔

۲۔ اس قدر غیر مال اندیش تھے کہ ایک لاکھ روپے قرض محض اس بنا پر لے لئے کہ خلیفہ منصور دوانیقی سے عطیہ مل جائے گا حالانکہ ابو جعفر منصور جزیرس اور کفایت شعار تھا۔

اپنی درخواست پیش کی کہ امیر المومنین میرا قرض ادا کر دیجئے منصور نے پوچھا تمہارے ذمے کتنا قرض ہے؟ ہشام نے کہا امیر المومنین ایک لاکھ روپے قرض ہے منصور نے تعجب سے کہا کہ تم اپنے فضل اور سمجھ کے باوجود ایک لاکھ قرض لیتے ہو جس کے ادا کرنے کی کوئی سبیل تمہارے پاس نہیں ہے۔

ہشام منصور سے طالب عطیات تھے

ہشام نے جواب دیا کہ لڑکے جوان ہو گئے تھے ان کی شادیاں کرنی ضروری تھیں ورنہ بدراہ ہو جانے کا ڈر تھا۔

شادیوں کے بعد ان کے لئے گھر بنانے بھی ضروری تھے۔ ان کے ولیمے بھی کئے ہیں امیر المومنین کے اور خدا کے بھروسے پر میں نے قرض لے لیا تھا منصور نے کئی دفعہ ایک لاکھ ایک لاکھ کا اعادہ کیا یعنی یہ تو بہت بڑی رقم ہے۔ پھر طبیعت پر جبر کر کے دس ہزار کے عطیہ کا حکم دے دیا۔ ہشام نے کہا جو آپ بطیب

خاطر دے رہے ہیں مجھے منظور ہے میں نے اپنے باپ سے یہ حدیث سنی ہے من اعطی عطیۃ دھوبھا طیب النفس بوساۃ للمعطى والسعطى۔

اس کے بعد ہشام بن عروہ نے منصور کے ہاتھ کو بوسا دینا چاہا تو منصور نے روک دیا اور کہا اے ابن عروہ مجھے تمہاری یہ بات پسند نہیں ہے تمہارا مقام اس سے بلند

۳۔ جب منصور کے سامنے اس قرض کی ادائیگی کی درخواست پیش کی گئی تو اس نے ناراضی کا اظہار کیا۔ اور ہشام کی ناعاقبت اندیشی پر اظہار تعجب کیا کہ قرض کی ادائیگی کا کوئی ذریعہ آپ کے پاس نہیں ہے اور قرض اتنا بڑا لیتے ہو۔
۴۔ ہشام نے خدا اور خلیفہ کو ایک درجے میں رکھ کر لجاجت سے منصور سے عرض کی کہ امیر المومنین کے بھرے پر قرض لے لیا تھا۔

۵۔ منصور اتنی بڑی رقم دینے کو تیار نہ ہوا بلکہ ایک لاکھ کا بار بار اعادہ کر کے قفسہ ہشام کا اظہار کیا۔ پھر طبیعت پر جبر کر کے کہا دس ہزار دے سکتا ہوں
۶۔ ہشام نے جب یہ دیکھا کہ خلیفہ میری اس درخواست پر ناراض ہے اور آئندہ کا راستہ بند ہو رہا ہے تو فوراً ہی عرض کیا کہ امیر المومنین بخوشی جو عنایت فرمائیں مجھے منظور ہے۔ دس ہزار ہی بطیب خاطر عنایت فرمائیے۔ تاکہ آئندہ کے لئے راستہ کھلا رہے
۷۔ خلیفہ کی خوشنودی کی خاطر اپنے والد سے ایک روایت بھی پیش کر دی۔

۸۔ عوام کی سطح پر اتر کر خلیفہ کے ہاتھ چومنے کے لئے بڑھے تو خلیفہ منصور نے تینہا فرمایا۔

ابن عروہ تمہیں نزدیک نہیں دیتا کہ تم اس قسم کی خوشامدانی حرکتیں کرو۔ تمہارا مقام اس سے اونچا ہے۔ یہ عوام کا کام ہے۔ ان کے لئے باعث عزت و شرف ہے۔

۹۔ ہشام نے از خرس بڑے بس است خیال کرتے ہوئے اپنی ضرورت اور درخواست کے لئے پر ہی اکتفا کر لیا۔

زوجہ ہشام اور روایت ابن اسحاق

مشہور مورخ محمد بن اسحاق فاطمہ بنت منذر سے ان کی وہ روایت بیان کرتے ہیں جو صحاح میں فاطمہ سے ہشام کے ذریعہ بیان کی گئی ہے۔ اور فاطمہ بنت منذر اپنی دادی اسماء بنت ابی بکر سے روایت کرتی ہیں۔ یہ فاطمہ بنت منذر ہشام کی بیوی اور بنت الحکم ہیں۔ ہشام خود یہ روایت بھی اور اس کے علاوہ دیگر وہ روایات بھی اپنی بیوی فاطمہ سے بیان کرتے ہیں۔ وہ روایت یہ ہے۔

ہشام اپنی بیوی فاطمہ بنت منذر سے روایت کو صرف اپنا حق سمجھتے تھے۔

کہ مجھے خاوند نے اتنا دیا ہے کہ میری ضرورت سے زیادہ ہے حالانکہ اس نے وہ نہیں دیا، آپ نے اس کے جواب میں فرمایا بہ تکلف وہ ظاہر کرنا جو ملا نہیں کذب ہے۔

ہشام کہتے ہیں کہ ابن اسحاق کی روایت میری بیوی فاطمہ سے بالکل غلط ہے۔
قال المؤلف فاطمة بنت

المنذر اہی زوجة هشام .
ينكر علي ابن اسحاق روايته عنها . ويقول ولقد دخلت بها وهي بنت تسع سنين وما سراها مخلوق قط حتى لحق بالله عز وجل .

وكان مالك يقول محمد بن اسحق كذاب . هشام بن عروة كذاب .

(تایخ بغداد جلد اول ص ۲۲۲)
(ص ۲۲۳)

مؤلف نے کہا فاطمہ بنت منذر یہ ہشام کی بیوی ہے اور ہشام اس سے ابن اسحاق کی روایت کا انکار کرتے ہیں اور کہتے ہیں . میں نے جب اپنی بیوی سے بنا کی وہ نو سال کی تھی اس کے بعد کسی بالغ مخلوق نے اسے نہیں دیکھا یہاں تک کہ اللہ کو پیاری ہوئی امام مالک کہا کرتے تھے محمد بن اسحاق

الف باب المتشبع بمالم ریل:
حدثنا سليمان بن حرب قال حدثنا حماد بن زيد عن هشام عن فاطمة عن أسماء عن النبي صلى الله عليه وسلم وحدثني محمد بن المثنى قال حدثنا يحيى عن هشام قال حدثني فاطمة عن أسماء ان امرأة قالت يا رسول الله صلى الله عليه وسلم ان لي ضرة فهل علي جناح ان تشعبت من زوجي غير الذي يعطيني . فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم المتشبع بمالم يعط كلا بسی زورا

(بخاری جلد دوم ص ۴۸۵)
سليمان بن حرب نے ہم سے حدیث بیان کی اس نے کہا حماد بن زید نے ہم سے حدیث بیان کی ہشام سے اس نے فاطمہ سے ان سے اسماء نے ان سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اور حدیث بیان کی مجھ سے محمد بن المثنیٰ نے اس نے کہا کہ یحییٰ نے ہم سے حدیث بیان کی اور اس نے ہشام سے اس نے کہا کہ فاطمہ نے مجھ سے حدیث بیان کی اس نے اسماء سے کہ ایک عورت نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا میرے لئے کوئی گناہ ہے اگر میں بہ تکلف یہ ظاہر کروں

کذاب ہے، ہشام بن عروہ کذاب ہے
قال یحیی بن سعید :-

سألت هشام بن عروہ عن
محمد بن اسحاق فقلت کان
یدخل علی فاطمة بنت المنذر
فقال اهو کان یصل الیها
(تاریخ بغداد جلد اول ص ۲۲۳)
یحیی بن سعید نے کہا :-

میں نے ہشام بن عروہ سے محمد
بن اسحاق کے متعلق دریافت کیا، میں نے
کہا وہ طلب علم کے لئے فاطمہ بنت
المنذر کے پاس جایا کرتے تھے، ہشام نے
جواب دیا کیا وہ اس تک پہنچ سکتا
تھا ۔

قال علی قلت لسفیان کان
ابن اسحاق جالس فاطمة بنت
المنذر قال اخبرنی ابن اسحاق
انها حدثته وانه دخل
علیها ۔

(تہذیب التہذیب - ابن اسحاق)
علی نے کہا

میں نے سفیان سے کہا کیا محمد بن
اسحاق فاطمہ بنت منذر کی مجلس درس
میں بیٹھا ہے ؟ اس نے کہا مجھے محمد بن
اسحاق نے بتلایا کہ فاطمہ نے مجھے حدیث
سنائی اور میں اس کے گھر گیا ہوں ۔

یحیی بن القطان سے روایت ہے کہ

ہشام نے کہا ۔

یحدثنا عن امرأتی فاطمة
بنت المنذر وائلہ ان رااها قط
ایک دفعہ بگڑ کر کہی

الکذاب کذب الخبیث ۔
اور ایک دفعہ اس کے متعلق فرمایا ۔

عدو اللہ الکذاب ۔ یروی عن
امراتی این رااها ۔

(تاریخ بغداد ص ۲۲۳ جلد ۱)

محمد بن اسحاق میری بیوی فاطمہ بنت
منذر سے حدیث بیان کرتا ہے، خدا
کی قسم اس نے کبھی ہرگز اسے نہیں
دیکھا ۔

خبیث جھوٹ بولتا ہے ۔

دشمن خدا کذاب ہے ۔

میری بیوی سے حدیث بیان کرتا ہے
اس نے اسے کہاں دیکھا ہے ؟

ہشام کی اس خفگی کے متعلق عبد اللہ
بن احمد نے امام احمد سے دریافت کیا
تو انہوں نے فرمایا ابن اسحاق کی روایت
درست ہے، ہو سکتا ہے کہ ہشام کو
اس کا علم نہ ہو ۔

امام مالک محمد بن اسحاق کے متعلق
سئى الرأى تھے ۔ ایک دفعہ امام مالک
نے فرمایا دجال من الدجاجلہ ۔

ایک دفعہ فرمایا ۔ ابن اسحاق کذاب

ہشام بن عروہ کے متعلق بھی ۔ دجالوں میں سے دجال ہے
ابن اسحاق کذاب ہے ۔ ہشام بن عروہ کذاب ہے ۔

ہشام امام مالک کی نظر میں

امام مالک کا قول ہے

ہشام بن عروہ کذاب

(تاریخ بغداد)

مندرجہ بالا عبارات سے مندرجہ ذیل

نتائج اخذ ہوتے ہیں۔

تبصرہ

۱۰ امام مالک محمد بن اسحاق اور ہشام بن

عروہ کو ایک سطح پر خیال کرتے تھے

درباری اور خوشامدی ہونے کی وجہ سے

نفرت کرنے لگ گئے تھے۔

۱۱ ان کی بسیار گوئی اور بے سرو پا قصوں

کی وجہ سے دونوں کو کذاب قرار دیتے

تھے۔

۱۲ یہ شبہ ہے کہ امام مالک نے ہشام

سے روایت قبول کی ہے لیکن عراق

کے سفر سے پہلے۔ اور وہ بھی وہ

جن کی دوسرے طریقہ سے تائید ہو

گئی ہو۔

۱۳ جب تک ہشام مدینہ میں رہے اور

درباری نہیں بنے اس وقت تک

امام مالک کے نزدیک قابل اعتماد

تھے۔ لیکن جب عراق میں جا کر عرقیوں

کے طور طریق اختیار کر لئے تو امام

مالک نے بے اعتباری کا اعلان کر

دیا۔ دکان مالک لایر ضاہ و

نقم علیہ حدیثہ لاهل

العراق۔

۱۴ امام مالک کے علاوہ مدینہ والے بھی

ہشام کی اس تدلیس و تلبیس کو ناپسندیدہ

نظروں سے دیکھتے تھے۔

فانکر علیہ ذلک اهل

بلدہ و نقموا علیہ۔

(تہذیب التہذیب)

ہشام کی روایت سبایا الامم

۱۵ ہشام اس دور کے اہل علم اور اہل

خیر سے کدورت رکھتے تھے۔

خصوصیت کے ساتھ موالی علماء

کے سخت خلاف تھے۔ اور اس

سلسلہ میں وضع روایات تک

سے دریغ نہیں کرتے تھے۔

ہشام بن عروہ سے ایک روایت

منقول ہے۔

حدثنا يعقوب بن سفيان

حدثنا محمد بن عوف حدثنا

محمد بن اسماعيل بن العباس

الحمصي حدثنا هشام بن عروة

قال كان امر بني اسرائيل مستقيماً

حتى نشأ فيهم أبناء سبایا الامم

فقالوا بالسرائي فهلكوا واهلكوا.

يعقوب بن سفيان نے ہم سے حدیث

بیان کی، محمد بن عوف نے ہم سے حدیث

بیان کی محمد بن اسماعیل بن عباس حمصی نے

ہم سے حدیث بیان کی، ہشام بن عروہ

نے ہم سے حدیث بیان کی اپنے باپ

عروہ سے اس نے کہا، بنی اسرائیل

کا معاملہ ہمیشہ معتدل رہا، یہاں تک

کہ ان میں ظاہر ہوئے مولودوں سے بایا

الامم کی اولاد پیدا ہوئی، انہوں نے اپنی

راے سے مذہب اسرائیل میں رخنہ

پیدا کئے، پس وہ خود بھی گمراہ ہوئے

دوسروں کو بھی گمراہ کیا۔

اس سلسلہ میں انہی ہشام بن عروہ

کی ایک اور روایت ہے :-

حدثنا سفيان عن هشام بن

عروة عن ابيه قال لم يزل

امر بني اسرائيل معتدلا حتى

ظهر فيهم المولدون ابناء

سبايا الامم فقالوا فيهم بالسرائي

فضلوا واضلوا، قال سفيان لم

يزل امر الناس معتدلا حتى غير

ذلك البوحيفة بالكوفة و

عثمان البتي بالبصرة، وربيعة

ابن ابي عبد الرحمن السلي بالمدينة

فنظروا فوجدناهم ابناء سبايا

الامم (تاریخ بغداد جلد ۱۲ ذکر

نعمان ابن ثابت)

سفيان نے کہا (اسلام میں)

لوگوں کا معاملہ ہمیشہ معتدل رہا، یہاں

تک کہ اس کو الٹ پلٹ کر بایا کوئے

میں ابو حنیفہ نے، بصرہ میں عثمان بنی

نے، مدینہ میں ربیعہ بن ابی عبد الرحمن

الراے نے، پس ہم نے غور کیا

تو ہم نے ان سب کو سبا یا الامم کی اولاد

پایا۔

یعنی اس روایت کا اطلاق

حضرت ہشام اور ان کے شاگرد سفيان

ثوري وغيره ابو حنیفہ، قاضی عثمان بنی،

قاضی ربیعہ الراے مدنی پر کیا کرتے

تھے، حالانکہ حضرت ہشام خود بھی ام

ولد سے ہیں، اور ان کی ماں ام الولد تھیں

اولاد عروہ کا ذکر کرتے ہوئے

ابن سعد نے کہا ہے :-

وهشام وصفیه دامهما

ام ولد (ابن سعد جلد ۵ ذکر

عروہ بن زبیر)

ابن حزم نے ہشام کے متعلق لکھا

ہے :-

ام ولد اسمها

صافية خراسانية دجيرة الاناب

(ابن حزم، ولد عروہ ص ۱۱۸)

ہشام اور ان کے تلامیذ ان تینوں

سے اس لئے خفا تھے کہ یہ لوگ ہشام

سے اس لئے خفا تھے کہ یہ لوگ ہشام

۱۷ حضرت ہشام کی طبیعت پر یہ بات بھی اثر انداز تھی کہ منصور امام ابو حنیفہ کو بلا کر قاضی القضاۃ کا عہدہ پیش کرتا ہے۔ اور وہ انکار کر دیتے ہیں۔ اور اسی وجہ سے وہ معنوب بھی ہوتے۔

۱۸ مگر ہشام قرض کی ادائیگی کے لئے گڑ گڑاتے ہیں تو بڑا ملتا ہے۔

اسے ابو منذر۔ ابن عمر کے غلام نافع تمہارے باپ عمروہ کو ان کے بھائی عبداللہ پر ترجیح دیتے تھے۔ ہشام نے کہا نافع جھوٹا ہے اور فحش گالی دی۔ وہ کیا جانے۔ واللہ عبداللہ عمروہ سے بہتر ہے۔ یہ نافع مولیٰ ابن عمر مدینہ کے

اہل علم میں سے ہیں۔ امام مالک ان کی نسبت پر فخر کرتے ہیں۔

ہشام کی مغلوب الغضبی

ہشام مغلوب الغضب تھے۔ اور جلد مشتعل ہو جاتے تھے۔ معمولی معمولی باتوں پر رفت و سقط زبان پر آتے تھے۔ ایک شخص نے جو اکثر ہشام کی خدمت میں رہتا تھا۔ ہشام کے والد عمروہ اور ان کے تایا عبداللہ بن زبیر میں موازنہ کرتے ہوئے نافع مولیٰ ابن عمر کا قول ان کے سامنے نقل کر دیا اور کہا :-

یا ابا المنذر نافع مولیٰ ابن عمر کان یفضل اباک عمروہ علی اخیہ عبداللہ فقال کذب نافع وما یدری نافع عاض بنطرامہ۔ عبداللہ واللہ خیر من عمروہ (تاریخ بغداد۔ ذکر ہشام)

ہشام سے اہل مدینہ کا گریز

عراق میں جا کر جو بے سرو پا باتیں اپنے باپ کی طرف منسوب کر کے تدوینا بیان کیں۔ ان کی وجہ سے اہل مدینہ جو پہلے ہشام کی عزت کرتے تھے اور ان کی روایات کو قبول کرتے تھے ان سے گریز کرنے اور ان کی روایات کو ترک کرنے پر مجبور ہو گئے تھے۔ فانکر علیہ ذلک

اہل بلدہ ونقموا علیہ (تہذیب التہذیب ج ۱)

ہشام کے رشتہ دار بھی ان سے نالاں تھے

گھر کے آدمیوں اور نخلص متعلقین نے ان کی داستان سرائیوں پر اور اپنے

کی بعض روایات کو غلط سمجھتے تھے۔

امام طحاوی نے بحانی الاثر میں لکھا ہے کہ حدیث بسرہ جس کی بناء پر مست ذکر سے وضو لازم آتا ہے۔ اس کے راوی عروہ، ہشام کے والد اور خود ہشام ہیں۔ اس روایت کے متعلق ربیعہ قاضی مدینہ ہشام اور ان کے والد پر سخت تنقید فرمایا کرتے تھے۔ اور کہا کرتے تھے کہ اگر خون میں ہاتھ بھر جائے یا حیض ہاتھ کو

لگ جائے تو کیا وضو ٹوٹ جائے گا۔ اس پر سب متفق ہیں کہ اس سے وضو نہیں ٹوٹتا۔ اس پر ربیعہ کہا کرتے تھے کہ پھر مست ذکر اس سے بہت کم درجہ کی چیز ہے۔ پھر جو شخص میں آکر فرمایا کرتے تھے کہ مجھے لوگوں کی کم عقلی پر تعجب ہے۔ اگر یہ عورت (بسرہ) میری عدالت میں اس حقیر جوئے کے متعلق شہادت دے (اپنے جوتے کی طرف اشارہ کرتے تھے) تو میں اس کی شہادت قبول نہ کروں۔ نماز دین کا ستون

ہے۔ اور نماز کی بنیاد طہارت پر ہے۔ اصحاب رسول میں ایک عورت کے سوا کوئی شخص ایسا نہ تھا جو قیام دین کا خیال کرتا۔

امام ابو حنیفہ بھی مس ذکر سے وضو کے قائل نہیں ہیں ہو سکتا ہے کہ عثمان بنی قاضی بصرہ بھی اس کے قائل نہ ہوں۔

اس بسرہ کی روایت کے سلسلہ میں طحاوی نے عروہ کے متعلق لکھا ہے۔ انسداد لیس یہ۔ اس سند میں عروہ نے تدلیس کی ہے۔ اور ہشام کے متعلق لکھا انسداد لیس عن ابیہ یعنی ہشام نے بھی اپنے باپ سے تدلیس کی ہے۔ یہ روایت سنی کسی اور سے اور نسبت اپنے باپ کی طرف کر دی۔ حدیث بسرہ مروان و بنو مروان کا

سرکاری مذہب تھا۔ حکومت کے زور سے وہ اس کی اشاعت کرتے تھے۔ عروہ نے رشتہ داری کے خیال سے اور حکومت کے اثر سے اس مسلک کو قبول کیا۔ زہری عبد الملک کے درباری تھے۔ یہ بسرہ اس کی ماں کی دادی تھی اور جدی رشتے کے لحاظ سے خود عبد الملک کی بھی دادی تھی۔ لہذا زہری کے لئے بھی اس کا ماننا ضروری تھا۔

ہشام کی مزید درباری خصوصیات

ہشام خود حکام پسند اور اپنے باپ کی روایات کے سب سے بڑے ناقل ہیں۔ بلکہ جو کچھ ادھر ادھر سے سنا وہ بھی باپ کی طرف منسوب کر دیتے تھے۔ ان ائمہ فن کے قبول کرنے سے یہ ایک فقہی مسلک بن گیا۔

باپ کی طرف ان کی غلط نسبت کی وجہ سے
ان سے نفرت شروع کر دی تھی ۔

عتیلی کا بیان ہے کہ ابن لہیعہ جیسے
ضعیف راوی بھی اس کو بیان کرتے تھے
کہ ابوالاسود یتیم عروہ اور دوسرے قریبی
رشتہ دار کان یعجب من حدیث
ہشام بن عروہ عن ابیہ ۔ وربما
مکت سنة لا یکلمہ ۔

(تہذیب التہذیب)

یہی وجہ ہے کہ ہشام کی اس نادر
روایت کو ان کے گھر کے کسی آدمی نے
نہ قبول کیا اور نہ بیان کیا ۔

اگر عروہ اس روایت کے راوی
ہوتے تو ان کے معتمد ترین تلامذہ میں
سے کوئی تو دوسرے شخص اسے بیان کرتا ۔

ہشام سے امام مالکؒ کی بیزاری

کرتے رہے ۔ دونوں مدینے میں ہی رہتے
تھے ۔ دونوں کو ایک دوسرے کے
حالات معلوم تھے ۔ جب ہشام کی حالت
بدلی تو امام مالک نے فوراً ہشام سے بیزاری
کا اعلان کر دیا ۔

کان لا یرضاه مالک ۔ انقم
علیہ حدیثہ لاهل العراق
حتی کہ جب ہشام اپنی راستان بانی
میں حد سے تجاوز کر گئے اور ناقابل قبول
روایات اپنے باپ کی طرف نسبت
کر کے بیان کرتے رہے تو امام مالک
نے حضرت ہشام کے متعلق باوجود ان
کے شیخ ہونے کے اعلان کر دیا کہ
ہشام بن عروہ کذاب خدا نخواستہ
امام مالک کو ہشام سے کوئی کد نہیں
تھی کہ ہشام کے متعلق اتنی بڑی بات
کہتے ۔

اپنی بیوی کے بارے میں ہشام
کے غلط بیانی

فاطمہ بنت المنذر کی روایت اپنی
واوی اسماء سے موصول ہے ، فاطمہ سے
روایت کرنے والے ہشام بھی ہیں اور
محمد بن اسحاق وغیرہ بھی ۔ مگر ہشام کا اپنی
بیوی فاطمہ سے روایت کرنا اور اپنی
واوی اسماء سے روایت نہ کرنا دو

اس وقت امام مالک مدینے کے
حالات اور واقعات کے اعلم تھے ۔ وہ
مدینے اور مدینے کے رجال کے احوال میں
سند ہیں ۔ حدیث کے اخذ و ترک
میں انہیں جو بصیرت حاصل تھی وہ کم
ہی لوگوں کو نصیب ہوئی ہے ۔

جب ہشام کا انتقال ہوا تو امام مالک
کی عمر پچاس سے اوپر تھی ۔ ایک طویل عرصے
تک امام مالک ہشام کے حالات کا مشاہدہ

باتیں ظاہر کر رہا ہے۔

اول یہ کہ فاطمہ اپنی دادی کے پاس رہی ہیں اور ہشام ان کے پاس نہیں رہے۔
دوم یہ کہ فاطمہ ہشام سے بڑی تھیں۔
چھوٹی نہیں تھیں۔

اسماء اپنے بیٹے عبداللہ بن الزبیر کے ساتھ تھیں اور اللہ سے بعد کا زمانہ ان کا مکہ میں گزرا۔ ہشام اللہ میں پیدا ہوئے۔ یہ ہمیں باوجود تحقیق کے معلوم نہ ہو سکا کہ عروہ اس وقت کہاں تھے۔ بنو مروان سے کشمکش کے وقت یہ کس طرف تھے۔ اجمالی بیان تو ملتا ہے کہ انہوں نے ملکی کشمکش میں حصہ نہیں لیا۔ لیکن مفصل کیفیت معلوم نہیں۔ عبداللہ بن الزبیر کے بعض بھائی تو کھلم کھلا ان کے ساتھ تھے۔ جیسے مصعب بن الزبیر اور منذر۔ لیکن عروہ کے متعلق تاریخ خاموش ہے۔ صرف اتنا معلوم ہے کہ ان کا تعلق بنو مروان سے بھی تھا۔ کیونکہ مروان ان کا سالا تھا اور عبدالملک سالا کا بیٹا۔ اسی لئے عروہ کی اولاد کبھی کبھی اس کا اظہار کر دیتی تھی کہ دھیال سے بھی ہم سیادت کے مالک ہیں اور نہ خیال کی طرف سے بھی۔ یعنی خلیفہ عبداللہ بن الزبیر ہمارے تایا تھے اور مروان ہمارے ماموں۔ اور عبدالملک ماموں زاد بھائی۔ معلوم نہیں اس وقت یہ اپنے بھائی کی طرف سے کسی جگہ کے

عامل تھے یا مکہ ہی میں مقیم تھے۔ بلکہ گمان غالب یہی ہے کہ یہ کھلم کھلا عبداللہ کے ساتھی نہ تھے۔ یا گوشہ نشین تھے یا بنو مروان کے پاس تھے اور ہشام بھی انہی کے ساتھ تھے۔ بہر حال کہیں ہوں لیکن دادی کے پاس نہ تھے۔

فاطمہ بنت منذر کے متعلق یہ تصریح ہے کہ ان کی والدہ ام ولد تھیں اور ان کے چار بھائی ماں جاٹے اور تھے۔

(ابن سعد)

طبری اور البدریہ میں ۶۲ھ میں منذر کی وفات بیان کی ہے۔ طبری میں یہ تفصیل ہے کہ دائرہ حرہ میں مدینے میں موجود تھے۔ بعد میں آ کر اپنے بھائی عبداللہ کے معاون بنے اور دفاع مکہ میں اس کا ہاتھ بٹایا۔ ایک دن ایک شامی سے مقابلے میں اسے قتل کر دیا مگر خود بھی قتل ہو گئے۔

البدایہ میں ہے کہ حضرت معاویہ کے معاون تھے اور ان لوگوں میں سے ہیں جن کے متعلق حضرت معاویہ نے وصیت کی تھی کہ میری وفات کے بعد مجھے قبر میں اتارنے والوں میں منذر ہوں۔

ابن سعد نے منذر کے متعلق لکھا کہ مدینے کے طبقہ دوم کے روادے میں سے ہیں اور اولاد و ازواج کی تفصیل بھی

دی ہے مگر سن وفات نہیں لکھا۔
عمر دس کے لحاظ سے بھی ابن سعد نے
فاطمہ کے بھائیوں میں کوئی ترتیب قائم
نہیں کی۔ اس لئے ہم یقین کے ساتھ نہیں
کہہ سکتے کہ فاطمہ کی پیدائش کب ہوئی
اور ان کے والد منذر کی وفات کے
وقت ان کی کیا عمر تھی۔

لیکن چونکہ فاطمہ بنت منذر

کی روایت اپنی دادی اسامہ سے موصول
نہیں مانی جاتی۔ اس لئے ماننا پڑے گا۔
کہ فاطمہ ہشام سے عمر میں بڑی تھیں۔
ہشام کی پیدائش ۹۱ھ کی ہے تو ۳۷ھ میں
اپنی دادی کی وفات کے وقت ۱۲ سال
کے تھے۔ اگر فاطمہ کو ہشام سے تین
سال بڑا تسلیم کیا جائے تو ان کی پیدائش
۸۸ھ ہوتی ہے۔ اور ۳۷ھ میں ان کی
عمر ۱۵ سال بنتی ہے۔

حضرت عبداللہ کی شہادت کے بعد

اور اس کے فوراً بعد حضرت اسامہ کی وفات
کے بعد فاطمہ عروہ کی سرپرستی میں
آگئیں تھیں۔ بحیثیت ولی عروہ نے فاطمہ
کا نکاح ہشام اپنے بیٹے سے کر دیا تھا
عمر میں کچھ تفاوت تھا مگر زیادہ نہیں
تھا یہ نکاح ۳۷ھ کے قریب ہوا ہوگا۔

فاطمہ ہشام سے بڑی تھیں

اس حساب سے حضرت اسامہ کی وفات
کے وقت ۳۷ھ میں فاطمہ بالغہ تھیں اور
ہشام نابالغ۔ اسی لئے محدثین فاطمہ
کی اس روایت کو قبول کرتے ہیں جو
اسامہ سے بیان کرتی ہیں۔ کیونکہ یہ روایت
موصول بھی ہو جاتی ہے اور علوسند کی
حامل بھی۔ بلکہ اسی علوسند اور اتصال کی
خوبی کی بنا پر رواۃ فاطمہ سے روایت
سننے کی کوشش کرنے چنانچہ ہر
فاطمہ بنت منذر کے سلسلہ بیان
میں تہذیب التہذیب میں حافظ ابن حجر
نے لکھا ہے کہ فاطمہ ہشام ابن عروہ کی
بیوی ہیں۔ حضرت اسامہ سے ام المومنین
حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا اور عمرہ بنت
عبدالرحمن سے روایت بیان کرتی ہیں۔ اور
فاطمہ سے ان کے خادم ہشام بن عروہ،
محمد بن سوقة وغیرہ روایت بیان کرتے
ہیں۔

عجلی کا قول ہے۔

مدنیۃ تابعیۃ ثقۃ۔

بہر حال ہشام بن عروہ فاطمہ سے
روایت کو صرف اپنا حق تصور کرتے ہیں
اور اپنی بیوی سے کسی اور کا روایت کرنا
بھی ان کو گوارہ نہیں ہے۔

اسی لئے وہ ابن اسحاق کو جو فاطمہ
سے روایت بیان کرتے ہیں کبھی
فرماتے ہیں۔

کذب الخبیث . کبھی فرماتے ہیں . یحدث عن امرأتی فاطمة بنت المنذر والہ ان ساراھا قط .

ایک دفعہ تو انتہائی غضب میں فرمایا عدو اللہ الکذاب یروی عن امرأتی این ساراھا . ولقد دخلت بہا دھی بنت تسع سنین وما ساراھا مخلوق حتی لحقت باللہ عزوجل

اس آخری جملہ سے ہشام کا کذب صریح ظاہر ہو رہا ہے . یہ لڑکی ہشام سے تین چار سال بڑی ہے . ہشام کی پیدائش ۱۱۳ھ میں ہے . تو جس وقت فاطمہ کی عمر ۹ سال ہوگی یعنی ۱۲۲ھ میں تو اس وقت ہشام کی ۶ سال بنتی ہے . یعنی نہ فاطمہ اس عمر میں تھیں کہ بناء کی جائے . اور نہ ہشام اس قابل تھے کہ بنا کر سکتے .

یہ ہشام کی عمر کا آخری دور ہے اور اس بڑھا پے میں انہیں یہ بھی یاد نہ رہا تھا کہ فاطمہ سے نکاح کے وقت ان کی اپنی عمر کیا تھی اور فاطمہ کی کیا تھی . بناء تسع والی روایت ان کے دماغ پر اس درجہ مسلط ہو چکی تھی کہ انہوں نے شدت غضب میں اس کا اطلاق خود اپنے ہی اوپر کر لیا . یا پھر وہ دانستہ فرما رہے ہیں

اس لئے کہ وہ جانتے ہیں کہ میرے اس بیان کی تکذیب مشکل ہے . جو چاہو کہہ دو . نہ فاطمہ ہے اور نہ کوئی دوسرا آدمی ایسا ہے جو میرے خائلی بیان کی تردید کرے گا . ستر سال پہلے کا قصہ کسے یاد رہتا ہے . اور کون موجود ہے جو بتلا سکے کہ صحیح واقعہ کیا تھا .

امام شافعی رحمہ بناء تسع کی روایت کے راوی بھی ہیں اور حامی بھی ہیں . اور ان کی رائے ہے کہ لڑکی کو ۹ سال کی عمر میں ایام بھی آ سکتے ہیں . مگر انہیں بھی اپنے قول کی تائید میں صرف ایک مثال مل سکی ہے . اور وہ ام کلثوم بنت علی رضی اللہ عنہا کی مثال ہے . لیکن اس میں بھی امام شافعی یہ متعین نہ کر سکے کہ نکاح کے وقت ام کلثوم کی عمر کیا تھی . اور بناء کے وقت کیا تھی .

پھر امام شافعی کے استدلال کا سارا زور جو ازہ نکاح صغیرہ پر ہے . بناء صغیرہ پر نہیں ہے . اسی لئے تو امام شافعی بھی پسند اسی کو کرتے ہیں کہ نکاح بکر بلوغت کے بعد کیا جائے .

واعلم ان الشافعی و اصحابہ قالوا لیستحب ان لا یزوج الاب والجد حتی تبلغ و یستأذنہا لئلا یوقعھا فی اسر الزوج دھی کارہۃ .

کو اپنی اس دنیا کی کبھی کبھی جھلک دکھاتا ہے تو وہ بھی تھوڑی دیر کے لئے مسحور ہو کر اس دنیا میں پہنچ جاتے ہیں جو ان کی اس گوشت پوست کی دنیا سے ماورا ہوتی ہے۔

عمر رسیدہ بزرگوں کے یہ ذہنی کردار ماضی کے پردوں میں انہیں چلتے پھرتے نظر آنے لگتے ہیں۔ اور ماضی کے متعلق ان بزرگوں کا بیان ہی ان کے نزدیک حقیقت بن جاتا ہے۔ ان کی شخصیت، ان کی عمر کے اثرات، بالوں کی سفیدی، چہرے اور جسم کی جھڑیاں اور عقیدت کی عینک اصل حقیقت پر پردہ ڈال کر ان بزرگوں کی ذہنی دنیا ہی کو اصلی دنیا بنا دیتی ہے۔

حضرت اسماء اور حضرت زبیر کے عمریں۔

انہی حضرت ہشام کی رادی اسماء کا نکاح کبرستی میں ہوا۔ ان کے دادا زبیر نے حبشے کی طرف پہلی ہجرت کی تو وہ مجروح تھے۔ ۲۱ سال عمر تھی، حبشہ کے قیام کے دوران ایک بیوہ عورت سے نکاح کیا اس کے مرنے کے بعد مکے واپس آئے اور اسماء سے نکاح کیا۔ اسماء کی عمر اس وقت تقریباً ۲۶-۲۷ سال تھی۔ اور باکرہ تھیں، اسماء کے اول و آخر

ابن عربی شرح ترمذی ص ۳۶۲ کتاب النکاح امام شافعی اور ان کے اصحاب نے کہا مستحب یہ ہے کہ باپ اور دادا بچی کا نکاح نہ کریں یہاں تک کہ وہ بالغ ہو جائے۔ اور پھر اس سے اجازت بھی لیں اور اس کو اسکی مرضی کے خلاف خاوند کی قید میں نہ ڈالیں۔

حضرت ہشام نے تو کمال ہی کر دیا کہ نہ صرف حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بناء تسح کی روایت بیان کی بلکہ روایت پر خود عمل کر کے بھی دکھا دیا۔ کہ اپنے چچا کی لڑکی فاطمہ ۹ سال کی عمر میں بناء کی۔

حالانکہ جس وقت فاطمہ کی عمر ۹ سال تھی اس وقت حضرت ہشام صرف چھ سال کے بچے تھے۔

اور ہشام کا بیان حضرت ہشام کی خود پسندی اور عجائب پسندی کی دلیل تو یقیناً بن سکتا ہے لیکن حقیقت کو نہ مسخ کر سکتا ہے نہ تبدیل۔

انسان اپنے ذوق عجوبہ پرستی کے لئے کیا کیا کچھ کر جاتا ہے، بالخصوص بڑھاپے میں جب قوامی جواب دے جاتے ہیں تو تخیلات کی دنیا بساتا اور عجیب عجیب خارق العادات واقعات سے اسے سمجھاتا ہے۔ پھر ہر وقت ان میں لگے رہنے کی وجہ سے وہی اس کی واقعاتی دنیا بن جاتی ہے۔ اور جب نوجوانوں

نخاوند ہی زبیر بن العوام ہیں۔ اسماء کی عمر
ہجرت مدینہ کے وقت ۲۷ سال تھی۔ ہجرت
حبشہ کے وقت حضرت اسماء کی عمر ۷۰
سال تھی۔ یہ زبیر کی ہم عمر ہیں۔ اور ہو سکتا
ہے کہ ایک سال بڑی ہی ہوں۔

زیادہ عجیب

حضرت ہشام کا اپنی بیوی کے متعلق
یہ قول تو آپ نے سن ہی لیا کہ
وَلَقَدْ دَخَلْتُ بِهَا وَهِيَ
بِنتُ تِسْعِ سَنِينَ۔ اس سے بھی
زیادہ ان ہی کا دوسرا قول حافظ ابن حجر
کی زبانی سن لیجئے۔

قال هشام بن عروة "كانت
أكبر مني بثلاث عَشْرَ سَنَةً"
— فَيَكُونُ مَوْلِدُهَا سَنَةَ
ثَمَانٍ وَارْبَعِينَ
(تہذیب التہذیب بیان فاطمہ
جلد ۱۳)

ہشام بن عروہ نے کہا (فاطمہ بنت
منذر) مجھ سے تیرہ سال بڑی تھی
لہذا اس لحاظ سے وہ ۳۸ سالہ میں پیدا
ہوئی۔

ہشام کی یہ دوسری روایت پہلی
روایت سے بالکل مختلف ہے۔
خطیب بخداوی نے ہشام کی جو روایت

نقل کی ہے اس میں تو ہے کہ میں نے
فاطمہ سے ۹ سال کی عمر میں بنا کی۔
اور اس روایت میں ہے کہ وہ مجھ سے
تیرہ سال بڑی تھی۔ ان دونوں روایتوں
کے حساب سے حضرت ہشام کی فاطمہ
سے بناء ہشام کی پیدائش سے چار
سال پہلے بنتی ہے۔

لامحالہ ان دونوں روایتوں میں
سے ایک تو یقیناً غلط ہے۔ اور ہو
سکتا ہے کہ دونوں ہی غلط ہوں۔ اور
قرین قیاس بھی یہی ہے۔ اس لیے
کہ فاطمہ حضرت ہشام سے غالباً صرف
تین چار سال بڑی تھیں۔

مگر ان حضرت نے اپنی روایت
میں اعتبار پیدا کرنے کے لئے اپنی
بیوی کو اپنے سے دس سال اور بڑھا
دیا۔ تین کے بجائے تیرہ کر دیا۔
جیسا کہ انہوں نے حضرت عائشہ
والی روایت میں یہی حرکت کی ہے
کہ ان کی عمر میں سے دس گھٹا کر ۱۹ کے
بجائے ۹ کر دیے اور پھر ان کا بچپن
ثابت کرنے کے لئے جن جن کذبین
کے لوازمات اپنی روایتوں میں حضرت
عائشہ کے ساتھ چسپاں کرنے شروع
کر دیے۔

الغرض۔

غرض یہ ہے کہ یہ حضرت ہشام

مجموعہ اضداد ہیں۔ سرکاری و برابری قسم کے آدمی ہیں، داستان گو ہیں، سیرت کے ور جے کی روایات کو احکام کی روایات میں تبدیل کرنا ان کا محبوب فن ہے۔

ہشام کی روایت سبایا الامم پر مزید بحث

ہشام بن عروہ کی سبایا الامم والی روایات ان وقت کے عرب ذہن کی ترجمان ہیں۔ بنو مروان کے دور میں عرب انساب کی فرتیت کو بھاری کیا تھا۔ اور بہ فضا پیدا کرنے کی کوشش کی گئی تھی کہ عرب باقی تمام لوگوں پر فضیلت رکھتے ہیں۔ بنو مروان سے تعلق رکھنے والے نوجوانوں کا تو یہ ذہن بن گیا تھا کہ موالی سے ہم سے کم رتبہ لوگ ہیں اسی گروہ میں سے ہشام بن عروہ بھی تھے۔

حالانکہ اسلام ہی وہ مذہب ہے جس نے طبقاتی برتری کو ختم کر کے اسلامی مساوات کا ذہن پیدا کیا تھا۔ لیکن بنو مروان کے دور میں طبقاتی برتری کا ذہن پھر ابھر آیا اور نسلی تفوق کو خاص اہمیت دی جانے لگی۔ مگر اسلام

نے غلاموں کے لئے آزادی کا جو راستہ بنا دیا تھا اسے وہ بند نہ کر سکے۔ موالی ریاست کے جھگڑوں میں الجھنے کے بجائے تحصیل علم میں مشغول ہو گئے۔ اور علوم قرآن و حدیث میں وہ مہارت پیدا کی کہ اشراف قریش ان کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کرنے پر مجبور ہو گئے۔

مطالب قرآن اور سنت رسول کا قیمتی سرمایہ انہی موالی علماء کے ذریعہ ہم تک پہنچا۔ پوری امت مسلمہ ان موالی علماء کی زبرد احسان ہے، اگر یہ لوگ اپنی پوری عمریں خدمت دین میں بسر نہ کرتے اور حفاظت دین نہ کرتے تو سنت کے بیشتر حصے سے امت مسلمہ محروم رہ جاتی۔ ہم یہاں اختصار کے ساتھ موالی علماء کا ذکر کرتے ہیں۔

موالی علماء یا وہ سبایا الامم

۱ موالی مکحول

یہ اپنے دور کے سرتاج علماء ہیں نہ ہری کہا کرتے تھے کہ حقیقی عالم اس زمانے میں تین ہی ہیں۔ اور ان تین

میں مکحول کا نام سرفہرست بیان کیا کرتے
تھے۔ یہ مکحول اپنے تلامیذ سے اپنی
روداد علم مختصر لفظوں میں یوں بیان کیا
کرتے تھے :-

الف۔ عتقت بمصر فلم اذع
بہا علما الاحویثہ فیما ارای
ثم اتیت العراق ثم المدینة
فلم اذع بہما الاحویثہ علیہ
فیما ارای ثم اتیت الشام
فخر بلتھا (تذکرۃ الحفاظ جلد
اول ص ۱۲)

میں مصر میں آزاد ہوا وہاں کا تمام
علم میں نے سمیٹا پھر عراق آیا پھر مدینہ
آیا اور اپنی استطاعت بھر وہاں کے
علوم کو سمیٹا پھر شام آیا اور وہاں اپنے
تمام علوم کو چھانا بچھوڑا۔

۲۔ مولی رفیع بن مہران :-

مولی رفیع بن مہران ابو العالیہ
الرباحی اپنا اور اپنے ساتھیوں کا حال بیان
کرتے ہوئے فرمایا کرتے تھے :-

کنا عبید بن مملوکین -
من امن یودی الفریبة و منا
من یخدم اہلہ - فکنا نختم
کل لیلۃ مرة (ابن سعد جلد
اول ص ۱۲)

ہم غلام تھے۔ کچھ ایسے تھے جو
مالکوں کو نقد کما کر دیتے تھے۔ کچھ اپنے
مالکوں کی خدمت کرتے تھے اور ہم ہر رات
ایک قرآن ختم کرتے تھے۔

ابن ابوالعالیہ کے متعلق ابن عباس
کا رویہ یہ تھا :-

کان ابن عباس یرفعنی علی
سریرہ و قریش اسفل منہ
ویقول کذا العلم یزید
الشریف شرفا و یجلس
کالمملوک علی الاسرۃ

(تذکرۃ الحفاظ جلد اول ص ۱۲)

ابن عباس مجھے اپنے تخت پر بٹھاتے
تھے اور قریش نیچے فرش پر بیٹھتے تھے
اور ابن عباس رخصہ کہا کرتے تھے۔ علم
اس طرح شریف کے شرف کو زیادہ
کرتا ہے اور بادشاہوں کی طرح تخت
پر بٹھاتا ہے۔

عامۃ المسلمین نے ان موالی علماء
کی بہت قدر کی لیکن شرفاء قریش
اور حکام بنو مروان کا خاص طبقہ ان
موالی علماء سے نفرت کرتا تھا۔ اور
علم کے میدان میں ان سے پیچھے رہ
جانے کی وجہ سے حسد کرتا تھا۔

قاضی حسن بن زیاد نے جو امام ابو
حنیفہ کے شاگرد ہیں امام صاحب کا
یہ قول نقل کیا ہے :-

اعتق زید بن حارثہ و زوجہ
ابنہ عمتہ زینب بنت جحش
تحقیق تبارے نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں بہترین نمونہ ہے رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم نے صفیہ بنت حبیب کو آزاد کر کے اس سے نکاح کر لیا اور
زید بن حارثہ کو آزاد کر کے اس سے اپنی بیوی کی طرح رکھا زینب بنت جحش
کا نکاح کر دیا۔

مکالمہ زہری

عبد الملک

ابن شہاب زہری اور عبد الملک
کا ایک مکالمہ مقدمہ ابن صلاح ص ۴۶
مطبوعہ مصر میں نقل کیا گیا ہے۔
ایک دفعہ زہری عبد الملک کے دربار
میں پہنچے تو اس نے مختلف شہروں
کے مرجع امام علماء کے متعلق دریافت
کیا۔

عبد الملک :- تم اس وقت کہاں سے
آ رہے ہو ؟

زہری :- مکہ معظمہ سے۔

عبد الملک :- مکہ میں سب سے بڑا مقبول
خلائق عالم کون ہے ؟

زہری :- عطاء بن ابی رباح

عبد الملک :- یہ کون ہے۔ عرب ہے یا
موالی میں سے ؟

زہری :- موالی میں سے۔

عبد الملک :- اس نے یہ مقام کیسے حاصل
کیا ؟

زہری :- قرآن و سنت کی خدمت سے۔

کانت دلاۃ بنی امیہ لا
مدعون بالموالی من الفقهاء
بلفتیاء (مناقب خوا زہری)
کام بنو امیہ موالی فقہاء کو فتویٰ

نہیں دینے دیتے تھے

بصرے کے مشہور عالم عبد اللہ بن عون
کو جنہیں اس دور کا رأس فی العلم
تصور کیا جاتا تھا۔ بصرے کے گورنر لال
بن ابی بردہ نے اس جرم میں کوڑے لگوائے
تھے کہ لاندہ تزوج امراۃ عربیہ۔
غرض اس دور کے برخود غلط شرفاء
قریش اور بنو مروان کے سامنے اپنی خاندانی
فضیلت کے سوا اور کوئی بلند نسب العین
نہیں تھا۔

ابن سعد نے امام زین العابدین کا
ایک قصہ نقل کیا ہے کہ آپ نے اپنی ایک
ساجزادی کا نکاح اپنے ایک آزاد کردہ
غلام سے کر دیا۔ اور اپنی ایک کنیز کو آزاد
کر کے اس سے خود نکاح کر لیا عبد الملک
بن مروان نے اپنے ایک خط میں امام
زین العابدین کو خاندانی شرافت کا حوالہ دیتے
ہوئے اس عمل پر طعن و تشنیع کی امام
زین العابدین نے اس کے جواب میں لکھا۔
لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ
اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ. قد اعتق
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
صفیہ بنت حبیب و تزوجھا و

عبدالملک :- درست ۔ یہ دونوں باتیں ہی
ایسی ہیں کہ آدمی کو پیشوا بنادیتی
ہیں ۔

نہری :- مولی
عبدالملک :- خراسان کا سب سے بڑا عالم ان
دلوں کون ہے ؟

:- یمن کا سب سے بڑا عالم اور
امام کون ہے ؟

نہری :- ضحاک بن مزاحم
عبدالملک :- مولی ہے یا عرب
نہری :- مولی ہے ۔

نہری :- طاؤس بن کيسان

عبدالملک :- یہ کون ہے ، عرب ہے یا مولی ؟

نہری :- مولی میں سے ہے

عبدالملک :- اس نے یہ بزرگی کیسے حاصل
کی ۔

عبدالملک :- (ٹھنڈا سانس بھر کے) وہ ملک
افسوس ہے تجھ پر ۔ اچھا
کوٹھے کا سب سے بڑا عالم اور
مقتدا کون ہے ؟

نہری :- جس خدمت سے عطا آگے بڑھے
اسی خدمت سے یہ آگے بڑھ
گیا ۔

عبدالملک :- اچھا مصر کا عالم اور امام کون ہے ؟

نہری :- زید بن جلیب

عبدالملک :- عرب ہے یا مولی میں سے ؟

نہری :- مولی میں سے ۔

عبدالملک :- اور شام کا امام کون ہے

نہری :- مکحول ۔

نہری :- ابراہیم نخعی ۔

عبدالملک :- مولی ہے یا عربی ؟

نہری :- یہ عربی الشل ہے ۔

عبدالملک :- آف نہری اب تم نے ایک بات

ایسی کہی کہ جس سے میرے دل کا

بوجھ کم ہو گیا اگر اب کے تم یہ جواب

نہ دیتے تو قریب تھا کہ میرا کلیجہ

پھٹ جاتا ۔

اس کے بعد عبدالملک نے حاضرین کو مخاطب

کر کے کہا ۔ قطعاً اور یقیناً یہ مولی عربوں کے

پیشوا اور سردار بن کر رہیں گے ۔ یہ ہو کر رہے

گا کہ منبر پر بیٹھا ایک مولی خطبہ دے رہا

ہے ۔ اور اسی منبر کے نیچے عرب بیٹھے سن

رہے ہوں ۔

عبدالملک :- عرب ہے یا مولی ۔

نہری :- مولی میں سے ہے ۔ پہلے یہ

غلام تھے قبیلہ ہذیل کی ایک

عورت نے ان کو آزاد کیا

تھا ۔

عبدالملک :- جزیرے کا عالم کون ہے ؟

نہری :- میمون بن مہران ۔

عبدالملک :- مولی ہے یا عرب ؟

نہری نے عبدالملک کے غصے کو

کم کرنے کے لئے اصل حقیقت کی طرف

اشارہ کیا اور کہا امیر المؤمنین یہ اللہ کا

دین ہے۔ جو بھی اس کا علم حاصل کرے گا
وہی امام بنے گا۔ اور جو اس علم سے لاپرواہی
برتیں گے وہ گریں گے، انہیں گزنا ہی
پڑے گا۔

خود زہری بھی اسی ذہنیت کا شکار تھے۔
اخبرنا عن عبد السزاق ابن ہمام
اخبرنا معمر قال قيل للزهري
زعموا انك لا تحدث عن الموالى
فقال انى لا احدث عنهم ولكن
اذا وجدت ابناء المهاجرين
والانصار اتكثروا عليهم فما اشتهع
بغيرهم (طبقات ابن سعد
جلد ۱ ص ۱۰۰)

زہری سے کہا گیا لوگ یہ کہتے ہیں
کہ تم موالی علماء سے حدیث بیان نہیں
کرتا لیکن اس مجبوری کا کیا کروں جب میں
دیکھتا ہوں کہ مہاجرین اور انصار کی اولاد
انہیں پر بھروسہ کئے ہوئے ہے تو میرے
لئے بھی اس کے بغیر چارہ نہیں ہے۔

لیکن اس وقت کے جدید عرب علماء
محض علم کی وجہ سے ان موالی علماء کی بہت
تذکرہ کرتے تھے۔ اور عوام بھی ان کے علم اور
ذہن و افتاد کی وجہ سے انہیں قابل قدر خیال
کرتے تھے۔ خصوصیت سے عباسی دور
میں جب عرب عصیت کم ہو گئی تھی تمام
علمی مراکز پر بیشتر ان موالی علماء کا قبضہ ہو
گیا تھا۔

ابوالعالمیہ کا بیان ہے کہ
دخلت على بن عباس وهو
امير البصرة فنادى بیده حتى
استويت معه على السرير

(ابن سعد جلد ۱ ص ۱۰۰)
میں ابن عباس کے پاس گیا وہ
اس وقت بصرے کے حاکم تھے، انہوں
نے میرا ہاتھ پکڑ کر اپنے پاس تخت
پر بٹھالیا۔

جن دنوں بنو مروان اور قریش
کے شریف زادوں کا یہ حال تھا کہ موالی
علماء کی تذلیل کرتے تھے۔ انہی دنوں
ابن عمر کی یہ کیفیت تھی کہ مجاہد بن جعیر
کے گھوڑے کی لگام پکڑے کھڑے ہیں۔
خود مجاہد فرماتے ہیں کہ

”ربما اخذني ابن عمر
بالركاب“
بہا اوقات ابن عمر میرے گھوڑے
کی رکاب پکڑ لیتے تھے۔

۳۔ مولیٰ حکم بن عتبہ

کوفہ کے ایک مشہور عالم حکم بن عتبہ
جو موالی میں سے تھے جب کبھی مدینے
لشرف لائے تو منقول ہے کہ

خَلَّوْا لِي سَارِيَةَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (تذكرة الحفاظ جلد اول)

۶۔ مصر کے دو مولیٰ علماء

تو لوگ آپ کے لئے ساریۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم (یعنی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نشست گاہ) خالی کر دیتے تھے۔

مصر کے دو مشہور عالم یزید بن حبیب اور عبید اللہ بن جعفر کا مصر میں اتنا اثر تھا کہ ہما جو ہرتا البلاد کانت البیعة اذا جاءت الخلیفۃ ہما اول من یباع (تذکرہ - جلد اول)

وہ دو فوٹ ملک کے مانے ہوئے شخص تھے جب کسی خلیفہ کی بیعت کا وقت آتا تو سب سے پہلے یہ بیعت کرتے

۴۔ مولیٰ حبیب بن ثابت

اسی طرح کوفہ کے دوسرے مشہور عالم حبیب بن ثابت جو تابعی ہیں جس وقت طائف تشریف لے گئے تو ابو یحییٰ القتات کا بیان ہے کہ

کانما قدم علیہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم
تکویا نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام تشریف لے آئے۔

۸۔ مولیٰ حسن بصری

حسن بصری کے متعلق یہ مشہور تھا کہ ہو سید شباب اہل البصرة (تذکرہ جلد اول) وہ بصرے کے جوانوں کا سردار تھا۔

۵۔ مولیٰ منصور بن زازان

منصور بن زازان واسطی کا جب انتقال ہوا تو عباد بن الحواری کا بیان ہے۔

ما لیت النصارى علیحدۃ و الیہود علیحدۃ قد اخذ خالی بیدی من کثرة الازدحام۔

میں نے یہود کو علیحدہ دیکھا اور نصاریٰ کو علیحدہ دیکھا اور میرا ماموں میرا ہاتھ پکڑے ہوئے تھا کثرت ازدحام کی وجہ سے۔

۹۔ مولیٰ محمد بن سیرین

کان محمد بن سیرین و الحسن سیدی اہل هذا البصر عرو سہا و مولاہا (ابن سعد جلد ۲)

لوگ ان کی زیارت کے لئے اس
نور جمع ہو گئے کہ ان کو گھر کی چھت پر
چڑھانا پڑا۔

محمد بن سیرین اور حسن اس شہر
کے سردار تھے نہایت تھے آقا تھے۔

۱۰ مولیٰ عبد اللہ بن المبارک

۱۲ مولیٰ اسماعیل بن عبید
بن ابی المہاجر

جب شہر رقتہ میں داخل ہوئے تو
مارون الرشید اور اس کی بیوی وہاں موجود
تھے۔ لوگ ان کے استقبال کے لئے
ٹوٹ پڑے۔ اور یہ حال ہوا کہ

ابن عبد الملک کو اپنے بچوں کو تعلیم
تربیت کے لئے مقرر کرنا پڑا جب عبد الملک
نے اس خدمت کا معاوضہ دینا چاہا تو اسماعیل
نے قرآن کی تعلیم پر اجرت لینے سے انکار
کر دیا۔ عبد الملک نے کہا کہ یہ قرآن شریف
کی تعلیم کا معاوضہ نہیں ہے بلکہ نحو وغیرہ
سکھانے کا معاوضہ ہے۔ (ابن سعد
جلد ۷)

ارتفعت الغبرة و تقطعت
النعال۔ غبار چڑھ جاتا تھا اور جوتیاں
ٹوٹ جاتی تھیں۔

زبیرہ زوجہ مارون نے اس
نظارے کو دیکھ کر کہا تھا۔

هذا والله الملك لا ملك
هادون الذی لا یجمع الناس
الا بشرطی و اعوان۔

خدا کی قسم یہ بادشاہ ہیں نہ کہ مارون
بادشاہ جس کے لئے لوگوں کو سپاہیوں
اور اعوان کے ذریعے جمع کیا جاتا ہے۔

۱۱ مولیٰ عکرمہ

صرف مرد میں مولیٰ کی اولاد میں
سے چار عالم ایسے پیدا ہوئے جو اپنے
وقت کے امام تھے۔

خرج من مرد اربعة من
اولاد العبيد ما منهم احد الا
دهو امام عصره۔ عبد الله بن
المبارک و مبارک عبید۔ و
ابراہیم بن میمون الصائم و
میمون عبید۔ والحسين بن

حضرت ابن عباس کے مولیٰ عکرمہ
کے متعلق ابن سعد نے لکھا ہے
فاجمع الناس عليه حتى
صعدوا له فوق ظهر بيت۔

اسے قرشیوں سے مخصوص رکھا۔ پس
سعید بن المسیب فقہ مدینہ تھے۔
بلانزارع۔

• غرض ان موالی علماء کے اثر و رسوخ
سے قریش کے شرقاء نہ صرف یہ کہ گھبراتے
تھے بلکہ حسد بھی کرتے تھے۔ ہشام بن کا
بچپن، جوانی، بڑھاپا سب بنی مروان
کے دور میں گزرا ہے ان مروانی اور قرشی
اثرات سے بے حد متاثر تھے۔ اسی لئے
انہوں نے اس قرشی اور مروانی ذہن کی
ترجہانی اپنے اس کلام میں کی ہے جس
کو انہوں نے اپنے باپ کی طرف منسوب
کے روایت بنا دیا ہے۔

یہ روایت ہشام عبدالملک کے
آخری دور کی معلوم ہوتی ہے جبکہ مروانیوں
کا اور عربی عصبیت کا پورا دور اور عروج
تھا۔

۱۳۲ھ میں عباسی حکومت قائم
ہو گئی ۱۳۶ھ میں ابو جعفر منصور تخت
نشین ہوا۔ اس وقت سے عباسی
حکومت کو استحکام نصیب ہوا۔ اسی
جعفر منصور کے زمانہ میں ہشام عراق
میں آئے، اور آخری سفر عراق ۱۴۴ھ
۱۴۵ھ میں کیا۔ کوفہ اور بصرے گئے
بغداد آئے اور وہیں وفات پائی۔
واپس مدینہ نہ جاسکے۔
حضرت ہشام کی یہ روایت جس سے

واقف و واقف عید۔ والیوحمة
محمد بن میمون و میمون
عید (معرفت علوم الحدیث للحاکم)
علاموں کی اولاد میں سے مروکے چار
مشہور علماء ہوئے ہیں۔ ہر ایک ان میں
سے اپنے وقت کا امام تھا۔ عبداللہ بن
مبارک، ابوالہیثم بن میمون صائم حسین
بن واقد۔ ابو حمزہ محمد بن میمون علی الترتیب
ان لوگوں کے والد۔ مبارک، میمون واقف
میمون غلام تھے۔

آخر میں ان موالی علماء کا حلقہ اثر
اتنا وسیع ہو گیا تھا کہ مدینہ کے سوا تمام
ممالک اسلامی نے ان موالی علماء کی سیادت
اور ان کے علوم کو قبول کر لیا تھا۔ اور
ہر جگہ یہی موالی علماء درس دیتے تھے
اور مرجع خلافت تھے۔

لصامات العبادلة سبار
الفقه في جميع البلدان الى
جميع الموالى الا المدینة فان
الله خصها بقرشية فكان فقيه
اهل المدینة سعید بن
المسیب غیر مدافع۔

(مقدمہ ابن صلاح)

جب عیادہ کا انتقال ہو گیا (یعنی
چاروں عبداللہ وفات پا گئے) تو تمام شہروں
میں فقہہ کلیتہً موالی علماء کی طرف منتقل
ہو گئی سوائے مدینہ کے کہ اللہ نے

کرتے ۔

موالے اور نبی کریم

صلی اللہ علیہ و سلم

اس روایت ہشام کا انداز تبارک رہا ہے کہ یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام نہیں ہو سکتا جس دین کے ابتدائی مؤید غلام ہوں جنہوں نے اپنے عقیدے اور دین کے لئے بڑی بڑی قربانیاں دی ہوں اور آپ ان سے اپنی اولاد کی طرح محبت کرتے ہوں ان کی مذمت اور خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے ؟ یہ سمجھ میں آنے والی بات نہیں ہے ۔ بلال ، یاسر ، سمیہ ، عمار ، صہیب ، ابو رافع ، سلمان فارسی ، زید بن حارثہ ، ام ایمن کون تھے ؟ انہوں نے بیشتر ثمر فار قریش سے پہلے اپنے آپ کو اسلام کی خدمت کے لئے پیش کیا تھا یہ سب کے سب اولادِ سبا یا نہیں بلکہ خود سبا یا تھے انہوں نے اسلام کے لئے جو تکلیفیں اٹھائیں ان کے تصور ہی سے رنگے کھڑے ہو جاتے ہیں ۔ ان کے مقابلہ میں احرارِ قریش نے کوئی تکلیف ہی نہیں اٹھائی ۔ کبھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم

اہل الرائے کی مذمت ہوتی ہے ان لوگوں کی زندگی ہی میں اور عروج کے زمانہ میں بیان کی گئی ہوگی ، اور وہ زمانہ ہنومران کا آخری دور معلوم ہوتا ہے ، ربیعہ بن عبدالرحمن الرائے ^{۳۳} میں فوت ہوئے ہیں ، یہ امام مالک کے استاد تھے اور سفیان ثوری کے بھی استاد ہیں ، ابن سیرین اور حسن بصری سے زیادہ عالم تھے ، ان کے متعلق امام مالک کا قول ہے ۔

ذهبنا حلاوة الفقه منذ مات دبیعة ، بعض نے کہا ^{۳۴} میں فوت ہوئے ، عثمان بن قاضی بصرہ جو اہل الرائے تھے ^{۳۵} میں فوت ہوئے ۔

المختصر ہشام نے عربی عصبیت کے زیر اثر اور مروانی اثرات سے متاثر ہو کر یہ بے سرو پا روایت بیان کی ہے ، جس سے ہشام کی تنگ نظری عیاں ہے ۔

حضرت ہشام اہل الرائے کے سخت خلاف ہیں ، کیوں نہ ہوں ، روایت میں تو کسی کو باز پرس کا حق نہیں ہے ۔ جو چاہو بیان کرو ، پھر حضرت عائشہ کے بھانجے اور بھانجے کے بیٹے کی روایت پر تو کون انگلی رکھ سکتا ہے ، لیکن روایت میں تو بال کی کھال نکلتی ہے ، اس لئے وہ روایت کی نفی کیوں نہ

نے ان کو سبایا کہہ کر ان کی دل آزاری
 نہیں کی۔ کبھی سماجی مقام کو نہیں گرایا
 ہر ضرب پر جس کے منہ سے اُحد اُحد نکلتا
 تھا وہ کون تھا جن کو گرمیوں کی دوپہر
 میں گرم ریت پر لٹایا جاتا تھا وہ کون تھے
 یہ بلال و یاسر تھے۔

”سبایا“ کہہ کر حضرت ہشام
 جن کی توہین کر رہے ہیں انہیں میں سے
 بلال ہیں جن کو حضرت عمر رضی اللہ عنہما سیدنا بلال
 کہتے ہیں۔ جن کے متعلق نبی کریم صلی اللہ
 علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ سلمان منا
 اهل البيت یہ السابقون الاولون
 سبایا ہی میں سے تو تھے۔

نبیوں کے اتباع کا پہلا شرف
 معاشرے کے پچکے ہوئے انہی لوگوں
 کو نصیب ہوا اور اپنے وقت کے
 صاحب اختیار لوگوں نے اپنے وقت
 کے انبیاء کو یہی طعنہ دیا ہے۔
 قَالُوا اَنُؤْمِنُ لَكَ وَاتَّبَعَكَ

الَّذِذْ ذَلَمُونَ پارہ ۱۹ رکوع ۱۰

قَالَ الْمَلَأُ الْبَنِينَ كَفَرُوا
 مِنْ قَوْمِهِ مَا نَرَاكَ إِلَّا بَشَرًا
 مِثْلَنَا وَمَا نَرَاكَ اتَّبَعَكَ إِلَّا الَّذِينَ
 هُمْ أَرَأَيْنَا بُدِئِ السَّائِیَ - وَمَا
 نَرَاكَ لَكُمْ عَلَيْنَا مِنْ فَضْلٍ بَلْ
 نَنظُرُكُمْ كَأَنَّا زُبُرٌ ر پارہ ۱۲

رکوع ۳

قرآن مجید نے اپنی سوسائٹی میں معیار
 شرافت بدل دیا ہے رنگ اور نسل
 اس کی بنیاد نہیں ہے۔ بلکہ مکارم اخلاق
 پر اس کی بنیاد رکھی گئی ہے۔
 اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ
 اَتْقٰكُمْ

محض شہادتین پڑھ لینے سے انسان
 اس برادری کا فرد بن جاتا ہے اور اخوة
 کا رشتہ قائم ہو جاتا ہے جاہلیت کے
 تمام ضابطے ختم ہو جاتے ہیں۔ اِنَّمَا
 الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ فَأَصْلَحُوا
 بَيْنَ أَخَوِيكُمْ

جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم
 کی نظر میں خود باندی اور غلام ہونا کوئی
 عیب نہیں تو غلام اور باندی کی اولاد
 ہونا کیسے عیب ہو سکتا ہے۔

سوالے اور رائے

حضرت ہشام رائے کے استعمال
 پر خفا ہیں۔ لیکن قرآن شریف میں تو
 بار بار غور و فکر کی دعوت ہے۔
 اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ
 يَّتَفَكَّرُوْنَ

قرآنی علوم تو کھلتے ہی ان لوگوں
 پر ہیں جو تدبر اور تفکر کرتے ہیں۔
 آن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم

مَنْ قَوْمٍ عَسَى أَنْ يَكُونُوا خَيْرًا مِنْهُمْ
وَلَا نِسَاءٌ مِنْ نِسَاءِ عَسَى أَنْ تَكُنَّ خَيْرًا
مِنْهُنَّ وَلَا تَلْمِزُوا النَّفْسَ وَلَا تَنَابَرُوا
بِالْأَفْقَابِ بِئْسَ الْإِسْمُ الْفُسُوقُ بَعْدَ
الْإِيمَانِ وَمَنْ لَمْ يَتُبْ فَأُولَئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ
(پارہ ۲۶ سورۃ محبتات)

اس روایت سے شام اپنے احساس کہتری
پر پروہ ڈالنا چاہتے ہیں، جب انسان کسی کے
تفوق کو نہیں پہنچ سکتا تو اس کی خوبیوں اور
رفعتوں کو عیب اور گمراہی کے رنگ میں
پیش کر کے لوگوں کو اس سے متنفر کرنا شروع
کر دیتا ہے، پروہ پاگنڈے کے زور سے فضا
کو مکدر کر کے روشن عقل کے سامنے تعصب
کی دیوار کھڑی کر دیتا ہے اور چاہتا ہے کہ لوگ
اندھیرے میں رہیں اور تنفر کی فضا قائم رہے۔
الناس أعداء لسا جملوا۔

ہم یہ بات سمجھنے سے قاصر ہیں کہ سبائے
ائم اور قول بالرائے میں کیا لزوم ہے مثلاً
منطق اور فلسفے کے ساتھ بے دینی عام طور پر
پائی جاتی ہے، پیشے کے اثرات انسان پر ضرور
مرتب ہوتے ہیں، بادشاہوں کی اولاد میں فخر
وغرور پایا جاتا ہے، قاضیوں کی اولاد اکثر ہشیار
ہوتی ہے، لیکن اولاد سبایا اور رائے میں
کیا تعلق ہے، سبایا اور رائے اکثر دو
متضاد امر ہیں، عام حالات میں تو سبایا
میں رائے اور اجتہاد کا نام بھی نہیں ہوتا
ان پر تو رائے اور عقل کی تہمت ہی ہوتی ہے۔

نے حضرت معاذ کو یمن بھیجتے ہوئے پوچھا
تھا ”کیسے فیصلہ کر دے گا؟“

قرآن شریف سے، اور اس میں نہ
ملا تو آپ کی سنت سے، اور اگر اس
میں بھی نہ ملا تو اجتہاد اور فکر ہے
اس پر آپ نے فرمایا تھا

الحمد لله الذي اهدى رسول
رسوله، لیکن حضرت شام فرماتے
ہیں کہ عقل کو اٹھا کر رکھ دو اور ہماری
بے سرو پا بانوں کو روایات سمجھ کر من
وعن تسلیم کر لو۔

اول تو یہ دعویٰ ہی محل نظر ہے کہ
بنی اسرائیل کا کام بنائے سبایا نے خراب
کیا تھا، اور حضرت موسیٰؑ کی تعلیم میں نسلی
منافرت کو ابھارا گیا تھا، — اس لئے
کہ اسلام تو قطعاً نسلی تفوق کی نفی کرتا ہے،
اور یہ روایت اسلام اور نبی کے مزاج سے

بہت دور ہے اور اس کا صدور منہج خیر
سے نہیں ہوا۔ یہ روایت اس جنس کلام میں
داخل ہی نہیں ہو سکتی جس کا صدور نبی کریم
صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات سے ہوا، نبی کے
منہ سے کبھی غلط بات نکل ہی نہیں سکتی۔

اس کے علاوہ اس روایت میں تنابز
بالألقاب بھی ہے، جس سے قرآن مجید نے سختی
سے منع کیا ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ

اگر ہشام کی مراد یہی ہے کہ یہ بے عقل لوگ ہیں اور جب بھی یہ بیچارے عقل و رائے کا استعمال کریں گے غلط کریں گے تو اس میں ان غریب سبایا کا کیا قصور ہے۔ خدا تعالیٰ نے تو ان کو احرار کی طرح تمام انسانی صفات سے نوازا تھا مگر ظالم معاشرے نے ان کو اپنی صفات بد و رائے کا رلانے کا موقع نہیں دیا۔ اگر ان کو موقع دیا جاتا تو ان میں اور احرار میں کوئی بھی فرق نہیں ہے۔

اگر یہ مراد ہے کہ جو اولاد سبایا اپنی رائے کا استعمال کرتی ہے وہ غلطی کرتی ہے تو ہم اس لزوم کے سمجھنے سے بھی قاصر ہیں۔ اگر کسی کے ماں باپ غلام رہے ہوں تو اس کی رائے اور عقل میں کیا خرابی آ جاتی ہے کہ وہ اپنی رائے کا استعمال نہ کریں۔ یہ دعویٰ بلا دلیل اور ناقابل یقین ہے۔ اگر اتفاق سے احرار اولاد سبایا اور رائے و عقل ایک جگہ جمع ہو جائیں تو زمین و آسمان نہیں ٹوٹ پڑتے۔ جب احرار اور رائے میں کوئی تضاد نہیں ہے تو ان رائے احرار اور رائے میں کیوں تضاد ہو۔ اور اگر احرار اور رائے میں کوئی لزوم نہیں ہے تو ان اولاد سبایا رائے احرار اور رائے میں کیوں لزوم ہے۔ غرض ان احرار میں جن کے آباؤ اجداد سبایا تھے اور ان احرار میں جن کے آباؤ اجداد سبایا نہیں تھے کوئی فرق نہیں ہے۔ یہ تو محض اپنے دل کا غبار نکالنے کے لئے کلام او شنام وضع کیا گیا ہے۔ عقل و رائے اولاد سبایا کے لئے کوئی شجرہ ممنوعہ نہیں ہے کہ اسے کام میں نہ لایا جائے۔ یہ تو اولاد آدم کے لئے اللہ تعالیٰ کے عطیات ہیں۔ ہر شخص اپنی استعداد اور ہنر کے موافق انہیں کام میں لاتا ہے۔ اور لا سکتا ہے کسی کو تمدنی مقام کی وجہ سے یہ حق نہیں پہنچتا کہ عقل و رائے کے استعمال پر پابندی لگائے یا عقل و رائے کو کسی خاص طبقے کے لئے مخصوص کر دے اور دوسروں کو اس سے محروم قرار دے۔

پھر اولاد سبایا کو معاشرے میں کب یہ مقام حاصل ہوتا ہے کہ وہ گمراہ ہو جائیں تو دوسروں کو گمراہ کر دیتے ہیں۔ کب لوگ ان کی بات سنتے ہیں اور کون ان کا اتباع کرتا ہے۔ یہ معاشرے میں کمترین طبقہ ہوتا ہے کون انہیں اہمیت دیتا ہے اور کون ان کے طور طریقے اختیار کرتا ہے۔ یہ گمراہ تو ہو سکتے ہیں لیکن گمراہ کرنا ان کے بس سے باہر ہے۔

موالی کے بھائے مترفین اس کے بجائے قرآن مجید میں تو یہ کلیہ بتلایا گیا ہے کہ **وَإِذَا أَرَدْنَا أَنْ نُهْلِكَ قَرْيَةً**

اَمْرًا مَشْرِفًا عَلَيْهَا فَخَسَقُوا فِيهَا فَحَقَّ عَلَيْهِمُ الْقَوْلُ فَنَزَّلْنَاهَا فِي مِثْرًا
 لیکن حضرت ہشام اس قرآنی ضابطے کے خلاف فرما رہے ہیں کہ اولاد سبایا
 معاشرے پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ یہ حضرت اکتی گنگا بہانا چاہتے ہیں۔
 اس منظوم طبقے میں سے اگر کچھ لوگ اپنی ذاتی جدوجہد سے آگے نکل گئے
 اور سماج میں کوئی مقام حاصل کر لیا تو حضرت ہشام کو یہ بھی نہیں بھایا۔ لوگوں کو ان
 سے دُور رکھنے کے لئے روایتیں وضع کی گئیں۔ عروہ کی طرف نسبت کر کے انہیں
 مرسل روایت کی شکل دی گئی اور ابہام و ایماء کیا گیا کہ یہ کلام رسول ہے۔
 جس وجہ سے ان اولاد سبایا نے معاشرے میں یہ مقام حاصل کیا وہ ان کا
 علم و فضل ہے۔ قوت و اجتہاد و استنباط ہے۔ ان کے اولاد سبایا ہونے کو
 اس میں قطعاً کوئی دخل نہیں ہے۔ بلکہ یہ تو احرار کے خواص میں سے ہے کہ انہیں
 اپنی عقل اور اپنی رائے پر اعتماد ہو۔ عقل کو کام میں لا کر اجتہاد سے شریعت
 کے مسائل میں کتاب و سنت کے موافق فیصلہ کریں۔ اور اگر کتاب و سنت
 میں کوئی حکم نہ ملے تو اپنے قیاس سے قرآن و سنت کی روشنی میں استنباط
 کریں۔ اس دور کے سلاطین نے موالی علماء کو اس قابل سمجھا کہ ان کو قضاء کے
 عہدے پیش کئے جائیں۔ اور حضرت ہشام کو اس قابل نہیں سمجھا کہ کوئی عہدہ
 دیا جائے تو اس میں قاضی ربیعۃ الرائے اور قاضی عثمان بتی کا کیا تصور ہے۔
 اور امام ابو حنیفہ کی کیا غلطی ہے۔ بلا وجہ حضرت ہشام ان پر غصہ فرما رہے ہیں۔
 اہل الرائے کے خطاب دیئے جا رہے ہیں اور انہیں اولاد سبایا کے عنوان سے
 روشناس کرایا جا رہا ہے۔

انبیاء علیہم السلام کی پیشین گوئیوں میں اکثر اجمال ہوتا ہے۔ اعمال حسنہ اور اعمال سیئہ
 کے اعتبار سے انجام پر توجہ دلائی جاتی ہے۔ کسی خاص طبقے کا نام لیکر معاشرتی وجوہ کی
 بناء پر اسے مردود قرار نہیں دیا جاتا۔ انبیاء کے کلام میں عمومیت ہوتی ہے۔ ان
 حضرات کی پیشین گوئیاں با مقصد ہوتی ہیں۔ بشارت کی صورت میں اعمال حسنہ
 پر ابھارا جاتا ہے۔ تذکیر و تنویف کی صورت میں اعمال سیئہ سے روکا جاتا ہے۔
 انبیاء کی پیشین گوئیاں بمرتبہ کلیات ہوتی ہیں جن کا اطلاق وقتاً فوقتاً جزئیات
 پر ہوتا رہتا ہے۔ اس کلام ہشام میں تو محض بنی اسرائیل کے زمانے کی ایک خبر
 دی گئی ہے۔ اور اس کے متعلق بھی معلوم نہیں ہے کہ عروہ نے اسے بیان بھی کیا

ہے یا نہیں۔ اور اگر کیا ہے تو اسرائیلیات میں سے بیان کیا یا کسی صحابی سے سنا۔ اپنے زمانہ کے حالات پر اس کا انطباق ہشام کا یا ان کے تلمیذ سفیان ثوری کا فعل ہے۔ اس سے اس روایت کو (اگر یہ واقعی روایت ہے) کوئی تعلق نہیں ہے۔

روایت سبایا الامم صرف ایک طعن رقابت ہے۔

اتفاق سے ہشام کے چند معاصرین نے اپنی ذاتی جدوجہد سے معاشرے اور حکومت میں کوئی مقام حاصل کر

کر لیا اور مسائل شرعیہ میں بہترین تحقیق پیش کی تو محروم لوگوں نے ان کے عیوب تلاش کرنے شروع کر دیئے۔ جب کوئی عیب نہ مل سکا تو اولاد سبایا کا فرضی اور جاہلی عیب لگا کر بنی اسرائیل کی خرافات سے یہ کلام انتخاب کر کے ان علماء کو مطعون قرار دینے کے لئے اس بنی اسرائیلی بے ہودہ ضابطے کو ان پر منطبق کر دیا۔ اور ان کی بہترین مساعی کو بے وزن اور غیر مقبول بنانے کی کوشش کی۔

اصل بات یہی ہے کہ اس دور کے ان محقق علماء نے ہشام کی مشیخت اور ان کی روایات کو علی الاطلاق تسلیم نہیں کیا۔ جو روایات قبول کرنے کے قابل تھیں انہیں قبول کر لیا اور جو قابل ترک تھیں انہیں ترک کر دیا۔ اور غالباً ہشام کی نگاہ میں یہی ان کا جرم ہے۔ حکومت کے عطیات پر گزارا کرنے والوں میں اخلاقی دیوالیہ پن پیدا ہو جانا ایک قدرتی بات ہے قوت بازو سے روٹی کمانے والے اس سے محفوظ رہتے ہیں فشتان بینہما۔

حضرت سفیان ثوری بھی اپنے استاد ہشام کے طرفدار بن کر مولیٰ علماء کے خلاف اس جنگ میں شریک ہو گئے۔ اور اولاد سبایا کا پروپاگنڈا شروع کر دیا۔ کوفے کے اصغرا صحاب روایت حضرت ہشام کی شاگردی پر فخر کرتے ہوئے ان کی موضوع روایات کا سہارا لے کر اکابر روایت پر زبان طعن دراز کرنے لگے۔ پھر یہی اصغرا امتداد زمانہ سے اکابر بن گئے۔ اور ان کی بات میں اعتبار پیدا ہو گیا تاکہ حضرت ہشام کے اپنے خیالات نے روایت کی صورت اختیار کر لی۔

روایت ہشام امت مسلمہ کے لئے ایک فتنہ عظیم ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ یہ ہیں وہ مفصل ہشام ابن عروہ جن کی روایت تزودج عائشہ رضی اللہ عنہا نے پوری امت مسلمہ کو مغالطہ میں مبتلا کر دیا۔ قرآن اور

سنت کے صریح خلاف اس روایت کو اہل روایت نے نہ صرف قبول کیا ہے۔ بلکہ اسے حدیث خیال کرتے اس کی تعلیم و تبلیغ کو دین کا جزو قرار دے لیا ہے۔
 حالانکہ یہ نام نہاد روایت محض حضرت ہشام کا اپنا استنباط ہے جس کا واقعہ سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ یہ محض ہشام کی عجوبہ پسندی ہے اور اس سے زیادہ کچھ نہیں۔
 جس گروہ کی حسنِ نظافت اس درجہ کم ہو جائے کہ مچھر اور مکھی تک نکل جائے اس کی مذمت میں کیا کہا جائے۔ اس کے دماغی قوای کی سلامتی پر کیا اعتبار کیا جائے۔ محض ایک فرد کی نا سمجھی اور اس کے طفلانہ ذہن نے یہ گل کھلایا اور پوری امت کو چکر میں ڈال دیا ہے۔ اور علمی حلقہ میں اس کی مکمل تردید اور عوامی سطح پر اس کی جتنی بھی مذمت کی جائے کم ہے۔



سند پر مختصر بحث

پہلی بات تو یہ ہے کہ اس روایت کے موجود اصل میں علی بن مسہر ہیں۔ اور یہ روایت ہشام کی نہیں ہے، ہشام کی طرف تو اس کی نسبت کر دی گئی ہے۔ ہمارے پاس دلائل ہیں۔

۱۔ سب سے پہلی دلیل تو یہ ہے کہ روایت تزدج ہشام سے ان کے بارہ تلامیذ سے منقول ہے۔ مگر علی بن مسہر کے سوا کوئی ایک بھی اس روایت کا راوی نہیں ہے۔ اس میں علی بن مسہر منفرد ہیں۔ ہشام کے معتبر رواۃ نے روایت تزدج کو تو ہشام سے نقل کیا ہے۔ مگر ہجرت کے بعد رخصتی کی یہ کیفیت کسی نے بیان نہیں کی۔ اس سے معلوم ہو رہا ہے کہ یہ صرف علی بن مسہر کی ایجاد ہے۔ بقول صاحب تقریب التہذیب "علی بن مسہر آخری عمر میں ایک سازش کی وجہ سے بینائی سے محروم ہو گئے تھے۔ اور خانہ نشین ہو کر عجائب و غرائب روایات بیان کرنے لگے تھے۔"

(تقریب التہذیب ص ۱۵۱)

۲۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ علی بن مسہر سے پہلے کتب حدیث و تاریخ کے پورے ذخیرہ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے مدینہ پہنچنے بیمار ہونے کا اور رخصتی کا یہ سارا واقعہ اور کسی نے بیان نہیں کیا ہے۔

اصحاب سیر و تاریخ میں سے محمد بن اسحاق۔ موسیٰ بن عقبہ۔ محمد بن السائب کلبی۔ ابن سعد و اقدسی۔ سیرت بنو یزید لابن ہشام۔ طبری کسی نے بھی رخصتی کی اس کیفیت کا ذکر نہیں کیا۔

۳۔ یہ روایت مسند امام احمد میں موجود نہیں ہے۔ وقال الامام مالا یوجد فی کتابی فلیس بشیء۔ امام احمد رحمہ کی ولادت ۱۶۲ھ میں ہے۔ آپ نے کوفہ کا پہلا سفر ۱۸۸ھ میں کیا ہے۔ اور اس وقت علی بن مسہر حیات تھے اور کوفہ میں موجود تھے۔ مگر امام صاحب اس روایت سے ناواقف ہیں۔ اس لئے یہ روایت بقول امام لا شئی ہے۔

۴۔ یہ روایت تقریباً ۱۸۵ھ تک چالیس سال پردہ خفا میں رہی۔ کیونکہ ہشام ۱۴۵ھ میں آخری مرتبہ عراق گئے ہیں۔ وہیں علی بن مسہر نے ان سے یہ روایت سنی ہوگی۔ اور ۱۴۶ھ میں ہشام نے وفات پائی۔ اور علی بن مسہر نے اپنے تلامذہ کو یہ روایت اپنی وفات ۱۸۹ھ سے کچھ ہی قبل سنائی ہوگی۔ کیونکہ فردہ کی پیدائش ۱۶۶ھ میں ہے۔ تو تقریباً چالیس سال یہ روایت پردہ خفا میں کیوں رہی؟

اور علی بن مسہر رحمہ نے اپنی عمر کے آخری حصہ میں اسے اس وقت روایت کیا جب وہ نابینا ہو کر گوشہ نشین ہو گئے تھے۔ اور کوئی نہ رہا تھا جو اس کی تصدیق و تکذیب کر سکے۔

۵۔ بلکہ یوں کہیے کہ یہ روایت ۲۴۱ھ تک بھی منظر عام پر نہیں آئی، کیونکہ امام احمد رحمہ کی وفات ۲۴۱ھ میں ہوئی۔ اگر علی بن مسہر کی یہ روایت معتبر ہوتی تو امام صاحب علی بن مسہر رحمہ کے کسی بھی راوی سے قبول کر لیتے۔ اور بخاری اور مسلم وغیرہ یہ کتب تو امام احمد رحمہ کی وفات کے بعد مرتب ہوئی ہیں۔ تو جو روایت چالیس سال اتنی مدت خفا میں رہی اور بے بھی نادور مضمون پر مشتمل اس کا کیسے اعتبار کیا جائے۔

۶۔ اس مضمون کی روایت کے تمام رواۃ کوئی ہیں، علی بن مسہر کوئی، فردہ کوئی،

اسماعیل کوئی، سوید ناقابل اعتبار نیم کوئی۔
مسلم میں اس روایت کے تدلیسی رواۃ ابو اسامہ کوئی، ابو بکر بن ابی شیبہ کوئی، ابو کریم کوئی۔

مسند امام احمد کی مرسل روایت کے راوی محمد بن بشر عبدی کوئی، غرض صرف کوئی رواۃ کی یہ نادور روایت بڑی احتیاط سے قبول کرنی چاہیے۔

۷۔ ایک دلیل ہشام رحمہ کی روایت نہ ہونے کی یہ بھی ہے کہ ہشام رحمہ نے روایت تزوج ہمیشہ غائب کے صیغہ سے بیان کی ہے، یعنی نکحھا النبی صلی اللہ علیہ وسلم، جیسا کہ بخاری رحمہ کی تینوں روایتوں میں ان کے موصول ہونے کے باوجود بالواسطہ ذکر ہے۔ اور جہاں بلا واسطہ بیان ہے وہ نیچے کے رواۃ کی ترمیم ہے۔ اس روایت کے بالواسطہ یا بلا واسطہ پر بحث ہم آگے بیان کریں گے۔

لیکن ایک بحث اس سند کے سلسلہ میں رہ جاتی ہے۔ وہ یہ ہے کہ کہا جاسکتا ہے کہ ہمارا علی بن مسہر کو ہشام کے بارہ معتبر تلامذہ میں سے منفرد قرار دینا صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ مسلم میں یہی روایت ہشام ذرا سے تغیر کے ساتھ ہشام کے ایک دوسرے شاگرد ابو اسامہ سے آئی ہے۔ تو علی بن مسہر منفرد نہیں رہے۔ اس پر تفصیلی بحث ہم سندوں کے سلسلہ میں کر چکے ہیں۔ یہاں مختصراً عرض ہے۔

امام بخاری رحمہ کی جامع امام مسلم رحمہ ہی کی زندگی میں مرتب ہو چکی تھی، اور اس میں یہ روایت علی بن مسہر رحمہ بذریعہ فردہ آپ چکی تھی۔ امام بخاری رحمہ امام مسلم رحمہ کے شیخ ہیں۔ تو شیخ کی مرویات جامع کی صورت میں ان کے سامنے تھیں۔

علی بن ابی اسحق و آدمی اس وقت مرتب اور شائع ہو چکی تھی اور اس میں یہ روایت بذریعہ اسماعیل بن خلیل رح آچکی تھی۔ اور ان دو سندوں یعنی فروہ بن ابی المغیرہ رح اور اسماعیل بن خلیل رح سے یہ روایت علی بن مسہر رح امام بخاری رح اور امام دارمی رح کی زندگی ہی میں اہل علم کے سامنے آچکی تھی۔

اب جو امام مسلم رح اس روایت کو مسلم میں سند بدل کر لائے ہیں تو صرف امام بخاری رح کی روایت کے متابع کے طور سے لائے ہیں۔ یعنی ہشام رح سے نیچے ابو اسامہ رح اور ان سے نیچے ابو کریم رح اور ابو بکر رح ہیں۔ سند بدل گئی، مضمون وہی ہے۔

اور یہ تینوں راوی بھی کوئی ہیں۔ اور ان کے متعلق مفصل بحث میں ہم بیان کر چکے ہیں۔

اس سے صاف عیاں ہے کہ اصل میں یہ روایت علی بن مسہر کی ہے، اور مسلم نے اسے تعدد طرق کیلئے ابو بکر رح اور ابو کریم رح سے نقل کیا ہے۔

فقد منا کی بحث

(الف)

بخاری میں باب تزویج النبی عائشہ رضی کی زیر بحث یہ پہلی روایت حقیقت میں حضرت عائشہ رضی کی نکاح صغیر سنی کا ماخذ ہے۔ اور اس روایت کے دو حصے ہیں۔ ایک حصہ ہے تزویج النبی صلی اللہ علیہ وسلم وانا بنت ست سنین۔

اور دوسرا حصہ ہے فقد منا المدینۃ سے آخر روایت حسلمنی ایہ وانا لیومئذ بنت تسع سنین تک۔ اور روایت کا سارا زور اسی آخری حصہ پر ہے کیونکہ اس سے حضرت عائشہ رضی کی صغیر سنی کا تاثر دینا ہے۔ اور اسی حصہ کا آخری جملہ وانا لیومئذ بنت تسع سنین صغیر سنی کی تمام روایات کا ماخذ ہے۔ فقد منا سے شروع ہونے والا حصہ دراصل ایک پورے قسہ کا جزو ہے جس کا تعلق ہجرت عائشہ رضی سے ہے۔ تزویج عائشہ رضی سے نہیں۔

اس قصہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے خاندانوں کی ہجرت کا بیان ہے اور یہ قاف قافاً تعقیب ہے۔ اس قدمنا کے بعد مدینہ کے حالات ہیں جو دوسری کتب سیر میں مذکور ہیں، علی بن مسہر نے اس پورے قصے میں سے (ہشام کی قیاسی روایت کا) (اس پوری روایت ہجرت میں سے) قدمنا کو الگ کر کے اس کے ساتھ اپنی طرف سے ایک جملہ تنویدی بنی صلی اللہ علیہ وسلم لگا دیا اور اسے ایک مستقل روایت کی شکل دے دی۔ اور وہ پورا قصہ یہ ہے۔

لما هاجر رسول الله صلى الله عليه وسلم الى المدينة خلفنا وخلف بنا معه. فلما قدم المدينة بعث اليه نازيد بن حارثة وابا بلع وعطاهم بعيرتين وخمس مائة درهم اتخذاهما ابى بكر يشتريان بهما ما يحتاج اليه من الظهر. وبعث ابو بكر محمدا عبدا لله ابن اريقط الليثي ببعيرين او ثلثة. وكتب الى ابنه عبد الله يا امرؤ ان يحمل اهلك ام رومان وانا واخوتي اساء. فخرجوا فلما انتهوا الى قديد اشتروا بثلث الدرهم ثلثة البعرة ثم دخلوا مكة وصادفوا طلحة بن عبيد الله يريد الهجرة مع ال ابى بكر فخرجنا جميعا وخرج زيد والبولع بفاطمة وام كلثوم وسودة وام ايمن واسامة اصطحبنا جميعا حتى ادر كنا بالبعض نفر بعيرى وقراهم محفة فيها امي جعلت امي تقول وابنتاه واعد وساة حتى ادر كن بعيرنا فقدمنا المدينة ورسول الله صلى الله عليه وسلم

ليومئذ يبني المسجد الى اخر الحديث (ابن سعد ذكر عائشة) ترجمہ: جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ کی طرف ہجرت کی ہمیں پیچھے ملے چھوڑ گئے اور اپنی لڑکیوں کو بھی چھوڑ گئے۔ پس جب مدینہ پہنچے تو پھر ہمارے لئے زید بن حارثہ اور ابو رافع کو بھیجا (ہمیں لانے کے لئے) اور انہیں دو اونٹ اور پانسو درہم دیئے جو آپ نے حضرت ابو بکر سے لئے تھے تاکہ وہ اس رقم سے ہمارے لئے ضرورت کا سامان خرید سکیں۔ اور ابو بکر رضی اللہ عنہ نے بھی ان دونوں کے ساتھ عبد اللہ بن اریقط الليثی کو دو یا تین اونٹ دے کر بھیجا اور اپنے بیٹے عبد اللہ کو لکھا اور حکم دیا کہ ان کے گھر والوں کو ام رومان کو اور مجھے اور میری بہن اسماء کو سوا کر دو۔ پس وہ سب قاصد مدینہ سے نکلے اور جب قدید پہنچے

تو اس رقم سے تین اونٹ خریدے گئے میں آئے تو وہ طلحہ بن عبید اللہ سے ملے اور وہ آل ابو بکر کے ساتھ ہجرت کا ارادہ کر چکے تھے ہم سب اکٹھے گئے سے نکلے اور ابو رافع اور زید ، فاطمہ ، ام کلثوم ، سودہ ، ام ایمن ، اسامہ کو لیکر نکلے۔ ہم سب اکٹھے چلے حتیٰ کہ ہم بیض میں پہنچ گئے۔ میرا اونٹ بدک کر بھاگ نکلا میرے آگے کجاوہ تھا جس میں میری ماں تھی، میری ماں کہنے لگی ہائے بیٹی ہائے دوہن بیٹی یہاں تک کہ ہم نے اپنے اونٹ پر قابو پالیا پس ہم مدینے آئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت مسجد نبوی بنوا رہے تھے۔

یہ ہے "فقد منا" کی فائے تعقیب جو مابعد کلام کا تعلق اس قصے سے ظاہر کر رہی ہے جس کا ذکر ابھی ابھی ہم نے کیا ہے، اور جس کا تعلق تزوج عائشہ رضی اللہ عنہا سے کوئی نہیں ہے۔ اور ہشام نے یا علی بن مسہر نے اسے اس کے ساتھ زبردستی جوڑنے کی کوشش کی ہے، یہ سارا قصہ مکمل اور مربوط ہے جس میں کہیں بھی کوئی خلا نہیں ہے، جسے "تزوجنی سے بھرنے کی ضرورت ہو۔"

اس پوری روایت کے آخر میں آیا ہے۔ وانا لیومئذ بنت تسع۔ اور ہشام رضی اللہ عنہ کی تمام روایات تزوج کا منبع و ماخذ یہی ایک جملہ معلوم ہوتا ہے۔ مذکورہ بالا قصہ ہجرت کو جس کے آخری حصے کو ہشام کی روایت تزوج کا آخری حصہ قرار دیا گیا ہے، طبرانی نے اس طرح ذکر کیا ہے۔

لما هاجر رسول الله صلى الله عليه وسلم وابو بكر خلقنا بمكة فلما استقر بالمدينة بعث زيد بن حارثة وابارافع وبعث ابو بكر عبد الله ابن ابى بكران يحمل معه ام رومان وام ابى بكر وانا اخق اسماء فخرج بنا وخرج زيد وابورافع بفاطمة وام كلثوم وسودة بنت زمعة واخذ نريد امواته ام ايمن ولد يها ايمن واسامة واصطحبنا حتى قدمنا المدينة نزلت في عيال ابى بكر ونزل الـ النبي عنده وهو يومئذ يبنى المسجد ويؤتمه. فادخل سودة بنت زمعة احد تلك البيوت وكان يكون عندها فقال له ابو بكر ما يمنعك ان تبني باهلك فبني بي. الحديث رطبراني بحواله فتح الباري جلد ١ باب الهجرة

ترجمہ :- جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کی ہمیں پیچھے کئے چھوڑ گئے جب آپ مدینے میں پوری طرح قیام پذیر ہو گئے تو زید بن حارثہ اور ابو رافع کو بھیجا اور ابو بکر نے عبداللہ بن ابو بکر کو کہلا بھیجا کہ اپنے ساتھ ام رومان کو اور ابو بکر رضی اللہ عنہ کی والدہ کو اور مجھے اور میری بہن اسماء کو لے آئے وہ ہمیں لے کر مکے سے نکلے اور زید اور ابو رافع ، فاطمہ ، ام کلثوم ، سودہ بنت زحہہ کو لے کر نکلے اور زید نے اپنی بیوی ام ایمن کو اور اس کے دونوں بچوں اسامہ اور ایمن کو بھی ساتھ لے لیا۔ ہم اکٹھے چلے یہاں تک کہ مدینے آئے میں عیال ابو بکر میں اُتری اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا کنبہ آپ کے پاس اترا اس وقت آپ مسجد نبوی اور اس کے ارد گرد حجرے بنوا رہے تھے۔ سودہ بنت زحہہ کو ان حجروں میں سے ایک میں اتارا اور وہ آپ کے پاس رہیں ابو بکر نے آپ سے کہا آپ رخصتی کیوں نہیں کراتے پس آپ نے رخصتی کرائی۔ ابن سعد میں یہی روایت تھوڑے سے لفظی تغیر کے ساتھ مذکور ہے یہ پوری روایت ہم حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی رخصتی کے بیان میں نقل کریں گے۔

ابن سعد کی روایت میں یہ آخری حصہ یوں ہے۔ فہبط من لغت فسلم اللہ عزوجل ثم انا قدمنا المدينة فنزلت فی عیال ابی بکر ونزل الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یومئذ یبني المسجد وابيات حول المسجد وانزل فیہا اہلہ۔ ومکثنا ایاماً فی منزل ابی بکر ثم قال ابو بکر ما یمنعک من ان تبني باہلک۔ قال رسول اللہ الصداق واعطاه ابو بکر الصداق اثنی عشرۃ اوقیۃ ونشأ۔ فبعث بہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و بنی ابی بکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی بیتی هذا الذی انا فیہ۔ وهو الذی توفی فیہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ قالت و بنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لیسودۃ فی احد تلك البيوت التي الی جنبی فكان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یکون عندها۔

(ابن سعد جلد ۸ ص ۷۰)

ترجمہ :- وہ ٹیلے سے اُتر آیا۔ اللہ تعالیٰ نے محفوظ رکھا۔ پھر ہم مدینے آئے، میں ابو بکر کے کنبے کے ساتھ اُتری اور آپ کا کنبہ آپ کے ساتھ اُترا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت مسجد بنوا رہے تھے اور مسجد کے چاروں طرف کمرے، ان میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اہل و عیال کو اتارا ہم کچھ دن حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے گھر میں رہے پھر ابو بکر رضی اللہ عنہ

نے کہا آپ کو رخصتی کرانے میں کیا چیز مانع ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”مہر“
 تو حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے آپ کو مہر کے لئے بارہ اوقیہ اور کچھ اور پر قرض دیا پھر رسول اللہ
 نے وہ رقم واپس بطور مہر بھیجی اور میری رخصتی ہوئی، اسی گھر میں جس میں اب ہوں
 اور یہی وہ گھر ہے جس میں آپ نے وفات پائی اور اس سے پہلے آپ سودہ کے ساتھ
 انہیں گھروں میں سے ایک گھر میں جو میرے پہلو میں رہتے تھے۔

فقال ابن اسحق في غير رواية بن هشام في حديث ثابت: اقتصرت
 ان ابا بكر حين هاجر مع رسول الله صلى الله عليه وسلم خلف بناته فلما
 قدموا المدينة ارسل رسول الله صلى الله عليه وسلم زيد بن حارثة و ابا
 رافع مولا - وارسل ابو بكر عبيدا لله بن اريقط - وارسل معهم خمس
 مائة درهم - فاشترى اباها ظهرا بقديد - ثم قدموا مكة فخرجوا
 بسودة وبفاطمة وام كلثوم - قالت عائشة خرجت اهي وخن معهم
 وطلحة بن عبيد الله مصطحين - فلما كنا بقديد نفر بعير الذي
 كنت عليه انا واهي ام رومان في محفة - فجعلت اهي تنادي و
 ابني تاه واعدسا -

ابن اسحاق نے ہشام کی روایت کے علاوہ ثابت کی روایت میں کہا جس کا میں
 نے اختصار کیا ابو بکر رضی اللہ عنہ نے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہجرت کی تو اپنی بیٹیوں
 کو پیچھے لے چھوڑ گئے۔ پس جب وہ مدینے پہنچے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زید بن حارثہ
 اور ابو رافع اپنے غلام کو بھیجا اور ابو بکر رضی اللہ عنہ نے عبد اللہ بن اریقط اور ان کے ساتھ
 پانسو درہم بھیجے۔ انہوں نے قدید میں آ کر اس رقم سے ضرورت کا سامان خریدا۔
 پھر وہ مکے آئے پس وہ دونوں سودہ، فاطمہ، ام کلثوم کو لیکر مکے چلے حضرت
 عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں اور میری ماں بھی چلیں اور ہم ان کے ساتھ تھے طلحہ بن عبيد الله
 بھی چلے جب ہم قدید میں آئے تو میرا دنٹ بھاگ نکلا جس پر میں اور میری ماں
 کجاوہ میں تھے پس میری ماں پکارنے لگی مائے بچی مائے دولہن۔

وفي رواية يونس عن ابى اسحق وفيه قالت سمعت قائلا يقول
 ولا اري احدا القى خطامه فالتقى خطامه من يدي فقام البعير
 يسند به كان انسانا تحت يمسكه حتى هبط عن الثنية فسلم
 الله فقدمنا على رسول الله صلى الله عليه وسلم وهو بين المسجد و

ابیاتالہ . فنزلت مع ابی بکر و نزلت سودہ بنت زمعہ فی مکانہا . فقال
ابوبکر الاتبني باهلك يا رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال لولا الصداق
قلت فدفعت اليه اثنتي عشرة اوقية وثلثا . والنش عشر دن درهما .
وذكر الحديث رواه ابن ابی الزناد عن هشام بن عروة عن ابيه عن عائشة رضي
الردض الانف جلد ۲ ص ۶۳ ذکر ہجرت)

ترجمہ: اور ایک روایت میں یونس نے ابواسحاق سے بیان کیا اس روایت میں ہے
میں نے سنا کسی پکارنے والے نے پکارا میں نہیں جانتی کون تھا۔ اس کی مہار چھوڑ
دے میں نے مہار اپنے ہاتھ سے چھوڑ دی۔ اونٹ کھڑا ہو گیا، مہار کے مہارے
گویا کوئی آدمی اونٹ کے نیچے سے پکڑے ہوئے ہے یہاں تک کہ اونٹ ٹیلے سے
اتر آیا۔ پس اللہ تعالیٰ نے پچالیا۔ پس ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور آپ
مسجد بنوارہ تھے اور اپنے لئے حجر بنوارہ تھے۔ پس میں ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ساتھ
اتری اور سودہ بنت زمعہ اپنے مکان میں اتری۔ پس ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا یا رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم کیا آپ رخصتی نہیں کراتے آپ نے فرمایا جب تک مہر نہ ہو کیسے کراؤں
پس ابوبکر رضی اللہ عنہ نے آپ کو بارہ اوقیہ اور کچھ زیادہ بھیجا اور نش بیس درہم ہوتے ہیں

یہ روایت کلام عائشہ نہیں بلکہ استخراج ہجرت عائشہ رضی اللہ عنہ کی جو مختلف روایات ہم
ہشام سے ہے۔ نے اور نقل کی ہیں ان میں سے پہلی روایت
میں فقد منا المدینۃ ہے۔

دوسری روایت میں حتی قدمنا المدینۃ ہے۔

تیسری میں انا قدمنا المدینۃ ہے۔

چوتھی میں فلما قدموا المدینۃ ہے۔

پانچویں میں فقد منا علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔

۱۔ پس ہم مدینے پہنچے

۲۔ یہاں تک کہ ہم مدینے پہنچے

۳۔ بیشک ہم مدینے پہنچے

۴۔ پس جب وہ مدینے پہنچے

۵۔ پس ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچے

ان سب روایات سے ظاہر ہے کہ علی بن مسہر کی یہ روایت جسمیں فقد منا ہے۔
درحقیقت ہجرت دالی روایت کا ایک حصہ ہے جسے علی بن مسہر نے روایت تزوج کے
پہلے حقے تزوجی النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ لگا کر اسے ایک مستقل
روایات بنادیا۔

حضرت عائشہ رضی کی ہجرت اور رخصتی والی روایت کتب سیر میں جس طرح مذکور
ہے وہ اس کا فطری انداز بیان ہے فقد منا سے شروع ہونے والا حصہ کتب
سیر میں اسی طرح بیان کیا گیا ہے جس طرح کہ ابن سعد کی روایت میں ہے۔ لیکن اس
روایت ابن سعد میں حضرت عائشہ رضی کی بیماری بالوں کے گر جانے اور اچانک
رخصتی کا ذکر نہیں ہے۔ علی بن مسہر کی روایت میں یہ سب چیزیں مذکور ہیں اس روایت
سے علی بن مسہر کا مقصد ہجرت عائشہ رضی اور رخصتی کا تفصیل سے بیان کرنا
نہیں ہے۔ بلکہ صرف یہ بتلانا ہے کہ مدینے جا کر جب رخصتی ہوئی تو اس وقت نو سال
عمر تھی۔ یعنی صغیر السن تھیں۔

علی بن مسہر نے ہجرت عائشہ رضی والی روایت کا پہلا حصہ بالکل چھوڑ دیا۔ اور
فقد منا سے آگے کا حصہ ناقص۔ مبہم اور غیر مربوط نقل کر دیا۔ بطور سیرت
اور تاریخ کے نقل نہیں کیا۔ اگر یہ مقصد سامنے ہوتا تو ہجرت عائشہ رضی کا پورا واقعہ
نقل کرتے۔

مسند امام احمد میں ابوسلمہ دیکھی کی مرسل روایت میں اس فقد منا کا جوڑ نکاح عائشہ
وسودہ سے لگایا گیا ہے۔ مگر یہ جوڑ خوبصورتی سے لگایا گیا ہے۔ اور ان کے نکاح کے
واقعہ کو تفصیل بیان کیا گیا ہے (اور اس میں وہ ابہام و اجمال نہیں ہے جو بخاری
کی روایت علی بن مسہر میں ہے) فقد منا سے شروع ہونے والے حصہ میں بخاری سے
زیادہ تفصیل ہے۔ اور کافی حد تک راوی نے ربط کا خیال رکھا ہے۔ اور اس پورے بیان
کو فطری اور واقعی بنانے کی کوشش کی ہے۔ بایں ہمہ طفولیت کا رجحان اس میں بھی
نمایاں ہے۔

حضرت سودہ رضی سے نکاح بھی تو حضرت عائشہ رضی کے ساتھ ہی ہوا تھا۔ حضرت
سودہ کی بنا میں اختلاف ہے۔ بعض مورخ مکہ مکرمہ میں مانتے ہیں۔ اور بعض مدینہ
میں۔ ان کے متعلق یوں روایت کرنی چاہیے تھی۔ نکح النبی صلی اللہ علیہ وسلم
سودۃ دہی بنت خمیین سنۃ و بنی بھا و دہی بنت احدى و خمیین سنۃ

ومات عنہا د ہی بنت احدى دستین سنتا او کانت عندہ غسل ۔

ایکن چونکہ حضرت سودہ رضی کی شخصیت میں بہ مقابلہ حضرت عائشہ رضی کے کوئی غیر معمولی بات نہ تھی اس لئے ان کے واقعہ کو اس طرح روایت میں نہیں ڈھالا گیا ۔ اور حضرت عائشہ رضی کے معاملہ میں تاریخ بیان کرنے کے فطری راستہ سے انحراف کر کے سنہ بیان کرنے کے بجائے حضرت عائشہ رضی کی عمر کے بیان کا تکرار ضروری خیال کیا گیا تاکہ (ہشام کے) استخراج میں استحکام نظر آئے ۔ اور روایت میں کشتش پیدا ہو جائے ۔ دیگر ازدواج مطہرات کے نکاح اور بناء کو اس انداز سے نہیں بیان کیا جاتا ۔

علی بن مسہرہ کی یہ روایت روایت تزوج نہیں ہے ۔ بلکہ ایک مخلوط ۔ ناقص اور مبہم روایت کیونکہ **فقد منا** میں فاء تعقیب ہے ۔ اور یہ فاء تعقیب بتا رہی ہے کہ یہ کسی سابق کا سیاق ہے ۔ اس سے ماقبل کوئی واقعہ بیان ہو رہا تھا یہ اس کا ایک حصہ ہے ۔ چنانچہ مسلم میں ہشام کی یہی روایت اس طرح منقول ہے ۔ تزوجنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ست سنین و بی بی و انابت تسع سنین **قالت** تقدمنا المدينة الخ

قالت کا دوبارہ آنا ظاہر کر رہا ہے کہ مابعد کا کلام پہلے کلام سے علیحدہ ہے ۔ اور دونوں حصے جدا جدا ہیں ۔ چنانچہ اگر مسلم کی اس روایت کے تقدمنا سے پہلے حصہ کو تقدمنا کے بعد والے حصے سے الگ کر دیں تو روایت مستقل بھی رہتی ہے جس میں کوئی خلا نہیں رہتا ۔ اور مابعد کے کلام میں کوئی جملہ ایسا نہیں جو ظاہر کرے کہ حضرت عائشہ رضی کی عمر میں رخصتی ہوئی تھی ۔ (اس روایت مسلم میں قالت نے وہی کام دیا ہے جو بخاری کی روایت میں تقدمنا کی فاء تعقیبیہ نے دیا ہے)

روایت میں اجمال ، ابہام ، ندرت و غرابت میں اجمال ، ابہام ، ندرت و غرابت بھی ہے ۔ اس میں کئی خلا ہیں ۔

بھی ہے ۔ اور روایت نامکمل بھی ہے ۔ بلکہ مستقل روایت ہی نہیں ہے ۔ یہ تو ہجرت کی روایت کے ذرا سے حصہ کے ساتھ روایت تزوج کے ایک جملہ کا جوڑ لگا دیا اس ناقص روایت کا مقصد حضرت عائشہ رضی کی صغر سنی کا تاثر دینا ہے ۔ ہم اس

روایت کے ایک ایک لفظ دیکھتے ہیں۔

روایت میں ہے خاشتنی امی ام رومان تو جب ام رومان حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس چل کر پہنچ گئیں تو صرخت بی کا کیا فائدہ پھر تو چیخنے چلانے کی ضرورت نہیں رہ جاتی۔

اور العب سے یہ نہیں معلوم ہوتا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا گھر سے باہر ملحقہ میدان میں کھیل رہی تھیں یا گھر کے وسیع صحن میں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گھر کے باہر کسی میدان میں کھیل رہی تھیں۔ کیونکہ اس کے بعد ہے اخذت بیدی حتی اوقفتنی علی باب الدار۔ اور پھر ام رومان کو ہاتھ پکڑنے کی ضرورت کیوں پیش آئی؟ کمزوری کے خیال سے ہاتھ پکڑا تھا۔ یا پیار میں ہاتھ پکڑ کر لائی تھیں۔ یا غصے میں ہاتھ پکڑ کر گھسیٹ کر لائی تھیں۔ اور داف لا نہج حتی سکن بعض نفسی تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو سانس کیوں چڑھ گیا تھا؟ کمزوری کیوجہ سے چڑھا تھا یا گھسیٹ کر لانے کی وجہ سے چڑھا تھا؟ ہاتھ پکڑ کر لانے سے وہ تو جہد باطل ہو جاتی ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا خود دوڑ کر ماں کے پاس آئی تھیں۔ اس لئے سانس چڑھ گیا تھا۔

ثم اخذت شیئاً من ماء۔ گھر کے دروازہ کے باہر پانی کہاں سے آگیا تھا؟ فمسحت به وجهی ورأسی۔ منہ پر اور سر پر ہاتھ تھمر کر کے کیوں پھیرا؟ دھویا یا دھلایا کیوں نہیں۔ یہ مسح وجہ ورأس ضرورہ تھا یا رسماً؟ فلم یرعنی اس روایت میں روع کا ذکر بے محل ہے۔

فاصلحن من شانی۔ معلوم نہیں اصلاح شان سے کیا مراد ہے۔ اور اس دور میں اس کی کیا صورت ہوتی تھی۔ اور مسلم والی روایت میں فغسلن رأسی بھی ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ام رومان نے جو پانی سے مسح راس کیا تھا وہ کافی نہیں تھا۔ تب ہی تو غسل راس کی ضرورت پیش آئی۔ یا اس دور میں یہ رسم ہوگی کہ رخصتی کرانے والی عورتیں ہی دلہن کا سر دھوتی ہوں گی۔ معلوم نہیں اس دور میں رخصتی کی کیا صورت ہوتی تھی۔ اور نہیں کہا جاسکتا کہ یہ صورت واقعہ رخصتی کے وقت پیش بھی آئی تھی کہ نہیں۔ علی الخیو والبرکۃ کیا محاورہ تھا؟ اور علی خیر طائر کیا محاورہ تھا؟ اس خیر طائر کی کیا اصل ہے؟ اور اس کا موقع استعمال کیا تھا۔

ایک اور چیز اس رخصتی کے سلسلہ میں قابل غور ہے۔ وہ یہ کہ کیا ان انصار کی عورتوں نے دیں حضرت ابو بکر رضی کے مکان پر حضرت عائشہ رضی کو آپ کے پاس پہنچا دیا تھا۔ اور کیا لوازم رخصتی دیں پیش آئے۔ اور یہ عادت مستمرہ کے خلاف ہے۔ اور فطری حیاء اس سے اباؤ محسوس کرتی ہے۔ اس روایت سے تو یہی متبادر ہوتا ہے۔ مگر ابن سعد کی روایت میں ہے۔ د بنی بی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی بیئہ ہذا الذی انا فیہ۔ دھوالذی تو فی فیہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ علی بن مسہر کی روایت سے تو صاف متبادر ہوتا ہے کہ دارابی بکر میں بنا ہوئی اور ابن سعد سے معلوم ہوا کہ خود حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بنوائے ہوئے حضرت عائشہ رضی کے حجرہ میں بنا ہوئی۔

یہ تمام امور بن کا تعلق شادی بیاہ اور رخصتی وغیرہ کے مستحکم معمولات سے ہوتا ہے۔ اور سب کو ان سے واسطہ پڑتا ہے اور جن کی متعین صورت ہر واقعہ کار کے ذہن میں ہوتی ہے۔ اس نام در صورت کے ساتھ محض علی بن مسہر کے بیان پر انہیں قبول نہیں کیا جاسکتا۔

اس کے علاوہ وہ صواحب کون تھیں؟ نہ یہاں ان کا تذکرہ ہے اور نہ بعد کی زندگی میں کسی صاحبہ نے حضرت عائشہ رضی کے ساتھ اس کھیل اور اس رخصتی کے واقعہ کو بیان کیا۔ یہ تو ان کیلئے فخریہ بات تھی۔ اور انصار کی ان عورتوں کا بھی یہاں کوئی تذکرہ نہیں ہے کہ کس کی بیوی۔ کس کی ماں۔ کس کی بہن اور کس کی بیٹی تھیں۔ نہ بعد میں کسی نے بتایا کہ ہم اس مبارک رخصتی کی تقریب میں شریک تھیں۔ یہ تو ان کیلئے مقام فخر تھا۔

اور صرف انصار عورتیں ہی کیوں شریک ہوئیں؟ مہاجرات کیوں شریک نہ ہوئیں؟ مسند امام احمد میں ہشام کی یہی روایت جو حماد بن سلمہ کے ذریعہ سے منقول ہے۔ اس میں بخاری باب الهجرة کی دونوں روایتوں کو آپس میں ضم کر دیا گیا ہے۔ اور ایک روایت بنا دیا گیا ہے۔ لیکن فقہد منا سے شروع ہونے والے حصہ میں یہی ہشام نے حضرت عائشہ رضی کی بیماری کا ذکر کرتے ہیں۔ نہ ان کی ماں کے آنے اور چلانے کا ذکر ہے اور نہ مانتھ پکڑنے اور گھر کے دروازے پر کھڑے ہونے کا ذکر ہے۔ نہ حضرت عائشہ رضی کے سانس بھولنے کا اور نہ ان کے منہ پر اور سر پر پانی چھڑکنے کا بیان ہے۔ البتہ حضرت عائشہ رضی کا بچپن ثابت

کرنے کیلئے دانا احب فی اس جوحۃ اور دانا مجسمۃ بڑھادیا۔
 یہ تینوں روایتیں ہشام سے منقول ہیں۔ مگر انداز بیان بالکل مختلف ہے۔ البتہ ایک
 بات سب میں مشترک ہے اور وہ ہے بناء تسعة۔ اور ہشام کا اس روایت سے
 یہی مقصد بھی ہے۔

غرض اس تمام روایت میں ابہام و اجمال بھی ہے اور ندرت و غرابت بھی اور ناقص
 بھی ہے۔ اصحاب کسیر نے اس حصہ روایت کو اس صورت میں بیان نہیں کیا جس صورت
 میں اصحاب کسن نے بیان کیا ہے۔

اے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کہنے کی مدینہ میں آمد | اے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی

کہنے کو مدینہ بلایا، کتب حدیث و کسیر سے صراحت ہمیں اس کا جواب نہیں ملتا۔ صرف
 حضرت عائشہ رضی کی ہجرت والی روایت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت مسجد نبوی
 اور اس کے آس پاس کے حجرے تیار ہو چکے تھے یا تیار ہونے کے قریب تھے۔ تو اس
 سے یہی متبادر ہوتا ہے کہ ہجرت سے پانچ چھ ماہ بعد یہ حضرات مدینہ پہنچ گئے
 ہوں گے۔

اس کے علاوہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کے بعد تقریباً چھ سات ماہ تک
 حضرت ابو الیوب انصاری رضی کے مکان پر تشریف فرما رہے۔ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ
 وسلم کا کتبہ مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ آیا تو آپ نے ان کو مسجد کے ملحق مکانوں میں اتارا۔
 حضرت ابو الیوب انصاری رضی کے مکان میں نہیں اتارا۔ اس سے بھی یہی ظاہر ہے کہ آپ
 نے مدینہ پہنچنے کے تقریباً چھ ماہ بعد اپنے کہنے کو مکہ سے بلایا تھا اور وہ ماہ شعبان
 بنتا ہے۔

رخصتی اور حیمہ کی بحث | حضرت عائشہ رضی کی رخصتی کب ہوئی؟
 محققین نے حضرت عائشہ رضی کی رخصتی ہجرت کے پہلے
 سال میں ہجرت کے چھ سات ماہ بعد بتائی ہے۔

ابن سعد کے بیان کے مطابق تو حضرت عائشہ رضی کے مدینہ پہنچنے کے چند روز
 بعد رخصتی ہو گئی۔ مگر علی بن مسہر عن ہشام کی روایت کے مطابق دو اڑھائی ماہ

بعد رخصتی ہوئی ہوگی۔ کیونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا مدینہ جاتے ہی بیمار ہو گئی تھیں۔ بال گر گئے تھے جب صحت یاب ہوئیں اور بال جیمہ بن گئے تب رخصتی ہوئی۔ اس روایت میں مدت کا ذکر نہیں ہے۔ مگر بالوں کے گر جانے سے خیال ہے کہ بیماری شدید تھی۔ اور طویل بھی ہوگی۔ غالباً میعاد ہی بخار ہوگا۔ اسی بخار میں یہ کیفیت ہوتی ہے۔

تو اگر آپ اوائل شعبان ۱۰ھ میں مدینہ پہنچی ہوں گی تو ایک مہینہ بیماری میں گزر گیا اور اوائل رمضان ۱۰ھ میں بیماری سے اٹھی ہوں گی۔ اور آخر شوال ۱۰ھ میں جب ان بالوں کی عمر ڈیڑھ ماہ ہوگی یعنی بقول علی بن مسہر وہ جیمہ ہو گئے ہوں گے تب رخصتی ہوئی ہوگی۔ اور مسلم کی روایت میں بیماری کی مدت ایک مہینہ ہے تو تندرست ہونے میں کم از کم ایک مہینہ تو لگا ہوگا۔ تو رخصتی وہی شوال ۱۰ھ میں یہ سب ہمارا قیاسی بیان ہے۔ ورنہ خود ہشام ۱۰ھ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی رخصتی کے قائل ہیں۔ کیونکہ خود ہشام کی روایت میں ہے۔ فمکثت عنده تسعا۔ اگر رخصتی ۱۰ھ میں تسلیم کی جائے تو فمکثت عنده عشراً ہونا چاہیے تھا۔

ہشام کے دور میں اسلامی جنتری کے نظام پر سو سال گزر چکے تھے۔ ان کے نزدیک سال سے وہی مراد ہے جو اس وقت ہم مراد لیتے ہیں۔ یعنی محرم سے ذوالحجہ تک۔ اس لئے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت ہی میں محرم سے ذوالحجہ تک سال مقرر کر دیا گیا تھا۔ علی بن مسہرہ کی اس روایت میں ہے فمکثت شعری فوفی جیمہ۔ بیماری سے بال گر گئے تھے پھر وہ جیمہ ہوئے۔ تو..... اسی سلسلہ میں ایک بحث یہ ہے کہ رخصتی کی اس کیفیت کے بیان میں فوفی جیمہ سے کیا رخصتی کا زمانہ متعین کرنے میں کوئی مدد مل سکتی ہے؟ ہم بتا چکے ہیں کہ یہ روایت ناقص اور مبہم ہے۔ اس کے لفظ جیمہ سے کسی مدت کا تعین نہیں کیا جاسکتا۔ کیونکہ اگر بال گر جائیں اور نئے سرے سے اُگ کر جیمہ بنیں تو دیکھنا یہ ہے کہ اس میں کتنا عرصہ لگے گا۔ اس عرصہ کا تعین اس پر موقوف ہے کہ لفظ جیمہ کی تحقیق کر لی جائے۔

رخصتی اور جیمہ | شراح حدیث جیمہ کی تشریح میں لکھتے ہیں کہ جیمہ جمہ کی تصغیر ہے۔ اور جمہ سر کے اُن بالوں کو کہتے ہیں جو بڑھ کر مونڈھوں پر آجائیں۔ مَا وَقَعَ عَلَى الْمُنْكَبَيْنِ۔ اتنے بال سال بھر میں ہو سکتے ہیں۔ اس کی رو سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی رخصتی ۱۰ھ میں ہونی چاہیے۔ لیکن اتنی مدت میں بیماری کا اثر نہیں رہنا

چاہیے۔ تو اس طرح حتیٰ ممکن نفسی بے محل ہو جاتا ہے۔ اِلا یہ کہ اس کی توجیہ یہ کریں کہ حضرت عائشہ رضہ دوڑ کر ماں کے پاس آئی تھیں اس لئے سانس چڑھ گیا تھا۔ مگر یہ توجیہ بھی درست نہیں۔ کیونکہ ام رومان تو خود ان کے پاس پہنچ گئی تھیں۔ اسلام سے پہلے عربوں میں مردوں کے سر پر بال رکھنے کا عام رواج تھا۔ اور اسلام کے بعد بھی باقی رہا۔ بالوں کے چھوٹے اور بڑے ہونے کے لحاظ سے ان کی تین صورتیں تھیں۔ ۱۔ کان کی لوتک بال ہوں۔ ۲۔ کان کی لوت سے بڑھ جائیں اور گردن تک آجائیں۔ ۳۔ اس سے بڑھ کر مونڈھوں پر آجائیں یا اس سے زیادہ ہو جائیں۔ اپنے اپنے ذوق کے مناسب بال رکھنے والے مذکورہ بالا صورتوں میں سے کوئی صورت اختیار کرتے تھے۔

ارباب لغت ان قسموں کے علیحدہ علیحدہ نام رکھتے ہیں۔ ان کی اکثری ترتیب تو یہ ہے۔ کان کی لوتک بالی ہوں تو ان کو **وَفْرَة** کہتے ہیں۔ اگر گردن تک ہوں تو ان کو **جَمَّة** کہتے ہیں۔ اور اگر گردن سے نیچے اتر کر مونڈھوں پر یا اس کے نیچے آجائیں تو انہیں **لَمَّة** کہتے ہیں۔

لیکن اس کے برخلاف وہ کبھی **وَفْرَة** پر **جَمَّة** کا اطلاق کر دیتے ہیں۔ اور کبھی **جَمَّة** کی جگہ **لَمَّة** کہہ دیتے ہیں۔ اور کبھی **لَمَّة** کی جگہ **جَمَّة** بول دیتے ہیں۔ حتیٰ کہ بعض نے **وَفْرَة** کو **جَمَّة** سے اعظم کہا ہے۔

لسان العرب میں ہے کہ **الْجَمَّةُ** بالضم مجتمع شعر الرأس وهي أكثر من الوفرة۔ وفي الحديث كان لرسول الله صلى الله عليه وسلم جمه جعدة۔ **الْجَمَّةُ** من شعر الرأس ما سقط على المنكبين۔ منه حديث عائشة رضي حین بنی بہا رسول الله صلى الله عليه وسلم قالت وفنت لی جمیمة۔ ۲۔ **كَثْرَتِ الْجَمِیْمَةُ** تصفیر الجمجمة۔ **قِيلَ الْجَمَّةُ** من الشعر أكثر من اللمة۔ (لسان العرب)

الْجَمَّةُ مجتمع شعر الرأس (المنجد)

الْوَفْرَةُ الشعر المجتمع على الرأس او ما سال على الاذنین منه او ما جا ونر شحمه الاذن ثم **الْجَمَّةُ** ثم **اللَمَّةُ** (قاموس)
الْوَفْرَةُ ما بلغ شحمة الاذن من الشعر۔ **الطَّرَةُ** ما غشی الحیمة من الشعر۔ **الْجَمَّةُ** وال**فَقْرَةُ** ما غطی الرأس من الشعر۔ (فقه اللغة للعلامة الثعالبی)

الجمہ پیش کے ساتھ جب سر پر بالوں کا گچھا ہو یہ وافرہ سے زیادہ ہوتے ہیں۔ اور حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھونگھر والے جمہ تھے۔ جو مونڈھوں تک بال ہوں وہ جمہ ہیں۔ اسی سے عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث ہے جب آپ کی رخصتی ہوئی۔ عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا میرے بال جمیمہ رہ گئے تھے۔ جمیمہ جمہ کی تصغیر ہے اور یہ بھی کہا گیا جمہ لمہ سے زیادہ بالوں کو کہتے ہیں۔

الوفرہ مجتمع شعر الرأس۔ جو کان تک آجائیں یا کان کی نو تک آجائیں پھر اس سے آگے جمہ پھر اس سے زیادہ لمہ ہیں۔ وافرہ جو کان کی نو تک ہوں۔ طرہ جو چہرے کو ڈھانپ لیں۔ جمہ فقرہ جو سر کو ڈھانپ لیں۔

اصل میں دیکھنے والے کے پاس کوئی پیمانہ تو ہوتا نہیں کہ ناپ کر لفظ کا اسباق کرے یونہی سرسری نظر میں جزا اندازہ ہوتا ہے۔ اسی کے مناسب لفظ بول دیا جاتا ہے۔ ان مختلف معانی اور مختلف اطلاقات کی وجہ سے لغت اس معاملہ میں ہماری کوئی مدد نہیں کرتی کہ رخصتی کے وقت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے سر پر کتنے بال تھے۔ اور چونکہ سر کے تمام بال گر گئے تھے۔ اس لئے ہم یہ بھی نہیں بتا سکتے کہ ان نئے بالوں کی عمر کیا تھی اور وہ کتنے تھے۔ سر کے چھوٹے چھوٹے بالوں سے لے کر منکبین پر پڑے ہوئے بالوں تک کے لئے جمہ کا لفظ بولا جاسکتا ہے۔ اس لئے نہیں کہا جاسکتا کہ یہاں جمہ سے کیا مراد ہے۔ اسی لئے لفظ جمیمہ سے رخصتی کا زمانہ متعین نہیں کیا جاسکتا۔

لہذا یہاں جمیمہ کے معنی ما غطی الرأس ہی مناسب ہیں۔ صاحب فقہ اللغة نے یہی ایک معنی جمہ کے بیان کئے ہیں۔ اور یہی معنی یہاں موزوں اور واقعات کے مطابق ہو سکتے ہیں۔ مجتمع شعر الرأس بھی کہے جا سکتے ہیں۔ لیکن ڈیڑھ ماہ میں بال اتنے بڑھ نہیں سکتے۔ شراح حدیث نے جو جمیمہ کے لغوی معنی بیان کر دیئے ہیں۔ اس سے واقعہ کی صحیح کیفیت ذہن نشین نہیں ہوتی۔ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی رخصتی کے زمانہ کا تعین نہیں ہوتا۔ بلکہ اہل واقعات کے خلاف جمیمہ کے معنی بیان کئے جاتے ہیں۔ اور اگر بیماری میں سر کے تمام بال نہیں گرے تھے تو جمیمہ کے جو معنی بھی لئے جائیں صحیح اور درست ہوں گے۔ لیکن اس سے کسی مدت اور زمانے کا تعین پھر بھی نہیں ہو سکتا۔

صغرسنی کا تاثر روایت سے ثابت نہیں ہوتا

روایت ہجرت کو مبہم اور ناقص بیان کرنے اور اس کا جوڑ روایت تزوج کے ساتھ غیر فطری طور پر لگانے سے علی بن مسہر

کا منشا یہ ہے کہ وہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی صغرسنی کا تاثر دلانا چاہتے ہیں۔

مگر اس کے باوجود یہ روایت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی کم عمری پر وال نہیں ہے۔ اس سے تو محض اتنا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی رخصتی دفعۃً اور اچانک ہوئی ہے۔ ان کو پہلے سے یہ معلوم نہیں تھا کہ رخصتی ہونے والی ہے۔ رخصتی کے وقت بیماری کے اثر سے کس قدر کمزور تھیں۔ رخصتی نہایت سادہ طریقہ پر ہوئی۔ جیسا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی مسند دالی روایت سے ظاہر ہے کہ میری رخصتی کے موقع پر نہ ادنٹ فرج کے گئے اور نہ بکریاں۔ رخصتی کے وقت جو ہوتا ہے (جو ہوا کرتا ہے) اس کی تھوڑی سی جھلک ہے۔

خلم یرعنی الا درسول اللہ صبحی۔ یہ اس فطری گھبراہٹ کا بیان ہے جو نوجوان کنواری لڑکیوں کو طبعاً ہوتی ہے۔ اس کا صغرسنی سے کوئی تعلق نہیں۔

دانی لفی ارجوحة سے صغرسنی پر استدلال غلط ہے۔ ارجوحة جھولے کو کہتے ہیں اور نوجوان کنواری لڑکیاں بھی جھولا جھولتی ہیں، ہمارے ملک میں برسات کے موسم میں جھولا جھولتا اور ملہار گانا نوجوان لڑکیوں کی ایک خاص تفریح ہے۔ جس میں شادی شدہ نوجوان عورتیں بھی شامل ہو جاتی ہیں۔

غرض اس روایت علی بن مسہر میں کوئی جملہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی صغرسنی پر دلالت نہیں کرتا سوائے ایک جملہ وانا یومئذ بنت تسع سنیت کے۔ اگرچہ یہ جملہ صمناً اور تبعاً آگیا تھا۔ مگر ہشام بن عروہ نے اسی کو بنیاد بنا کر پھر اپنے قیاس سے کام لیکر اسی پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی صغرسنی کی پوری عمارت تعمیر کر دی۔ اب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور بچپن لازم و ملزوم ہو گئے اور درحقیقت یہ جملہ جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی زبان مبارک سے نکلا تھا۔

وانا یومئذ بنت تسع عشرة تھا یا بنت تسع وعشرين سنة تھا۔ مگر ہشام نے اسے ناقص نقل کیا ہے اور اسی ناقص جملے پر اپنے قیاسی استخراج استنباط کی خالی عمارت کھڑی کی ہے۔ ہم آگے اس پر مفصل بحث کریں گے۔

بخاری کی روایت ثانیہ

بخاری کی دوسری روایت جو باب تزوج النبی عائشہ رضی اللہ عنہا میں جو حضرت ہشام بن عروہ عن امیہ سے مرسل مذکور ہے

قال توفیت خدیجة قبل مخرج النبی صلی اللہ علیہ وسلم الی المدینة بثلاث سنین فلیث بسنتین ادقربیا من ذلک و نکح عائشة و هی بنت ست سنین و بنی بہا و ہی بنت تسع سنین

یہ مرسل روایت بھی ہشام بن عروہ کے واسطے سے ہم تک پہنچی ہے۔ اس میں عروہ کا کلام محض و نکح عائشہ تک ہے باقی حصہ ہشام کا استخراج و استنباط ہے

ہمارے مدعی کی وضاحت کیلئے چند مقدمات ضروری ہیں

عمل استخراج ۱۔ اس روایت کا مضمون یہ ہے کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی وفات ہجرت

سے تین سال پہلے ہوئی۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم دو سال یا اس سے کچھ زیادہ یا کم عرصے تک بلا زوجہ رہے۔ پھر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کیا۔ اس روایت سے معلوم ہوا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا نکاح ہجرت سے ایک سال پہلے ہوا۔

۲۔ اہل علم کے نزدیک یہ معروف و مسلم ہے کہ ہشام رضی اللہ عنہ کے نزدیک حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی رخصتی سٹھ ہجری میں ہوئی۔ اگرچہ بعض اہل تحقیق نے اس سے اختلاف کیا ہے جیسا کہ ہم اس مسئلہ کو تفصیل کے ساتھ لکھیں گے۔ لیکن ہشام رضی اللہ عنہ ہجری کی رخصتی کے قائل ہیں جیسا کہ ہشام سے بخاری میں تیسری روایت ہے فمکنت عندہ تسعا۔

۱۔ پہلے روایت تزوج مرسل بیان کی جاتی تھی۔ بعد میں موصول بیان کی جانے لگی۔

- ۲۔ بخاری باب الهجرة میں یہ روایت مرسل عروہ کے طور سے مذکور ہے۔
- ۳۔ مصنف عبدالرزاق میں دو سندوں سے مذکور ہے۔ دونوں ہی مرسل ہیں۔
- ۴۔ طبقات ابن سعد میں یہ روایت دکیع سے مرسل عروہ کے طور سے مذکور ہے۔
- ۵۔ پھر طبقات میں دکیع ابواسحاق کے ذریعہ مرسل ابو عبیدہ ہے۔
- ۶۔ طبقات میں ہی اسرائیل ابواسحاق کے ذریعہ مرسل ابو عبیدہ ہے۔

لیکن بعد میں اصحاب کسن نے ان روایات کو موصول ذکر کیا۔

۳۔ اور یہ حقیقت بھی معلوم و معروف ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ۱۱ھ ہجری میں ہوئی۔

۴۔ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت جیسے ان کی سادہ اور اچانک رخصتی کا قصہ بیان کیا گیا ہے۔ اور جس کے آخر میں ”وانا لیومئذ بنت تسع“ کو ضمناً اور جملہ محترضہ کے طور پر لایا گیا ہے۔ اس سے معلوم ہو گیا ہے کہ رخصتی کے وقت حضرت عائشہ کی عمر نو سال تھی۔

مذکورہ بالا مقدمات اور حقائق کو جمع کرنے سے یہ حقیقت خود بخود سامنے آ جاتی ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی عمر ۱۱ھ میں رخصتی کے وقت چونکہ ۹ سال تھی لہذا ہجرت سے ایک سال پہلے نکاح کے وقت لازماً ۶ سال تھی۔ اور ۱۱ھ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت اٹھارہ سال تھی۔ یا یوں کہیے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ۹ سال رہی ہیں۔

تھوڑی دیر کے لئے تصور کر لیجئے کہ تزوج کا کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ بلکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اپنی عمر کے متعلق فرماتی ہیں کہ ۱۱ھ میں میری عمر ۹ سال تھی۔ تو ہم ریاضی کے قاعدے سے سوال کر سکتے ہیں کہ بتاؤ ۱۱ھ ہجری میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی عمر کیا ہوگی تو جواب ہوگا ۱۸ سال۔ ہم مزید سوال کر سکتے ہیں کہ ہجرت سے ایک سال پہلے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی کیا عمر تھی۔ جواب ہوگا ۶ سال۔

تزوج اور رخصتی کے سلسلہ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا بیان صرف اتنا ہے کہ ”وانا لیومئذ بنت تسع“ یعنی رخصتی کے وقت میں ۹ سال کی تھی۔ اس لئے گیارہ میں سے ۲ نفی کر دو تو ۹ رہتے ہیں۔ پھر ۹ کو ۹ میں جمع کر دو تو اٹھارہ ۱۸ بن جاتے ہیں۔ اسی طرح ۹ میں سے ۳ نفی کریں (۲ ہجرت کے ابتدائی سال اور ایک ہجرت سے پہلا سال) تو چھ ۶ رہ جاتے ہیں۔

لہذا یہ روایت جیسا کہ ہم پہلے بتا چکے ہیں ہشام بن عروہ کا استخراج و استنباط ہے۔ جو ریاضی کی مدد سے مسئلہ تاریخی حقائق سے حاصل کیا گیا ہے۔ اور ریاضی سے نکالے ہوئے نتائج کو تزوج کے ساتھ وابستہ کر کے ہشام نے اپنا استنباط ان الفاظ میں پیش کیا ہے:-

عن هشام بن عروہ عن أمیہ عن عائشة ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم تزوجها وهي بنت ست سنین۔ وادخلت علیہ وهي بنت

تسع سنين فمكثت عنده تسعاً (بخاری . كتاب النكاح)
 اس میں حضرت عائشہ رضی کا ایک جملہ بھی نہیں ہے اور سارا کلام ہشام کا اپنا کلام ہے۔
 جسے ہشام نے عنعن سے بیان کیا ہے۔ یہ بالواسطہ کلام ہے۔ یعنی غائب کے صیغوں سے
 ادا کیا گیا ہے۔ جس میں یہ گنجائش ہے کہ اسے کلام ہشام بھی سمجھا جا سکے اور کلام عائشہ
 بھی تصور کیا جا سکے۔

اس کلام میں صرف ایک جملہ ایسا ہے جو حضرت عائشہ رضی کے اپنے جملہ ”و انا
 یومئذ بنت تسع“ کا بالواسطہ بیان ہے۔ یعنی وادخلت علیہ وہی بنت تسع۔
 باقی دو جملے مستخرجاتِ ریاضی ہیں۔ اور ہشام کا یہ استنباط بصورتِ روایت کتب حدیث میں
 مختلف انداز سے مذکور ہے۔

اس روایت تزوج کے تین ٹکڑے ہیں :-

۱۔ تزوجھا النبی وہی بنت ست سنین ۔

۲۔ و بنی بہا وہی بنت تسع ۔

۳۔ و مکثت عنده تسعاً ۔

اس مضمون کو ہشام کے تلامیذ نے مختلف صورتوں سے ادا کیا ہے۔ یہ روایت
 عام طور پر کتب حدیث میں نکاح الرجل ولدۃ الصغار ۔ یا ۔ باب تزویج
 البکار میں بیان کی جاتی ہے۔ کوئی راوی پہلے دو حقے بیان کرتا ہے۔ کوئی آخر کے
 دو حقے بیان کرتا ہے۔ کوئی پہلے حقے میں چھ سال کہتا ہے۔ کوئی سات سال کہتا
 ہے۔ جیسا کہ ہر روایت کے تفصیلی جائزے سے معلوم ہوگا۔

بہر حال آخری دو اجزاء میں تمام رواۃ ہشام کا اتفاق ہے۔ تعبیر کے انداز ضرور
 مختلف ہیں۔ اور روایت بالمعنی میں ہوتا بھی یہی ہے۔ پھر کہیں اس کو بالواسطہ
 غائب کے صیغے سے ادا کیا گیا ہے اور کہیں بلا واسطہ متکلم کے صیغے سے بیان کیا گیا ہے۔

مستقل روایت یا متفرق ٹکڑوں کا مجموعہ | کتب حدیث میں جس انداز سے یہ

روایت بیان کی جاتی ہے۔ اس سے

معلوم ہوتا ہے کہ یہ مستقل احکام کی روایت ہے۔ اسی لئے اس پر زیادہ توجہ مبذول
 کی گئی ہے۔ اور اب یہ ان کے نزدیک متواتر کے قریب ہے۔

دیکھنا یہ ہے کہ یہ کوئی مستقل روایت ہے۔ یا مختلف ٹکڑوں کو جوڑ کر روایت

بنائی گئی ہے۔ کتب حدیث میں احادیث کا اکثر و بیشتر کوئی نہ کوئی پس منظر ضرور ہوتا ہے۔ کوئی سوال کیا گیا ہو۔ اور اس کے جواب کو محفوظ کر لیا گیا۔ یا کوئی صورت واقعہ پیش آئی اور اس کا کوئی حل بتلایا گیا تو اسے یاد کر لیا گیا۔ لیکن اس روایت سے قطعاً معلوم نہیں ہوتا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے کوئی سوال کیا گیا تھا جس کے جواب میں آپ نے یہ فرمایا۔ یا کوئی اور واقعہ بیان کر رہی تھیں جس کے ضمن میں یہ ارشاد فرمایا۔ کتب حدیث اس سلسلہ میں خاموش ہیں۔

تمام روایات کے جانچنے سے اس روایت کے متعلق یہ تحقیق ہوا کہ اس پوری روایت میں ایک جملہ مستقل ہے جسے کسی راوی نے ترک نہیں کیا۔ اور وہ ہے بناء تسعة۔ کیونکہ بعض رواۃ پہلے دو ٹکڑے بیان کرتے ہیں جیسا کہ بخاری کی باب الهجرة تزویج عائشہ رضی اللہ عنہا والی روایت میں ہے۔ اور بعض آخر کے دو ٹکڑے بیان کر رہے ہیں جیسے کہ ابھی آئے گا۔ غور کرنے سے معلوم ہوا کہ یہ ٹکڑا ہجرت کے مفصل قصے سے لیا گیا ہے۔ جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا تھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے اپنے خاندانوں کو بلانے کے لئے آدمی روانہ کئے۔ وہ لوگ دونوں خاندانوں کو لیکر مدینے پہنچے۔ مکہ سے روانگی، راستے کی کیفیت، مدینے کا قیام، بیماری اور بیماری کے فوراً بعد سادہ رخصتی کا واقعہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے مسلسل بیان کیا ہے۔ اس ضمن میں عمر کا بھی بیان آگیا۔ لیکن یہ بیان ضمنی اور تبعاً آیا ہے۔ اس سارے قصے میں محض ایک جملہ ”وانا لیومئذ آتیہ“ اور یہ بھی بطور جملہ معترضہ۔

خلاصہ یہ کہ یہ سارا قصہ وانا لیومئذ بنت تسع کے لئے نہیں بیان کیا گیا۔ بلکہ قصے کا ماحصل وانا لیومئذ کے سوا کچھ اور ہے۔ اور یہ تو جملہ معترضہ تھا (کیونکہ اگر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا یہ جملہ نہ بھی فرماتیں تو بھی قصہ پورا تھا۔ اور اسی لئے مسلم کی اسی روایت میں یہ جملہ معترضہ نہیں ہے۔ طبقات ابن سعد وغیرہ میں بھی پوری روایت، ہجرت بیان کی گئی ہے اور ان میں بھی یہ جملہ معترضہ نہیں ہے۔ اور ابن سعد کی روایت میں علی بن مسہر کی روایت کی غیر واقعی تفصیل بھی نہیں ہے۔

بخاری کی تیسری روایت | بخاری کتاب النکاح کی تیسری روایت کا انداز بالواسطہ

ہے۔ یعنی غائب کے صیغے سے ادا کیا گیا ہے۔

روایت کا متن یہ ہے۔ عن هشام بن عروہ عن ابيه عن عائشة رضي الله عن النبي صلى الله عليه وسلم تزوجها وهي بنت ست سنين وادخلت عليه وهي بنت تسع و

مکث عندہ تسعاً۔ (کتاب النکاح۔ باب نکاح الرجل ولده الصغار)

اس روایت میں راوی وانا یومئذ کے مفہوم کو اپنے الفاظ میں ادا کر رہا ہے۔ یہ مفہوم اس نے تزویج عائشہ رضی والی ماخذ روایت سے لیا ہے۔ یہ نہیں ہے کہ حضرت عائشہ رضی سے عروہ نے یہ روایت سنی ہے۔ تزویج عائشہ رضی والی ماخذ روایت میں وانا یومئذ بنت تسع تھا۔ اور اس کے آگے پیچھے کچھ نہیں تھا۔ لیکن اس روایت میں مکث عندہ تسعاً اور زیادہ ہے۔

اگر یہ روایت براہ راست حضرت عائشہ رضی کی زبان میں بیان کی جاتی تو اس کی گنجائش ہی نہ تھی۔ اور وانا یومئذ بنت تسع سنین جس کو ادخلت علیہ سے ظاہر کیا گیا

بیان بالواسطہ یا بلا واسطہ

بہ تکلف اس لئے کرنا پڑا کہ وانا یومئذ اپنی ذات میں خارق عادت کیفیت کا منظر جلو ہے، مگر

ایک جملہ کو کس طرح ذکر کیا جائے۔ اس لئے ہشام نے ریاضی سے نکالے ہوئے دو نتیجے اس کے سیاق و سباق میں لگا دیئے۔ اور اس اصل جملہ کو بھی بالواسطہ کلام یعنی غائب کے صیغے میں تبدیل کر دیا۔ اب یہ بیان کے قابل ایک مستقل کلام ہو گیا۔ اور ترتیب بھی پیدا ہو گئی۔ تزویج چھ سال کی عمر میں۔ بنا نو ۹ سال کی عمر میں معیت ۹ سال تک۔

پھر اس بالواسطہ کلام کو روایت بالمعنی کی رو سے عنین کی وجہ سے جب بلا واسطہ کلام میں یعنی متکلم کے صیغے میں تبدیل کیا گیا تو یہ سارا کلام کلام عائشہ رضی اور ایک مستقل روایت بن گیا۔

رفع اشتباہ

ہمارا ہرگز یہ منشاء نہیں ہے کہ ہشام نے دھوکے دینے کے لئے ایسا کیا۔ بلکہ مقصد یہ ہے کہ شروع میں ایک مستبط مفہوم کو جو حضرت عائشہ رضی کے بیان

وانا یومئذ سے حساب کے یقینی قاعدے سے ماخوذ تھا جسے روایت بالمعنی کی رو سے ان کا کلام کہا جاسکتا تھا، اسے احتیاط کے طور سے بالواسطہ کلام میں غائب کے صیغے سے نقل کیا بعد میں کہنے والے راویوں نے اس پورے کلام کو عنین کی وجہ سے حضرت عائشہ رضی کا کلام تصور کرتے ہوئے بلا واسطہ کلام کی صورت میں نقل کرنا شروع کر دیا اور اسے کلام عائشہ رضی بنا دیا۔ ورنہ اس تمام عبارت میں ایک جملہ بھی حضرت عائشہ رضی کا نہیں ہے۔ مفہوم ضرور ان کے کلام وانا یومئذ سے لیا گیا ہے۔

بخاری کی چوتھی روایت پر بحث | حدثنا معلى بن اسد قال حدثنا وهيب

عن هشام بن عروة عن أبيه عن عائشة

ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم تزوجھا دھنی بنت ست سنین و بنی بھا دھنی
بنت تسع سنین و انبتت انھا کانت عندہ تسعا . (بخاری ص ۱۷۰)

اس روایت میں بیان بالواسطہ ہے ۔ یعنی غائب کے صیفے سے ۔ اس میں ہشام کے استخراج
کے تینوں ٹکڑے موجود ہیں ۔ لیکن آخری ٹکڑے کو ہشام نے صراحۃً کلام عائشہ رض سے خارج کر
دیا ہے ۔ اور کہہ دیا ہے کہ یہ ٹکڑا حضرت عائشہ رض سے منقول نہیں ہے ۔ بلکہ حضرت عائشہ رض کے
علاوہ کسی اور سے مجھے یہ بات معلوم ہوئی ہے ۔

شارحین حدیث نے اس کے بیان میں کافی جولانی طبع کا ثبوت دیا ہے ۔ بڑی بڑی قیاس
آرائیاں کی ہیں کہ آخر یہ راز مرستہ ہشام کو کس دانا سے راز سے معلوم ہو سکتا ہے ۔ اور پھر شراح
نے ان لوگوں کو متعین کرنے کی کوشش کی ہے جو ہشام کو یہ بتلا سکے تھے مگر ہشام کی سادگی
دیکھنے کے قابل ہے ۔ فرما رہے ہیں ”مجھے بتلایا گیا ہے“ گویا اگر انہیں بتلایا نہ جاتا تو یہ
حقیقت مرستہ نہ ہشام کے علم میں آتی اور نہ وہ آگے بیان کرتے ۔ گویا کہ ہشام کوئی روایت
بلا کسی معتبر آدمی سے سنے روایت ہی نہیں کرتے ۔ ہمارے نزدیک یہ ہشام کا تکلف بارد
ہے ۔ تاریخ سے خود اپنے مستبط نتیجے کو انبتت سے تعبیر کر رہے ہیں ۔

لیکن مقام شکر ہے کہ اس ٹکڑے کو انہوں نے علیحدہ کر کے خود ہی بتلادیا کہ حضرت عائشہ رض
کے کلام سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے ۔ اب حضرت ہشام کی جس جس روایت میں جس جس رنگ
میں بھی یہ ٹکڑا آیا ہے یقین کر لینا چاہیے کہ وہ ہرگز حضرت عائشہ رض کا کلام نہیں ہے ۔

رہ گئے پہلے دو جملے ۔ سو ان دو ٹکڑوں کے متعلق بھی اندازہ بیان چونکہ بالواسطہ ہے اس
لئے متبادر یہی ہے کہ یہ کلام بھی کلام ہشام ہے ۔ اس کلام کا ماخذ البتہ حضرت عائشہ رض کا ایک
جملہ ہے ۔ جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے اس لئے حضرت ہشام نے اسے بالواسطہ اور عنعنہ سے
بیان کیا ہے ۔

خلاصہ یہ ہے کہ اس روایت میں ہشام نے سیاق استنباط کو خود علیحدہ کر دیا ہے ۔ اور
سیاق کے متعلق آپ پڑھ چکے ہیں کہ توفی خدیجہ دالی روایت سے حاصل کیا گیا ہے بیچ
کا ایک جملہ و بنی بھا حضرت عائشہ رض کے جملے وانا یومئذ کا بالواسطہ بیان ہے ۔

اس تجزئے کی روشنی میں بخاری کی ہجرت دالی پہلی دو لڑی روایتوں کے ابتدائی حصہ سے
جن کے متعلق ہم نے لکھا ہے کہ یہ علیحدہ ہیں اور ہشام کا کلام ہیں واضح ہو جاتا ہے کہ وہ
اسی بالواسطہ کلام کے بلا واسطہ بیان ہیں ۔ ہشام نے ان کو پہلی روایت میں مابعد سے جوڑ
دیا ہے ۔ اور دوسری روایت میں ماقبل مرسل روایت سے جوڑا ہے ۔

بالواسطہ | اس فرق کو ضرور ذہن میں رکھئے کہ حضرت ہشام نے ہمیشہ اس استخراج کو بالواسطہ کلام میں غائب کے صیغے سے ذکر کیا ہے۔ بخاری کتاب النکاح کی دونوں روایتیں حضرت ہشام کا اپنا کلام ہیں۔ اس میں نیچے کے راوی نے کوئی تفسیر نہیں کیا۔ بنی الفاظ میں سنا تھا، یہی میں نقل کر دیا۔ روایت بالمعنی کی رو سے اس کو بلا واسطہ کلام میں تبدیل نہیں کیا۔ لیکن بخاری کی ہجرت والی پہلی روایت میں حضرت ہشام کے شاگردوں میں سے کسی نے یا ان کے شاگردوں میں سے کسی نے ان کے اسی بالواسطہ کلام کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا کلام سمجھتے ہوئے بلا واسطہ کلام میں تبدیل کر دیا۔ اور اس کو ہشام کے کلام سے نکال کر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا کلام بنا دیا۔ اب یہ ہشام کا کلام نہیں رہا بلکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا کلام ہو گیا جو حضرت ہشام کے بیان کے خلاف ہے۔ اور خلاف واقعہ بھی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ پہلی روایت میں یہ غلطی فردہ سے ہوئی ہو۔ یا علی بن مسہر سے۔ اور دوسری روایت میں یہ غلطی عبید بن سہیل سے ہوئی ہو یا ابو اسامہ سے بہر حال ہشام نے اسے ہمیشہ بالواسطہ کلام میں غائب کے صیغے ہی میں پیش کیا ہے۔

اس بحث کا خلاصہ مندرجہ ذیل امور ہیں۔

- ۱۔ علی بن مسہر اس روایت فقد منا المدینۃ و تزوج کے مرتب و موجد ہیں۔
- ۲۔ اس روایت کے بیان کرنے میں وہ منفرد ہیں۔ پوری تاریخ اسلام اور ذخیرہ حدیث میں کوئی اس کا متابع اور شاہد نہیں ہے۔
- ۳۔ یہ روایت ہشام نہیں ہے کیونکہ ان کے تمام تلامیذ میں سے کوئی بھی اسے بیان نہیں کرتا۔
- ۴۔ ہشام کی وفات ۱۳۶ھ میں ہوئی۔ علی بن مسہر نے اپنے تلامیذ سے یہ روایت ۱۸۵ھ میں بیان کی جبکہ یہ تصدیق کرنے والا کوئی بھی نہ رہا کہ یہ روایت ہشام سے ہے۔

- ۵۔ علی بن مسہر نے یہ روایت نابینا ہونے کی حالت میں بیان کی۔
- ۶۔ فردہ اور اسماعیل نے یہ روایت علی بن مسہر سے ان کی عمر کے آخری حصے میں سنی جب وہ نابینا ہو چکے تھے۔ اور عجیب و غریب روایات بیان کرنے لگے تھے۔
- ۷۔ مسلم میں یہ روایت ابو اسامہ سے آئی ہے مگر چونکہ اصل میں یہ روایت علی بن مسہر سے اس لئے یا ابو اسامہ نے اسے تدلیساً روایات ہشام میں رکھ دیا یا ابو کریب اور ابو بکر نے روایت تزوج ہشام کے ساتھ اسے ملحق کر دیا اور اصل راوی اور

ان کے تلامیذ کو درمیان سے نکال دیا ۔

۸ ۔ کوٹھے والوں میں تدلیس عام تھی ان میں اکثر اس کے مرتکب تھے ۔

۹ ۔ مسند امام احمد میں یہی روایت ایک مرسل روایت کے آخر میں تھیں تھے کے طور پر آئی ہے ۔ تو یہ الحاق جامعین مسند میں سے کسی نے کیا ہے ۔

۱۰ ۔ علی بن مسہر سے ادھر اس روایت کا وجود نہیں ہے ۔ ہشام بن عروہ کی طرف نسبت ضرور ہے ۔ علی بن مسہر طبقہ شامیہ کے راوی ہیں ۔ اس سے ادھر کے طبقات اس روایت سے بالکل بے خبر ہیں ۔



متون روایات مسلم

بحث

مسلم کی پہلی روایت کے متن پر بحث | مسلم کی پہلی روایت وہی ہے جو بخاری باب الہجرت میں گزر چکی ہے، فرق صرف اتنا ہے (کہ بخاری

کی روایت میں استخراج ہشام کا صرف ایک ٹکڑا آیا ہے اور وہ شروع روایت میں ہے۔ دوسرے ٹکڑے کا مفہوم ہجرت عائشہ رض کے قصے سے جس کے آخر میں وَأَنَا يَوْمَئِذٍ ہے پورا کیا گیا ہے۔ تیسرا ٹکڑا اُس روایت میں وارد ہے) اور مسلم کی اس روایت میں استنباط ہشام کے دو ٹکڑے روایت کے شروع ہی میں آ گئے ہیں۔ تیسرا ٹکڑا راوی نے خود ہی ترک کر دیا ہے۔ اور قَالَتْ تَقْدِمْنَا الْمَدِينَةَ سے حضرت عائشہ رض کی بیماری اور سادہ رخصتی اور اس دور میں رخصتی کی رسم کا بیان ہے۔ اس حصہ روایت میں عمر کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ اس حصہ روایت سے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ حضرت عائشہ کی رخصتی کس عمر میں ہوئی۔ اتنا ضرور معلوم ہوتا ہے کہ بچپن میں کہیں رخصتی ہوئی ہوگی۔

آگے چل کر ہم مفصل بتائیں گے کہ اس رخصتی کے واقعے کی یہ طفلانہ تعبیر راوی کا اپنا ذہن ہے۔ اس کا نفس واقعہ سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ ابن سعد وغیرہ کتب سیر میں ہجرت عائشہ رض اور رخصتی کا جو قصہ بیان کیا گیا ہے وہ قرین قیاس ہے۔ اور ان پھول پتیوں سے خالی ہے جو اس روایت میں ان کے تلمیذ علی بن مسہر نے چسپاں کی ہیں۔

”حضرت عائشہ رض اور کھیل“

ایک مستقل عنوان قائم کیا گیا ہے۔ اس باب میں ہم اس مسئلہ پر تفصیل سے گفتگو کریں گے۔

غرض اس روایت کے دو حصے ہیں۔ ایک تقدمنہ سے پہلے اور ایک تقدمنہ کے بعد۔ بعد کے حصے میں نفس رخصتی کے واقعے سے زیادہ جو امور تفصیل سے بیان کئے گئے ہیں وہ راوی کا اپنا ذہن ہے۔ روایت نہیں ہے۔ اور تقدمنہ سے پہلے جو دو ٹکڑے وارد ہیں وہ ہشام کا کلام تھا لیکن راوی نے اُسے بلا واسطہ کلام میں بیان کر کے حضرت

عائشہ رضی اللہ عنہا کے منہ میں وہ بات ڈال دی جو انہوں نے نہیں فرمائی تھی :

نیز مسلم کی یہ روایت وانا یومئذ کے جملہ معترضہ سے خالی ہے ۔ اس سے معلوم ہوا کہ کلام اس جملے کے بغیر بھی پورا ہے ۔

مسلم کی دوسری روایت کے متن پر بحث | مسلم کی دوسری روایت ہشام جو عبیدہ بن سلیمان

کے دو ٹکڑے آئے ہیں ۔ تزوج چھ سال میں ۔ اور بناء نو سال میں ۔ آخری ٹکڑا یا ہشام نے خود ترک کر دیا یا عبیدہ نے ترک کر دیا ۔

اس روایت میں راوی نے بیان بالواسطہ میں تبدیل کیا ہے اور کلام ہشام کو کلام عائشہ رضی اللہ عنہا بنایا ہے ۔ یعنی غائب کے صیغے سے متکلم کے صیغے میں تبدیل کر دیا ہے ۔

مسلم کی تیسری روایت کے متن پر بحث | مسلم کی تیسری روایت ہشام بن عروہ کی وہی مشہور

روایت ہے ۔ اس روایت کا بیان بالواسطہ ہے اور و مکث عندہ کرمات عنہا وہی بنت ثمان عشر سے بیان کیا گیا ہے ۔ اس روایت میں ایک اور جملہ کا اضافہ ہوا ۔ ولعبھا معها کھلونے ساتھ تھے چونکہ یہ روایت عروہ سے زہری کے ذریعے منقول ہے ۔ اور ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ زہری کا سماع عروہ سے ثابت ہی نہیں ہے ۔ لہذا یہ بھی روایت ہشام ہی ہے جو زہری سے چپکا دی گئی ہے ۔

اس سند میں عبدالرزاق جیسا غالی شیعہ ہے ۔ اور اس کی روایت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں طبعاً مجروح ہے ۔ ویسے بھی عبدالرزاق وضع حدیث کی ایک قسم کا مرتکب ہے ۔ یعنی ادراج کا ۔ علماء حدیث نے وضع کی اس قسم کی طرف توجہ مبذول نہیں کی حالانکہ وضع کی یہ قسم نہایت خطرناک اور واقع میں مہلک ہے ۔ گرفت کے لحاظ سے نہایت مشکل ہے ۔ واضعین کے نقطہ نظر سے نہایت کامیاب ہے ۔ اس کا معلوم کرنا اور تشخیص کر کے اسے اصل روایت سے علیحدہ کرنا جوئے شیر لانے کے مترادف ہے ۔

وہ قسم یہ ہے کہ نہایت مستند روایت میں کہیں ایک دو جملے بڑھادے جائیں ۔ جو روح روایت اور مقصد روایت کے خلاف ہوں اور واضع کے مقصد کو پورا کرنے والے ہوں ۔ ہم اس بحث کو تفصیل کے ساتھ ” حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور کھیل “

کے ضمن میں بیان کریں گے اور واضح کریں گے کہ کس طرح عبدالرزاق نے مستند روایات میں اس قسم کے اضافے کر کے اپنے جستِ باطن کا اظہار کیا ہے۔ اس کی ایک مثال یہ روایت بھی ہے۔ اس میں عبدالرزاق نے لعبہا معها کا اضافہ اپنی عادت کے موافق کیا ہے۔ چونکہ روایت ہشام میں رخصتی ۹ سال کی عمر میں بیان کی گئی ہے۔ اس لئے اس نے حضرت عائشہ رض کا پورا بچپن ظاہر کرنے کے لئے بنا رکھے وقت کھلونے بھی حضرت عائشہ رض کی بغل میں دیدئے (إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ) اس روایت میں بنی بھاک کی جگہ زفت الیہ بھی قابلِ غور ہے۔ جو ان کے ذہن کی غمازی کر رہا ہے۔

اول تو حضرت ہشام اور ان کے تلامیذ کو حضرت عائشہ رض کے اپنے ہی الفاظ رکھنے چاہئیں تھے۔ یعنی وَاَنَا يَوْمَئِذٍ بِنْتُ تِسْعٍ۔ اور اگر بالواسطہ انداز اختیار کرنا ضروری تھا تو وہی یَوْمَئِذٍ بِنْتُ تِسْعٍ کہہ دیتے۔ خیر اس کی جگہ بنی بھاک بھی قابلِ برداشت ہے۔ لیکن زفت الیہ تو عبدالرزاق ہی کہہ سکتا تھا۔ پھر ”لعبہا معها“ سے عبدالرزاق اپنے جذباتِ تحقیر عائشہ رض کو تسکین دینا چاہتا ہے۔ حضرت عائشہ رض کی سبکی اور خفت کا کوئی موقع تو نہ ملتا آئے۔

ہشام بن عروہ کی اصل روایت تزوج عائشہ رض جو ان کے تلامیذ کے ذریعے ان سے براہِ راست منقول ہے اس میں کہیں بھی کھلونے و لوٹے نہیں ہیں اور لعب بالبنات کی روایت کے ایک راوی ہشام بن عروہ سے براہِ راست معمر بھی ہیں۔ یہ روایت ہم لعب بالبنات کی بحث میں نقل کریں گے۔ اور معمر کے خاص راوی عبدالرزاق ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ لعب بالبنات کے ایک راوی ہشام سے معمر کے واسطے سے عبدالرزاق بھی ہیں۔ اور انہوں نے وہ کھلونے شبِ زفاف میں ساتھ کر دیئے ہیں۔ (نَحْوَ ذَلِكَ بِاللّٰهِ)

مسلم کی چوتھی روایت کے متن پر بحث | مسلم کی چوتھی روایت بھی حقیقتہً ہشام ہی کی مشہور روایت ہے جو یہاں اسود۔ ابراہیم۔ اعمش۔

ابو معاویہ کی راہ سے آئی ہے۔

ہم پہلے ظاہر کر چکے ہیں کہ دورِ حدیث میں ارسال اور تدلیس کا عام رواج تھا۔ ابو معاویہ الضریریہ جو کوفے کا رئیس المرجیہ تھا اور بقول صاحبِ میزان الاعتدال غلو تشیع

میں مبتلا تھا۔ یہ شخص حضرت ہشام کا شاگرد بھی ہے۔ کتب حدیث میں یہی روایت ہشام اس کے ذریعے سے منقول ہے۔ اس نے تدلیساً اس روایت کو مرویاتِ اعمش میں رکھ دیا۔ چونکہ اعمش کا خاص راوی ہے۔ اس لئے قرین قیاس یہی ہے کہ اس نے اس روایت میں تعدد طرق کے لئے ایسا کیا۔ اور یہ روایت اعمش سے بیان کرنی شروع کر دی۔

یا اعمش نے اس کو کسی اور سے سنا ہو مگر مرویاتِ ابراہیم میں رکھ دیا ہو۔ چونکہ اس روایت کا کوئی اور مؤید ابو معاویہ سے لے کر اسود تک نہیں ہے اس لئے یقیناً ساتھ نہیں کہا جاسکتا کہ یہ عمل تدلیس کہاں پیش آیا۔ ہو سکتا ہے کہ اعمش نے ایسا کیا ہو۔ کیونکہ عوام تک اس روایت ہشام کے پہنچنے کا دور اعمش کا آخری دور ہے۔ اعمش کی ولادت ۱۵۹ھ ہے اور وفات ۱۴۷ھ ہے اور ہشام کی ولادت ۱۳۱ھ اور وفات ۱۴۶ھ ہے۔ ہشام سے پہلے اس روایت کا راوی اور کوئی نہیں ہے۔ اور عوام تک روایت ہشام کے آخری دور میں آئی ہے۔ جیسا کہ آگے چل کر واضح ہوگا۔

اعمش کا تشیع مشہور ہے۔ یہ مدلس بھی ہے اور کوفے کے مشہور متشیع گروہ سے تعلق رکھتا ہے۔ اس لئے یہ بات خارج از امکان نہیں ہے کہ اعمش نے ایسا کیا ہو۔ لیکن بوجہ ہمارا گمان غالب یہی ہے کہ ابو معاویہ نے تدلیساً یا سہواً یا دانستہ طور پر اس روایت ہشام کو مرویاتِ اعمش میں شامل کر دیا ہے۔ اس پر کچھ بحث آگے بھی آ رہی ہے۔

یہ روایت اسود کی روایت کی حیثیت سے قابلِ قبول نہیں ہے۔ اس روایت میں بیان بالواسطہ ہے۔ ہشام کی زبان میں ہے۔ البتہ آخری جملہ میں تعبیر بدل گئی ہے۔ یعنی ”آپ کی وفات کے وقت حضرت عائشہ رض کی عمر ۱۸ سال تھی“ معلوم نہیں یہ جملہ حضرت ہشام کا ہے یا ابو معاویہ کا۔

متن روایت ابو داؤد پر بحث

ابو داؤد کی روایت بھی ہشام ہی کی روایت ہے۔ جو حماد بن زید کے ذریعے سے ہے۔ جس میں تنزیج کے

وقت ۷ سال یا چھ سال کی عمر ہے اور بناء کے وقت نو سال ہے۔

۷ چھ سال یا سات سال کا شک سلیمان بن حرب کی طرف سے ہے۔ ابو کامل بھی

حماد سے یہ روایت بیان کرتے ہیں۔ اس میں سات سال ہے۔

اور آخری ٹکڑا کہ ۹ سال آپ کی خدمت میں رہیں ترک کر دیا گیا ہے۔

اس روایت میں ہشام کے بالواسطہ کلام کو بلا واسطہ کلام میں تبدیل کر کے حضرت عائشہ کا کلام بنا دیا گیا ہے۔

متمون روایات ابن ماجہ پر بحث | ۱۔ ابن ماجہ کی پہلی روایت وہی ہے جو بخاری

کی باب الہجرت والی روایت ہے۔ اس کو ہشام

سے بیان کرنے والے علی بن مسہر ہیں۔ اس کے آخر میں **وَإِنَّا لَيَوْمَئِذٍ بَنَاتٌ تَسْعُ** ہے۔ اصل میں یہ روایت اس پوری روایت جس میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے سے اپنی ہجرت کا قصہ بیان کیا ہے پیچیدہ ایک زائد چیز ہے۔

اس روایت پر مفصل بحث بخاری کی باب الہجرت والی روایت کے ذیل میں گزر چکی۔

۲۔ ابن ماجہ کی دوسری روایت میں انداز بیان بالواسطہ ہے کہ تزوج کے وقت عمر سبع سنین

ہے۔ اور آخری جملہ **توفي عنها وهي بنت ثمان عشرين** ہے۔

اس روایت اور اس کے رواۃ پر اس سے پہلے بحث ہو چکی ہے۔ یہ روایت ابواسحاق

اسرائیل۔ ابوالاحمد زبیری۔ احمد بن سنان کی وجہ سے ناقابل قبول ہے۔

یہ روایت حضرت عبداللہ کی طرف محض بن عبداللہ کو عن عبداللہ لکھ دینے

کی وجہ سے منسوب ہو گئی ہے۔

اور اگر دانستہ ایسا کیا گیا ہے تو کذاب و افتراء ہے۔

اس روایت میں ابوعبیدہ سے نیچے ابواسحاق کا کوئی مؤید نہیں۔ ابواسحاق

سے نیچے اسرائیل کا کوئی مؤید نہیں۔ اسرائیل سے نیچے ابوالاحمد کا کوئی مؤید نہیں۔

غرض دو سو سال تک اس رواۃ کو کوئی مؤید نصیب نہیں ہوا۔

اگر یہ رواۃ ابوعبیدہ کی روایت ہوتی تو کوفہ کا کوئی اور راوی تو ابواسحاق

کے سوا اسے روایت کرتا۔

ایسی عام اور عجیب روایت کا سینہ بہ سینہ نسلاً بعد نسل منتقل ہونا تعجب

خیز ہے اور اسی لئے ناقابل اعتبار ہے۔

حقیقت میں ہشام ہی کی روایت کو لوگوں نے اپنے شیوخ کے پلے باندھ دیا

اور اپنے شیوخ کے اسناد پر سوار کر دیا۔

متمون روایات نسائی پر بحث | ۱۔ نسائی میں پہلی دو روایتیں ہشام ہی سے مذکور

ہیں۔ پہلی روایت بالواسطہ ابو معاویہ کے ذریعے سے ہے جس میں تزوج ۶ سال میں۔ بناء ۹ سال میں ہے۔ یہ روایت صرف ان ہی دو حصوں پر ختم ہو گئی ہے۔ اس میں تیسرے حصے یعنی ۹ سال تک ساتھ رہنے کا ذکر نہیں ہے۔

یہ بیان بالواسطہ ہے اور ہشام کی زبانی ہے۔

۲۔ دوسری روایت ہشام سے بذریعہ جعفر بن سلیمان ہے۔ تزوج ۷ سال میں۔ اور بناء ۹ سال میں۔ آخری ٹکڑا کہ ”معیت ۹ سال رہی“ اس میں نہیں ہے۔ یہاں بیان بلا واسطہ ہے۔

۳۔ تیسری روایت ابو عبیدہ کی روایت ہے۔ جو بذریعہ ابواسحاق اور مطرف نزل رہی ہے۔ اس میں تزوج لتسع سنین اور معیت ۹ سال بتائی گئی ہے۔ اور بناء ہے ہی نہیں۔ اگر تزوج سے مراد بناء ہو تو پہلا ٹکڑا نادر ہے۔

اس میں بیان بلا واسطہ ہے۔ اور اس پر پوری گفتگو پہلے ہو چکی ہے۔

۴۔ چوتھی روایت ابو معاویہ اور اسود کے ذریعے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے منقول ہے۔ اس میں تزوج ۹ سال۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت عمر ۱۸ سال ہے۔

اس میں بیان بالواسطہ ہے۔ تزوج لتسع سے مراد غالباً بناء لتسع ہے۔ کیونکہ اس کے بعد معیت ۹ سال بتائی گئی ہے۔ اگر تزوج سے مراد بناء نہ لیں تو تزوج سے وفات تک کا زمانہ ۱۲ سال ہو جاتا ہے جو مسلم تاریخی حقائق کے خلاف ہے۔ یعنی تزوج ۹ سال کی عمر میں۔ رخصتی تین سال بعد اور معیت ۹ سال۔ اس طرح مکمل مدت ۲۱ سال ہو جاتی ہے۔ اور اس کا کوئی بھی قائل نہیں ہے۔ لہذا یہ مانتا پڑے گا کہ اس روایت میں ابتدائی تزوج کو ترک کر دیا گیا ہے۔ محض مدنی زندگی سے واقعہ کو شروع کیا گیا ہے۔

اس روایت پر مفصل گفتگو پہلے گزر چکی ہے۔

متن روایت کتب الاہم | کتاب الاہم والی روایت میں تزوج ۷ سال یا چھ سال ہے۔ اور آخری ٹکڑا یعنی معیت ۹ سال ہے ہی نہیں۔

متن روایت مسند امام احمد | ۱۔ مسند کی پہلی روایت پر بخاری کی پہلی روایت کے ضمن میں فقہ مناہر گفتگو کرتے ہوئے بحث

کی جا چکی ہے ۔

یہ روایت بخاری کی باب الهجرة والی دولوں روایتوں کا مجموعہ ہے ۔ اس روایت حماد بن سلمہ میں بیماری اور بال کرنے کا ذکر نہیں ہے ۔ نہ حضرت عائشہ رض کی ماں ام رومان کے پیچھے چلانے کا ذکر ہے ۔ اچانک رخصتی اور حضرت عائشہ رض کے بچپن اور کھیل کا ضرور ذکر ہے ۔ (حضرت عائشہ رض کے بچپن اور کھیل کا ذکر ہشام کی خصوصیات میں سے ہے ۔)

حماد بن سلمہ نیز مسند کی یہ روایت حماد بن سلمہ منقول ہے اس روایت میں روایت تزوج کے دو ٹکڑے آئے ہیں شروع میں تزوجتی

وانا بنت سبع آخر میں و بنی بی وانا بنت تسع سنین ۔ درمیان میں فیلمنا قدمنا المدینة ۔ اور اس کے بعد چند بے ربط اور مبہم جملے ۔ جاء تنی لسوة ۔ رہ ۔ وانا العیابی ارجوحة ۔ ۳، وانا مجمعة ۔ ۴، متداہبین بی رہ، فہیانی ۵، وھنعننی شم ۶، اتین بی رسول اللہ صلعم و بنی بی ۔

اس میں روایت تزوج کا تیسرا ٹکڑا نادر ہے حماد بن سلمہ کے روایت تزوج کے راوی ہونے سے انکار نہیں ہے وہ تو رواۃ روایت تزوج میں شمار نہیں لیکن درمیان میں جو بے ربط جملے آتے ہیں ان میں کلام ہے ۔ یہ روایت اس تحریری زبان میں نہیں ہے جو بخاری اور مسلم میں آتی ہے جسکو علی بن مسہر نے ترتیب دیا ہے مگر اس میں حضرت عائشہ رض کا بچپن ظاہر کرنے کے لئے الْعَبَّاءُ مَجْمَعَةٌ کا اضافہ ہے اور رخصتی کی مبہل صورت ہے ایسی روایات میں عمومی صورت یہ ہوتی ہے کہ پہلے پہلے چند بے ربط افواہی جملے وجود میں آتے ہیں ۔ بغیر سند کے ان کو بیان کیا جاتا ہے ۔ پھر ارسال کی صورت میں ناقص سند سے انہیں بیان کیا جاتا ہے ۔ پھر رفتہ رفتہ وہ مرتب ہو کر موصول بن جاتے ہیں ۔

حضرت عائشہ رض کے متعلق روایت تزوج نے رواۃ بچپن طاری کر دیا تھا ۔ اسی وجہ سے بچپن ظاہر کرنے والے جملے جمع کئے گئے پہلے افواہی پھر سنداً بیان کیا جانے لگا ۔ یہ افواہی دور کی بے ترتیب روایت معلوم ہوتی ہے ۔

اس روایت میں خود حماد بن سلمہ جلیل القدر ہونے کے باوجود اکثر محدثین کے نزدیک ناقابل اعتماد ہیں ۔ امام بخاری رحم نے ان سے روایت نہیں لی ۔ صرف ایک روایت استشہاد میں ذکر کی ہے ۔ امام مسلم نے اصول میں ان سے روایت نہیں لی ہے صرف استشہاد میں روایت لائے ہیں ۔

ان کی کتاب میں ان کے ربیب ابن ابی الدوجاع نے غلط روایات بھردی تھیں

حماد کے پاس صرف قیس بن سعد کی کتاب تھی۔ عبداللہ بن امام احمد نے اپنے والد کے واسطے سے بیان کیا کہ قیس کی کتاب بھی ان سے گم ہو گئی تھی۔ پھر وہ زبانی ہی بیان کرتے تھے بڑھاپے میں اختلاط بڑھ گیا تھا کچھ کا کچھ بیان کرنے لگے تھے۔

روایت تزوج میں یہ اور اج ان کے ربیب ابن ابی الدردجاء اور خود ان کے اختلاط کی وجہ سے قابل رد ہے۔ مگر میرا اپنا یہ خیال ہے کہ مرتبیں سند میں سے کسی نے یہ چند جملے علی بن مسہر کی روایت کے بعد بڑھاتے ہیں اور اس طرح حماد بن سلمہ کی دو جملوں کی روایت کو علی بن مسہر کی روایت کا مثنیٰ بنانے کی ناقص کوشش کی ہے تاکہ ایک دوسرے کا متابع نظر آئے۔ میرے نزدیک علی بن مسہر سے پہلے اس کیفیت رخصتی کا وجود ہی نہیں ہے۔ اس لئے اب یہ مضمون کسی سند سے بھی آئے۔ علی بن مسہر کی ترتیب دادہ روایت سے لیا گیا ہے۔ ابن عدی نے کامل میں ان کی کئی روایات ذکر کی ہیں۔ جن میں یہ دوسروں سے متن روایت اور سند روایت میں منفر د ہیں۔ (تہذیب التہذیب)

۲۔ مسند کی دوسری روایت میں ہشام کے استخراج کے دو آخری جزو ہیں۔ پہلا جزو ترک کر دیا گیا ہے۔ تزوج لتسع بسنین سے یہاں مراد بناء لتسع ہے۔ اگر تزوج سے مراد نکاح لیں تو بناء کے وقت عمر ۱۲ سال ہو جائے گی اور اس کو کوئی بھی تسلیم نہیں کرتا۔

علاوہ ازیں بناء لتسع روایت ہشام کا بنیادی ٹکڑا ہے۔ خواہ وہ اسے کسی رنگ میں بیان کریں اور کسی طرح تعبیر کریں۔ یہ بنیادی حصہ ہے اور ہر روایت میں موجود ہے۔ اس کے بغیر تو استنباط ہشام کا وجود ہی نہیں۔ اسی لئے یہ کسی روایت میں بھی متروک نہیں ہے۔

۳۔ مسند کی تیسری روایت مرسل ہے۔ اس میں نکاح عائشہ رضی اللہ عنہا اور نکاح سودہ رضی اللہ عنہا کی غیر واقعی تفصیل ہے۔ یہ ایک بے سرو پا داستان ہے۔

پھر اس واقعہ کا جوڑ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی ہجرت والی روایت کے آخری حصے فقہ مننا سے لگایا گیا ہے۔ ہجرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا یہ آخری حصہ علی بن مسہر کے ذریعے حضرت ہشام سے منقول ہے۔ مگر محمد بن بشر نے اسے ابوسلمہ ادریجی سے مرسل بیان کیا ہے۔ بایں ہمہ ہشام کے مقابلہ میں یہ مرسل روایت زیادہ صفائی سے بیان کی گئی ہے۔ اس روایت میں پہلے دہی بنت است۔

دہی بنت است۔ دہی بنت لتسع نہیں تھا۔ یہ اضافہ محمد بن بشر نے ہشام کی روایت سے متاثر ہو کر کیا ہے۔ اصل مرسل روایت اس سے خالی تھی۔ اسے اضافہ ثقہ کر کے قبول کر لیا گیا۔ حالانکہ اس روایت میں یہ اضافہ غیر واقعی ہے۔

متن روایت بیہقی پر بحث

بیہقی کی روایت ہشام ہی سے یونس بن بکر کے ذریعے منقول ہے۔ اس میں ہے کہ حضرت خدیجہؓ

کی وفات کے تین سال بعد حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے نکاح ہوا۔ اس وقت حضرت عائشہؓ ۹ سال کی تھیں۔ اس روایت میں یہ نہیں ہے کہ نکاح ہجرت سے پہلے ہوا یا بعد میں۔ بناء ۹ سال میں ہوئی۔ اور وفات النبی ﷺ کے وقت عمر ۱۸ سال تھی۔ اس روایت ہشام میں استخراج ہشام کے تینوں اجزاء آگئے ہیں۔

عمومی بحث

عمومی بحث متعلقہ متن | مذکورہ بالا تمام روایات پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ بناء تسع اور محبت تسع میں کسی کا اختلاف نہیں ہے۔ البتہ

تزوج سبعہ اور تنزوج ست میں اختلاف ہے

یہ پوری روایت تین جملوں پر مشتمل ہے۔ بعض رواۃ پہلے دو جز بیان کرتے ہیں اور بعض آخر کے دو جز بیان کرتے ہیں۔ درمیانی جز سب کے ہاں موجود ہے۔ یعنی بیع کے جملے کو کوئی راوی ترک نہیں کرتا۔

اس سے معلوم ہوا کہ روایت کا بنیادی حصہ یہی ہے۔ اور یہ بنیادی حصہ حضرت عائشہؓ کے اُس جملہ معترضہ کی تعبیر ہے جو انہوں نے اپنی ہجرت اور رخصتی کے قصہ کو بیان کرتے وقت ضمناً کہہ دیا تھا۔ یعنی **وَ اَنَا لَيَوْمَئِذٍ بِنْتُ تَسْعٍ**۔

اسی ایک جملے سے استنباط کر کے ہشام نے اس روایت کی عمارت کھڑی کی۔ یہ بناء تسع ہشام کے الفاظ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے اس جملہ کی تعبیر ہے۔ اسی بنیادی حصے کے لئے سیاق اس تاریخی حقیقت سے لب کہ رخصتی ۳ھ میں ہوئی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ۳ھ میں ہوئی۔ اس لئے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا آپ کی خدمت میں ۹ سال رہیں۔ اس وقت حضرت عائشہ کی عمر ۱۸ سال تھی اور سابق اس مرسل روایت سے لیا گیا جس میں وفات خدیجہ رضی اللہ عنہا اور نکاح عائشہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے۔ اس کی رو سے نکاح اور بناء میں تین سال کا فرق ہے۔ پھر اس استنباط کو احکام کی روایت بنا کر ہشام نے عراق میں اپنے ازواج تلامیذ کے حلقے میں اس کا اعلان کیا۔

اور ان کے تلامیذ یا تلامیذ التلامیذ نے ہشام کے بالواسطہ کلام کو بلا واسطہ کلام میں

تبدیل کر کے روایت عائشہ رضی بنا دیا۔

ارباب کسفن نے اس روایت عائشہ رضی پر مزید استنباط و استخراج کی بنیاد رکھ کر اس کو مشہور یا متواتر حدیثوں میں شامل کر دیا۔

عمومی بحث متعلقہ رجال

اب ہمیں ان تمام روایات پر اس حیثیت سے بھی نظر ڈالنی چاہیے کہ نکاح کے وقت حضرت عائشہ رضی کی عمر ۶ سال بتلنے والے کتنے راوی ہیں اور سات سال بتانے والے کتنے ہیں۔ بناء تسع کو ترک کرنے والا ایک راوی بھی نہیں ہے۔

معیت تسع کا منکر کوئی بھی نہیں ہے۔ لیکن اس کو بیان میں ترک کر دینے والے کئی ہیں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان تمام روایات کا جو حضرت ہشام سے بیان کی جاتی ہیں بنیادی حصہ بناء تسع ہے۔

اس روایت کا پہلا حصہ اسی بنیادی حصہ بناء تسع پر متفرع ہے۔ اور اس کا آخری حصہ بھی اسی پر متفرع ہے۔

اسی لئے بعض رواۃ پہلے حصے کو ترک کر دیتے ہیں اور بعض رواۃ آخری حصے کو یہ دونوں جملے سراسر ہشام کا کلام اور استخراج ہیں۔

اور درحقیقت یہ بنیادی حصہ بھی ہشام ہی کا کلام ہے۔ لیکن وانا یومئذ بنت تسع کے نامکمل جملہ سے ماخوذ ہے۔

نقشہ وار ذہ تلامیذ ہشام

نمبر شمار	نام تلمیذ راوی	نام کتب حدیث	عمر نکاح عائشہ رضی
ک ۱	علی بن مسہر	بخاری، ابن ماجہ، کسفن دارمی	۶ سال
ک ۲	البواسامہ	بخاری، مسلم	"
ک ۳	سفیان ثوری	بخاری	"
ب ۴	وہب بن خالد	بخاری	"
ک ۵	یونس بن بکر	بیہقی	"
ک ۶	عبیدہ بن سلیمان	مسلم	"
ب ۷	حماد بن زید	ابوداؤد	اغلباً ۶ سال مغلوباً ۷ سال
ک ۸	ابومعاویہ	مسلم، نسائی	۶ سال

بقیہ نقشہ دواڑہ تلامیہ ہشام

نمبر شمار	نام تلمیذ راوی	نام کتب حدیث	عمر نکاح عائشہ رض
ک	۹ سفیان بن عیینہ	کتاب الاثم	۶ سال یا ۷ سال یا شک
ب	۱۰ جعفر بن سلیمان	نسائی	۷ سال
ب	۱۱ حماد بن سلمہ	مسند امام احمد	"
ک	۱۲ وکیع بن جراح	دیگر کتب حدیث	x

یعنی پہلے چھ راوی علی الاطلاق نکاح کے وقت چھ سال کی عمر بتلاتے ہیں۔
 ساتواں راوی حماد بن زید غالباً ۷ سال کہتا ہے اور یا شک ۶ سال
 آٹھواں راوی ابو معاویہ ہشام سے علی الاطلاق چھ سال کہتا ہے
 نواں راوی سفیان بن عیینہ ۶ - ۷ سال کہتا ہے کیونکہ امام شافعی کو شک ہو گیا ہے۔
 دسواں راوی جعفر بن سلیمان اور گیارھواں راوی حماد بن سلمہ علی الاطلاق ۷ سال کہتے ہیں
 بارھواں راوی وکیع سے مذکورہ بالا کتب حدیث میں سے کسی میں کوئی روایت نہیں
 ہے۔ البتہ دوسری کتب میں روایت موجود ہے۔
 اب ہشام کی روایت کے علاوہ اور روایات کا جائزہ لیجئے :-

نقشہ دیگر روایات علاوہ ہشام

نمبر شمار	راوی	کتب حدیث	نکاح کی عمر	بناد کی عمر	مہیت کا زمانہ
۱	ابو معاویہ عن الاعمش تا اسود	مسلم	۶ سال	۹ سال	x
۲	"	نسائی	x	"	x
۳	"	مسند امام احمد	x	"	x
۴	اسرائیل عن ابی اسحاق تا ابی عبیدہ	ابن ماجہ	۷ سال	"	وفات کے وقت
۵	مطرف عن ابی اسحاق تا ابی عبیدہ	نسائی	x	"	۱۸ سال
۶	عمارہ بن عزیہ عن محمد بن ابراہیم تا ابی سلمہ	"	۶ سال	"	"

اقرب الی الصواب | ہمارے نزدیک اقرب الی الصواب وہ روایات ہیں جن میں نکاح سات سال کی عمر میں ہے اور بناء ۹ سال کی عمر میں ۔
 اگرچہ یہ روایات نامکمل ہیں اور ہشام سے ان کے بیان کرنے میں کوتاہی ہوئی ہے ۔ جیسا کہ ہم آگے چل کر اس کی پوری تحقیق کریں گے ۔

روایت باللفظ اور روایت بالمعنی | روایت باللفظ یہ ہے کہ سامع نے متکلم سے جو کچھ سنا ہے اس کو اسی کے الفاظ میں نقل کر دیا ہے۔
 اپنی طرف سے الفاظ میں بھی کوئی تصرف نہ کرے ۔ حتیٰ کہ تقدم و تاخر بھی نہ کرے ۔ اسی لئے روایت باللفظ میں مروی عنہ کا ذہن ہو بہو منتقل ہوتا ہے ۔ اور راوی کے ذہن کو اس میں کوئی دخل نہیں ہوتا ۔ اور راوی صرف ایک ذریعہ ہوتا ہے روایت کا ۔
 روایت بالمعنی یہ ہے کہ سامع متکلم کے الفاظ نقل نہ کرے بلکہ اس کا مفہوم اپنے الفاظ میں بیان کرے ۔

علمائے حدیث نے اگرچہ ضرورۃً روایت بالمعنی کو جائز قرار دیا ہے ۔ لیکن اس کا درجہ روایت باللفظ سے فروتر ہے ۔ جس کی وجوہات مندرجہ ذیل ہو سکتی ہیں ۔
راوی کا ذاتی ذہن | ۱۔ عبارت کا مفہوم مختلف ذہنوں میں مختلف ہوتا ہے ۔ سامع کی استعداد کے لحاظ سے مفہوم کے مراتب مختلف اور جدا ہوتے ہیں ۔

پھر متکلم کے کلام سے جو مفہوم سامع نے لیا ہے اس کو اپنے الفاظ میں ادا کرنے کے لئے جو الفاظ وہ منتخب کرتا ہے اور کلام کو جس طرح ترتیب دیتا ہے سامع کی اس عبارت سے متکلم کے صحیح مفہوم تک پہنچنا اور مشکل ہو جاتا ہے ۔

غرض روایت بالمعنی میں روایت کا اگلا قدم پہلے قدم سے مختلف در مختلف ہوتا چلا جاتا ہے ۔ اور آخر میں آکر الفاظ کے رد و بدل اور کلام کی ترتیب سے مفہوم کچھ کا کچھ ہو جاتا ہے ۔

عنوان

روایت بالمعنی میں راوی کا ذہن غالب | ۲۔ روایت بالمعنی میں راوی کا ذہن غالب اور مروی عنہ کا ذہن مغلوب ہوتا ہے ۔ مروی عنہ کا مفہوم راوی کے ذہن کے رنگ میں رنگا ہوا ملتا ہے ۔

روایت بالمعنی میں راویوں کی جتنی تعداد بڑھے گی اتنے ہی ذہن اس روایت میں شامل ہوتے چلے جائیں گے۔ اور ہر رنگ کو ظاہر کرنے والے الفاظ اس عبارت میں ضرور پائے جائیں گے۔ چنانچہ اگر آپ روایات کو پڑھیں تو رواد کے ادوار روایات میں صاف طور سے جھلکتے ہوئے نظر آئیں گے۔

ماحولی ذہن | ۳۔ ہر آدمی اپنے ماحول کا مظہر ہوتا ہے۔ ملک۔ آب و ہوا۔ تربیتی ماحول۔ حلقہ اجاب۔ علمی افراد۔ اساتذہ کی بزرگی۔ ابنائے زمانہ کے

افکار اس پر اندازہ ہوتے ہیں۔

کچھ علمی حقیقتیں ہر دور میں ایسی ذائع شائع ہوتی ہیں کہ ہر پڑھا لکھا انسان ان کو بطور حقائق کے تسلیم کرتا ہے۔ اور اُس دور میں ان حقائق سے انحراف جہالت متصور ہوتا ہے۔ یہ حقائق علم کے بنیادی تصورات میں شامل ہوتے ہیں۔

عصری ذہن | ۴۔ ہر دور کے علمی حقائق کی بنا پر ایک عصری ذہن رونما ہوتا ہے۔ اس عصری ذہن سے اُس دور کے افراد کا آزاد ہونا نہایت مشکل ہوتا ہے۔

مثلاً آج سے پہلے دور میں نظام بطلیموسی کے مطابق آسمان اور اجرام فلکی متحرک تھے۔ زمین ساکن تھی۔ دن رات اور موسموں کی تبدیلی کی توجیہ اسی نظریے کے مطابق کی جاتی تھی۔ لیکن اب ہمارے دور میں نظام فیثاغورثی کے مطابق زمین متحرک تسلیم کی جاتی ہے۔ دن رات اور موسموں کی تبدیلی کی توجیہ اس نظریہ کے مطابق کی جاتی ہے۔ یا مثلاً تقریباً پانچ سو سال تک حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے دور سے پہلے بہت سی آیات قرآنیہ کی توجیہ ابن عربی کے نظریہ وحدۃ الوجود کے مطابق کی جاتی رہی۔ بعد میں مجدد صاحب نے اس نظریہ کی تردید کی۔ علمی دلائل کی بناء پر اہل علم نے اُس نظریہ کو ترک کر دیا اور اُس کی روشنی میں قرآنی آیات کی توجیہ بھی ترک کر دی۔

تاریخی ذہن | ۵۔ تاریخ اسلام کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ تاریخ کے ہر دور میں بعض مسائل بطور غالب مسلک کے قبول کئے جاتے رہے۔

اس دور کے گزرنے کے ساتھ ہی ان کا غلبہ بھی جاتا رہا۔ مثلاً عباسی دور میں خلقِ قرآن کا مسئلہ بطور غالب مسلک کے قبول کرایا جاتا تھا۔

مسکلی ذہن | ۶۔ ہمارے پاس اس وقت کا جو تحریری علمی سرمایہ ہے وہ دوسری صدی ہجری تک کا ہے۔ اس وقت کے علماء کا ایک ذہن بن چکا تھا۔ جن

امور کو انہوں نے بطور حقائق کے قبول کر لیا تھا وہی ہم تک منتقل ہوئے ہیں۔ اور جن

امور کو انہوں نے قبول ہی نہیں کیا وہ ہم تک کیسے منتقل ہوتے ۔

رفت و گزشت | ۱۔ ہر کام کا ایک وقت ہوتا ہے ۔ جس میں اس کی تکمیل یا تحقیق

ہو سکتی ہے ۔ جب وہ وقت گزر جاتا ہے ۔ تو تکمیل یا تحقیق مشکل

ہو جاتی ہے ۔ اگر کسی واقعہ کے عینی شاہد نہ رہیں تو اس واقعے کو کیسے ثابت کیا جاسکتا

ہے ۔

عمر عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور روایت بالمعنی | حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی عمر کی روایت میں بھی

یہی صورت پیش آئی ۔ چونکہ ہشام کی

روایت بالمعنی سے یہ ذہن بن چکا تھا کہ نکاح کے وقت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی عمر کم تھی اس لئے آنے والے راویوں کے نزدیک حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی ہر بات اس دور کے اسی ذہن سے متاثر ہے ۔ نہ صرف اُن کی ازدواجی زندگی کے ابتدائی دور کے ہر واقعے کی روایت میں بچپن ہی نظر آتا ہے بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ میں وہ باوجود اپنی پختہ عمری کے روادۃً ذہن میں صغیرۃ السن ہی رہیں ۔ جیسا کہ آپ کو آئندہ مباحث سے معلوم ہوگا ۔

۱۔ ہیکل انسانی ایک خود کار مشین ہے ۔ صانع کائنات نے ایک مقررہ مدت کیلئے اس میں صلاحیت کار رکھی ہے ۔ یہ خود بخود تمام افعال انجام دیتی ہے ۔ امراض کی مدافعت کا انتظام بھی اندر ہی موجود ہے ۔ جراثیم کا تریاق بھی اندر ہی تیار ہوتا ہے اور اپنا بدل بھی یہ خود ہی مہیا کرتی ہے ۔ مدت مقررہ کے بعد اس کی صلاحیت کار اپنا کام انجام دے کر خود بخود ختم ہو جاتی ہے اور فرد مر جاتا ہے ۔

۲۔ انسان جیب سے اس دنیا میں پایا جاتا ہے ۔ اسی وقت سے اس کی کوشش ہے کہ اپنے جسم کے اندر کے نظام کو سمجھے اور اعضاء کے افعال کا مطالعہ کرے اور ان کے منافع کو منضبط کرے ۔ پہلے لوگوں نے بہت سے اکتشافات کئے مگر وہ مبہم اور مجمل تھے موجودہ دور کے محققین نے دیگر علوم کی وسعت سے فائدہ اٹھا کر ہوئے رموز جسم انسانی پر توجہ کی اور مختلف قسم کے تجزیے اور تحلیل سے اور مختلف النوع تجربات سے علم منافع الاعضاء میں کافی وسعت پیدا کی اور جسم کے ایک ایسے نظام کا پتہ چلایا جو طبِ قدیم میں غیر معلوم تھا جسے اب نظام غد و غیر ناقلہ کہتے ہیں بے مالی دار گلیاں ۔

یہ چھوٹی چھوٹی گلٹیاں ہیں بظاہر ان کا کوئی مصرت معلوم نہیں ہوتا تھا۔ مگر تحقیق اور تجربات سے پتہ چلا کہ جسم کے بہت سے رموز اور اسرار اور جسم کے تغیرات ان گلٹیوں سے وابستہ ہیں۔

ہم اس پورے نظام غدد پر تو بحث نہیں کر سکتے۔ کیونکہ یہ ہمارے موضوع سے خارج ہے البتہ ان چند غدد کے منافع سے ضرور بحث کریں گے جن کی رطوبات کی کمی بیشی سے انسان قبل از وقت بالغ یا جوان ہو جاتا ہے اور کمی سے انسان پونا رہ جاتا ہے۔ اور دیر میں بالغ ہوتا ہے۔ یعنی حد اعتدال سے زیادہ ان غدد سے رطوبات کا ترشح کس قسم کے تغیرات جسم میں پیدا کرتا ہے اور اعتدال سے کم ترشح سے نشوونما طبعی میں کیا کمی پیدا کرتا ہے اب تو ان غدد کے جوہر معمول میں تیار کر لئے گئے ہیں۔ جو رداء استعمال کئے جاتے ہیں۔ اور ان جوہروں کو استعمال کر کے جسم کے تغیرات اور علامات کا علی مشاہدہ کیا جاسکتا ہے۔

۳۔ جسم انسانی کا طبعی ارتقاء تدریجی ہوتا ہے۔ پہلے بچہ نرم و نازک ہوتا ہے آہستہ آہستہ ماں کے دودھ پر بڑھتا پلتا ہے ۹ ماہ بعد دودھ کے دانت نکلنے شروع ہوتے ہیں یہ عارضی ہوتے ہیں بچہ اٹھنے بیٹھنے کی کوشش کرتا ہے اور کامیاب ہو جاتا ہے۔ پھر کھڑا ہونے لگتا ہے پھر چلنے لگتا ہے دس گیارہ سال تک عارضی دانت گر جاتے ہیں اور مستقل دانت نکل آتے ہیں۔ عموماً بارہ سال کی عمر سے جسم میں نئے تغیرات شروع ہو جاتے ہیں۔ غدد صغیرہ جواب تک خواہید تھے بیدار ہونے شروع ہو جاتے ہیں اور درجہ بدرجہ جسم میں ان کے کام کرنے کے اثرات نمایاں ہونے لگتے ہیں۔

لڑکیوں میں سینے کا ابھار شروع ہو جاتا ہے جسم متناسب ہو جاتا ہے۔ کچھ عرصے بعد ایام شروع ہو جاتے ہیں تخیلات اور افکار کا بہج بدل جاتا ہے۔ شرم و حیا کے اثرات نمایاں نظر آتے ہیں اور خود بخود اس پر یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ قدرت نے کس کام کے لئے اسے بنایا ہے۔

لڑکوں میں آواز بھاری ہو جاتی ہے۔ جسم میں پختگی آ جاتی ہے۔ اوجیہ منی کامل ہو جاتے ہیں اور اخراج مادہ ہونے لگتا ہے۔ اور لذت انزال سے آشنا ہو جاتا ہے۔ منہ پر مچھیں اور ڈاڑھی آ جاتی ہے یہ ایک تدریجی قدرتی انسان اس طریقہ کار سے مانوس ہے۔

اس کا علم نوع انسان کو فطری طور سے حاصل ہے۔ بعض افراد اس ضابطے سے منحرف نظر آتے ہیں۔ یہ افراد اعتدال سے تجاوز کرتے ہیں۔ کبھی افراط ہوتا ہے یعنی جلدی جوان ہو جاتے ہیں اور کبھی تفریط ہوتی ہے۔ کبھی دیر میں جوان ہوتے ہیں مگر یہ ان کی حالت طبعی نہیں ہوتی بلکہ غیر طبعی حالت ہوتی ہے۔

غدد غیر ناقلہ | وہ غدود ہیں جن میں جو رطوبت پیدا ہوتی ہے وہ براہ راست

خون میں شامل ہو جاتی ہے۔ کیونکہ ان میں کوئی نالی نہیں پائی جاتی البتہ کچھ نالی دار غدود ایسے بھی ہیں جن میں نالی سے جانے والی رطوبت کے علاوہ ایک اور رطوبت پیدا ہو کر براہ راست خون میں شامل ہوتی ہے۔ جیسے

انتین و خصیۃ الرحم

ان غدود غیر ناقلہ سے پیدا ہونے والی افرازی اندرونی رطوبات جسم میں حسب ذیل تغیرات پیدا کرتی ہیں۔

(الف) نظام جسم میں تبدیلی۔ (ب) عضلات غیر ارادیہ کی تحریکات۔ (ج) اعضاء کا

نمو۔ (د) مختلف غدود سے رطوبات کے ترشح میں مدد۔ (ه) تخلیلات مختلفہ کی پیدائش میں مدد، اعضاء صنفیہ کے عمل میں مدد۔

اب ہم چند اہم غدود کے افعال کا مختصر ذکر کرتے ہیں۔

۱۔ غدہ درقیہ کے افعال (یہ غدہ گزرون میں ہوتا ہے)

اگر مینڈک کے بچوں سے یہ غدہ نکال دیا جائے تو ان میں طبعی تغیرات فوراً رک جاتے ہیں اور کوئی بھی ان میں سے پورا مینڈک نہیں بنتا۔ اور جب مینڈک کے بچوں کو غدہ درقیہ کھلایا جاتا ہے تو طبعی تغیرات تیز ہو کر جلد ہی ہی پورا مینڈک بن جاتا ہے۔ انسانی بچوں میں غدہ درقیہ نکال دینے سے بچہ بونا رہ جاتا ہے اور کمزور ہوتا ہے اور جوانوں میں سے یہ غدہ نکال دینے سے استسقاء لحمی ہو جاتا ہے۔

جوہر غدہ درقیہ کے اثرات | اس کے استعمال سے عضلاتی انقباض بڑھ جاتا

ہے۔ نیز حرارت بڑھ جاتی ہے، اجزاء دھانیہ

کا اخراج اور اجزاء نسیم (اوکیجن) کا انجذاب بڑھ جاتا ہے۔

قلب کی حرکت تیز ہو جاتی ہے بلکہ اختلاج قلب ہو جاتا ہے۔ سانس گہرا اور تیز ہو جاتا ہے۔ پسینہ زیادہ آتا ہے۔ بھوک زیادہ لگتی ہے چربی تحلیل ہو

جاتی ہے ایک ملی گرام جوہر اگر روزانہ دیا جائے تو تین ہزار کلو زنگ حرارت بڑھ جاتی ہے۔ ایک ملی گرام جوہر چار سو ملی گرام شکر انگور سی کو اجزاء نسیم میں بدل دیتا ہے اگر جوان انسان میں سے غدہ درقیہ نکال دیا جائے تو روزیما مضطرب ہو جاتا ہے یعنی استقاء لحمی جیسی کیفیت ہو جاتی ہے۔ نبض سست ہو جاتی ہے۔ حرارت کم اور خون کا دباؤ گہرا جاتا ہے۔ سانس کی رفتار کم ہو جاتی ہے۔ پسینہ کم آتا ہے بھوک کم ہو جاتی ہے۔ نسیان بڑھ جاتا ہے۔ چہرہ بھر بھرا۔ حواس کم ہو جاتا ہے بال گر جاتے ہیں۔ افعال جنینہ رک جاتے ہیں۔ عورتوں میں حیض بند ہو جاتا ہے۔

اگر بچپن میں غدہ درقیہ میں کوئی خرابی پیدا ہو جائے تو ہیکل عظمی چھوٹا رہ جاتا ہے پندرہ سال کی عمر میں تین سال کا بچہ معلوم ہوتا ہے دماغ سست اور کمزور ہوتا ہے دانت دیر میں نکلتے ہیں بلوغت بہت دیر میں پیدا ہوتی ہے۔ ناک چھٹی مریض کا چہرہ خاص قسم کا ہو جاتا ہے۔ پیٹ پھولا ہوا سر بڑا اور چوڑا ہوتا ہے زبان اتنی بڑھ جاتی ہے کہ منہ میں نہیں سما سکتی وغیرہ سال بھر تک اگر درقیہ کا انجکشن دیا جائے تو تندرستوں جیسا چہرہ ہوگا اور نشوونما بھی ہوگا۔ جوانوں میں اس کی خرابی سے وہ خرابیاں ہوں گی جو نکال دینے سے ہوتی ہیں نیز پیشاب میں شکر بڑھ جاتی ہے اور خون میں بھی شکر زیادہ ہو جاتی ہے۔ مہضم خراب رہتا ہے جلد ممکن ہوتی ہے جسم بھدا ہو جاتا ہے بال کبھی گر جاتے ہیں کبھی رہتے ہیں۔

۲۔ غدہ جار الدرقیہ کے افعال | یہ غدہ چونے اور گواہی ڈین کے مہضم و جذب پراقتدار رکھتا ہے۔ گواہی

ڈین راجزاء لحمیہ کے مہضم کے درمیان جو فضلہ پیدا ہوتا ہے یہ سہی ہوتا ہے اس غدے کی رطوبت اسے غیر سہی بنا دیتی ہے۔ عضلات قلب و عضلات ہیکلیہ وغیرہ اس میں انقباض پیدا کرتی ہے۔ ہڈیوں کے بنانے میں مدد دیتی ہے۔

۳۔ الف۔ غدہ تخامیبہ کے اگلے لوٹھڑے کے افعال | اگر حیوان سے یہ حصہ نکال دیا جائے

تو کمزور اور بدحواس ہو جاتا ہے اور جلد مر جاتا ہے۔ تندرست حیوان میں جب اس حصہ غدے کے جوہر کو داخل کیا جاتا ہے تو حیوان کی قسم جنس اور عمر کے لحاظ

سے علیحدہ علیحدہ علامات ظاہر ہوتی ہیں۔ مثلاً اگر حیوان میں پورا نشوونما نہیں ہوا تو اس جوہر کے استعمال سے وہ دراز قد دیو ہیکل تقریباً آٹھ فٹ ہو کر جلد بلوغت کو پہنچ جائے گا۔ اور اگر نشوونما مکمل ہونے کے بعد اس کا جوہر استعمال کیا جائے تو اطراف بڑھ جائیں گے۔ کبرالاطراف ہو جائے گا۔

جوہروں کے بچوں میں جب اس کا انجکشن کیا جاتا ہے تو وہ دیونا ہو کر وزن میں کمی گنا ہو جاتے ہیں۔ اگر چھوٹی چوہیا میں اس کا انجکشن کیا جائے تو خفیۃ الرحم کے فعل کو تیز تر کر دیتا ہے اس میں بیضہ انٹی اور جسم اصغر جلد بننے لگتے ہیں۔ اگر غدہ نخالیہ کے اگلے لوٹھڑے کی رطوبت نشوونما کے زمانے میں زیادہ بننے لگے یعنی زیادہ پیدا ہونے لگتے ہیں تو انسان آٹھ فٹ لمبا ہو کر دیو ہیکل ہو جاتا ہے۔ ہضم غذا جنسی خواہشات اور افعال جنسیہ حیرت انگیز طریقے سے بڑھ جاتے ہیں۔ پیشاب میں شکر آنے لگتی ہے۔ اور اگر نشوونما ہونے کے بعد اس غدے کے اگلے لوٹھڑے کی رطوبت زیادہ پیدا ہونے لگے تو ہاتھ پاؤں کی ہڈیاں بڑھنے لگتی ہیں۔ جو ہڈیاں اس سے متاثر ہوتی ہیں یہ ہیں۔ عظم الوختہ۔ فک اعلیٰ واسفل۔ ریح الید در بغ الرجل انسان۔ عظم القص کے فقرات انسان بن مانس بن جاتا ہے۔ سینہ زیادہ آتا ہے۔ بھوک زیادہ لگتی ہے۔ افعال جنسیہ بڑھ جاتے ہیں ذیابطیس ہو جاتا ہے۔

ب طفولیت، رعونت، حلق۔

جب غدہ نخالیہ کے اگلے لوٹھڑے کی رطوبت کم ہو جاتے تو ایسے مریضوں کی ہڈیاں نہیں بڑھتیں۔ بھوک کم ہو جاتی ہے۔ بلوغت اور جنسی افعال دیر میں ظاہر ہوتے ہیں۔ اور جلد چربی بڑھ جاتی ہے۔

ج جوہر غدہ نخامیہ مکمل

اگر اس کا انجکشن تندرست انسان میں کر دیا جائے تو عروق شریہ سکڑ جاتی ہیں۔ گردے پیشاب کم بناتے ہیں خون میں شکر زیادہ ہو جاتی ہے۔ اگر اگلے لوٹھڑے کا جوہر زیادہ اور پچھلے کا کم ہو تو پیشاب زیادہ آئیگا اور بچہ دیو ہیکل بڑا اور کبرالاطراف ہو جائیگا اور اگر اگلے لوٹھڑے کا جوہر کم اور پچھلے کا زیادہ ہو تو عضو تناسل کا نوک کم ہوگا اور افعال جنسیہ کم ہوں گے۔

۴ غدہ صنوبریہ کے افعال

اگر اس غدے کا جوہر زیادہ پیدا ہو کر جذب ہونے لگے تو ادراک تیز ہو جاتا ہے۔

نشود نما بھی جلد ہونے لگتا ہے۔ اعضاء تناسل فوراً بڑھ کر کام کرنا شروع کر دیتے ہیں۔ اور بلوغت کی نشانیاں قبل از وقت پیدا ہونے لگتی ہیں۔

غده توشہ کے افعال

۵۔

یہ غده اعضاء جنسیہ کے نشود نما پر اقتدار رکھتا ہے۔ جب تک اعضاء تناسل پورے طور سے نہ بڑھ جاتیں۔ جنسی خواہشات کو روکے رکھتا ہے۔ اُن بچوں میں یہ جو ہر مفید ہوتا ہے جو قبل از وقت جنسی خواہشات ظاہر کرنے لگتے ہیں۔

غده فوق الکلیہ کے قشر کے افعال

۶۔

جوہر قشر فوق الکلیہ:-

یہ جوہر تنفس سے زیادہ تعلق رکھتا ہے اور خاص چربی کے مضم میں مدد دیتا ہے اور جنسی افعال میں اس کی وجہ سے تبدیلیاں آتی ہیں۔ اگر اس قشر کے اندر رسولیاں پیدا ہو جاتیں تو اس کی ساخت بڑھ جاتی ہے اور جنسی افعال بڑی تیزی سے نمودار ہوتے ہیں۔ لڑکیوں میں ایسا ہونے سے جلد بلوغت آ جاتی ہے۔ ڈاڑھی اور موچیں نکل آتی ہیں۔ آواز مردوں جیسی ہو جاتی ہے۔ لڑکے اس حالت میں دیو ہیکل ہو جاتے ہیں۔

ان تمام غدود کا مشترک عمل

ایک عمل ان رطوبات کا یہ بھی ہے کہ اس نظام کی رطوبات غدود کے افعال میں معاون اور ان رطوبات میں اعتدال اور توازن قائم رکھتی ہیں۔ اس ساری بحث سے مندرجہ ذیل امور عیاں ہیں۔

۱۔ انسان کی اکثر صفات، افعال، افکار ان مذکورہ بالا غدود کے افعال کے عمل سے پیدا ہوتے ہیں۔

۲۔ ان غدود کے افعال کے اعتدال سے تجاوز کی بناء پر بڑے بڑے تغیرات جسم میں پیدا ہوتے ہیں۔ مثلاً قبل از وقت بلوغت دیو ہیکل لمبا قد کبرا لطرافی ہڈیوں کا غیر معمولی بڑھنا، ابھرنا، قمامہ (سخت بونا پن۔ ہولفی احمق پن) بن مالنسی۔ مجموعہ (آنکھوں کا باہر نکل آنا، استسقاء لحمی وغیرہ

۳۔ ان غدود کے جواہر اب محلوں میں تیار ہوتے ہیں۔ اور ہم تندرست جسموں میں داخل کر کے ان غدود کے افعال کو تیز کر کے یا ان کے افعال کو معطل کر کے مندرجہ بالا تغیرات کو حسب منشا پیدا کر سکتے ہیں اور مشاہدہ کر سکتے ہیں۔

۴۔ اب بلوغت قبل از وقت یا بعد از وقت وغیرہ امور محض اتفاقی امور نہیں رہے بلکہ اس کے اسباب و علل معلوم ہو جانے کی وجہ سے اور ان غدود کے جواہر ہاتھ آ جانے کی وجہ سے انسان یہ مذکورہ بالا عوارض اور علامات اپنے عمل سے حاصل کر سکتا ہے۔

۵۔ ان رطوبتوں کا حد اعتدال سے تجاوز کر جانا خواہ اس کے اسباب کچھ بھی ہوں حالت صحت نہیں ہے مرض کی حالت ہے۔

۶۔ اس سے جسم میں ایسے تغیرات ہوتے ہیں کہ انسان میں بد وضعی پیدا ہو جاتی ہے اور تناسب اعضاء اور اعتدال جوارح باقی نہیں رہتا۔ دیکھنے والا بادی النظر میں سمجھ لیتا ہے کہ یہ شخص غیر معمولی عوارض میں مبتلا ہے۔

۷۔ مذکورہ بالا عوارض بہر حال مرض ہیں اور مریض آدمی عمر طبعی شاذ و نادر ہی پاتا ہے۔

نتیجہ بحث

۸۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا نشو و نما طبعی تھا۔ وہ غدود کی کسی بیماری میں مبتلا نہیں تھیں۔ ان کی نابغیت، ذہنی تفوق ان کا جسمانی تناسب، معتدل قد اور حسن اعضاء ان کی معتدل صحت اور طویل عمری اس بات کو ظاہر کرتی ہیں کہ ان کے غدود کے افعال میں اعتدال تھا۔ حسب ضابطہ فطرت اپنے وقت پر جوان ہوئیں کہولت کہیں نہیں بوڑھی ہوئیں اور عمر طبعی کو پہنچ کر وفات پائی۔

۹۔ کچھ لوگ شذوذ اور تفردات تلاش کر کے اور ان کو نظیر بنا کر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا قبل از وقت بالغ ہونا ظاہر کرتے ہیں۔ مذکورہ بالا حقائق کی روشنی میں طفلانہ سعی سے زیادہ اس کی کوئی اور حقیقت نہیں۔

روایت تزوج کی شرعی حیثیت | حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی عمر کا مسئلہ کوئی ایمانیات کا جزو نہیں ہے۔
کہ اگر اسے تسلیم نہ کریں گے تو ایمان سے خارج ہو جائیں گے۔

اور یہ بھی کوئی ضروری نہیں ہے کہ اگر کوئی تاریخی واقعہ کتب حدیث میں درج ہو اور خلاف واقعہ ہو تو ہم اسے من وعن تسلیم کر لیں۔
بناءً علیہ ہم اس نتیجہ پر ہیں کہ اس روایت کی شرعی حیثیت بالکل صغیر ہے۔

امت مسلمہ کا عملی اجماع ہمیشہ اس روایت کے خلاف رہا | اسی لئے گذشتہ اسلامی تاریخ میں اس روایت

پر کبھی عمل نہیں ہوا۔

کوئی شخص آج بھی اس ”سنت“ پر عمل کرنے کے لئے تیار نہیں ہے۔ بلکہ عملی حیثیت سے اس روایت کے خلاف اجماع امت ہے۔ اور سب نے اسے ناقابل عمل خیال کیا ہوا ہے۔
ہمارے اتقیا و اصفیاء ڈھونڈ ڈھونڈ کر سنت پر عمل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ حتیٰ کہ کھانے اور پینے کی چیزوں میں بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مذاق کا خیال نہ رکھتے ہیں۔ لیکن اس ”بڑی سنت“ کے پاس تک نہیں پہنچتے۔ حضور کی اس سنت کا اتباع ان کے حوصلے سے باہر ہے۔ اور اس میں ان کا قصور بھی نہیں۔ جو چیز ہدایت ناقابل عمل ہو اس پر کون عمل کر سکتا ہے

اس روایت کے سلسلہ میں امت نے اپنے ذہن اور عمل کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا۔
ذہناً اسے تسلیم کرتے ہیں۔ عملاً اس کی تکذیب کرتے ہیں۔

روایت کی توجیہات بفرض تسلیم | اگر اس روایت کو جس طرح اب تک منتقل ہوئی ہے اسی طرح تسلیم کر لیا جائے تو اس

کی توجیہات کی تین صورتیں ہیں۔

۱۔ **بناءً قبل البلوغ** | اول یہ کہ نابالغی میں بناءً تسلیم کی جائے، چنانچہ بعض ظواہر اس طرف گئے ہیں کہ نابالغی میں بناءً کر لینی چاہیے۔ لیکن فقہاء

اور علماء نے اسے تسلیم نہیں کیا۔ اور اس کی شناعة ظاہر ہے۔ حتیٰ کہ اس کے رد میں گفتگو کرنا بھی مذاق تسلیم پر بوجھ ہے۔

۲۔ **بناءً معنی رخصت** | دوسرے یہ کہ بناءً کو رخصتی کے معنی میں لیا جائے۔ یعنی آنحضرت

صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رض سے ازدواجی تعلق قائم نہیں کیا تھا۔ بلکہ عرصہ تک بلوغ کا انتظار فرمایا تھا۔ اس کے قائلین کے پاس قول کے سوا کوئی دلیل نہیں ہے۔ نہ کلام عرب اس کا متحمل ہے کہ بناء کے یہ معنی لئے جائیں نہ کوئی واقعہ یا عمل یا قول اس کے ثبوت میں پیش کیا جاسکتا ہے۔ البتہ اس کے قائلین کے دل میں نیک جذبہ ضرور ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پاک کی طرف ایسی بات کی نسبت بھی سوء ادبی ہے۔

۳۔ بلوغ فی التسعة | تیسرے یہ کہ حضرت عائشہ رض ۹ سال کی عمر میں ہی بالغہ تھیں۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ۹ سال کی عمر میں ہی ازدواجی تعلق قائم کیا تھا۔ رخصتی کے وقت پوری عورت تھی لڑکی نہیں تھی۔

یہ مستبعد توجیہ بھی اسی لئے کہنی پڑی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی کی طرف ادبیری بات منسوب نہ ہو۔

لیکن اس توجیہ کے لئے روایت کے راوی ہشام کے بیان کے سوا کوئی اور ایسا قرینہ بھی تو ہونا چاہیے جو یہ ظاہر کرے کہ حضرت عائشہ رض قبل از وقت بالغ ہو گئی تھیں۔

بلکہ واقعہ انک کی رو سے تو حضرت عائشہ رض بہت پتلی ڈبلی تھیں۔ اسی لئے ہودج اٹھانے والوں کو اندازہ نہ ہو سکا کہ آپ ہودج میں نہیں ہیں۔ ایسی اٹھان کی عورت کے متعلق یہ قیاس ہی نہیں کیا جاسکتا کہ وہ قبل از وقت بالغ ہو گئی ہو۔

تو جب بناء بحالت بلوغ ہی مانی ہے تو کیوں نہ تسلیم کیا جائے کہ حضرت عائشہ رض فطری وقت کے مطابق جوان ہوئی تھیں۔ اور اس کے بعد نکاح اور رخصتی ہوئی۔ اور رخصتی کے وقت عمر ۹ سال نہ تھی بلکہ ۱۹ یا ۲۹ سال تھی۔ جیسے کہ آئندہ بحث میں ثابت کیا جا رہا ہے۔

اب عمر عائشہ رض پر بحث محض تاریخی اور علمی رہ جاتی ہے۔ کسی شرعی حکم پر اس کی زد نہیں پڑتی۔ قائلین روایت کے نزدیک اگرچہ عمر ۹ سال تھی لیکن آپ بالغہ تھیں۔ ہم کہتے ہیں کہ آپ نکاح کے وقت جوان تھیں اور عمر زیادہ تھی۔

قائلین روایت زبردستی بلوغ ثابت کرتے ہیں۔ یعنی عادت جاریہ کے لحاظ سے تو اس عمر میں آپ کو بالغہ نہیں ہونا چاہیے تھا۔ لیکن چونکہ ۹ سال کی عمر میں بناء ہوئی اس لئے ماننا پڑے گا کہ آپ بالغہ تھیں۔ تاکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف نابالغی کی بناء منسوب نہ ہو۔

لیکن تحقیقی واقعات کی رو سے آپ کا بلوغ فطری اور عادت کے مطابق تھا۔ اور

بناء کے وقت حضرت عائشہ رضی کی عمر ۹ سال نہ تھی بلکہ ۱۹ سال یا ۲۹ سال تھی۔ جیسا کہ ہم ثابت کریں گے۔

حاصل کلام

الغرض یہ روایت احکام کی روایات میں سے نہیں ہے۔ بلکہ حضرت عائشہ رضی کے متعلق ایک کیفیت کا بیان ہے جس سے کوئی حکم متعلق نہیں ہے۔ ایک خالص علمی اور تاریخی مسئلہ ہے۔ اس میں ہمیں حق ہے کہ چھان بین کر کے کسی ایسے تاریخی بیان کو جو فطری مسلمات کے خلاف ہو رد کر دیں اور اگر فطرت کے مسلمہ حقائق کے موافق ہو تو قبول کر لیں۔

یہ روایت اپنی موجودہ صورت میں نامکمل اور محتاج تکمیل ہے۔ اور اس سے کسی مسئلہ کا استنباط بناء فاسد علی الفاسد کے مترادف ہے۔

روایت تزوج کی تاریخی حیثیت

ہشام کی زیر بحث روایت کو موجودہ حالت میں ایک حسی اور تاریخی معجزہ کہا جاسکتا ہے۔ لیکن

ایک اُن ہوئی اور نہایت عجیب بات کے لئے روایت صدرِ اقل ہی سے اس کثرت کے ساتھ مروی ہونی چاہیے تھی کہ روایت کا عجوبہ پن ختم ہو جاتا۔ جیسا کہ معجزات کی روایات میں ہوتا ہے۔ صدرِ اقل کے ہر شخص کی زبان پر اس کا ذکر ہوتا۔ موافقین اسے بطور معجزہ اور دلیل نبوت کے ذکر کرتے۔ اور مخالفین اسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی برائیوں میں شمار کرتے اور خاندانِ والے اسے بطور فخر و مباهات بیان کرتے۔

غرض یہ واقعہ اتنا عام اور شائع ہونا چاہیے تھا کہ کوئی زبان اس کے ذکر سے خاموش نہ رہتی۔ کسی نہ کسی نوعیت سے بنی مجالس اور عام محفلوں میں اس کا چرچا ضروری تھا۔

حضرت عائشہ رضی کو خود اپنی خصوصیات میں اسے ذکر کرنا چاہیے تھا۔ مگر حیرت ہے کہ وہ اپنے بکے پر تو فخر کرتی ہیں لیکن اپنی کم سنی پر کہیں فخر نہیں کرتیں۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ صحابہ میں سے اس کا کوئی راوی نہیں۔

آپ کی وفات کے وقت ایک لاکھ سے اوپر لوگ آپ پر ایمان لا چکے تھے۔ ان میں سے ایک تنفس بھی اس عجیب و غریب روایت کو بیان نہیں کرتا۔

خود حضرت عائشہ رضی کا خاندان اس روایت سے بے خبر ہے | حضرت عائشہ رضی کے ماں باپ۔

دادا دادی . بھائی بہن اس روایت کا ذکر نہیں کرتے . اکابر صحابہ جن کے سامنے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور جو ان ہوئیں اس کا ذکر نہیں کرتے . خلفائے راشدین میں سے کوئی اس روایت کا راوی نہیں . عشرہ مبشرہ میں سے کوئی اس کا راوی نہیں .

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بڑے بھائی عبدالرحمن اس واقعہ کا ذکر نہیں کرتے . حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے دوسرے بھائی عبداللہ اس کا ذکر نہیں کرتے .

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی بہن اسماء جو ان کی وفات کے پندرہ سولہ سال بعد تک زندہ رہیں وہ اس کا ذکر نہیں کرتیں .

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بڑے بھائی بنی جن کے نام پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی کنیت ام عبداللہ تھی اس عجیب قصہ کا ذکر نہیں کرتے .

ان کے چھوٹے بھائی محمد بن ابی بکر اس واقعہ سے آشنا معلوم نہیں ہوتے .

ان کی چھوٹی بہن ام کلثوم جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی گور میں پلی ہیں اس قصہ کو بیان نہیں کرتیں .

ان کے اخیانی بھائی طفیل اس روایت کے راوی نہیں .

ان کی سوتیلی ماں اسماء بنت عمیس یہ قصہ بیان نہیں کرتیں .

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی پھوپھیاں جو تقریباً حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی ہم عمر ہیں اس روایت سے واقف نہیں .

قلیل الروایات اور کثیر الروایات صحابہ اس سے ناواقف ہیں

قلیل الروایات

اوسط الروایات

اور کثیر الروایات صحابہ کرام میں سے کوئی اس کا ذکر نہیں کرتا .

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سب سے بڑھ کر کثیر الروایات ہیں ۵۳۶۴ حدیثیں ان سے مروی ہیں . بہت سے معجزات اور خوارق کے راوی ہیں . لیکن ان کی روایات میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی کم عمر اور کم سنی میں شادی کے متعلق کوئی روایت نہیں . اور نہ سہی تو کم از کم بطور نادر الوقوع امر کے تو اس کا ذکر کر دیتے . حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے تلامیذ ۸۰۰۰ آٹھ سو کے قریب ہیں . ان میں سے ایک بھی اس قصہ کو بیان نہیں کرتا .

خود حضرت عائشہ کثیر الروایات صحابہ میں شمار ہوتی ہیں ۳۰۰ ، ۴۰۰ کے درمیان ان کے تلامیذ ہیں ۲۰۰۰ دو سو سے اوپر کی فہرست سیر اعلام النبلاء جلد دوم ذکر عائشہ رضی اللہ عنہا میں حافظ ذہبی نے بیان کی ہے . ان میں سے بھی اس روایت کا کوئی راوی نہیں ہے .

حضرت ابن عباس کثیر الروایات صحابہ میں سے ہیں ۲۶۶۰ روایات ان سے مروی ہیں ۔
لیکن ان کی مرویات میں عمر عائشہ رض کے متعلق کوئی روایت نہیں ۔

حضرت جابر رض مشہور صحابی ہیں کثیر الروایات ہیں ۲۵۴۰ روایات ان سے مروی ہیں ۔ سینکڑوں
سے متجاوز تلامیذ ہیں ۔ ان کی روایات میں ہمیں اس روایت کا نشان نہیں ملتا ۔ حضرت جابر رض نے
بڑی عمر پائی ۔ سترہ تک زندہ رہے لیکن اس معجزہ حسی کا وہ ذکر نہیں کرتے ۔

حضرت ابوسعید خدری کثیر الروایات صحابی ہیں ۲۱۷۱ روایات ان سے مروی ہیں ۔ سترہ
تک زندہ رہے ۔ لیکن ان کی روایات میں بھی روایت تزوج کا پتہ نہیں ملتا ۔

حضرت عبداللہ بن عمر نے ساری عمر حدیثیں بیان کرنے میں صُرف کردی ۔ تمام عمر مدینہ ہی میں
رہے ۔ کثیر الروایات صحابہ میں سے ہیں ۲۶۴۰ حدیثیں ان سے مروی ہیں ۔ سینکڑوں سے متجاوز
ان کے تلامیذ ہیں ۔ لیکن جھوٹے سے بھی ان کی زبان پر اس روایت کا ذکر نہیں آیا ۔

ازواج مطہرات میں سوکنا یہ بھی تھا لیکن نہ تو کسی نے انہیں کم سنی کا کبھی طعنہ دیا اور
نہ بطور واقعہ ہی کسی دوسری زوجہ نبی ص سے یہ روایت منقول ہے ۔

خدا م و موالی میں سے کوئی اس کا ذکر نہیں کرتا

حضرت زید بن عارضہ سے کچھ منقول نہیں ۔

حضرت اسامہ رض سے کوئی روایت نہیں ۔

حضرت ام ایمن اس قصبہ سے بے خبر ہیں ۔

حضرت بریرہ سے کوئی روایت نہیں ۔

حضرت انس رض دس سال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں رہے ۔ ان سے کوئی

روایت نہیں ۔ انہوں نے سو سال کی عمر پائی ۔ کثیر الروایات صحابی ہیں ۲۶۸۶ روایات منقول

ہیں ۔ سو کے قریب بچے ہوئے پوتے پڑپوتے تک دیکھے ۔ لیکن ان کے خاندان میں سے،

ان کے تلامیذ میں سے کوئی اس نادار قصبے کا ذکر نہیں کرتا ۔

حضرت انس رض نے اپنی سو سال کی عمر میں اشارةً یا کنایۃً اس کا ذکر نہیں کیا کہ نکاح کے

وقت حضرت عائشہ رض کی عمر بہت تھوڑی تھی ۔

حضرت عائشہ رض کی بہن اسماء سو سال کی ہو کہ فوت ہوئیں ۔ ان سے اور احادیث منقول

ہیں ۔ لیکن انہوں نے اس لمبی عمر میں اگر ذکر نہیں کیا تو اسی روایت کا نہیں کیا ۔

صحابہ رض کے تلامیذ بھی اس سے بے خبر ہیں | ان کثیر الروایات صحابہ کے تلامیذ اور پھر

تلامیذ التلامیذ کو اگر اکٹھا کیا جائے تو ان کی تعداد دس بارہ ہزار سے متجاوز ہو جاتی ہے۔ لیکن ان میں سے کوئی بھی تو ہمیں اس عجیب و غریب روایت کی خبر نہیں دیتا۔

مدینہ کے منافقین تک اس سے بے خبر ہیں | مدینہ کے منافقین ذرا ذرا سی باتوں کے تجسس میں رہتے تھے کہ کوئی اعتراض

کا موقع ملے اور ہم اعتراض جڑیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زینب رضی سے نکاح کیا تو ایک ہنگامہ کھڑا کر دیا۔ اور وہ وہ افسانہ طرازی کی کہ عقل دہنگ ہے۔ بلا وجہ اخلت گھڑ لیا۔ اور بہتان کا طوفان بپا کر دیا۔

ایک دفعہ عبدالرحمن بن عوف نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اپیل پر زیادہ چندہ دیا تو منافقین نے کہا کہ عبدالرحمن تو مرائی ہے۔ دکھلاوے کا چندہ دیتا ہے۔ غرض یہ کہ اعتراض کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہ دیتے تھے۔ مگر اس واقعہ پر ان کا کوئی اعتراض ہمارے سامنے نہیں آیا۔

اس وقت تک تو آیت حجاب بھی نہیں اُتری تھی۔ ازواج مطہرات باہر آتی جاتی تھیں لیکن کسی منافق اور دشمن سے یہ طعنہ نہیں سنا۔

مکن ہے یہ کہا جائے کہ یہ معمولی بات تھی۔ اس کی طرف نظر نہیں گئی۔ جواباً عرض ہے کہ اگر یہ معمولی واقعہ ہے تو اسلامی تاریخ یا جاہلیت کی تاریخ سے اس کی کوئی دوسری نظیر تو پیش کرو۔

البتہ اس حیثیت سے یہ واقعہ معمولی ہو جائے گا کہ چونکہ فی الحقیقت حضرت عائشہؓ کی رخصتی ۴ سال کی عمر میں نہیں ہوئی تھی بلکہ بڑی عمر میں ہوئی تھی اس لئے کوئی بات قابل اعتراض نہیں تھی۔

بدیہی میں سے کوئی اس کا ذکر نہیں کرتا۔ اُحد کے شرکاء میں سے کوئی اسے بیان نہیں کرتا۔ حالانکہ اُحد میں خود حضرت عائشہؓ شریک جنگ تھیں۔

خاندان ابوبکرؓ میں سے کوئی اس کا راوی نہیں | خاندان ابوبکرؓ میں سے کوئی اس کا راوی نہیں۔

عبدالرحمن بن ابی بکر کے بیٹے عبداللہ۔ حضرت عائشہؓ کے بھتیجے اور حضرت عبداللہ کی اولاد ابوبکر۔ طلحہ، عمران، نفیس اس کا ذکر نہیں کرتے۔ دوسرے بھتیجے محمد بن عبدالرحمن

اس کا ذکر نہیں کرتے۔ ان کے بھتیجے عبداللہ کے لڑکے، ان کی اولاد، محمد بن ابی بکر، عثمان، عبدالرحمن، عاتکہ، عائشہ، زینب وغیرہ اس کا ذکر نہیں کرتے۔

قاضی مدینہ قاسم بن محمد بن ابی بکر فقہائے سبعہ میں سے ہیں۔ وہ اس روایت کو بیان نہیں کرتے۔ ان کی اولاد عبدالرحمن، ام فروہ، ام حکیم، عبیدہ وغیرہ کوئی اس روایت سے واقف نہیں۔

خود عروہ کا خاندان اس سے بے خبر ہے | خود حضرت عروہ کے بھائی بہن، عبداللہ، منذر، عاصم، مہاجر، خدیجۃ الکبریٰ

ام حسن، عائشہ رضی اللہ عنہا جو حضرت اسماء کے بطن سے ہیں ان میں سے کوئی اس روایت کا راوی نہیں ہے۔ حضرت عروہ کی اپنی اولاد عبداللہ، عمر، اسود، ام کلثوم، عائشہ، ام عمر، یحییٰ، محمد، عثمان، ابوبکر، خدیجہ، ہشام، صفیہ، عبیداللہ، مصعب، ام یحییٰ۔ اسماء ہیں۔ ان میں سے محض ہشام اس روایت کا ذکر کرتے ہیں۔

خود ہشام کا خاندان اس سے بے خبر ہے | خود ہشام کی اولاد میں سے کوئی اس روایت کا راوی نہیں۔ محض عروہ کی

طرف اس روایت کی نسبت ہے۔ اور وہ بھی غلط ہے۔ جیسے کہ ہم آگے تحقیق کریں گے۔ اور عروہ سے آگے ان کی اولاد میں سے محض ہشام اس روایت کے راوی ہیں۔ اور کوئی نہیں ہے۔

اصل میں ہشام ہی کے ذوق اشاعت روایت نے اسے روایت بنا دیا ہے **تابعین مدینہ کے ساتوں طبقات اس روایت سے بے خبر ہیں** | تابعین کے

سات طبقات ہیں (حسب روایت طبقات ابن سعد) جن کی تعداد ۵۰۰ پانچ سو سے زیادہ ہے۔ ان میں سے سوائے عروہ کے اس روایت کا کوئی راوی نہیں۔ حقیقت میں عروہ بھی اس روایت کے راوی نہیں۔ ان کی طرف تو ان کے بیٹے ہشام نے اپنی روایت کا درجہ بڑھانے کے لئے اس روایت کی نسبت کر دی ہے۔

ابو سلمہ بن عبدالرحمن کی روایت پر ہم پہلے بحث کر چکے ہیں۔ یہ ہشام ہی کی روایت ہے جس کو تعدد طرق کے شوق میں یا غلطی سے یحییٰ بن ایوب نے یا سعید بن حکم بن مریم نے ابو سلمہ کی سند سے متعلق کر دیا ہے۔ گمان غالب یہی ہے کہ سعید بن حکم نے ایسا کیا ہے۔ تابعین مدینہ کا طبقہ اولیٰ ڈیڑھ سو افراد پر مشتمل ہے۔ چوہنی کریم صلی اللہ علیہ وسلم

اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے متعلق چھوٹی سے چھوٹی خبر کی تلاش کرتے ہیں اور بیان کرتے ہیں۔ لیکن اس روایت سے وہ بھی واقف نہیں۔

مدینہ کا طبقہ ثانیہ جن کی تعداد ابن سعد کی شمار کے مطابق ڈھائی سو سے زیادہ ہے۔ ان میں سے بھی کوئی اس روایت کا راوی نہیں ہے۔

مدینے کے پانچ طبقات میں ستر سے زیادہ تابعی ہیں وہ بھی اس روایت سے نااہل ہیں۔

غرض مدینے کے کل تابعین کو جن کی تعداد حسب بیان ابن سعد ۵۰۰ سے زیادہ ہے۔ اس روایت کا علم نہیں ہے۔

تابعین مکہ کے پانچوں طبقے اس روایت سے بے خبر ہیں | مکہ میں جو صحابہ منتقل ہو گئے تھے

ان کی تعداد تابعین طبقہ اولیٰ، ثانیہ، ثالثہ، رابعہ، خامسہ کی تعداد دوسو سے زیادہ ہے۔ ان میں سے بھی کوئی اس روایت کا راوی نہیں ہے۔

طائف میں ۵۵ سے زیادہ صحابہ اور تابعین کی جماعت تھی۔ لیکن ان میں بھی اس روایت کا کوئی راوی نہیں ہوا۔

یمن والے بھی بے خبر ہیں | یمن، یمامہ، بحرین میں صحابہ اور تابعین ستر سے زیادہ تھے۔ لیکن وہ بھی اس روایت سے واقف نہیں ہوئے۔

عراق بھی بے خبر ہے | عراق میں پندرہ سو کے قریب صحابہ منتقل ہوئے ہیں۔ جن میں ۷۲ بدری صحابی تھے۔ ان میں سے بھی کوئی اس روایت

کو نہیں جانتا اور نہ کوئی اسے بیان کرتا ہے۔

ذکر العجلی ان علیا توطن کوفۃ دمعہ من الصحابة نحو الف و خمس مائۃ صحابی منهم سبعین بدریاء (تاریخ بغداد ص ۴۳)

اس بیان سے ظاہر ہے کہ محض حضرت علی کے ساتھ ۱۵۰۰ سو صحابہ نے کوفہ کو وطن بنایا۔ اس سے پہلے یا بعد میں جو لوگ کوفہ میں جا کر رہے ان کی تعداد اس سے الگ ہے۔

تابعین کوفہ کا کوئی طبقہ اس سے واقف نہیں ہے | ابن سعد نے کوفہ کے اہل روایت ۱۵۰ صحابہ کا ذکر کیا ہے۔

اور اسی طرح اہل روایت تابعین کا جن کی تعداد ہزار سے اوپر ہے ۹ طبقوں میں ذکر کیا ہے۔ ان میں سے کسی ایک نے بھی یہ روایت بیان نہیں کی۔

تابعین کوفہ میں سے صرف دو آدمیوں سے یہ روایت منسوب کی جاتی ہے۔ ایک ابو عبیدہ بن عبد اللہ ہے یہ ابو عبیدہ حسب تہریج ابن سعد ان لوگوں میں سے ہیں جنہوں نے صحابہ میں سے صرف عبد اللہ سے روایت کی ہے اور کسی صحابی سے ان کی روایت منقول نہیں۔ اور ان ابو عبیدہ کا سماع اپنے باپ عبد اللہ سے ثابت ہی نہیں ہے۔ یہ اپنے باپ سے جو کچھ بیان کرتے ہیں سب مرسل ہے۔

یہ تو ابواسحاق کی سند کے کسی راوی نے روایت ہشام کو اس سند سے متعلق کر دیا۔ اس پر پہلے بحث ہو چکی ہے۔

دوسرے اسود بن یزید۔ جن کے بارے میں ہم سابقہ تفصیل میں واضح کر چکے ہیں کہ اسود اور ابراہیم کو تو اس روایت کا پتہ ہی نہیں۔
اعمش بھی اس سے بے خبر ہیں۔ ابو معاذ نے ہشام کی روایت کو اسود کی سند سے متعلق کر دیا۔

غرض اہل کوفہ میں سے براہ راست کوئی صحابی یا تابعی اس روایت کا راوی نہیں۔
(ابن سعد جلد ۷)

بصرے وغیرہ کے صحابہ اور تابعین بھی اس روایت سے خاموش ہیں

بصرے میں اہل روایت صحابہ کی تعداد حسب بیان ابن سعد دسویں سے زیادہ تھی۔ اور تابعین کبار کی تعداد آٹھ طبقوں میں چار سو سے زیادہ تھی۔
واسط میں صحابہ اور تابعین کی تعداد جو صاحب روایت ہیں ستواں سے اوپر تھی۔
بغداد میں ایسے صحابہ اور تابعین کی تعداد دوسروں سے اوپر تھی۔
خراسان میں ان کی تعداد ستواں سے اوپر تھی۔
جزیرے میں ان کی تعداد ستواں سے زیادہ تھی۔
علی ہذا مصر میں ان کی تعداد دوسروں سے اوپر تھی۔
شام میں ابن سعد نے ڈیڑھ سو سے زیادہ صحابہ اور دسویں سے زیادہ تابعین کا ذکر کیا ہے۔

غرض ان علاقوں کے صحابہ اور تابعین میں سے ایک بھی اس روایت کا راوی نہیں ہے۔ (ابن سعد جلد ۷)

دوسری صدی نصف اول کی کتب حدیث و تاریخ اس روایت سے

خالی ہیں ہمارے پاس پہلی صدی ہجری کا کوئی تحریری مواد نہیں ہے۔ یعنی کوئی کتاب اس دور کی لکھی ہوئی موجود نہیں ہے۔ سب سے پہلی کتاب جس پر ہماری دسترس ہے وہ مؤطا امام مالک ہے اور سیرت ابن اسحاق ہے۔ ہم نے مؤطا امام مالک کو دیکھا۔ اس میں یہ روایت نہیں ہے۔ علی ہذا سیرت ابن اسحاق میں بھی نہیں ہے۔ پھر ہم نے مسند امام اعظم کو دیکھا۔ اس میں بھی یہ روایت نہیں ہے۔ پھر مؤطا امام محمد کو دیکھا اس میں بھی نہیں ہے۔

امام محمد کی ظاہر الروایہ کو دیکھا۔ اس میں بھی نہیں پایا۔

پھر امام مالک کی فتاویٰ مدونہ الکبریٰ میں بھی نہ ملی۔

صاحبین کی کتاب الآثار بھی اس سے خالی ہے۔

دور اول کے ائمہ فقہ نے اسے درخور اعتنا نہیں سمجھا اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ

امام ابو حنیفہ اور صاحبین کو اور امام مالک اور محمد بن اسحاق کو یہ روایت پہنچی ہی نہیں پہنچی ضرور ہوگی۔ کیونکہ ہشام کی وفات ۱۵۶ھ میں ہوئی۔ امام ابو حنیفہ کی وفات ۱۵۰ھ میں۔ محمد بن اسحاق کی وفات ۱۵۱ھ میں ہوئی۔ جب کوفہ میں ہشام نے اپنی اس روایت کا اعلان ۱۴۴ھ میں کیا تو امام ابو حنیفہ نے اور آپ کے تلامیذ نے ضرور مٹا ہوگا۔ لیکن انہوں نے اس روایت کو معتبر نہیں سمجھا ہوگا۔ تب ہی تو اس کا ذکر نہیں کیا۔ اور کسی صورت میں بھی اسے درخور اعتناء خیال نہ کیا، ورنہ تردید تو کرتے۔

قاضی ابو یوسف ۱۸۲ھ تک زندہ رہے۔ اس وقت روایت حدیث میں تلامیذ ہشام کا سکہ چل رہا تھا۔ اور روایت زیر بحث کو تلامیذ ہشام روایت عائشہ رحمہ سمجھ کر نقل کر رہے تھے۔ مگر امام ابو یوسف رحمہ نے جو زبردست محدث اور فقیہ اجل تھے اور مارون الرشید کے دور کے قاضی القضاۃ تھے اپنے کسی فیصلہ میں یا کسی کتاب میں اس روایت سے استناد نہیں کیا۔

علی ہذا امام محمد رحمہ ۱۸۹ھ تک زندہ رہے۔ مگر انہوں نے اپنی کتابوں میں اس کو کہیں سند نہیں بنایا

امام اعظم رحمہ اللہ کے دوسرے تلامیذ مثلاً امام زفر وغیرہ نے اس سے استدلال نہیں کیا
 امام مالک رحمہ اللہ تک زندہ رہے۔ مؤطائیں ہشام سے ۵۶ روایات منقول
 ہیں جن میں سے ۳۳ موصول ہیں باقی مرسل۔ مگر یہ روایت انہوں نے بھی قبول نہیں کی۔ بلکہ
 ان سے تو یہ منقول ہے و نقم علیہ را دیتہ لاهل العراق۔
 اور دوسری جگہ ہے ”ہشام بن عروہ کذاب“۔

تو ان دونوں اماموں نے اور ان کے تلامیذ نے اس روایت کو قابلِ اعتماد خیال ہی نہیں
 کیا۔ اسی لئے ان حضرات نے ہشام کی اس روایت کو اپنی کتابوں میں جگہ نہیں دی۔ اور نہ
 ہی اس سے کوئی استشہاد کیا۔

مالکیہ اور احناف نکاح صغیرہ کو جائز قرار دیتے ہیں۔ المدونۃ الکبریٰ اور کتب امام محمد
 میں فتاویٰ موجود ہیں کہ نکاح صغیر جائز ہے۔ لیکن اس روایت سے استشہاد نہیں ہے۔
 اسی طرح احناف کے دوسرے ابتدائی ماخذ میں اس روایت کا ذکر نہیں ہے۔
 بہر حال ابتدائی دور میں اس روایت سے استشہاد منقول نہیں ہے۔

یہاں تک کہ اولین سیرت نگاروں نے بھی اس روایت کا اعتبار نہیں کیا

سیرت میں محمد بن اسحاق کی کتاب موجود ہے۔ اس کتاب کا ایک عمدہ خلاصہ ابن ہشام
 نے اپنی کتاب سیرت نبویہ میں نقل کیا ہے قال ابن اسحاق کہہ کر نقل کرتا ہے۔ محمد بن
 اسحاق سیرت میں زہری اور ہشام کے تلمیذ ہیں۔ بیشتر روایات زہری اور ہشام سے سیرت
 ابن اسحاق میں منقول ہیں۔ لیکن ابن اسحاق نے بھی ہشام کی اس روایت کو قبول نہیں کیا۔
 غرض اُس دور کے اہل الروایہ و اصحاب الدرایہ نے حضرت ہشام کی اس روایت کو محلِ نظر
 تصور کیا اور اس سے گریز کرنا ہی مناسب جانا۔

امام ابو حنیفہ نے اسے تسلیم نہیں کیا امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ ہشام کے ہم عصر ہیں۔ بلکہ بغداد
 میں اکٹھے رہے ہیں۔ بغداد میں ہی دونوں

کی وفات ہوئی۔ ایک ہی قبرستان میں دفن ہیں۔ لیکن امام ابو حنیفہ نے ان کی کسی روایت
 کو بھی قبول نہیں کیا۔

کہا جاتا ہے کہ امام ابو حنیفہ ہشام کے تلمیذ ہیں۔ لیکن ہمارے نزدیک یہ دعویٰ محلِ نظر
 ہے۔ علیٰ ہذا امام ابو یوسف کو بھی ان کا تلمیذ بتایا جاتا ہے۔ (تاریخ بغداد ذکر لغمان)
 مسانید امام اعظم میں چند روایتیں ہشام بن عروہ سے منقول ہیں۔ یہ روایات اپنی جگہ

صحیح ہیں۔ لیکن امام ابو حنیفہ کا ہشام سے روایت قبول کرنا دعویٰ بلا دلیل ہے۔
اقل تو مسانید امام اعظم میں اکثر روایتیں مرسل تھیں۔ بعد میں مرتبین نے تلاش کر کے
سندوں کو مکمل کیا۔

یہ روایتیں جنہیں مرتبین نے ہشام سے موصول کیا ہے وہ دوسری کتب حدیث میں ہشام
سے مذکور ہیں اس لئے مرتب نے ان روایات کو ہشام کی روایات قرار دے کر امام صاحب
کا ان سے سماع ظاہر کر دیا۔ یہ مرتب کی اپنی رائے اور قیاس ہے۔ جو واقعہ کے خلاف معلوم
ہوتا ہے۔

ان دو روایتوں میں سے ایک کی سند تو یہ ہے :-

(قال ابو حنیفۃ (عن) ہشام (عن) الزہری (عن) عروۃ (عن)
عائشۃ رضی اللہ عنہا ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان یقبلہا ولا یجد دھنوء
ویصلی (مسانید امام اعظم)

ابو حنیفہ نے کہا ہشام سے زہری سے عروہ سے عائشہ رضی اللہ عنہا سے (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بوسہ لیتے تھے اور تجدید دھنوء نہیں کرتے تھے اور نماز پڑھ لیتے تھے)۔

اس سند میں یہ کمی ہے کہ امام صاحب براہ راست زہری سے روایت اخذ کرتے ہیں
اور بیان کرتے ہیں۔ چنانچہ مسانید امام میں زہری سے روایات موجود ہیں۔

یہ روایت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی مشہور روایت ہے جو عروہ سے منقول ہے۔ زہری
بھی اسے روایت کرتے ہیں۔ اور ہشام براہ راست عروہ سے اس روایت کے راوی
ہیں۔ اب اس روایت میں یا زہری کا نام زیادہ ہے یا ہشام کا۔

یہ بات اپنی جگہ ثابت ہے کہ ہشام زہری سے روایت بیان کرتے ہیں۔ لیکن عروہ کی کوئی
روایت ہشام نے زہری سے قبول نہیں کی۔ اس لئے کہ اول تو عروہ کے سب سے بڑے راوی
ہشام ہی ہیں۔ دوسرے عروہ ہشام کے والد ہیں۔ دوسروں کے مقابلہ میں انہیں سماع اور
اخذ کے زیادہ مواقع حاصل تھے۔ تیسرے زہری کا تو عروہ سے سماع ہی ثابت نہیں ہے۔
اس لئے ہشام کیوں اپنے باپ کی روایت ان سے لیتے۔

اور اگر ہم اسے صحیح تسلیم کر لیں تو ہشام اور عروہ میں دو واسطے ہو جاتے ہیں۔
ایک زہری کا دوسرا نامعلوم شخص جس سے زہری نے سنا ہو۔ کیونکہ زہری کا عروہ سے سماع
ہی ثابت نہیں۔ اور ہشام کو اس تکلف میں پڑنے کی کیا ضرورت تھی۔ وہ تو ہر رطب و
یابس اپنے باپ سے بیان کرنے کے عادی ہیں۔ دنیا جہاں کی جو بات کہیں سے سنی

اپنے باپ کی طرف منسوب کر دی دکان یروسی عن ابیہ بما سمعہ من غیر
 ابیہ (تہذیب التہذیب) اس لئے سند میں زہری کے ساتھ ہشام کا نام زائد ہے۔
 البتہ امام ابو حنیفہ نے یہ روایت زہری سے سنی ہوگی۔ اور انہیں سے نقل کی۔ زہری
 اپنے وقت کے امام ہیں۔ رواد عام طور سے ان سے روایت بیان کرنا قابلِ فخر اور قابلِ
 استناد تصور کرتے ہیں۔ ان سے روایت لینے کو دور دور سے طلاب علم آیا کرتے تھے۔
 چونکہ امام صاحب کے دور میں ارسال عام تھا اس لئے زہری کی روایت عروہ سے بلا حجت
 تسلیم کی جاتی تھی۔ امام صاحب بڑی نسبت کو ترک کر کے چھوٹی نسبت کیوں قبول کرتے۔
 ہشام کی حالت تو پاس رہنے کی وجہ سے امام صاحب کے لئے بالکل عیاں تھی۔
 امام صاحب کے محتاط مزاج کے منافی تھا کہ ہشام سے روایت قبول کرتے۔ جبکہ وہی روایت
 بڑی نسبت سے حاصل تھی۔ اس لئے یہ سند کسی نیچے کے راوی کا اختلاط ہے۔
 دوسری سند یہ ہے :

(قال ابو حنیفۃ عن ہشام بن عروہ عن ابیہ) عن عائشۃ رضی
 فاطمۃ بنت ابی جیش قالت یا رسول اللہ فی حیض الشہر والشہرین۔
 (المحدث مسانید امام اعظم)

ابو حنیفہ نے کہا ہشام بن عروہ سے اس نے اپنے باپ سے حضرت عائشہ رضی
 روایت ہے کہ فاطمہ بنت ابی جیش نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے ایک مہینے یا دو مہینے
 حیض آتا ہے۔

چونکہ یہ روایت عائشہ رضی بھی عروہ سے منقول ہے اس لئے مرتب نے اس مسئلہ
 کو موصول کرتے ہوئے وہی سند لکھ دی جو دوسری کتب حدیث میں عام طور سے منقول
 ہے۔ مفصل بحث ص ۷ پر دیکھئے۔

الغرض جیسا کہ ہم پہلے لکھ آئے ہیں اصحابِ درایت نے ہشام کی روایت کو
 قبول نہیں کیا۔ امام ابو حنیفہ ہشام کے ہم عصر ہیں۔ امام صاحب نے ہزار ہا مسائل بیان کئے
 قرآن و حدیث سے مسائل کا استنباط کیا۔ آثارِ صحابہ سے استدلال کیا۔ اقوالِ تابعین کو
 قبول کیا۔ لیکن اس روایت ہشام سے کہیں بھی استمساک نہیں ہے۔ خلاصہ یہ کہ امام
 ابو حنیفہ رح اور ان کے تلامیذ پر اس روایت کی غرابت واضح تھی اسی لئے اسے قبول
 نہیں کیا بلکہ نفیاً و اثباتاً کسی طرح بھی اس سے تعرض نہیں کیا۔

اسی طرح امام مالک اور ان کے تلامیذ خاص بھی اس روایت سے متاثر نہیں ہوئے۔

امام ابو حنیفہ کی تو عادت تھی کہ وہ موقع ملنے پر ایسے لوگوں کو اس قسم کی روایات بیان کرنے سے منع فرمایا کرتے تھے۔ مثلاً اعمش کو آپ نے ان کے مرض الموت میں اس قسم کی بے سرو پا روایات سے رجوع کرنے کی تلقین کی۔ مگر اعمش نے رجوع نہیں کیا۔ بہر حال امام صاحب اپنے فرض سے سبکدوش ہو گئے۔

امام شافعیؒ نے دوسری صدی کے اخیر میں اسے قبول کیا | سب سے پہلے

کتاب الامم کی کتاب التکاح میں روایت کیا اور اس سے استشہاد کیا ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ میں پیدا ہوئے۔ اور ۲۰۴ھ میں وفات پائی۔ امام محمد کے شاگرد اور ہم عصر ہیں۔ امام محمد کی پیدائش ۱۵۰ھ میں وفات ۱۸۹ھ ہے۔

یہ دور اس روایت کے عروج کا دور ہے۔ لیکن امام محمد اس سے متاثر نہیں ہوئے۔ یہ روایت سب سے پہلی کتاب حدیث مصنف عبدالرزاق میں مسخ ہو کر شائع ہوئی۔

مصنف عبدالرزاق مؤطا کے بعد سب سے پہلی تصنیف ہے۔ اس سے پہلے عبدالرزاق کے استاد معمر نے عبدالرزاق کو املا کراتے تھے۔ اس کا نام الجامع رکھا تھا اور یہ الجواب کے لحاظ سے ترتیب دی گئی تھی۔ اس کو عبدالرزاق نے اپنی مصنف کا جزو بنالیا۔ اب یہ الجامع مصنف کا ایک حصہ ہے۔ چونکہ معمر زہری کے خاص تلمیذ شمار کئے جاتے ہیں۔ اس لئے ان کی بیشتر روایات زہری سے ہیں۔ جب تک معمر زندہ رہے یہ امالی ان کے پاس ان کی تحویل میں رہے۔ ان کے بعد عبدالرزاق کو مل گئے اور ان کی تحویل میں آ گئے۔ اب معمر کی تمام الجامع کے پہلے راوی عبدالرزاق ہیں۔ معمر کی الجامع کی کوئی روایت عبدالرزاق کے علاوہ کسی سے نہیں ہے۔ اگر کوئی معمر سے براہ راست کوئی روایت بیان کرتا ہے تو اس کے لئے بھی ضروری ہے کہ عبدالرزاق سے اس پر مہر تصدیق ثبت کر دائے۔ ورنہ وہ روایت غیر مستند ہوگی۔ یعنی اگر وہ روایت عبدالرزاق کی روایت کے مطابق ہوگی تو قابل قبول ہے ورنہ قابل رد ہے۔

یہی وجہ ہے کہ معمر کے تمام تلامیذ اس بات پر متفق ہیں کہ معمر کے بارے میں عبدالرزاق ہی کا قول مستند ہے۔ اس لئے اگر معمر کی کوئی روایت کسی اور ذریعے سے منقول ہے تب بھی وہ عبدالرزاق کی روایت سے تصدیق شدہ ہے اور اگر اس میں کوئی فرق تھا تو اس کو عبدالرزاق کی روایت کے مطابق کر لیا گیا۔

روایت تزوج کے بارے میں خود عبدالرزاق کی کیفیت یہ ہے کہ اسہوں نے ہشام کی اس خاص روایت کو جو ہشام کے سوا کسی اور سے منقول نہیں مردیات معمر میں رکھ کر اس روایت کا رخ زہری کی طرف موڑ دیا۔ اور سہ فر میں جا کر عروہ پر روایت ختم کر دی۔ یعنی مرسل عروہ بنا دیا یہ ہشیاری اس لئے کی ہے کہ بہر حال موصول ہو ہی جائے گی۔ اور دوسری ہمت یہ کہ اس میں "لعبہا معہا" کا اضافہ بھی اپنی طرف سے کر دیا۔ جسے اضافہ ثقہ سمجھ کر قبول کر لیا گیا۔ رہم اس پر آئندہ اوراق میں بحث کریں گے۔

کتب حدیث میں اس روایت کی بسم اللہ ہی غلط ہوئی ہے | بہر حال یہ روایت ہشام مصنف عبدالرزاق

میں ہشام کی روایت کی حیثیت سے درج نہیں ہے۔ بلکہ زہری کی روایت کی حیثیت سے درج ہے۔ البتہ معمر عن ہشام بن عروہ عن ابیہ مثله کہہ کہ اس کا ذکر کیا گیا ہے۔ یعنی حدیث کی پہلی کتاب میں یہ روایت غلط نسبت سے آئی اور ایک موضوع جملہ کے اضافہ کے ساتھ آئی۔ اور اس طرح اس روایت کی بسم اللہ ہی غلط ہوئی ہے۔

احناف اور موالک ہیں اس روایت کی قبولیت | احناف میں سب سے پہلے شمس الائمہ مرغسی نے ۴۵۰ھ

کے بعد مبسوط میں اس روایت کا ذکر کیا ہے۔ اور اس سے استشہاد کیا ہے۔ معلوم نہیں مالکیہ نے اسے کب قبول کیا ہے۔ بہر حال ۲۰۰ھ کے بعد ہی کیا ہوگا

روایت نروّج کا تاریخی جائزہ

روایت کا اخفاء و افشاء

اب ہم اس روایت کو ایک اور طریقے سے پرکھتے ہیں۔

یہ ثابت ہو چکا ہے کہ اس نامکمل روایت کے اصل راوی ہشام ہیں جو اپنے باپ عروہ کی طرف اس کی نسبت کرتے ہیں۔ اس روایت کے جتنے بھی طرق پیدا کئے گئے ہیں وہ سب اسی روایت کی صدائے بازگشت ہیں۔

عروہ کی پیدائش ۲۳ھ ہجری میں ہوئی۔ عروہ اندازاً بیس برس کے ہوں گے تب انہوں نے اس روایت کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے سنا ہوگا۔ یہ پہلے راوی ہیں جنہوں نے یہ روایت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے تقریباً ۲۴ھ میں سنی ہوگی۔

چنانچہ ہجرت اور رخصتی کے اس واقعہ کو بیان کرتے ہوئے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے منہ سے جملہ معترضہ کے طور پر ضمناً نکل گیا ہوگا **وَاَنَا يَوْمَئِذٍ بِنْتُ ثَمَامٍ...** اس سے حضرت عروہ کو معلوم ہوا کہ بناء کے وقت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی عمر یہ تھی۔

عروہ نے روایت کو رازِ سرِ بستہ رکھا | حضرت عروہ نے اس جملہ معترضہ کو راز اور تبرک خیال کر کے اپنے سینے میں رکھا، اور

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی پوری زندگی میں اسے مخفی رکھا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی وفات کے تین چار سال بعد ۳۱ھ میں ہشام پیدا ہوئے۔ عروہ کے مختلف سینین میں مختلف بیویوں سے مختلف اولاد پیدا ہوئی۔ عروہ کے دس بیٹے تھے۔ ان میں سے صرف ہشام کو اس راز کے لئے منتخب کیا۔ حالانکہ خود عروہ کی اولاد میں یحییٰ بن عروہ ہشام سے زیادہ فاضل اور قابل تھے۔ بہت سی روایات کے راوی ہیں۔ لیکن یہ خاص متبرک روایت عروہ نے کسی کو نہیں بتائی۔

۹۴ھ میں عروہ کی وفات ہوئی اور عروہ مرتے ہوئے یہ راز صرف ہشام کو بتا گئے۔ عروہ کی وفات تک دنیا میں عروہ کے سوا اور کوئی راوی اس کا موجود نہیں تھا۔

عروہ کے بعد ہشام نے بھی اسے راز ہی رکھا۔ کسی پر ظاہر نہیں کیا۔ اخیر عمر میں اس راز کو استنباط کی شکل دے کر مدینے سے باہر عراق میں داخل ہو کر سب سے پہلے کوفہ میں اس کا اعلان کیا۔

افشائے راز کے وقت کوئی عینی شہادت موجود نہ تھی جس وقت یہ روایت منظر عام پر آئی تو ایک

آدمی بھی صحابہ کے دور کا باقی نہیں رہا تھا۔ جو ہشام کے اس بیان کی تصدیق یا تردید کر سکتا۔ وہ دور دور نقل حدیث تھا۔ معتبر آدمی کی روایت بغیر سند کے مانی جاتی تھی۔ یہ گھر کے آدمی کی روایت تھی۔ اور تھی بھی از قسم نوادر۔ اس لئے لوگوں نے بلا چون و چرا اسے تسلیم کر لیا۔

قبول بلا تحقیق سب سے پہلے راویوں کا فرض تھا کہ وہ اس روایت کو جانچتے۔ خلاف عقل۔ خلاف عادت اللہ اور خلاف تجربہ ہونے کی بنا پر اسے رد کرتے۔ جیسا کہ اس دور کے اکابر اور اصحابِ درایت نے کیا۔

لیکن تلامیذ ہشام نے نہ صرف اسے قبول کر لیا بلکہ بہت زور شور سے اس کی روایت شروع کر دی۔ اور اس وقت کی اسلامی دنیا میں گھر گھر یہ روایت پہنچ گئی علماء اس کے لئے نظائر تلاش کرنے لگے۔ اور اس واقعہ کے جواز اور وقوع کے دلائل عقلی اور نقلی بیان کرنے لگے۔ اور اس کی اشاعت اس کثرت سے ہوئی کہ یہ روایت حقیقت واقعہ بن گئی۔ اور اس کے خلاف لب کشائی بھی گناہِ کبیرہ خیال کی جانے لگی۔ پھر آنے والی نسلیں نے اپنے بزرگوں اور قابلِ احترام علماء سے یہ روایت سنی تو کیسے ممکن تھا کہ یقین نہ کرتے۔ اگر کسی کے پاس اس روایت کے خلاف کوئی خبر ہوگی بھی تو اس روایت کے سامنے وہ کیا پنتی۔ وہ اپنی موت آپ مر گئی ہوگی۔

بہر حال حضرت عائشہ رضی کی عمر کے بارے میں یہ روایت ایک مسلمہ حقیقت بن گئی اور اس کی روشنی میں اس دور کا ذہن حضرت عائشہ رضی کے متعلق تیار ہو گیا۔ اور پھر تو حضرت عائشہ رضی کے ہر عمل کی تہِ جہنہ بچپن ہی کے نقطہ نظر سے کی جانے لگی۔

روایت پر تلامیذ ہشام کی شخصیت کا اثر روایت تزوج کو ہشام سے بیان کرنے والے ان کے بارہ تلامیذ

ہیں۔ ان میں سے کئی راوی مستقل فقہی مسلک رکھتے ہیں۔ پھر تلامیذ التلامیذ میں سے دو تو صاحبِ مسلک امام ہیں۔ لاکھوں کروڑوں آدمی ان کا اتباع کرتے ہیں۔ یعنی

امام شافعیؒ جو سفیان بن عیینہ کے تلمیذ ہیں۔ اور امام احمد بن حنبل جو امام شافعیؒ اور ابو معاویہ کے تلمیذ ہیں۔ یہ دونوں ایک واسطے سے حضرت ہشام کے شاگرد ہیں۔ ہشام کے تلامیذ میں سے سفیان ثوری مستقل مذہب فقہ کے بانی تھے۔ سفیان بن عیینہ مستقل مسلک رکھتے تھے۔ وکیع خود صاحب مسلک تھے۔ حماد بن زید حفاظ حدیث میں سے ہیں۔ ابو معاویہ حفاظ حدیث میں ایک مقام رکھتے تھے۔

غرض اس روایت کا ہر ایک راوی اپنی جگہ ایک بہت بڑا عالم ہے۔ جن لوگوں نے ان سے روایت قبول کر کے اسے اپنی کتابوں میں جگہ دی ان کے متبعین نے اسے بے چون و چرا تسلیم کیا۔

تحقیق کا کام ائمہ کے کرنے کا تھا۔ جب خود انہوں نے ہی اس کی ضرورت محسوس نہ کی تھی تو پھر ان کے مقلد اور متبع اس کی ضرورت کیوں محسوس کرتے۔

تحقیق کے لحاظ سے کوئی ذریعہ بھی ایسا نہیں رہا تھا کہ اصل واقعہ کی حیثیت معلوم کی جاسکتی اس لئے بھی بس مان لینا ہی مناسب تھا۔

اس کے علاوہ زندگی کے کسی معاملہ پر یہ روایت اتنے انداز نہ تھی اس لئے اس کے ماننے میں کوئی حرج بھی نہ سمجھا گیا۔

رہا اس کا خلاف عقل ہونا تو بہت سے امور ہماری سمجھ سے باہر ہیں اور ہم انہیں تسلیم کرتے ہیں اسے بھی ہم نے اسی فہرست میں رکھ لیا۔ ہم امور بحکم میں۔ علی و اسباب معلوم کرنا ہمارا کام نہیں ہے۔

اس گوارا کن اور اور وقف عقیدت رواداری کے ساتھ جیب نسلاً بعد نسل اور کتاباً عن کتاب یہ روایت چلی تو اب یہ حقیقت ہے کہ جن لوگوں کے پاس اس کے خلاف کچھ ہوگا بھی تو انہوں نے اس کی روشنی میں اس میں ترمیم کر لی ہوگی۔ حتیٰ کہ جن سابق کتابوں میں اس کے خلاف جو کچھ لکھا ہوگا بعد والوں نے اس کی درستی بھی کر لی ہوگی۔

یہاں تک کہ دور مابعد کے اخلاف اور مالکیہ بھی اس روایت کی قبولیت سے نہ بچ سکے۔ امام صاحب اور صاحبین کے سوا بعد کے متقدمین نے اور پھر قدماً بعد قدم ہر آنے والے فقیہ نے اپنی کتابوں میں اس روایت کو جگہ دی اور اس سے استشہاد کرنا شروع کر دیا۔

بالآخر اس روایت نے متواتر المتاخرین کا مقام حاصل کر لیا

نوبت یہاں تک پہنچی کہ علامہ ابن ہمام نے فتح القدیر کتاب النکاح میں اس روایت کو نقل کر کے فرمایا **هذا النص قريب من المتواتر** .

علامہ شمس الائمہ سرخسی مبسوط کتاب النکاح میں اس روایت کو لاتے ہیں اور ابن شبرمہ اور ابو بکر الاصحام کا (جو نکاح صغیرہ کے خلاف ہیں رد کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اصم ہونے کی وجہ سے یہ روایت ان تک نہ پہنچ سکی ہوگی)

مولانا شبیر احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ فتح الملہم شرح مسلم باب تزویج الصغار کی احادیث پر بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں **هذا النص قريب من المتواتر** .
غرض کوئی مسلک اور فقہی مکتب فکر ایسا نہ رہا جو اس روایت سے متاثر نہ ہوا

ہو ۔

تمام ائمہ حدیث نے اس روایت کو اپنی کتابوں میں بیان کیا ۔ سب ائمہ کا اس روایت کو قبول کر لینا ہی اس کی صحت کی سب سے بڑی دلیل ہے ۔
خصوصیت سے امام بخاری رحمہ اللہ کا کسی حدیث کو اپنی کتاب میں لے آنا تو اس کے یقینی ہونے کی سب سے بڑی دلیل ہے ۔

مقام بخاری اس میں شک نہیں ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے وہ کام کیا جو کسی دوسرے سے نہ ہو سکا ۔ انہوں نے کئی لاکھ احادیث میں سے چار ہزار سے اوپر احادیث

کا انتخاب کیا ۔ پھر مختلف فقہی ابواب میں پھیلا کر حصے حصے کر کے ۹ ہزار کے قریب کر دیں ۔
امام بخاری رحمہ اللہ نے رجال کی تحقیق اور اسناد کی جانچ اور مستون کی پرکھ میں ایسے ملکہ کا اظہار کیا کہ باید و شاید ! انسانی سعی و کوشش کا جو آخری مرتبہ ہو سکتا ہے وہاں تک تحقیق کی ۔ اور جن روایات میں کمی محقق نہیں ترک کر دیا ۔

بخاری رحمہ اللہ کے عمیق مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ اگرچہ بخاری رحمہ اللہ نے قبول حدیث کے لئے محض لفاظی کو شرط قرار دیا ہے لیکن عموماً ایسے لوگوں سے روایت قبول کی ہے جو کافی عرصے تک مردی عنہ استاد کی خدمت میں رہے ہوں ۔

مثلاً نہ ہری عن سعید بن المسیب ۔ وغیرہ

لیکن جو خرابی بخاری رحمہ اللہ سے بہت اوپر کے دور میں ہو چکی تھی اس سے وہ کیسے درست کرتے ۔ ان کے اپنے دور میں یا اپنے سے اوپر کے دور میں براہ راست تحقیق ہو

سکتی تھی۔ لیکن جو لوگ بخاری سے بہت پہلے وفات پا چکے تھے ان کے متعلق تحقیق مشکل تھی۔ پھر ذرائع آمدورفت بھی اس زمانہ میں محدود اور دقت طلب تھے۔ شوق حصول حدیث اس درجہ غالب تھا کہ اس میں تحقیق و تنقید کی گنجائش ہی نہ تھی۔

یہ بھی ہمیں نظر انداز نہ کرنا چاہیے کہ بخاری محدثین کی جماعت کے فرد ہیں۔ اس جماعت کا ایک خاص ذہن اور خاص معیار تھا۔ اسی جماعت میں بخاری نے پرورش پائی تھی۔ اس لئے وہ بھی ایک خاص نقطہ نظر رکھتے تھے۔ اسی پر وہ حدیث کو جانچتے اور پرکھتے تھے۔

خالص احکام کی حدیث کے قبول کرنے میں محدثین کا معیار سخت تھا۔ مگر سیر و مغازی میں اتنا سخت نہ تھا۔

بخاری نے جزو القراءة میں اور مغازی میں محمد بن اسحاق کی روایت کو قبول کیا ہے۔ حالانکہ محمد بن اسحاق کے متعلق بعض ناقدین کا خیال ہے دجال من الدجالہ۔ بخاری باب الحجۃ میں جو احادیث لائے ہیں وہ خالص مغازی اور سیر کے درجہ کی احادیث ہیں۔ اسی لئے عروہ کی ایک مرسل روایت کو اس باب میں جگہ دیدی ہے۔ لیکن یہی حدیثیں جب احکام کے باب میں لاتے ہیں تو انہیں موصولاً ذکر کیا ہے۔ کتاب النکاح زیر بحث روایت بیان کرنے سے پہلے باب کے شروع میں قرآن مجید کی آیت وَاللّٰہُ یُحِبُّ الْمُحْسِنِ ذکر کی ہے۔ تاکہ یہ معلوم رہے کہ ان کے نزدیک اصل مسئلہ یعنی نکاح الصغار قرآن مجید سے ثابت ہے۔ اور یہ حدیث تبعی حکم رکھتی ہے۔ اسی لئے اس روایت میں زیادہ تحقیق و کاوش کی ضرورت نہ تھی۔ اور نہ کسی نے ایسا کرنے کی زحمت گوارا کی۔

پھر عصری ذہن کے اثر سے کسی عالم کا آزاد ہونا بہت مستبعد ہے۔

طلب علم اور اجازت حدیث کے لئے عمر کا تعین | ہشام کے مندرجہ ذیل جن تلامیذ نے یہ

روایت ہشام سے نقل کی ہے۔ ہم نے ان سب کے سنین ولادت وفات کتب رجال سے تحقیق کر کے لکھے ہیں۔ تاکہ ان کی عمر روایت کا پتہ چل سکے اور ان کی عمری خصوصیات کی روشنی میں اس روایت کا مزید جائزہ لیا جاسکے اس لئے کہ :-
ایک مسئلہ اصول حدیث میں یہ بھی ہے کہ کس عمر میں تلمیذ حدیث حاصل کرے اور کس عمر میں اس کا شیخ اسے حدیث کی اجازت دے۔

۱ خطیب بغدادی نے الکفایہ فی اصول الروایہ میں لکھا ہے کہ :-
ان اهل الكوفة لم يكن الواحد منهم سماع الحديث الا بعد
استكماله عشرين سنة - و يشغل قبل ذلك بحفظ القرآن
والتعبید

۲ حدثنا نعيم بن يعقوب قال سمعت ابا الاحرص يقول كان
الشباب يتعبد عشرين سنة ثم يطلب الشيء من الحديث .
۳ ابو عاصم يقول سمعت الثوري يقول كان الرجل اذا اراد ان
يطلب الحديث تعبد قبل ذلك عشرين سنة .

۴ عن ابي نعيم كان اهل الكوفة لا يخرجون اولادهم في طلب
الحديث صغارا حتى يستكملوا عشرين سنة .
۵ عن موسى بن هارون اهل الكوفة يكتبون لعشرين سنة و
اهل الشام لثلاثين (الکفایہ لا اصول الروایہ للخطیب ص ۵۴)

۱ ترجمہ - کوفہ والوں میں سے کوئی بھی حدیث نہیں سنتا تھا ۔ مگر ۲۰ سال کی عمر پوری
ہونے کے بعد اور اس سے پہلے حفظ قرآن اور عبادت میں مصروف رہتے تھے ۔
۲ یعقوب بن نعیم نے ہم سے بیان کیا کہ میں نے ابوالاحوص کو کہتے سنا کہ جوان
لوگ مشغول رہتے تھے پہلے ۲۰ سال عبادت میں پھر کہیں حدیث پڑھتے تھے ۔

۳ ابو عاصم کہتے ہیں میں نے ثوری کو کہتے سنا جب آدمی ارادہ کرتا تھا حدیث
سننے کا تو پہلے بیس سال عبادت میں صرف کرتا تھا ۔

۴ ابی نعیم سے روایت ہے اہل کوفہ کی اولاد طلب حدیث کے لئے نہیں نکلتی تھی
چھٹنے میں یہاں تک کہ وہ ۲۰ سال کے ہو جائیں ۔

۵ موسیٰ بن ہارون سے روایت ہے کہ اہل کوفہ ۲۰ سال کا ہو جانے پر حدیث لکھتے
تھے اور اہل شام ۳۰ سال کی عمر میں ۔

حضرت سفیان ثوری فرماتے ہیں کہ جب کوئی طالب علم حدیث حدیث حاصل

کرنے کا

ارادہ کرتا تھا تو پہلے بیس سال عبادت میں صرف کرتا تھا۔ اور یہ تھا اہل کوفہ کا اصول و تعامل۔

اہل بصرہ بھی اسی طرح پختہ عمری میں طلب حدیث کرتے تھے۔ مگر اہل شام کے بارے میں تو خطیب ہی کی تصریح ہے کہ تیس سال سے پہلے وہ حدیث حاصل نہیں کرتے تھے۔

روایت ترویج کو شام سے بیان کرنے والے دو تہائی رواۃ کوفی ہیں اور ایک تہائی بصری تو کوفے والوں کا معمول حدیث کے متعلق خطیب نے بیان کر دیا۔ اسی لئے زیر بحث روایت کا کوئی راوی بیس سال سے کم عمر کا نہ ہونا چاہیے۔

یہ اصول اس وقت متعین کئے گئے تھے جب علم عام ہو چکا تھا اور تقریباً ہر عمل کا ایک ضابطہ بنایا جا چکا تھا۔ ورنہ صدر اول اور دوسری صدی کے ابتدائی دور میں جب کتابیں تصنیف نہیں ہوئی تھیں زبانی روایت باامالی کا طریقہ تھا ایک شیخ سے چند حدیثیں لینے میں عرصہ لگ جاتا تھا۔ اس لئے ہم اس دور میں یعنی دوسری صدی کے ابتدائی ربع سویم میں حصول و اجازت کی مدت تیس سال تسلیم کرتے ہیں۔ اور دوسری صدی کے ربع دویم میں ۲۵ سال اور ربع سویم میں بیس سال۔ اور ربع چہارم میں ۱۵ سے بیس سال۔ الا ماشاء اللہ کچھ لوگ اس سے مستثنیٰ ہیں۔

نقشہ عمر اجازت تلامذہ شام

نمبر شمار	نام ہائے تلامذہ شام	سن ولادت	سن وفات	موقع سن اجازت حدیث
۱	سفیان بن سعید الثوری الکوفی	۹۷ھ	۱۶۱ھ	۱۳۰ھ
۲	حماد بن زید البصری	۱۰۲ھ	۱۸۱ھ	۱۳۲ھ
۳	حماد بن سلمہ البصری	۱۰۴ھ	۱۶۷ھ	۱۳۴ھ
۴	جعفر بن سلیمان البصری	۱۰۴ھ	۱۷۸ھ	۱۳۴ھ
۵	سفیان بن عیینہ الکوفی	۱۰۷ھ	۱۹۸ھ	۱۳۷ھ
۶	وہب بن خالد البصری	۱۰۷ھ	۱۶۵ھ	۱۳۷ھ

نمبر شمارہ	نام ہائے تلامیذ ہشام	سن ولادت	سن وفات	متوقع سن اجازت حد
۷	ابومعاویہ الضریر الکوفی	۱۱۳ھ	۱۹۵ھ	۱۳۸ھ
۸	علی بن مسہر الکوفی	۱۱۶ھ	۱۸۹ھ	۱۴۱ھ
۹	عبدہ بن سلیمان الکوفی	۱۲۰ھ	۱۸۷ھ	۱۴۵ھ
۱۰	حماد بن اسامہ ابواسامہ الکوفی	۱۲۱ھ	۲۰۱ھ	۱۴۶ھ
۱۱	یونس بن بکیر الکوفی	۱۲۳ھ	۱۹۹ھ	۱۴۶ھ
۱۲	دکیح بن جراح الکوفی	۱۲۸ھ	۲۰۱ھ	۱۴۶ھ

مندرجہ بالا اصول اجازت و طلب حدیث کی روشنی میں اب ہمیں یہ متعین کرنا ہے کہ ہشام کے بارہ تلامیذ نے کس کس سن میں ہشام سے یہ روایت سنی ہوگی۔

رواۃ کی پیدائش کی رو سے اس روایت کی اشاعت کا زمانہ

ان رواۃ میں سے کسی کی اجازت کا زمانہ ۱۳۰ھ سے پہلے ثابت نہیں۔ سوائے سفیان ثوری کے۔ اور یہ ہم بنظر احتیاط عرض کر رہے ہیں۔ ورنہ صاحب تہذیب التہذیب تو سفیان بن عیینہ کے بیان میں لکھتے ہیں کہ اعلمش، ابن حمرہ، شعبہ، ثوری، مسمر، سفیان کے شیوخ میں سے ہیں۔ اور ان میں سے بعض سفیان بن عیینہ سے چالیس پینتالیس سال بڑے ہیں۔ اور احادیث سفیان سے بیان کرتے ہیں۔

اُس دور میں حدیث حاصل کرنے کے لئے کسی عمر کی قید نہیں تھی۔ چھوٹی عمر کے طلبہ عام طور سے بڑے اساتذہ کی مجالس میں کم حاضر ہوتے تھے۔

رواۃ کی ولادت کے مندرجہ بالا نقشہ سے معلوم ہو رہا ہے کہ ان سب نے حضرت ہشام کے بڑھاپے میں اُن سے یہ روایت لی ہے۔ اس روایت کے حامل اس دور میں محض حضرت ہشام تھے۔ انہوں نے اس روایت کی اشاعت ۱۳۰ھ

کے بعد شروع کی۔ اپنی زندگی کے سترہ سال تک اس روایت کے متعلق ایک لفظ بھی کسی سے نہیں کہا۔ آخر عمر میں اس روایت کو بیان کرنے لگے۔

۱۳۴۷ء سے ۱۳۶۷ء تک کا دور اس روایت کی اشاعت کا دور ہو سکتا ہے۔ یہ راز سمجھ میں نہیں آتا کہ حضرت ہشام اتنے عرصے تک اس روایت کے متعلق کیوں خاموش رہے۔ شاید اس روایت کے بیان کرنے کے ابتدائی وقت میں بھی رازداری سے کام لیا ہو گا۔ اور پھر آٹا فانا اس کا چرچا ہوا ہو گا۔

چند سال میں یہ روایت اس وقت کی اسلامی دنیا میں ہاتھوں ہاتھ لی گئی ہو گی۔ ہشام اپنے خاندان کے جن لوگوں سے حدیث نقل کرتے ہیں، ان میں سے کوئی بھی یہ روایت بیان نہیں کرتا۔ اور ٹھٹھ یہ ہے کہ ہشام بھی انہیں نہیں بتاتے کہ میرے والد نے مجھے ایک نادر روایت سنارکھی ہے۔

صحابہ کے زمانہ میں عمر عائشہ کا کوئی مسئلہ نہیں تھا

اس گفتگو کا خلاصہ یہ ہے کہ صحابہ کے زمانہ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی عمر کا کوئی مسئلہ نہیں تھا۔ کیونکہ ان کا نکاح اور رخصتی اسی عمر میں ہوئی تھی۔ جس عمر میں لڑکیاں عرب میں بیاہی جاتی ہیں۔ ان کی عمر شادی اور رخصتی کے وقت بالکل پختہ تھی۔ اس لئے صدر اول میں کسی کی توجہ اس مسئلہ کی طرف نہیں گئی۔ اور نہ کسی نے اس پر اچنبھے اور حیرت کا اظہار کیا۔ اسی لئے منافقین نے جو ہر بات پر اعتراض کرتے تھے۔ اس پر کوئی اعتراض نہیں کیا۔ جس طرح دیگر ازواج مطہرات کی عمر بابت نکاح کی کتب حدیث میں کوئی بحث نہیں ہے۔ اسی طرح حضرت عائشہ کی عمر کی بھی بحث کی ضرورت نہ تھی۔ حضرت ہشام کی سادگی نے اسے مستقل مسئلہ بنا دیا۔ اگر وہ اپنی اس روایت پر استلاء میں ہی غور کر لیتے تو یہ صورت پیش نہ آتی مگر فرط عقیدت نے اور عجائب پسندی کے ذہن نے ان کو اپنے استنباط کی تشہیر پر ابھارا۔

ہم بار بار اس خیال کا اظہار کر چکے ہیں کہ جتنے قرائن اور واقعات حضرت عائشہ

کی عمر کے متعلق ہو سکتے تھے وہ سب اس روایت کی وجہ سے ضائع ہو گئے۔ لوگوں

نے درستی کی ذہن میں اس مواد کو ماتھ سے گنوا دیا۔ اب بچے کچھے ہلکے ہلکے نشانات باقی رہ گئے ہیں جو اس روشن روایت کے سامنے اتنے مدھم پڑ گئے ہیں کہ نظر بھی نہیں آتے۔ اگر بغور دیکھے بھی جاتے ہیں تو ہمارا ذہن ان کی تاویل کر کے انہیں نظر انداز کر دیتا ہے۔

ہم ان منتشر اور بکھری ہوئی روایات کو جمع کر کے اور دیگر قرائن اس کے ساتھ وابستہ کر کے واضح کریں گے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی عمر نکاح کے وقت اور رخصتی کے وقت بالکل پوری تھی وہ رخصتی کے وقت پورے طور پر جوان تھیں۔ اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بالکل فطرت کے مطابق نکاح کیا اور رخصتی کا معاملہ طے کیا۔ اسی لئے امام ابو حنیفہ اور امام مالک نے اس روایت کو قبول نہیں کیا۔ وہ اس کی علت اور کمزوری سے واقف تھے۔ بعد کے جن حضرات نے اس روایت کو قبول کر لیا انہوں نے شوقِ حدیث اور اشاعتِ علم کے خیال سے اس کی کمزوری پر توجہ نہیں دی۔

اگر ناقدین حدیث اس روایت کے مالہ و ما علیہ پر غور کر لیتے تو امت مسلمہ اتنی بڑی غلطی کا شکار نہ ہوتی۔

ہم اپنے علمی دوستوں سے بصد ادب گزارش کریں گے کہ ہمارا منشاء یہ نہیں ہے کہ بزرگوں کی علمی کاوشوں پر پانی پھیر دیں اور ان کی خدمتِ حدیث کا انکار کریں چونکہ یہ روایت واقعے کے خلاف ہے اس لئے ہمارے ایمانی تقاضے نے ہمیں مجبور کیا کہ ہم اس روایت کی تنقیح پر قلم اٹھائیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت و محبت ہی اس تحقیق کی محرک بنی۔

ہو سکتا ہے کہ بعض اجاب ہم پر کچ روای کا فتویٰ لگائیں۔ لیکن مگر کچ روای ہم نے اختیار نہیں کی۔ ہم نے تو بعض کچ روای کی کچ روای کی نشاندہی کی ہے۔ ہمارا جذبہ خالص اور نیت نیک ہے اس لئے خدائے تعالیٰ سے ہم اپنے اس کارِ خیر پر پورے اجر کی توقع رکھتے ہیں۔

دَمًا تَوْفِیْقِی الْاِیَّامُ

ہشام کے بارہ تلامیذ نے اس روایت کو بالواسطہ یا بلا واسطہ جس طرح بھی بیان کیا ہے وہ ذیل کے نقشہ سے ظاہر ہے۔

نقشہ روایت تلامیذ ہشام بالواسطہ و بلا واسطہ

نمبر شمارہ	نام تلمیذ	بالواسطہ یا بلا واسطہ	کتاب حدیث	تعداد روایت
۱	سفيان ثوري	کوفی	بخاری شریف	۱
۲	سفيان بن عيينه	کوفی	متکلم کے صیغے سے	۱
۳	ابو معاوية	کوفی	کتاب الامم	۲
۴	"	"	مسلم نسائی	۲
۵	"	"	نسائی و مسلم بروایت اعمش	۳
۶	ابو اسامه	کوفی	بخاری	۴
۷	"	"	مسلم (طویل حدیث)	۳
۸	عبد بن سليمان	"	"	۴
۹	علی بن مسهر	"	بخاری ابن ماجہ دارمی	۵
۱۰	یونس بن بکر	"	بیہقی	۵
۱۱	دکيج	"	"	۶
۱۲	حماد بن سلمه	بصری	مسند امام احمد	۷
۱۳	حماد بن زید	بصری	البوداؤد	۸
۱۴	وهيب بن خالد	"	بخاری	۷
۱۵	جعفر بن سليمان	"	نسائی	۹

عہ کس نے متکلم کے صیغے میں بدلا۔

اس روایت پر غور کرنے کا ایک اور پہلو بھی ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ اس کے تمام رواۃ کوئی اور بصرے کے رہنے والے ہیں۔ ان کے علاوہ تمام ممالک اسلامیہ میں سے کسی دوسرے ملک کا کوئی راوی نہیں۔ کتے کا کوئی راوی نہیں، مصر کا کوئی نہیں۔ شام کا کوئی نہیں سارے حجاز میں سے ایک آدمی بھی اس کا راوی نہیں۔

ان تمام رواۃ پر اس پہلو سے نظر ڈال لیجئے

سفیان ثوری	کوئی	سفیان بن عیینہ	کوئی
ابومعاویہ	کوئی	ابوسلمہ	کوئی
عبدہ بن سلیمان	کوئی	علی بن مسہر	کوئی
یونس بن بکر	کوئی	وکیع بن جراح	کوئی
حماد بن سعید	بصری	حماد بن زید	بصری
وسیب بن خالد	بصری	جعفر بن سلیمان	بصری

مدینہ مرکز علم تھا۔ ہشام ساری عمر مدینے میں رہے۔ لیکن مدینے کا ایک راوی بھی اس کو بیان نہیں کرتا۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ روایت گھر سے باہر ہی باہر کیوں گھوم رہی ہے۔ اور گھر والے اس کی یقین برائی کیوں نہیں کرتے۔ اس کا علم کوئی والوں کے حصے میں کیوں آیا۔ ایک دو نہیں۔ پورے آٹھ معتبر راوی کوئی سے اس روایت کو لے کر کھڑے ہوئے ہیں۔ اس کے بعد صرف ۴ بصرے والوں کو توفیق ہوئی کہ وہ اس متبرک روایت کے راوی بن سکیں۔ پھر ان چار میں سے بھی ایک جعفر بن سلیمان غالی شیعہ تھے۔ (تہذیب بیان جعفر بن سلیمان) رجال شیعہ کی معتبر کتاب منتہی المقال نے بھی انہیں رجال شیعہ میں شمار کیا ہے۔ اور لکھا ہے کَانَ اُمِّيًّا دَكَانَ مِنْ زُهَادِ الشَّيْعَةِ اور یہی وہ حضرت ہیں جنہوں نے عبد الرزاق کو شیعہ بنایا تھا۔ تہذیب التہذیب نے تفصیل کے ساتھ لکھا ہے کہ یہ جعفر بن سلیمان متقشف شیعہ تھے۔ کوئی اور بصرے والوں کے علاوہ تمام عالم اسلام اس روایت کے بیان کرنے کی سعادت سے محروم رہا۔

عمر ہشام بوقتِ روایت

حضرت ہشام نے ۸۶ سال کی لمبی عمر پائی۔ مگر اس کے باوجود کوفہ سے صرف آٹھ تلامیذ اور بصرے سے چار تلامیذ حاصل کر سکے۔ اور وہ بھی اپنی عمر کے بالکل آخری حصہ میں۔

ہم نے رواقِ ہشام کی عمودوں کے سلسلہ میں نقشہ ولادت و وفات سے یہ بات ثابت کر دی ہے کہ یہ روایت کم سے کم ۱۳۳ھ کے بعد دنیا کے سامنے آنی چاہیے تھی۔ لیکن تدنیحی حقائق کی روشنی میں جب ہم اس روایت کو دیکھتے ہیں تو ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت ہشام نے وفات سے کچھ ہی پہلے عراق کا تیسرا سفر (آخری سفر) کیا تو اس وقت انہوں نے اپنا یہ استبناط کوفہ اور بصرے والوں کے سامنے پیش کیا۔ اور یہ سفر انہوں نے تقریباً ۱۴۴ھ یا ۱۴۵ھ میں کیا ہے۔ اور اسی ۱۴۵ھ میں خلیفہ جعفر کو بغاوت فرو کرنے کے لئے جانا پڑ گیا۔ ہشام اس کے انتظار میں وہیں رہے۔ اور ۱۴۶ھ میں ہشام کی وہیں وفات ہو گئی۔

لہذا یہ واقعہ ہمارے نزدیک ۱۴۵ھ کے قریب قریب کا ہے۔ کیونکہ ہشام کے سب سے کم عمر راوی وکیع ہیں جن کی پیدائش ۱۲۸ھ ہے۔ اور سماع کے وقت اگر ان کی عمر کم از کم سولہ سال ہی کی ہو تو سماع صحیح ہو سکتا ہے۔ اس روایت کے رواق میں کوفہ کے جو آٹھ حفاظ نظر آ رہے ہیں ان کی سماعت کی صورت یہ نہیں ہے کہ انہوں نے وقتاً فوقتاً مدینے جا کر یہ روایت ہشام سے لی ہے۔ بلکہ صورت یہ ہوئی ہے۔ کہ ہشام کے قیام کوفہ کے دورانِ جمعہ یا دو، دو تین تین کی معیت میں یہ روایت کوفہ ہی میں ان کے آخری سفر میں ان ہی سے سنی۔

تہذیب التہذیب ص ۱۸ جلد ۱۱ میں ہے کہ ہشام تین مرتبہ کوفہ گئے۔ پہلی مرتبہ آئے تو اس طرح روایت بیان کی حدیثی ابی قال قد سمعت عائشہ۔ دوسری مرتبہ آئے تو اس طرح بیان کی حدیثی ابی عن عائشہ۔ اور پھر تیسری مرتبہ اس طرح بیان کی عن ابی عن عائشہ۔ تو یہ روایت ہشام تیسری مرتبہ کی روایت ہے۔ اور تیسری قسم میں شامل ہے۔

اس سفر میں ہشام بصرے بھی گئے ہیں۔ قال دھیب بن خالد قدم
علینا ہشام بن عروہ و ہوکان مثل الحسن و ابن سیرین (تہذیب التہذیب)
اس لئے ہم یقین کرتے ہیں کہ ہشام نے اپنا یہ استنباط تیسرے اور آخری سفر
میں پیش کیا۔

ہشام اخیر عمر میں قابل اعتماد نہیں رہے تھے

مدینے والے ہشام کی اس عادت سے خوب واقف تھے کہ جو روایتیں انہوں
نے ادھر ادھر سے سنی تھیں ان کو اپنے باپ کی مرویات بنا کر سنانے لگ گئے
تھے۔ اس لئے آخر میں مدینے والے ان سے روایت کرنے میں محتاط ہو گئے تھے
اور چونکہ اخیر عمر میں حافظہ بھی خراب ہو گیا تھا اس لئے بھی مدینے والے ان کی
روایت سے کتراتے تھے۔

اکثر اہل علم ان کی اس عادت پر نہایت متعجب تھے کہ ہر بات اپنے
باپ سے منسوب کر کے بیان کرنے لگے ہیں۔
ابوالاسود دیشیم عروہ تو اسی غلط بیانی کی وجہ سے سال سال بھرتک ان سے
بات نہ کرتے تھے۔

ہشام کے حالات میں ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ انہوں نے عراق والوں کے
لئے اپنی روایت میں تسہیل پیدا کر دی تھی۔ اس غلط رویے کی وجہ سے امام مالک
ان کی مذمت کرتے تھے۔ اور عراق والوں کے لئے اس غلط طریقہ کار اختیار کرنے
پر ان کے خلاف سخت گرفت فرماتے تھے۔

اس روایت میں جو حقیقہ "استخراج ہشام ہے۔ کم خرابی نہیں ہے کہ مدینے
والوں نے اسے قبول نہیں کیا۔ اور عراق میں اہل روایت نے اس کو قبول نہیں کیا۔
اس عجیب روایت کے راوی تو ہشام کی عمر کے ہر حصے میں ہونے چاہئیں تھے۔ لیکن
یہ کیا کہ یکایک مدینے سے باہر کے ۱۲ آدمی اور وہ بھی بیشتر نوجوان، ہشام کی

علہ کیونکہ تمام روایات میں عن ابی عن عائشہ ہے بلکہ ہشام سے ہی عن شروع
ہو جاتا ہے عن ہشام بن عروہ عن ابیہ عن عائشہ۔

اخیر عمر میں اس کے رادی بن گئے۔ اس سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ ہشام نے اس سیرت کے درجے کے ایک جملے کو احکام کی حدیث میں تبدیل کر دیا۔ اور بالواسطہ بیان میں عنعنہ سے حضرت عائشہ رض سے بیان کیا تو کوفے کے شائقین علم اور بیشتر نوجوان ہشام پر ٹوٹ پڑے۔ انہیں کیا معلوم کہ یہ حضرت عائشہ رض کا کلام نہیں بلکہ حضرت ہشام کا کلام اور استنباط ہے۔

اشاعتِ روایت کے غیر علمی جذباتی اسباب

ایک شیخ فانی حضرت عائشہ رض کے بھانجے کا بیٹا اخیر عمر میں عراق میں آیا۔ ان لوگوں کو اس سے اس کی ساری عمر کی کمائی مفت میں مل رہی ہو۔ اسے بھی یہ خیال ہو کہ اپنا پورا ذخیرہ علم ان کو منتقل کر دوں۔ تو اس حالت میں نہ کوئی تحقیق ہو سکتی تھی۔ نہ کوئی تفتیش ہو سکتی تھی۔ ان کو فنی اور بصری والوں کو کیا پتہ کہ ”بڑے میاں“ جو کچھ بیان کر رہے ہیں اس میں یہ حضرت اپنا استنباط بیان فرما رہے ہیں یا حدیث عائشہ رض بیان کر رہے ہیں۔

اول تو سابق زمانے کے متعلق بزرگوں کی بات نوجوان اس لئے بھی قبول کر لیتے ہیں کہ یہ واقعات ماضیہ کے عینی گواہ ہوتے ہیں۔ پھر ان طالبان علم حدیث کے لئے تو یہ مخزون ذخیرہ علم تھا جو حضرت ہشام سے مفت میں ان کے گھر بغیر سفر کی زحمت اٹھائے مل رہا تھا۔ کنواں خود چل کر پیاسوں کے پاس آ گیا تھا۔ وہ کیوں نہ پیاس بھر کر پیتے اور کیوں نہ ذخیرہ کرتے۔

حضرت صدیق اکبر رض کے نواسے کا بیٹا حضرت عائشہ رض کی بہن حضرت اسماء کا پوتا، زبیر شہید کا پوتا، عبداللہ بن زبیر اور حضرت عائشہ رض کے منہ بولے بیٹے اور بھانجے کا بھتیجا، عروہ بن الزبیر کا بیٹا، اپنی آخری عمر میں اپنے ہی گھر کی کوئی بات سنائے اور لوگ اسے قبول نہ کریں، بھلا یہ کیسے ہو سکتا تھا۔ اول تو عام مذہبی ذہن میں خوارق کو قبول کرنے کی کافی کشش ہوتی ہے۔ خصوصیت سے نوجوان تو اس باب میں والہ اور فریفتہ ہوتے ہیں۔ غرضیکہ ہشام کی شخصیت نے کوفے کے اصحاب روایت اور نوجوان طبقے کو اس درجہ متاثر کیا کہ انہوں نے اس استنباط کو حدیث سمجھ کر بے تکلف قبول کر لیا اور نہایت

زور شور سے اس کی روایت شروع کر دی۔

ہشام کی روایت کا متابع اول

خلاصہ و نتیجہ بحث

یہ اصل روایت یعنی استنباط ہشام ^{۱۴۴} ۱۴۵ کے قریب اہل کوفہ نے ہشام کی زبان سے سنا۔ اس روایت کا پہلا متابع اسود بن یزید جو ابو معاویہ کے ذریعے سے منقول ہے۔ ^{۱۸۰} ۱۸۱ کے قریب قریب منظر عام پر آیا۔ چار افراد سند تک یہ روایت مستور رہی۔ گویا کہ سمرنگ میں سفر طے کرتی رہی۔ کیونکہ یہ روایت ابو معاویہ تا اسود اصل روایت ہشام کے ۳۵ - ۴۰ سال بعد بطور متابع منظر عام پر آئی۔ احتمال کے طور پر تو یہ غلطی اعمش کی غلطی بن سکتی ہے۔ لیکن یہ تدلیس یقیناً ابو معاویہ کی ہے۔ وہ تیس سال تک اس روایت کو اس سند کے ساتھ سینے میں دبائے بیٹھے رہے اور کسی سے ذکر تک نہ کیا کہ میں نے اعمش سے سنی ہے۔ اس لئے کہ ابو معاویہ کے تلامیذ کی پیدائش پر نظر ڈالنے سے ظاہر ہے کہ ان کے تلامیذ ^{۱۸۰} ۱۸۱ تک جا کر اس قابل ہوئے کہ روایت بیان کر سکیں۔ امام احمد نے تو ابو معاویہ سے بالکل آخر میں ^{۱۹۰} ۱۹۱ کے قریب قریب جبکہ ان کے قوی جواب دے چکے تھے حافظہ خراب ہو چکا تھا۔ نابینا پہلے ہی سے تھے۔ کتاب دیکھ کر بیان نہیں کر سکتے تھے۔ کیونکہ امام احمد کی پیدائش ^{۱۶۴} ۱۶۵ میں ہے۔ انہوں نے کوفہ کا پہلا سفر ^{۱۸۸} ۱۸۹ میں کیا ہے۔ عمر اور واقعے کے لحاظ سے ان کا سماع ابو معاویہ سے اس سے پہلے ہو ہی نہیں سکتا۔ ہو سکتا ہے کہ ابو معاویہ سے دوسرے رواۃ نے بھی بالکل آخر میں میں تبرکاً یہ روایت نئی سند کے لحاظ سے ان سے لی ہو۔ ورنہ اصل میں تو ابو معاویہ حضرت ہشام سے اس روایت کے راوی ہیں۔ اسود سے لے کر ابو معاویہ تک یہ روایت واحد عن واحد ہے۔ ان رواۃ میں سے کسی کا بھی کوئی شاہد اور متابع نہیں ہے۔ ہمارا اعتراض متن پر نہیں ہے۔ بلکہ یہ ہے کہ ابو معاویہ نے اعمش کی سند سے متعلق کر کے اسود کے ذریعہ حضرت عائشہؓ تک پہنچا دیا۔

ہمیں تحقیق سے معلوم ہو چکا ہے کہ یہ تین جملوں کی روایت ہشام کا استنباط ہے جو انہوں نے بالکل اخیر عمر میں کوفے والوں کے سامنے پیش کیا ہے۔ یہ استنباط اپنی مخصوص ترکیب اور ترتیب کی وجہ سے جہاں بھی پایا جائے گا فوراً پہچان لیا جائے گا کہ یہ حضرت ہشام کا استخراج ہے۔

اب تک تمام علماء کا یہی خیال ہے کہ یہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے اس سے کسی سند سے بھی متعلق کر دیا جائے اس کے سنتے ہی ذہن ادھر جاتا ہے کہ یہ حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا ہی ہے۔ ایک متن کو مختلف اسناد کے ساتھ ذکر کرنے سے اس میں استحکام پیدا ہو جاتا ہے۔

لیکن اب جبکہ یہ ثابت ہو گیا ہے کہ یہ استخراج ہشام سے تو اسے کسی رنگ میں بھی بیان کیا جائے بہر حال یہ استخراج ہشام ہے۔ اس استنباط کو کسی سند سے بھی متعلق کر دیا جائے فوراً واضح ہو جائے گا اور اس متن کی تدلیس فوراً پکڑی جائے گی۔ کیونکہ اس روایت کا ایک قدم بھی حضرت ہشام سے آگے نہیں چلتا۔ جو لوگ حضرت ہشام سے اوپر ہیں ان سے اس روایت کو متعلق کرنا ان پر اس روایت کی تہمت لگانا ہے۔

متابع دویم

روایت ہشام کا متابع دوئم ابو سلمہ والی روایت ہے جس میں نیچے کے راوی احمد بن سعد اور اس سے اوپر سعید بن حکم بن ابی مریم، احمد کے چچا ہیں۔ احتمال کے طور پر تو یہ غلطی یحییٰ بن ایوب کی بھی ہو سکتی ہے۔ لیکن قرن قیاس یہ ہے کہ احمد بن سعد کا سعید بن المحکم بن مریم نے اس روایت کو ابو سلمہ سے سند سے متعلق کیا ہے۔ اس قسم کی تدلیس ان کی اور روایتوں میں بھی پائی جاتی ہے۔ چونکہ یہ روایت تو ہشام کا استنباط ہے اس لئے ہشام کے علاوہ کسی اور کی طرف اس کی نسبت یا ہشام سے پہلے لوگوں کی طرف اس کی نسبت ہو ہی نہیں سکتی۔

متابع سویم

تیسرا شاہد نسائی کی تفتیہ والی روایت تفتیہ ہی کے کارناموں میں سے ایک ہے اس نے ہشام کی روایت کو جو اُس سے اپنے دوسرے اساتذہ سے پہنچی تھی۔ اس سند سے متعلق کمر کے گویا اس کلام کو ان لوگوں کے منہ میں ڈال دیا جن کے خواب میں

بھی اس سند سے یہ روایت نہیں آئی تھی۔ اور ان لوگوں کی طرف اس روایت ہشام کی نسبت کر دی جو اس سے لاعلم دنیا سے گئے ہیں یہ متابع سنہ ۲۲۵ کے بعد ظہور پذیر ہوا۔

متابع چہارم

اس کا چوتھا متابع ابو عبیدہ والی روایت ہے۔ ابو احمد نہیری یا احمد بن سنان نے ایسا کیا تو سنہ ۲۲۵ کے قریب یہ عمل کیا گیا اور اگر احمد بن سنان کا شاہکار ہے تو یہ عمل ۲۲۵ کے قریب رونما ہوا۔

روایت ہشام نیچے سے اوپر چڑھی ہے

جب واقعات کی شہادت نے یہ بات ثابت کر دی ہے کہ یہ روایت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہی نہیں ہے بلکہ یہ استخراج ہشام ہے جو انہوں نے اپنی ہجرت والی روایت کے ایک جملے **وانا یومئذ** سے کیا ہے تو ان الفاظ کے ساتھ اور اس کی غائب بالواسطہ یا بلا واسطہ متکلم تعبیرات کے ساتھ یہ کلام ہشام سے پہلے موجود ہی نہیں ہے۔ بلکہ ہشام نے بھی اسے اپنی زندگی کے اخیر میں عراق کے تیسرے سفر میں لوگوں کے سامنے پیش کیا اور کوفہ کے نوجوان طلاب علم نے اسے قبول کر لیا۔ یہ سفر ہشام نے سنہ ۱۴۵ کے قریب کیا سنہ ۱۴۵ سے پہلے جن رواۃ کا انتقال ہو چکا تھا وہ کسی طرح بھی ہشام کے اس استخراج سے واقف نہیں تھے۔ اور جو معاصر اس وقت موجود تھے۔ وہ سب عمر رسیدہ قریب الوفات تھے۔ اس لئے ممکن ہے اس محوڑے عرصے میں یہ روایت ان تک نہ پہنچی ہو۔ اور وہ اس سے واقف ہوئے بغیر ہی دنیا سے رخصت ہو گئے ہوں اور جو اصناف اس وقت موجود تھے انہیں کیا ضرورت پیش آئی تھی کہ اصل روایت ہشام سے لے لینے کے بعد کسی دوسری سند کے ساتھ اس کو ڈھونڈتے۔

مگر مروجہ زمانہ کے ساتھ ساتھ بعض راویوں نے نامعلوم وجوہ کی بنا پر اس روایت میں تعدد طرق پیدا کرنے کے لئے اس استخراج کو دوسری سندوں پر سوار کر دیا۔ اس سے یہ بھی ظاہر ہو گیا کہ بہت سے شواہد اوپر سے نیچے آنے کے بجائے

نیچے سے اوپر جا رہے ہیں اور مختلف سندوں کے زینے سے اوپر پہنچ گئے ہیں۔

عجیب بات یہ ہے کہ متقدمین مصنفین تو محض ہشام کی روایت کو صحیح تسلیم کرتے ہیں۔ لیکن متاخرین شواہد و متابعات مہیا کر کے اس روایت کی صحت کا یقین دلانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ اگر یہ نتیجہ سامنے نہ آتا کہ یہ روایت ہشام کا استخراج ہے تو ہرگز کسی سند کی غلطی نہ پکڑی جاتی۔

حدیث حجاز یا حدیث عراق

خلاصہ یہ ہے کہ آخری تینوں متابع سندیں دوسری صدی ہجری کے اختتام پر یا تیسری صدی ہجری کے اوائل میں منظر عام پر لائی گئی ہیں اور دوسرے لفظوں میں ہم اس کی تعبیر یوں کر سکتے ہیں کہ روایت ہشام صحیح معنی میں حدیث عراق ہے، حدیث حجاز ہرگز نہیں ہے۔ مدینے والوں کا اپنا ایک تعامل اور علمی مزاج تھا اور وہ اسی روایت کو قبول کرتے تھے جو ان کے تعامل اور علمی مزاج کے موافق ہو۔ اسی لئے انہوں نے ہشام کی اس روایت کو قبول نہیں کیا۔ حدیث عراق کے متعلق علماء کے اقوال ملاحظہ فرمائیے۔

خور حضرت ہشام بھی اپنے آخری سفر عراق سے پہلے حدیث عراق کے متعلق اسی قسم کے خیالات کا اظہار فرمایا کرتے تھے۔ لیکن آخری سفر عراق میں خود وہ اسی رنگ میں رنگے گئے، حتیٰ کہ ان کی مٹی بھی عراق ہی میں عزیز ہوئی۔ امام مالک رحمہ نے فرمایا:

اذا خرج الحديث من الحجاز انقطع نخاعه

(امام مالک رحمہ نے فرمایا جب حدیث حجاز سے نکل جاتی ہے تو اس کا مغزیار و ح منقطع ہو جاتی ہے۔)

امام شافعی رحمہ نے فرمایا:

اذا لم يوجد الحديث من الحجاز اصله وثب نخاعه.

جب کسی حدیث کی اصل حجاز میں نہ پائی جائے تو بے اصل ہوتی ہے۔

امام شافعی نے فرمایا :-

كل حديث جاء من العراق وليس له اهل في الحجاز فلا تقبله
وان كان صحيحا . واريده الا نصيحتك .
جو حدیث عراق سے آئے اور اس کی اصل حجاز میں نہ ہو تو اسے قبول نہ کرو
اگرچہ صحیح ہو میں تیری نصیحت کے لئے کہہ رہا ہوں .

حبیب بن ثابت سے پوچھا گیا :-

ایما اعلم بالسنة اهل الحجاز ام اهل العراق . فقال بل
اهل الحجاز

حدیث کا علم کس کو زیادہ ہے اہل حجاز کو یا اہل عراق کو . انہوں نے فرمایا اہل
حجاز کو .

نہری کا قول ہے :-

اذا سمعت بالحديث العراقي فادرد به ثم ادراد به
جب کسی عراقی سے حدیث حاصل ہو تو اس کو خوب خوب پرکھ لو
طاؤس نے کہا :-

اذا حدثك العراقي مائة حديث فاطرح به تسعة وتسعين
جب کسی عراقی سے سو حدیثیں سنو تو ننانوے پھینک دو .
نہری :-

ان في حديث اهل الكوفة غلط كثير
کوفیوں کی حدیث میں کھوٹ ہی کھوٹ ہے .

ہشام بن عروہ کا قول ہے :-

اذا حدثك العراقي بالف حديث فالتق تسعمائة وتسعين
دکن من الباقي في شك .
جب کسی عراقی سے ایک ہزار حدیثیں سنو تو ۹۹۰ کو غلط تصور کرو .

اور باقی دس کو بھی مشکوک سمجھو۔
خطیب نے ایک ضابطہ بیان کر دیا ہے کہ :-
حدیث کا بہترین سلسلہ وہ ہے جس کو اہل حریمین بیان کرتے ہیں۔ ان کے ہاں
تدلیس کم ہے۔ کذب و وضع حدیث قلیل الوجود ہے۔
اہل یمن کی روایات عمدہ ہیں اور سلسلے درست ہیں۔ لیکن روایات بہت
تھوڑی ہیں اور ان کا مرجع بھی حجاز ہی ہے۔

اہل بصرہ کے ہاں احادیث ثابتہ ہیں اور اسانید واضح ہیں جو دوسروں کے
ہاں نہیں ہیں۔ مگر نسبتاً احادیث میں کثرت ہے۔

لیکن کوفیوں کے ہاں کثرت روایات تو وہی ہے جو بصرہ والوں کے ہاں
ہے لیکن ان کی روایات میں کھوٹ زیادہ ہے۔ اور علی سے مملو ہیں۔
شامیوں کی احادیث مراسیل و مقطایع ہیں۔ لیکن جو متصل ہیں اور ثقات
سے منقول ہیں بہتر ہیں۔ ان کی روایات بیشتر و غلط سے تعلق رکھتی ہیں۔
علامہ ابن تیمیہ نے فرمایا کہ علماء الحدیث اس بات پر متفق ہیں کہ :-

اصح الاحادیث ما رواه اهل المدينة ثم اهل البصرة
ثم اهل الشام (تدیب الراوی ص ۲۴۰ ص ۲۴۱)

دور حدیث میں صحیح اور ضعیف احادیث ایک جگہ جمع ہوتی تھیں۔
وقد كانت الكتب قبله مجموعة ممزوجة جانيها الصحيح
بغيره وكانت الاثار في عصر الصحابة وكبار التابعين غير
مدونة ولا مرتبة۔

(بخاری سے پہلے کی کتابوں میں صحیح اور ضعیف روایات ملی جلی درج تھیں
اور صحابہ اور کبار تابعین کے دور میں تو سرے سے جمع و تدوین کا رواج ہی نہ تھا)
(تدیب الراوی ص ۲۴۰)

اس طویل اقتباس سے یہ مدعا ہے کہ احادیث کے قبول و رد میں مختلف
امور کا لحاظ رکھا جاتا تھا۔ اور اماکن کا بھی خیال کیا جاتا تھا۔ افراد کی سیرتوں کو
بھی ملحوظ رکھا جاتا تھا۔ بایں ہمہ شروع میں ایک دور ایسا گذرا کہ محض حدیث پر
نظر ہوتی تھی۔ سند کی اتنی پرواہ نہ تھی۔ یہی وجہ ہے کہ پہلے دور میں ارسال
کا عام رواج تھا۔

کیا مراسیل حجت تھیں؟

سب سے پہلے امام شافعی رحمہ نے مرسل کے حجت ہونے سے انکار کیا۔ قبول مراسیل میں
 اخاف کی بابت تدریب الراوی میں ہے کہ :-

ومحل قبوله عند الحنفية ما اذا كان مرسلًا من اهل القرون
 الثلاثة الفاضلة . وان كان من غير هافلا .

مرسل قابل قبول حنفیہ کے نزدیک تب ہے جبکہ مرسل ہو قرون ثلاثہ فاضلہ سے اور
 اگر اس کے علاوہ سے ہو تو قابل قبول نہیں ۔
 ابن جریر فرماتے ہیں کہ :-

اجمع التابعون باسدهم قبول المرسل لم يأت منهم انكاره ولا عن
 احد من الائمة بعدهم على رأس مائتين .

یہی نے ایک باب مراسیل کی حجیت کے بارے میں باندھا ہے اور ابن کثیر کا یہ قول
 پیش کیا ہے اور یہ مسلم میں بھی ہے :-

لقد اتى على الناس زمان ما سئل عن اسناد صحيح . فلما وقعت الفتنة
 سئل عن اسناد الحديث فينظرون كان من اهل السنة يؤخذ من
 حديثه . ومن كان من اهل البدع ترك حديثه (انتہی)
 (تدریب الراوی ص ۱۳۲)

روایت هشام اس ناقص حالت میں اصول حدیث کے خلاف ہے

قبول حدیث کے عام ضابطے

قال ابن الجوزي كل حديث رايته يخالف العقول او يناقض الاصول
 فاعلم انه موضوع . فلا يتكلف اعتباره . ۱۔ لا تعتبر روايته . ولا
 تنظر في جرحهم . ۲۔ يكون مما يدفعه الحسن والمشااهدة . ۳۔
 مباين للنص الكتاب والسنة المتواترة او الاجماع القطعي حيث لا
 يقبل شيء من ذلك التاويل . ۴۔ يتفمن الافراط بالوعيد الشديد
 على الامر اليسير . ۵۔ بالوعيد العظيم على الفعل اليسير . وهذا الاخير

کثیر موجود فی حدیث القصاص والطریقۃ : ومن رکتہ المعنی لا تاكلوا
القرعۃ حتی تذبحوها . ولذا جعل بعضهم ذلك دلیلاً علی کذب
راویہ . وكل هذان القرائن فی المردی . وقد تكون فی الراوی .
كقصۃ غیاث مع المهدی . او الفرادۃ عن لمید رکتہ بمالم
یوحید عند غیرہ . او الفرادۃ بشیء مع کونہ مما یلزم علمہ
وقطع العذر فیہ كما قررہ الخطیب فی اول الکفایہ . او بامر جیم
یتوفر الداعی علی نقلہ کحصر عدد الحاجاج عن البیت .
(فتح المغیث مطبوعہ لکھنؤ ص ۱۱۳)

ابن جوزی نے کہا ہر حدیث جو خلاف عقل ہو یا مسلمہ اصول کے منافی ہو پس سمجھ لو کہ وہ
موضوع ہے . اس کے اعتبار کا تکلف بھی نہیں کیا جائیگا . یعنی اس کے رواد کو معتبر خیال نہیں کیا
جائیگا اور اس کی جرح میں غور نہیں کیا جائیگا یا ایسی روایت ہو جو حسن اور مشاہدے کے خلاف
ہو یا مخالف ہو نص کتاب کے یا سنت متواترہ کے اجماع قطعی کے اس طرح کہ قابل تاویل
بھی نہ ہو . یا معمولی غلطی پر سخت وعید ہو چھوٹے سے عمل پر بڑا وعدہ ہو اور آخری
بات قصہ خوانوں کے کلام میں یا بازاری واغظوں کے کلام میں کثرت سے پائی جاتی ہے
یا رکتہ معنی سو جیسے کدو نہ کھاؤ جب تک اسے ذبح نہ کر لو اور اسی لئے اسے بعض ناقدین
نے کذب راوی پر محمول کیا . ان تمام قرائن کا تعلق مفہوم روایت سے ہے جو قرینہ
قوی سے موضوع ہو . کبھی عیوب راوی میں ہوتے ہیں جیسے کہ مہدی کے ساتھ غیاث کا
قصہ ہے یا ایسے شخص^{۱۳} سے منفرد روایت کرنا جس سے ملانہ ہو اور یہ روایت اس
کے سوا کسی اور کے پاس نہ ہو . یا ایسی^{۱۴} بات بیان کرے جسے نسب کو معلوم ہونا
چاہیے تھا مگر اس کے سوا کسی کو معلوم نہ ہو اور کوئی عذر بھی نہ ہو جیسا کہ خطیب نے
اپنی کتاب کفایہ کے شروع میں بیان کیا . یا ایسا^{۱۵} اہم واقعہ ذکر کرے جو کثرت
سے منقول ہونا چاہیے تھا جیسا کہ حج سے حاج کو روک دینا .

ابن جوزی نے اس عبارت میں یہ ظاہر کیا ہے کہ کسی ایسی روایت کو بغیر کسی تحقیق
وتفتیش کے اور رواد کی جانچ پڑتال کے رد کیا جاسکتا ہے . جو مندرجہ ذیل اصولوں
کے خلاف ہو :-

۱ جو عقل کے خلاف ہو .

۲ جو مسلمہ اصولوں کے خلاف ہو .

- ۳ جو محسوسات اور مشاہدات کے خلاف ہو۔
- ۴ جو قرآن کے خلاف ہو۔
- ۵ جو سنت متواترہ کے خلاف ہو۔
- ۶ جو اجماع قطعی کے خلاف ہو۔ اور تاویل کی گنجائش نہ رکھتی ہو۔
- ۷ جس میں معمولی بات پر سنت عذاب کی دھمکی ہو۔
- ۸ جس میں معمولی کام پر بڑے انعام کا وعدہ ہو۔
- ۹ جو رکیک المعنی ہو۔ مثلاً یہ کہ کدو کو بغیر ذبح کئے نہ کھاؤ۔
- ۱۰ سند میں انقطاع ہو اور راوی اسے بیان نہ کرتا ہو۔
- ۱۱ جس سے واقفیت تمام لوگوں کے پیٹے ضروری ہو۔ لیکن اسے بیان صرف ایک آدمی کرے۔
- ۱۲ جس میں ایسا اہم واقعہ بیان کیا جائے کہ اگر وہ وقوع میں آتا تو سینکڑوں اور ہزاروں آدمی اسے بیان کرتے۔ لیکن اسے صرف ایک آدمی بیان کرے۔
- ملا علی قاری نے اپنی کتاب موضوعات کے آخر میں روایات کے غیر معتبر ہونے کے چند اصول لکھے ہیں جن کا خلاصہ یہ ہے :
- ۱ جس روایت میں ایسی فضول باتیں ہوں جو کبھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی سے نہیں نکل سکتیں۔ مثلاً یہ روایت کہ جو شخص لا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ کہتا ہے خدا اس کلمہ سے ایک پرندہ پیدا کرتا ہے جس کی ستر زبانیں ہوتی ہیں۔ اور ہر زبان میں ستر ہزار لغات ہوتے ہیں۔
- ۲ وہ حدیث جو مشاہدے کے خلاف ہو۔ مثلاً یہ حدیث کہ بینکن کھانا ہر مرض کی دوا ہے۔
- ۳ وہ حدیث جو صریح اور واضح احادیث کے خلاف ہو۔
- ۴ وہ روایت جو واقعہ کے خلاف ہو۔ مثلاً دھوپ میں رکھے ہوئے پانی سے نہانے سے پھلپھری پیدا ہوتی ہے۔
- ۵ وہ روایت جو انبیاء کے کلام سے مشابہت نہ رکھتی ہو۔ مثلاً یہ روایت کہ تین چیزیں نظر کو تمیز کرتی ہیں۔ ۱۔ سبزہ زار۔ ۲۔ آب رواں۔ ۳۔ حسینوں کو دیکھنا۔
- ۶ وہ روایات جن میں آئندہ کی پیشین گوئیاں بقید تاریخ ذکر کی گئی ہیں۔

۷ وہ روایات جو طبیعوں کے کلام سے مشابہ ہوں، جیسے حلوہ کھانا طاقت کا باعث ہے۔

۸ وہ حدیث جو عادیۃ اللہ کے خلاف ہو، مثلاً دنیا کی عمر ۷ ہزار برس ہے۔ حالانکہ قرآن کہتا ہے کہ کسی کو معلوم نہیں۔

۹ خضر سے متعلق تمام احادیث۔

۱۰ جس روایت کے الفاظ رکیک ہوں۔

۱۱ وہ روایات جو قرآن کی الگ الگ سورتوں کے فضائل میں آئی ہیں۔

محدثین اور ارباب سیر نے مذکورہ بالا اصولوں سے کام لے کر روایات کو جانچا اور پرکھا جو ان اصولوں پر پوری اتریں انہیں قبول کر لیا۔ اور جو ان پر پوری نہ اتریں ان کو رد کر دیا۔

کیا صرف راوی کا ثقہ ہونا قبولِ روایت کے لئے کافی ہے؟

واقعات کی تنقیح اور توضیح میں یہ خیال رکھنا بھی ضروری ہے کہ واقعے کی نوعیت بدل جانے سے روایت اور شہادت کی نوعیت بھی بدل جاتی ہے۔ ایک ثقہ راوی ایسا واقعہ بیان کرتا ہے جو عموماً پیش آسکتا ہے تو بے تکلف اس کی روایت قبول کر لی جائے گی۔ لیکن اگر وہی راوی ایسا واقعہ بیان کرتا ہے جو غیر معمولی ہو اور تجربہ عام کے خلاف ہو، اور گرد و پیش کے حالات سے مطابقت نہ رکھتا ہو تو اس قسم کا واقعہ زیادہ محتاج ثبوت ہوگا۔ اس روایت کے لئے راوی کا محض ثقہ ہونا کافی نہیں۔ بلکہ اسے زیادہ محتاط اور نکتہ دان ہونا چاہیے۔

ثقاہت کے ساتھ ثقاہت بھی ضروری ہے

اصحابِ درایت نے ان صفاتِ راوی کو صحابہ تک پر منطبق کیا ہے۔ مثلاً جو صحابہ فقیہ نہ تھے۔ ان کی روایت اگر قیاسِ شرعی کے خلاف ہو تو واجب العمل ہوگی یا نہیں؟ اس کے متعلق بحر العلوم امام فخر الاسلام کا مذہب نقل کر کے لکھتے ہیں کہ۔

ووجه قول امام فخر الاسلام ان النقل بالسعی شائع۔ وقل

ما یوجب النقل باللفظ۔ فان حادثہ واحدة قد رویت بعبارات

مختلفة . ثم ان تلك العبارات ليست مترادفة بل قد روى ذلك
المعنى بعبارات مجازية . فاذا كان الراوى غير فقيه احتمال لخطا
في فهم المعنى المرادى الشرعى . ولا يلزم منه نسبة الكذب متعمدا
الى الصحابي معاذ الله عن ذلك (شرح مسلم الثبوت - مطبوعه
لکھنؤ ص ۴۲۲)

امام فخر الاسلام کے قول کی توجیہ یہ ہے کہ نقل بالمعنی شائع ہے . روایت باللفظ
بہت ہی کم پائی جاتی ہے . ایک ہی واقعہ مختلف عبارات میں ذکر کیا جاتا ہے اور یہ
عبارات مترادف نہیں ہوتیں . بلکہ کبھی یہ عبارات مجازی ہوتی ہیں . پس جب راوی
غیر فقیہ ہوتا ہے . تو اس سے جو شرعی معنی مراد ہیں ان کے سمجھنے میں غلطی کا احتمال
ہوتا ہے . لیکن اس کا یہ مقصد نہیں ہے کہ صحابی کی طرف ہم دانستہ جھوٹ
کی نسبت کر رہے ہیں معاذ اللہ .

محدثین بھی اس اصول سے بے خبر نہ تھے . امام بیہقی نے کتاب المدخل میں
ابن مہدی کا قول نقل کیا ہے کہ :

اذا ردینا فی الحلال والحرام والاحکام شدنا فی الاسانید و
انتقدنا فی الرجال . و اذا ردینا فی الفضائل والثواب والعقاب سهلنا
فی الاسانید و تسامحنا فی الرجال . (فتح المغیث ص ۱۲۰)
جب ہم حلال اور حرام کا ذکر کریں گے تو اسانید کی خوب دیکھ بجال کریں گے اور
رجال کا حسن و قبح معلوم کریں گے اور جب ہم ثواب و عذاب اور فضائل کا ذکر کریں
گے تو سندوں میں نرمی برتیں گے اور رجال میں تسامح سے کام لیں گے .
امام احمد کا قول ہے کہ :

ابن اسحاق رحیل تکتب عنه هذه الاحادیث یعنی المفادی
ونحوها . و اذا حياء الحلال والحرام اردنا قومًا هکذا . و قبض
اصابع یدیه الاربع . (فتح المغیث ص ۱۳۰)

ابن اسحاق ایسا شخص ہے جس سے یہ احادیث لی جاسکتی ہیں یعنی منازمی وغیرہ اور
جب حلال و حرام کا بیان ہو تو ہمیں ایسی قوم چاہیے اور اپنے ہاتھ کی چاروں انگلیاں مضبوطی
سے بند کر لیں .

یعنی جس درجہ کا واقعہ ہو اسی درجہ کی شہادت ہونی چاہیے . اور یہ کہ واقعہ کے بدلنے

سے شہادت کی اہمیت بدل جاتی ہے۔

واقعہ کی اہمیت شہادت کی اہمیت کا تقاضا کرتی ہے

واقعہ کی اہمیت کے لحاظ سے فقہائے حنفیہ نے ایک ضابطہ بنالیا ہے کہ جو روایت قیاس کے خلاف ہو اس روایت کا راوی فقیہ بھی ہے یا نہیں؟ چنانچہ منار میں ہے کہ:
والردی ان عرف بالفقہ والتقدم فی الاجتهاد بالخلفاء و
العبادۃ کان حدیثہ حجة . یتروک بہ القیاس . خلافاً لما لک . و
ان عرف بالعدالة والضبط دون الفقہ کانس و ابی ہریرۃ ان وافق
حدیثہ القیاس عمل بہ وان خالفہ لم یتروک الا بالمنروسة .
(نور الانوار ص ۱۷۶)

اور اگر راوی فقہ اور اجتہاد میں معروف ہو جیسے خلفاء اور عبادلہ تو اس کی حدیث حجت ہوگی اس کے مقابلے میں قیاس ترک کر دیا گیا۔ امام مالکؒ کا اس میں اختلاف ہے اور اگر عدالت اور ضبط میں تو معروف ہو لیکن فقہ میں نہیں جیسا کہ انس رضی اللہ عنہ اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہیں تو اگر ان کی حدیث قیاس کے موافق ہو تو اس پر عمل کیا جائے گا۔ اور اگر قیاس کے خلاف ہو تو ترک نہیں کی جائے گی مگر اشد ضرورت میں ترک ہو سکتی ہے۔

امر واقعہ اور قیاس راوی

سب سے زیادہ اہم اور قابل غور بات یہ ہے کہ راوی جو واقعہ بیان کر رہا ہے اس میں اصل واقعہ کتنا ہے اور راوی کا قیاس کس قدر ہے۔ تفحص اور تحقیق سے بعض جگہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ راوی جس امر کو واقعہ کی حیثیت سے بیان کر رہا ہے وہ اس کا قیاس ہے واقعہ نہیں ہے۔ مثلاً آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب ازواج مطہرات سے ناراض ہو کر بالا خانے میں تشریف لے رہے تو یہ مشہور ہو گیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ازواج کو طلاق دیدی ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ خبر سنی تو مسجد نبوی میں آئے یہاں لوگ کہہ رہے تھے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ازواج کو طلاق دیدی ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر دریافت

کیا تو آپ نے فرمایا کہ " نہیں ، میں نے طلاق تو نہیں دی " یہ حدیث بخاری شریف میں کئی جگہ باختلاف الفاظ مذکور ہے ۔ کتاب النکاح میں جو روایت ہے اس کی شرح میں حافظ ابن حجر لکھتے ہیں کہ :-

وان الاخبار التي تشاع ولو كثرت اقلوها ان لم يكن مرجعها الى امر حسي من مشاهدات او سماع لا تستلزم الصدق . فان جزم انصاري وكذا جزم الناس الذين رأاهم عمر عند المنبر بذلك محمول على انه شاع بينهم من شخص بناء على التوهم الذي توهمه من اعتزال النبي لساعة فظن لكونه لم تجر عاداته بذلك انه طلقهن . فشاع ذلك فتحدث الناس به واخلق بهذا الذي ابتداء وابتداء ذلك ان يكون من المنافقين كما تقدم (فتح الباري جلد ۹ کتاب النکاح مطبوعه مصر ص ۲۵۷)

جو خبریں مشہور ہیں اور ان کو نقل کرنے والے چاہے بہ کثرت ہی ہوں لیکن اگر ان کا مرجع امر حسی نہ ہو یعنی مشاہدہ یا سماع نہ ہو تو ضروری نہیں کہ وہ اخبار صحیح ہی ہوں ۔ جیسے انصاری کا یقین اور ان لوگوں کا بیان جن کو عمر رضی اللہ عنہ نے منبر رسول کے پاس دیکھا تھا ان کی خبر اس پر محمول ہے کہ ان لوگوں نے ایک شخص سے خبر سنی اور وہ ان میں پھیل گئی اس شخص نے نبی ﷺ کو ازدواج سے علیحدہ رہتے دیکھا اور آپ کی یہ عادت نہ تھی کہ علیحدہ رہیں تو اسے وہم ہوا کہ آپ نے اپنی بیویوں کو طلاق دیدی اور اس شخص سے یہ خبر لوگوں میں پھیل گئی اور لوگوں نے آگے بیان کر فی شروع کر دی ۔ اور عین ممکن ہے کہ جن لوگوں نے ابتداءً اس کی اشاعت کی وہ منافقین سے ہوں جیسا کہ ہم پہلے لکھ چکے ۔

ملاحظہ کیجئے کہ مسجد نبوی میں تمام صحابہ موجود ہیں اور سب کہہ رہے ہیں کہ آپ نے طلاق دیدی ہے ۔ صحابہ ثقہ ہیں عادل ہیں ۔ ان کی بڑی تعداد واقعے کو بیان کر رہی ہے باوجود اس کے تحقیق کی جاتی ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ واقعہ نہیں تھا ۔ حافظ ابن حجر نے خیال ظاہر کیا کہ راوی اول کوئی منافق ہوگا ۔ جس نے اس قیاس کی ابتدا کی ہوگی ۔

ثقة راوی کی خلاف عقل و مسلمات روایت مردود ہے

ایک اہم اور ضروری بحث یہ ہے کہ اگر کوئی روایت عقل کے خلاف ہو یا مسلمات کے خلاف ہو یا دوسرے قرائن صحیحہ سے متضاد ہو تو آیا صرف اس بنا پر واجب التسلیم ہوگی یا نہیں کہ اس کے راوی ثقہ ہیں اور سلسلہ سند متصل ہے۔

ابن جوزی کا خیال ہے کہ جو روایت عقل کے خلاف ہو اس کی جرح و تعدیل کی ضرورت نہیں۔ لیکن عقل کا مفہوم اضافی اور غیر متعین ہے۔ اس لئے انفرادی روایت میں جانچ پڑتال کا ہونا ضروری ہے۔ بایں ہمہ یہ اصول اپنی جگہ صحیح اور درست ہے۔

مثلاً صحیح بخاری میں ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے تین جھوٹ بولے ہیں۔ امام رازی اور دوسرے اہل علم نے اس حدیث سے اس بنا پر انکار کر دیا کہ اس سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا جھوٹ بولنا لازم آتا ہے۔ اور قرآن شریف میں ہے لَعْنَةُ اللَّهِ عَلَى الْكَاذِبِينَ۔ لہذا آسان صورت یہ ہے کہ ہم اس روایت ہی کو رد کر دیں اور پیغمبر کو جھوٹا کہنے کے بجائے راوی کو جھوٹا کہیں۔

خلاف واقعہ امور میں صحابہ رض کا انکار روایت

صحابہ کرام خود اس ضابطہ کی بنا پر بہت سی روایات کو رد کر دیتے تھے۔ مثلاً حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے عبد اللہ بن عباس کے سامنے یہ بیان کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس چیز کو آگ چھوئے اس کے کھانے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ حضرت ابن عباس رض نے کہا اس بناء پر تو لازم آتا ہے کہ ہم گرم پانی سے بھی وضو نہ کریں۔ حضرت ابو ہریرہ رض نے کہا بھئیجے! جب تم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی بات سنو تو کہاوتیں نہ کہا کرو (ابن ماجہ و ترمذی۔ حدیث الوحنوء مما مست الناس)

حضرت ابن عباس کے سامنے حضرت علی رض کے بعض مقدمات پیش کئے گئے۔ حضرت ابن عباس ان کی نقل لیتے جاتے تھے۔ اور بعض فیصلے چھوڑتے جاتے اور فرماتے تھے کہ وَاللّٰہِ مَا قَضٰی بِہِذَا اِن اِن یكون حنل (مقدمہ صحیح مسلم)

۳ محمود بن الربیع نے ایک جلسے میں یہ روایت بیان کی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص خالصاً خدا کے لئے لا الہ الا اللہ کہے گا خدا اس پر آگ عوام کروے گا، اس جلسے میں حضرت ابو الیوب انصاری بھی موجود تھے، جن کے مکان میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سات ماہ تک قیام پذیر رہے تھے، اس پر حضرت ابو الیوب نے فرمایا واللہ ما اظن رسول اللہ قال ما قلت قط۔ محمود بن الربیع صحابی تھے۔ لیکن حضرت ابو الیوب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مزاج، عمل اور عادت سے واقف تھے۔ اور یہ روایت اس کے منافی تھی، اس لئے اس کو رد کر دیا۔ اور یہ سمجھا کہ راوی سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام سمجھنے میں غلطی ہوئی۔ اور یہ نہیں سمجھا کہ راوی جھوٹا ہے۔ (بخاری باب صلوة النوافل جماعة)

اس لئے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بعض صحابہ سے کہا تھا کہ تم سچوں سے روایت کرتے ہو لیکن سامعہ غلطی کر جاتا ہے۔

۴ عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ نے جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سامنے یتیم کی روایت بیان کی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو یقین نہیں آیا اور فرمایا اتق اللہ یا عمار۔ چنانچہ جب ابو موسیٰ نے عبداللہ بن مسعود کے سامنے اس روایت سے استدلال کیا تو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی اس روایت سے تسلی نہیں ہوئی تھی (بخاری باب الیتیم)

۵ یہ ایک اختلافی مسئلہ ہے کہ جب عورت کو طلاق دیدی جائے تو عدت کے زمانے تک شوہر پر اس کا نان نفقہ اور رہائش کا انتظام واجب ہے یا نہیں۔ فاطمہ بنت قیس کا بیان ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو نان نفقہ اور مکان نہیں دلویا تھا۔ (فاطمہ کو اس کے شوہر نے طلاق دیدی تھی) اس نے جب یہ حدیث حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سامنے بیان کی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہم خدا کی کتاب اور اس کے نبی کی سنت کو ایک عورت کے بیان پر نہیں چھوڑ سکتے، جس کی نسبت ہمیں معلوم نہیں ہے کہ اس نے یا رکھا یا بھول گئی۔ (صحیح مسلم کتاب الطلاق)

محدثین کا قبول روایت میں تاثر

صحابہ کرام کے بعد محدثین میں ہمیشہ ایسا گروہ موجود رہا جو عقلی یا نقلی وجوہ کی بنا پر

بعض روایات کے تسلیم کرنے میں تامل کرتا تھا۔ خواہ ان کے روات کتنے ہی ثقہ اور مستند کیوں نہ ہوں۔

۶ ایک ضعیف حدیث ہے ”جس نے عشق کیا اور پاکدامن رہا اور وفات پائی وہ شہید ہو گیا“

زاد المعاد میں حافظ ابن قیم نے اس حدیث پر دلائل عقلیہ سے بحث کی ہے اور اسے باطل قرار دیدیا ہے اور آخر میں لکھا ہے کہ

لو كان اسناد هذا الحديث كالشمس كان غلطاً وهماً۔

۷ حضرت عباس اور حضرت علیؓ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آئے۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کہا اقض بینی و بین هذا الكاذب الاثر

الغادر الخائن (مسلم۔ کتاب الجہاد۔ باب الفی)

مجھ میں اور اس جھوٹے آثم دھوکے باز اور خائن میں فیصلہ کر دیجئے۔

علامہ ماذری اس روایت کی نسبت لکھتے ہیں :-

اذ النسبت طرق تاويلها نسبنا الكذب الى روايتها۔

(نودی شرح مسلم) اگر تاویل کے تمام راستے مسدود ہوں تو ہم راویوں کو جھوٹا قرار دیں گے۔

۸ بخاری میں روایت ہے کہ خدا نے جب حضرت آدمؑ کو پیدا کیا تو ان کا قد ساٹھ گز کا تھا۔ حافظ ابن حجر اس کے متعلق لکھتے ہیں۔

ولشكل على هذا ما يوجب الان من الآثار العلم السابقة كديار

شمود۔ فان مساكنهم تدل على ان قاماتهم لم تكن مفرطة

للطول على حسب ما يقتضيه الترتيب السابق..... ولم

يظهر الان ما يزيل الاشكال (فتح الباری جلد ۶ ص ۲۶ بدء الخلق)

اور اس پر یہ اعتراض ہے کہ جو آج پرانے علمی آثار پائے جاتے ہیں، جیسے دیار شمود تو ان کے رہائشی مکان پر ظاہر کرتے ہیں کہ ان کے قد زیادہ لمبے نہیں تھے جیسا کہ ترتیب سابق کا تقاضا ہے اور اب تک کوئی دلیل ایسی ہاتھ نہیں آئی جو اس اشکال کو دور کر سکے۔

۹ عمرو بن مہون سے روایت ہے کہ میں نے زمانہ جاہلیت میں ایک بندر کو دیکھا جس نے زنا کیا تھا۔ اس پر اور بندروں نے جمع ہو کر اُسے سنگسار کیا، حافظ ابن عبد البر

نے جو مشہور محدث ہیں اس بناء پر اس حدیث کی صحت میں تامل کیا کہ جالوز مکلف نہیں ہیں۔
اس لئے ان کے فعل پر نہ زنا کا اطلاق ہو سکتا ہے اور نہ اس بناء پر سزا دی جا سکتی ہے۔
حافظ ابن حجر لکھتے ہیں کہ

وقد استنكر ابن عبد البر قصة عمرو بن ميمون هذه وقال فيها
اضافة الزنا الى غير المكلف واقامة الحد على البهائم.

(فتح الباری مطبوعہ مصر جلد ۷ ص ۱۲۲)

ابن عبد البر نے عمرو بن میمون کے اس قصے کو اوپر خیال کیا اور کہا اس میں زنا کی
اضافت غیر مکلف کی طرف ہے اور بہائم پر حد قائم کی گئی ہے۔
اس قسم کے بہت سے واقعات ہیں جن سے ظاہر ہے کہ محدثین سند کے ساتھ
ساتھ یہ بھی دیکھتے تھے کہ دوسرے قرائن اور شواہد بھی اس کے موافق ہیں یا نہیں۔

روایت بالمعنی

ایک بڑا مرحلہ روایت بالمعنی کا ہے۔ یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یا صحابہ نے جو
الفاظ فرمائے تھے بعینہ وہی ادا کرنے چاہئیں یا ان کا مطلب ادا کر دینا کافی ہے۔ محدثین
اس بارے میں اختلاف رائے رکھتے ہیں۔ بعض محدثین نے روایت باللفظ کو ضروری
قرار دیا۔ جیسے عبد الملک بن عمر، ابو ذر غفاری، سالم بن جعدہ، قتادہ، امام مالک، ایک
ایک لفظ کی پابندی کرتے تھے۔ لیکن اس کی پابندی کرنا ہر شخص کا کام نہیں ہے۔
اسی لئے عام محدثین نے روایت بالمعنی کی اجازت دی ہے۔

سفیان بن عیینہ کا قول ہے کہ:

ان قلت لکم انی احدثکم کما سمعت فلا تصدقونی انما

هو المعنی (ترمذی، کتاب العلق)

اگر میں کہوں کہ میں تمہیں وہی سنارہا ہوں جو روایت میں نے سنی ہے تو

میری تصدیق نہ کرو میں صرف معنی بتا رہا ہوں (الفاظ نہیں)

بعض صحابہ روایت بیان کرنے میں بہت محتاط تھے۔ اسی لئے ان سے کم

روایتیں منقول ہیں۔ اس بحث کا کچھ حصہ پہلے گزر چکا ہے۔

خبر احاد

ایک اور بحث جو کسی طرح غیر اہم نہیں ہے وہ خبر احاد کی بحث ہے۔ اس قسم کی روایات کے تسلیم و انکار اور یقینی و ظنی ہونے کے متعلق اہل فن کے درمیان اختلاف ہے۔

معتزلہ روایات احاد کے تسلیم کرنے سے منکر ہیں۔ لیکن ان کا یہ انکار بد اہمیت کا انکار ہے ہمارے روزمرہ کے کام، ہزاروں روپے کا لین دین خبر احاد پر چلتا ہے۔ خبر احاد میں اعلیٰ درجہ کے یقین سے لے کر شک و کذب تک تمام مراتب پائے جاتے ہیں۔ راوی کی شخصیت اور اس کے اعتبار کے متعلق ان میں سے کوئی مرتبہ ہمارے تجربے اور مشاہدے کی بنا پر متعین ہوتا ہے۔

لیکن بعض دفعہ واقعہ کی اہمیت اور اس کا غیر معمولی ہونا ہمیں محبت سے معتبر راوی کی روایت قبول کرنے سے روکتا ہے۔ اور ایسے موقع پر ہم یا تو مزید اسی درجہ کی شہادت سے یقین تک پہنچنے کی کوشش کرتے ہیں۔ یا راوی کی سماعت یا بصارت کی غلطی پر محمول کر کے اسے قبول نہیں کرتے۔ یا راوی کی عفت اور عدم توجہ پر محمول کر کے اس واقعہ کو رد کر دیتے ہیں۔

مثال نمبر ۱

ایک مرتبہ ابو موسیٰ اشعری حضرت عمر رضی کی خدمت میں گئے۔ اور تین دفعہ اجازت مانگی۔ جواب نہ ملا۔ واپس چلے گئے۔ حضرت عمر رضی نے بلوایا اور واپسی کا سبب دریافت کیا۔ ابو موسیٰ نے کہا میں نے رسول اللہ صلی علیہ وسلم سے سنا ہے تین دفعہ اجازت چاہنے کے بعد اگر جواب نہ ملے تو واپس چلے جاؤ۔ حضرت عمر رضی نے فرمایا اس روایت پر گواہ لاؤ۔ ورنہ میں تمہیں سزا دوں گا۔ حضرت ابو موسیٰ نے شہادت پیش کی تو جان بچی۔

مثال نمبر ۲

حضرت ابو بکر رضی کے سامنے ایک میت کی دادی نے میراث کا دعویٰ کیا حضرت ابو بکر رضی

نے فرمایا۔ قرآن میں داری کی میراث مذکور نہیں اور نہ مجھے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی روایت معلوم ہے۔ مغیرہ بن شعبہ نے کہا آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کچھ حصہ دلا یا کرتے تھے۔ حضرت ابو بکر رض نے فرمایا کوئی گواہ پیش کرو۔ مغیرہ نے محمد بن مسلمہ کو شہادت میں پیش کیا۔ انہوں نے مغیرہ کی روایت کی تائید کی تب حضرت ابو بکر رض نے اس عورت کو میراث دلوائی۔ (ملخص سیرۃ النبی ص ۵۵)

انکارِ حدیث کے لیے حضرت عائشہ رض کے اپنے اصول

خلاف قرآن ہونا۔ ۱۔ جو روایت قرآن کے خلاف ہو وہ حضرت عائشہ رض کے لیے قابل قبول نہیں ہے۔

مثلاً غزوہ بدر میں جو کفار مارے گئے تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی نعشوں کے پاس کھڑے ہو کر فرمایا اهل وحبڈتکم ما وعد ربکم حقا۔ صحابہ رض نے عرض کی یا رسول اللہ آپ مردوں کو پکارتے ہیں۔ حضرت ابن عمر کا بیان ہے کہ اس کے جواب میں آپ نے فرمایا:

ما انتم باسمع منهم۔ وکن لا یحبون۔ یہ روایت جب حضرت عائشہ رض سے بیان کی گئی تو انہوں نے کہا کہ ”باسمع“ نہیں بلکہ ”با علم“ فرمایا تھا اس کے بعد حضرت عائشہ رض نے قرآن کی یہ آیت پڑھی: اِنَّكَ لَا تَسْمِعُ الْمَوْتٰی وَلَا تَسْمِعُ الْقَبْرِ الدُّعَاءَ الْاٰیۃ اور: وَمَا اَنْتَ بِمَسْمُوعٍ مِّنْ فِی الْقُبُوْرِ۔

وہم پر مبنی ہونا

۲ جس روایت کی بنیاد اوہام پر ہو وہ بھی حضرت عائشہ رض کے لیے قابل قبول نہیں ہے۔ مثلاً

حضرت ابو ہریرہ رض کی یہ روایت کہ بدشگونیاں تین چیزوں میں سے عورت، گھر اور گھوڑا۔ ۱ سے حضرت عائشہ رض نے سنا تو فرمایا کہ ابو ہریرہ رض نے پوری بات نہیں سنی۔ آپ یہ فرما رہے تھے کہ یہود کا یہ خیال ہے کہ بدشگونیاں.....

فطری مسلمات کے خلاف ہونا

۳ جو روایت فطرت کے مسئلہ اصول کے خلاف ہو وہ بھی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے لئے قابل قبول نہیں ہے۔ مثلاً

حضرت ابن عباس کی یہ روایت کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دوبار خدا سے عزوجل کو دیکھا۔ المسروق تابعی نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے جا کر پوچھا کہ کیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خدا کو دیکھا ہے۔ تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا تم نے ایسی بات کہی جس کو سن کر رو نگٹے کھڑے ہو گئے۔ جو تم سے یہ کہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خدا کو دیکھا وہ جھوٹ کہتا ہے۔ پھر یہ آیت پڑھی :-

لَا تَدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ - اور وما كان لبشر ان يكلمه الله الا وحيا او من وراء حجاب -

معمولات دین کے منافی ہونا

۴ ایسی شاذ روایت بھی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے لئے قابل قبول نہیں ہے جو معمولات دین کے منافی ہو۔ مثلاً

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی یہ روایت کہ :-
من لم يوتر فلا صلوة له -

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اسے سنا تو فرمایا میں نے ابوالقاسم کو یہ کہتے سنا ہے اور مجھے اب تک یاد ہے کہ جو پانچ نمازیں وضو کے ساتھ وقت پر پورے رکوع و سجود کے ساتھ ادا کرتا رہا اس میں کوئی کمی نہیں کی تو اس نے خدا سے عہد لے لیا کہ وہ اس پر عذاب نہ کرے گا۔ اور جس نے کمی کی اس نے عہد نہیں لیا۔ خدا چاہے تو بخشدے اور چاہے تو عذاب دے۔

سہولت شرعیہ کے منافی ہونا

۵ جو حدیث سہولت شرعی کے منافی ہو وہ بھی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے لئے قابل قبول

نہیں ہے۔
جیسے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا یہ فتویٰ کہ عورتیں ضروری غسل بال کھول کر کریں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے سنا تو فرمایا کہ ابن عمر کیوں نہیں کہہ دیتے کہ عورتیں اپنا سر منٹا دیں۔ ہم آپ کے زمانے میں غسل کرتی تھیں اور بال نہیں کھولتی تھیں۔

عظمتِ انسانی کے منافی ہونا

۶ وہ روایت بھی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے لئے قابل قبول نہیں ہے جو عظمتِ انسانی کے منافی ہو۔ مثلاً

ابو ہریرہؓ کی یہ روایت کہ اگر نمازی کے آگے سے گدھا یا عورت گزر جائے تو نماز ٹوٹ جاتی ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا عورتیں اس درجہ گر گئیں کہ گدھوں میں شامل ہو گئیں۔ میں گھر میں لیٹی ہوئی تھی اور آپ نماز پڑھتے تھے۔ بلکہ بعض دفعہ اپنے ہاتھ سے میرا پاؤں ایک طرف کر دیتے تھے۔

عام ضابطہ شرعی کے منافی ہونا

۷ جو روایت عام ضابطہ شرعی کے خلاف ہو وہ بھی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے لئے قابل قبول نہیں ہے۔ مثلاً

حضرت ابو ہریرہؓ کی یہ روایت کہ اگر مجھے خدا کی راہ میں کوڑا بھی لگے تو وہ مجھ کو ناجائز بچے کے آزاد کرنے کے مقابلہ میں زیادہ پسند ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ناجائز بچے اگر غلامی کی حالت میں ہوں تو ان کو آزاد کرنا کوئی ثواب کا کام نہیں ہے۔

جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو ابو ہریرہؓ کی یہ روایت معلوم ہوئی تو انہوں نے کہا خدا ابو ہریرہؓ پر رحم کرے نہ اچھی طرح سنا اور نہ اچھی طرح ادا کیا۔ اصل قصہ یہ ہے کہ فَلَا أَقْتَحَمَ الْعُقَبَةَ وَمَا أَذْرَاكَ مَا الْعُقَبَةُ فَلَا رُقَبَةَ۔ کے بارے میں کسی نے کہا یا رسول اللہ صلعم ہمارے پاس لونڈیاں غلام کہاں۔ کسی کے پاس کوئی حبشن ہے۔ اس کو ناجائز عمل کی اجازت دیجائے۔ اس سے

جو بچہ پیدا ہو اس کو آزاد کر دیا جائے۔ تو ارشاد ہوا کہ مجھ کو خدا کی راہ میں ایک کوڑا بھی لگے تو مجھ کو اس سے زیادہ پسند ہے کہ اس بُری بات کی اجازت دوں۔ اور اس سے جو بچہ پیدا ہو اس کو کہوں کہ آزاد کر دو۔

خلاف عقل ہونا

۸ جو روایت عقل کے خلاف ہو وہ بھی حضرت عائشہ رض کے لئے قابل انکار ہے۔ مثلاً

۲ ابو ہریرہ رض کی یہ روایت کہ جو مردے کو غسل دے اس کو غسل کرنا چاہیے۔ اور جو جنازہ اٹھائے اسے وضو کرنا چاہیے۔ اسے حضرت عائشہ رض نے سنا تو فرمایا رحمہ اللہ ابا عبد الرحمن سمع شیئاً فلم یحفظ۔
۵ ایک دوسری روایت میں یہ الفاظ ہیں: انکم لتحدثون من غیر
۶ کاذبین ولا مکذبین ولكن السمع یخطی۔

نتیجہ

۸ نقدِ حدیث کے مندرجہ بالا اصول اور قواعد کے مطابق ہشام بن عروہ کی
۹ مبعوث عنہا ناقص روایت اصول حدیث کے خلاف اور قابل انکار ہے اس لئے کہ:-

روایت ہشام ضابطہ تخلیق الہی کے خلاف ہے

ہشام بن عروہ کی یہ ناقص روایت قرآن کے بتائے ہوئے کائنات کے تدریجی خلقت اور نشوونما کا ذکر مندرجہ ذیل آیات میں کیا گیا ہے۔ اور روزِ ازل سے انسان اس فطری ارتقاء پر زندگی گزارتا آ رہا ہے۔

۱ ان فی خلق السموت والارض واختلاف اللیل والنہار لآیت
لاولی الالباب۔

۲ واللہ اخرجکم من بطون امہاتکم لاتعلمون شیئاً وجعل

لکم السمع والابصار والافئدة لعلکم تشکرون ۵ لم یروا
الی الطیر مسخرات فی جواء السماء ج ما یسکهن الا الله ج ان
فی ذلک لآیت لقوم یؤمنون ۵

۳ ولقد خلقنا الانسان من سلالة من طین ۵ ثم جعلناہ
نطفة فی قرار مکین ۵ ثم خلقنا النطفة علقۃ فخلقنا
العلقۃ مضغۃ فخلقنا المضغۃ عظاما فکسونا العظام
لحمًا ۵ ثم انشأناہ خلقًا اخر فتبرک الله احسن الخالقین
۴ الله الذی خلقکم من ضعف ثم جعل من بعد ضعف
قوة ثم جعل من بعد قوة ضعفاً وشیبہ ۵ یخلق ما
یشاء ۵ وهو العلیم القدیر ۵

۵ والله خلقکم من تراب ثم من نطفة ثم جعلکم ازواجاً
۶ یخلقکم فی بطون امہاتکم خلقاً من بعد خلق فی ظلمات
ثلث ۵ ذلکم الله ربکم له الملک لا اله الا هو ۵ فانی تصرفون
۷ هو الذی خلقکم من تراب ثم من نطفة ثم من علقۃ
ثم یمخرکم طفلاً ثم یتلفوا اسدکم ثم یتکونوا
شیوخاً ۵

۸ فطرت الله الستی فطر الناس علیہا ۵ لا تبدیل لخلق الله
۹ ولن تجد لسنة الله تبديلاً ۵
۱۰ ایحسب الانسان ان یتروک سدى ۵ المر یک نطفۃ من منی
یمنی ۵ ثم کان علقۃ فخلق فسوی ۵ فجعل منه الزوجین
الذکر والانثی ۵

ان تمام مذکورہ بالا آیات میں اللہ تعالیٰ اس کائنات کے نظم و ضبط پر غور کرنے کی
دعوت دیتا ہے ۵ اور اس کے بعد انسان کو اس طرف توجہ دلاتا ہے کہ اتنا عجیب
نظم بغیر کسی صانع حکیم کے نہیں ہو سکتا ۵ خصوصیت سے انسان کی پیدائش کے سلسلہ
میں ایک تدریج کا ذکر فرماتا ہے ۵ یہ تدریج قدرت کا ایک مستحکم نظم ہے ۵ اس
نظم کو توڑ کر کائنات کا کوئی فرد باہر نہیں نکل سکتا ۵ انسان کی پیدائش عام طور
سے نو مہینے میں ہوتی ہے ایک خاص مدت تک بچہ دودھ پیتا ہے ۵ پھر

(۱۱) بیشک آسمانوں اور زمین کے بنانے میں اور یکے بعد دیگرے رات اور دن کے آنے جانے میں دلائل ہیں۔ اہل عقل کے لئے۔

۲۔ اور اللہ تعالیٰ نے تم کو تمہاری ماؤں کے پیٹوں سے نکالا اس حالت میں کہ تم کچھ بھی نہ جانتے تھے اس نے تم کو کان دئے اور آنکھ اور دل دئے تاکہ تم شکر کرو۔ کیا لوگوں نے پرندوں کو نہیں دیکھا کہ آسمان کے تلے میدان میں مسخر ہو رہے ہیں ان کو کوئی نہیں تھا متا بحر اللہ کے اس میں ایمان والے لوگوں کے لئے چند دلیلیں ہیں (نحل ۸۳)

۳۔ اور ہم نے انسان کو مٹی کے خلاصے یعنی غدا سے بنایا۔ پھر ہم نے اس کو نطفے سے بنایا جو کہ ایک مدت معینہ تک ایک محفوظ مقام یعنی رحم میں رہا پھر ہم نے اس نطفے کو خون کا لونٹھڑا بنایا۔ پھر ہم نے خون کے لونٹھڑے کو گوشت کی بوٹی بنایا۔ پھر ہم نے اس بوٹی کے اجزاء کو ہڈیاں بنا دیا پھر ہم نے ان ہڈیوں پر گوشت چڑھایا پھر ہم نے اس میں روح ڈال کر اس کو ایک دوسری طرح کی مخلوق بنا دیا۔ سو کیسی بڑی مثال ہے اللہ کی جو تمام صنائعوں سے بڑھ کر ہے (مؤمنون ۱۱۴)

۴۔ اللہ ایسا ہے جس نے تم کو ناتوانی کی حالت میں بنایا پھر ناتوانی کے بعد توانائی عطا کی پھر توانائی کے بعد ضعف اور بڑھاپا کیا وہ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے وہ جاننے والا قدرت رکھنے والا ہے (روم ۱۱) اللہ نے تم کو زمین سے پیدا کیا ہے پھر استقلالاً نطفے سے پیدا کیا پھر تم کو جوڑے جوڑے بنایا۔ (فاطر ۲۰) تم کو تمہاری ماں کے پیٹ میں ایک کیفیت سے دوسری کیفیت پر بنا لیا ہے۔ تین تاریکیوں میں یہ ہے تمہارا رب اسی کی سلطنت ہے اس کے سوا کوئی لائق حکومت نہیں سوان دلائل کے بعد تم کہاں پھرے جا رہے ہو۔ (الزمر ۶)

۷۔ وہی ہے جس نے تم کو مٹی سے پیدا کیا پھر نطفے سے پھر خون کے لونٹھڑے سے پھر تم کو بچہ کر کے ماں کے پیٹ سے نکالتا ہے پھر تم کو زندہ رکھتا ہے تاکہ تم اپنی جوانی کو پہنچو پھر تاکہ تم بوڑھے ہو جاؤ۔ (غافر ۶۶)

۸۔ جس پر اللہ نے لوگوں کو پیدا کیا اللہ کی اس پیدائی میں کوئی چیز کو جس پر اس نے تمام آدمیوں کو پیدا کیا ہے بدلتا نہیں چاہیے بس سیدھا دین یہی ہے۔ (روم ۳۰)

۹۔ اور آپ خدا کے دستور میں کسی شخص کی طرف سے رد و بدل نہ پاویں گے۔ (احزاب ۶۲)

۱۰۔ کیا انسان یہ خیال کرتا ہے کہ یونہی مہل چھوڑ دیا جائے گا۔ کیا یہ شخص ابتداء میں ایک قطرہ مٹی نہ تھا جو عورت کے رحم میں ٹپکایا گیا تھا۔ پھر وہ خون کا لونٹھڑا ہو گیا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اس کو انسان بنایا۔ پھر اعضاء درست کئے پھر اس کی دو قسمیں کر دیں نر اور مادہ (قیامہ ۲۵)

دانت نکل آتے ہیں۔ کھانے پینے لگ جاتا ہے۔ پھر وہ عارضی دانت گر جاتے ہیں۔ قوی نشوونما پاتے چلے جاتے ہیں۔ ۱۲۔ ۱۳ سال کی عمر سے ایک اور تغیر شروع ہوتا ہے۔ قدرت نوعی اور جنسی افعال کی تکمیل کے لئے فرد کو تیار کرتی ہے۔ جوانی کی علامات اس میں ظاہر ہونے لگتی ہیں۔ مرد ہونے کی صورت میں واڑھی اور مونچھیں نکلتی شروع ہو جاتی ہیں۔ آواز بھاری ہو جاتی ہے۔ ناک کے ننھنے کھلنے اور ن میں بال اُگنے لگتے ہیں۔ بغل اور عانے پر بال آنے شروع ہو جاتے ہیں۔ عورت ہونے کی صورت میں سینے میں ابھار پیدا ہونے لگتا ہے۔ آیام شروع ہو جاتے ہیں۔ جسم میں ایک خاص تناسب پیدا ہو جاتا ہے۔ غدو نسوانی اپنا پورا کام شروع کر دیتے ہیں۔

کچھ عرصے تک انسانی قوی کمال کی حالت میں چلتے رہتے ہیں۔ پھر ان میں انحطاط آنا شروع ہو جاتا ہے۔ انسان جوانی سے بڑھاپے کی طرف لوٹتا ہے رفتہ رفتہ توالد و تناسل کی قوتوں سے محروم ہو جاتا ہے اور ایک روز انفرادی حیثیت سے ختم ہو جاتا ہے۔

قدرت نے ہر نوع کے لئے علیحدہ علیحدہ ضابطے مقرر کئے ہیں۔ ہر نوع کے افراد اس ضابطہ کے مطابق پیدا ہوتے ہیں۔ جوان ہوتے ہیں۔ بوڑھے ہوتے ہیں۔ مر جاتے ہیں۔

جو لوگ انواع کا تجربہ رکھتے ہیں وہ بتلا سکتے ہیں کہ فلاں فلاں نوع میں بچپن، جوانی اور بڑھاپے کے یہ ضابطے ہیں۔ اور توالد و تناسل کے یہ ضابطے ہیں۔ موسم اور آب و ہوا کے اختلاف کی بنا پر فرد کے حالات میں کچھ اختلاف ہو جاتا ہے۔ لیکن بہت زیادہ نہیں ہوتا۔ قدرت کے انہی ضابطوں پر شریعت کے بہت سے احکام موقوف ہیں مثلاً قربانی کے جائز کے لئے ایک خاص عمر شرط ہے۔ زکوٰۃ میں جو جائز لئے جاتے ہیں وہ عمروں کے لحاظ سے لئے جاتے ہیں۔ ہماری شرعی زندگی میں یہ ضابطہ بنیادی حیثیت رکھتا ہے۔ پردے کے احکام۔ خلوت صحیحہ کے احکام مہر کے احکام۔ تکلیفات شرعیہ۔ نماز۔ روزہ۔ حج۔ زکوٰۃ۔ حدود کا قیام۔ جرائم کا ثبوت سب اسی ضابطہ پر موقوف ہیں۔ بچہ تو کسی حکم کا مکلف ہی نہیں ہے۔ جب بالغ ہو جائے تب اس پر اعمال فرض

ہوتے ہیں ۔

جب کسی فرد میں خاص علامات جسمانی جن کا شریعت نے اعتبار کیا پیدا ہو جاتی ہیں ۔ تو اس پر احکام شرعیہ واجب ہو جاتے ہیں ۔ لڑکی کو جب ایام شروع ہو جاتے ہیں ، لڑکے کو جب احتلام ہونے لگتا ہے ۔ علیٰ ہذا لڑکی میں قبول حمل کی صلاحیت اور لڑکے میں اجمال کی قابلیت بلوغ کی علامات ہیں لیکن اگر یہ علامات ظاہر نہ ہوں تو فقہاء نے تجربے اور مشاہدے کی بناء پر کچھ ضابطے مقرر کئے ہیں ۔ جن سے کسی فرد کے بلوغ کا فیصلہ کیا جاتا ہے ۔

یہ بحث اگرچہ براہ راست ہمارے موضوع سے تعلق نہیں رکھتی لیکن واضح کرنے کے لئے کہ فقہاء نے بلوغ کی اوسط عمر کیا مقرر کی ہے ۔ ہم ان اقوال کی روشنی میں اس روایت پر گفتگو کریں گے ۔
یہ روایت چونکہ عمر کے قدرتی ضابطوں کے خلاف ہے ۔ اس لئے اس پہلو سے اس پر گفتگو کرنا ضروری ہے ۔

صغیر و بلوغ کی فقہی بحث

الصغیر وصف في الانسان من ولادته الى ان يبلغ الحلم . وسبب الصغیر عدم تکامل القوى الانسانية البشرية ما يعرف به بلوغ الصغیر . ويعرف بلوغ الصغیر قارة بالسن وقارة بعلامات تدل على انه قد بلغ وان لم يبلغ حد السن المقرر في بيان ذلك تفصيل المذهب .

صغیر انسان میں وہ وصف ہے جو پیدائش سے بالغ ہونے تک پایا جاتا ہے اور سبب صغیر بشری قوائے نفسانیہ کی عدم تکمیل ہے ۔ جن پر بلوغت مبنی ہے اور جن سے بلوغت پہچانی جاتی ہے ۔ بلوغت کبھی عمر سے معلوم کی جاتی ہے اور کبھی ان علامات سے جو ظاہر کرتی ہیں کہ بچہ بالغ ہو گیا اور اگر مقررہ عمر تک نہ پہنچا ہو تو اس کے بیان میں تفصیل مذاہب

حنفی نقطہ نظر

الحنفية قالوا يعرف البلوغ في الذكر بالاحتلام وانزال
المني واحبال المرأة . و في الانثى بالحيض والحبل . فاذا لم
يعلم شيء من ذلك عنهما فان بلوغهما يعرف بالسن .
فمتى بلغ سنهما خمس عشرة سنة فقد بلغ الحلم على
المفتي به . وقال ابو حنيفة انما يبلغان بالسن اذا تم
الذكر ثمان عشرة سنة والانثى سبع عشرة سنة .
حنفيہ نے کہا مذکر میں بلوغ معلوم کیا جاتا ہے احتلام سے انزال منی
سے اور عورت کو حاملہ کرنے سے اور مؤثث میں حیض سے اور حمل سے
اور جب مذکورہ بالا علامات میں سے کوئی علامت بھی نہ پائی جائے تو عمر
سے بلوغت کا حکم لگائیں گے جب دونوں کی عمر پندرہ سال ہو جائے
تو وہ مفتی بہ قول کے مطابق بالغ ہو گئے اور امام ابو حنیفہ نے کہا وہ
عمر کے لحاظ سے تب بالغ قرار دیئے جائیں گے . جب مذکر اٹھارہ سال
پورے کر لے اور مؤثث سترہ سال .

مالکی نقطہ نظر

وقال المالكية يعرف البلوغ بعلامات . احدها انزال
المني مطلقا في اليقظة او في الحلم . وثانيها الحيض و
الحبل وهو خاص بالمرأة . وثالثها انبات شعر العانة
الخشن . اما الشعر الرقيق (الزغب) فانه ليس بعلامة .
ومتى نبت شعر العانة الخشن كان ذلك علامة على التكليف
بالنسبة لحقوق الله من صلوة وصوم ونحوهما . وحقوق
عباد الله على التحقيق . ورابعها نبتن الابط . خامسها فرق

الارنبۃ الالف . و سادسہا غلط الصوت . فاذا لم يظهر
شئ من ذلك كان بلوغ الصغیر بالسن . وهو ان يتم
ثمان عشر سنة و قيل يبلغ بمجرد الدخول في السنة
الثامنة عشر .

مالکیہ نے کہا بلوغت چند علامات سے پہچانی جاتی ہے

۱۔ پہلی انزال منی مطلقاً سموتے میں ہونا جاگتے میں

۲۔ دوسرے حیض اور حمل یہ مخصوص ہے عورت سے اور

۳۔ تیسرے عانہ پر موٹے سخت بال آگ آنا اور رُویں کا پایا جانا

علامت بلوغ نہیں ہے . جب سخت بال پیدا ہو جائیں تو یہ

تکلیفات شرعیہ کو لازم قرار دیں گے . جیسے حقوق الشہ نماز روزہ وغیرہ

اور حقوق العباد . تحقیق یہی ہے .

۴۔ بغل میں بو کا پیدا ہونا

۵۔ پانچویں نمٹنوں کا پھیل جانا

۶۔ چھٹے آواز کا پھٹ جانا . بھاری ہو جانا اور اگر ان علامات میں سے کوئی

چیز ظاہر نہ ہو تو پھر عمر کے لحاظ سے بالغ کہیں گے . اور وہ یہ ہے کہ

اٹھارہ سال پورے کر لے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اٹھارویں سال

میں داخل ہوتے ہی بلوغت کا حکم لگا دیا جائے گا .

شافعی نقطہ نظر

۳

والشافعیۃ قالوا يعرف بلوغ الذکر والانثی بتمام خمس

عشر سنة بالتحديد . و يعرف بعلامات . و ذلك منها

الامناء . ومنها الحيض في الانثی . و هو ممكن اذا بلغت

تسع سنين تقريباً .

شافعیہ نے کہا مذکر و مؤنث کا بلوغ پندرہ سال پورے ہوتے ہی ثابت

ہو جائیگا . اور علامات سے بھی پہچانا جاتا ہے . ان میں سے منی کا نکلنا

اور مؤنث میں حیض کا آنا اور یہ ممکن ہے ۹ سال کی عمر میں .

حنبل نقطہ نظر

۴

والحنابلة قالوا يحسب بلوغ الصغیر ذکر اکان او انثی بثلاثة
اشیاء . ۱- حدھا انزال المنی یقظة او مناماً سواء کان باحتلام
او جماع او غیر ذلك . والثانی نبات شعر العانة الخشت
الذی یمتاج فی ازالته الی الموسی . واما الشعر الرقیق
(الزغب) فانه لیس بعلامة . الثالث بلوغ سنهما
خمسی عشرة سنة كاملة . و تزید الانثی علی الذکر شیئین
احدهما الحيض وثانیهما الحمل .

حنابلہ نے کہا مونث ہو یا مذکر بلوغت کا حکم تین چیزوں کی وجہ سے لگایا
جائیگا

۱۔ انزال منی سوتے یا جاگتے چاہے احتلام سے ہو یا جماع سے یا اور
کسی طرح سے

۲۔ دوسرے عانہ پر سخت بال آجائیں جنہیں اُسترے سے صاف کرنے
کی ضرورت ہو نرم بال علامت نہیں ہیں

۳۔ تیسرے دونوں کی عمر پندرہ سال کامل ہو جائے مرد کے مقابلے میں
عورت میں دو علامات زیادہ ہیں حیض اور حمل .

سن بلوغ

تمام ائمہ مجتہدین نے اوسط عمر ۱۵ سال تسلیم کی ہے . اگر علامات بلوغ مکمل طور
پر ظاہر ہوں تو عمر کی کوئی قید نہیں ہے . لیکن اگر علامات ظاہر نہ ہوں تو سب نے
بالاتفاق کم از کم پندرہ سال اور امام مالک اور امام ابو حنیفہ نے ۱۴ سال اور اٹھارہ
سال مقرر کی ہے . اور سن رشد کو اس سے بھی آگے جا کر تسلیم کیا ہے .
۱۸ سے ۲۵ تک اس کی حد مقرر کی ہے .

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ اُحد میں سے ان لڑکوں کو نکال دیا تھا

جن کی عمر ۱۵ سال نہیں تھی۔ حضرت ابن عمر کا بیان ہے کہ مجھے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ احد میں شریک نہیں ہونے دیا کیونکہ میری عمر ۱۴ سال کی تھی اور جنگ احزاب میں شامل فرمایا کیونکہ میری عمر ۱۵ سال ہو چکی تھی۔ عام طور پر عامۃ الناس اسی عمر میں بالغ ہوتے ہیں اس لئے فقہاء نے اسی کو معتبر خیال کیا۔

بلوغ فطری

فطرت حیوانی یہ ہے کہ بلوغ کے بعد ایک خاص زمانہ آتا ہے جس میں مادہ حیوان کو تقرب کی خواہش ہوتی ہے۔ ہر نوع میں اس کی علامات جدا جدا ظاہر ہوتی ہیں جو بعض حیوانات کے متعلق تجربے اور مشاہدے سے ہمیں بھی معلوم ہیں۔ خصوصیت سے پالتو جانوروں میں ہر روز مشاہدہ کیا جاسکتا ہے اور تجربہ کار بنار پر بتایا جاسکتا ہے کہ جانوروں میں سے فلاں فلاں نوع میں بلوغت کی عمر یہ ہے اور خاص خاص نوع میں فلاں فلاں موسم تولد و تناسل کے ہیں۔

بلوغ انسانی

انسان ایک متمدن ذی حیات ہے۔ اس نے اپنی اس طبعی خواہش کو فطرت کے ہاتھ سے لے کر اپنے ارادے کے تابع کر لیا۔ اس لئے سکون قلب کے ساتھ اپنے فطری جذبے کو جب پورا کرنے کا موقع ملتا ہے۔ تو اس کے لئے اپنے آپ کو تیار پاتا ہے۔ لیکن یہ عمل یکطرفہ نہیں ہے۔ بلکہ دو صنفوں کا برابر کا معاملہ ہے۔ جب تک فریقین عمل تولد کے لئے تیار نہ ہوں۔ اس کا انجام پانا مشکل ہے۔ جب ایک فرد میں صلاحیت عمل ہی پیدا نہ ہوئی ہو ایسی صورت میں تکمیل عمل کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ بلکہ مخالف صنف میں بھی باوجود صلاحیت کے جذبہ عمل بیدار نہیں ہوتا۔ یہ جذبہ فعل میں صلاحیت محل سے بیدار ہوتا ہے۔ اور فریقین کی ملاحظت سے اس میں استحکام پیدا ہوتا ہے۔

جن نا پختہ بچیوں کو یہ معلوم ہی نہیں کہ عمل تولید کے داعی کیا ہیں وہ

بالغ آدمی کے لئے کس کام کی؟ ہم میں سے کسی نے آج تک نہیں سنا کہ سلیم الطبع آدمی نے چھوٹی بچی سے تقارب کیا ہو۔ کسی غیر متمدن قوم کے عمل میں بھی یہ بات داخل نہیں۔ حتیٰ کہ افریقہ کے وحشی قبائل بھی اس سے نا آشنا ہیں۔ بلکہ چھوٹی بچی کے ساتھ یہ ظلم اور زحمت ہے، عامل کے لئے بھی بجائے استلذاۃ کے اذیت کا سبب ہے۔ اور صنف مقابل کو بلا وجہ ذبح کرنے کے مترادف ہے۔

یہی وجہ ہے کہ جب تاریخ میں ہم یہ واقعہ پڑھتے ہیں تو طبیعت میں تنگی محسوس کرتے ہیں۔ اگر کسی شخص کا میلان چھوٹی بچیوں کی طرف ہو تو نفسیات کے نقطہ نظر سے ایسے شخص کو ذہنی مریض تصور کیا جائے گا۔

مقصد بلوغ

زن و شوئی کا فطری مقصد بقائے نسل ہے۔ مگر قدرت نے افراد نوع سے یہ مشکل کام لینے کے لئے اس میں ایک لذت رکھ دی ہے۔ اس لئے اس عمل کا مقصد فرد کی لذتیت کے سوا توالد و تناسل ہی ہے۔ جب محل میں صلاحیت ہی نہ ہوگی تو نہ فرد کو لذت حاصل ہوگی اور نہ فطرت کا مقصد تناسل ہی پورا ہوگا۔ اول تو اس حالت میں کوئی سلیم الطبع انسان اس عمل کے لئے تیار ہی نہ ہوگا۔ اور اگر غلطی سے کسی خبط الخواسی کا مرتکب ہو بھی گیا تو بعد میں اسے نادم ہونا پڑے گا۔

بلوغ اور متمدن اقوام

متمدن قوموں کا ایک خاص مزاج ہوتا ہے۔ جو مسلسل اور باقاعدگی افعال کی وجہ سے ان کی فطرت بن جاتا ہے۔ ان کے رسم و رواج میں ایک تسلسل اور یکسانیت پائی جاتی ہے۔ ان کی زندگی ایک ایسے ضابطے میں ڈھلی ہوئی ہوتی ہے کہ متمدن قوم کا ہر فرد شعوری اور غیر شعوری طریقہ سے اس سے ہٹنا پسند نہیں کرتا۔ ان کے رہنے پہنے، کھانے پینے، میل جول، آپس کے برتاؤ، کاروبار،

تعلیم و تربیت، رشتہ داروں سے تعلقات، بیاہ شادیوں کے رسم و رواج، حتیٰ کہ مخصوص لباس اور مرنے جینے تک کی باقاعدہ رسوم اور ضابطے ہوتے ہیں، اور اپنے وقت پر اپنی اپنی جگہ افراد قوم ان رسوم کو مشین کی طرح انجام دیتے ہیں۔

متمدن قوموں میں بیاہ شادی اوائل عمر میں نہیں کی جاتی، ان میں کم سنی کی شادی کا رواج نہیں ہوتا، بلکہ جب بچے پختہ عمر اور پختہ ذہن کو پہنچ جاتے ہیں تب شادی کی جاتی ہے، اس سے بھی بڑھ کر جب وہ کمانے کھانے لگ جاتے ہیں اس وقت شادی کی جاتی ہے۔

بلوغ اور تمدن عرب

عرب اسلام سے پہلے ایک متمدن قوم تھی، تجارت اس کا پیشہ تھا، اب تک بات ایک ضابطے کے طور پر تسلیم کی جاتی ہے کہ تجارت سب سے زیادہ ہمیشہ طبعہ ہوتا ہے، عربوں کی تجارت ساری دنیا سے تھی، وہ مشرقی ممالک سے بھی تجارت کرتے تھے، اور مغربی ممالک سے بھی، اصل میں اولادِ ابراہیم علیہ السلام ہونے کی وجہ سے چار ہزار سالہ ملتِ ابراہیمی کے رسم و رواج ان میں پائے جاتے تھے، مہمان نوازی، صلہ رحمی، ضعیفوں اور غریبوں کی امداد، نواب حق پر اعانت، پاس عہد، شجاعت ان کی نمایاں خصوصیات تھیں۔

ان کے ہاں شادی بیاہ کی پختہ رسوم تھیں، طلاق کے قاعدے تھے، مہر کی پابندی تھی، نکاح کا عام اعلان کیا جاتا تھا، عورتیں سرمایہ عزت سمجھی جاتی تھیں، برادری کی رائے کا پورا لحاظ کیا جاتا تھا، نکاح کے بعد ولیمہ کا طریقہ تھا، تعدد ازدواج کا عام رواج تھا، اولادِ نرینہ کو زندگی کا بہترین سرمایہ اور قوت کا ذریعہ خیال کیا جاتا تھا۔

لڑکیوں کی شادی کی عمر ۱۸ سال سے لے کر تیس سال تک تھی، لڑکے کی مالی حالت کو دیکھا جاتا تھا، بڑھاپے کے نکاح کو عیب نہیں سمجھا جاتا تھا، نکاح ثانی ایک عام بات تھی، عورتیں غیرت مند اور فہم و ذکاوت کی مالک تھیں۔

قدیم تاریخ عرب میں بچپن کی شادی کا کہیں سراغ نہیں ملتا، مردے تک کی رسوم مقرر تھیں، مردے کو نہلانا، کفننا اور دفننا سب کچھ مرد و عورتوں کا

مقرر تھا۔ اسلام نے ان کے معاشرتی ڈھانچے میں بہت کم تبدیلی کی ہے۔ جو اعمال روح اسلام کے منافی تھے ان کو ترک کر دیا اور جو اعمال روح اسلام سے متصادم نہیں تھے ان کو جوں کا توں قبول کر لیا۔

عربوں کے متمدن ہونے کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ ان کی زبان وسیع اور مختلف النوع کیفیات کی مظہر ہے۔ ایک ایک کیفیت کے لئے کئی کئی لفظ ملتے ہیں۔ اور کسی قوم کی زبان کی وسعت اس کے کمال تمدن کی دلیل ہوتی ہے۔ شعر ترقی یافتہ ذہن کا نتیجہ اور اثر ہوتا ہے۔ تنوع واردات اور جدت افکار زبان کی وسعت کے اسباب بھی ہیں۔ اور آثار بھی۔ عرب کے اشعار کا ذخیرہ اس کے تمدن کا ریکارڈ ہے۔

متمدن قوم ہونے کی وجہ سے عرب میں صغیر سنی کی شادی کا رواج نہیں تھا۔ بلکہ کسی بھی متمدن قوم میں اس کا عام رواج نہیں ملتا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی صاحبزادیوں کی شادیاں ۱۹-۱۹-۲۰-۲۰ سال کی عمر میں کیں۔ جیسا کہ ہم آئندہ صفحات میں سیر کی کتابوں سے حوالے دے کر ثابت کریں گے۔

بلوغ اور اعظم رجال

دنیا کے اعظم رجال کی تاریخ ہمارے سامنے ہے۔ ان میں سے کسی نے بھی اتنی کم عمر لڑکی سے شادی نہیں کی۔ دنیا کی تاریخ عورتوں کے کارناموں سے بھرپور ہے۔ اور شاہی محلات کی سازشوں میں تو اس کا بڑا ہاتھ ہوتا ہے۔ مختلف شاہان وقت نے اپنے اپنے وقت میں سینکڑوں شادیاں کیں۔ لیکن ان کے محلات میں کسی کم سن لڑکی کی شادی کا وجود نہیں ملتا۔ یہ عمل اعظم رجال کے کردار کے منافی اور ان کی بلند ہمتی کے خلاف ہے۔

بلوغ اور انبیاء سابقین

انبیاء سابقین کی کتابوں میں بہت کچھ تحریف ہوئی ہے۔ لیکن کس بچی سے

تقارب کی کوئی آیت کسی آسمانی کتاب میں نہیں ملتی .

بلوغ حضرت صدیقہ رضی

حضرت عائشہ رضی جہامت کے لحاظ سے وُبلّی پتلی تھیں . جیسا کہ ان کے اپنے بیان سے ظاہر ہے . اس لئے ایک نحیف الجثہ لڑکی کے متعلق یہ نہیں کہا جاسکتا کہ وہ کافی قبل از وقت بلوغ تک پہنچ جائے .
اس لئے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا ۹ سال کی عمر میں بالغ ہونا فطرت الانسانیہ اور عادت اللہ کے خلاف ہے .

روایت ہشام

احکام اتباع و عظمت رسول کے خلاف ہے

مندرجہ ذیل آیات میں اتباع و احترام رسول اور عظمت رسول کا سختی کے ساتھ حکم دیا گیا ہے .

- ۱ لقد من الله على المؤمنين اذ يعث فيهم رسولا من انفسهم يتلوا عليهم آياته ويزكيهم ويعلمهم الكتب والحكمة وان كانوا من قبل لفي ضلال مبين ۵
- ۲ فان تنازعتم في شئ فردوه الى الله والرسول ان كنتم تؤمنون بالله واليوم الآخر .
- ۳ فلا وربك لا يؤمنون حتى يحكموك فيما شجر بينهم ثم لا يجدوا في انفسهم حرجا مما قضيت ويسلموا تسليما .
- ۴ الذين يتبعون الرسول النبي الامي الذي يجردونه مكتوبا عندهم في التوراة والانجيل . يامرهم بالمعروف و

ينهاهم عن المنكر ويحل لهم الطيبات ويحرم عليهم
الخبيثات . ويضع عنهم اصرهم والاغلال التي كانت عليهم
فالذين امنوا به وعزروه ونصروا واتبعوا النور
الذي انزل معه اولئك هم المفلحون .

٥ قل ان كان اباؤكم وابناؤكم واهواؤكم وازواجكم
وعشيرتكم واموالكم اقترفتموها وتجارة تخشون
كسادها ومساكن ترحنونها يحب اليكم من الله و
رسوله وجهاد في سبيله فتربصوا حتى ياتي الله
بامر . والله لا يهدي القوم الفاسقين . (توبه)
٦ النبي ادلى بالمؤمنين من انفسهم وازواجه اهتهم
(احزاب)

٧ لقد كان لكم في رسول الله اسوة حسنة لمن كان
يرجو الله واليوم الآخر وذكر الله كثيرا . (احزاب)
٨ ان الذين يؤذون الله ورسوله لعنهم الله في الدنيا
والاخيرة واعد لهم عذابا مهينا . والذين يؤذون
المؤمنين والمؤمنات بغير ما اكتسبوا فقد احتملوا
بهتاننا واشما مبينا . (احزاب)

٩ يا ايها الذين امنوا لا تكونوا كالذين اذوا موسى فبرأه
الله مما قالوا وكان عند الله وجيها . (احزاب)
١٠ يا ايها الذين امنوا لا ترفعوا اصواتكم فوق صوت
النبي ولا تجهروا له بالقول كجهر بعضكم لبعض
ان تحيط اعمالكم وانتم لا تشعرون . ان الذين
يغضون اصواتهم عند رسول الله اولئك الذين امتحن
الله قلوبهم للتقوى . لهم مغفرة واجر عظيم
ان الذين ينادونك من وراء الحجرات اكثرهم
يعقلون . ولو انهم صبروا حتى تخرج اليهم
لكان خيرا لهم والله غفور رحيم . (حجرات)

- ۱۱ و ما ينطق عن الهوى ان هو الا وحى يوحى (النجم)
 ۱۲ و ما اتاكم الرسول فخذوه و ما نهاكم عنه فانتهوا
 و اتقوا الله ان الله شديد العقاب. (الحشر)
 ۱۳ يا ايها النبى انا ارسلناك شاهدا و مبشرا و نذيرا و
 داعيا الى الله باذنه و سرا جاميرا (احزاب)

بعثت برائے تزکیہ نفس

پہلی آیت میں خدائے تعالیٰ اپنی خاص عنایت کا ذکر فرماتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر مہربانی فرمائی کہ انہیں میں سے اپنا پیغمبر بھیجا جو انہیں قرآنی آیت سناتا ہے۔ جو سراسر موعظت پر مشتمل ہیں۔ ان آیات میں بہترین نظام زندگی ہے۔ قصص اہم سابقہ ہیں۔ قوموں کے عروج و زوال کے مستحکم ضابطے ہیں۔ ترقی و تنزل کے اسباب واضح طور پر پیش کئے گئے ہیں۔ جزا و سزا کے عادلانہ احکام ہیں۔ انسانی نفس کے تزکیہ کے لئے صالح عقائد ہیں۔ معتدل اعمال ہیں۔ متوازن زندگی گزارنے کا جامع پروگرام ہے۔ اعمال سیئہ کی نشان دہی کی گئی ہے۔ ان سے بچنے کے طریقے بتائے گئے ہیں۔ نفسانی بیماریوں کے دور کرنے پر زور دیا گیا ہے۔ نبی نے معتدل زندگی کا نمونہ پیش کر کے لوگوں کے لئے زندگی کے ہر شعبے میں رہنمائی پیش کی ہے۔ لوگوں کو علوم قرآن میں مہارت پیدا کر دئی ہے۔ اور علم کے دریا بہا دئیے ہیں۔ حالانکہ لوگ اس سے پہلے کھلی گمراہی میں مبتلا تھے۔

یہ ارشاد خداوندی بالکل ایسا ہی ہے جیسا کہ وبا کے دنوں میں کوئی مہربان حاکم کسی دانا حکیم کو مجرب نسخے اور کامل دوائیں دے کر بیماریوں کے علاج کے لئے بھیجے اور لوگ اس مہربان حاکم کی ہدایات پر عمل کر کے ہلاکت سے بچ جائیں۔

جسے خدا معلم المحکمات بنا کر بھیجے اس کے اقوال و اعمال سراسر حکمت کے مطابق ہوں گے۔ ان میں افراط و تفریط کا شائبہ تک نہ ہوگا۔

۱۔ درحقیقت اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر احسان کیا جبکہ ان میں ان ہی کی جنس سے ایک ایسے پیغمبر کو بھیجا کہ وہ ان لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی آیتیں پڑھ پڑھ سنا دیتے ہیں اور ان لوگوں کی صفائی کرتے رہتے ہیں اور ان کو کتاب اور فہم کی باتیں بتلاتے رہتے ہیں اور بالیقین یہ لوگ قبل سے صریح غلطی میں تھے۔ (ال عمران - ۶۴)

۲۔ پھر اگر تم کسی امر میں باہم اختلاف کرنے لگو تو اس امر کو اللہ اور رسول کے حوالے کر دیا کرو اگر تم اللہ پر اور

یوم قیامت پر ایمان رکھتے ہو۔ (النساء - ۵۹)

۳۔ پھر قسم ہے آپ کے رب کی یہ لوگ ایماندار نہ ہوں گے جب تک یہ بات نہ ہو کہ ان کے آپس میں جو جھگڑا واقع ہو اس میں یہ لوگ آپ سے تصفیہ کرادیں پھر آپ کے تصفیہ سے اپنے دلوں میں تنگی نہ پاویں اور پورا پورا تسلیم کر لیں (النساء - ۶۴)

۴۔ جو لوگ ایسے رسول نبی امی کا اتباع کرتے ہیں جن کو وہ لوگ اپنے پاس توریت و انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں (جن کی صفت یہ بھی ہے) وہ ان کو نیک باتوں کا حکم فرماتے ہیں اور بری باتوں سے منع کرتے ہیں اور پاکیزہ چیزوں کو ان کے لئے حلال بتلاتے ہیں اور گندی چیزوں کو (بدستور ان پر حرام فرماتے ہیں اور ان لوگوں پر) جو بوجھ اور طوق تھے ان کو دور کرتے ہیں۔ سو جو لوگ اس نبی موصوف پر ایمان لاتے ہیں، ان کی حمایت کرتے ہیں اور ان کی مدد کرتے ہیں اور اس نور کا اتباع کرتے ہیں۔ جو ان کے ساتھ بھیجا گیا ایسے لوگ پوری فلاح پانے والے

ہیں۔ (اعراف - ۵۶)

۵۔ آپ کہہ دیجیے کہ اگر تمہارے باپ تمہارے بیٹے تمہارے بھائی اور تمہاری بیبیاں اور تمہارا کنبہ اور مال جو تم نے کائے ہیں اور یہ وہ تجارت جس میں نکاسی نہ ہونے کا تم کو اندیشہ ہو اور وہ گھر جن کو تم پسند کرتے ہو تم کو اللہ سے اور اس کے رسول سے اور اس کی راہ میں جہاد کرنے سے زیادہ پیارے ہوں تو تم منتظر رہو، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اپنا حکم (سزلے ترک ہجرت) بھیج دیں اللہ تعالیٰ بے حکمی کرنے والے لوگوں کو ان کے مقصود تک نہیں پہنچاتا (توبہ - ۲۴)

۶۔ نبی مومنوں کے ساتھ خود ان کے نفس سے بھی زیادہ تعلق رکھتے ہیں اور آپ کی بیبیاں ان کی مائیں ہیں۔

(احزاب - ۶)

۷۔ اور تم لوگوں کے لئے یعنی ایسے شخص کے لئے جو اللہ سے اور روز آخرت سے ڈرتا ہو اور کثرت سے ذکر

الہی کرتا ہو رسول اللہ کا ایک عمدہ نمونہ موجود تھا۔ (احزاب - ۲۱)

۸۔ بیشک جو لوگ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کو ایذا دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان پر دنیا اور آخرت میں لعنت کرنا ہے

اور ان کے لئے ذلیل کرنے والا عذاب تیار کر رکھا ہے اور جو لوگ ایمان والے مردوں اور ایمان والی عورتوں

کو بدوں اس کے کہ انہوں نے کچھ کیا ہو، ایذا پہنچاتے ہیں وہ لوگ بہتان اور صریح گناہ کا بار لیتے ہیں (احزاب - ۵۸)

۹۔ اے ایمان والو! تم ان لوگوں کی طرح نہ ہو جانا جنہوں نے کچھ تہمت تراش کر موسیٰ کو ایذا دی تھی سو اللہ

نبی کریمؐ کے فرمان ہی معیار فیصلہ ہیں

انسان عبارت ہی جذبات و نفسیات سے ہے۔ انسان اور حیوان میں فرق یہ ہے کہ حیوانی زندگی میں کھانا پینا، اور تولید و تناسل ہی سب کچھ ہوتا ہے۔ لیکن حیوان نفسیاتی زندگی سے عاری ہے۔ اور انسانی زندگی کی بنیاد ہی نفسیاتی زندگی پر ہے (اس سے ہماری مراد یہ ہے کہ جذبات اور ان میں اعتدال رکھنے والی عقل حاکم) جب انسان کے دماغ پر کسی خاص جذبہ کا غلبہ ہوتا ہے اور دوسرے جذبات مغلوب ہو جاتے ہیں اور عقل حاکم بھی جذبے کی شدت کے سامنے بے بس ہو جاتی ہے پھر انسان اس غالب جذبے کی عینک سے ہر واقعے کو دیکھتا ہے۔ اور اس حالت میں اچھے اور بُرے کی تمیز نہیں کر سکتا۔ اپنی غلط بات اور اپنے غلط عمل کو بھی صحیح تصور کرتا ہے۔ اور ایسا سمجھنے اور کرنے پر انسان مجبور و مقبور ہوتا ہے۔ اس لئے ہماری زندگی میں لازمی طور سے ایسے ذریعے کی ضرورت ہے جو جذبات سے پاک ہو اور شدتِ جذبات کے وقت بے لاگ کسوٹی کا کام دے۔ اور ہم اپنے قول اور عمل کو اس کسوٹی پر پُرکھ کر فیصلہ کر سکیں کہ ہمارا فلاں قول اور عمل صحیح ہے اور فلاں غلط ہے۔ وہ کسوٹی خدا کا کلام اور رسول کی ذات ہے۔ اس لئے کسی جھگڑے کے وقت جب جذبات متلاطم ہوں۔ جھگڑے کی وجہ سے ذہنی فضا مکدر ہو۔ جذبات کی شدت میں آدمی نہ سوچ سکتا ہو اور نہ کچھ کر سکتا ہو تو اسے چاہیے کہ خود کچھ کرنے کی بجائے اپنا معاملہ خدا اور رسول کے سپرد کر دے

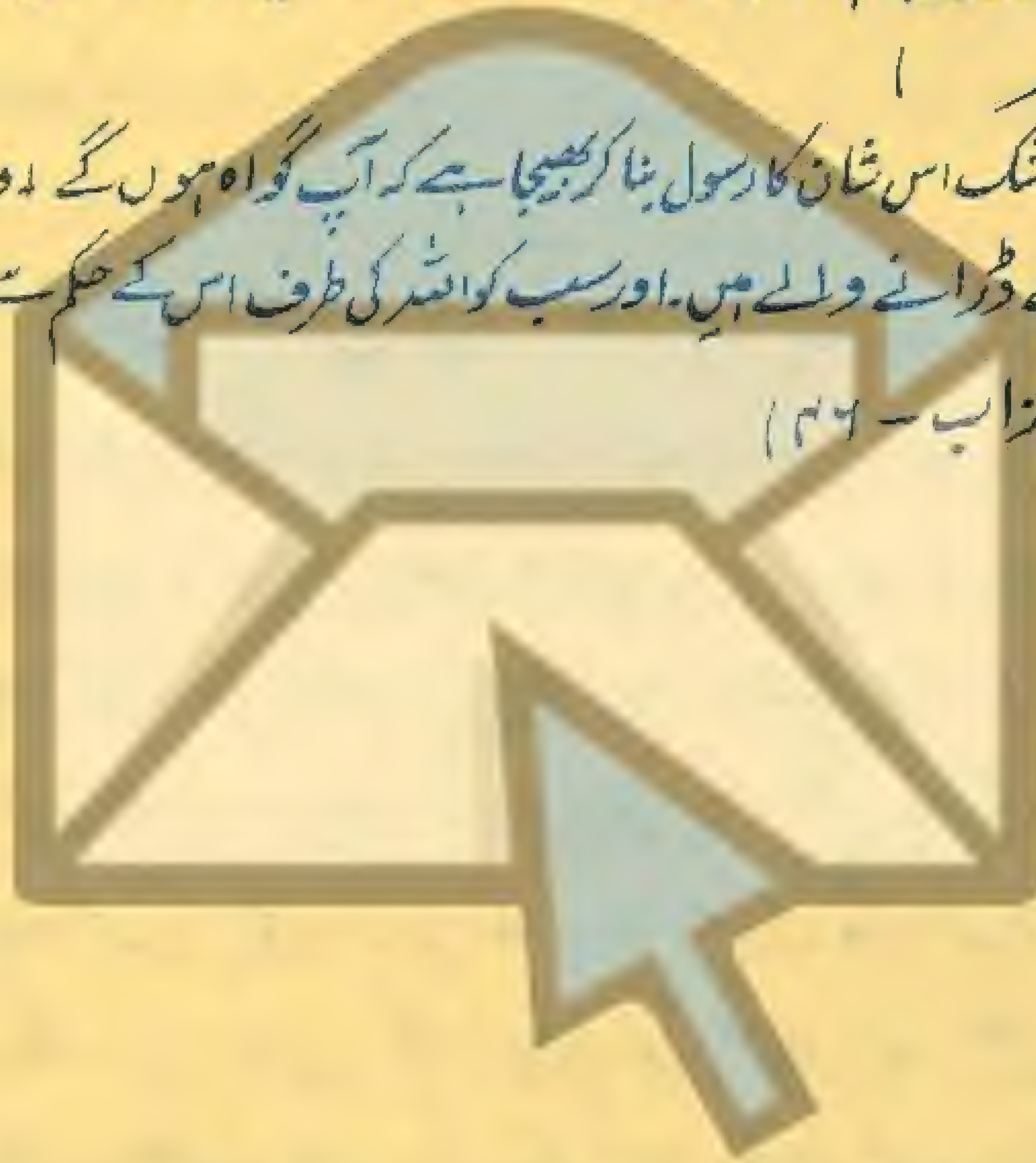
دنیا کھیل نہیں دارالعمل ہے

یہ کائنات بے مقصد نہیں ہے۔ یہ حیات و ممات قدرت کا محض کھیل نہیں ہے۔ یہ دنیا دارالعمل ہے۔ ہم جو کچھ یہاں کرتے ہیں اس کے ثمرات ہیں جو ہمیں آخرت میں بھگتنے ہوں گے۔

تعالیٰ نے ان کو بری ثابت کر دیا اور وہ اللہ کے نزدیک معزز تھے۔ (احزاب ۱)

- ۱۰۔ اے ایمان والو! تم اپنی آوازیں پیغمبر کی آواز سے بلند مت کیا کرو۔ اور نہ ان سے ایسے کھل کر بولا کرو۔ جیسے تم آپس میں ایک دوسرے سے کھل کر بولا کرتے ہو کہ میں تمہارے اعمال پر باد ہو جاؤں اور تم کو خبر بھی نہ ہو بیشک جو لوگ اپنی آوازوں کو رسول اللہ کے سامنے پست رکھتے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کے قلوب کو اللہ نے تقویٰ سے خام کر دیا ہے۔ ان لوگوں کے لئے مغفرت اور اجر عظیم ہے اور جو لوگ حجروں سے باہر سے آپ کو پکارتے ہیں۔ ان میں اکثروں کو عقل نہیں ہے اور اگر وہ ذرا صبر اور انتظار کرتے یہاں تک کہ آپ خود باہر ان کے پاس آجائے تو یہ ان کے لئے بہتر ہوتا کیوں کہ ادب کی بات تھی اور اللہ غفور رحیم ہے (حجرات - ۵)
- ۱۱۔ اور نہ آپ اپنی خواہش نفسانی سے باتیں بناتے ہیں۔ ان کا ارشاد نرمی و حنی ہے جو ان پر بھیجی جاتی ہے (الحجرات - ۲)
- ۱۲۔ اور رسول جو کچھ تم کو دے دیا کریں لے لیا کرو اور جس چیز کے لینے سے تم کو روک دیں۔ (اور لعموم الفاظ یہی حکم ہے افعال اور احکام میں بھی) تم رک جایا کرو۔ اللہ سے ڈرو۔ بیشک اللہ تعالیٰ مخالفت کرنے پر سخت سزا دینے والا ہے۔ (احزاب - ۱)

- ۱۳۔ اے بنی ہنہ تم کو بے شک اس شان کا رسول بنا کر بھیجا ہے کہ آپ گواہ ہوں گے اور آپ مؤمنین کے بشارت دینے والے ہیں اور کفار کے ڈرانے والے ہیں۔ اور سب کو اللہ کی طرف اس کے حکم سے بلانے والے ہیں اور آپ روشن چراغ ہیں۔ (احزاب - ۳۶)



جب ہم نے اس نظریے کو قبول کر لیا۔ اور اس کے مطابق اپنی زندگی کا لائحہ عمل مرتب کر لیا تو وہ ذات جس نے زندگی کے لئے یہ لائحہ عمل دیا، وہ ماخذ ہدایات سے ہدایات جاری ہوتی ہیں ہم اسے نظر انداز نہیں کر سکتے۔ اگر ہم اصل ماخذ ہدایات سے بے نیاز ہو جائیں تو یہ خسراتِ مبین ہے۔ اور اگر اس کے فرستادہ رسول سے جو ان ہدایات کو عملی صورت دے کر دکھاتا ہے اور ہدایاتِ خداوندی کا مجسم نمونہ بن کر ہمارے سامنے آتا ہے بے نیاز ہو جائیں تو زندگی کے سیدھے راستے سے ہٹ کر تباہی کا راستہ اختیار کریں گے۔ اَعَاذُنا اللہ منہ۔

غرض ایمان باللہ اور ایمان بالآخرۃ کا تقاضا یہ ہے کہ ہر موقع اور ہر محل پر خدا اور رسول کا رشتہ ہاتھ سے نہ چھوٹنے پائے۔ اور ہر تنازعے اور ہر جھگڑے کے وقت خدا اور رسول کے احکام کے سامنے سر جھکا دیں۔ اور ان کے فیصلے کو برفضاء رغبت قبول کریں۔

فرامینِ رسول ہی ماخذِ ہدایت ہیں۔

تیسری آیت میں ہمارے ایمان کا معیار اور اس کی پہچان بتائی گئی ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب ہے اور امت کے لئے صریح حکم ہے کہ جب تم نے خدا کے وجود اور رسولوں کے ارسال کے نظریے کو قبول کر لیا تو جو ہدایات رسول نے کر آیا ہے اس کو اپنی زندگی کے رہنما اصول کے طور پر تسلیم کرو۔ اور شرح صدر کے ساتھ قبول کرو، رسول کے فیصلے کو آخری اور ناطق خیال کرو۔ اور یہ سمجھو کہ اسی میں ہماری بھلائی ہے۔ اگر ہم اس معاملے میں اس سیرۃ کا اظہار نہ کریں گے تو دُعا و عملی کا شکار ہو جائیں گے۔ زندگی متوازن رہنے کے بجائے غیر متوازن ہو جائے گی۔ اور زندگی کے لئے ماخذِ ہدایات خدا اور رسول نہ رہیں گے۔ بلکہ ہمارا اپنا نفس ماخذِ ہدایات بن جائے گا۔ جس کے پاس تاریکیوں اور ضلالتوں کے سوا کچھ نہیں ہے۔ جس پر ہر وقت جذبات سوار رہتے ہیں۔ اور جہاں چاہیں اسے کھینچ لے جاتے ہیں جو مطلقہ جذبات ہو وہ ماخذِ ہدایات کیسے بن سکتا ہے۔ پھر حکم یہ ہے کہ نہ صرف یہ کہ رسول کا فیصلہ ہی قبول کریں۔ بلکہ اپنے خلاف فیصلے پر اپنی طبیعت میں انقباض بھی محسوس نہ کریں۔ اور یہی سمجھیں

کہ ہم غلطی پر تھے۔ اس فیصلے نے ہمیں سیدھا راستہ دکھلایا۔ اور اندھیرے میں تھے اس فیصلے نے روشنی دکھائی۔

جذبے سے مغلوب انسان میں یہ صلاحیت ہی نہیں رہتی کہ وہ صحیح فیصلہ کر سکے۔ بلکہ صحیح فیصلہ قبول کرنے کی صلاحیت بھی ختم ہو جاتی ہے۔ ایسے مواقع پر انسان کی قوت فیصلہ جواب دے جاتی ہے اور ان طبعاً رہنمائی کی احتیاج محسوس نہ ہونے کے باوجود وہ اپنے مخلص اور خیر خواہ لوگوں کی طرف رجوع کرنا پڑتا ہے۔ اور ایسے وقت میں وہ ان کے مشورے اس لئے قبول کرتا ہے کہ ایک تو وہ لوگ کسی خاص جذبے سے اتنے شدید متاثر نہیں ہوتے جتنا خود صاحبِ معاملہ ہوتا ہے۔ دوسرے صاحبِ معاملہ کو ان کی خیر خواہی پر اعتماد ہوتا ہے، حالانکہ ہمارے خیر خواہ بعض دفعہ ناقص معلومات کی بنا پر اور بعض دفعہ نامعلوم وجوہ کی بنا پر اور بعض دفعہ صاحبِ معاملہ سے متاثر ہو کر ایسا مشورہ دیتے ہیں جو واقعہ میں مفید نہیں ہوتا اور آئندہ زندگی میں تجربہ اسے غلط ثابت کر دیتا ہے۔ لیکن اس موقع پر خیر خواہوں کا غلط مشورہ قبول کر لیا جاتا ہے۔

بھلا بتائیے تو کہ اللہ اور رسول سے زیادہ مومنین کا خیر خواہ کون ہے۔ خدا عالم الغیب ہے، کوئی امر اس سے پوشیدہ نہیں۔ رسول کے متعلق خدا خود فرماتا ہے: **وَرَحِيصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِينَ رَؤُفٌ رَّحِيمٌ**۔ اس لئے مومنین کے متعلق رسول کے فیصلے ہر حالت میں مفید ہیں۔ اسی لئے ہر حالت میں یہ رضا و رغبت قابلِ قبول ہیں۔ ان فیصلوں سے قطع نظر پوری زندگی میں ہمیں وہی راستہ اختیار کرنا چاہیے جو رسول نے اپنے ارشاد و عمل سے معین فرما دیا۔ فلاح و فوز کا ایک ہی راستہ ہے اور وہ ہے آپ کا اتباع۔ اس زندگی میں ہمیں آپ ہی کے نقش قدم پر چلنا چاہیے۔ آپ کے ہر عمل میں ہمارے لئے اسوہ ہے۔ اور ہماری کامیابی و مہم فرازی اسی میں ہے کہ ہم آپ کی سنت سے ہمراہ نہ گریں۔ الایہ کہ کسی امر کو خود خدا تعالیٰ نے نبی کے لئے خاص قرار دیا ہو۔ **خَالَصَ لَكَ مِنَ الدُّنْيَا الْمُؤْمِنِينَ**۔

یہ آیت ۳ اگرچہ تنازعات اور خصومات کے لئے اتری ہے لیکن یہ حکم پوری زندگی کے لئے ہے کہ آپ کے ہر حکم کو بہتر سمجھ کر قبول کریں اور آپ کے ہر عمل کو بہتر سمجھ کر اختیار کریں۔ نیز آپ کے ہر عمل کو آخری نمونہ

تصور کریں، نبی کی تمام زندگی بہترین اعمال سے عبارت ہے، ہم آپ کے عمل کو جامع تصور کر کے اس پر اپنے عمل کی بنیاد رکھیں۔

نبی کی کوئی تعلیم عالمگیر انسانی صداقتوں کے منافی نہیں

چوتھی آیت میں اہل کتاب کی طرف اشارہ ہے کہ اس نبی کا ہماری سابقہ کتابوں میں ذکر ہے۔ اگر تم انجیل پڑھتے ہو اور اس کو خدا کی کتاب خیال کرتے ہو تو اس نبی پر ایمان لے آنا ضروری ہے۔

یاد رہے کہ یہ انسانی فطرت ہے کہ وہ اس زندگی میں جلیب منفعت اور رفع مفرت پر مجبول ہے۔ ہر معاملہ میں انسان کا غیر شعوری احساس یہی ہوتا ہے کہ نفع حاصل ہو اور نقصان سے بچا رہے۔

اس دنیا کی زندگی میں انسانی نسل نے تجربہ اور عمل سے کچھ امور متعین کر لئے ہیں جو مفید ہیں۔ ان سے افراد کی بھلائی اور نسل کی بہتری وابستہ ہے۔ ان امور کی اصل تو خدا کی ہدایات ہی ہیں جو اس نے ہر زمانے میں اپنے پیغمروں کے ذریعے انسانی نوع کو دی ہیں۔ لیکن یہی امور مسلسل تجربات کے بعد نسل انسانی کے مسلمات تسلیم کئے جاتے ہیں۔ مثلاً حقوق العباد کا خیال رکھنا، بڑوں کا ادب کرنا، چھوٹوں پر شفقت کرنا، والدین کی خدمت و اطاعت کرنا، کسی نظام کے تحت زندگی بسر کرنا، اچھی حکومت قائم کرنا، جھوٹ سے پرہیز کرنا، ظلم سے بچنا، قتل ناحق کا مرتکب نہ ہونا، چوری نہ کرنا وغیرہ۔

یہ سب کلمے ایسے ہیں جو ثبوتِ صحت سے مستثنیٰ ہیں۔ نسل انسانی نے ان کو بطور مسلمات قبول کر لیا ہے، ان کا حوالہ کافی ہے۔ ان کے مفید یا مضر ہونے پر کوئی دلیل نہیں مانگتا۔ اور نہ اس پر کوئی دلیل دیتا ہے۔ ایسے امور جن کا افادہ بطور مسلمات انسان نے قبول کر لیا ہے، شرعی زبان میں ”معدود“ کہلاتے ہیں۔ اور جن امور کی برائی طویل تجربہ کے بعد بطور مسلمات تسلیم کر لی گئی ہے وہ شرعی زبان میں ”مُنْکَر“ کہلاتے ہیں۔

تو رسول کوئی نیا اصول لے کر نہیں آیا۔ وہی پرانا سبق ہے جو یاد کرایا جا رہا ہے۔

شَرَعَ لَكُمْ مِنَ الدِّينِ مَا وَصَّى بِهِ نُوحًا وَالَّذِي أَوْحَيْنَا
إِلَيْكَ وَمَا وَحَيْنَا بِهِ إِبْرَاهِيمَ وَمُوسَى وَعِيسَى أَنْ أَقِيمُوا
الدِّينَ وَلَا تَفْرَقُوا فِيهِ كَبُرَ عَلَى الْمُشْرِكِينَ مَا تَدْعُوهُمْ
إِلَيْهِ . اللَّهُ يَجْتَبِي إِلَيْهِ مَنْ يَشَاءُ وَيَهْدِي إِلَيْهِ مَنْ
يَنْتَبِ

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر رسولوں کی بنیادی تبلیغ ہے۔ آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم بھی یہی فرماتے ہیں اور اسی پر عمل کرتے ہیں۔ لوگوں کو اسی
پر عمل کرنے کی تلقین فرماتے ہیں۔ یہ کوئی ادب پرستی اور نئی بات نہیں ہے۔
بلکہ نسل انسانی کے تجربات ہیں انہیں کو اپنا اصول بناؤ۔ کھانے پینے میں
جو چیزیں صحت بخش ہیں بدل مایتمل کی صلاحیت رکھتی ہیں۔ تندرستی اور
بقاء نوعی و شخصی میں مدد ہیں ان کے استعمال کی عام اجازت ہے۔ یہ دنیا
اور اس کی جائزہ پاکیزہ چیزیں ہمارے لئے ہیں۔ لیکن جو چیزیں مضر صحت
ہیں۔ فرد اور نوع کی بقاء میں مدد نہیں ہیں ان سے منع کر دیا گیا ہے۔ ہاں
کچھ چیزیں اپنی ذات میں جائز ہیں۔ لیکن ان کے حصول کا طریقہ صحیح نہیں
ہے ان سے بھی منع کر دیا گیا ہے۔ اگر غلط طریقوں سے حاصل کی ہوئی چیزوں
کی اجازت دی جائے تو کھانے پینے کی راہ سے نہیں بلکہ غلط معاشرتی اور
غلط تمدنی عمل سے انسانی زندگی اور نسل انسانی تباہ ہو جائے گی۔ اس لئے ضروریات
زندگی کے حصول کے طریقے متعین کر دیئے گئے ہیں جن میں نوع انسانی کی بھلائی
اور فلاح ہے۔ اور اس کے خلاف جو طریقے ہیں وہ تباہی کا موجب ہیں۔ چوری
کا مال حرام ہے۔ ڈکیتی حرام ہے۔ دھوکے سے حاصل کیا ہوا مال حرام ہے۔
وغیرہ وغیرہ۔ یا وہ چیزیں حرام قرار دیدی گئی ہیں جو کسی بنیادی عقیدے
سے متصادم ہوں جیسے غیر اللہ کے نام کے کھانے۔

خدا تعالیٰ نے یہ بڑی مہربانی فرمائی ہے کہ اپنے رسول کے ذریعے
ان رسوم اور خصلت عقائد سے نجات دلا دی جو نوع انسانی کی ترقی میں
بڑی رکاوٹ تھیں۔ اور ہمارے ذہن کو ہر قسم کی غلامی سے آزاد کرا دیا۔

صرف ایک خدا کے سوا اور سب کے سامنے رسوم عبودیت ادا کرنے سے آزاد ہو گئے۔ اولیام اور ذہنی بیماریوں سے نجات دلا دی۔ زندگی کا کام اتنا آسان اور ہلکا ہو گیا کہ انسان اپنے آپ کو بید ہلکا محسوس کرنے لگا۔

۵۔ محبت رسول ص کا غلبہ

پانچویں آیت میں ان بنیادی امور کا ذکر ہے جن سے جدارہ کر انسان زندگی نہیں گزار سکتا۔ اور جو ہماری زندگی کے اعمال کے محرکات اور محور ہیں۔ ان سے آدمی راحت و لذت حاصل کرتا ہے۔ یہ مایہ افتخار و مباہات ہیں۔ مگر اسلام نے ان چیزوں سے دلی تعلق کو بے لگام نہیں چھوڑا۔ بلکہ ان کے متعلق بھی ایک ضابطہ بنا دیا گیا ہے کہ اگر یہ چیزیں خدا اور رسول کے راستے میں حائل ہیں نہ حمت اور مصیبت ہیں۔ اور اگر حائل نہیں ہیں تو نہ حمت اور باعث خیر ہیں۔

ہماری زندگی کے اول و آخر رہنما خدا اور رسول ہیں۔ اور باقی چیزیں اس کے بعد ہیں۔ اگر وسائل کی محبت خدا اور رسول کی محبت پر غالب آ جائے تو ہم نے کھویا ہے کمایا نہیں ہے۔ اور اگر خدا اور رسول کی محبت ان پر غالب ہے۔ تو ہم کامران ہیں۔

اگر تمہارے آباؤ اجداد جن پر تم فخر کرتے ہو۔ تمہاری اولاد جو تمہاری زندگی کے ثمرات ہیں۔ اور جن کو تم اپنی طاقت خیال کرتے ہو اور تمہاری ازواج جو تمہارے دل کی راحت ہیں اور وہ مال جو تم نے پیدا کیا اور وہ تجارت کہ جس کے فیصل ہو جانے کا تمہیں ہر وقت ڈر رہتا ہے۔ اور یہ تمہارے قلعے اور محل اگر خدا اور رسول سے زیادہ محبوب ہیں اور اعلیٰ کلمۃ اللہ کے راستے میں حائل ہیں تو یہ سب تمہارے لئے موجب خسران ہیں۔

۶۔ نبیؐ اپنی ہر حیثیت میں واجب الطاعت ہیں

آیت ۷ کا کچھ حصہ تیسری آیت کے ضمن میں گزر چکا ہے۔ تم اپنے متعلق زیادہ بہتر نہیں سوچ سکتے۔ رسول کی ہدایات مومنین کے لئے ان کے اپنے

سوچنے سے زیادہ بہتر ہیں ۔
 انسان کی زندگی دو حصوں میں منقسم ہے ۔ ایک اس کی اپنی ذات ہے ،
 اس کے متعلق سوچنا فرد کا معاملہ ہے ۔ دوسرے وہ معاشرہ ہے جس میں انسان
 رہتا ہے ۔ اس کے متعلق سوچنا زندگی کے اجتماعی امور کے متعلق سوچنا ہے ۔
 ان دونوں زندگیوں میں ایک توازن ہے ۔ دونوں اپنی اپنی جگہ ساتھ ساتھ
 رہتی ہیں ۔ لیکن اگر کہیں آکر دونوں زندگیاں متصادم ہوں تو اجتماعی زندگی کے
 تقاضوں کو بشرطیکہ وہ اسلام کے تابع ہوں ترجیح دی جائے گی ۔ اسی کا نام
 جہاد ہے ۔ نبی کی زندگی چونکہ علی نمونہ ہونے کے ساتھ ساتھ امام ریاست کی
 زندگی بھی ہے اس لئے نبی دونوں حیثیتوں میں مطاع ہے ۔ اسی لئے فرمایا کہ
 النبى اولى بالمؤمنين من انفسهم وازواجه اماتهم ۔
 نبی باپ جیسی شفقت رکھتا ہے اور اُمّیوں کا باپ ہوتا ہے ۔

۲۔ نبی کے تمام اقوال و اعمال معصوم عن الخطا ہیں

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی قرآن کی عملی تفسیر ہے ۔ ان کے ہر عمل کو
 نمونہ سمجھ کر اپنی زندگی کا جزو بنالو ۔ اگر دین اور دنیا کی بھلائی چاہتے ہو ۔ نبی
 کے اقوال و اعمال معصوم عن الخطا ہوتے ہیں ۔ کسی عمل کا نبی سے سرزد ہونا
 ہی ثبوت ہے اس کا کہ یہ عمل خیر ہے ۔ کسی قول کا نبی کی زبان سے صادر ہو جانا
 ہی اس کی صحت کا ضامن ہے ۔ جب اللہ تعالیٰ نے نبی کی عصمت کا اہتمام
 فرما دیا ہے تو اب یہ بحث ہی غلط ہو جاتی ہے کہ فلاں قول نبی صحیح ہے اور فلاں
 نہیں ہے ۔ اور فلاں عمل نبی درست ہے ۔ اور فلاں عمل نبی درست نہیں ہے ۔
 ہم اپنی روزمرہ زندگی میں ذرائع کی حفاظت پر یقین کر کے اپنی زندگی کے اہم
 معاملات کو ان سے وابستہ کر لیتے ہیں اور ان پر بے دھڑک عمل کرتے ہیں
 حالانکہ ہمارے ان محفوظ طریقوں میں کتنی غیر محفوظ مثالیں ملتی ہیں ۔ کسی مشہور کمپنی کی
 دو خریدتے وقت ہم صرف یہ دیکھتے ہیں کہ کیا لیبل اور مہر درست ہے ۔ اس کے
 بعد ہم آنکھیں بند کر کے اسے خرید لیتے ہیں ۔ میونسپلٹی کے نموں کا پانی محض اس
 اعتماد پر پیتے ہیں کہ کیٹی نے اس کی صفائی اور حفاظت کا انتظام کیا ہے اور یہ

مفر صحت اجزا سے پاک ہے۔ بازار سے اس یقین پر سودا خرید کر لاتے ہیں کہ دکان دار پورا تول کر دیتا ہے۔ کیونکہ گورنمنٹ وزن کے بٹوں کی نگرانی کرتی ہے۔ ریلوں اور ہوائی جہازوں میں نہایت اطمینان سے سفر کرتے ہیں اس لئے کہ ہمیں یقین ہے کہ ڈرائیور اور پائلٹ انارشی نہیں ہیں۔ کیونکہ گورنمنٹ نے یقین دلایا ہے کہ ڈرائیور ٹرینڈ رکھے گی وغیرہ وغیرہ۔

جب خدائے تعالیٰ نے اپنا نبی بھیجا ہے تو یقیناً اس کے اقوال و اعمال معصوم عن الخطا ہیں۔ آنکھیں بند کر کے ہمیں اس کے ہر قول کو قبول کرنا چاہیے اور اس کے ہر عمل کو اپنانا چاہیے۔

ہماری طبیعت میں زہین ہو سکتا ہے۔ ہماری فطرت کج ہو سکتی ہے لیکن نبی کے اقوال اور اس کے اعمال میں اعتدال اور خیر محض کے سوا کچھ نہیں۔ اس کی لائی ہوئی ہدایت واضح اور روشن ہے۔

کتاب بغیر نبی کے چستان ہوتی ہے۔ ہر شخص اس کی من مانی تعبیر کر سکتا ہے اپنے ذہن کے مطابق الفاظ کو اپنی پسند کے معنی پہنا سکتا ہے۔ لغت میں ایک لفظ کے کئی کئی معنی ہوتے ہیں۔ ہر شخص اپنے مقصد کے معنی اختیار کر سکتا ہے۔ لیکن اگر نبی کا عمل اور نبی کا قول ان قرآنی معنی کے ساتھ ساتھ معلوم ہو تو پھر من مانی کی گنجائش کہاں رہ جاتی ہے۔ جس محل آیت کی تفسیر آپ نے خود فرمائی ہو وہ آنے والوں کے لئے حرف آخر ہے۔ **يَعْلَمُهُمُ الْكِتَابُ وَالْحُكْمَةُ** کے مطابق ہے۔

۱۔ نبیؐ کا کوئی عمل فطرۃ اور معروف کے خلاف نہیں

قرآن نے جب رسول کے عمل کو اُسوہ بنا دیا تو گویا اس پر صحت و عصمت کی مہر لگا دی۔ اب ہمارے لئے یہ تحقیق کرنے کی ضرورت نہیں ہے کہ آپ کا عمل واقع میں صحیح ہے یا نہیں۔ کیونکہ یہ تو مسلمات میں سے ہے کہ نبی اپنی امت کے لئے مطاع مطلق ہے۔ صرف یہ تحقیق کرنے کی ضرورت پیش آئے گی کہ آیا آپ نے یہ عمل کیا بھی ہے یا نہیں۔ یا جو قول ہمارے سامنے نبی کا قول بنا کہ پیش کیا گیا ہے وہ حضور نے فرمایا بھی ہے یا نہیں۔ ثابت

ہو جانے کے بعد نبی کا ہر عمل اسوہ اور نبی کا ہر قول لائق قبول ہے۔ کسی مسلمان کے لئے جو اللہ اور رسول پر ایمان رکھتا ہو یہ گنجائش ہی نہیں رہتی کہ آپ کے کسی عمل کے جواز کی صحت کو شک کی نظر سے دیکھے۔ آپ کا اسوہ ہر حال میں قابل اتباع ہے اور حجت ہے بلا دلیل ثابت ہے۔ محض یہ ثبوت کہ آپ نے ایسا کیا، ہمارے لئے کافی ہے۔ نبی کا کوئی عمل اور کوئی قول فطرتِ سلیمہ اور معروف کے خلاف ہوتا ہی نہیں۔

قرآن ایک ضابطہٴ حیات ہے جس کی بنا پر ۲۳ سال کے عرصہ میں آپ نے ایک مسلم معاشرہ قائم کیا۔ جاہلیت اور اسلام کے درمیان ایک واضح خط کھینچ دیا آپ کی ۲۷ سالہ زندگی قرآن کی عملی تفسیر ہے۔ نبیوں کے لئے خدا کی صیانت اور حفاظت ہی ان کے عمل کو خالص اور قابل اتباع بناتی ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تمام دنیا کے لئے نمونہ ہیں۔ ہمیں اس اونچے معیار تک پہنچنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ اگر نہ پہنچ سکیں تو یہ ہماری کوتاہی اور بدقسمتی ہے۔

۸۔ نبی کے کام میں دخل اندازی سنگین جرم ہے۔

ہم خدا تعالیٰ کی مخلوق اور اس کے محکوم ہیں۔ اس کی اس وسیع کائنات میں ہماری حیثیت ایک ذرے سے بھی کم ہے۔ اگر تمام مخلوق بل کر باغی ہو جائے تو اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتی۔ نفس الامر میں کسی کو یہ قدرت ہی نہیں ہے کہ خدا کو نقصان پہنچا سکے۔ یا تکلیف دے سکے۔ خدا کی ذات اس سے وراءِ شَم و بِل و الٰہ و لاء ہے۔

رسول خدا کا پیغام بر ہوتا ہے۔ وہ مامور ہے کہ خدا کے احکام لوگوں تک پہنچائے اور اپنی زندگی کو نمونے کے طور پر لوگوں کے سامنے پیش کرے۔ نبیوں کے کسی کام میں ان کی اپنی کوئی ذاتی منفعت نہیں ہوتی، وہ تبلیغ کا کام ذاتی مصالح کی بنا پر انجام نہیں دیتے۔ اور کوئی دنیوی اجر ان کے پیش نظر نہیں ہوتا۔ ان اجری الاعلیٰ اللہ۔ ان کی ساری جدوجہد اعلیٰ کلمۃ اللہ کے لئے ہوتی ہے۔ ان کی خوشی اور غمی کا پیمانہ بس یہی ہے۔

کہ اگر ان کی تبلیغ کا کام خاطر خواہ ہو رہا ہے تو وہ خوش ہیں۔ جو لوگ اس تبلیغ میں ان کے معاون ہیں وہ اللہ کے محبوب بندے ہیں اور جو اس کام میں رکاوٹ پیدا کرتے ہیں وہ عند اللہ وعند الرسول مردود اور مغضوب ہیں۔ جب نبی صالح نظام کی بنیاد رکھتا ہے تو اس کی زد ان لوگوں کے مفاد پر پڑتی ہے جنہوں نے اپنے اقتصادی اور سیاسی ڈھانچے کو اپنے مفاد کے لئے مضبوط سماجی حلقوں میں کسایا ہوا ہوتا ہے۔ اور عوام پر اپنی خدائی قائم کی ہوئی ہوتی ہے۔ اس لئے یہ لوگ انبیاء کے دشمن بن جاتے ہیں۔ ان کے تبلیغ و اصلاح کے کام میں رکاوٹ پیدا کرنے میں کوئی کسر باقی نہیں چھوڑتے۔ اس کی پاک سیرت پر حملے کرتے ہیں۔ اسے خود غرض بتاتے ہیں۔ اسے کاہن، ساحر اور مجنون کے خطاب دیتے ہیں اس کے خلاف یہ لوگ بے بنیاد افواہیں پھیلاتے ہیں۔ اور جب ان باتوں سے کام نہیں چلتا تو یہ مفاد پرست گروہ نبی کے خلاف سازشیں کر کے اس کو قتل کر بننے کے منصوبے بناتے ہیں۔ اس کے قتل کے خفیہ اور علانیہ طریقے اختیار کرتے ہیں۔ اور جب اس میں بھی ان لوگوں کو ناکامی ہوتی ہے تو اپنا سب کچھ داؤ پر لگا کر عوام کو اس بے داغ سیرت انسان کے خلاف بھڑکا کر میدان کارزار قائم کر کے عوام کو اس میں جھونک دیتے ہیں۔

انبیاء سابقین کی اور ان کے مخالفین کی یہی تاریخ ہے

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز چراغ مصطفوی سے شرار بولہبی

اس کا تسلسل اسی طرح رہا ہے۔ نبی اور اس کے متبعین کے خلاف امکان بھر کوئی حربہ ایسا نہیں ہوتا جسے وہ استعمال نہ کرتے ہوں۔ ان مفاد پرست لوگوں کے دلوں میں بغض ہوتا ہے اور نبی کی لائی ہوئی روشنی سے انہیں سخت نفرت ہوتی ہے۔ اپنی اس عداوت اور نفرت کا اظہار وہ مختلف عنوان سے کرتے ہیں۔

اگر کوئی شخص حکومت کے کسی نمائندے کی سرکاری کام انجام دیتے ہوئے بیعتی کرے یا اس کے سرکاری کام میں رکاوٹ پیدا کرے تو یہ بے عزتی حکومت کی بے عزتی تصور ہوتی ہے۔ اور حکومت اپنے تمام ذرائع اس توہین کے مرکب کے خلاف استعمال کرتی ہے اظہار نفرت سے لے کر جرم کی آخری سزا تک اس کو نہیں بخشتی۔

اللہ تعالیٰ کے پیغمبروں کا معاملہ بھی ایسا ہی ہے۔ نبی بھی حکم الحاکمین کا نمائندہ

ہوتا ہے۔ اس لئے اس کے اصلاحی اور تبلیغی کاموں میں رکاوٹ مداخلت بکارمہر کار ہے۔ نبی کی ایذاء خود احکم الحاکمین کی ایذاء ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نبی کریم صلیم کی ایذاء کو اپنی ایذاء قرار دیتا ہے۔ اور رسول کی نافرمانی کو اپنی نافرمانی سے تعبیر کرتا ہے۔

یہ ہے وہ ایذاء اللہ و ایذاء الرسول۔ اور اس کا ارتکاب کرنے والوں کے لئے خدا کی طرف سے کھلی بیزاری کا اعلان لعنہم اللہ فی الدنیا والاخرۃ۔ یہی حال ان لوگوں کا بھی ہے جو متبعین رسول کو محض اتباع کی وجہ سے تکلیف دیتے ہیں۔ اور نقصان پہنچانے کی کوشش کرتے ہیں۔ ان پر بے بنیاد بہتان طرازی کرتے ہیں۔ اس پاک گروہ پر رکیک حملے کرنے کی وجہ سے کھلے گناہ کے مرتکب ہوتے ہیں جس کی سزا انہیں بھگتنی ہوگی۔

آیت نمبر ۹

اس آیت میں جماعت کے لوگوں سے خطاب ہے اور انہیں ہدایت ہے کہ نبی کے ساتھ کس طرح کا تعلق رکھیں۔ اس کا اتباع دل سے کریں۔ اس کے ہر حکم کو بلا چون و چرا تسلیم کریں۔ کوئی ایسی بات نہ کریں جس سے نبی کو تکلیف پہنچے۔ اس آیت میں یہی کہا گیا ہے کہ اے ایمان والو! موسیٰ کے متبعین کی طرح نہ ہونا کہ انہوں نے موسیٰ کو تکلیف پہنچائی

موسیٰ علیہ السلام کچھ روز کے لئے بنی اسرائیل سے جدا ہوئے تو بچھڑے کی پو جا شروع کر دی۔ جہاد میں چلنے کے لئے کہا گیتا تو کہنے لگے:

منا ذہب انت و ربک فقاتلانا ہنا قاعدون۔ جماعت کے اجتماعی ذرائع سے فائدہ اٹھاتے رہنا۔ لیکن جب جماعتی مفاد کے لئے قربانی مانگی جائے تو اس سے گریز نہ کرنا۔ اپنی کمزوریوں اور نفسانی خواہشات کو چھپانے کے لئے نبی کے احکام کو ناقابل عمل بتانا منافقین کا شیوہ ہے۔

۱۰ اتباع رسول مع ادب رسول

آیت نمبر ۱۰ میں ہمارے ایمان کی کسوٹی پیش کی گئی ہے۔ جب ہم کسی کا اتباع کرتے ہیں اور کسی کے حکم پر چلتے ہیں تو اس کے پیچھے ایک ایسا ذہن ہوتا ہے جو اعمال کی اچھائی اور برائی کا فیصلہ پہلے کر لیتا ہے۔ اور حکم دینے والی ذات کے متعلق پہلے سے ایک مقام متعین کر لیتا ہے۔

ہمارے اعمال اور افعال کے پس پردہ ایک سیرت ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ اسی کو دیکھتا ہے اسی کا نام نیت ہے۔ اسی کو تقویٰ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

ہر محرک جذبے کی کچھ علامات ہوتی ہیں۔ ان علامات کو دیکھ کر اس جذبے کے وجود اور اس کی خفت و شدت کا اندازہ ہوتا ہے۔

ہمیں یہی حکم دیا گیا ہے کہ نبی کے مقام کا پورا احترام ملحوظ رکھیں۔ حتیٰ کہ نبی کی مجلس میں ہماری آواز اور انداز گفتگو ایسا ہونا چاہیے کہ جو نبی کے احترام کو ظاہر کرے۔ اتنے اونچے مرتبہ لوگوں کہ تمہاری آواز نبی کی آواز سے اونچی ہو جائے۔ اس سے ضبط اعمال کا ڈر ہے۔ جو لوگ ان آداب کا خیال رکھتے ہیں ان کے لئے مغفرت ہے۔

یہ حکم آواز ہی تک محدود نہیں ہے بلکہ ہر وہ عمل جو جذبہ احترام اور جذبہ اتباع کی کمی کو ظاہر کرے باعث نقصان ہے اور ضبط اعمال کا سبب ہے۔ اسی سے علماء نے یہ مسائل اخذ کئے ہیں کہ امانت نبی کفر ہے۔ کیونکہ سلب ایمان کی دلیل ہے۔ دانستہ استکراہ رسول کفر ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ایسا شخص نبی کو معیار خیر نہیں مانتا بلکہ اپنی ذات کو معیار اور کسوٹی تسلیم کرتا ہے۔ اور نادانستہ ایسے افعال کا مرتکب ہونا جو موہم باستکراہ ہوں ضبط اعمال کا سبب ہو سکتا ہے۔

مومنین کے متعلق آ پس میں ایک دوسرے کے احترام اور جان و مال کو نقصان نہ پہنچانے کا حکم ہے۔ بلکہ بھلائی اور بہتری کا حکم ہے۔ اسی لئے کہا گیا۔
انما المؤمنون اخوة فاصلحوا بین احویکم۔ ان کے اموال اور نفوس کو محفوظ قرار دیا ہے۔ سیاب المؤمن فسوق وقتالہ کفر فرمایا گیا۔

آیت نمبر ۱۱

اس آیت میں فرمایا گیا کہ نبی کا ہر قول قابل اخذ اور اس کا ہر عمل لائق اتباع

ہے۔ اس لئے کہ وہ معصوم ہے۔ اس کا ہر قول اور عمل مؤید من اللہ ہے۔ اس کی صحت پر خدائی مہر ثبت ہے۔ اسی لئے فرمایا گیا کہ نبی جو حکم دے اسے اسے کرو۔ اور جس سے روک دے اس سے رک جاؤ۔ کیونکہ اس کے حکم کا ماخذ محفوظ ہے۔ ہر امر کے تمام اسباب خدا کے نزدیک روشن ہیں، جن امور سے روکا جاتا ہے ان سے رک جاؤ۔ خدا پر وہ تمام امور روشن ہیں جن کی وجہ سے تمہیں روکا جا رہا ہے۔ اسے پوری طرح معلوم ہے کہ ان ممنوع اعمال کے کرنے سے تمہیں کیا نقصان پہنچے گا۔

۱۳۔ نبی کے نورِ ہدایت کے سوا کہیں نور نہیں

یہ مضمون قرآن شریف میں کئی جگہ آیا ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو شاہد فرماتا ہے۔ کیونکہ اپنی امت کے اعمال پر آپ شہادت دیں گے۔ آپ مبشر ہیں۔ یعنی خوشخبری دینے والے۔ کہ اچھے اعمال کرنے والے اس کے ثمرات سے محروم نہیں رہتے۔ دوسری دنیا میں جب انسانی کو اپنے اعمال کے نتائج قبول کرنے پڑیں گے۔ اگر اچھے اعمال کئے ہوں گے تو جزا اچھی ملے گی۔ اور اگر بُرے اعمال کئے ہوں گے۔ تو ان کی پاداش بھی برداشت کرنی پڑے گی۔ اچھے اعمال کے لئے آپ مبشر ہیں۔ اور بُرے اعمال کے لئے نذیر ہیں۔

پھر ارشاد ہے کہ آپ سراج منیر ہیں۔ آپ ہدایت کے چمکتے ہوئے سورج ہیں۔ ہدایت کا تصور آپ کی ذات کے بغیر محال ہے۔ روشنی اور نورانیت کلیتہً آپ کی ذات سے وابستہ ہے۔ اگر کوئی شخص روشنی کا طالب ہے تو آپ سے رجوع کرنا لازمی اور لا بدی ہے۔ یہ جنس گراں مایہ کہیں اور دستیاب نہیں ہو سکتی۔
مپندار سعدی کہ راہ صفا تراں بافت جز در پئے مصطفیٰ

خلاصہ

خلاصہ یہ ہے کہ تمام آیات سے مندرجہ ذیل امور ثابت ہوتے ہیں۔

- ۱۔ خدا نے تعالیٰ سرچشمہ ہدایت ہے۔
- ۲۔ نبی ان ہدایات کا معصوم ذریعہ ہے۔ اس کے قول اور عمل میں کوئی کھوٹ

شامل نہیں ہو سکتا۔ ہر حالت میں قابل اخذ اور لائق اتباع ہے۔
۳۔ نبی معروف کا حکم دیتا ہے۔ منکر سے روکتا ہے۔ اس کے تمام اقوال و اعمال معروف پر مشتمل ہیں۔ اس کے اقوال و افعال میں منکرات ہرگز نہیں پائے جاتے۔

۴۔ نبی اور نبی کے احکام ہر چیز پر مقدم ہیں۔ نبی کی محبت تمام محبتوں کا مترجہ ہے۔ ہر محبت نبی کی محبت سے منسوب رہنی چاہیے۔

۵۔ ہر جذبے کی کچھ علامات ہوتی ہیں۔ اس جذبہ محبت اور جذبہ اطاعت کی علامات کا اظہار ہونا چاہیے۔ اس کی مخالف علامات کا صدور اگرچہ نادانستہ ہی کیوں نہ ہو ضبط اعمال کا سبب ہے۔

۶۔ ہمارے ہر ذوق کے کمال کی یہ کسوٹی ہے کہ ذوق رسول سے مطابق ہو جائے۔

رابطہ بحث

اس ساری مفصل بحث کا ربط ہمارے مدعا کے ساتھ یہ ہے کہ :
چونکہ ہمارے لئے مشکل ہے کہ ہم ہر قول اور ہر عمل رسول کے متعلق تعین کے ساتھ یہ معلوم کر لیں کہ آیا یہ قول حقیقت میں قول رسول ہے یا نہیں۔ اور عمل کے متعلق یہ معلوم کر لیں کہ آیا حقیقت میں یہ عمل رسول ہے یا نہیں۔

محض سند کے سہارے کسی قول کو قول رسول اور عمل کو عمل رسول ثابت کرنا اتنا آسان نہیں ہے جتنا ہم خیال کرتے ہیں۔ سند کے ساتھ ساتھ کچھ اور بھی ہوتا ہے جو طبیعت میں اعتماد پیدا کرتا ہے کہ یہ قول رسول ہے اور یہ عمل رسول صلی اللہ علیہ وسلم۔

اسی لئے محدثین کہتے ہیں کہ روایت کا سند کی صحت کے باوجود مندرجہ ذیل صفات سے متصف ہونا ضروری ہے۔

۱۔ کلام مسند از قسم کلام رسول ہو۔ رسول کے دیگر ثابت شدہ کلام سے متعائر نہ ہو۔

۲۔ عمل مسند۔ رسول کے دیگر ثابت شدہ اعمال سے مطابقت رکھتا ہو۔

۳۔ اس کے الفاظ لسان ترجمان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے نکلے ہوئے الفاظ

۴۔ اس کا مفہوم اور مطلب وہی فحامت و عظمت رکھتا ہو جو عموماً کلام رسول میں پائی جاتی ہے۔

۵۔ اس کلام باعمل سے نبی کی عظمت جھلک رہی ہو۔

۶۔ کسی بنیادی عقیدے سے متصادم نہ ہو۔

۷۔ نبی کی سیرت باعظمت کو داغدار نہ کرتا ہو۔

۸۔ ایسا کھرا سونا ہو کہ کسوٹی پر پورا اترتا ہو۔

۹۔ اس کلام میں روشنی اور نورانیت ہو۔ انظرالی ماقال ولا تنظر

الی من قال کے مصداق ایسا ہیرا ہو جس کی چمک خود ہی اپنا ثبوت ہو۔

۱۰۔ فطرتِ انسانی سے ہٹا ہوا قول یا عمل نہ ہو۔ جس کے کرنے یا کہنے سے فطرتِ انسانی اباہر کرتی ہو۔

ایک مفید اخلاقی بحث

انسانی عمر کے دور مختلف ہوتے ہیں اور ہر دور کے تقاضے مختلف ہوتے ہیں۔ ادوار کے اختلاف کے لحاظ سے اس کے فطری تقاضے بھی بدل جاتے ہیں۔ بچپن کا کچھ تقاضا ہوتا ہے۔ جوانی کے تقاضے دوسرے ہوتے ہیں۔ بڑھاپے میں انسان بچپن اور جوانی کے اثرات سے آزاد اور بڑھاپے کے تقاضوں میں محصور ہوتا ہے۔

انسانی زندگی کے مختلف دور

۱۔ بچپن میں ناپختگی ذہن کی وجہ سے بیشتر اعمال تقلیدی ہوتے ہیں جسم بالیدگی کی طرف مائل ہوتا ہے۔ اس لئے بچے قدرۃً بھاگ دوڑ اچھل کود میں مصروف رہتے ہیں۔ جوانی میں نئی قوتیں ابھر آنے کی وجہ سے ان کے تقاضوں کے زیر اثر آجاتا ہے۔ نئی امنگیں اور نئے جذبات اسے اٹھائے پھرتے ہیں۔ رفتہ رفتہ

ان جذبات میں اعتدال آنا شروع ہو جاتا ہے۔ زندگی کی ذمہ داریاں انسان کو
 سنجیدہ بنانا شروع کر دیتی ہیں اور انسان کے مزاج میں اعتدال آنا شروع ہو جاتا ہے۔
 کہولت میں کچھ تو اضمحلال آ جانے کی وجہ سے کچھ طبعاً جذبات کے بار بار تکمیل پا جانے
 کی وجہ سے طبیعت دھیمی ہو جاتی ہے اور اعمال میں شدت اور تیزی کے بجائے
 ایک نرمی اور سکون پیدا ہو جاتا ہے حتیٰ کہ بڑھا پا آنے کے بعد انسان مجسم سکون
 ہو جاتا ہے۔ ساری عمر کے تجربات کا پشتہ اس پر لدا ہوتا ہے۔ اس لئے احتیاط
 و حزم اس کے افعال و اعمال میں نمایاں نظر آنے لگتے ہیں۔ اس لحاظ سے عمر
 کے ایک دور کے اعمال دوسرے دور سے مختلف ہوتے ہیں۔ کچھ معاشرتی
 تقاضوں سے اور کچھ سوسائٹی کے دباؤ سے جذبات کی تسکین کے راستے متعین
 ہوتے جاتے ہیں۔ ان متعین طرق سے باہر اگر کوئی شخص قدم رکھتا ہے تو
 معاشرہ اسے پسند نہیں کرتا اور بعض صورتوں میں تو اجازت ہی
 نہیں دیتا۔

عمر کے لحاظ سے اعمال و عادات کا تعین پورے معاشرے کے ذہن پر
 ثبت ہوتا ہے۔ اگر کوئی شخص بچوں میں گولیاں کھیلنا نظر آئے تو ہر دیکھنے
 والا اس کے بچہ ہونے کا فتویٰ لگا دیتا ہے۔ یا مثلاً کوئی جوان آدمی سڑکوں
 پر گھیرا دوڑاتا نظر آئے تو یا تو ہم اسے نیم پاگل تصور کریں گے یا کہیں گے کہ
 اس کے دماغی قوی کی ابھی تک تکمیل نہیں ہوئی۔ زبان کے محاوروں اور
 کہاوتوں تک میں معاشرے کے اس اجتماعی ذہن کا بیان موجود ہے۔ (یعنی
 ادوار کے فرق کا) مثلاً بوڑھی گھوڑی لال لگام، سینک کٹا کر بچھڑوں میں شریک
 ہونا۔ وغیرہ۔

تسلت عمايات الرجال عن الصبي
 وليس فوادي عن هواك بمنسل
 فقالت يمين الله مالك حيلة
 وما ان امري عنك الفواية تنجلي

ایک بوڑھا آدمی جوانوں کے طور طریقے اختیار کرے تو معیوب خیال کیا جاتا
 ہے۔ پھر طفولیت، جوانی اور بڑھاپے کے اعمال میں بھی درجات ہوتے ہیں۔
 ہر دور میں اعلیٰ، اوسط اور ادنیٰ تینوں قسم کے آدمی پائے جاتے ہیں۔

لوگوں کے اعمال و افعال سے ان کے اقوال و گفتار سے ان کی ذہنی کیفیت کا اندازہ لگایا جاتا ہے۔ اور ان کے مقام کو متعین کیا جاتا ہے۔ یہ محض الفاظ ہی نہیں ہیں کہ جس پر چاہو ان کا اطلاق کر لو۔ بلکہ مثریف، رفیل، لثیم حلیم، سخی بخیل، شجاع و جبان انسانی کوائف ہیں اور پھر ان کوائف میں بھی درجات ہیں جو لوگوں کے افعال سے متعین کئے جاتے ہیں۔

غرض انسانی حرکات و سکنات ذہنی کوائف کے نتائج ہیں۔ اور تمام افعال و اعمال ذہنی کوائف کے معلول ہیں۔ دو چیزوں میں علت و معلول کا تعلق دو نوزں کے وجود اور لزوم کو ظاہر کرتا ہے۔

یہ اعمال و افعال اپنی ذات میں ایک مستحکم شہادت رکھتے ہیں کہ کس درجے کے انسان سے یہ سرزد ہوئے ہیں۔ علیٰ ہذا اقوال، کلام کرنے والے کی ذہنی کیفیت کے آئینہ دار ہوتے ہیں۔ اور تمام قومیں اس ضابطے سے شعوری طور پر واقف ہیں۔

بیشتر اعمال و اقوال سے عمر کے ادوار کا تعین اور درجے کا تعین کیا جاتا ہے، مثلاً آپ کے سامنے کوئی عشقیہ داستان بیان کی جائے اور اس داستان میں جنسی دواعی کی تسکین اور بیان کا بھونڈا طریقہ نظر آئے تو آپ یہ معلوم کئے بغیر کہ حضرت عاشق کی عمر کیا ہے یہ فیصلہ دیدیں گے کہ یہ کسی جوانی کے دور کی داستان ہے۔ اور یہ شخص اس دور کے ادنیٰ درجہ میں شامل ہے۔ اگر آپ کو یہ بتلایا جائے کہ یہ ایک بوڑھے آدمی کی داستان ہے یا ایک پیر یا لیڈر یا مذہبی پیشوا کی داستان ہے تو اول تو آپ تسلیم ہی نہیں کریں گے۔ اور اگر یقین کی حد تک آپ کو شہادت مل جائے تو آپ اس پر تمام انسانی عیوب کا لیل لگا کر اور ذہنی مرین قرار دے کر اس قصے ہی کو ختم کر دیں گے۔

ہم فلسفے کی ان پیچیدہ بحثوں میں الجھنا نہیں چاہتے کہ اعمال کی صحت اور اچائی کا کیا معیار ہے۔ اور اس کے اسباب کیا ہیں۔ اگر ہم اس بحث میں پڑ جائیں تو یہ مضمون فلسفہ اخلاق پر ایک خشک مضمون ہو جائے گا۔ اور اس کا افادہ بھی کم ہوگا۔ ویسے بھی یہ ہمارے مضمون سے بلا واسطہ تعلق نہیں رکھتا ہے۔

ہر دور کے مسئلہ معروضات

ہمیں تو صرف اس بات سے غرض ہے کہ کچھ اعمال انسانی اپنی ذات میں ایسے

ہیں جن کو معاشرے کے اجتماعی شعور نے مکارم اخلاق میں بطور مسلمات شامل کر لیا ہے۔ جن لوگوں سے یہ اعمال سرزد ہوتے ہیں وہ لوگ صاحب مکارم اخلاق ہیں۔ خواہ وہ کوئی ہو۔ معاشرے کی نظر میں ان کا سماجی مقام ہو یا نہ ہو۔ اور کچھ اعمال اپنی ذات میں ایسے ہیں کہ ان کو ذائل اخلاق میں بطور مسلمات شامل کر لیا گیا ہے۔ اور جن لوگوں سے وہ اعمال سرزد ہوتے ہیں وہ ذائل اخلاق کے مرتکب ہیں۔ اور شر الدواب ہیں۔ خواہ ان کا سماجی مقام کتنا ہی بلند ہو۔

جن لوگوں سے مکارم اخلاق کا صدور ہوتا ہے وہ منبع خیر ہیں اور جن سے ذائل اخلاق کا صدور ہوتا ہے وہ منبع شر ہیں۔

منبع خیر سے صدور شر نہیں ہو سکتا

مکارم اخلاق کے حاملین کی ذہنی کیفیت ذائل اخلاق کے حاملین کی ذہنی کیفیت سے بالکل مختلف ہوتی ہے۔ ان دونوں میں علاقہ تضاد ہے۔ یہ ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ منبع خیر منبع شر نہیں ہو سکتا۔ اور منبع شر منبع خیر نہیں ہو سکتا۔

یہ تصور بالکل غلط ہے کہ ہر عمل ایک منفرد حیثیت رکھتا ہے۔ اور ایک شخص سے ایک عمل خیر، پھر اس کے فوراً بعد ایک عمل شر۔ پھر عمل خیر۔ پھر عمل شر کا صدور ہو سکتا ہے۔ جو ذہنی کیفیت خاص قسم کے عمل کا تقاضا کرتی ہے اس سے ایک ہی قسم کے اعمال سرزد ہوتے ہیں۔ جس ذہنی کیفیت کو ہم نے خیر سے تعبیر کیا ہے اُس سے مسلسل ان اعمال کا صدور ہوگا جو اس خاص ذہنیت کا تقاضا ہیں یعنی اعمال خیر کا۔ لہذا منبع خیر سے ہمیشہ اعمال خیر ہی سرزد ہوں گے۔

اسی طرح اس کے مقابل دوسری ذہنی کیفیت سے قطعاً پہلی ذہنیت کے خلاف اعمال سرزد ہوں گے۔ اس مخالف کیفیت کو ہم نے شر سے تعبیر کیا ہے۔ جو اعمال اس کیفیت کے نتیجے میں سرزد ہوں گے وہ شر ہی ہوں گے۔

غرض منبع شر سے شر ہی سرزد ہوگا۔ اس لئے کہ ”گندم از گندم

بروید جو از جو " البتہ بعض اعمال خیر اپنی ظاہری شکل و صورت میں بعض دفعہ اعمال شر سے مشابہ ہو جاتے ہیں۔ اور ہمارے لئے اس بات کا فیصلہ کرنا مشکل ہو جاتا ہے کہ یہ عمل خیر ہے یا عمل شر۔ لیکن اگر اس کے منبع کا پتہ لگ جائے تو ہم فوراً فیصلہ کر سکتے ہیں کہ یہ عمل خیر ہے یا عمل شر۔

مثلاً قتل ایک عمل شر ہے۔ لیکن قتل بالحق نہ صرف ضروری ہے بلکہ فروغ زندگی اور سکون زندگی ہے۔ و لکم فی القصاص حیوة یا دلی الالباب لعلکم تتقون :

اعمال خیر کا اپنا ایک پورا شجرہ ہے۔ اور اسی طرح اعمال شر کا بھی ایک پورا شجرہ ہے۔ یہ دونوں شجرے علیحدہ علیحدہ ہیں۔ ان کو دیکھتے ہی ہم پہچان سکتے ہیں کہ یہ عمل اعمال کے فلاں فلاں خاندان سے تعلق رکھتا ہے۔ کوئی عمل شر خواہ کتنا ہی بہر و پ بھر لے اور اعمال خیر میں شامل ہونے کی کوشش کر لے لیکن وہ اپنے بنیادی خدوخال کی وجہ سے پہچان لیا جائے گا۔ اسی طرح عمل خیر کو کہیں بھی چھپا دیا جائے۔ دیکھتے ہی پہچان لیا جائے گا کہ یہ عمل خیر ہے۔

انبیاء کی تعلیم کا ایک حصہ یہی مسلمات انسانیت ہیں اور مکارم اخلاق پر مشتمل ہیں۔ الحکمة ضالة المؤمن سے اسی طرف اشارہ ہے۔

اطاعتِ رسول کا حکم شعوری اور اختیاری ہے

مَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ کا یہ مطلب نہیں ہے کہ خدا اور رسول کے احکام "بے سجادہ رنگین کُن" قسم کے ہیں۔ بلکہ نبی کے احکام کے عقلی پہلو اتنے روشن ہوتے ہیں کہ صاحب عقل ان کی روشنی کو محسوس کرتا ہے۔ اور اسی لئے لطیف خاطر انہیں قبول کرتا ہے۔ نبی کا کوئی حکم انسانی فطرت اور عقل سلیم کے خلاف نہیں ہوتا۔ نبی کے قول اور اس کے عمل کے نتائج روز روشن کی طرح واضح ہوتے ہیں۔ ہمیں اپنی اعمال کا حکم دیا گیا جنہیں ہم آسانی کے ساتھ پورا کر سکیں۔ اور فطرت میں ان کے لئے ربا نہ ہو۔

البتہ کچھ امور ایسے بھی ہیں کہ ہم کسی حیثیت سے ان کا ادراک نہیں کر سکتے۔ وہ امور عقل کی گرفت سے آزاد اور حواس کی سرحد سے باہر کے امور ہیں۔ ان کا تعلق محض اعتقادات سے ہے۔ بس مان لینے کی بات ہے۔ چونکہ ہمارے ان محرکات کا نامعلوم رشتہ ان امور سے وابستہ ہے جن کا ادراک ہم نہیں کر سکتے اس لئے ان کا ماننا نہایت ضروری ہے۔ تاکہ اس زندگی اور احکام کے مأخذ اور اس کائنات اور اس کے خالق میں ربط واقعی کا اظہار ہو۔ اور انسان کی زندگی بامقصد مسلسل اور مربوط ہو۔ انسان ایسے تمدن کی بنیاد رکھے جس کی کوئی ابتدا اور جس کی کوئی انتہا ہو اور انسانی اعمال کا کوئی محور ہو۔ اس کے اچھے اور بُرے کی کوئی کسوٹی ہو۔

نبی کی اصل ضرورت اسی پوشیدہ حصے کی وجہ سے ہے جس تک کسی طرح ہماری رسائی نہیں۔ ہم کسی طرح بھی اس حالت میں نہیں ہیں کہ نبی جو غیب کے امور بیان کرتا ہے۔ اس کی تکذیب کر سکیں، یا تصدیق کرنے کی بھی کوئی حسی بنیاد نہیں ہے۔ لیکن نبی کا دعویٰ نبوت خلاف عقل نہیں۔ اور نبی کا کوئی حکم، نبی کا کوئی قول و عمل خلاف فطرت اور خلاف عقل نہیں۔ نبی کی پاکیزہ زندگی اس کے منبع خیر ہونے کو ظاہر کر رہی ہے۔ اور ان امور غیب کے ماننے سے زندگی بامقصد ہو جاتی ہے۔ صالح تمدن وجود میں آتا ہے۔ اس لئے صاحب عقل اسے تسلیم کرتا ہے اور اس کے فوائد سے بہرہ ور ہوتا ہے۔ زندگی کے عام معاملات میں نبی کا کوئی حکم ایسا نہیں جو انسانی تجربات، مشاہدات اور انسانی فطرت کے خلاف ہو۔ اور ذوق سلیم پر بار ہو۔

البتہ بعض واقعات ایسے ہیں جن تک ہماری محدود عقل کی رسائی نہیں۔ نبی کے لایزال نبوت سے روشنی حاصل کرنی چاہیے۔ اور نبی کی خیر خواہی اور اس کے معصوم ذریعے پر بھروسہ کر کے ایسے واقعات کو تسلیم کر لینا چاہیے۔

جب تک اعمال و افعال ان غیب کے سرچشموں سے سیرابی حاصل کرتے رہیں گے وہ سرسبز و شاداب رہیں گے۔ وہ سدا بہار پھول ہوں گے۔ ان کی خوشبو سے معاشرہ معطر رہے گا۔ اور جب اعمال کا رشتہ ان غیبی منبعوں سے منقطع ہو جائے گا تو اعمال کی رُوح ختم ہو جائے گی۔ اور

یہ کاغذی پھول بن جائیں گے۔ جو جاذبِ نظر تو ضرور ہوں گے لیکن ان میں طراوت، بالیدگی اور خوشبو نہ ہوگی جو جان بہار ہے۔

انسان کے اعمال اور ان کے عقائد کا رشتہ بالکل اسی طرح ہے جیسا کہ درخت اور اس کی جڑیں۔ درخت سامنے اور مرئی ہوتا ہے اور جڑیں پوشیدہ اور غیر مرئی ہوتی ہیں اور وہ غذا جو درخت جڑوں کے ذریعے حاصل کرتا ہے وہ اس سے بھی زیادہ غیر مرئی ہے۔ اگر یہ جڑیں کاٹ دی جائیں اور خشک ہو جائیں تو درخت بھی خشک ہو جائے گا۔ اور اس کی تمام زندگی ختم ہو جائے گی۔ خشک حالت میں شاید کچھ دیر کھڑا رہے لیکن زندہ حالت میں نہیں بلکہ مردہ صورت میں۔

کلام نبوت کی شناخت

جو لوگ اقسامِ کلام کا گہرا مطالعہ رکھتے ہیں اور نظم و نثر پر ان کی نگاہ وسیع ہے وہ شعر سن کر ہی بتا سکتے ہیں کہ یہ شعر فلاں شاعر کا ہے یا فلاں دور کا ہے۔ اس وجہ سے نہیں کہ انہوں نے یہ شعر اور اس کا شاعر اور اس کا دور یاد کیا ہوا ہے بلکہ مزاولتِ کلام کی وجہ سے ان لوگوں کے ذہن میں شعراء کے کلام کی خصوصیات اس طرح پیوست ہوتی ہیں کہ وہ نفسِ کلام سے متکلم کی ذات کا حکم لگا دیتے ہیں اور کہہ دیتے ہیں کہ یہ شعر فلاں شاعر کا ہو سکتا ہے فلاں کا نہیں۔

ایک مرتبہ ایک فاضل دوست نے فرمایا مجھے غالب کا یہ شعر بہت پسند

”ہجر کی رات جاگنے والو کیا کرو گے اگر سحر نہ ہوئی“

میں نے کہا یہ غالب کا کلام نہیں ہے۔ دیوان منگوا کر دیکھا تو یہ شعر اس میں نہ مل سکا۔

مولانا محمد حسین آزاد نے ”آبِ حیات“ میں لکھا ہے کہ کسی نے غالب کے سامنے اسد دکنی کا یہ شعر پڑھا (اور غالب نے خود بھی اپنے ایک خط میں ایک دوست کو لکھا ہے کہ ”اسی طرح زمانہٴ سابق میں ایک صاحب نے میرے سامنے یہ مقطع پڑھا:) کہ

اسد اس جفا پر بتوں سے وفا کی مرے شیر شاہش رحمت خدا کی

میں نے سن کر عرض کیا کہ صاحب جس بزرگ کا یہ مقطع ہے اس پر بقول اس کے رحمت خدا کی۔ اور اگر میرا ہو تو مجھ پر " لعنت " (مکتوب بنام قاضی عبد الجلیل صاحب)

اسی طرح نثر کا حال ہے۔ بعض لوگوں کے انداز بیان میں اچھوتا پن، ترکیب کلام میں ٹھنکی، مزاح میں ایسی چاشنی ہوتی ہے کہ ہم اسے دیکھ کر ہی پہچان جاتے ہیں کہ یہ فلاں شخص کا انداز بیان ہے۔

مثلاً غالب کے خطوط کا انداز بیان عبارت دیکھ کر ہی پہچان لیا جاتا ہے کہ غالب کی نثر ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام اپنے اندر ایسی خصوصیات رکھتا ہے کہ کثرت مزاولت کی بنا پر اور مقام نبوت کے پیش نظر ہم پہچان سکتے ہیں کہ یہ نبی کا کلام ہو سکتا ہے اور یہ نہیں ہو سکتا۔

علی ہذا ہم آپ کے افعال و اعمال کے متعلق بادی النظر میں ہی کہہ سکتے ہیں کہ یہ عمل نبی کے اعمال میں سے ہو سکتا ہے اور یہ عمل نہیں ہو سکتا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کھلی کتاب ہے۔ اسے ہر شخص پڑھ سکتا ہے۔

نبی کی زندگی و حصوں میں منقسم نہیں ہوتی۔ پرائیوٹ زندگی اور پبلک زندگی۔

کی قسم کی کوئی بات نبی کی زندگی میں نہیں ہے۔ وہاں تو ایک ہی زندگی ہے اور وہ ہے تقویٰ اور طہارت کی زندگی۔

روایت ہشام عظمت نبوت کے سراسر خلاف ہے

مندرجہ بالا ضوابط کو سامنے رکھ کر جب حضرت ہشام کی زیر بحث روایت کو دیکھتے ہیں تو یہ روایت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت کے خلاف نظر آتی ہے

آپ ﷺ کی عظمت ایک تاریخی حقیقت ہے۔ آپ ﷺ نے تاریخ بنائی ہے۔ پورا عرب آپ ﷺ کے خلاف تھا۔ آپ ﷺ کی اپنی قوم خلاف تھی۔ محض خدا کے بھروسے پر اپنے عزم و ثبات سے دنیا کی تاریخ کا رخ بدل دیا۔ اور کردار کے وہ روشن نمونے پیش کئے کہ آج بھی ان کی چمک دمک اسی طرح باقی ہے۔

آپ شرافت الثانی اور حیا کا مجسمہ تھے۔ اس لئے آپ نے فرمایا
الحیاء شعبۃ من الایمان۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ وہ کان
استد حیاءاً من المؤمن امری فی خدرہا۔

جس ذات گرامی کی حیاء کنواری لڑکیوں سے زیادہ ہو اس کے متعلق ایسی روایت بیان کرنا جسے طبیعت کسی طرح بھی قبول نہ کرے فہم سے بالاتر ہے۔
حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ ہم میاں بیوی ایک دوسرے کے سامنے بے ستر نہیں ہوتے۔ جس نبی کے وقار اور اعتدال کا یہ حال ہو کہ زندگی بھر قہقہہ لگا کر نہ منے۔ جس کی مجالس کی یہ کیفیت ہو کہ کان علی رؤوسہم الطیر۔ جس نے دنیا کو پاکیزگی اور لطافت کا سب سے اونچا معیار دیا ہو جو عورتوں سے بیعت لیتے ہوئے مصافحہ نہ کرے جس کے غصے بصر اور طہارت قلب کے لئے صریح احکام ہوں، اس ذات کے متعلق یہ کہنا کہ اس نے ۹ سالہ کم سن بچی سے بناکی شدید تمدن گستاخی نہیں تو اور کیا ہے۔

آسماں را حق بود گر خوں ببارد بر زمین

روایت کا انکار عظمتِ رسول کے انکار سے بہتر ہے

۱ امام رازی نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے تین جھوٹ والی روایت کو صرف اس لئے رد کر دیا کہ نبی کی طرف جھوٹ کی نسبت کرنے سے یہ بہتر ہے کہ راوی کو جھوٹا قرار دیا جائے۔ نبی کے جھوٹا ہونے سے راوی کا کاذب ہونا زیادہ آسان ہے۔

۲ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے مشاہیرِ صحابہ کا قطعی انکار کر دیا ہے اور مندرجہ ذیل آیت سے استدلال فرمایا ہے۔

محمد رسول اللہ ج والذین معہ اشداء علی الکفار رحماء بینہم ج تراہم رکعاً سجداً یبتغون فضلاً من اللہ ورحنوا ناط۔

اس آیت کی رو سے آپس میں صحابہ کی محبت بنص قطعی ثابت ہے۔ والذین معہ عمومیت پر دال ہے۔ جو لوگ بھی آپ کے ساتھی تھے اس میں کسی کی کوئی تخصیص نہیں ہے۔ رحماء رحیم کی جمع ہے۔ رحیم صفت مشبہ اور مبالغہ ہے۔

صفت مشبہ میں استمرار اور دوام ہوتا ہے۔ یعنی یہ محبت ایسی نہیں کہ ایک وقت میں پائی جائے اور دوسرے وقت میں نہ پائی جائے بلکہ ہمیشہ ہمیشہ نہیں محبت رہی۔ مبالغہ کا مطلب یہ ہے کہ معمولی محبت نہیں تھی بلکہ بہت گہری محبت تھی۔ ایسی محبت میں انقطاع اور عداوت کو راہ نہیں مل سکتی۔ اس لئے آپ کی ذات گرامی کی وجہ سے صحابہ میں جو محبت قائم ہوئی تھی وہ ہمیشہ علیٰ حالہ قائم رہی۔

اگر ہم مشاہیرِ صحابہ کو تسلیم کریں تو اس محبت کا انقطاع لازم آتا ہے۔ اور سطحیت بھی لازم آتی ہے۔ جو آیت کے خلاف ہے۔ اس میں تطبیق کی کوئی صورت نہیں ہے اس لئے اب ہم آیت کے مضمون میں غیر ضروری تاویل کریں اور اس آیت کے ایسے معنی بیان کریں جو خدا کے منشاء کے خلاف ہیں۔ تاکہ مشاہیرِ صحابہ کے لئے جگہ ہو سکے۔ یا پھر مشاہیرِ صحابہ کا بالکل ہی انکار کر دیں۔

اور آیت کے مضمون میں کوئی تاویل نہ کریں۔
مجدد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے یہی صورت اختیار فرمائی۔ تمام مشاجرات کا انکار کر دیا۔ پھر فرمایا کہ مشاجرات صحابہ خبر آحاد سے ثابت ہیں اور صحابہ کی محبت نص قطعی سے ثابت ہے۔ جب نص اور خبر واحد میں تضاد ہو تو خبر واحد کو ترک کر دیا جائے گا۔ کیونکہ نص قطعی کا منکر کافر ہے اور خبر واحد کا منکر کافر نہیں ہے۔ اس لئے ہم خبر آحاد کا منکر ہونا قبول کرتے ہیں تاکہ انکار نص کے کفر صریح سے بچ جائیں۔

نص قرآنی کے مقابلہ میں خبر آحاد کی کوئی حقیقت نہیں

بنیادی مسئلہ یہ ہے کہ نص کے مقابلہ میں خبر آحاد کو ترک کر دینا چاہیے۔ اس لئے ہم نص سے ثابت شدہ حقائق کے مقابلہ میں اس روایت ہشام کو ترک کر دینا ضروری خیال کرتے ہیں، جو روایت اصول دین اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت و احترام سے متصادم ہو اس کو سننے ہی کھدینا چاہیے کہ یہ ہرگز قبول نہیں۔
حضرت ابراہیم علیہ السلام کی کذب والی روایت میں تاویل ہو سکتی ہے۔ لیکن اس روایت بستی بھاس میں تو تاویل کی بھی گنجائش نہیں ہے۔ حرمت نبی نص قطعی سے ثابت ہے۔ استخفاف نبی بنص قطعی کفر ہے۔ اس لئے اس روایت کو جو حرمت نبی کو مجروح کرتی ہو اور استخفاف رسول کا موجب ہو نہ صرف قابل ترک ہے۔ بلکہ قابل نفرت ہے۔

اور یہ کوئی روایت بھی تو نہیں ہے۔ یہ تو استخراج ہشام ہے جو ناقص ہے۔ اور ناقص معلومات پر مبنی ہے۔ یہ تو ہشام کا ایک تاریخی بیان ہے۔ جو قابل ترک ہے۔ خبر واحد کے ترک سے جسطرح اعمال کا ڈر نہیں ہوتا۔ لیکن اگر نادانستہ بھی استخفاف رسول کا واہمہ ہو گیا تو بنص قطعی جسطرح اعمال کا ڈر ہے۔

ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے ہیں۔ رواق روایات رجال کتب اور رجال صحیحین پر ایمان نہیں لائے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اور عظمت پر ہزار ہا رواق اور خبر آحاد کو قربان کیا جاسکتا ہے۔ اور نص کے مقابلہ میں ان کی بات کو رد کیا جاسکتا ہے۔ نص قطعی بہر حال نص ہے اور قابل اتباع ہے۔

اگر خبر واحد نفس کے منافی نہ ہو تو قابل قبول اور قابل عمل ہے۔ لیکن اگر منافی نفس ہو تو قابل رد ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ انما بعثت لاتمم مکارم الاخلاق اور یہ روایت مکارم اخلاق سے متصادم ہے بفقہائے آیت لَقَدْ كَانَتْ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ۔ آپ کا ہر عمل نمونہ ہے۔ خواہ ہم اس پر عمل کریں یا نہ کریں۔ اگر ہم آپ کے کسی عمل کا اتباع نہ کریں تو یہ اپنی کمزوری اور غفلت کی وجہ سے ہوگا۔ لیکن ہمارا دل ضرور گواہی دے گا کہ یہ قابل اتباع سنت ہے۔ اور ہم اس اسوہ پر عمل نہ کرنے کی وجہ سے اپنے دل میں ندامت محسوس کریں گے۔

مسلمان کی عزت و آبرو کو اسلام نے اسی طرح محترم قرار دیا ہے جیسے کہ اس کی جان۔ جس طرح قتل نفس حرام ہے اسی طرح ہتک عزت بھی حرام ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ مَنْ قَتَلَ دُونَ مَالِهِ فَهُوَ شَهِيدٌ وَمَنْ قَتَلَ دُونَ عَرَضِهِ فَهُوَ شَهِيدٌ۔ تو یہ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت کا سوال ہے جس عمل کو ہم کسی عامی آدمی کی طرف منسوب نہیں کر سکتے اور اپنے لئے ایسے عمل کو باعث ہتک عزت خیال کرتے ہیں ایسا عمل نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کرنا کس درجہ باعث ہتک عزت اور حرام ہوگا۔

یہاں بھی یہی کیفیت ہے کہ علماء نے ہشام بن عروہ کی روایت کو قبول کر کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ایسا عمل منسوب کر دیا جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام مکارم کی نفی ہے۔ اور جو نبوت کے مقام سے کوئی مناسبت ہی نہیں رکھتا۔

اگر ہمارے کوئی قابل احترام بزرگ جن کی بات کو ہم نے کبھی غلط نہ پایا ہو یہ فرمائیں کہ (نعوذ باللہ) کسی حدیث میں مکھیاں کھانے کا حکم ہے اور ہمیں اس حکم پر عمل کرنا چاہیے تو ممکن ہے کہ آنکھیں بند کر کے ان کی روایت پر عمل کرنے کے لئے مکھیاں نگل جائیں اور بہ تکلف اس عمل کی عادت بھی ڈال لیں۔ یا کیپسول میں بند کر کے کھانا شروع کر دیں۔ لیکن اس طبعی کراہت کو دور نہیں کر سکتے جو مکھیوں سے طبیعت میں پیدا ہوتی ہے۔

ہشام کی روایت نام نہاد توجیہات کے خول میں بھی کراہت سے پاک نہیں ہوئی

بالکل اسی طرح ممکن ہے کہ رواۃ کے ثقہ ہونے کی وجہ سے یہ روایت تسلیم کر لی جائے۔ لیکن اس عمل میں جو طبعی کراہت ہے وہ دور نہیں ہو سکتی۔ ہم زبان سے اس واقعے کی توجیہیں کر کے اپنے ضمیر کو سلانے کی کوشش کرتے ہیں۔ لیکن ضمیر کی کھٹک نہیں جاتی۔ ہم اس عمل کے بڑے بڑے فائدے بیان کرتے ہیں اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی کم سنی کے نکاح کو اس طرح پیش کرتے ہیں کہ دیکھئے دین کا کتنا بڑا حصہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ذریعے ہمیں ملا۔ اگر نبی کریم ص حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا جیسی ذہین اور فطین لڑکی سے نکاح نہ کرتے تو ہمیں دین کا یہ حصہ کیسے ملتا۔ نیز آپ کو نور نبوت سے معلوم ہو گیا تھا کہ یہ لڑکی دین کی خدمت کرے گی۔ اس لئے آپ ص نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے قبل از وقت شادی کی۔ کیونکہ اگر شادی کی عمر تک انتظار کیا جاتا تو انہیں وقت ہی نہ ملتا کہ آپ ص سے استفادہ کر سکتیں۔

مگر ان توجیہات کے باوجود اس واقعے کی کراہت بدستور موجود ہے۔ ہم تسلیم کرتے ہیں اور یہ حقیقت بھی ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے دین کی بہت زیادہ خدمت کی۔ یہ بھی تسلیم ہے کہ نور نبوت سے آپ ص کو معلوم ہو گیا تھا کہ یہ لڑکی دین کی خدمت کرے گی۔ لیکن اس سے یہ کب لازم آتا ہے کہ نکاح کے وقت ان کی عمر چھ سال اور پنا کے وقت ۹ سال تھی۔

اسی طرح یہ توجیہ کہ آپ ص نے ہر قسم کا نمونہ پیش کیا ہے۔ بوڑھی سے بھی نکاح کیا۔ بچی سے بھی نکاح کیا۔ کنواری سے بھی نکاح کیا۔ بیوہ سے بھی نکاح کیا۔ ان توجیہات سے ایک خاص قسم کے ذہنوں کو تو تسکین ہو سکتی ہے۔ لیکن ان میں حقائق سے ٹکرائے کی طائنت نہیں ہے۔

کیا حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے وقت بوڑھی تھیں

اور ہمیں تو اس میں بھی کلام ہے کہ ابتراء میں آپ ﷺ نے بوڑھی عورت سے نکاح کیا۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت ہے کہ جس وقت حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نکاح کیا اس وقت خدیجہ کی عمر ۲۸ یا ۲۵ سال تھی (ابن سعد جلد ۸ ص ۸۱)

منصب نبوت انسان کا مل کو دیا جاتا ہے

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ منصب نبوت انسان کا مل کو تفویض کیا جاتا ہے۔ اس کے قوامی کامل ہوتے ہیں۔ اس میں کوئی جسمانی نقص نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ ناقص الخلقہ لوگوں یعنی لنگڑوں، لوگوں، بد عقل، کم عقل، بد ذوق اور کور ذوق لوگوں کو نبی بنا کر نہیں بھیجتا۔

انبیاء کے ذوق کامل اور لطیف ہوتے ہیں۔ ان میں لطیف اشیاء کا لطیف شعور بدرجہ اتم ہوتا ہے۔ حسن و جمال کے معاملہ میں بھی ان کا ذوق خود ایک معیار ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ جب انصار عورتوں سے شادی کرو تو دیکھ لیا کرو۔ ان کی آنکھوں میں کچھ ہوتا ہے۔ ان فی اعینہم شیئا۔

ایک صحابی رضی اللہ عنہ نے شادی کی تو آپ ﷺ نے فرمایا کنواری سے کی ہے یا بیوہ سے۔ اس نے کہا بیوہ سے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کنواری سے کیوں نہ کی کہ فریقین شادی کا صحیح لطف اٹھاتے۔

لیکن ہمارا ایک دینی حلقہ کہتا ہے۔

کہ آپ کو بوڑھی اور بچی کا خیال ہی نہ تھا۔ (نعوذ باللہ)

آپ نے ہر قسم کی رہبانیت کو ناپسند فرمایا

آپ نے متاہل زندگی کی تعریف فرمائی۔ رہبانیت کی مذمت کی۔ اس لئے کہ یہ تو تمدن کی اصل ہے۔ اور حسن سے متاثر ہونا انسانی فطرت ہے۔ شریعت نے منکوحہ بیوی سے لطف حاصل کرنے میں کوئی قید نہیں لگائی۔ آپ مسواک کا بہت اہتمام فرماتے تھے کہ منہ سے بو نہ آئے۔ حتیٰ کہ مجالس میں بدبو دار اشیاء کھا کر آنے کی ممانعت فرماتے تھے۔ جمعہ کی حاضری سے پہلے غسل کو سنت قرار دیا تھا۔ اُس دور کے معیار کے مطابق سرمر بال رکھے ہوئے تھے۔ تیل لگاتے تھے۔ مانگ نکالتے تھے۔ سر اور داڑھی میں کنگھی کرتے تھے۔ سرمر لگاتے تھے۔ لباس صاف سُکھرا رکھتے تھے۔ خوشبو استعمال فرماتے تھے۔ غرض ایک نفیس طبع آدمی اپنے آپ کو بہتر حالت میں رکھنے کی جو کوشش کرتا ہے آپ بھی وہی کرتے تھے۔

یہ اعمال بتلا رہے ہیں کہ آپ میں کامل ذوق جمال تھا۔ بیویوں کے معاملے میں بھی آپ کا ذوق کُتر نہیں تھا۔ اس لئے ذوق سلیم اور کمال اخلاق اس کم سنی کی بناء کے متحمل ہی نہیں تھے۔

نکاح عائشہ بامقصد تھا بے مقصد نہیں تھا

نبی کی زندگی بامقصد ہوتی ہے بے مقصد نہیں ہوتی۔ اس کا کوئی عمل عبث اور بے مقصد نہیں ہوتا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے شادی اسی مقصد کے لئے تھی جس مقصد کے لئے شادیاں کی جاتی ہیں یعنی حصول اولاد کے لئے نرینہ اولاد کی خواہش انسانی فطرت ہے۔ آپ کے نرینہ اولاد نہیں تھی اس لئے یہ نکاح کیا۔ نرینہ اولاد مانگنا انبیاء کی سنت ہے۔ رَبِّ هَبْ لِي مِنْ لَدُنْكَ ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً۔ هَبْ لِي مِنْ لَدُنْكَ وَلِيًّا۔

کسی عام راوی کی روایت کے مقابلہ میں آجائے تو افقہ راوی کی روایت کو قبول کیا جائے گا۔

اس ضابطہ کی بنا پر کئی مسائل پیدا ہو گئے۔ اگر دو راویوں کی روایت میں تضاد ہو تو سب سے پہلے کوشش کی جائے گی کہ ان میں جمع کی کوئی صورت نکل آئے۔ ورنہ ایک کو راجح اور دوسری کو مرجوح قرار دے کر راجح پر عمل کریں گے مرجوح کو ترک کر دیں گے۔ اور اگر کوئی روایت نص کے خلاف ہو تو راجح اور مرجوح کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اور اگر کوئی روایت یدہیات یا مشاہدات یا فطرت کے مسلمہ اصول کے خلاف ہو لیکن شہادت نہایت قوی ہو تو بطور خارق اسے تسلیم کر لیں گے ورنہ ترک کر دیں گے۔

یہ روایت ہشام محض ہشام سے مروی ہے۔ یہ خبر واحد ہے بلکہ اثر تابعی ہے جو اس کے غلط تاثر اور ناقص یادداشت پر مبنی ہے۔ اس کے مقابلہ میں صحیفہ کائنات کی ایک واضح آیت ہے یعنی یہ کہ بلوغ کے لئے ایک خاص عمر ہے۔ اور اس سے بہت پہلے بالغ ہونا تقریباً ناممکن ہے۔

کائنات کے اس ضابطہ اور فطرت کے مسلمہ اصول کے خلاف ایک راوی کی روایت بلکہ ایک راوی کا اپنا قیاس جس کی کوئی اصل بھی نہ ہو ہرگز قابل قبول نہیں ہے۔

حضرت ابو بکر رضی و عمر رضی معمولی مسائل میں راوی سے دوسرا مؤید طلب کرتے تھے۔ تاکہ روایت میں جو بھول چوک ہو وہ نکل جائے۔ اس ناو خبر کے قبول کرنے میں کم از کم شہادت کا ضابطہ تو قبول کرنا چاہیے تھا۔ جس کے لئے قرآن شریف تو معمولی کاروبار میں بھی حکم دیتا ہے کہ اس کو استعمال کرو۔

فان كان الذي عليه الحق سفيها او ضعيفا او لا يستطيع ان يمل هو فليمل وليه بالعدل واستشهدوا شهيدين من رجالكم فان لم يكونا رجلين فرجل وامرأتان ممن ترضون من الشهداء ان تمل احداهما فذلك واحد لهما الاخرى ط (بقرہ)

بسرہ کی مس نوکرہ والی حدیث میں قاضی مدینہ ربیعہ نے کہا تھا کہ میں اس عورت کی شہادت اس جوئے کے بارے میں بھی قبول نہ کروں چہ جائیکہ

غرض یہ نکاح حضرت عائشہ رضی کی پختہ عمری میں کیا گیا۔ اس کا مقصد حصول اولاد تھا۔ اس وقت حضرت عائشہ رضی کی یہ عمر نہ تھی جو روایت ہشام میں مذکور ہے۔ بلکہ اس سے دس سال یا بیس سال زیادہ تھی۔ جیسا کہ ہم آئندہ ثابت کریں گے۔

روایتِ ہشام کے خلاف امت مسلمہ کا عملی اجماع

اس نام نہاد روایت کے خلاف امت مسلمہ کا عملی طور پر ہمیشہ سے اجماع چلا آ رہا ہے۔ آج تک کسی نے اس اُسوہ پر عمل نہیں کیا۔ اور نہ کسی نے اپنی ۹ سالہ لڑکی کو کسی کے سامنے بِناء کے لئے پیش کیا۔ اور نہ کسی نے اتنی عمر کی لڑکی کو بِناء کے لئے قبول کیا۔ اور نہ کسی نے اتنی عمر کی لڑکی سے بِناء کی۔

غرض پوری امت نے بالاتفاق اس نام نہاد روایت کو ناقابلِ عمل تصور کیا۔ پوری تاریخ اسلام میں اس کی کوئی نظیر نہیں ملتی۔ اس کے لئے کم از کم دو چار معتبر مثالیں تو تاریخ اسلام سے پیش کر فی چاہئیں۔ جن سے معلوم ہو کہ کسی نے بھی اس روایت پر عمل کیا۔؟

ایک خارقِ عادت واقعہ سمجھ کر ہم اسے قبول کر لیتے ہیں۔ لیکن قابلِ عمل سنتِ پوری امتِ مسلمہ نے کبھی اسے سمجھا ہی نہیں ہے۔ اور آج کوئی سمجھتا ہے۔ اس حالت میں اس نام نہاد ”سنت“ کی کیا حیثیت رہ جاتی ہے۔ یہی کہ ذاتِ گرامی سے مختص ایک واقعہ تھا جو گزر گیا۔ ہم اسے ایک گزشتہ واقعہ کے طور سے مان لیتے ہیں اور یہ سمجھ کر قبول کر لیتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا تصرف تھا کہ ایسا ہو گیا۔ مگر جس فعل کو ہم اپنے لئے جائز نہ رکھتے ہوں اسے آخر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کیوں منسوب کریں۔

فقیہہ و افقہ کا تقابل

محدثین کے ہاں ایک ضابطہ یہ ہے کہ اگر کسی افقہ و افقہ راوی کی روایت

نماز کے بارے میں جو دین کا ستون ہے اور نماز موقوف ہے طہارت پر۔ کیا صحابہ میں سے کوئی بھی بسرہ کے سوا دین کے قیام کے لئے نہیں رہا تھا۔ ہم بھی یہی کہتے ہیں کہ یہ معاملہ بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت اور آپ کے اتباع اور منکرم اخلاق اور مقام نبوت کا ہے تمام دنیا سے اسلام میں صرف ہشام ہی اکیلے تھے جو اس روایت کو بیان کرتے۔ اس روایت کے راوی تو ابتدا ہی سے حد تو اترا تک ہونے چاہئیں تھے۔ تب جا کر یہ روایت قابل غور ہوتی۔ ڈیڑھ سو سال کے بعد ایک شیخ ثانی ایسی غلط روایت بیان کرتا ہے جو نبوت کے کاموں کی نفی کرتی ہے۔ ایسی روایت کو پہلے ہی مرحلے میں رد کر دینا چاہیے تھا۔ اور حضرت ہشام سے اس کا ثبوت مانگنا چاہیے تھا۔ لیکن مقام تعجب ہے کہ زجر و توبیخ کے بجائے اس کی بے سرو پا روایت کو سراور آنکھوں پر رکھا گیا۔ اور اسے معجزہ سمجھا گیا۔ حالانکہ فہرست معجزات منقولہ میں اس کا کہیں ذکر نہیں ہے اور ذخائر روایات میں کسی محدث اور مورخ نے اسے بطور معجزہ ذکر نہیں کیا۔

معجزہ کی ماہیت اور تعریف کے لحاظ سے بھی یہ عمل معجزہ نہیں ہو سکتا۔ تعریف معجزہ یہ ہے نبی کا ایسا فعل جو بتائید اللہ نبی کی ذات سے سرزد ہو اور دوسرے لوگ اس کے کرنے پر قادر نہ ہوں۔ معجزہ دلیل نبوت ہوتا ہے۔ اس لئے منکرین نبوت نے ہمیشہ انبیاء سے معجزات طلب کئے ہیں۔ تاکہ انبیاء کی صداقت کا حسی ثبوت خود مشاہدہ کر لیں۔ معجزہ حقیقتہً خدا تعالیٰ کا فعل ہوتا ہے جس کا ظہور انبیاء کے ذریعے ہوتا ہے۔ نبی اپنے ارادے اور اختیار سے معجزات نہیں دکھاتا۔ معجزات قرآن سے یہی مطلب واضح ہے جو ہم نے بیان کیا اگر معجزہ نبی کا فعل ہوتا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام سے موسیٰ سے نہ ڈرتے۔ وَمَا مَيِّتَ إِذْ دُمِيتَ وَكَانَ اللَّهُ رَهِيمًا
معجزہ سے کم نہیں ہے۔

کسی عورت سے نکاح کرنے اور تقرب میں کیا معجزیت ہے۔ یہ تو فطری اعمال ہیں۔ ان میں تو کافر اور مسلم میں بھی کوئی تمیز نہیں ہے۔ پھر نابالغ بچی سے تقارب میں تو طبعی اور فطری کراہت ہے۔ اسے کوئی معجزہ خیال کرے گا اور اس سے کون متاثر ہوگا۔ یہ عمل تو انسان کامل کے کردار سے

کم تر درجے کا عمل ہے اور نبی کا مقام تو انسان کامل سے بلند تر ہے۔ اس
ادنیٰ درجے کے جنسی عمل اور مقام نبوت میں کوئی مناسبت ہی نہیں ہے۔
اس لئے اسے معجزہ کہنا طفل تسلی سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتا ہے۔

قبول روایت کے لئے ہمارا پسندیدہ ضابطہ

ہمارے نزدیک روایات کے قبول کرنے کا ضابطہ یہ ہے کہ اگر کوئی خبر فطرت
کے ضابطوں کے خلاف ہو تو اس کے لئے بہت قوی اور کثیر شہادت کی ضرورت
ہے۔ اتنے آدمیوں کی شہادت کہ جن کا جھوٹ پر جمع ہونا یا سہو و نسیان
اور تقلید اعمیٰ کا شکار ہونا مشکل ہو۔ اور اگر روز مرہ ہونے والے واقعات
میں سے کوئی واقعہ ہو تو معمولی روایت کو بھی قبول کر لیا جائے گا۔ اس ناقص
روایت جھوٹ کی رو سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی عمر کا معاملہ ایک حسی معجزہ ہے۔
لہذا اس کے لئے جیسا کہ ہم ابھی لکھ چکے ہیں کثیر اور معتبر شہادت ہونی
چاہیے تھی۔

معمول کے مطابق پیش آنے والے واقعات کے متعلق اگر روایتیں مختلف
ہو جائیں تو قوی راوی کی روایت کو ترجیح دی جائے گی۔ لیکن اگر قوی و مستند
راوی خلاف عقل و خلاف مشاہدہ اور خلاف تجربہ روایت بیان کرے تو اس
کے مقابلہ میں واقعی یا کلبی جیسے داستان گو اسی واقعے کو ایسی صورت سے بیان
کریں کہ وہ واقعہ نہ خلاف عقل ہو نہ مشاہدے کے خلاف ہو نہ تجربہ کے خلاف
ہو تو ان کی روایت کو ان مستند راویوں کی روایت کے مقابلہ میں ترجیح دی جائے
گی۔

بظاہر یہ جھوٹے اور سچے کا مقابلہ ہے۔ اور سچے کو ہمیشہ ترجیح ہونی چاہیے۔
لیکن ان الکاذب قد یصدق وات الصادق قد یخطئ۔
جھوٹا کبھی کبھی سچ بول دیتا ہے اور سچے سے کبھی غلطی بھی ہو جاتی ہے۔ لیکن
یہاں تو جھوٹے کے ساتھ گواہ ہیں۔ جو اس کے سچ کی تصدیق کر رہے ہیں۔
اور سچ کے پاس اپنے قول کے سوا کوئی شہادت نہیں۔
اگر سچا آدمی یہ کہے کہ جون کے مہینے میں ٹھیک دن کے بارہ بجے

نصف النہار میں ایک دم سورج غروب ہو گیا تھا اور رات شروع ہو گئی تھی۔ اس کے مقابلہ میں جھوٹا آدمی یہ کہے کہ نہیں بات یہ ہوئی تھی کہ سخت گھٹاؤ کی وجہ سے رات معلوم ہونے لگی تھی۔ اور رات کے شروع ہونے تک وہ گھٹا مسلط رہی تھی پھر رات شروع ہو گئی تھی۔ تو آپ کس کی بات کو تسلیم کریں گے؟ یقیناً جھوٹے کی بات تسلیم کریں گے۔ کیونکہ اس کی تائید فطرۃ اللہ، تجربہ اور مشاہدہ کر رہے ہیں۔ اس لئے جس کے ساتھ یہ گواہ ہوں گے اس کی بات مستند ہوگی۔

اس لئے ہم اس باب میں ارباب سیر کا ضعیف قول بھی قبول کریں گے جو یہ کہتے ہیں کہ بناء کے وقت حضرت عائشہ رضی کی عمر زیادہ تھی۔ اور ہمیں اس پر مورد الزام نہیں ٹھہرایا جاسکتا۔

لیکن اگر ارباب سیر بھی وہی بات کہیں جو اصحاب سنن کہہ رہے ہیں یعنی بناء کے وقت حضرت عائشہ رضی ۹ سال کی تھیں تو ان کی روایت کو ان کے جھوٹا ہونے کی وجہ سے رد کر دیں گے۔ اس لئے کہ ان کی اس روایت میں دو کمزوریاں شامل ہو جاتی ہیں۔ ایک ان کی داستان سرائی۔ دوسرے روایت کا خلاف واقعہ ہونا۔

علماء نقد حدیث کے تمام ضابطوں کو تسلیم تو

کرتے ہیں لیکن استعمال کے وقت ہر روایت

سے مرعوب ہو جاتے ہیں

مذکورہ بالا تمام ضابطوں اور اصولوں سے علماء واقف ہیں۔ اور حقیقت میں یہ انہیں کے بنائے ہوئے ضابطے اور اصول ہیں۔ لیکن جب ان اصولوں کے انطباق کا موقع آتا ہے تو عقیدت اور روایت کے استناد کا پہاڑ سامنے آ جاتا ہے اور ان ضوابط کے انطباق میں حائل ہو جاتا ہے۔ واقعہ انکس میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ

لولا اذ سمعتموه قلتم ما يكون لنا ان نتكلم بهذا
 سبحناك هذا بهتان عظیم . ہمارا دل چاہتا ہے کہ ہم اس
 آیت کو عمر عائشہ کے بہتان کے خلاف اسی طرح پڑھیں اور اپنے فکر کی تطہیر
 کریں . اور مزید برآں قرآن کی دوسری آیت کسوت کلمتہ تخرج من
 افواہہم ط ان یقولون الا کذبا کو بھی سامنے رکھتے ہوئے
 اس بہتان سے علی الاعلان جرأت ایمانی کے ساتھ براءت کا اظہار کر دیں . اس
 لئے کہ : تحسبونہ ہینا وہو عند اللہ عظیم .
 نبی کا مقام . ان کی پاکیزہ سیرت اور پختہ کردار . اور حضرت ابو بکر کی بیدار
 مغزی نیز اس واقعہ کا فطرۃ اللہ کے خلاف ہونا . ان تمام امور کا تقاضا تھا کہ
 ہم سنتے ہی اس قصے کا انکار کر دیتے . اور فوراً یہ کہہ دیتے کہ سبحناک
 هذا بهتان عظیم . لیکن تمام امت پر حضرت ہشام بن عروہ کی
 نام نہاد اور ناقص روایت ایسی غالب آئی کہ تمام اصول و ضوابط تہہ کر کے
 رکھ دئے گئے .

ایک غلط روایت کی شہرت نے صحیح روایات کا بھی خاتمہ کر دیا

جب کسی روایت کو بطور ایک علمی حقیقت کے قبول کر لیا گیا ہو تو اہل علم
 صرف اُسی روایت کو اپنی کتابوں میں نقل کریں گے . اور مخالف روایت
 مروجہ زمانہ سے خود بخود فنا ہو کر رہ جائے گی . اور اس کے بعد ہم تک وہی
 روایت پہنچے گی جسے اہل علم نے اپنی کتابوں میں نقل کیا . جس کو نقل ہی نہیں
 کیا گیا وہ ہم تک آخر پہنچتی کیسے ؟

حضرت عائشہ رض کی عمر کی غیر معتبر اور ناقص روایت جب اہل علم کے سامنے
 آئی تو مخالف روایتیں میدان چھوڑ گئیں . اگر کچھ لوگوں کے پاس اس کے خلاف
 کوئی مواد ہو گا بھی تو انہوں نے اس مواد کو اس روایت ہشام کی روشنی میں درست
 کر لیا ہو گا . یا مخالف روایت کو بالکل ہی ترک کر دیا ہو گا .

خلاصہ جملہ مباحث

مندرجہ بالا جملہ مباحث کے بعد ہم صاف صاف کہنا چاہتے ہیں کہ روایت ہشام مندرجہ ذیل
عقل کی بنا پر قطعاً ناقابل قبول ہے۔

۱۔ یہ روایت ہشام عقل کے خلاف ہے ۲۔ یہ روایت ہشام تجربے اور مشاہدے کے
خلاف ہے۔

۳۔ فطرۃ اللہ اور عادیۃ اللہ کے خلاف ہے ۴۔ یہ روایت ہشام نصِ عظمت رسول کے خلاف ہے

۵۔ بلوغ کے فطری ضابطہ کے خلاف ہے ۶۔ مکارم اخلاق کے خلاف ہے

۷۔ مقام نبوت کے خلاف ہے ۸۔ نبی کریم ۲ اور صدیق اکبر کی پاکیزہ
سیرتوں کے خلاف ہے

۹۔ اس دور کے معمول کے خلاف ہے ۱۰۔ حقیقتِ واقعہ کے خلاف ہے

۱۱۔ ہشام نے اَنَا لَوْ مَسَّ بَنْتٌ تَسَّحَ نَاقِصٌ نَقْلَ کیا ہے ۱۲۔ ہشام نے بنی بھادھی بَنْتٌ تَسَّحَ کو بھی ناقص تعبیر کیا

۱۳۔ نَكَحَهَا النَّبِيُّ وَهِيَ بَنْتٌ سَتَ کلام ہشام ہے ۱۴۔ بنی بھادھی بَنْتٌ تَسَّحَ بھی کلام ہشام ہے

۱۵۔ وَكَانَتْ عِنْدَهُ لَسْعًا۔ یا بَنْتٌ ثَمَانِ عَشَرَ بھی

کلام ہشام ہے۔

۱۶۔ اس روایت ہشام میں ایک جملہ بھی حضرت عائشہؓ

کا نہیں ۱۷۔ اس روایت کی عروہ کی طرف نسبت ہی کذب ہے

۱۸۔ یہ پوری روایت ہی کلام ہشام ہے

۱۹۔ اس روایت کو عنعنہ کے ذریعے نیچے سے اوپر

پہنچایا گیا ہے۔

۲۰۔ یہ پوری کی پوری روایت موضوع ہے۔

۲۱۔ اس روایت کے تمام متابعات رشواہد

خود یہی روایت ہے جس کو مدلسین نے

دوسری اسناد سے جوڑ کر نئی روایات بنا دیا

ہے۔

۲۲۔ اصطلاح محدثین میں یہ روایت سند کے

اعتبار سے ۱۔ مرسل ۲۔ منقطع

۳۔ معضل ۴۔ بدلس ۵۔ معنعن

۶۔ مقطوع ۷۔ شاذ ۸۔ منکر ۹۔ اور مردود

ہے۔

۱۲۳ اور متن کے لحاظ سے مدراج بلکہ موضوع ہے

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی

کم عمری کا دوسرا مآخذ

گٹریوں اور سہیلیوں کی روایات

پہلے ہمارا خیال تھا کہ لعب کی روایات پر تفصیلی بحث نہ کریں۔ اس لئے کہ جب حضرت ہشام کی تزوج والی روایت پر ہم من کل الوجوہ بحث کر چکے تو کھیل کی روایات بھی خود بخود ختم ہو جاتی ہیں۔

لیکن چونکہ کھیل کی روایات دو قسم کی ہیں۔ ایک لعب بالبنات کی اور دوسری حبشیوں کا کھیل دیکھنے کی۔ پہلی قسم کی روایات ہشام سے مروی ہیں۔ اور دوسری قسم کی روایات کے راوی حقیقت میں ہشام نہیں ہیں۔ بلکہ یہ روایات زہری کے ذریعہ سے منقول ہیں۔ اس لئے ان کے اسناد اور متون پر بھی بحث کرنا ضروری ہے۔ لہذا ہم پہلے لعب بالبنات کی روایات پر بحث کریں گے۔

گٹریوں کی روایات

یہ روایات صراحۃً حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بچپن پر دلالت کرتی ہیں۔ اور یہ تمام روایات حضرت ہشام سے منقول ہیں۔ مثلاً

حدثنا محمد بن
قال اخيرنا ابو معاوية قال حدثنا هشام
بن عروة عن ابيه عن عائشة رضي الله عنها قالت كنت اللعب بالبنات
عند رسول الله فكان لي صواحب يلعبن معي وكان رسول الله اذا دخل
ينقمعن منه فيسربهن الى فيلعبن معي

(بخاری باب الانبساط الى النساء جلد دوم ص ۹۵)

ہم سے حدیث بیان کی محمد بن نے اس نے کہا ہمیں خبر دی ابو معاویہ نے اس نے کہا ہم سے حدیث بیان کی ہشام بن عروہ نے اپنے باپ سے اس نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے انہوں نے کہا میں کھیل کرتی تھی گٹریوں سے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اور میری سہیلیاں میرے ساتھ

کھیلتی تھیں اور جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لاتے تھے تو میری ہیلیاں کھیل سے رُک جاتی تھیں۔ اور ادھر ادھر ہو جاتی تھیں۔ آپ کی وجہ سے اور آپ انہیں میری طرف بھیجتے تھے۔ پھر وہ میرے ساتھ کھیلتی تھیں۔

مسلم:۔ حدثنا يحيى بن يحيى قال حدثنا عبد العزيز بن محمد عن هشام بن عروة عن أبيه عن عائشة رضي الله عنها قالت انها كانت تلعب بالبنات عند رسول الله صلى الله عليه وسلم كانت تأتيني صواحبى فكن ينقمعن من رسول الله قالت فكان رسول الله صلى الله عليه وسلم ينهن الى

وحدثناه ابو كريب قال حدثنا ابو اسامه ج قال وحدثناه زهير بن حرب قال اخبرنا جرير قال وحدثناه محمد بن بشر كلهم عن هشام بن عروة عن أبيه بهذا الاسناد . قال وفي حديث جرير كنت لعب بالبنات في بيته وهن اللعب .

(مسلم جلد دوم باب المناقب فضل عائشة رضي)

یحییٰ بن یحییٰ نے ہم سے حدیث بیان کی اس نے کہا ہم سے عبد العزیز بن محمد نے حدیث بیان کی ہشام بن عروہ سے اس نے اپنے باپ سے اس نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے اس نے کہا کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گڑیوں سے کھیل کرتی تھیں اور میری ہیلیاں میرے پاس آیا کرتی تھیں۔ اور وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے چھپ کر ادھر ادھر ہو جاتی تھیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انہیں میری طرف متوجہ کرتے تھے۔

اور ابو کریب نے ہم سے یہی حدیث بیان کی اس نے کہا ابو اسامہ نے ہم سے حدیث بیان کی ح اور اس نے کہا زہیر بن حرب نے ہم سے یہی حدیث بیان کی اس نے کہا ہمیں جریر نے خبر دی ح اس نے کہا محمد بن بشر نے ہم سے یہی حدیث بیان کی ان تمام نے ہشام بن عروہ سے اس نے اپنے باپ سے اسی اسناد سے اس نے کہا حدیث جریر میں ہے میں گڑیوں سے کھیلتی تھی آپ کے گھر میں۔ اور بنات سے مراد کھلونے ہیں۔

ج ہم سے حدیث بیان عبد اللہ نے اس نے کہا میرے باپ نے مجھ سے حدیث کی۔ اس نے کہا ہم سے عبد الرزاق نے حدیث بیان کی اس نے کہا ہم سے معمر نے حدیث بیان کی۔ ہشام بن عروہ سے۔

مسند احمد:۔ ۱۔ حدثنا عبد الله شني أبي ثنا عبد الرزاق ثنا

معمر عن هشام بن عروة عن أبيه عن عائشة رضي قالت كنت ألعب بالبنات
فيا تيني صواحبى فاذا دخل رسول الله فرددن منه فياخذهن رسول الله
صلی اللہ علیہ وسلم فیردھن الی .

مسند امام احمد جلد ۶ ص ۱۶۶

اس نے اپنے باپ سے اس نے حضرت عائشہ رض سے اہوں نے کہا میں گڑیوں سے کھیلا
کرتی تھی اور میرے پاس میری سہیلیاں آیا کرتی تھیں۔ پس جب رسول اللہ صلم گھر میں داخل
ہوتے تھے وہ بھاگ جاتی تھیں اور آپ انہیں پکڑ کر میرے پاس لاتے تھے۔
۲۔ حدثنا عبد اللہ ثنی ابی قال حدثنا محمد بن بشر قال حدثنا هشام
بن عروة عن أبيه عن عائشة رضي قالت انھا كانت تلعب بالبنات
فكان النبي يأتي بصواحبی يلعبن معی

مسند جلد ۶ ص ۲۳۳

عبداللہ نے ہم سے حدیث بیان کی اس نے کہا میرے باپ نے مجھ سے حدیث بیان کی
اس نے کہا ہم سے هشام بن عروہ نے حدیث بیان کی اس نے باپ سے اس نے عائشہ رض
سے اس نے کہا وہ کھیلا کرتی تھی گڑیوں سے اور نبی صلم میری سہیلیوں کو لایا کرتے تھے۔ وہ
میرے ساتھ کھیلتی تھیں۔

ابن ماجہ :۔ حدثنا حفص بن عمر ثنا عمرو بن حبيب القاهني
قال حدثنا هشام بن عروة عن أبيه عن عائشة رضي قالت
كنت ألعب بالبنات وانا عند رسول الله صلى الله عليه وسلم فكان
يسرب الی صواحباتی فتلاعبنی . (ابن ماجہ، باب عشرة النساء ص ۱۴۲)

ہم سے حدیث بیان کی حفص بن عمر نے اس نے کہا ہم سے حدیث بیان کی قاضی عمر بن حبیب
نے اس نے کہا ہم سے حدیث بیان کی هشام بن عروہ نے اس نے اپنے باپ سے اس نے
عائشہ رض سے میں گڑیوں سے کھیلا کرتی تھی اور میں رسول اللہ صلم کے پاس ہوتی تھی
پس آپ میری سہیلیوں کو میرے پاس لایا کرتے تھے۔ اور وہ میرے ساتھ کھیلا
کرتی تھیں

البوداؤد :۔ حدثنا مسدد ثنا حماد عن هشام بن عروة عن أبيه عن
عائشة رضي قالت كنت ألعب بالبنات فربما دخل علي رسول الله
صلى الله عليه وسلم عندى الجوارى فاذا دخل خرجن وادأخرج

دتحلن (ابو داؤد جلد دوم کتاب الادب - باب فی اللعب)
مسدود نے ہم سے حدیث بیان کی اس نے کہا حماد نے ہم سے حدیث بیان کی ، ہشام بن
عروہ سے اس نے اپنے باپ سے اس نے عائشہ رض سے انہوں نے کہا میں کھیلا کرتی تھی اور بسا اوقات
میرے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آتے تھے اور میرے پاس (آس پاس) چھوکریاں ہوتی تھیں ، جب آپ
گھر میں داخل ہوتے وہ نکل جاتی تھیں اور جب آپ باہر جاتے تو پھر اندر آ جاتی تھیں ۔

یہ سب روایات ہشام بن عروہ کی ہیں | مذکورہ بالا روایات ہم نے مختلف کتب

حدیث سے نقل کی ہیں ۔ اور یہ سب ہشام
بن عروہ سے منقول ہیں اور ان سب روایات میں گڑبائیوں سے کھیلنے کا ذکر ہے ۔ ہم پہلے مفصل
بحث کر چکے ہیں کہ حضرت ہشام نے یہ طے کر لیا ہے کہ حضرت عائشہ رض کو نبی کریم صلی اللہ
علیہ وسلم کی زندگی کے آخر تک بالکل سچی ثابت کریں ۔

چونکہ ہشام بن عروہ روایت تزوج کے راوی ہیں اور یہ روایت ان کا استنباط ہے ۔
جیسے وہ اپنے باپ کی طرف منسوب کر کے بیان کرتے ہیں ، نیز لعب بالبنات کے راوی
بھی وہی ہیں ۔ اور یہ لعب کی روایت انہوں نے اپنے باپ سے سنی ہوگی ۔ اس لیے
انہوں نے اپنی تزوج والی غلط روایت کی وجہ سے یہ قیاس کر لیا کہ حضرت عائشہ رض
نکاح کے بعد بھی گڑبائیاں کھیلتی ہوں گی ۔ چنانچہ لعب بالبنات کی اس روایت کو ان کے استخراج
کے ساتھ ملا کر ایک روایت بنا دیا ۔ اصل میں ہشام کا استخراج یہ تھا کہ فکح النبی عائشۃ
دہی بنت سبت دہی بنت سبت تسع ومات عنها دہی بنت ثمان عشر
لیکن ان دونوں روایتوں کو ملا کر انہوں نے ایک روایت بنا دیا اور اس طرح بیان کرنا شروع کر دیا ۔

ان میں دو روایات کو جمع کر کے غلط نتیجے تک پہنچایا گیا ہے | ۱ - ان خبرنا

سفیان عن

ہشام بن عروہ عن ابيه عن عائشة رض قالت تزوجني رسول الله وانا
ابنة سبع دہی بنت سبت تسع ومات عنها دہی بنت ثمان عشر فکح النبی عائشۃ
یا قتیبتی فاذا مرین رسول الله انتمعن فكان رسول الله یسر بهن الی -

د کتاب اختلاف الحدیث للامام الشافعی علی هامش کتاب الام

حیزد سابع ص ۱۸ مطبوعہ مصر)

ہمیں خبر دی سفیان نے ہشام بن عروہ سے اس نے اپنے باپ سے اس نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے انہوں نے کہا مجھ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نکاح کیا اور میں سات سال کی تھی اور میری رخصتی ہوئی تو میں ۹ سال کی تھی اور میں گڑیوں سے کھیلا کرتی تھی میری پڑوسی چھوڑیاں میرے پاس آتی تھیں جب وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھتی تھیں تو منتشر ہو جاتی تھیں پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انہیں میرے پاس لائے تھے ۔

۲۔ أخبرنا مسلم بن ابراہیم أخبرنا جعفر بن سلیمان أخبرنا ہشام بن عروہ عن ابيه عن عائشة رضي الله عنها قالت تزوج بي النبي صلى الله عليه وسلم وانا ابنة سبع سنين ودخل بي وانا ابنة تسع سنين وكنت العبا بالبنات مع صواحبى . فاذا جاء ذهن بين ايدينا يقول لنا النبي مكنا كن .
(ابن سعد جلد ۸ ص ۷۷ ذکر عائشہ رضی اللہ عنہا)

مسلم بن ابراہیم نے ہمیں خبر سنائی اس نے کہا جعفر بن سلیمان نے ہمیں خبر سنائی اس نے کہا ہشام بن عروہ نے ہمیں خبر دی اپنے باپ سے اس نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے اس نے کہا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے نکاح کیا اور میں سات سال کی تھی اور میری رخصتی ہوئی تو میں ۹ سال کی تھی اور میں گڑیوں سے کھیلا کرتی تھی اپنی سہیلیوں کے ساتھ پس جب آپ آتے تھے اور وہ میرے پاس ہوتی تھیں تو آپ فرمایا کرتے تھے اپنی جگہ بیٹھی رہو ۔

۳۔ أخبرنا محمد بن عمر أخبرنا ابن أبي الزناد عن هشام بن عروہ عن ابيه عن عائشة رضي الله عنها قالت تزوجني رسول الله صلى الله عليه وسلم وانا بنت ست سنين ودخل علي وانا بنت تسع سنين ولقد دخلت عليه واني كالعبا بالبنات مع الجواري فيدخل فينقمع عنه صواحبى فيخرجن فيخرج رسول الله فيسربهن على . (ابن سعد جلد ۸ ص ۷۹ ذکر عائشہ رضی اللہ عنہا)

محمد بن عمر نے ہمیں خبر سنائی اس نے کہا ہمیں ابن ابی الزناد نے خبر سنائی ہشام بن عروہ سے اس نے اپنے باپ سے اس نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے اس نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے نکاح کیا اور میں چھ سال کی تھی اور میری رخصتی ہوئی تو میں ۹ سال کی تھی میں آپ کے پاس گئی تو میں گڑیاں کھیلا کرتی تھی اپنی سہیلیوں کے ساتھ جب آپ گھر میں داخل ہوتے تو میری سہیلیاں منتشر ہو جاتیں اور نکل جاتیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گھر سے نکل کر انہیں پکڑ کر میرے پاس لائے ۔
مذکورہ بالا ہر دو مختلف روایات کے جمع کر دینے سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے رخصتی کے بعد بھی ہونے پر گویا مہر لگ گئی ہے ۔

اس آخری روایت کی سند میں واقدی ہے۔ لیکن متن روایت چونکہ دوسری اسناد سے بھی مروی ہے۔ اس لئے واقدی کا اس میں ہونا مضر نہیں ہے۔

ہشام کے شاگردوں نے تین روایتیں جمع کر کے اور خرابی پیدا کر دی ہے۔

ہشام بن عروہ کے ایک تلمیذ حماد بن سلمہ نے ہشام سے ایک روایت ایسی بیان کی ہے جس میں دو سے آگے بڑھ کر تین روایتیں جمع کر دی ہیں۔ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی صغر سنی کی تکمیل کر دی ہے :-

اخیر یزید بن ہارون ان خیرنا حماد بن سلمة عن هشام بن عروة
عن ابيه عن عائشة روت تزوجني رسول الله صلى الله عليه وسلم وانا بنت
ست سنين وادخلت عليه وانا بنت تسع سنين وكنت العب على ارجوحة
ولي جمة فأتيت وانا لعب عليهما فاخذت فحيث ثم ادخلت عليه
وارى صورتي في حديرة (ابن سعد جلد ۵ ص ۵۹ ذکر عائشہ رضی اللہ عنہا)

ہمیں خبر دی یزید بن ہارون نے اس نے کہا ہمیں خبر دی حماد بن سلمہ نے ہشام بن عروہ سے
اس نے اپنے باپ سے اس نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے کہنا مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نکاح کیا
اور میں چھ سال کی تھی اور میری رخصتی ہوئی تو میں ۹ سال کی تھی اور میں جھولے میں کھیلتی تھی
میرے بال جھوٹے تھے مجھے لایا گیا میں اس پر کھیل رہی تھی مجھے پکڑا گیا اور تیار کیا گیا
اور مجھے آپ کے پاس پہنچایا گیا اور میں اپنی صورت چمکتے ہوئے ریشم میں دیکھ رہی تھی۔
اس روایت سے یہ مستفاد ہے کہ عائشہ رضی اللہ عنہا بھی اتنی بچی تھیں کہ سر پر بال بھی نہیں تھے
کہ رخصتی ہو گئی۔

ان مرکب روایات کے رواۃ میں وہی تزوج والی روایت کے رواۃ ہیں جن پر
ہم بحث کر چکے ہیں۔ علاوہ ازیں معلوم ہوتا ہے کہ یہ روایات بھی ہشام کے آخری سفر عراق
کی مرویات ہیں۔ کیونکہ انداز روایت عنعنہ کا ہے۔ اور ایسی روایات کے متعلق امام مالک
کا ارشاد ہے کہ دکان لا یرضاه مالک۔ وقد نفتم علیہ حدیثہ لاهل
العراق۔

بعض رواۃ نے تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے کھیل کو غزوہ تبوک تک پہنچا دیا | حدیثنا محمد
بن عوف

حدثنا سعيد بن ابی مریم حدثنا یحیی بن ایوب قال حدثنی
 عمارۃ بن غزویۃ ان ابراہیم بن محمد حدثہ عن ابی سلمۃ
 بن عبد الرحمن عن عائشۃ رضی اللہ عنہا قالت قدم رسول اللہ صلی اللہ
 علیہ وسلم من غزوۃ تبوک او خیبر ولسہوتہا ستر فہبت
 ریح فکشفنا حایۃ الستر عن بنات لعائشۃ رضی اللہ عنہا۔ فقال ما
 هذا یا عائشۃ قالت بناتی وراى بینہن فرسائہن جناحان من رقاہ
 فقال ما هذا الذی اراى وسطہن قالت فرس قال وما هذا الذی
 علیہ قالت جناحان۔ قال فرس لہ جناحان؟ قالت اما سمعت
 ان لسلیمان خیلا لہا اجنحة قالت فحنک رسول اللہ صلی اللہ
 علیہ وسلم حتی رايت لنواخذہ۔ (الیودائثر۔ کتاب الادب

ص ابن ماجہ ص)

محمد بن عون نے ہم سے حدیث بیان کی اس نے کہا ہم سے حدیث بیان کی سعید بن
 ابی مریم نے اس نے کہا ہم سے حدیث بیان کی یحییٰ بن ایوب نے اس نے کہا عمارہ بن غزیہ
 نے ہم سے حدیث بیان کی بیشک ابراہیم بن محمد نے اس سے حدیث بیان کی ابوسلمہ بن
 عبد الرحمن نے عائشہؓ سے اس نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غزوہ تبوک سے واپس آئے یا غزوہ خیبر سے
 ان کے گھر میں ایک پردہ لٹکا ہوا تھا ہوا چلی تو پردے کا ایک کونہ کھل گیا جس
 کے پیچھے عائشہؓ کے کھلونے تھے آپؐ نے دریافت فرمایا یہ کیا ہے اے عائشہ
 انھوں نے کہا میری گڑیاں ان میں آپ کو ایک گھوڑا نظر آیا جس کے دو پردے تھے

آپؐ نے فرمایا یہ ان کے بچ میں میں کیا دیکھ رہا ہوں اس نے کہا دو بازو ہیں
 آپؐ نے فرمایا گھوڑا اور اس کے دو بازو اس نے کہا آپؐ نے نہیں سنا حضرت سلیمانؑ
 کے گھوڑے کے کئی پردے تھے اس نے کہا آپؐ ہنس دے اور میں نے ہنسنے سے آپؐ کی
 کچلیاں دیکھیں۔

حالانکہ غزوہ تبوک کے وقت حضرت عائشہؓ بہشام کی روایت کی رو سے سترہ
 سال کی تھیں۔

اس روایت کی سند پر ہم روایت تزوج کے ضمن میں گفتگو کر چکے ہیں۔ یہ
 شاہکار بھی سعید بن حکم کا معلوم ہوتا ہے۔

کھیل کے راوی بھی وہی ہیں جن پر تزوج کی روایت کے دوران بحث کی جا چکی ہے

ان روایتوں کے راوی تقریباً وہی ہیں جو تزوج کی روایات کے ہیں۔ بلکہ ایک سند میں تو عبدالرزاق عن معمر بن ہشام ہے۔ اور عبدالرزاق اور معمر پر اور تمام رجال اسناد پر ہم پہلے بحث کر چکے ہیں۔

افسوس :- حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے کھیل کے واقعات کو اس طرح مشہر کیا گیا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور کھیل لازم و ملزوم بن گئے۔ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا تصور بلا کھیل کے مشکل ہو گیا۔ اور ہشام کی بناء تسع والی روایت کی وجہ سے ہمارے رواۃ کے ذہن پر ایسا بچپن طاری ہوا کہ انہیں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی ہر بات میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ہر واقعہ میں بچپن نظر آنے لگا۔ رخصتی کے لئے بلایا تو جھولنے میں تھیں۔ منہ بھی دھونا نہیں آتا تھا۔ رخصتی کے وقت ماں نے منہ دھوایا۔ بناء کے وقت کھلونے ساتھ تھے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب بھی گھر میں تشریف لاتے تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سہیلیوں کے ساتھ کھلونوں میں مشغول ہوتیں۔ اور انتہا یہ کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ہر عمل کی توجیہ اس طفلانہ ذہن سے کی جانے لگی۔ کوئی نام یاد نہ آیا تو بچپن کی وجہ سے آیت یاد نہ آئی تو بچپن کی وجہ سے۔ کھانا اچھا نہیں پکتا تو بچپن کے باعث۔ آٹا گوندھتی گوندھتی سو جاتی ہیں کہ بچی تھیں۔ وغیرہ وغیرہ۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو ہمیشہ کے لئے بچی بنا کر رکھ دیا گیا | حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی کم عمری کی روایت بیان کرنے

والوں میں کچھ شیعہ رواۃ بھی ہیں۔ خصوصیت سے عبدالرزاق بن ہمام صنعانی اور جعفر بن سلیمان انہوں نے ان روایات کو اپنے رنگ میں رنگ کر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر بچپن کا ایسا لیل لگایا کہ اس قسم کی روایات سے ان کی پوری زندگی کو جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں گزاری تھی اس پر بچپن کا ٹھپہ لگا کر بے اعتبار بنا دیا اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی زندگی تضاد کا شاہکار بن کر رہ گئی۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو ایک متضاد شخصیت بنا دیا گیا | یعنی ۹ سال کی عمر میں وہ پوری عورت شادی شدہ بھی تھیں اور

ایسی بالکل سچی بھی تھیں جنہیں منہ دھونا بھی نہیں آتا تھا ۔
 اے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نہایت چھتی بیوی تھیں مگر زفات میں کھلونے ساتھ لے جاتے ۔
 خاتم الانبیاء کی محترم حرم تھیں مگر ہر وقت چھو کر یوں کے ساتھ کھلونوں میں لگی رہتی تھیں ۔
 اے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کا التفات اپنی طرف چاہتے تھے مگر حضرت عائشہ رضہ کو
 منات اور صواحب سے فرصت ہی نہ تھی ۔ گو یا میاں اور بیوی میں لونِ بے بد تھا ۔
 آپ گھر تشریف لاتے تو گھر کٹ پتلیوں کا عجائب خانہ بنا رہتا تھا ۔
 بعض دفعہ حضرت عائشہ رضہ کی سہیلیوں کو آنحضرت ص سے چھپنا پڑتا تھا ۔
 پر لے درجے کی کھنڈری تھیں (نعوذ باللہ) مدینے کی کھنڈری لڑکیاں سارا دن حضرت
 عائشہ رضہ کے گھر میں رہتی تھیں ۔
 ازدواج کے ایک گروپ کی لیڈر تھیں ۔ مگر حضرت سلیمان ؑ کے گھوڑے سربانے رکھے
 رہتے ۔

حقیقت یہ ہے :- حقیقت یہ ہے کہ ہشام کی نام نہاد روایت کی وجہ سے حضرت
 عائشہ رضہ کے متعلق رداۃ کا ذہن اتنا چھوٹا ہو چکا تھا اور خود ان راویوں پر اس درجہ بچپن طاری
 ہو چکا تھا کہ انہوں نے اسلام سے پہلے کی کئی زندگی کے کھلونوں کو مدنی زندگی میں لا کر بیان کرنا
 شروع کر دیا ۔

۱۔ اسلام کی ابتدائی زندگی کے متعلق اور مکے کے واقعات کے متعلق سب سے
 مستند ذریعہ حضرت عائشہ رضہ کی روایات ہیں حتیٰ کہ بدو وحی کی روایت کی راویہ بھی حضرت
 عائشہ رضہ ہی ہیں ۔ خدا تعالیٰ نے ان کو غضب کا حافظہ دیا تھا ۔ بدو شعور سے لیکر مدینے
 کی ہجرت تک کے واقعات ان کو از بر تھے ۔ اس لئے وہ اپنی ابتدائی زندگی کے حالات
 حتیٰ کہ گڑیاں کھیلنے کے زمانے کے حالات نہایت شرح و بسط سے سناتی تھیں ۔ جزئیات
 تک کو نظر انداز نہیں فرماتی تھیں ۔ یہ زمانہ اسلام سے پہلے کا زمانہ تھا ۔ یہ حضرت عائشہ رضہ
 کی طفولیت کی باتیں ہیں ۔ شباب ہی سے آنحضرت صلعم کی حضرت ابو بکر رضہ سے دوستی
 تھی اور گھر جیسا تعلق تھا ۔ حضرت عائشہ رضہ کا یہ بیان کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام
 ہر روز صبح شام ہمارے گھر تشریف لایا کرتے تھے اس بات کو ظاہر کرتا ہے کہ اس وقت
 یہ حالات پیش آئے ہوں گے جن کا ان روایتوں میں ذکر ہے ۔ آپ حضرت عائشہ رضہ
 کو کھیلنے دیکھتے ہوں گے اور وہ چھوٹی چھوٹی بچیاں آں حضرت ص کو بزرگ خیال کر کے
 ادھر ادھر ہو جاتی ہوں گی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ازراہ شفقت و تفریح ان بچیوں

کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس کر دیتے ہوں گے۔

اس وقت آنحضرت کو خیال نہیں تھا کہ یہ بچی کسی وقت میری بیوی بنے گی اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو بھی معلوم نہیں تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم میرے داماد ہوں گے، اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا تو اس وقت بالکل بچی تھیں وہ اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو عم کی حیثیت سے جانتی تھیں۔ اس لئے ان روایات سے کسی امر پر استدلال کرنے سے باطل ہے۔ یہ تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حافظے کا کمال تھا کہ انہیں بھی تک کے حالات یاد تھے وہ انہوں نے بیان کر دیئے۔ یہ ان کے معصوم زمانے کی باتیں تھیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دعویٰ نبوت سے پہلے کی بات ہے۔

اور اگر یہ تسلیم کیا جائے کہ نکاح اور رخصتی کے بعد مدینے میں یہ واقعات پیش آئے تو ان تمام مذکورہ بالا روایات میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے گڑبڑوں سے کھیلنے کا ذکر ہے اور کھیل کھلونوں اور ساتھیوں کی معیت میں ہوتا ہے۔ اس لئے بنات اور صواحب کا ذکر بھی ساتھ ساتھ چل رہا ہے لیکن پوری کوشش کے باوجود ہمیں ان صواحب کا پتہ نہ چل سکا کہ یہ کون تھیں اور کہاں غائب ہو گئیں

معلوم یہ ہوتا ہے کہ بے مسمی (بے نام و نشان) صواحب میں جن کا خارجی وجود تھا ہی نہیں۔ یہ حضرت ہشام کی ذہنی مخلوق ہیں۔ جن سے ان کے سوا کوئی واقف نہ ہو سکا۔ یہ طرز روایت ان کے شوق روایت پر دال ہے۔

اگر ان صواحب کا کوئی واقعی وجود ہوتا تو بعد کی زندگی میں وہ اس واقعے کو بیاں کرتیں کہ ہم حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ کھیلا کرتے تھے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لایا کرتے تھے۔ اور ہمیں دیکھ کر خوش ہوا کرتے تھے۔ لیکن کسی عورت کا اس قسم کا بیان تاریخ میں مذکور نہیں ہے۔ یہ بھی معلوم نہیں کہ صواحب انصار کی بیٹیاں تھیں یا مہاجرین کی بیٹیاں تھیں۔ ان کے ماں۔ باپ، مہجائی۔ بہن۔ بیٹے بیٹیاں کون تھے۔ یہ بچپن کی رخصتی کا واقعہ تو ایسا تھا کہ ہر ایک اسے یاد رکھتا۔ اور موقع بہ موقع ذکر کرتا۔ پھر ان خوش نصیب عورتوں کو اپنی زندگی کے ان عجیب واقعات کو جی بھر کے خوب خوب بیان کرنا چاہیے تھا۔ کہ ہمیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں مسجد نبوی کے احاطے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیاری بیوی کے ساتھ کھیلنے کی سعادت نصیب ہوئی تھی۔ اور مزید برآں اس ذریعے سے نبی صلی اللہ

علیہ وسلم کی خوشنودی حاصل ہوئی تھی۔ انہیں ہر صورت خوش بختی کا ذکر کرنا چاہیے تھا۔
مدینے کے اصحاب علم کا ایک گروہ بڑی بوڑھیوں سے آنحضرتؐ کے عہد مبارک
کے واقعات معلوم کرنے کے لئے گھر گھر پھرا کرتا تھا۔ نہری اپنے وقت میں اس
معاہدے میں پیش پیش تھے لیکن ان کو مدینے کی پوری بستی میں ایک عورت بھی ایسی
نہیں ملی جو ان صواحب کے متعلق کچھ بتا سکتی۔ کبھی کسی نے نہیں کہا کہ میں یا میری ماں
خالہ، پھوپھی، دادی، نانی ان صواحب میں شامل تھیں۔

یہ تمام روایتیں الا ماشاء اللہ حضرت ہشام سے منقول ہیں۔ اس لئے وہ ہی صورتیں
ہیں یا تو ہشام منقول ہیں کہ بعد کے رواد نے ہر رطب و یابس ان کی طرف منسوب کر دیا
جیسا کہ حسن بصری کے ساتھ ہوا جو نہایت ثقہ اور متقی تابعی ہیں۔

آپ وعظ و تذکر اور موفیاء کرام کی کتاب میں اٹھا کر دیکھ لیجئے۔ ہر قسم کی موضوعات
ان سے منسوب ملتی ہیں۔ ارباب تصوف کے بیشتر سلسلے حسن بصری کے ذریعے حضرت علیؑ
سے چلے ہیں۔ لیکن لطف کی بات یہ ہے کہ حسن بصریؒ کا حضرت علیؑ سے نہ لقاء ثابت
نہ سماع ابھی حسن پیدا بھی نہیں ہوئے تھے یا ابھی بے شعور نیچے تھے کہ حضرت علیؑ
شہید ہو گئے تھے۔ اور یا پھر حضرت ہشام کا شغل ہی یہ ہو گیا تھا کہ حضرت عائشہؓ
کے متعلق اپنے استنباط کو مستحکم بنانے کے لئے پچپن کے لوازمات دل کھول کر بیان کرنے
م شروع کر دیئے تھے اور حضرت عائشہؓ کے پچپن کے کھیل کے واقعات خوب لطف لے
کر بیان کرتے تھے۔ واللہ اعلم۔

بھلا غور تو کیجئے :- بھلا غور تو کیجئے یہ کس کردار کی تصویر ہے۔ کیا اسی
کردار کی جس کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔

فضل عائشۃ رضی اللہ عنہا النساء العالم کفضل الثرید علی سائر الطعام
ان لوگوں نے یہ نہیں سوچا کہ ان واقعات سے خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات
کے متعلق کیا خیال پیدا ہوگا۔ اور آپ کا متوازن کردار دنیا کے سامنے کس رنگ میں ظاہر
اور اعداء اسلام کے لئے حوصلہ افزا ہوگا۔

حضرت عائشہؓ رضی اللہ عنہا کی تنقیص کرتے کرتے یہ لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تنقیص
تک جا پہنچے ہیں۔

لخوذ بالله من هذه الخرافات واستغفر الله من نقل
هذه الهفوات۔

کیا صرف عائشہ رضی اللہ عنہا ہی کھیلتی تھیں ؟

بچپن ہر ایک پر
ہی گزرتا ہے۔ زندگی

میں ہر بچہ کھیلتا ہے۔ لیکن کیا وجہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادیوں کے متعلق کہیں کھیل کا ذکر نہیں۔

آپ کی تمام صاحبزادیوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تربیت میں خانہ نبوت میں حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے سایہ عاطفت میں پرورش پائی ہے۔ خصوصیت سے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے متعلق یقین کے ساتھ کہا جاسکتا ہے کہ ان کا بچپن آپ کی نبوت کے زمانہ میں گزرا ہے۔ یہ سب صاحبزادیاں ایک متمول ماں کی لاٹولی بیٹیاں تھیں کھلونے بھی ہوں گے۔ کھیلتی بھی ہوں گی۔ سہیلیاں بھی ہوں گی۔ لیکن کہیں بھی ان کے کھلونوں کا ذکر ہے ؟ یہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے کھلونے کیا ایسے ہو گئے کہ ان کی لشہیر ابد الابد تک کی جانی ضروری ہے۔

حقیقت یہ ہے : حقیقت یہ ہے کہ نام نہاد روایت ہشام کی وجہ سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے متعلق روایات کا ذہن اتنا چھوٹا ہو چکا تھا اور خود ان روایوں پر اس درجہ بچپن طاری ہو چکا تھا کہ انہوں نے اسلام سے پہلے کی یعنی مکہ زندگی کے کھلونوں کو مدینے کی زندگی میں بیان کرنا شروع کر دیا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا

کی کم عمری کا

تیسرا ماخذ

گانے کی روایات

عید الاضحیٰ کے دنوں میں گانے کی روایات | یہ روایات حضرت عروہ سے

مروی ہیں۔ اور حضرت عروہ

سے ان تمام کو بیان کرنے والے صرف دو راوی ہیں اور کوئی نہیں ہے۔ ۱۔ ایک ہشام بن عروہ (۲) دوسرے زہری۔

بعض محدثین نے خال خال ان کا متابع بھی پیش کیا ہے۔ ہم ان روایات کو مختلف کتب حدیث سے پیش کر رہے ہیں۔ ان کے متن کے الفاظ میں بہت کم اختلاف ہے البتہ اسناد مختلف ہیں۔

۱۔ بخاری بروایت عبید بن اسماعیل | حدثنا عبید بن اسماعیل (دھشام) قال حدثنا ابو اسامة عن

ہشام بن عروہ عن ابيه عن عائشة قالت دخل علي ابو بكر وعندي جارتان من جوازي الانصار يوم بعثت قالت وليستا بمغتبتين۔ فقال ابو بكر بمنزل مير الشيطان في بيت رسول الله۔ وذلك في يوم عيد۔ فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم يا ابا بكر ان لكل قوم عيد افهنا عيدنا۔ (بخاری جلد ۱ ص ۱۳۳ باب الحلب والاراق في المسحيد)

عبید بن اسماعیل نے ہم سے حدیث بیان کی ہشام بن عروہ سے اس نے اپنے باپ سے اس نے عائشہ رض سے اس نے کہا میرے پاس ابو بکر آئے اور میرے پاس دو چھوکر یاں تھیں انصار کی لونڈیوں میں سے یوم بعات کے گیت گارہی تھیں وہ گانے والیاں نہیں تھیں پس ابو بکر نے کہا مزامیر شیطان اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں ۴ اور عید کے دن میں پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے ابو بکر ہر قوم کا ایک عید کا دن ہوتا ہے پس یہ ہماری عید ہے ۔

۵۸

۹۵

۱۵۶

۳۰۱

۲۵۰

۷۳

۶۱

۱۶۱

۱۶۱

۱۶۱

عائشہ رض

طبقة ثمانية عروہ

خامسہ ہشام

تاسعہ ابواسامہ

عاشرہ عبید بن اسماعیل

(بخاری)

۲ مسلم بروایت ابو بکر بن ابی شیبہ | حدثنا ابو بکر بن ابی شیبہ قال
(ہشام)

عروہ عن ابيه عن عائشة رضي قالت دخل علي ابو بكر وعندي جاريستان من
جوازي الا نصار تغنيان بما تقاولت الانصار يوم بعات وليستا بمنغيتين
فقال ابو بكر يمز مور الشيطان في بيت رسول الله وذلك في يوم عيد
فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم يا ابا بكر ان لكل قوم عيد وهذا عيدنا
(مسلم . باب العيدين)

۲ - ابو بکر بن شیبہ نے بیان کیا اس نے کہا ہم سے ابواسامہ نے حدیث بیان کی ہشام بن
عروہ سے اس نے اپنے باپ سے اس نے عائشہ رض سے انہوں نے کہا میرے گھر ابو بکر
آئے اور میرے پاس دو لونڈیاں تھیں انصار کی لونڈیوں سے گارہی تھیں جو انصار نے
یوم بعات کے متعلق کہا ہے لیکن وہ باقاعدہ گانہ والی نہیں تھیں ابو بکر نے کہا کہ رسول اللہ
کے گھر میں اور موزہ شیطان یہ عید کے دن میں تھا پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ۔
اے ابو بکر ہر قوم کی عید ہوتی ہے ۔
اور یہ ہماری عید ہے ۔

۵۸	۲۳	عائشہ رضہ
۹۲	۶۱	ثانیہ عروہ
۱۴۶	۱۲۱	خامسہ ہشام
۲۰۱	۱۶۴	تاسعہ ابو اسامہ
۲۳۵		عاشرہ ابو بکر بن ابی شیبہ

(مسلم)

۳۔ مسلم بروایت یحییٰ بن یحییٰ | وحدثناه یحییٰ بن یحییٰ والیو کریب جمیعاً
(ہشام) عن ابی معاویۃ عن ہشام بهذا الاسناد

(مسلم باب العیدین)

وفیہ جاریتان بدوت اور یہی حدیث یحییٰ بن یحییٰ نے بیان کی اور ابو کریب نے اکٹھی ابی معاویہ سے اس نے ہشام سے اسی سند کے ساتھ البتہ دو نوٹ دیاں وف کے ساتھ تھیں۔

۵۸	۲۳	عائشہ رضہ
۹۲	۶۱	ثانیہ عروہ
۱۴۶	۱۱۳	خامسہ ہشام
۱۹۵	۱۴۲	تاسعہ ابو معاویہ
۲۲۶		عاشرہ یحییٰ بن یحییٰ
		ابو کریب

(مسلم)

۴۔ مسلم بروایت ہارون بن سعید الایلی | وحدثنی ہارون بن سعید
(ذہری) الایلی قال نا ابن وہب قال

اخبرنی عمر وان ابن شہاب حدثنہ عن عروۃ عن عائشہ رضہ قالت ان ابا بکر دخل علیہا عند ہاجاریتان فی ایام منی تغنیان وتضربان ورسول اللہ مسبحی بثوبہ فانتہرہما ابو بکر فکشف رسول اللہ فقال دعہما یا ابا بکر فانہما ایام عید (مسلم باب العیدین)

۴۔ ہارون بن سعید ایلی نے مجھ سے حدیث بیان کی اس نے کہا ہم سے ابن وہب نے حدیث بیان کی اس نے کہا مجھے خبر دی عمر و نے کہ ابن شہاب نے یہ حدیث عروہ سے سنی اُس نے عائشہ رضہ سے اس نے کہا کہ ابو بکر رضہ اس کے گھر میں آئے اس کے پاس اس وقت دو

لوٹدیاں تھیں یہ منی کے ایام تھے گارہی تھیں اور بجارہی تھیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چادر تانے لیتے تھے پس ابو بکر رضی اللہ عنہ نے ان دونوں کو جھڑکا پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منہ کھولا اور فرمایا اے ابو بکر رضی اللہ عنہ چھوڑ دو ان دونوں کو یہ ایام عید ہیں

۵۸	۲۳	عائشہ
۹۲	۵۸	ثانیہ عروہ
۱۲۲	۱۲۵	رابعہ زہری
۱۵۰	۱۴۰	سابعہ عمر بن الحارث
۱۹۴		تاسعہ عبداللہ بن وہب
۲۵۳		عاشرہ ہارون بن سعید

(مسلم)

۵۔ نسائی بروایت قتیبہ بن سعید (ذہری) اخیر ناقتیۃ بن سعید قال

حدثنا محمد بن جعفر عن معمر عن الزہری عن عروہ عن عائشہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دخل علیہا عندھا جاریتان تضربان یدین فانتھرھا ابو بکر فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم دعھن فان لكل قوم عیداً

د نسائی جلد ۱ - ضرب الید فیوم العید ص ۲۳۶

۵ قتیبہ بن سعید نے ہمیں خبر دی اس نے کہا محمد بن جعفر نے ہمیں خبر دی معمر سے اس نے زہری سے اس نے عروہ سے اس نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گھر میں داخل ہوئے اور اس کے پاس دو لوٹدیاں تھیں جو دو دف بجارہی تھیں پس ان کو ابو بکر رضی اللہ عنہ نے ڈانٹا پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا انہیں چھوڑ دو ہر قوم کے لئے عید ہوتی ہے۔

۵۸	۲۳	عائشہ رضی
۹۲	۵۸	ثانیہ عروہ
۱۲۲	۹۶	رابعہ زہری
۱۵۲		سابعہ معمر
۲۲۸		عاشرہ محمد بن جعفر
۲۶۰		عاشرہ قتیبہ بن سعید

(نسائی)

۶۔ نسائی بروایت احمد بن حفص | أخبرنا أحمد بن حفص عبد الله
(زہری) قال حدثني أبي قال حدثني

ابراہیم بن طہمان عن مالک بن انس عن الزہری عن عروۃ انه حدثه ان
عائشۃ حدثته ان ابا بکر بن الصديق دخل عليها عند حاجاريتان
تضربان بالدف وتغنيان ورسول الله مسجى بشوبه وقال مرة اخرى
متسج بشوبه فكشف عن وجهه فقال دعهما يا ابا بکر فانها ايام
عيد وھن ايام منی ورسول الله يومئذ بالمدينة .

(نسائی جلد ۱۔ باب الدف ص ۲۳۶)

۶۔ احمد بن حفص عبد اللہ نے ہمیں خبر دی اس نے کہا میرے باپ نے مجھ سے حدیث بیان
کی اس نے کہا ابراہیم بن طہمان نے مجھے حدیث بیان کی مالک بن انس سے اس نے
زہری سے اس نے عروہ سے اس نے حدیث بیان کی کہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے عروہ کو بتلایا
کہ ابو بکرؓ اس کے گھر آئے اس کے پاس دو لونڈیاں تھیں جو دف بجا رہی تھیں
اور گارہی تھیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کپڑا اوڑھے ہوئے لیٹے تھے اور دوسری
دفعہ کہا اپنے کپڑے میں لیٹے تھے آپ نے چہرہ کھولا اور فرمایا اے ابو بکرؓ
ابنیں چھوڑ دو یہ عید کے دن ہیں وہ ايام منی تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس
وقت مدینے میں تھے

۵۸	عائشہ رضی	۶
۹۲	ثانیہ عروہ	
۱۲۲	رابعہ زہری	
۱۴۹	سابعہ مالک بن انس	
۱۶۸	سابعہ ابراہیم بن طہمان	
۲۲۱	عاشرہ امام احمد	
۲۹۰	حادی عشرہ احمد بن حفص عبد اللہ	
۲۳۳		
۵۸		
۹۳		
۱۶۲		
۱۱۵		

(نسائی)

مسند امام احمد بروایت عبد اللہ | حدثنا عبد الله ثنی ابی حدشنا
محمد بن جعفر ثنا شعبۃ

عن هشام بن عروۃ عن ابيه عن عائشۃ ان ابا بکر دخل عليها ورسول الله

عندھا یوم فطر ادا ضعی و عندھا جاسیتان تضربان بدخین
فانتھرا ہما ابو بکر فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دعنا یا ابابکر
ان لكل قوم عید وان عیدنا هذا الیوم (مسند احمد جلد ۶ ص ۹۹)

۷۔ عبد اللہ نے ہم سے حدیث بیان کی اس نے کہا میرے باپ نے مجھ سے حدیث بیان کی
اس نے کہا محمد بن جعفر نے ہم سے حدیث بیان کی ہشام بن عروہ سے اس نے اپنے باپ
سے اس نے کہا شعبہ نے اس نے عائشہ رض سے کہ ابو بکر رض اس کے گھر میں گئے اور
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے پاس تھے یوم فطر تھا یا ضعی اور اس کے پاس دو لونڈیاں
تھیں دو دف بجا رہی تھیں پس ابو بکر رض نے ان دونوں کو ڈانٹا پس رسول اللہ
نے فرمایا چھوڑو اسے ابو بکر رض ہر قوم کے لئے عید ہوتی ہے۔ اور ہماری عید
یہ دن ہے۔

۵۸

۹۲

۱۹۲

۱۶۰

۲۲۸

۲۴۱

۲۹۰

۲۳

۶۱

۱۶۲

۲۱۵

عائشہ رض

عروہ

ہشام

شعبہ

محمد بن جعفر

امام احمد

عبد اللہ

(مسند امام احمد)

جملہ روایات کا مرکزی مضمون

دوسری کتب حدیث میں بھی یہ روایت
مقوڑے سے لفظی تغیر کے ساتھ آئی

ہے۔ اس قسم کی روایات سے بھی حضرت عائشہ رض کا بچپن ظاہر کرنا مقصود ہے۔ اور
یہ کہ بچپن کے باعث ان کو گانا سننے کا شوق تھا۔ حالانکہ نہ ان سے بچپن ثابت ہوتا ہے
اور نہ گانا سننے کا شوق۔ اس لئے کہ روایت کا مرکزی مفہوم یہی ہے کہ حضرت عائشہ رض
کے پاس نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم موجود تھے۔ دو لونڈیاں آئیں اور انہوں نے گانا شروع
کر دیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کپڑا اوڑھ کر ایک طرف لیٹ رہے، اتنے میں حضرت
ابو بکر رض آ گئے، انہوں نے لونڈیوں کو ڈانٹ دیا کہ نبی کے گھر میں یہ کیا فضول حرکت
ہے۔ آپ نے چہرے سے کپڑا اٹھایا اور فرمایا کہ اسے ابو بکر ان سے درگزر کرو۔

ہر قوم کی ایک عید ہوتی ہے آج ہماری عید ہے، عید کی وجہ سے انہیں اپنے جذباتِ مسرت ظاہر کرنے کی اجازت ہے۔ یہ دونوں لونڈیاں انصار کی لونڈیوں میں سے تھیں اور یومِ بعاث کے گانے گارہی تھیں، کوئی باقاعدہ گانے والی نہ تھیں بلکہ غیر ماہر چھوکر یاں تھیں۔ محض عید کی خوشی میں شغل کر رہی تھیں یہ بقر عید کے دن تھے، یہ ایک اتفاقی امر تھا۔ کہ عید کے دن یہ گانے کا واقعہ حضرت عائشہ رضہ کے گھر میں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں پیش آیا، اور حضرت ابو بکر رضہ نے ان کو یا حضرت عائشہ رضہ کو ڈانٹا۔

غیر اہم واقعہ کو اہم بنا دیا گیا | حضرت ابو بکر رضہ کے ڈانٹنے کی وجہ

یہ بھی ہو سکتی ہے کہ ”کیوں نبی کریم کے آرام میں خلل ڈال رہی ہو، تمہیں اتنا بھی احساس نہیں ہے کہ آپ آرام فرما رہے ہیں اور تم ٹرتا رہی ہو۔“

اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ حضرت عائشہ رضہ گانا سننے کا شوق رکھتی تھیں بلکہ عین ممکن ہے کہ یہ لونڈیاں دوسری ازواج کے ہاں بھی عید منانے گئی ہوں اور وہاں بھی انہوں نے بعاث کا گانا گایا ہو، حضرت عائشہ رضہ نے یہ واقعہ سنا دیا ہو اور آگے یہ بات رواۃ تک پہنچ گئی ہو۔ دوسری ازواج نے یہ قصہ کسی کو نہ سنایا اور آگے یہ بات نہ چلی ہو۔

یہ روایات سراسر مدسج اور ملفق روایات ہیں۔

مندرجہ بالا لونڈیوں کے گانے کی روایات اور صفحاتِ آئندہ میں آنے والی حبشیوں کے کھیل دیکھنے کی روایات سے ہمیں براہِ راست کوئی تعرض نہیں ہے۔ ہم ان روایات کے منکر نہیں ہیں۔ ان کے معافی اور مطالب سے بحث کرنا علمائے حدیث کا کام ہے۔ ہمیں تو صرف تاریخی حیثیت سے یہ جانچنا ہے کہ آیا کوئی ایسا واقعہ پیش آیا یا نہیں، اور اس کا حضرت عائشہ رضہ کی کم عمری سے کیا تعلق ہے۔

چونکہ ان روایات میں رواۃ نے تلفیق کی ہے اور ان روایات کو بنیاد بنا کر ان میں بعض رواۃ نے اپنی طرف سے نا جائز اضافے یعنی ادراج کیا ہے اور وہ ادراج اصل روایت کا جزو بن چکا ہے اور اس ادراج نے ان روایات کا بھی حلیہ بگاڑ دیا ہے۔ اور حضرت عائشہ رضہ کے متعلق شدید غلط فہمی پیدا کی ہے۔ اس لئے ضرورت ہے کہ ان تمام روایات کا تحقیقی

جائزہ لیا جائے اور یہ متعین کیا جائے کہ اصل روایات کتنی ہیں اور ادراج کتنا ہے نیز یہ ظاہر کیا جائے کہ اصل روایت میں یہ اضافہ کس نے کیا ہے کب کیا ہے کیوں کیا ہے اور یہ قابل قبول بھی ہے یا نہیں۔

اس کے لئے ہمیں نہ صرف ان میں سے بعض روایات کے متن پر گفتگو کرنی ہوگی بلکہ ان کے اسناد کی بھی تحقیق کرنی ہوگی۔ اور رجال پر تحقیقی نظر ڈالنی ہوگی۔ اور حدیث کی بعض اصطلاحات کی توضیح بھی کرنی ہوگی۔ مقابلے اور موازنے کے لئے کچھ تفصیل سے بھی کام لینا ہوگا۔

اور یہ جملہ ضروری مباحث ہم آئندہ صفحات میں جہشیوں کے کھیل والی روایات کو درج کرنے کے بعد اکٹھے پیش کریں گے۔



حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا

کی کم عمری کا

چوتھا ماخذ

حبشیوں کے کھیل کی روایات

بیشتر روایات ہشام سے منقول ہیں | یہ روایات بیشتر ہشام بن عروہ سے منقول ہیں، کچھ زہری سے بھی منقول

ہیں۔ یہ دونوں عروہ سے روایت کرتے ہیں۔ اور عروہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے اور ایک روایت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بذریعہ عبید بن عمیر منقول ہے اور ایک روایت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بذریعہ ابوسلمہ مروی ہے۔

اسی سلسلہ میں محض ایک محل روایت صرف زہری نے سعید بن المسیب سے اور انہوں نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے۔ یعنی یہ حبشیوں کے کھیل کی روایت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے علاوہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے بھی منقول ہے۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے اس روایت کو نقل کرنے والے سعید بن المسیب ہیں۔ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت کے راوی ایک عروہ ہیں، دوسرے عبید بن عمیر رضی اللہ عنہ اور قیس بن ابوسلمہ رضی اللہ عنہ۔

عروہ کی اس کھیل کی روایت میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ذکر نہیں ہے۔ سعید بن المسیب کی روایت میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ڈانٹنے کا ذکر ہے۔ یہ دونوں روایتیں زہری کے ذریعے ان کے تلامیذ کو پہنچی ہیں۔

ہم پہلے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت پر مختصر بحث کریں گے اور اس کے بعد

سعید بن المسیبؒ والی روایت کو لیں گے۔

۱۔ بخاری بروایت عبد العزیز بن

حد ثنا عبد العزیز بن عبد اللہ قال

حد ثنا ابراہیم بن سعد عن صالح

بن کیسان عن ابن شہاب قال انہی فی عروۃ بن زبیر ان عائشہ رضی اللہ عنہا قالت
رایت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یوما علی باب حجرتی والحیثۃ یلعبون
فی المسجد ورسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لیسترنی بردائہ انظر الہا
لعبہم۔

عبداللہ بن عزیز نے ہم سے حدیث بیان کی۔ اس نے کہا ابراہیم بن سعد نے ہم سے
حدیث بیان کی صالح بن کیسان سے اس نے ابن شہاب سے اس نے کہا مجھے عروہ بن زبیر نے
بتلایا عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا ایک دن میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے حجرے کے دروازے پر دیکھا
اور حبشی لوگ مسجد میں کرتب دکھا رہے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے اپنی چادر سے ڈھانپنے
ہوئے تھے اور میں ان کے کرتب دیکھ رہی تھی۔

۱۔ زہری عن عروہ عن عائشہ رضی اللہ عنہا پہلی روایت میں مسجد کا ذکر ہے۔

۲۔ دوسری روایت میں مسجد کا ذکر نہیں ہے۔

۳۔ عبید بن عمیر عن عائشہ رضی اللہ عنہا مسجد کا ذکر ہے۔

۴۔ ہشام عن عروہ عن عائشہ رضی اللہ عنہا حبشیوں کا کھیل عید کے دن مگر مسجد نہیں ہے۔

۵۔ مسجد میں۔

۶۔ البیہقی عن عائشہ رضی اللہ عنہا مسجد میں مگر عید کا دن نہیں ہے۔

۵۸

۹۲

۱۲۲

۱۴۱

۱۸۵

۳۳

۵۸

۳۳

۳۳

۳۳

۱ عائشہ رضی اللہ عنہا

ثانیہ عروہ

رابعہ زہری

رابعہ صالح بن کیسان

ثامنہ ابراہیم بن سعد

عاشرہ عبد العزیز بن عبد اللہ

۲۔ بخاری بروایت ابراہیم بن المنذر | حدیثنا ابراہیم بن المنذر قال
حدیثنا وہب قال اخبرنی

یونس عن ابن شہاب عن عروۃ عن عائشۃ رضی اللہ عنہا عن ایت النبی والمحبشۃ یلعبون
بہم ابراہیم . (بخاری باب جلد اول)

ابراہیم بن منذر نے کہا وہب نے ہم سے حدیث بیان کی اس نے کہا مجھے یونس
نے بتلایا بن شہاب سے اس نے عروہ سے اس نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے میں نے نبی صلی اللہ علیہ
وسلم کو دیکھا اور حبشی لوگ کھیل رہے تھے ۔

۵۸	عائشہ رضی	۲
۹۲	ثانیہ عروہ	۲۳
۱۲۲	رابعہ زہری	۵۸
۱۵۹	سابعہ یونس بن یزید	—
۱۹۴	تاسعہ ابن وہب	۱۲۵
۲۳۶	عاشرہ ابراہیم بن المنذر	—

(بخاری)

۳۔ مسلم بروایت ابراہیم بن دینار | حدیثنا ابراہیم بن دینار و
عقبۃ بن مکرمۃ العمی وعبد

بن حمید کلہم عن ابی عاصم واللفظ لعقبۃ قال نا ابو عاصم عن ابن
جریر قال اخبرنی عطاء قال اخبرنی عبید بن عمیر قال اخبرتني عائشۃ
انہا قالت للعابین وددت انی اراہم قالت فقام رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم وقمت علی الباب انظر بین اذنیہ وعاتقہ وہم یلعبون
فی المسجد قال عطاء فرس او حبش قال لی ابن عتیق بل حبشی ۔

(مسلم . باب العیدین)

ابراہیم بن دینار اور عقبہ بن مکرمہ العمی اور عبد بن حمید تمام نے ابی عاصم سے اور
لفظ عقبہ کے ہیں اس نے کہا حدیث بیان کی ہم سے ابو عاصم نے بن جریر سے اس نے
کہا مجھے عطاء نے بتلایا اس نے کہا مجھے عبید بن عمیر نے خبر دی اس نے کہا مجھے عائشہ رضی
اللہ عنہا نے خبر دی اس نے کہا کھیلنے والوں کو چاہا کہ میں انہیں دیکھوں اس نے کہا رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہو گئے میں دروازے میں کھڑی ہو گئی آپ کی گردن اور کانوں کے نیچے میں

سے انہیں دیکھ رہی تھی اور وہ مسجد میں کھیل رہے تھے عطاء نے کہا فارسی تھے یا حبشی مجھے بن عتیق نے کہا حبشی تھے ۔

۵۸	—	عائشہ رض	۳۔
۷۲	—	عبد بن عمر	ثانیہ
۱۱۲	—	عطاء	ثالثہ
۱۵۰	۷۵	ابن جریج	سادہ
۲۱۲	—	ابو عاصم الفضل	تاسعہ
۲۲۹	۱۸۵	عبد بن حمید	حادی عشر
—	—	عقبہ بن مکرمہ	—
۲۳۲	—	ابراہیم بن دینار	عاشرہ

(مسلم)

۴۔ نسائی بروایت محمد بن آدم | أخبرنا محمد بن آدم عن عبدة

عن هشام عن أبيه عن عائشة

قالت جاءت السود ان يلعبون بين يدي النبي صلى الله عليه وسلم يوم عيد . فدعاني كنت اطلع عليهم من فوق عاتقه فمازلت انظر اليهم حتى كنت انا التي انصرفت . (نسائی ضرب الدف يوم العيد)

محمد بن آدم نے ہمیں خبر دی عبدة سے اس نے ہشام سے اس نے اپنے باپ سے اس نے عائشہ رض سے اس نے کہا سوڑانی آئے نبی ص کے سامنے کھیلنے لگے آپ نے مجھے بلایا میں آپ کی گردن پہ جھانکتے لگی میں دیر تک دیکھتی رہی پھر خود ہی لوٹ آئی ۔

۵۸	—	عائشہ رض	۴۔
۹۲	۲۳	عردہ	ثانیہ
۱۲۶	۶۱	ہشام	خامسہ
۱۸۷	—	عبدہ بن سلیمان	ثامنہ
—	۲۰۵	محمد بن آدم	عاشرہ

(نسائی)

۵۔ مسلم بروایت جریر عن هشام | حدثنا جریر بن حرب قال

أخبرنا جریر عن هشام عن

ابیه عن عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنہا قالت جاء حبش يزفنون في يوم عيد في المسجد
فدعا في التي فوضعت لراسي على متكبه وجعلت النظر الى لعبهم
حتى كنت انا التي انصرف عن النظر اليهم .

۵۔ زہیر بن حرب نے ہم سے حدیث بیان کی اس نے کہا ہمیں خبر دی جریر نے ہشام
سے اس نے اپنے باپ سے اس نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے اس نے کہا حبشی آئے عید کے دن
مسجد میں کرتب دکھانے لگے مجھے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بلایا میں نے اپنا سر آپ کے کندھے پر رکھ دیا
اور میں ان کے کھیل کو دیکھنے لگی یہاں تک کہ میں خود ہی ان کے دیکھنے سے ہٹ گئی۔

۵۸

۹۴

۱۴۶

۱۸۸

۲۳۴

—

۲۳

۶۱

۱۱۷

۱۶۰

عائشہ رضی

عردہ

ہشام

جریر بن عبد الحمید

زہیر بن حرب

۵

شامہ

عائشہ

(مسلم)

۶۔ مسلم بروایت یحییٰ بن یحییٰ حدیثنا یحییٰ بن یحییٰ قال حدثنا

یحییٰ بن زکریا بن ابی ترشدہ ح

وحدثنا ابن نمير قال انا محمد بن بشر كلاهما عن هشام بهذا الاسناد

ولم يذكر في المسحود (مسلم باب العيد)

یحییٰ بن یحییٰ نے ہم سے حدیث بیان کی اس نے کہا یحییٰ بن زکریا بن ابی زائدہ نے ہم
سے حدیث بیان کی ح اور ابن نمیر نے ہم سے حدیث بیان کی اس نے کہا محمد بن بشر نے
ہم سے حدیث بیان کی ان دونوں نے ہشام سے اسی اسناد کے ساتھ اور ان دونوں
نے مسجد کا ذکر نہیں کیا۔

۵۸

۹۴

۱۴۶

۲۰۳

۱۱۹

۲۳۴

۲۳

۶۱

۱۱۵

عائشہ رضی

عردہ

ہشام

محمد بن بشر

عبد اللہ بن نمیر

یحییٰ بن یحییٰ

تاسعہ

عائشہ

(مسلم)

۷۔ مسند امام احمد بروایت عبد اللہ

حدیثنا عبد اللہ ثنی ابی قال

ہشام بن عروہ عن ابیہ عن عائشہ رضی ان الحبشۃ لعبد الرسول اللہ فدعانی فنظرت من فوق منکبہ حتی مشیبت (مسند امام احمد جلد ۱ ص ۲۳۳)

عبداللہ نے ہم سے حدیث بیان کی اس نے کہا مجھ سے میرے باپ نے حدیث بیان کی اس نے کہا محمد بن بشر نے ہم سے حدیث بیان کی اس نے کہا ہشام بن عروہ نے ہم سے حدیث

بیان کی اس نے اپنے باپ سے اس نے عائشہ رضی سے کہ حبشی کھیل رہے تھے رسول اللہ

صلعم کے لئے آپ نے مجھے بلایا میں نے آپ کے موندھے پر سے دیکھا یہاں تک کہ میرا

جی بھر گیا

۵۸

عائشہ رضی

۷

۹۴

۲۳

عروہ

۱۲۶

۶۱

ہشام

۲۰۳

محمد بن بشر

تاسعہ

۲۲۱

۱۶۴

امام احمد

عاشرہ

۲۹۰

۲۱۵

عبداللہ

ثانی عشر

(مسند امام احمد)

۸۔ نسائی بحوالہ فتح الملہم

وفی روایت یزید بن رومان فقال

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اما

شبعت قالت فجعلت اقول لا لانظر منزلی عندی . قال رسول اللہ

حبیبی قلت یا رسول اللہ لا تعجل (نسائی بحوالہ فتح الملہم باب العیدین)

یزید بن رومان کی روایت میں ہے رسول اللہ صلعم نے فرمایا کیا جی نہیں بھرا

اس نے کہا میں کہنے لگی نہیں تاکہ میں آپ کے نزدیک اپنا مرتبہ دیکھ لوں رسول اللہ صلعم

نے فرمایا کافی ہے تیرے لئے ؟ میں نے کہا یا رسول اللہ ص جلدی نہ کیجئے

۵۸

عائشہ رضی

الوسلمہ

۱۲۰	محمد بن ابراہیم بن الحارث التیمی	رابعہ
۱۳۹	ابن الہادی بن عبد اللہ	خامسہ
۱۹۷	زکریا بن نصیر	۹
۱۹۵	ابن وہب	۱۰
۲۶۷	یونس عبد الاعلیٰ	عاشرہ

(مشکل الآثار)

۹ نسائی بحوالہ فتح الباری | دقنی راویۃ النسائی عنہا سمعت نقطاً وصوت صبیان فقام النبی فاذا حبشیۃ تزفین

والصبيان حولها فقال يا عائشة رضی تعالیٰ فانظری

(فتح الباری جلد ۲ ص ۳۵۵ مطبوعہ مصر)

نسائی کی روایت میں ہے جو عائشہ رضی سے منقول ہے شور اور بچوں کی آواز سن کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوئے تو دیکھا حبشیاں اچھل کود رہی ہیں اور بچے ان کے گرد ہیں آپ نے فرمایا اے عائشہ رضی دیکھو۔ یونس نے ہم سے حدیث بیان کی۔

۱۰۔ مشکل الآثار بروایت یونس | حدثنایونس ثنا ابن وہب حدثنی

زکریا بن نصیر عن ابن الہادی عن محمد

بن ابراہیم بن الحارث التیمی عن ابی سلمۃ عن عائشۃ قالت دخلت الحبشة المسجد یلعبون فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم یا حمیرا تعجبین ان تنظری الیہم فقلت نعم۔ فقام بالباب وجئتہ فوضعت ذقنی علی عاتقہ واستندت دجہی الی ہذہ وان قولہم یومئذ ^{ابوالقاسم} طیباً فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حبیبک۔ قلت یا رسول اللہ لا تعجل ثم قال حبیبک فقلت یا رسول اللہ لا تعجل ومالی احب انظر الیہم ولكن احببت ان يبلغ النساء مقامی او مکافی عنده۔ (مشکل الآثار جلد اول ص ۳۵۵ فتح الباری جلد ۲ باب العیدین ص ۳۵۵ مطبوعہ مصر)

۱۰۔ اس نے کہا وہب نے ہم سے حدیث بیان کی اس نے کہا زکریا بن نصیر نے مجھ سے حدیث بیان کی ابن ہادی سے اس نے محمد بن ابراہیم بن حارث تیمی سے اس نے ابو سلمہ سے اس نے عائشہ رضی سے اس نے کہا حبشی مسجد میں داخل ہو گئے پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے حمیرا کیا تو پسند کرتی ہے انہیں دیکھے میں نے کہا ہاں! پس آپ دروازے میں کھڑے

ہو گئے اور میں آپ کے پاس آئی میں نے اپنی ٹھوڑی آپ کے کندھے پر رکھ دی اور اپنا چہرہ آپ کے گال سے لگالیا اور اس دن وہ پکار رہے تھے اے ابوالقاسم راضی ہیں پس رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کافی ہے میں نے کہا یا رسول اللہ جلدی نہ فرمائیں پھر آپ نے فرمایا کافی ہے میں نے کہا یا رسول اللہ جلدی نہ فرمائیں مجھے ان کا دیکھنا پسند نہیں ہے میں یہ چاہتی تھی کہ عورتیں دیکھ لیں میرا مقام آپ کے نزدیک کتنا ہے۔

ان مذکورہ بالا روایات میں حبشیوں کے مسجد میں یا مسجد کے ملحقہ میدان میں کھیلنے کا ذکر ہے۔
ان سب روایات میں ایک ہی واقعہ ہے | یہ سب روایات ایک ہی واقعہ پر مشتمل معلوم ہوتی ہیں۔ رواۃ

کے مختلف ہو جانے سے انداز بیان مختلف ہو گیا۔ حقیقت میں یہ فوجی کرتب اور عربی مشقیں تھیں ان کا دیکھنا منع نہیں ہے۔ ان پر لعب کا اطلاق مجازاً ہے۔ کہ ان کے دیکھنے سے طبیعت میں انبساط ہوتا ہے۔ ورنہ حقیقت میں یہ کھیل نہیں تھے، مسجد نبویؐ میں ان اعمالِ حربیہ کو آپ خود بھی دیکھ رہے تھے اور آپ کے پیچھے کھڑی ہو کر حضرت عائشہؓ بھی دیکھ رہی تھیں پس پردہ کسی بالغ عورت کا اعمالِ حربیہ کو دیکھنا ممنوع نہیں ہے آپ اپنے حجرے میں پردے کے اہتمام کے ساتھ یہ عربی مشقیں دیکھ رہی تھیں

ان روایات سے حضرت عائشہؓ کا بچپن ہرگز ثابت نہیں ہوتا

ان روایات کا حضرت عائشہؓ کے بچپن اور شوقِ لہو و لعب سے قطعاً کوئی تعلق نہیں ہے۔ بعض رواۃ نے اس سادہ واقعہ کو بھی اپنی طرف سے اضافے کر کے حضرت عائشہؓ کے بچپن اور شوقِ لہو و لعب میں ڈھالنے کی کوشش کی ہے۔ اور وہ لوگ اپنے اس مقصد میں کامیاب رہے ہیں۔ ائمہ محدثین نے ایسے لوگوں کے اضافے کو بلا تحقیق قبول کر لیا ہے۔ اور اس طرح یہ روایات بھی حضرت عائشہؓ کے بچپن کے کھیل کی روایات میں شامل ہو گئی ہیں۔

ہم ان روایات کو پڑھتے وقت یہ محسوس کرتے ہیں کہ اُس وقت بالکل بچی تھیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پس پشت اس طرح کھڑی تھیں کہ جیسے بچے بڑوں کے پیچھے کھڑے ہوتے ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم آپ کو اس طرح کھیل دکھا رہے تھے جیسے بڑے آدمی بچوں کو دکھایا کرتے ہیں۔

اسی باب میں آگے ہم اس روایت کے اضافے پر مفصل بحث کریں گے۔

ان اعمالِ حربیہ کے دیکھنے کی خواہش حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی تھی

روایت نمبر ۴ کے بعد کی روایات سے ظاہر ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے خود ان اعمالِ حربیہ کے دیکھنے کی خواہش نہیں کی بلکہ نبی کریم ﷺ نے خود فرمایا کہ عائشہ رضی اللہ عنہا آؤ دیکھو۔ اور پھر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا محوڑی دیر دیکھ کر خود ہی اکتا گئیں اور ہٹ گئیں۔ ان میں خاص طور سے دیکھنے کی چیز بھی کیا تھی۔ جب عربی مشقیں ہی ہوتی تھیں۔ بعض روایہ نے اس ایک ہی واقعہ کو جو سکہ میں وفدِ حبشہ کے موقع پر پیش آیا تھا۔ استمرار کے صیغے سے بیان کر کے عادتِ مستمرہ میں تبدیل کر دیا کہ ایسا ہوتا رہتا تھا۔ یعنی حبشہ مسجد میں کھیلنے ہی رہتے تھے۔ کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم خود بھی حبشیوں کے کھیل دیکھتے ہی رہتے تھے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو دکھاتے ہی رہتے تھے۔ حالانکہ نہ یہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا بیان تھا اور نہ یہ واقعہ بار بار پیش آیا تھا۔

محض راویوں کے اندازِ بیان نے اسے متعدد واقعات میں تبدیل کر دیا۔ آخری روایت میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اپنے جواب میں واضح کر دیا ہے کہ انہیں ان جنگی مشقوں کے دیکھنے سے کوئی دلچسپی نہ تھی۔ انہیں تو محض اس بات کی خوشی تھی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان کا خاص خیال رکھتے ہیں جس ہیبت سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ کھڑے تھے اس سے ان کی محبت کا مقام معلوم ہو رہا تھا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا دوسری ازواج پر ظاہر کرنا چاہتی تھیں کہ دیکھ لو میرا مقام نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک کیا ہے۔ اس ہیبتِ قیام میں طول پیدا کر کے خود اس سے سرور ہو رہی تھیں اور دوسری ازواج پر اپنا تفوق ظاہر کر رہی تھیں۔ علاوہ ازیں سکہ میں حضرت کے بچی ہونے کا تصور ہر حال میں غلط ہے۔ روایت ہشام کی رو سے بھی ان کی عمر اس وقت ۱۶ سال تھی۔

الغرض حبشیوں کے کھیل کی روایات سے کسی طرح بھی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا بچپن ظاہر نہیں ہوتا۔ البتہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر میں ان کا مقام ضرور ظاہر ہوتا ہے۔ ایک دوسری روایت میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا خود فرماتی ہیں کہ وای نساء رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کانت احظی عندہ منی۔

روایات زہری عن سعید بن المسیب

بخاری بروایت ابراہیم بن موسیٰ | حدثنا ابراہیم بن موسیٰ شام

عن معمر عن الزہری عن سعید

بن المسیب عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہما الحبشة یلعبون عند النبی بحرابہم
دخل عمر فاهوی الی الحصی وحبصہم بہا وقال دعہم یا عمر

ب و نزل علی ثناء عبد الرزاق عن معمر فی المسجد

(بخاری کتاب الجہاد - باب اللہو والحرب ص ۴۰۶)

ابراہیم بن موسیٰ نے ہم سے حدیث بیان کی اس نے ابراہیم سے ہشام نے حدیث بیان
کی معمر سے اس نے زہری سے اس نے سعید بن المسیب سے اس نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ
جب حبشی اپنے ہتھیاروں کی بنی صلعم کے سامنے سے کھیل رہے تو عمر آئے تنکریاں
اٹھانے کے لئے جھکے پھر حبشیوں پر کنکریاں پھینکیں آپ نے فرمایا اے عمر انہیں
جانے دو اور زیادہ کیا.....

کہ عبد الرزاق نے ہم سے حدیث بیان کی معمر سے کہ یہ مسجد میں واقعہ گزرا

۵۸ھ

—

ابو ہریرہ رضی

سعید بن المسیب

ثانیہ

۱۲۴ھ

۵۸ھ

زہری

رابعہ

۱۵۴ھ

۹۶ھ

معمر

سابعہ

۱۹۷ھ

ہشام بن یوسف

تاسعہ

۲۲۰ھ

ابراہیم بن موسیٰ

عاشرہ

(بخاری)

۲. مسلم بروایت محمد بن رافع | حدثنی محمد بن رافع و

عبد بن حمید قال عبد انا

وقال ابن رافع فا عبد الرزاق عن معمر عن الزہری عن سعید بن
المسیب عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہما الحبشة یلعبون عند رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم بحرابہم اذ دخل عمر بن الخطاب فاهوی الی الحصباء

فحبسهم بها فقال له رسول الله صلى الله عليه وسلم رد عنهم يا عمر -

(مسلم جلد اول باب العیدین)

محمد بن رافع اور عبد بن حمید نے مجھ سے حدیث بیان کی عبد نے کہا ہمیں خبر دی ابن رافع نے کہا ہمیں حدیث بیان کی عبدالرزاق نے عمر سے اس نے زہری سے اس نے سعید بن المسیب سے اس نے ابو ہریرہ رض سے جبکہ حبشی کھیل رہے نبی صلعم کے سامنے اس وقت عمر بن الخطاب آئے انہوں نے کتکریاں اٹھائیں اور حبشیوں کو ماریں تو آپ نے فرمایا انہیں چھوڑ دے اے عمر رض

۵۸	—	ابو ہریرہ	۲
—	—	سعید بن المسیب	شامیہ
۱۲۴	۵۸	زہری	رابعہ
۱۵۴	۹۶	معمر	سابعہ
۲۱۱	۱۲۶	عبدالرزاق	تاسعہ
۲۴۹	۱۸۵	عبد بن حمید	عاشرہ
۲۴۵	—	محمد بن رافع	حادی عشر

(مسلم)

۳ نسائی یروایت اسحاق بن موسیٰ | انصبتنا اسحاق بن موسیٰ قال حدثنا الولید بن مسلم قال حدثنا الاوزاعی

قال حدثني الزهري عن سعيد بن المسيب عن ابي هريرة رضي قال دخل عمر والحبيشة يلعبون في المسجد فزجرهم عمر - فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم رد عنهم يا عمر انما هم يعني بني ارفدة

(نسائی - صوب الدف يوم العيد)

ہمیں خبر دی اسحاق بن موسیٰ نے اس نے کہا ہمیں حدیث سنائی ولید بن مسلم نے اس نے کہا ہمیں حدیث سنائی اوزاعی نے اس نے کہا مجھے حدیث سنائی زہری نے سعید بن المسیب سے اس نے ابو ہریرہ رض سے اس کے پاس عمر آئے اور حبشی مسجد میں کھیل رہے تھے عمر رض نے انہیں ڈانٹا تو رسول اللہ صلعم نے فرمایا اے عمر رض انہیں چھوڑو یہ لوگ بنو ارفدہ ہیں۔

۳۰ ابو ہریرہ رض

شامیہ	سعید بن المسیب	۲۳	۹۲
سابعہ	زہری	۵۸	۱۲۸
سابعہ	عبدالرحمن بن عمرو اداعی		۱۵۴
شامیہ	ولید بن مسلم	۱۹۵	
عاشرہ	اسحاق بن موسیٰ		

(نسائی)

یہ روایت معلوم نہیں کہ اسی واقعے سے متعلق ہے جو عروہ کی روایت میں مذکور ہے۔ یا کوئی دوسرا واقعہ تھا۔ جس میں یہ صورت پیش آئی۔ کیونکہ عروہ عن عائشہ کی معتبر روایت میں اس کا ذکر نہیں ہے۔ اور صرف اسی ایک روایت میں حضرت عمر رض کے ڈانٹنے کا ذکر ہے۔ اس روایت میں یہ بھی مذکور نہیں ہے کہ وہ عید کا دن تھا۔ بلکہ حبشیوں کی پہلی روایات میں بھی جو زہری عن عروہ عن عائشہ رض ہیں یہ مذکور نہیں ہے کہ وہ عید کا روز تھا۔ علاوہ ازیں اس روایت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان۔ انما هو بنو ارفدہ ظاہر کرتا ہے کہ عید کا دن نہیں تھا۔ یعنی یہ تو حبشی ہیں ان کا تو کام ہی کرتب دکھانا ہے۔ ان سے درگزر کرو۔

کھیل کی اس روایت میں جو سعید بن المسیب سے منقول ہے حضرت عائشہ رض کا چونکہ کوئی ذکر نہیں ہے اس لئے ہمیں اس سے کوئی بحث نہیں ہے۔ ممکن ہے یہ کوئی اور واقعہ ہو۔ اور حضرت عمر رض نے ان حبشہ کو ڈانٹا ہو۔ یا وہی واقعہ ہو۔ لیکن حضرت عائشہ رض نے حضرت عمر رض کے زجر کا ذکر نہ کیا ہو۔ مگر یہ بات مستبعد ہے۔

روایت معمر اور توحین عس رض ہم اس روایت کے متعلق ضمناً اتنا ضرور عرض کر دینا چاہتے ہیں

ا بخاری کی پہلی روایت میں ہشام بن یوسف عن معمر ہے۔

ب عبدالرزاق عن معمر ہے اور اس میں مسجد بھی ہے۔

دونوں روایتوں کا مضمون یہی ہے۔ ہمارے نزدیک یہ عبدالرزاق کی چابکدستی ہے یہ شخص غالی شیعہ ہونے کی وجہ سے توہین اکابر صحابہ سے نہیں ہرکتا۔ ہمارے نزدیک اصل روایت عبدالرزاق کی ہے ہشام تو عبدالرزاق کے خوشہ چین ہے۔ امام بخاری نے ہشام کی روایت کو اس لئے قبول کیا کہ ان سے پہلے کوئی اور محدث اس روایت کو عبدالرزاق سے لے چکے ہوں گے۔

۲۔ مسلم کی روایت میں مذکورہ بالا مضمون عبدالرزاق عن معمر سے ہے۔
 معمر کی روایت میں حضرت عمر رضی کا ذکر جس انداز سے کیا گیا ہے وہ ان کے مرتبے اور
 شان سے فروتر ہے۔ اس میں شک نہیں ہے کہ حضرت عمر رضی حق کے بارے میں سخت تھے۔
 واستدھم فی امر اللہ عمنی رضی۔ لیکن جس وحشت کا اظہار حضرت عمر رضی کے
 متعلق اس قسم کی روایات میں کیا جاتا ہے وہ تو ایک بدو اور دیہاتی ہی سے توقع کی جا
 سکتی ہے۔ چہ جائے کہ حضرت عمر رضی جیسے سلجھے ہوئے تربیت یافتہ صحابی سے۔ وہ بھی
 سکہ میں اس دقت اُن سے اس قسم کے بدویانہ رویہ کا اظہار ہو۔ جبکہ ان کی تربیت کو عرصہ
 دراز گزر چکا تھا۔ پھراٹھا کر پھینکنا اور ڈھیلے مارنا خفیف الحركاتی پر دال ہے۔ یہ حضرت
 عمر رضی کی خوبی کا بیان نہیں ہے بلکہ مذمت کا پہلو لئے ہوئے ہے۔

البتہ دوسری قسم کی روایت جو ادزاعی کے ذریعے لسانی میں آئی ہے حالانکہ اس
 میں ولید بن مسلم ہے جو علماء جرح کی نظر میں پسندیدہ نہیں ہے۔ لیکن اس روایت میں
 جو محض فزجر عمر رضی ہے یہ واقعہ کی صحیح تعبیر ہے۔

معمر کی روایات میں عبدالرزاق کی چابکدستی | چونکہ معمر کی روایات
 بیشتر عبدالرزاق کی

معرفت آئی ہیں اس لئے یہ شخص اپنی چالاکی سے اچھی خاصی روایت کا حلیہ بگاڑ دیتا ہے
 اگر خدا نے توفیق دی تو ہم عبدالرزاق کی ان روایات پر جو کتب حدیث میں مذکور ہیں
 علیحدہ مفصل بحث کریں گے۔ اور یہ بات واضح کریں گے کہ اس ہنرمند نے کس طرح
 چھوٹے چھوٹے وضعی جملے معتبر روایات میں شامل کئے ہیں۔ اور علماء حدیث نے انہیں
 اضافہ ثقت سمجھ کر قبول کر لیا ہے۔ اور اس سے عبدالرزاق کا مقصد مشاہدہ صحابہ کا اظہار
 ہے۔ یہ روایات جن میں اس شخص نے یہ ہنرمندی دکھلائی ہے متعدد رواۃ الحسنات
 سے منقول ہیں۔ لیکن اس کے اضافوں کے بعد ان روایات کا اصلی حسن ضائع
 ہو چکا ہے۔

اس روایت زہری کے متن میں بھی اضطراب ہے۔ جیسے کہ ہم آگے چل کر واضح
 کریں گے۔

ابوداؤد طیالسی نے اس کو عروہ کی روایات میں ذکر کیا ہے۔ سعید ابن المسیب
 کی روایت سے ذکر نہیں کیا۔ یعنی عروہ عن عائشہ رضی بیان کیا ہے۔ اس لئے اس کی
 سند میں بھی اضطراب ہے۔

ہوسکتا ہے کہ یہ روایت مرسلات زہری سے ہو

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ روایت مرسلات سعید بن المسیب میں سے ہوگی۔ بعد کے راوی نے اسے موصول کرنے کے لئے غلبۃ ظن کی بنا پر (بجائے عروہ عن عائشہ رضی اللہ عنہا کے یا عن عائشہ رضی اللہ عنہا کے) کیونکہ اس روایت کی اصل راوی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ہی ہیں اس روایت کی نسبت حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی طرف کر دی۔ کیونکہ سعید بن المسیب کی اکثر روایات حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہیں۔ یہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے داماد اور تلمیذ خاص تھے۔ علاوہ ازیں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ میں فتح خیبر کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے ہیں۔ اگرچہ وفد حبشہ بھی سہ ماہی میں آیا ہے۔ لیکن وہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی آمد سے پہلے آچکا تھا۔ اس لئے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اس واقعہ کے شاہد نہیں ہیں۔ بلکہ اسی طرح راوی ہیں جیسے عروہ۔ اور اس اصل روایت عروہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ذکر نہیں ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے متعلق یہ اور جارج عبدالرزاق کا ہے۔ انہوں نے ہی زہری سے اوپر محمد بن المسیب کا ذکر کیا ہے اور معمر کے نام سے یہ روایت بیان کی ہے اور معمر کے ٹھیکیدار خود عبدالرزاق ہیں۔ بعد کے رواۃ نے اسے مرسلاً سعید بن المسیب سے موصول ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بنا دیا۔ کیونکہ سعید بن المسیب ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے راوی اور ان کے داماد تھے۔

تلفیق بین الروایات

تلفیق کے معنی یہ ہیں کہ دو علیحدہ علیحدہ روایتوں کو جمع کر کے ایک کر دیا جائے اور پھر انہیں ایک ہی سند سے بیان کر دیا جائے۔

چنانچہ رواۃ نے لونڈیوں کے گائے کی روایت اور حبشیوں کے کھیل کی روایات کو جمع کر کے ایک روایت بنالیا اور ایک ہی سند سے اس طرح بیان کرنا شروع کر دیا۔

تلفیق بخاری میں | احمد حدثنا ابن وہب قال اخبرني عمرو ان محمد بن عبد الرحمن الاسدي حدثنا

عن عروة عن عائشة رضي الله عنها قالت دخل علي النبي صلى الله عليه وسلم وعندي حياريتان تغنيان بعات فاضطجع علي الفراش وحول وجهه ودخل

ابوبکر فانتھرنی وقال مزمارا الشیطان عند النبی ۛ فقال دعها فلما غفل
غمزتهما وخرجتا . وكان یوم عید یلعب السودان بالدرق والحرب فاما
سألت رسول الله واما قال تشتهین تنظرین فقلت نعم . قال فاذهبی

(بخاری جلد ۱ ص ۳۳ باب الحرب والدرق فی المسجد)

۱ احمد نے بیان کیا ہم سے حدیث بیان کی ابن وہب نے اس نے کہا مجھے خبر دی عمر نے
کہ محمد بن عبد الرحمن اسدی نے کہا ہمیں حدیث سنائی اس نے عروہ سے اس نے عائشہ رضی
اس نے کہا کہ نبی صلعم میرے پاس تشریف لائے اور میرے پاس دو لونڈیاں تھیں جو بعات
کے گیت گارہی تھیں تو آپ فرش پر لیٹ گئے اور دوسری طرف منہ پھیر لیا . ابوبکر رضی
آئے اور مجھے ڈانٹا اور کہا شیطان کی آیت نبی ص کے سامنے ۛ آپ نے فرمایا اسے نہ ڈانٹو
چھوڑو اسے . جب وہ ذرا غافل ہوئے میں نے ان کو آنکھ سے اشارہ کیا اور دونوں
کھسک گئیں اور عید کا دن تھا . سوڈانی فوجی ہتھیاروں کے مختلف داؤد کھاتے ہوئے یا تو میں نے خود رسول اللہ ص سے
درخواست کی یا آپ نے خود فرمایا کیا تو چاہتی ہے کہ انہیں دیکھ میں نے کہا ہاں ، آپ نے فرمایا چل دیکھ لے .

ثانیہ	عروہ	۱۲۲۷
سادہ	محمد بن عبد الرحمن الاسدی	۱۵۰
سالجہ	عمر بن الحارث	۱۹۵
تاسعہ	ابن وہب	۱۶۵
عاشرہ	احمد	۲۴۱

(بخاری)

اس روایت میں غناء جاری تھیں اور لعب حبشہ فی یوم العید کی روایتوں کی تلیف ہے .

۲۔ تلیف مسلم میں | حدثنی ہارون ابن سعید الایلی و یونس بن عبد الاعلی واللفظ لہارون

قالا انا ابن وہب قال انا عمر وان محمد بن عبد الرحمن حدثہ عن عروہ
عن عائشہ رضی قالت دخل رسول الله صلی الله علیہ وسلم عندی جاریتان
تغنیان بفناء بعات فاضطجع علی الفراش وحول وجهہ فدخل ابوبکر
فانتھرنی وقال مزمارا الشیطان عند رسول الله ۛ فاقبل علیہ رسول الله ص
فقال دعها فلما غفل غمزتهما فخرجتا . وكان یوم عید یلعب
السودان بالدرق والحرب فاما سألت رسول الله واما قال تشتهین تنظرین

فَقَالَتْ نَعَمْ فَأَقَامَنِي وَرَأَيْتُهَا وَنَحَدِي عَلَى خَدَّهَا وَهِيَ يَقُولُ دُونَكُمْ دُونَكُمْ
يَا بَنِي أَرْفَدَةَ حَتَّى إِذَا مَلَلْتُ قَالَ حَبِيبُ قُلْتُ نَعَمْ قَالَ فَادْهَبِي
(مسلم باب العيدین)

مجھے حدیث سنائی ہارون بن سعید اہلی نے اور یونس بن عبدالاعلیٰ نے اور الفاظ ہارون کے
ہیں ان دونوں نے کہا ہمیں ابن وہب نے خبر دی اس نے ہمیں خبر دی عمرو نے کہ محمد بن عبد الرحمن
نے حدیث بیان کی عمروہ سے اس نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے اس نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف
لائے اور میرے پاس دو لونڈیاں بعثت کے گانے گارہی تھیں آپ آکر فرش پر
بیٹ رہے اور منہ دوسری طرف کر لیا پس ابو بکر رضی اللہ عنہ آئے اور مجھے جھڑکا اور کہا شیطان
گناہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے۔ آپ نے ابو بکر رضی اللہ عنہ سے مخاطب ہو کر فرمایا ان دونوں کو چھوڑو
دکچھ نہ کہو جب ابو بکر رضی اللہ عنہ غافل ہوئے میں نے ان دونوں کو اشارہ کیا اور وہ کھسک
گئیں وہ عید کا دن تھا سو ڈانی ہتھیاروں سے اپنا فن دکھاتے تھے یا تو میں نے سوال کیا
آپ نے خود فرمایا کیا تو چاہتی ہے کہ ان کا یہ فن دیکھے میں نے اثبات میں جواب دیا
آپ نے مجھے اپنے پیچھے کھڑا کر لیا میرا چہرہ آپ کے چہرے سے چھو رہا تھا اور آپ فرماتے
تھے درآہستہ آہستہ اپنے فن کا مظاہرہ کرو اے بنی ارفدہ۔ یہاں تک کہ جب اکتا گئی
آپ نے فرمایا کافی ہے۔ میں نے کہاں ہاں فرمایا ”جا“

۵۸	عائشہ رضی اللہ عنہا	۲
۹۲	عمروہ	
۱۲۲	محمد بن عبد الرحمن	
۱۵۰	عمرو بن الحارث	
۱۹۵	ابن وہب	۱۲۵
۲۶۲	یونس بن عبدالاعلیٰ	۱۶۰
۲۵۳	ہارون بن سعید	۱۶۰

(مسلم)

بخاری اور مسلم کی ان دونوں روایات میں غداء چار یومین اور لعب
السودان (المحبشہ) فی یوم العید کی تلیف ہے۔

۳۔ تلیف مستد امام احمد میں | حدیثنا عبد اللہ ثنی ابی

قال ثنا وکیع عن هشام

ابن عروۃ عن ابیہ عن عائشۃ رضی قالت کانت الحبیثۃ یلعبون فی یوم عید فدعانی رسول اللہ فکنت اطلع علی عائشۃ فانظر الیہم فجاء البوکرۃ فقال النبی دعہا فان لکل قوم عیداً وھذا عیدنا۔

(مستد امام احمد جلد ۱ ص ۲۳۳)

عبداللہ نے ہم سے حدیث بیان کی اس نے کہ میرے باپ نے مجھے حدیث بیان کی۔ اس نے کہا ہم سے حدیث بیان کی وکیع نے ہشام بن عروہ اس نے اپنے باپ سے وہ عائشہ رضی سے اس نے کہا حبشی عید کے دن کھیل کود کرتے تھے پس مجھے رسول اللہ صلی علیہ وسلم نے بلایا۔ میں آپ کے کندھے کے اوپر سے انہیں دیکھ رہی تھی پس ابو بکر رضی آئے پس نبی صلی علیہ وسلم نے فرمایا انہیں چھوڑو ہر قوم کی عید ہوتی ہے اور یہ ہماری عید ہے۔

عائشہ رضی

۳۔

۹۴	۲۳	عروہ	ثانیہ
۱۸۶	۶۱	ہشام	خامسہ
۲۰۰	۱۲۸	وکیع	تاسعہ
۲۴۱	۱۶۴	امام احمد	عاشرہ
۲۹۰	۲۱۵	عبداللہ	حادی عشر

(مستد امام احمد)

اس روایت میں غناء جاریتین کا تذکرہ نہیں ہے بلکہ صرف حبشہ کے کھیل کا ذکر ہے۔ مگر غناء جاریتین والی روایت میں حضرت ابو بکر رضی کے منع کرنے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد دعہا کا جو حصہ ہے وہ موجود ہے۔

۴۔ مزید تلیف بخاری میں | بعض نے غناء جاریتین فی یوم العید

اور حبشہ کے کھیل کی روایت اور حضرت

عمر رضی کے زجر کی روایت کو ایک روایت بیان کیا ہے۔ چنانچہ بخاری شریف کی روایت ہے :-

حدیثنا یحییٰ بن بکر حدیثنا اللیث عن عقیل عن ابن شہاب عن عروۃ عن عائشۃ رضی ان ابابکر دخل علیہا وعندہا حبشیات

فی ایام العید تد فان دتضربان والسنی صلی اللہ علیہ وسلم متغشی
بشوبہ فانتھر ہما ابو بکر فکشف السنی عن وجہہ فقال دعہما
یا ابابکر فانہما ایام عید و تلک الا یام ایام منی و قالت عائشہ رضی
السنی ۳ یستر فی دانا انظر الی الحیثۃ و ہم یلعبون فی المسجد فزجرہم
عمر فقال السنی دعہم امنا بنی اسفدہ (بخاری جلد اول)

۴۔ یحییٰ بن بکر نے ہم سے حدیث بیان کی اس نے کہا ہم سے لیث نے حدیث بیان
کی عقیل سے اس نے ابن شہاب سے اس نے عروہ سے اس نے عائشہ رضی سے کہ ابو بکر
آئے اور اس کے پاس وہ لونڈیاں تھیں عید کے دنوں میں جو دف بجا رہی تھیں اور گ
رہی تھیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چادر ڈھانپے ہوئے تھے۔ ان دونوں کو ابو بکر نے دھکیلا
تو بنی مسلم نے اپنا چہرہ کھولا اور فرمایا ان دونوں کو چھوڑو (کچھ نہ کہو) اسے ابو بکر رضی
تو عید کے دن ہیں اور یہ دن ایام منی تھے یعنی عید الاضحیٰ تھی اور میں نے دیکھا بنی مسلم
مجھے اپنی چادر سے ڈھانپ رہے ہیں اور میں جشیول کو دیکھ رہی ہوں اور وہ مسجد کے
صحن میں کھیل دکھا رہے ہیں پس ان کو عمرؓ نے ڈانٹا پس بنی مسلم نے فرمایا نرمی برتو
بنی ارفدہ سے۔

۴۔	عائشہ رضی	۱۲۴ھ
ثمانیہ	عروہ	۱۲۴ھ
رابعہ	نہری	۱۲۴ھ
سادہ	عقیل بن خالد	۱۲۴ھ
سابعہ	لیث بن سعد	۱۴۵ھ
عاشرہ	یحییٰ بن بکر	۲۳۱ھ

(بخاری)

۵۔ تلیف منہ ابو داؤد طیالسی | ابو داؤد طیالسی نے جو حدیث میں سب سے
مقدم کتاب ہے۔ اس روایت کو زہری

سے زعمہ کے واسطے سے سب سے الگ بیان کیا ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے
کہ حضرت عمرؓ نے بنی ارفدہ کو نہیں بلکہ بنات ارفدہ کو کسی اور موقع پر
ڈانٹا تھا۔

حدثنا زمعة عن الزهري عن عروة عن عائشة قالت كانت
الحبشة يدخلون المسجد فجعلوا يلعبون ورسول الله يستتر في
وانا انظر اليهم - جارية حديثه السن - فبأمر عمر فنهاهن
فقال رسول الله دعهن يا عمر رضي الله عنهن قال هن بنات اسفدة -
(مسند ابوداؤد طيالسي ص ۲۰۴ مطبوعة مصر)

۵ - ہم سے حدیث بیان کی زمعہ نے اس نے زہری سے اس نے عروہ سے اس نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے اس نے کہا - حبشی مسجد میں داخل ہو جاتے تھے اور کھیلنے لگتے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے چھپا لیتے تھے اور میں انہیں دیکھتی رہتی تھی میں نوجوان چھو کر رہتی تھی پس عمر رضی اللہ عنہ نے انہوں نے ان لونڈیوں کو منع کیا پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا - انہیں چھوڑو - پھر کہا اسفدہ کی لڑکیاں ہیں -

۵۸

۵ - عائشہ رضی اللہ عنہا

۹۴

عروہ

۱۲۴

زہری

۲۰۴

زمعہ

۲۰۴

ابوداؤد طيالسي

(ابوداؤد طيالسي)

تلفیق کا سلسلہ شروع میں عام تھا | روایت بالمعنی کی بناء پر تلفیق
بین الروایات کا سلسلہ شروع

میں عام تھا - ایک روایت کے اچھے جُملے دوسری روایت میں عام طور سے شامل کر دیے جاتے تھے -

شروع شروع میں جب روایات جمع کرنی شروع کی گئیں تو صحابہ رضی اللہ عنہم نے اپنی یادداشت کی بنا پر واقعات پیش آدہ بیان کر دیے اور سننے والے نے اسے حافظہ میں محفوظ کر لیا اور ضرورت کے وقت اس سے کسی مسئلہ میں استنباط کر لیا -

اس کے بعد یہ ضرورت محسوس ہوئی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام اقوال و افعال کو جمع کر لیا جائے کہ ابھی وہ لوگ زندہ ہیں جنہوں نے آپ کے افعال کو دیکھا اور اقوال کو سنا ہے - کیونکہ اس کے بغیر قرآن کی آیات کے مطالب تشنہ تھے - اس لئے کہ جب تک کلمتہ کے انطباق کی کوئی مثال سامنے نہ ہو تو تسلی نہیں ہوتی -

اس وقت اس نزرت کا شدید احساس ہوا اس وقت بہت سے صحابہ وفات پا چکے تھے۔ یا اکثر محاکم اسلامی میں منتشر ہو چکے تھے۔ اس لئے ابتدائی دور میں جمع حدیث و سنت کا کام اجتنابی طور پر نہ ہو سکا۔

دوسرا دُل میں نقل احادیث | حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے آخری وقت میں دورِ فتن کا آغاز ہو

چکا تھا جو بنو مردان کے وقت میں اپنی انتہا کو پہنچ گیا تھا گروہ بن گئے تھے۔ شیعہ، ناصبی، خارجی وغیرہ فرقوں کی بنیاد پڑ چکی تھی۔ عقائد و کلام کی بحثیں جنم لے چکی تھیں اس لئے شروع میں جمع حدیث کے باب میں رطب و یابس سب قبول کرنا پڑا۔

تابعین میں جمع احادیث | جمع حدیث کا بیشتر منظم کام دورِ تابعین میں ہوا۔ اختلافِ حالات، مراتبِ حفظ، دیانت داری،

ذوقِ راوی اور بیانِ صحابی کی بناء پر ایک ہی واقعے کے متعلق روایات مختلف ہو گئیں بعض صحابہ سے جو واقعات ملے وہ بہت مجمل تھے۔ کیونکہ وقوع کے وقت تو صحابی کو یہ خیال بھی نہیں تھا کہ مجھے کسی وقت یہ واقعہ بیان کرنا ہوگا۔ اور زمانہ کے گزرنے سے تفصیل واقعہ ذہن سے اتر جاتی ہیں اور نفسِ واقعات کا دھندلا سا خاکہ ذہن میں رہ جاتا ہے۔ جزئیات واقعہ تو بہت کم یاد رہ جاتی ہیں۔ ہم خود روزانہ مشاہدہ کرتے ہیں کہ عالتوں میں ایک ہی واقعہ کے عینی شاہدوں میں اختلاف ہو جاتا ہے۔ علم کا طالب نفس واقعہ سے زیادہ تفصیل چاہتا ہے اور وہ ملتی نہیں تو اس خلا کو سامع اپنے ذہن اور قیاس سے پورا کرتا ہے۔ کبھی یہ قیاس صحیح ہوتا ہے۔ اور کبھی غلط۔ کبھی نفس واقعہ سے مطابقت رکھتا ہے اور کبھی روح واقعہ کو فنا کر کے رکھ دیتا ہے۔ بعد کے سامع اور راوی کے لئے یہی قیاس روایت کا جز بن جاتا ہے۔ اور جب واقعہ اور قیاس سے مرکب روایت ضبط تحریر میں آ جاتی ہے تو پورا کلام حدیث بن جاتا ہے۔

دورِ تابعین میں تلیق کثرت سے کی گئی | دورِ تابعین میں حضرت صلی اللہ

علیہ وسلم کے ارشادات و افعال تحریر میں آ چکے تھے۔ طلابِ علم حفظ اور ضبط کی روایت کو اصل قرار دے کر ایک ہی روایت میں درستی اور ایضاً کرتے رہتے تھے۔ بلکہ ایک واقعہ کے اچھے اچھے دو دوسرے واقعے میں شامل کر دیتے تھے۔

اس سے بھی زیادہ یہ کہ دو واقعوں کے مشابہہ ہونے کی بناء پر ان کو ایک دوسرے

میں مدغم کر کے ایک روایت بنا کر پیش کرتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ بعض روایات جو مختلف واقعات پر مشتمل ہیں ایک ہی معلوم ہوتی ہیں۔

کہیں ایسا بھی ہوتا ہے کہ بعض مفصل روایات جو ایک ہی واقعہ پر مشتمل ہوتی ہیں۔ اجمال اور تفصیل میں آ کر دو واقعات بن جاتی ہیں۔ اسی لئے دور تابعین اور تبع تابعین میں بیشتر روایات تلفیق بین الروایات کی وجہ سے اور اسناد کے مختلف ہونے کی وجہ سے متعدد ہو گئیں۔

روایت ۳ میں ہشام کا استنباط معلوم ہوتا ہے | روایت ۳ حبشیوں کے کھیل میں حضرت

ابو بکر رضی کا منع کرنا ظاہر کیا گیا ہے۔ حالانکہ حضرت ابو بکر رضی نے محض ان دو لونڈیوں کو روکا تھا جو حضرت عائشہ رضی کے گھر میں گارہی تھیں۔ حبشہ کے بارے میں حضرت ابو بکر رضی کا ذکر نہیں ملتا لیکن اس روایت ہشام میں حضرت ابو بکر رضی کا ذکر ملتا ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہشام سے اس روایت میں سہو ہوا ہے۔ آخر عمر میں حافظہ کمزور ہو گیا تھا۔ اختلاط شروع ہو گیا تھا۔ اس کی وجہ سے یہ غلطی ہوئی۔ کیونکہ وکیع ہشام کے آخری تلمیذ ہیں۔ ہشام کی وفات ۴۶ھ میں ہوئی۔ وکیع کی پیدائش ۱۲۸ھ ہے۔

حبشہ کی روایت میں یوم عید کا اضافہ بطور تلفیق کے ہوا

اسی طرح جن رواۃ نے غناء اور لعب بالحراب کی روایات میں تلفیق کی انہوں نے حبشہ والی روایات میں یوم عید کا اضافہ کر دیا۔ مفرد روایات میں یوم عید نہیں ہے مگر تلفیق میں یہ جملہ اس غنا کی روایت سے حبشہ کی روایت میں آ گیا۔

ابوداؤد کی روایت میں تضاد ہے | ابوداؤد طیالسی کی روایت میں صراحۃً تضاد ہے۔ اس روایت کے الفاظ سے معلوم

ہو رہا ہے کہ اس روایت کے متن میں کافی اضطراب ہے۔ اور سند بھی اضطراب سے خالی نہیں۔

ابوداؤد نے پہلے اس روایت کو عروہ کی روایت بتلایا ہے حالانکہ دوسری کتب حدیث میں یہ روایت جس میں حضرت عمر رضی کے منع کرنے کا ذکر ہے عروہ کی روایت نہیں ہے۔ جیسے کہ ہم پہلے لکھ چکے ہیں۔

”هَنْ“ کی ضمیر تالیف پر دلالت کرتی ہے | معلوم ہوتا ہے کہ یہ کوئی

طویل واقعہ تھا جس کو

زہری یا اس کے تلمیذ زمرہ نے خلط ملط کر دیا۔ یہ واقعہ لونڈیوں کی روایت سے متعلق تھا۔ وہ کسی موقع پر گارہی تھیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انہیں منع کیا اور نبی کریم ص نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو روک دیا۔ راوی نے اس کا جوڑ حبشہ کے کھیل کی روایت کے ساتھ لگا دیا۔ حالانکہ یہ بالکل بے میل اور بے جوڑ بات ہے۔

اس میں شک نہیں ہے کہ عربی میں جب فاعل جمع کسر ہو تو فعل واحد مؤنث استعمال کر لیتے ہیں۔ لیکن اس روایت میں هَنْ ہے۔ ضمیر واحد مؤنث هَا نہیں ہے۔ پھر عن کا بار بار تکرار ظاہر کر رہا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عورتوں کو منع کیا تھا اور بنات ارفدہ کا لفظ ظاہر کر رہا ہے کہ وہ عورتیں تھیں مرد نہیں تھے۔ آپ کے جواب کا منشاء یہ ہے کہ یہ حبشیں ہیں ان کا کام ہی گانا بجانا ہے۔ ان کو چھوڑو۔

یہ ظاہر ہے کہ مسجد میں کرتب دکھانے والے مرد تھے عورتیں نہیں تھیں۔ اب ہمیں بالکل معلوم نہیں ہے کہ وہ کیا موقع تھا کیا واقعہ تھا۔ کس جگہ یہ واقعہ پیش آیا اور کب آیا۔ اگر راوی کے آخری الفاظ صحیح ہیں تو ضرور اس کھیل کے واقعہ سے مختلف کوئی اور واقعہ تھا۔

اس کے علاوہ اس روایت میں ”جاریۃ حدیث المسن“ والا جملہ قطعاً بے محل اور بے موقعہ ہے۔ جس کا سیاق اور سباق سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ راوی نے تو اپنے خیال سے اس میں ربط پیدا کرنا چاہا ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ ٹکڑا حبشیوں کے کھیل سے بالکل بے ربط ٹکڑا ہے۔

علاوہ ازیں اگر اس جملہ سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا مراد ہیں تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اپنے متعلق اس قسم کے ہلکے الفاظ استعمال نہیں کر سکتیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی جگہ کوئی اور عام عورت بھی ہوتی تو سہ میں جبکہ ان کو رہتے سہتے چھ سال ہو چکے تھے سات آٹھ خراڑ مساتھ تھیں، ہرگز ان کے ہاتھ میں اپنی خفت کا حربہ نہ دیتیں۔

جب انہوں نے عروہ کو یہ واقعہ سنایا تھا تو اس وقت تو اس واقعہ کو گزرے ہوئے چالیس پینتالیس سال ہو چکے تھے۔ اس وقت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بوڑھی ہو چکی تھیں ہرگز اپنے لئے یہ تعبیر اختیار نہ فرماتیں۔

ہم بار بار لکھ چکے ہیں کہ زہری کا عروہ سے سماع ثابت ہی نہیں۔ اس لئے انہوں نے

ضرور یہ روایت کسی اور سے سُنی ہوگی وہ معلوم نہیں کوئی ثقہ راوی ہے یا ضعیف . ممکن ہے اسی سے یہ گڑبڑ ہوئی ہے . واللہ اعلم)

حبشیوں کے کھیل کی وہ روایات جن کے اخیر میں

فاقد رواقدر الحباریۃ الحديثۃ السن الحرصۃ علی

اللہو ہے ۔

۱۔ بخاری بروایت اسحاق بن ابراہیم | حدیثنا اسحاق بن ابراہیم

الحنظلی عن عیسیٰ عن الاوزاعی

عن الزہری عن عروۃ عن عائشۃ رضی قالت رايت النبی صلی اللہ علیہ و سلم لیسترنی بردائہ و انا انظر الی الحبشۃ یلعبون فی المسجد حتی اکون انا اللتی اسأم ۔ فاقد رواقدر الحباریۃ الحديثۃ السن الحرصۃ علی اللہو ۔ بخاری جلد ۲ نظر المرأة الی الحبشۃ ص ۴۸۸)

اسحاق بن ابراہیم حنظلی نے ہم سے حدیث بیان کی اس نے عیسیٰ سے اس نے اوزاعی اس نے زہری اس نے عروہ سے اس نے عائشہ رضی سے اس نے کہا میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ مجھے اپنی چادر سے ڈھانپ رہے ہیں اور میں حبشیوں کو مسجد میں کھیل دکھاتے دیکھ رہی ہوں یہاں تک کہ میں خود ہی اکتا جاتی تھی ۔ دیکھو تو کھیل کی حرص لڑکھان چھو کری کے انداز۔

۵۸ھ

۹۲ھ

۱۲۲ھ

۱۵۴ھ

۱۸۴ھ

۲۳۸ھ

عائشہ رضی

عروہ

زہری

الاوزاعی

عیسیٰ بن یونس

اسحاق بن ابراہیم

۱۔

ثانیہ

ثالثہ

سابعہ

ثامنہ

عاشرہ

(بخاری)

بخاری بروایت عبد اللہ بن محمد | حدیثنا عبد اللہ بن محمد قال

حدیثنا ہشام بن یوسف اخبرنا

معمر عن الزہری عن عروہ عن عائشہ رضی اللہ عنہا کان الحبش یلعبون بحراہم فستر فی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وانا انظر فما زلت انظر حتی کنت انصرف فاقدر واقدرا لحدیث السنن الحریصۃ علی اللہو .

(بخاری جلد ۲ ص ۸۷ باب عشر النساء)

۲۔ عبد اللہ بن محمد نے ہم سے حدیث بیان کی اس نے کہا ہشام بن یوسف نے ہم سے حدیث بیان کی اس نے کہا ہمیں معمر نے خبر دی . زہری سے اس نے عروہ سے اس نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے . حبشی کھیل دکھاتے تھے اپنے آلات حرب سے پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اپنی چادر میں چھپالیا اور میں دیکھ رہی تھی دیر تک دیکھتی ہی رہی پھر میں خود لوٹ آئی دیکھو تو کھیل کی دل دادہ لڑکیوں چھو کر ہی کے انداز ۔

۵۸	عائشہ رضی اللہ عنہا	۲
۹۲	عروہ	ثانیہ
۱۲۲	زہری	رابعہ
۱۵۲	معمر	سابعہ
۱۹۸	ہشام بن یوسف	تاسعہ
۲۳۱	عبد اللہ بن امام محمد	عاشرہ

(بخاری)

۳۔ مسلم بروایت ابو طاہر | حدیثی ابو طاہر قال اخبرنا ابن وہب

قال اخبرنی یونس بن ابی شہاب عن

عروہ قال قالت عائشہ رضی اللہ عنہا لقد رايت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقدم علی باب محرق والحبتی یلعبون بحراہم فی المسجد و رسول اللہ یستری برواہی لکی انظر الی لعبہم ثم یقوم من اجلی حتی اکون اذاللتی انصرف . فاقدر واقدرا لحدیث السنن الحریصۃ علی اللہو . - مسلم باب العیدین)

ابو طاہر نے مجھے حدیث بیان کی اس نے کہا ہمیں خبر دی ابن وہب نے اس نے کہا مجھے خبر دی یونس نے ابن شہاب سے اس نے کہا عروہ سے اس نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے

اس نے کہا واللہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے حجرے کے دروازے پر کھڑے دیکھا اور حبشی کھیل دکھلا رہے تھے اپنے ہتھیا روئے (صحن) مسجد میں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے اپنی چادر میں چھپا رہے تھے تاکہ میں ان کا کھیل دیکھ سکوں پھر آپ میری وجہ سے کھڑے رہے یہاں تک کہ میں خود ہی لوٹ آئی دیکھو تو کھیل پر فریفتہ نوخیز چھوکری کے نخرے (

۵۷	عائشہ رض	۳
۹۲	عروہ	ثانیہ
۱۲۲	ابن شہاب زہری	رابعہ
۱۵۹	یونس بن یزید	سابعہ
۱۹۷	ابن وہب	تاسعہ
۲۵۵	ابو طاہر احمد بن عمر ومضری	عاشرہ

(مسلم)

۴۔ نسائی بروایت علی بن خشرم | أخبرنا علی بن خشرم حدثنا الولید قال حدثنا الاوزاعی عن

الزہری عن عروہ عن عائشہ رض قالت رايت رسول الله يستبرئ منه وانا انظر الى الحبشة يلعبون في المسجد حتى اكون انا اسأم . فاقدر واقدر الجارية المحديثة السن الحديث على اللهو .

(نسائی حبل اول ص ۲۳۶ ضرب الدف يوم العيد)

علی بن خشرم نے ہمیں خبر دی اس نے کہا ولید نے ہمیں حدیث بیان کی اس نے کہا اوزاعی نے ہم سے حدیث بیان کی زہری سے اس نے عروہ سے اس نے عائشہ رض سے اس نے کہا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا چھپائے ہوئے چادر میں اور میں حبشیوں کو دیکھ رہی تھی (جو صحن) مسجد میں کھیل دکھا رہے تھے یہاں تک کہ میں خود ہی اکتا گئی دیکھو تو کھنڈری نخیل چھوکری کے انداز .

۵۷	عائشہ رض	۴
۹۲	عروہ	ثانیہ
۱۲۲	زہری	رابعہ
۱۵۷	اوزاعی	سابعہ
۱۹۵	الولید	ثامنہ

(نسائی)

۵۔ مسند امام احمد بروایت ابی المغیرہ | حدثنا عبد اللہ ثنی ابی ثنا

ابو المغیرہ ثنا الاوزاعی قال

حدثنی الزہری عن عروۃ عن عائشہ رضی قالت لما یت رسول اللہ ۲ لیستری بردائہ
وانا انظر الی الحبشتا یلعبون فی المسجد حتی اکون اذ اللتی اسام فاقدرہا
قدرا لحابریۃ الحدیثۃ السن الحدیثۃ علی اللہو .

مسند امام احمد ص ۸۴ جلد ۶ ذکر عائشہ رضی

۵۔ عبد اللہ نے ہم سے حدیث بیان کی اس نے کہا میرے باپ نے مجھ سے حدیث بیان کی
اس نے کہا ابو المغیرہ نے ہم سے حدیث بیان کی اس نے کہا اوزاعی نے ہم سے حدیث بیان
کی اس نے کہا زہری نے مجھ سے حدیث بیان کی عروہ سے اس نے کہا عائشہ رضی سے اس
نے کہا میں نے دیکھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے اپنی چادر میں چھپا رہے ہیں اور میں حبشیوں
کو دیکھ رہی ہوں جو مسجد میں کھیل دکھا رہے ہیں یہاں تک کہ میں خود اکتا گئی دیکھو
تو کھیل پر جان دینے والی نوخیز چھو کمری کے انداز .

۵۔ عائشہ رضی

ثانیہ عروہ

رابعہ زہری

سابعہ الاوزاعی

تاسعہ ابو المغیرہ عبد القدوس

عاشرہ امام احمد

ثانی عشر عبد اللہ

۱۵۷

۲۱۲

۲۲۱

۲۹۰

(مسند امام احمد)

۶۔ مسند امام احمد بروایت عبد الرزاق | حدثنا عبد اللہ ثنی ابی ثنا

عبد الرزاق ثنا معمر عن الزہری

عن عروۃ عن عائشہ رضی قالت والله لرایت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
یقوم علی باب حجرتی والحبشتا یلعبون بالحل ب ورسول اللہ لیستری بردائہ
لانظر الیہم من بین اذنہ وعائشہ ثم یقوم من اجلی حتی اکون

انا اللّٰتى انصرف فاقدرا لاجارية الحديث السن الحريصة على
اللهو - (مسند امام ۱۶۵)

۶۔ عبداللہ نے ہم سے حدیث بیان کی اس نے کہا میرے باپ نے مجھ سے حدیث بیان کی
اس نے کہا عبدالرزاق نے ہم سے حدیث بیان کی اس نے کہا معمر نے ہم سے حدیث بیان کی
زہری سے اس نے عروہ سے اس نے عائشہ رض سے اس نے کہا واللہ میں نے رسول اللہ
صلعم کو دیکھا کہ میرے حجرے کے دروازے پر کھڑے ہیں اور حبشی ہتھیادوں کا کھیل دکھا رہے
ہیں اور رسول اللہ مجھے چادر سے چھپا رہے ہیں تاکہ میں انہیں دیکھوں آپ کے کان اور
مونڈھے کے درمیان سے پھر میری وجہ سے آپ کھڑے رہے یہاں تک کہ میں خود ہی لوٹ
آئی دیکھو تو کھنڈری نوجوان چھو کر ہی کے انداز

۵۸	عائشہ رض	۶
۹۴	عروہ	
۱۲۴	زہری	
۱۵۳	معمر	
۲۱۱	عبدالرزاق	
۲۴۱	امام احمد	
۲۹۰	عبداللہ	
۲۳۳		
۵۸		
۹۶		
۱۲۶		
۱۶۴		
۲۱۵		

(مسند امام احمد)

۷۔ مسند امام احمد بروایت محمد بن مصعب | حدثنا محمد بن مصعب
ثنا الاوزاعي عن

الزہری عن عروہ عن عائشہ رض قالت کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی حجرتی
لیسترنی بردائہ وانا انظر الی الحبشة کیف یلعبون حتی اکون انا اسألم
فاقدرا لاجارية الحديث السن الحريصة على اللهو -
(مسند امام احمد)

۷۔ عبداللہ نے ہم سے حدیث بیان کی محمد بن مصعب نے اس نے کہا ہم سے حدیث بیان
کی اوزاعی نے زہری سے اس نے کہا عروہ سے اس نے کہا عائشہ رض اس نے کہا رسول اللہ صلعم
میرے حجرے میں تھے مجھے اپنی چادر میں چھپا رہے تھے اور میں حبشیوں کو دیکھ رہی تھی
کیسے کھیل دکھا رہے ہیں یہاں تک کہ میں خود ہی اکتا گئی دیکھو تو کھیل پر مڑنے والی

نوجوان لڑکی کے انداز .

۷ - عائشہ

ثانیہ عروہ

رابعہ زہری

سابعہ الاوزاعی

تاسعہ محمد بن مصعب

عاشرہ امام احمد

ثانی عشر عبداللہ

۱۵۷

۲۰۸

۲۲۱

۲۹۰

(مسند امام احمد)

۸ - حدثنا ابراهيم بن محمد بن سفيان نا الحسن بن بشر نا ابو اسامة عن هشام بن عروة عن ابيه عن عائشة رضي بها عن الحديث وقالت رايت رسول الله صلى الله عليه وسلم ليسترني بردائه واذا انظر الى الحبشة وهم يلعبون واذا جارية فاقدروا قدر الجارية الحديث السن -

۸ - حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا آپ مجھے اپنی پادر میں چھپا رہے تھے اور میں حبشیوں کو دیکھ رہی تھی جو کرتب دکھلا رہے تھے اور میں بچی ہی تھی . دیکھو تو نوجوان لڑکی کے انداز .

۸ - عائشہ رضی اللہ عنہا

ثانیہ عروہ

خامسہ ہشام

تاسعہ ابو اسامہ

عاشرہ الحسن بن بشر

ابراہیم بن محمد بن سفيان

۹۲

۱۲۶

۲۰۱

۲۲۲

۶۱

۱۲۱

(مسلم)

۹ - مسند امام احمد | حدثنا عبد الله حدثني ابي ثنا يعقوب قال ثني ابي عن صالح عن ابن شهاب عن عروة عن عائشة رضي

قالت والله رايت رسول الله صلى الله عليه وسلم ليسترني بردائه واذا انظر الى الحبشة يلعبون في المسجد ورسول الله صلى الله عليه وسلم ليسترني بردائه لكي انظر اليهم ثم يقوم من اجلي

حتى اكون انا الذي انصرف فاقد رواقا لحدیثة السن
الخریفة علی اللهو .

۹ - حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے واللہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے کمرے کے دروازے پر دیکھا اور حبشی مسجد میں کھیل رہے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے اپنی چادر میں ڈھانپ رہے تھے تاکہ میں اطمینان سے کھیل دیکھ سکوں پھر آپ میری وجہ سے کھڑے رہے تھے یہاں تک کہ میں خود ہی ہٹ آتی تھی دیکھو تو نو جوان نوخیز لڑکی کے انداز .

عائشہ رضی اللہ عنہا ۹

ثانیہ	عروہ	۱۲۴
رابعہ	زہری	۱۴۱
رابعہ	صالح بن کیسان	۱۸۵
ثامنہ	ابراہیم بن سعد	۲۰۸
تاسعہ	یعقوب بن ابراہیم	۲۴۱
عاشرہ	امام احمد	۲۹۰
ثانی عشر	عبد اللہ	

(مسند امام احمد)

۱ - اصل میں یہ وہی مفرد روایت ہے جو پہلے مختلف سندوں سے ہم لکھ چکے ہیں .
لعب حبشہ بالحرا ب والی یہ روایت مختلف کتب حدیث میں مذکور ہے . لیکن اس کا آخری جملہ یعنی فاقد رواقا لحدیثة السن الخریفة علی اللهو محل نظر ہے . اور ہمیں اس جملہ کے متعلق تحقیق کرنی ہے کہ آیا یہ جملہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے منقول ہے . یا بعد میں کسی نے بڑھایا . اور اگر اضافہ کیا تو کس نے کیا .
اس سلسلہ میں ہم روایات کی اسناد پر بھی اس حیثیت سے گفتگو کریں گے کہ روایت نے اس جملہ کو قبول کرنے میں کیا غلطی کی ہے .

یہ روایت حفظ کے دور کی روایت نہیں ہے . بلکہ تحریری دور کی ہے . جب روایتیں مقررہ سانچے میں ڈھل چکی تھیں . محض اسناد کا اختلاف ہوتا تھا . روایت تو وہی رہتی تھی .

یہ روایت اگر ایک سند سے مذکور ہوتی تب بھی وہی تھی . اب بہت سی اسانید سے مذکور ہے تب بھی وہی ہے .

فَاقِدُ رُؤَا وَا لى رَوَا يَاتِ پَر

سَنَدِ بَحْثِ

تَلَامِیْذِ عَالِشَہ رَضِ | حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے لعَبِّ بِالْحَبَشَةِ والی روایت کو بیان کرنے والے محض تین راوی ہیں

۱۔ عبید بن عمیر - ۲۔ ابوسلمہ - ۳۔ عروہ

۱۔ عبید بن عمیر | ان کی روایت ۳ مسلم میں آئی ہے۔ اور اس میں فَاقِدُ رُؤَا ہنسی ہے۔

۲۔ ابوسلمہ | ان کی روایت ۱۰ مشکل الآثار میں ہے اور اس میں بھی فَاقِدُ رُؤَا ہنسی ہے۔

۳۔ عروہ | عروہ سے بیان کرنے والے تین راوی ہیں۔

۱۔ ابوالاسود - ۲۔ ہشام بن عروہ - ۳۔ ابن شہاب زہری

۱۔ ابوالاسود | لیکن رِوَاۃ عروہ میں سے ابوالاسود محمد بن عبد الرحمن الاسدی کی روایت میں بھی فَاقِدُ رُؤَا کا نام و نشان نہیں ہے۔

۲۔ ہشام بن عروہ | ہشام سے اس روایت کو بیان کرنے والے ان کے پانچ تلامیذ ہیں۔ چار کے بیان فَاقِدُ رُؤَا سے خالی ہیں۔

۱۔ عبید بن سلیمان کوفی - ان کی روایت فَاقِدُ رُؤَا سے خالی ہے

۲۔ جریر بن عبد الحمید کوفی - ان کی روایت بھی " " " "

۳۔ عبد اللہ بن نمیر کوفی - " " " "

۴۔ محمد بن بشر العبسی کوفی - " " " "

۵۔ ابواسامہ - تلامیذ ہشام میں سے بس ان کی روایت میں فَاقِدُ رُؤَا موجود ہے۔

یہ اضافہ کس نے کیا؟ | امکان تو اس بات کا بھی ہے کہ خود ابواسامہ نے اپنے استاد کی روایت میں یہ اضافہ کر دیا ہو۔

لیکن حقیقت اس کے خلاف نظر آتی ہے۔ اس لئے کہ جب کوفہ کے چار معاصر اور اقران اس روایت کو بغیر اضافہ کے بیان کر رہے ہیں تو ابواسامہ کو کیا پڑی تھی کہ اس میں اضافہ

کہتے۔ یہ اضافہ اس روایت میں یا الحسن بن بشر کوفی کا ہو سکتا ہے یا ابراہیم بن محمد بن سفیان کا۔ اس لئے کہ یہ ثنائی الذکر راوی اپنے تشخص اور حالات کے اعتبار سے بالکل مجہول ہے۔ اور غالب گمان یہی ہے کہ اسی نے یہ اضافہ کیا ہے۔

علاوہ ازیں ہشام کی یہ روایت جس میں فاقد سروا کا اضافہ ہے۔ اس تحریری زبان میں نہیں ہے۔ اور اس کے الفاظ میں تغیر ہو گیا ہے ان آخری الفاظ کی نسبت ہشام کی طرف تدلیس ہے۔ ہشام فاقد سروا سے بالکل بے خبر ہیں۔ اور یہ اضافہ ان کی وفات کے بعد کا معلوم ہوتا ہے جیسا کہ ہم آئندہ واضح کریں گے۔

۳۔ ابن شہاب زہری | عروہ سے اس روایت کے تیسرے راوی ابن شہاب زہری ہیں۔ لیکن پہلی بحث تو اس سلسلہ میں یہ ہے کہ زہری

کا سماع عروہ سے ثابت ہی نہیں ہے تو پھر لامحالہ زہری نے یہ روایت مذکورہ بالا رواۃ میں سے کسی سے سنی ہوگی۔ مگر دوسری طرف ہم یہ بھی دیکھتے ہیں کہ عروہ کے دوسرے راویوں کی روایت میں فاقد سروا ہے ہی نہیں تو پھر زہری کی روایت میں یہ اضافہ کہاں سے آگیا۔ اور زہری نے اسے آگے کیسے نقل کر دیا؟ زہری بیچارے تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی کم سنی کے نکاح اور بناء کی روایت ہی سے ناواقف ہیں۔ وہ حضرت عائشہ کی شان میں مذکورہ جملہ کیسے ادا کر سکتے تھے۔

سرواۃ زہری | زہری سے اس روایت کو نقل کرنے والے ان کے مندرجہ ذیل چھ تلامیذ ہیں۔

۱	صالح بن کیسان مدنی	۱۴۱ھ
۲	عقیل بن خالد الایلی	۱۴۲ھ
۳	یونس بن یزید الایلی	۱۵۹ھ
۴	زمعه بن صالح یمانی	
۵	الاوزاعی شامی	۱۵۷ھ
۶	معمر بن راشد بصری	۱۵۳ھ

۱۔ صالح | صالح بن کیسان ہی کی وہ روایت جو بخاری میں ہے اس میں تو فاقد سروا نہیں ہے۔ لیکن جو روایت مسند امام احمد میں ہے اس میں یہ اضافہ ہے۔

مگر یہ اضافہ یعقوب بن ابراہیم بن سعد کا ہے۔ کیونکہ یہی طبقہ عائشہ کا راوی ہے اور اضافہ کر سکتا ہے۔ اسی نے اضافہ ثقہ خیال کرتے ہوئے روایت صالح میں یہ اضافہ کیا ہے

اصل اضافہ پر گفتگو آگے آرہی ہے۔

۲ عقیل | عقیل بن خالد کی کسی روایت میں بھی فاقدر وا نہیں ہے۔

۳ یونس | ایسے ہی یونس بن یزید کی روایت جو بخاری میں ابراہیم بن المنذر سے ہے۔ اس میں فاقدر وا نہیں ہے۔ مگر ظاہر ہے جو روایت مسلم میں ہے اس میں موجود ہے اور اس پر ہم آخر میں بحث کریں گے۔

۴ زمرہ | زمرہ بن صالح کی روایت جو ابو داؤد طیالسی میں ہے اس میں فاقدر وا کے الفاظ نہیں ہیں صرف جاریۃ حدیثۃ السن ہے۔ جیسا کہ ہم پہلے نقل کر چکے ہیں۔

علاوہ ازیں اس روایت کے متن میں کافی اضطراب ہے۔ معلوم نہیں کیا سنا کیا کہا۔ اور ان کی روایت اس تحریری زبان میں بھی نہیں ہے۔ اور اس پر ہم پہلے بحث کر چکے ہیں سند زمرہ پر تفصیلی بحث | اس روایت کی سند یہ ہے۔

۱	عائشہ	۵۰
۲	عروہ	۹۲
۳	زہری	۱۲۲
۴	زمرہ	۲۰۲
۵	سلیمان بن داؤد	۲۳۳
۶	ابو داؤد طیالسی	۵۵
		۱۲۶

زمرہ کے بارے میں علماء کی آراء | زمرہ بن صالح الجندی الیمانی نے مکہ میں اقامت کر لی تھی۔ اور وہ زہری، عروہ بن دینار

اور ابن طاؤس وغیرہ سے روایت کرتے ہیں۔ ان سے سفیان بن عبد الرزاق وغیرہ روایت کرتے ہیں۔ حالانکہ یہ سب ان کے اقران ہیں۔ ان کے متعلق علماء جرح و تعدیل کی آراء ملاحظہ ہوں۔

هو ضعيف

هو ضعيف

ضعيف

عبداللہ بن امام احمد فرماتے ہیں

ابن معین فرماتے ہیں

آجری نے ابو داؤد سلیمان بن اشعث سے نقل کیا ہے

سفیان بن عیینہ کا بیان ہے کہ میں نے کئی دفعہ ہشام بن حجر کو ذمہ سے کہتے سنا ہے
انتما انت حیدی۔ مالک و للحدیث یعنی آپ میرے دادا کی جگہ ہیں۔ آپ
کو حدیث سے کیا واسطہ

ابوداؤد کہتے ہیں لا اخرج حدیثاً من معہ

بخاری کہتے ہیں مخالف فی حدیثہ

ترکہ ابن مہدی اخیراً

قال ابو حاتم ضعیف الحدیث

قال النسائی فی المخرج والتعذیل ضعیف

علماء کی ان آراء کی موجودگی میں ان کی روایت جو زہری سے ہے قابل اعتماد

نہیں ہے۔

۵ الاولیٰ زہری کے پانچویں راوی الاوزاعی ہیں۔ اور ان کی روایت میں فاقہ رہا
موجود ہے۔

عبدالرحمن بن عمرو بن ابی۔ ان کا اصل نام محمد تھا۔ انہوں نے بیروت میں مستقل قیام

کر لیا تھا۔

اوزاع دمشق کے قریب ایک قریہ تھا اسی کی طرف یہ منسوب ہیں اصل میں

ان کے آباء سندھ کے سبایا میں سے تھے، شام میں لائے گئے تھے یہیں کے ہو رہے۔

اوزاعی نے شتر سال کی عمر میں بیروت کے کسی حمام میں گر کر وفات پائی۔

نشیخ اولیٰ ایہ قتادہ ۲ نافع مولیٰ بن عمر ۳ زہری ۴ محمد بن ابراہیم البیہقی
اور محمد بن سیرین ۶ عبداللہ بن زکریا ۷ خالد جلاہ ۸ یحییٰ بن کثیر

سے روایت کرتے ہیں۔ اور ان کے علاوہ دوسرے آئمہ فن سے بھی استفادہ

کیا ہے۔

محمد بن سیرین لیکن ابن حبان نے ثقات میں لکھا ہے کہ یہ محمد بن سیرین سے ایک

محررہ نسخہ روایت کرتے ہیں۔ لیکن انہوں نے محمد بن سیرین

سے سنا کچھ بھی نہیں۔ پھر ابن حبان نے اوزاعی کے تلمیذ ولید کے واسطے سے لکھا ہے کہ

اوزاعی نے خود بیان کیا کہ میں بصرہ اُس وقت پہنچا کہ حسن بصری کی وفات کو چالیس روز

ہو چکے تھے۔ محمد بن سیرین بیمار تھے۔ ہم ان کی زیارت کو گئے تو انہوں نے اس شرط پر

اجازت دی کہ میرے پاس نہ بیٹھیں۔ محض کھڑے کھڑے زیارت کر سکتے ہیں۔ چنانچہ ہم

اندر گئے اور کھڑے کھڑے سلام کیا۔ پھر واپس چلے آئے
نافع مولیٰ بن عمر رضی اللہ عنہ | ابو زرہ الدمشقی کا بیان ہے کہ نافع سے اوزاعی نے ایک
 روایت بھی نہیں سنی۔ عباس نے ابن معین کا یہ قول نقل
 کیا ہے کہ لم یسمع من نافع شیئاً

عبد اللہ بن زکریا | ابن ابی حاتم نے مرکب میں لکھا ہے کہ اوزاعی کی عبد اللہ بن زکریا
 سے ملاقات نہیں ہوئی۔

ابی مصعب۔ **خالد بن حلاج** | اوزاعی نے ابی مصعب سے کچھ نہیں سنا۔ خالد بن حلاج
 سے کچھ نہیں سنا۔ عمرو بن واحد کا بیان ہے کہ

اوزاعی کا خود کہنا ہے کہ اس نے ایک صحیفہ اپنے استاد

یحییٰ بن کثیر | یحییٰ بن کثیر کو دیا کہ اس کو مجھ سے بیان کرنے کی اجازت ہے۔ اسی
 طرح ایک صحیفہ اپنے استاد

نہری | نہری کو دیا اور کہا کہ آپ یہ صحیفہ مجھ سے بیان کر سکتے ہیں۔

یعقوب بن ابی شیبہ نے یحییٰ بن معین کا قول نقل کیا ہے کہ اوزاعی نہری کے بارے
 میں اتنے مستند نہیں جتنے کہ امام مالک ہیں

ابو یوسف حرابی کا بیان ہے کہ میں نے امام احمد سے اوزاعی کے بارے میں دریافت کیا۔ انہوں
 نے فرمایا "حدیثہ ضعیف"

بیہقی نے لکھا ہے کہ امام احمد کی مراد اس قول سے یہ ہے کہ وہ بعض روایات جن سے
 اوزاعی نے استدلال کیا ہے۔ ضعیف ہیں۔ اس لئے کہ اوزاعی روایت میں اضعف ہیں
 لانه اضعف فی الروایۃ۔

ابو عوانہ نے ولید بن مسلم کا یہ قول اپنی صحیح میں نقل کیا ہے کہ اوزاعی کی کتابیں
 واقعہ رجبہ میں جل گئی تھیں۔ بعد میں ایک شخص ان کے پاس ان کی کتابوں کی نقلیں لایا
 اور اس نے کہا کہ یہ آپ کی اصلاح کردہ نقلیں ہیں۔ دیکھئے یہ آپ کے اپنے قلم کی
 اصلاح ہے۔ لیکن اوزاعی نے ان پیش کردہ کتابوں میں سے کچھ بھی نہیں دیکھا تھا۔ اور نہ
 کچھ سنا تھا کہ اوزاعی کی وفات ہو گئی۔ تہذیب التہذیب جلد ۶ ص ۲۴۳ نمبر ۴۵۴

تلامیذ اوزاعی | اوزاعی سے روایت کرنے والے بہت ہیں۔ اور دس تلامیذ تو
 وہ ہیں جو اوزاعی میں معتبر ہیں۔ اور ان دس میں سے اس

روایت کا کوئی ایک بھی راوی نہیں ہے ۔
 مالک ۔ ثوری ۔ ابن ابی الزناد ۔ یحییٰ بن سعید القطان اور یحییٰ بن یزید ترمذی
 کے معتمد ترین راوی ہیں ۔ بلکہ کاتب الاوزاعی ہیں ۔ اور اس لقب سے مشہور تھے ۔
 یہ روایت بیان نہیں کرتے ۔ امام احمد رحمہ اللہ کے متعلق فرماتے ہیں
 لا نکتب حدیث الاوزاعی عن ادثق من هقل ۔ وما کان بالشام ادثق منه
 وکان الاوزاعی اوصی الیہ ۔ مات سلسلہ ۔

اوزاعی کے ایک اور معتمد راوی مروان بن محمد ہیں ۔ یہ بھی اس روایت کے راوی نہیں
 ایک معتمد راوی بشر بن بکر ہیں ۔ ابن المبارک ہیں ۔ شعبہ ہیں ۔ حمزہ بن ربیعہ ہیں
 وغیرہ وغیرہ ۔ مگر کوئی بھی ان معتمدین میں سے اس روایت کا راوی نہیں ۔
 البتہ اوزاعی سے اس روایت کو بیان کرنے والے ان کے مندرجہ ذیل چار تلامیذ ہیں مگر وہ
 معتمدین میں سے نہیں ہیں ۔

- ۱ الولید بن مسلم
- ۲ العیسیٰ بن یونس
- ۳ محمد بن مصعب
- ۴ ابوالغفرہ

علماء جرح و تعدیل ان چاروں تلامیذ کے بارے میں مندرجہ ذیل آراء رکھتے ہیں
 ۱۔ **ولید بن مسلم شاہی** | اوزاعی کی روایت بذریعہ ولید بن مسلم نسائی میں آئی
 ہے ۔ ولید کی نسبت مروزی نے امام احمد سے

نقل کیا ہے ۔ کان الولید کثیر الخطاء ۔

امام احمد نے ابن معین سے سنا ہے کہ ابن معین نے بیان کیا کہ میں نے ابومسہر کو کہتے
 سنا ہے کہ ولید ابواسفر سے اوزاعی کی روایتیں لیتے تھے اور آگے بیان کرتے تھے ۔
 حالانکہ کان ابواسفر کذاباً ۔

ابومسہر ہی کا بیان ہے کہ : کان الولید بن مسلم يحدث حدیث الاوزاعی
 عن الکذابين ثم یدلسها عنهم

(یعنی ولید کذابین سے حدیث اوزاعی لیتے تھے پھر ان کذابین کو ترک کر کے
 خود اوزاعی سے روایت شروع کر دیتے تھے)۔

صالح بن محمد کا بیان ہے کہ میں نے ہیشم بن خارجہ کو ولید سے کہتے سنا ہے کہ تم

نے اوزاعی کی حدیث کا استیاناس کر دیا۔ ولید نے پوچھا کیسے؟ ہیثم نے کہا تم عن الادوزاعی عن نافع۔ اور عن الادوزاعی عن الزہری روایت کرتے ہو۔ جبکہ ہمارے علاوہ دوسرے اساتذہ حدیث اوزاعی اور نافع کے درمیان عبد اللہ بن عامر الاسلمی کو لاتے ہیں نیز اوزاعی اور زہری کے درمیان ابراہیم ابوالہیثم بن مرہ کا اضافہ کرتے ہیں۔ ولید نے جواب دیا میں تو اوزاعی کی ان سے جان چھڑاتا ہوں اور اوزاعی کا مرتبہ بلند کرتا ہوں۔

ہیثم نے کہا کہ سب منعفاء ہیں جن کو تم ترک کر دیتے ہو۔ اور ان کی احادیث مناکیر کو اوزاعی کے سر بخونپ دیتے ہو۔ اور پھر ان کی نسبت کسی ثقہ سے کر دیتے ہو۔ تو ان احادیث مناکیر کی نسبت سے تو اوزاعی کا مرتبہ گر جاتا ہے۔ بلند نہیں ہوتا۔

اس کے بعد ولید نے میری بات کا جواب نہیں دیا۔ دارقطنی نے لکھا ہے کہ ولید ارسال کا مرتکب تھا اور تدلیس تسویہ بھی کیا کرتا تھا۔ یعنی اوزاعی کی ان روایات میں جو انہیں منعفاء سے پہنچی تھیں۔ ان منعفاء کو درمیان سے نکال کر ان کی نسبت ایسے شیوخ سے کر دیتا تھا جس سے اوزاعی ملے تھے۔ مثلاً عن الادوزاعی عن نافع بنا دیا تھا۔

ولید نے امام مالک سے دس احادیث ایسی بیان کی ہیں جن کی کوئی حقیقت اور کوئی اصل نہیں ہے۔ ان دس میں سے چار نافع سے ہیں۔ اس کی تفصیل صدقہ بن خالد کے ذکر میں گزر چکی ہے۔ (تہذیب التہذیب)

امام احمد نے فرمایا کہ ولید نے جو سنا اور جو نہیں سنا ان سب کو مختلط کر دیا۔ ولید کے ہاں منکرات زیادہ ہیں۔

ولید کا تدلیس تسویہ | ائمہ اور علماء کا اس بارے میں اختلاف ہے کہ اختیاح صلوة کے وقت آیا نماز بسم اللہ سے

م شروع کی جائے یا بغیر بسم اللہ کے الحمد سے شروع کی جائے۔ اصحاب حدیث امام مالک کے خلاف ہیں اور امام شافعی رحمہ بھی اس مسئلہ میں محدثین کے ساتھ ہیں۔ اس کے متعلق ایک حدیث مسلم میں الولید بن مسلم عن الادوزاعی منقول ہے۔ حدیث یہ ہے :-

”حدثنا الادوزاعی عن قتادة انه كتب اليه يخبره عن النبي بن مالك انه حدثه قال صليت خلف النبي وابي بكر وعمر وعثمان

فكانوا يستفتحون بالحمد لله رب العالمين ولا يذكرون بسم الله الرحمن الرحيم في اقل قراءة ولا في اخرها -

اوزاعی نے ہمیں حدیث بیان کی قتادہ سے کہ اس نے اس کی طرف لکھا وہ اسے انس بن مالک سے خبر دے رہے تھے۔ کہ انس نے قتادہ کو حدیث سنائی اس نے کہا میں نے نبی صلیم کے پیچھے نماز پڑھی اور ابوبکر رضی اللہ عنہ اور عمر رضی اللہ عنہ اور عثمان رضی اللہ عنہ کے پیچھے نماز پڑھی پس وہ نماز شروع کرتے تھے الْحَمْدُ لِلَّهِ سے بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ نہیں پڑھتے تھے۔ شروع قرات میں اور نہ قراءۃ کے آخر میں

اس روایت پر بحث کرتے ہوئے علامہ سیوطی تدریب الراوی میں رقم طراز ہیں کہ ”ولیس مدلس ہے اور تدلیس تسویہ کا مرکب ہے۔ اگرچہ اس نے صراحتہ کہا ہو کہ میں نے شیخ سے سنا ہے۔“

اور اگر یہ بھی ثابت ہو جائے کہ ان دونوں میں کوئی واسطہ نہیں ہے تب بھی یہ ضروری ہے کہ اس حدیث کو غیر معتبر ہی قرار دیا جائے۔ اس لئے کہ قتادہ تو مادر زاد نابینا تھے اور انہوں نے ضرور کسی دوسرے سے لکھوایا ہوگا۔ وہ کاتب کون تھا؟ اس کا نام ہی معلوم نہیں ہے ہو سکتا ہے کہ وہی مجروح ہو۔ یا اس نے قتادہ کا صحیح مفہوم اپنی عبارت میں ادا نہ کیا ہو۔ پھر روایت بالکتابت ویسے بھی مختلف فیہ ہے۔ حافظ سیوطی فرماتے ہیں کہ:-

”اس کے علاوہ اس روایت کے متن اور سند میں بیحد اضطراب ہے۔ لہذا اس سے کوئی سند اور حجت حاصل نہیں کی جاسکتی۔“

یہ روایت بالمعنی ہے اس میں راوی سے غلطی ہو گئی ہے۔“
آخر میں علامہ سیوطی فرماتے ہیں کہ

”اس حدیث میں ضعف کے نو (۹) علل ہیں

- ۱۔ مخالفت احفظ ۲ مخالفت اکثرین ۳ القطاع ۴ تدلیس تسویہ من الولید
- ۵ کتابت ۶ جہالت کاتب ۷ اضطراب فی اللفظ ۸ الادراج ۹ دوسرے صحابہ سے اختلاف“ (تدریب الراوی ص ۱۶۵ مطبوعہ مصر)

الغرض الولید بن مسلم کی اوزاعی سے روایت اس بات کا ثبوت نہیں ہے کہ یہ روایت ولید نے اوزاعی سے سنی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ کسی اور ضعیف راوی سے سنی ہو اور نسبت اوزاعی سے کر دی ہو۔

ہمیں اس روایت کی صحت میں کلام نہیں ہے۔ ہمیں تو اس میں فاقہ سراوا کے اضافے پر اعتراض ہے۔ اور یہ اضافہ اس روایت میں بہت بعد میں ہوا ہے۔ اور نہ ہری اور ہشام کے دامن اس اضافے سے پاک ہیں۔

۳۔ عیسیٰ بن یونس | اوزاعی سے فاقہ سراوا کے دوسرے راوی عیسیٰ بن یونس بن ابی اسحاق ہیں۔ ان کی روایت بخاری میں

ہے۔ ہشام بن عروہ۔ یحییٰ بن سعید۔ معمر بن راشد اور اوزاعی سے روایت کرتے ہیں اور کوفہ کے رہنے والے ہیں۔

مذکورہ بالا اساتذہ کے علاوہ اپنے باپ یونس، اپنے بھائی اسرائیل، اپنے چچا زاد بھائی یوسف بن اسحاق، سلمان تیمی، اعمش، ابن جریج، ثوری اور شعبہ سے بھی روایت کرتے ہیں۔

انہوں نے اپنے دادا ابواسحاق کو دیکھا ہے مگر ان سے روایت نہیں کی۔ اس لحاظ سے ان کی پیدائش ۱۲۶ھ یا ۱۲۷ھ ہوگی۔ اور ابواسحاق کی وفات ۱۲۹ھ میں ہے۔

شیوخ میں سے ان سے روایت بیان کرنے والے ان کے والد یونس ہیں اور حماد بن سلمہ ہیں جو ان سے عمر میں بڑے ہیں۔

اقربان میں سے ولید بن مسلم، موسیٰ بن رعبین ہیں۔ جو ان کے ہم عصر ہیں۔ تلامیذ میں سے ان کے بیٹے عمر بن عیسیٰ اور علی بن خشرم وغیرہ ہیں۔ عیسیٰ ایک سال حج کو جاتے تھے اور ایک سال جہاد میں شریک ہوتے تھے۔ اعمش کے خصوصی تلامیذ میں سے ہیں جو انہیں چھوڑتے ہی نہ تھے۔ کان عیسیٰ من اصحاب الاعمش کایف ارقونہ۔

عیسیٰ کا بیان ہے کہ ہمیں اعمش نے چالیس احادیث ایسی سنائی ہیں جن میں ضرب رقاب کا حکم ہے اور یہ حدیثیں اعمش کو ابواسحاق سے پہنچی ہیں اور ابواسحاق سے ان احادیث کا اعمش کے سوا کوئی اور راوی نہیں ہے۔ اور اعمش خاص طور سے ابواسحاق سے احادیث فتن کے بارے میں دریافت کیا کرتے تھے۔

خیال یہ ہے کہ عیسیٰ نے ہشام بن عروہ سے کوئی ایک آدھ روایت ان کے آخری سفر عراق میں سنی ہوگی۔ کیونکہ ہم بتلا چکے ہیں کہ کوفہ والے بیس سال کی عمر سے پہلے کسی شاگرد کو علم حدیث مشروع ہی نہیں کراتے تھے۔

علاوہ ازیں ہشام کے آخری تلامیذ میں ان کا ذکر نہیں ہے۔ ان کے آخری تلامیذ

ربیعہ بن نمیر، مخاضہ یونس بن بکر، ابواسامہ، عبیدہ اور وکیع ہیں۔
 اسی طرح اعمش کے ساتھ بھی سال چھ مہینے رہے ہوں گے۔ کیونکہ ۱۲۷ھ میں اعمش کی
 وفات ہو گئی تھی جبکہ عیسیٰ کی عمر بیس اکیس سال کی تھی۔
عیسیٰ بن یونس کے متعلق ائمہ کے اقوال | عیسیٰ بن یونس غیر
 محتاط آدمی تھے۔

اکثر م نے امام احمد کا قول بیان کیا ہے کہ یہ حدیث ہدیہ کو موصول بیان کرتے ہیں۔ حالانکہ
 دوسرے تمام رداۃ مرسل بیان کرتے ہیں۔
 ابن معین فرماتے ہیں کہ عیسیٰ بن یونس حدیث ہدیہ (ہشام بن عروہ عن ابیہ عن عائشہ
 کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقبل الہدیۃ دلا یا کل الصدقۃ) کو موصول
 بیان کرتے تھے (تہذیب التہذیب جلد ۵)

تقریب التہذیب میں حافظ ابن حجر نے مختصراً ان کے متعلق کہا ہے کہ یہ مخطی ہیں۔
 (احادیث میں غلطیاں کرتے ہیں۔ مدلس ہیں) ہر قسم کی تدلیس کرتے ہیں (اور متروکین
 سے اخذ روایت کرتے ہیں) اس کے بعد انہیں تدلیساً بہتر بنا دیتے ہوں گے۔
 یہ کوفہ کے مدلسین کے گروہ اور خاندان سے تعلق رکھتے ہیں۔ اور متشیعین کوفہ
 میں سے ہیں۔ ان کے دادا ابواسحاق اور ان کی اولاد، علی ہذا ان کے شیخ خصوصی اعمش
 محدثین کوفہ میں سے ہیں۔ لیکن سب تشیع میں مشہور ہیں۔

عیسیٰ بن یونس کا سماع اوزاعی سے ثابت نہیں | یہ عیسیٰ شام میں جا
 بسے تھے لیکن ان

کا قیام شام اوزاعی کی وفات کے بعد ہی معلوم ہوتا ہے۔
 انہوں نے یہ روایت ولید بن مسلم سے لی ہے۔ یہ روایت چونکہ اس طبقے میں معروف
 روایت تھی اس لئے کسی سند سے بھی ذکر کر دینا قابل قبول ہوتا۔ تحریری زبان میں تھی
 اس لئے کسی چھان بین کی ضرورت ہی نہ تھی۔
 عیسیٰ نے یہ روایت اوزاعی کے کسی بھی شاگرد سے لے لی ہو لیکن اضافہ فاقہ اس وا
 بہر حال ولید یا عبدالرزاق دونوں میں سے کسی نے کیا ہے۔ اور تدلیساً پوری روایت اوزاعی
 کی طرف منسوب کر دی۔ اور اس اضافے سے ہمارے خیال کے مطابق اوزاعی کا کوئی
 تعلق نہیں ہے۔

بہر حال عیسیٰ بن یونس کا ادزاعی سے سماع ثابت نہیں ہے معاشرت ضرور ہے ۔
 اگر یہ تکلف سماع ثابت ہی ہو جائے تو یہ اضافہ یقیناً کسی اور سے لیا ہے ۔
 غرض ادزاعی کی روایت میں یہ اضافہ عیسیٰ کے ذریعہ سے ہمارے لئے قابل قبول نہیں ہے ۔

۳۔ محمد بن مصعب | ادزاعی سے اس روایت کو بیان کرنے والے تیسرے
 راوی محمد بن مصعب بن صدقة القرظائی البوالحسن تزیل بغداد ہیں جن کی روایت مسند امام احمد میں ہے ۔

محمد بن مصعب ادزاعی ، امام مالک ، ابو بکر بن ابی مریم ، اسرائیل اور حماد بن سلمہ سے
 روایت کرتے ہیں ۔ اور ان سے امام احمد بن حنبل ، زہیر بن حرب اور ابن نمیر روایت کرتے
 ہیں ۔

ابوداؤد کہتے ہیں کہ میں نے امام احمد سے سنا ہے کہ وہ فرماتے تھے ، حدیث القرظائی
 ادزاعی سے متقارب ہے ۔ اور جو حماد سے بیان کرتے ہیں اس میں تخیط ہے ۔
 یحییٰ بن معین فرماتے ہیں وہ سولیس بستی (وہ کچھ بھی نہیں ہے) پھر
 محمد بن مصعب کی ایک حدیث بیان کرنے کے بعد یحییٰ بن معین نے کہا لم یکن من
 اصحاب الحدیث ۔ کان مغفلاً ۔

امام بخاری فرماتے ہیں کہ ابن معین اس کے بارے میں سیئ الرائے تھے ۔
 ابن معین ہی کا قول ہے کان صاحب غزو و لیس یدری ما یحدث
 ابن ابی الخیاحہ کا بیان ہے کہ ہم محمد بن مصعب کے دروازے پر تھے کہ ابن معین
 آئے اور محمد بن مصعب سے کہا اپنی کتاب نکالو جس سے تم حدیثیں بیان کرتے ہو ۔
 تو ابن مصعب نے کہا ” فاصلع الصیل ” ابن معین سخت غضبناک ہوئے اور
 اس سے کہا ” لا ارتفعت لک رائیتک ابداً ” ۔ پھر ابن معین نے فرمایا
 کہ میں نے ابن مصعب کے پاس کتاب نہیں دیکھی ، ہمیشہ نے بانی روایتیں بیان کرتے
 دیکھا ۔

نسائی نے فرمایا هو ضعیف ۔

صالح بن محمد نے کہا ضعیف فی الادزاعی

ابن ابی حاتم کا بیان ہے کہ میں نے ابو زرعة سے پوچھا ابن مصعب کے متعلق کیا
 رائے ہے ، فرمایا آدمی تو سچا ہے ۔ لیکن احادیث منکرہ بیان کرتا ہے ، میں نے

کہا یہ ضعف کی بات نہیں ہے۔ فرمایا اس سے اس میں غلطی ہو گئی۔
ابن ابی حاتم نے اپنے باپ سے اس کے متعلق سوال کیا۔ انہوں نے فرمایا۔
ضعیف الحدیث ہے۔

صالح بن محمد کا بیان ہے عامۃ احادیثہ عن الاوزاعی مقلوبۃ۔ وقد
سردی عن الاوزاعی غیر حدیث کلہا منا کیر لیس لہا اصل۔
ابن حبان نے کہا یقلب الاسانید ویرفع المراسیل فلا یجوز
الاحتجاج بہ۔

حاکم ابو احمد نے کہا "سردی عن الاوزاعی احادیث منکرۃ"
وفات ۲۰۸ ۱ تہذیب التہذیب ص ۴۵۸ جلد ۹ ۲۴۰ و میزان الاعتدال
اس کیفیت کی موجودگی میں ابن مصعب کی یہ روایت اوزاعی اور اس اضافہ کے ساتھ قابل
قبول نہیں، امام احمد نے یہ روایت ان سے غالباً اس لئے قبول کر لی کہ ان کے پاس دوسری
سند سے یہ روایت موجود تھی۔ جب ایک روایت معتبر راوی سے مقررہ الفاظ میں مذکور ہے
اور اس میں کوئی شک نہیں ہے، پھر وہی روایت کسی دوسرے راوی سے انہیں الفاظ میں
کسی دوسرے شیخ سے ملتی ہے تو اس کے قبول کرنے میں کیا تکلف ہو سکتا ہے، اور جمع
تابعین میں زیادہ زور تعدد اسناد پر تھا، روایت تو ایک ہی ہوتی ہے، اسناد تلف
ہو جانے سے اس میں زور اور استحکام ہو جاتا ہے۔

ہمارا خیال ہے کہ یہ روایت محمد بن مصعب نے تدیساً اوزاعی کی طرف اس کی نسبت بڑھانے
کے لئے بیان کر دی ہے۔ ورنہ محمد بن مصعب کا تو اوزاعی سے سماع بھی نہ ہو گا۔ اس لئے کہ
ان کی وفات ۲۰۸ء میں ہوئی اور اوزاعی کی وفات ۱۵۷ء میں ہوئی یعنی دونوں کی وفات
میں ۵۱ سال کا فرق ہے۔ اگر ہم ان کی عمر ستر پچتر سال کی تسلیم کریں تو بالکل نوعاً
میں ان کا اوزاعی سے سماع ثابت ہو سکتا ہے۔ ہمیں ان کا سن پیدائش معلوم نہ ہو سکا
ورنہ ان کی عمر کا مسئلہ طے ہو جاتا۔ بہر حال یہ زبانی روایت بیان کرتے تھے۔ اس لئے
پچاس سال میں زبانی بات عام طور سے بھول جاتی ہے۔

پھر یہ روایت اسی تحریری زبان میں ہے اس لئے ضرور یہ انہوں نے کسی اور سے
سُنی ہو گی۔ اور نسبت اوزاعی کی طرف کر دی۔ ہو سکتا ہے ولید سے سُنی ہو۔
الغرض ابن مصعب کی زبانی اس روایت کا یہ اضافہ اوزاعی سے ہرگز قابل قبول
نہیں ہے۔

ادزاعی سے بیان کرنے والے چوتھے راوی ابوالمغیرہ
عبدالقدوس بن الحجاج ہیں یہ روایت بھی مسند امام
احمد میں ہے۔

یہ حصہ شام کے رہنے والے میں اور ان کے حالات سے کتب رجال خاموش ہیں
صرف اتنا لکھا ہے کہ یہ ادزاعی سے روایت کرتے ہیں۔ اور ان سے امام احمد نے روایت لی ہے
اور دوسرے آئمہ فن نے ان کی روایت اسحاق بن منصور اور امام احمد کے واسطے سے لی ہے
انہوں نے حصہ میں وفات پائی اور ان کی نماز جنازہ امام احمد نے پڑھائی۔ سن وفات ۲۱۲ھ ہے
بعض اہل علم نے ان کو صنفاء میں شمار کیا ہے۔

امام بخاری نے ان سے تین روایتیں قبول کی ہیں (میزان الاعتدال نمبر ۱۰۶۸)
یہ صاحب بھی روایت میں غیر محتاط معلوم ہوتے ہیں۔ مرسل روایات اور منقطع روایات
کو موصول کرنے میں ماہر ہیں۔ اور موضوع روایات تک کو بیان کرنے میں گہرا ہٹ محسوس
ہیں کرتے۔ ان کی ایک موضوع روایت اللآمل المصنوعہ فی الاحادیث الموضوعہ ۱۰۴
جلد ۱ میں علامہ سیوطی نے بیان کی ہے جو درج ذیل ہے اور جسے امام احمد نے بھی اپنے
مسند میں ذکر کیا ہے۔

حدثنا ابوالمغیرہ حدثنا اسماعیل بن عیاش حدثنا الادزاعی و
غیرہ عن الزہری عن سعید بن المسیب عن عمر بن الخطاب قال
ولداخی ام سلمة غلام فسموه بالولید فقال النبی ﷺ سمیتموہ
باسم فر غنکم۔ لیکون فی هذه الامۃ رجل یقال له الولید
فہو شر علی هذه الامۃ من فرعون لقومہ۔

ہیں اس روایت پر متن کی جہت سے کوئی بحث نہیں کرنی ہے محض سند کو دیکھنا ہے۔
اس کی سند میں ادزاعی اور ابوالمغیرہ کے درمیان ایک اور راوی اسماعیل بن عیاش ہے۔
جس سے یہ ظاہر ہے کہ ابوالمغیرہ اور ادزاعی کے درمیان مذکورہ بالا روایت فاضلہ میں
بھی کوئی واسعہ ہے جس کو ابوالمغیرہ نے اپنی سند کو ادسجا کرنے کے لئے ترک کر دیا ہے جیسا
کہ ہم پچھلی روایت میں لکھ چکے ہیں کہ ابن مصعب اور ادزاعی کے درمیان واسطہ ہونا چاہیے
اسی طرح یہاں بطریق ادنیٰ واسطہ ہونا چاہیے۔ اس لئے کہ ابوالمغیرہ کی وفات ۲۱۲ھ میں
ہے اور ادزاعی کی وفات ۱۵۷ھ میں ہے۔ ان دونوں کی وفات میں پچیس سال کا فرق ہے
اگر وفات کے وقت ابوالمغیرہ کی عمر ۷۵ سال سے زیادہ تسلیم کی جائے تو بالکل نو عمری

میں سماع ہو سکتا ہے ۔

ہم پہلے لکھ آئے ہیں کہ شامی اہل علم تیس سال سے پہلے حدیث حاصل نہیں کرتے تھے پھر اس ابوالمغیرہ اور اسماعیل بن عیاش کی سند نے بالکل واضح کر دیا ہے کہ ادزاعی اور ابوالمغیرہ میں واسطہ ہے ۔

چونکہ ولید کو فرعون قرار دینے کی روایت بڑی کمٹھن تھی اس لئے اس میں ابوالمغیرہ نے اپنے شیخ کو ظاہر کر دیا اور فاقہ دانی روایت چلتی ہوئی روایت تھی اس لئے درمیان میں سے اصل راوی کو نکال کر اپنی نسبت کو ادبچا کر لیا ۔
ابوالمغیرہ کی یہ سند منقطع ہے اس لئے ادزاعی سے ان کی یہ روایت قابل قبول نہیں ہے ۔ معلوم نہیں درمیان میں کون واسطہ تھا اور اسے کیوں ترک کیا گیا ہے ۔

معتبرین راشد

انہری سے اس روایت کے ایک اہم اور چھٹے راوی معتبرین راشد ہیں ۔
ان کی روایت میں فاقہ روا کا اضافہ ہے ۔

معمربہ ہم مفصل بحث روایت تزدوج میں کر چکے ہیں ۔
معمربہ سے آگے اس روایت فاقہ روا کون سے بیان کرنے والے ان کے دو تلمیذ ہیں ایک عبدالرزاق بن ہمام دوسرے ہشام بن یوسف ۔ معمربہ کے حوالہ نہ کر کے کافی تلامیذ ہیں لیکن وہ اس روایت کی سعادت سے محروم ہیں ۔ مثلاً یحییٰ بن کثیر جو معمربہ کے استاد بھی ہیں اور معتبرین سیان وغیرہ ۔

مسند امام احمد حنبل میں یہ روایت عبدالرزاق سے آئی ہے اور امام بخاری نے اس روایت کو ہشام بن یوسف سے لیا ہے ۔ روایت ایک ہی ہے صرف سند کا فرق ہے مصنفین یہ کرتے ہیں کہ جب ایک مصنف کسی روایت کو بڑے شیخ سے ایک واسطہ سے ذکر کر دیتا ہے تو دوسرا مصنف پھر اس شیخ سے دوسرا واسطہ تلاش کرتا ہے چونکہ معمربہ کی اس روایت کو امام احمد ان کے معتمد ترین تلمیذ عبدالرزاق سے مسند میں ذکر کر چکے تھے اس لئے امام بخاری اسی روایت کو معمربہ سے عبدالرزاق کی بجائے ان کے دوسرے تلمیذ ہشام بن یوسف کے واسطہ سے لائے ہیں ۔ اگر امام احمد اپنی مسند میں عبدالرزاق کی روایت نہ لاتے تو امام بخاری عبدالرزاق ہی کی روایت کو بیان کرتے ۔ ہشام بن یوسف معمربہ کے تلامیذ میں عبدالرزاق کے مقابلے میں دوسرے درجے کے راوی ہیں ۔
مسلم اسی روایت کو اپنی کتاب میں ان کے علاوہ دوسرے ذرائع سے لائے

ہیں جن پر ہم آئندہ گفتگو کریں گے۔

ہمیں نفس روایت پر کوئی اعتراض نہیں ہے بلکہ فاقہ رسوا کے جملے پر اعتراض ہے اس لئے ہمیں تو یہ دیکھنا ہے کہ یہ جملہ شروع ہی سے روایت کا جزو تھا؟ یا کسی نے بعد میں اضافہ کیا؟ کس نے کیا اور کب کیا؟

معمر بن راشد کے سب سے معتد راوی عبدالرزاق پر روایت تزوج کے سلسلہ میں ہم گفتگو کر چکے ہیں لیکن چونکہ اس روایت میں ہماری تحقیق کے مطابق اس اضافے کے ذمہ دار عبدالرزاق ہی ہیں۔ اس لئے ہم اس مسئلے پر وضاحت سے گفتگو کریں گے۔
واللہ التوفیق۔

عبدالرزاق | مقدمات بحث

عبدالرزاق پر لکھنے سے پیشتر چند مقدمات ہم بطور تمہید پیش کرتے ہیں۔

۱۔ ایک طبقے کے اصحاب علم عام طور سے مشترک اساتذہ سے علم حاصل کرتے تھے اور ایک دوسرے سے بھی آپس میں استفادہ کرتے تھے۔ تہذیب التہذیب میں ہے

اما عبد الرزاق والفریابی والواحد بن زبیری وعبد اللہ بن موسیٰ والوعاصم وقبیسہ وبقاتہم کلہم فی سفیان قریب بعضهم من بعض وہم دونی بھی ابن سعید وابن مہدی وکیع وابن المبارک

۲۔ ہر دور کے اساتذہ کے بعض تلامیذ بعض اساتذہ کے بارے میں زیادہ معتبر تصور کئے جاتے ہیں نہ ہری سعید ابن المسیب میں اور ثوری اور ابو معاویہ اعمش میں اور عبدالرزاق معمر میں وغیر ذلک۔ اس سے مراد یہ ہے کہ اس خاص شیخ کے مرویات میں دوسرے تلامیذ کے مقابلے میں اس کی بات کا اور اس کی روایت کا زیادہ اعتبار کیا جائیگا۔ طول صحبت کی بناء پر یا استاد کا تحریری ذخیرہ ہاتھ آ جانے کی وجہ سے یا مالی شیخ کی بناء پر یہ تفوق ہوتا ہے۔

۳۔ مرویات شیخ میں حذف وایزاد ان معتمدین خاص کی روایات کی بناء پر عمل میں آتا تھا۔ دور تہذیب حدیث میں مالی کا طریقہ رائج تھا۔ شیخ اپنی کتاب سے حدیث بیان کرتا رہتا۔ تلامیذ لکھتے جاتے تھے۔

ہر شخص لکھنے میں برابر نہیں ہوتا۔ بعض تیز لکھتے ہیں۔ بعض سست لکھتے ہیں بعض صاف لکھتے ہیں بعض مایضاً لکھتے ہیں۔ اور بعض اپنا ہی لکھا ہوا۔ بعد

ہیں نہیں پڑھ سکتے۔ بعض کو چھوڑ کر لکھنے کی عادت ہوتی ہے۔ بعض ہو بہو استاد کے الفاظ میں لکھتے ہیں۔ بعض استاد کے مفہوم کو اپنے الفاظ میں لکھتے ہیں۔ بعض اس وقت اشارات پر اکتفا کرتے ہیں۔ بعد میں مکمل کرتے ہیں۔ بعض اس وقت زبانی سننے پر اکتفا کرتے ہیں۔ بعد میں کسی سامعہ کی آمالی سے نقل کر لیتے ہیں۔

اگر سبق کے بعد آپس میں ان آمالی کا مقابلہ نہ کیا جائے۔ تو مذکورہ بالا اختلاف احوال کی وجہ سے ایک ہی روایت مختلف لوگوں کے پاس کچھ سے کچھ ہو جاتی ہے۔ ان حالات میں ضرورت ہوتی ہے۔ کہ استاد کے اس معتمد خاص کی روایت پر جس کی رسائی بھی استاد کی کتاب پر ہو ”مہروسہ کیا جائے“

شیخ کی وفات کے بعد جس کے ہاتھ شیخ کی کتابیں آجائیں۔ اس کے معتمد ترین ہونے میں کوئی شبہ ہی نہیں رہتا۔ دوسرے تلامیذ کے مقابلے میں اس کی بات میں وزن ہوتا ہے اور اس کی روایت معتبر ہوتی ہے۔

۴۔ بعض شیوخ مختلف اسباب کی بناء پر اپنے دور میں مرجع عوام ہو جاتے ہیں۔ کثرت تلامیذ اور مقبولیت عامہ کی بناء پر انکی شخصیت کے گرد عقیدت کے حلقے بن جاتے ہیں۔ ان کی بات اور روایت میں اعتماد پیدا ہو جاتا ہے جو وہ کہیں وہی درست ہوتا ہے۔

۵۔ اگرچہ اساتذہ اپنی کتب کی خاص طور سے حفاظت کرتے تھے کہ ان میں کوئی اور ایزادی نہ کر سکے۔ لیکن بعض لوگ چور دروازے سے ان کی کتابوں تک پہنچ گئے اور ہوشیاری سے اسی خط میں اپنے حرب نشان کی کتابوں میں جاوے جا اضافے کر دیئے۔ اور وہ روایت کا جزو بن گئے۔ یا استاد کی وفات کے بعد جن لوگوں کے ہاتھ اساتذہ کی کتابیں آئیں انہوں نے آزادی سے ان میں تصرفات کر کے ان کو استاد کی روایت کا جزو بنا دیا۔ اب جن لوگوں کے پاس ان معتبر کتابوں کے خلاف تھا۔ انہیں بھی ان کتابوں کے مندرجات کی بناء پر اپنی روایات میں اصلاح کرنی پڑی۔ انہوں نے اس جزوی ایزادی کو اصل تصور کیا اور اس کی روشنی میں اپنی ”ناقص روایت“ کی تکمیل کر لی۔ چنانچہ بعض علماء تسلیم کرتے ہیں کہ الدبری نے مصنف عبدالرزاق میں تحریفات کی ہیں۔

بحث | عبدالرزاق صنعاء کے رہنے والے ہیں۔ پیدائش ۱۲۶ھ میں

ہوئی۔ بیس برس کی عمر میں صنعاء میں تعلیم شروع کی۔ اپنے والد ہمام اور اپنے چچا وہیب سے علم حاصل کیا۔ پھر سلیم بن یونس صنعانی اور معمر بن راشد مقیم صنعاء سے علم حاصل کیا۔ سات سال تک معمر کی شاگردی میں رہے ۱۵۳ھ تک صنعاء میں ہی رہے۔ باہر نہیں گئے۔ معمر کی وفات ۱۵۳ھ کے بعد ان کے علوم کے یہی وارث ہوئے۔ معمر کے حلائکہ اور بھی تلامیذ تھے مگر معمر کی کتاب الجامع جو غالباً آمالی کی شکل میں عبدالرزاق کے پاس تھی اور معمر کی تصحیح شدہ تھی۔ ان کے پاس ہی رہی۔ استاد کے دوسرے صحائف مثلاً صحیفۃ ہمام بن منبہہ، صحیفۃ زہری اور استاد کی دوسری یادداشتیں انہی کے قبضہ اور تصرف میں آئیں۔ الجامع کے واحد راوی یہی ہیں۔ صحیفۃ ہمام بن منبہہ کے معمر سے واحد راوی بھی یہی عبدالرزاق ہیں۔ معمر کی وفات کے بعد پورے عالم میں کچھ یہ صنعاء سے بغرض تجارت شام گئے۔ اس سفر میں حج کیا اور مکہ کے اساتذہ مثلاً ابن جریج وغیرہ سے کسب علم کیا۔ پھر شام میں شام کے اساتذہ سے روایات اخذ کیں۔ اور دوسرے اہل علم سے مذاکرات جاری رکھے۔ پھر واپس آکر مستقل قیام صنعاء ہی میں رکھا۔ اس سفر حجاز و شام میں الجامع ان کے ساتھی تھے۔ معمر کے علوم سے لوگوں کو روشناس کرایا۔ معمر کی بیشتر روایات لوگوں تک انہی عبدالرزاق کے ذریعے پہنچیں۔

عبدالرزاق کی زندگی کے تین دور ہیں

- ۱۔ ان کا پہلا دور حصول علم کا دور ہے۔ اس میں یہ عقائد اہل سنت پر قائم تھے اور انہی عقائد کی تبلیغ کرتے تھے۔ معمر کی وفات یا اس کے کچھ بعد تک یہی دور رہا۔
- ۲۔ دوسرے دور میں انہوں نے جعفر بن سلیمان کی زائدانہ ہیبت سے متاثر ہو کر مذہب تشیع اختیار کر لیا۔ اور اس کے زبردست مبلغ بن گئے۔ فن تقیۃ میں ماہر و کامل ہو گئے۔ بچہ مردم شناس تھے۔ ہر شخص سے اپنے دل کی بات نہیں کرتے تھے۔ اپنے اس نئے مسلک کی تبلیغ میں اپنے علمی مقام سے پورا فائدہ اٹھایا۔ اپنے مخصوص عقائد کو اپنے استاد معمر کی الجامع میں جا بجا۔ چھوٹے چھوٹے جملوں کی شکل میں اس طرح سمو دیا کہ وہ استاد کی روایت کا جزو بن گئے۔ خصوصیت سے شالب میں۔
- اکابر صحابہ بالخصوص، وہ صحابہ جن کا کسی نوع سے حضرت علیؑ کے ساتھ اختلاف

رہا تھا اس کی مذمت کے ایسے لطیف طریقے ایجاد کئے کہ بظاہر وہ تعریف معلوم ہوتے ہیں۔ لیکن جب ان کے نفسیاتی رتحت الشعوری اثرات کا جائزہ لیا جائے تو ان کے نہ ہر لیے اثرات کا احساس ہوتا ہے۔

ابن معین مشہور ناقد حدیث نے عبدالرزاق کی قلعی واضح الفاظ میں کھولی ہے۔ لیکن اس دور کے علماء نے ابن معین کی تصریحات پر کان نہ دھرا، اس کی دو وجہیں تھیں۔ ایک تو اس شخص کی دماغی صلاحیتوں کی وجہ سے اس دور کے علماء اس سے بے حد مرعوب تھے۔ کیونکہ یہی وہ پہلا شخص ہے جس نے سب سے پہلے اس وقت کی علمی دنیا میں مصنف عبدالرزاق جیسی ضخیم کتاب مرتب کر کے ایک علمی کارنامہ انجام دیا تھا۔

دوسرے اس کے پاس معمر کی الحجامع تھی جو اس دور میں علم کا بے مثل خزانہ تھی۔ اس لئے اس دور کے اہل علم عبدالرزاق کا علمی تفوق مرعوب کن حد تک محسوس کرتے تھے اور اس سے کسب علم میں مجبور تھے۔

چنانچہ اس صورت حال سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اس ماہر فن نے معمر کی مرویات میں چھوٹے چھوٹے جملوں کا حسب موقع اوراج کیا۔ مثلاً روایت تزوج میں جو ہشام کی مشہور روایت ہے۔ تزوجھا النبی صلی اللہ علیہ وسلم دہی بنت سبع سنین دہی بنی بھادہی تسع سنین ومات عنھا دہی بنت ثمانی عشر۔

اس روایت میں عبدالرزاق نے دو طرح لقوف کیا۔ ایک سنداً دوسرے متناً سند میں اس طرح کہ اس روایت ہشام کو زہری کی طرف منسوب کر دیا۔ صرف یہی سند ہے جس میں یہ روایت زہری کی طرف منسوب کر کے عروہ سے نقل کی گئی ہے۔ ورنہ پورے معلوم ذخیرہ حدیث میں زہری سے یہ روایت منقول نہیں ہے البتہ یہ مہربانی کی کہ یہ روایت زہری سے مرسل بیان کی اور عروہ پر روایت ختم کر دی۔ اور ساتھ ہی روایت ہشام بھی اس کی متابعت میں ذکر کی۔ یعنی معمر کے ذریعہ۔ مگر یہ بھی مرسل ہی ذکر کی اور عروہ پر اسے ختم کر دیا اور روایت کے الفاظ بھی بیان نہیں کئے۔ صرف مثلاً کہہ دیا۔ اس میں راز یہ ہے کہ چونکہ روایت زہری میں جس کو عبدالرزاق نے اصل قرار دیکر پہلے ذکر کیا ہے۔ اس میں لعبھا معھا کا جملہ ہے۔ اس لئے مثلاً سے یہی سمجھا جائیگا کہ ہشام کی روایت میں بھی یہ جملہ ہوگا۔ حالانکہ روایت ہشام میں جو عروہ کی سند سے بیان

کی گئی ہے یہ جملہ نہیں ہے۔ یہ صرف اختراع عبدالرزاق ہے کہ اس نے معمر کے ذریعہ سے لیا اور معنن حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بیان کیا۔

غرض اس روایت تزدج میں عبدالرزاق نے حسب منشا اضافہ بھی کر لیا اور روایت کی نسبت نہ ہری کی طرف کر کے اپنی منظور روایت بنالی۔ اور کسی کو پتہ بھی نہ چلا کہ کیا ہنرمندی کی ہے۔ بلکہ لوگ اضافہ ثقہ سمجھ کر قبول کر گئے۔

اس روایت میں عبدالرزاق نے دو تصرف کئے۔ ایک تعبیر میں تصرف کیا یعنی بنی بھا کی جگہ اہدیت الیہ کہا۔ اور ان کے تلمیذ عبد بن حمید نے اسے زفت الیہ سے ادا کیا۔ ان دونوں تعبیروں میں تحقیر عائشہ رضی اللہ عنہا مضمر ہے۔

اور دوسرا تصرف یہ کہ ایک چھوٹا سا جملہ لعلہا معہا اپنی طرف سے بڑھا دیا۔ اس جملہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بالکل بچہ ہونے کی اور نا سمجھ ہونے کی تکمیل کر دی۔ بظاہر روایت ہشام سے کوئی زائد بات نہیں کی۔ لیکن حقیقت میں یہ ظاہر کر دیا کہ جس وقت وہ کا شانہ نبوت میں داخل ہوئیں قطعاً بے شعور۔ بے اعتبار۔ گڑبڑوں کی شیدائی ایک بچی تھیں۔

اسی طرح حبشہ کے کھیل والی روایت کے آخر میں فاقد روا کا اضافہ انہیں عبدالرزاق کا ہے۔ ہم نے اس فاقد روا والی روایت میں اور اصل روایت میں تعلق پیدا کرنے کی بہت کوشش کی مگر یہ کلام ہی اس سے الگ اور بے ربط ہے۔ یہ جملہ سر عبدالرزاق کا اپنا اضافہ ہے۔ اس نے معمر کی روایت کے آخر میں ان الفاظ کا اضافہ کیا ہے۔ اور معمر کے نام پر اس کی روایت شروع کر دی۔ اس کے بعد معمر کے دوسرے تلامیذ اور دیگر علمائے ائمہ نے اسے معمر کی روایت کا جزو سمجھ کر اسے قبول کر لیا۔ ورنہ معمر خود اپنی زندگی میں فاقد روا سے قطعاً بے خبر تھے۔ حتیٰ کہ خود ہشام بن یوسف نے عبدالرزاق کے اضافہ کو اپنے استاد معمر کی مستند روایت سمجھ کر قبول کر لیا۔ اور روایت کرنا شروع کر دیا جامع معمر عبدالرزاق کے پاس جو تھی عبدالرزاق یہ کتاب لیکر جہاں بھی پہنچے اور اس کے حوالے سے لوگوں کو روایت سنائی لوگوں نے قبول کر لیا۔

عبدالرزاق شام گئے تو الجامع ساقی الجامع سے انہوں نے یہ معتبر روایت مع اضافہ فاقد روا کے سنائی تو ابوالولید بن مسلم وغیرہ سب نے اسے قبول کیا۔

ادراج حدیث

ہم علل حدیث کا ایک مستقل باب مقرر کر کے مجملہ اس میں علل کا ذکر کریں گے۔ یہاں صرف علت کی ایک قسم درج کا ذکر کرتے ہیں۔

۱۔ **ادراج حدیث** | ادرج محدثین کی اصطلاح میں یہ ہے کہ راوی روایت

کے شروع میں یا درمیان میں یا اخیر میں اپنا یا کسی اور کا کلام اس طرح شامل کر دے جس سے یہ معلوم ہو کہ یہ روایت کا جزو ہے۔

آخر میں **ادراج کی مثال نمبر ۱** | درج کی ایک مثال عبداللہ بن مسعود کی یہ حدیث ہے جس کو ابو داؤد نے نقل

کیا ہے :-

أَخَذَ عَلْقَمَةُ بَيْدِي فُحْدَثَنِي أَنَّ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ مَسْعُودٍ أَخَذَ بَيْدَهُ
وَأَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَخَذَ بَيْدَ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ
فَعَلِمْنَا التَّشْهَدَ فِي الصَّلَاةِ . فِيهِ إِذَا قُلْتَ هَذَا أَوْ قَضَيْتَ هَذَا
فَقَدْ قَضَيْتَ صَلَاتَكَ . أَنْ شِئْتَ أَنْ تَقُومَ فَقُمْ وَأَنْ شِئْتَ
أَنْ تَقْعُدَ فَاقْعُدْ .

اس میں **اذا قلت** سے حضرت عبداللہ کا کلام ہے، اور تمام حفاظ اس پر متفق ہیں کہ یہ درج ہے، اس کو شبابہ بن مسور نے زہیر سے نقل کیا ہے۔

فصله قال فقال عبد الله اذا قلت . رواه الدارقطني و قال
شبابه ثقة وقد فصل اخرا الحديث وجعله من قول ابن مسعود
دهو اد صنع من روايته من ادراجها .

مثال نمبر ۲ | اسی طرح حضرت ابن مسعود کی یہ روایت ہے :-

مَنْ مَاتَ لَا يَشْرِكُ بِاللَّهِ فَقَدْ دَخَلَ الْجَنَّةَ

وَمَنْ مَاتَ يَشْرِكُ بِاللَّهِ فَقَدْ دَخَلَ النَّارَ . اس کے بعد خود حضرت

ابن مسعود نے کہہ دیا ایک کلمہ میرا ہے اور ایک کلمہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے۔

مثال نمبر ۳۔ | و فی الصحيح عن ابی ہریرۃ رضی مرفوعاً للعبد المملوک
اجران فوالذی نفسی بینہ لولا الجہاد فی سبیل اللہ
والجہاد براہمی لا حبیب ان اموت وانا مملوک۔

اس روایت میں والذی سے حضرت ابو ہریرہ کا کلام ہے۔

شروع میں ادراج کی مثال نمبر ۴ | اسبغوا الوضوء۔

دیل للأعقاب من النار

ہے۔ جس کا پہلا جملہ ابو ہریرہ رضی کا ادراج ہے۔ بخاری میں روایت ہے۔ عن
ادم عن شعبۃ عن محمد بن دینار عن ابی ہریرۃ رضی ان ابی
القاسم قال دیل للأعقاب من النار۔

مثال نمبر ۵ | یا مثلاً حدیث بسرہ میں ہے۔

من مس ذکرہ او انتبیہ فلیتوضأ۔

جس میں او انتبیہ کا ٹکڑا عروہ کا ادراج ہے۔

مثال نمبر ۶ | حدیث عائشہ رضی ہے۔

کان النبی یتحنت فی غار حراء۔ دھو

التعبید للیالی ذوات العدد۔

اس میں دھو والتعبید..... زہری کا ادراج ہے۔

ادراج کی چوتھی صورت | ادراج کی ایک چوتھی صورت بھی ہے کہ دو

مختلف سندوں کی حدیثوں کے بعض جملوں

کو ایک دوسرے میں خلط کر دینا جسے ہم تلفیق کہتے ہیں جیسے سعید بن ابی مریم
نے کیا۔

لا تبأغضوا ولا تحاسدوا ولا تدابروا ولا تنافسوا۔ الحدیث

اس کے آخر میں لا تنافسوا۔ ابن ابی مریم کا ادراج ہے جو انہوں نے ایک دوسری
حدیث سے لیا ہے اور وہ یہ ہے۔

مالک عن ابی الزناد عن الاعرج عن ابی ہریرۃ رضی ایاکم والظن

فان الظن اکذب الحدیث ولا تجسسوا ولا تنافسوا ولا تحاسدوا۔

یہ دونوں حدیثیں امام مالک ہی سے منقول ہیں۔ متفق علیہ ہے۔ اس میں ابن

ابی مریم کو وہم ہو گیا کہ یہ مالک عن شہاب ہے، حالانکہ روایت مالک عن ابی الزناد

عن الاعرج ہے۔ (تدریب الراوی ص ۱۷۶)

اقسام ادراج | المذرج و هو اقسام

۱ | حدھا فی حدیث النبی صلی اللہ علیہ وسلم بان یذكر

الراوی عقبیہ کلاما لنفسہ او لغيرہ فیروییہ من یعدہ متصلا
فیتوہم انه من الحدیث۔

والثانی ان یكون عندہ حدیثات یا سنادین فیروییہما باحدہما
والثالث ان یسمع حدیثا من جماعة مختلفین فی اسنادہ او متنہ
فیروییہ عنہم باتفاق۔ وکلہم حرام باتفاق اهل الحدیث والفقہ
وعبارۃ ابن السمعانی وغیرہ من تعدد الادراج فهو ساقط العرالۃ
من یحرف الکلم عن مواضعہ فهو ملحق بالکذابین۔

(تدریب الراوی ص ۱۷۷)

ابن دقیق العید کا خیال ہے کہ ادراج اگر شروع روایت میں ہو یا درمیان روایت
میں ہو تو اس کا پتہ لگانا نہایت مشکل ہے۔ ۳۴ خر کے ادراج کا پتہ بعض دفعہ لگ جاتا ہے
۱ | ادراج کبھی اس طرح معلوم ہو جاتا ہے کہ دوسری روایت میں یہ مدرج حصہ
علیحدہ آ جاتا ہے۔

۲ | یا راوی اپنے ادراج کو خود ہی بیان کر دیتا ہے۔

۳ | یا آئمہ فن (۱) اپنے فن کی مہارت کی بنا پر (۲) واضح کر دیتے ہیں کہ یہ ادراج
ہے۔

۴ | یا اس ادراج میں کوئی ایسی ناممکن بات ہوتی ہے جس کا صدور نبی کریم صلی اللہ
علیہ وسلم سے محال یا مستبعد ہو۔

۲ | ادراج عبد الرزاق

کہا گیا ہے کہ وضع احادیث کی بہت سی صورتیں ہیں۔ جن میں سے ایک صورت
یہ ہے۔

” و ضرب امتحنوا باولاہم و ربائب او وراقین فوضعو
لہم احادیث و دسوها علیہم۔“ خدثوا بہا من غیر ان یشہروا۔

کعبہ اللہ بن محمد بن ربیعۃ القدامی وحماد بن سلمۃ
ابتلی بریبہ ابن ابی العوجاء فکان یدس فی کتبہ . وکعبہ
کان لہ ابن اخ فی فضی یدس فی کتبہ حدیثا عن الزہری عن عبید اللہ
بن عبد اللہ عن ابن عباس قال نظر النبی صلی اللہ علیہ وسلم الی عنی فقال
سئل فی الدنیا وسئل فی الآخرۃ ومن احبک فقد احببتنی وحبیبی
حبیب اللہ وعدوک عدوی وعدو اللہ ویل لمن ابغضک بعدی
فحدث بہ عبد الرزاق عن معمر وہو باطل موضوع . کما قالہ
ابن معین .

و ضرب یلجاؤن الی اقامۃ الدلیل علی ما افتوا بہ یا راہم .
فیضعون الحافظ ابو الخطاب ابن دحیہ یفعل ذلک .
وضع الحدیث فی المغرب القصر .

(تدریب الراوی ص ۱۸۷ بیان وضع حدیث)

اور ایک قسم وہ ہے جو اپنی اولاد کی وجہ سے اپنے ربیبوں کی وجہ سے اور کاتبوں
اور جلد سازوں کی وجہ سے آزمائش میں مبتلا ہو گئے ان لوگوں نے (ان کا نام پر) ان کے
لئے حدیثیں وضع کیں اور ان کی کتابوں میں ٹھونس دیں . ان محدثین نے ان کو بیان
کیا بغیر یہ جانے کہ یہ ان کی حدیثیں ہیں جیسا کہ عبد اللہ بن محمد بن ربیعۃ قدامی اور جیسے
حماد بن سلمہ . ابن ابی العوجاء اپنے ربیب کی وجہ سے مصیبت میں پڑ گئے . وہ
ربیب ان کی کتابوں میں وضعی حدیثیں ٹھونس دیتا رہا . اور جیسے معمر ان کا ایک
بھتیجا را فضی تھا وہ ان کی کتابوں میں زہری سے عبید اللہ بن عبد اللہ سے ابن عباس سے
اس سند سے وضعی حدیثیں داخل کرتا رہا . ان وضعی حدیثوں میں سے ایک یہ حدیث
ہے ابن عباس نے کہا بنی ص نے علی رض کی طرف دیکھا اور فرمایا تم دنیا میں سردار
ہو آخرۃ میں سردار ہو جس نے تجھ سے محبت کی اس نے مجھ سے محبت کی اور میرا دوست
اللہ کا دوست ہے اور تیرا دشمن میرا دشمن ہے اور میرا دشمن اللہ کا دشمن ہے .

جہنم ہے اس کے لئے جس نے میرے بعد تجھ سے بغض رکھا . پس اس حدیث کو
عبد الرزاق نے معمر سے بیان کیا یہ باطل اور موضوع ہے جیسا کہ ابن معین نے کہا
اور دوسری قسم وہ ہے جو سہارا لیتے ہیں حدیث کا کہ دلیل قائم کریں . ان فتاویٰ پر
جو انہوں نے اپنی رائے سے دیئے ہیں . پس اس کے لئے حدیث وضع کرتے ہیں

حافظ ابوالخطاب بن دچیہ یہ کرتا تھا اس نے مغرب میں قصر کی حدیث وضع کی ۔

ایک قابل غور تحقیق

ان محققین کی عجیب عادت ہے (آنکھیں بند کر کے تحقیق کرتے ہیں) چھوٹی چھوٹی چیزوں پر تو ان کی نظر ہی نہیں پڑتی ۔ بڑی بڑی چیزیں تلاش کرتے ہیں ، اور اس میں بھی یہ کوشش ہوتی ہے کہ اصل مجرموں کو نظر انداز کر دیا جائے ، ایسے شخص پر الزام دھرا جائے جس میں جرم کرنے کی صلاحیت ہی نہ ہو ۔

اس موضوع روایت کے بارے میں جسے عبدالرزاق معمر سے بیان کرتے ہیں بجائے عبدالرزاق کو مورد الزام ٹھہرانے کے معمر کے ایک بھتیجے پر الزام رکھ دیا ۔ پھر اس کو رافضی قرار دیا ۔ پھر یہ کہا کہ اس نے چپکے سے یہ روایت معمر کی کتاب میں داخل کر دی ۔ جس کا نہ معمر کو پتہ چلا کہ میری کتاب میں یہ غیر جنس داخل کی گئی ہے اور نہ بعد میں عبدالرزاق کو معلوم ہوا کہ استاد کی الحجام مع میں یہ اجنبی خط میں اجنبی روایت کہاں سے آئی ۔ اس نے غیر شعوری طور سے اس کی روایت شروع کر دی ۔

علامہ ابن حجر ، علامہ سیوطی جیسے محققین کا یہ حال ہے ۔ اور یہ سب کچھ عبدالرزاق کو بچانے کے لئے کیا گیا ۔

ہمیں تو باوجود تحقیق کے یہ معلوم نہ ہو سکا کہ معمر کا کوئی بھائی بھی تھا یا نہیں ۔ پھر بھتیجے کے بارے میں بھی کچھ معلوم نہ ہو سکا کہ اس کا کیا نام تھا اور وہ کہاں رہتا تھا ۔ رافضی کیسے ہو گیا تھا ۔ معمر کو اس کے رفض کا پتہ نہ چل سکا ۔ معمر نے کیوں ایسے چور سے اپنی کتاب کو نہ بچایا ۔

اس لمبی چوڑی حدیث کے متعلق تو ہمارے ان محققین کو اس بنا پر نوٹس لینا پڑ گیا کہ عبدالرزاق کے متعلق بعض ناقدین حدیث نے سخت الفاظ میں اظہار حقیقت کیا تھا ۔ ورنہ یہ حضرات تو اسے بھی حدیث ہی سمجھتے چلے جاتے ۔

ہمارے نزدیک معمر کی کتابوں میں اضافے کرنے والا خود عبدالرزاق ہے ۔ نہ بر بحث روایت تو بہت بڑی روایت تھی اس لئے اس کی ہنرمندی پکڑی گئی ۔ ورنہ معمر کی کتاب میں مستند روایات میں چھوٹے چھوٹے جملوں کا جو اضافہ عبدالرزاق نے کیا ہے ۔ اس پر تو کسی نے بھی توجہ نہیں کی ۔ اور اس زہر کو نہ صرف معمر کی کتاب تک محدود رکھا بلکہ وہاں سے اپنی کتابوں میں منتقل کر کے پورے ذخیرہ علم کو مسموم کر دیا ۔

اسی لئے ابن معین ، العباس عنبری ، زید بن المبارک ، ابن عیینہ نے بعد میں عبدالرزاق سے ہریت کا محض اعلان کیا اور یہ شور مچایا کہ اس سے بچو ۔ یہ چور ہے ۔ حدیث میں چوری کرتا ہے لیکن انہوں نے بھی اس کے شامل کئے ہوئے نہ ہر کو علیحدہ نہیں کیا ۔

ابن معین نے کہا :-

قواللہ الذی لا الہ الا هو کان عبدالمزاق اعلیٰ فی ذلک من عبید اللہ بن موسیٰ ماہ ضعیف ۔ ولقد سمعت من عبدالمزاق اضعاف ما سمعت من عبید اللہ ۔

پس اللہ کی قسم کہ جس کے سوا کوئی الہ نہیں عبدالرزاق توہ فض کے متعلق وضع حدیث میں عبید اللہ بن موسیٰ سے تنو گنا زیادہ ہے اور میں نے عبدالرزاق سے کئی گنا زیادہ سنا جو میں نے عبید اللہ بن موسیٰ سے سنا ۔

ابن معین نے ضرور عبدالرزاق کی مزخرفات کا مفصل ذکر کیا ہوگا ۔ لیکن ارباب حدیث نے ان کی بات پر کان تک نہ دھرا ۔ اور صرف یہی نہیں بلکہ جو امور کھلے طور سے عبدالرزاق کے رفض پر دلالت کرتے تھے ان کو بھی بہت ہلکا کر کے بیان کیا ۔ چنانچہ حافظ ابن حجر فرماتے ہیں :-

وقد دخل الیہ ثقات المسلمین واثبتہم وکتبوا عنہ الا انہم لنسبوا الی التشیع ۔ وقد سدی احادیث فی الفضائل لم یتابع علیہا ۔ فہذا اعظم ما س موعہ من روایتہ لہذہ الاحادیث ولما رواہ فی مثالب غیرہم ۔

اس کے پاس ثقہ لوگ اور مسلمانوں کے امام جاتے رہے اور اس سے روایات نکھیں مگر انہوں نے اسے متشیع سے منسوب کیا ۔ اس نے فضائل میں حدیثیں بیان کیں جن کا کوئی متابع نہیں اور یہ سب سے بڑا اعتراض جو اس کی روایات پر کیا جاتا ہے اور جو مثالب غیر میں بیان کیا وہ بھی قابل اعتراض ہے ۔

اس عبارت کا رجحان یہ ہے کہ لوگوں کی زیادتی ہے کہ عبدالرزاق کو مورد الزام ٹھہرا رہے ہیں ۔ اس نے کیا کیا محض فضائل میں احادیث ذکر کی ہیں ۔ اگر ان کا کوئی متابع نہیں ہے تو اس میں اس کا کیا قصور ہے ۔ اور مثالب میں کچھ روایتیں ذکر کی ہیں اگر کوئی اور ان کو بیان نہیں کرتا تو اس میں عبدالرزاق کی کیا غلطی ہے ۔

حتیٰ کہ بعض علماء نے عبدالرزاق کی جلالتِ شان کے پیشِ نظر یہ کہا کہ اگر عبدالرزاق مرتد بھی ہو جائے تو ہم اس کی روایات کو ترک نہیں کر سکتے۔ اور اتنا ہی نہیں بلکہ بعض لوگ تو کسی قیمت پر بھی عبدالرزاق کی روایات ترک نہیں کرتے تھے۔

محمد بن اسماعیل فزاری کا بیان ہے کہ ہم صنعاء میں تھے۔ ہمیں یہ خبر پہنچی کہ امام احمد اور ابن معین نے عبدالرزاق کی روایت کو ترک کر دیا ہے تو ہمیں بہت دکھ ہوا۔ اور ہم نے کہا اگر عبدالرزاق مرتد بھی ہو جائے تو ہم اس کی روایات ترک نہیں کریں گے۔

عباس عنبری نے کہا :-

تجشمت الی عبدالرزاق بصنعاء وانہ لکذاب والواقدي اصدق

منہ ۔

زید بن المبارک نے کہا :-

کان عبدالرزاق کذابا یسرق الحدیث ۔

غرض جن علماء نے عبدالرزاق پر جرح کی ہے وہ مجمل ہے اور نا کافی ہے۔ ضرورت اس کی تھی کہ تفصیل کے ساتھ اس کی اغلاط کی نشان دہی کی جاتی۔ اور روایات میں جو خرابیاں عبدالرزاق نے پیدا کی تھیں انہیں دور کیا جاتا۔ ان چند مجمل جرحی اقوال کی وجہ سے ساری توجہ ادھر منعطف رہی کہ فضائل اور ثالب میں عبدالرزاق کی وہ روایات دیکھ بجال کر قبول کی جائیں جن کا کوئی مؤید اور متابع نہیں ہے۔ لیکن اس طرف کسی کا دھیان ہی نہیں گیا کہ معتبر روایات میں جو نامناسب اضافے اس شخص نے کئے ہیں ان کو بھی دیکھا اور یہ کھا جائے۔ ایک چلتی ہوئی اور مقبول روایت میں ایک آدھ جملہ بڑھا دیا جائے تو وہ معلوم بھی نہیں ہوتا۔ اور گراں بھی نہیں گزرتا۔ اور جلد ہی وہ اس روایت کا جزو بن جاتا ہے۔ اس قسم کے اضافے ہر شخص کا کام نہیں ہے۔ یہ بڑے ماہر فن اور ماہر کلام کا کام ہے کہ سباق عبارت میں کس جگہ کوئی جملہ رکھا جائے جو عبارت میں کھپ جائے اور لوگ اس کی اجنبیت محسوس نہ کریں۔

عبدالرزاق نے فضائل میں جو کچھ لکھا وہ اتنا قابلِ غور نہیں۔ البتہ ثالب میں جو کچھ کہا

اس پر نظر کرنے کی ضرورت ہے۔

ثالب کی جو روایات مستقل اور واضح ہیں وہ پہچانی اور پکڑی جاسکتی ہیں۔ لیکن غیر ثالب کی دوسری روایات میں ثالب کے طور پر ضمناً اور اورا جاً جو جملہ بڑھائے گئے ہیں۔ ان کا پہچانا اور پکڑنا بہت مشکل ہے۔

مثلاً اسی روایت زیر بحث میں فاقدر روا کا اضافہ ہے۔
 اسی طرح روایت انک میں جاریۃ حدیثۃ السن کا اضافہ۔
 یہ دونوں عبدالرزاق کے اضافے ہیں۔ روایت انک کے اضافہ پر ہم روایت انک
 ہی کے سلسلہ میں بحث کریں گے۔

علیٰ بن ابی حضرت عمر بن کے متعلق حبشہ والی روایت میں فدخل عمر فنہا ہم
 یا فخرجہم تھا لیکن عبدالرزاق نے اذ دخل عمر بن الخطاب کے بعد فاهوی
 الی المحصی محصہم کا جملہ شامل کر کے ان پر وحشت و بربریت کا کس خاموشی
 اور خوبی سے الزام لگایا ہے۔

عبدالرزاق صراحۃً واضح حدیث بھی ہے

عبدالرزاق صرف ادراجات ہی نہیں کرتے بلکہ سرج موضوعات بھی بیان کرتے ہیں۔
 اور معمر کی کتاب الجامع میں یہ موضوعات انہوں نے اپنے قلم سے شامل کی ہیں۔
 الجامع عبدالرزاق کے ماتحت لکھا ہوا تھا۔ معمر نے تو سن کر اس کی تصدیق کی تھی۔ اسی لئے
 بعض اہل علم نے اسے امالی عبدالرزاق میں شمار کیا ہے۔ عبدالرزاق کے لئے نہایت آسان تھا کہ اس
 میں جو چاہیں اضافہ کر دیں۔ پھر زبان اور بیان میں ماہر ہونے کی وجہ سے ان کے لئے مشکل نہ تھا
 کہ روایات کی زبان کو بہتر بنا سکیں۔ جو شخص بہرہ و پ کو روپ بنانا چاہتا ہو وہ تمام خامیاں
 دور کرنے کی پوری کوشش کرتا ہے اور اپنے خیال سے کوئی کمی نہیں چھوڑتا۔ یہ توسعات
 سال معمر کے پاس بیٹھے ہیں۔ ان کے انداز بیان پر پوری قدرت حاصل کر لی ہوگی۔ ان کے
 مخصوص جملے اور بیان کا طریقہ حتیٰ کہ زبانی اسلوب میں معمر ہی معلوم ہوتے ہوں گے۔ اور دیکھتے
 اور سننے والوں کو یہ معلوم ہوتا ہوگا کہ عبدالرزاق نہیں، معمر ہی فرما رہے ہیں۔ خصوصیت سے معمر کے
 نوجوان تلامیذ تو عبدالرزاق کو ان کا نعم البدل تصور کرتے ہوں گے۔ روایت بالمعنی میں تو ضروری
 نہیں کہ روایت کو اپنی الفاظ میں ذکر کیا جائے جن الفاظ میں اسے متکلم اول نے بیان کیا تھا
 ایسی صورت میں کلام کی پہچان اور گرفت اور بھی مشکل ہو جاتی ہے

۳ عبدالرزاق کی کچھ موضوعات | حدیثنا موئل بن دھاب عن
 عبدالرزاق عن معمر عن

الزہری عن عمرہ بن الزبیر عن عائشۃ رض عن ابی بکر صریحاً النظر

الی علی بن ابی طالب عبادة (اللائق المصوغه ص ۳۴۳)

موسى بن واثب نے ہم سے حدیث بیان کی عبد الرزاق سے اس نے معمر سے اس نے زہری سے اس نے عروہ بن زہر سے اس نے عائشہ رضی اللہ عنہا نے ابو بکر سے مرفوعاً علی کو دیکھنا عبادت ہے۔
۲۔ حدیثنا محمد بن اسحاق القرشی حدیثنا ابراہیم بن عبد اللہ حدیثنا عبد الرزاق حدیثنا معمر بن محمد عن عبد اللہ بن صامت عن ابی ذر کما انا خاتم النبیین کذلک علی و ذریتہ یختصمون الاوصیاء الی یوم الدین (اللائق المصوغه فی الأحادیث الموضوعة ص ۳۶۱)

محمد بن اسحاق قرشی نے ہم سے حدیث بیان کی اس نے کہا ہم سے حدیث بیان کی ابراہیم بن عبد اللہ نے اس نے کہا عبد الرزاق نے ہم سے حدیث بیان کی اس نے کہا معمر نے ہم سے حدیث بیان کی محمد سے اس نے کہا عبد اللہ بن صامت سے اس نے کہا ابو ذر سے جیسا کہ میں خاتم النبیین ہوں اسی طرح علی اور اس کی اولاد خاتم الاوصیاء ہے۔ قیامت کے دن تک ۳۔ حدیثنا صدقہ بن موسی حدیثنا سلمہ بن شعیب حدیثنا عبد الرزاق حدیثنا معمر عن الزہری عن عروہ ابن الزبیر عن ابن عباس قال قتل علی عمر بن ود و دخل علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فلما رآہ کبر و کبر المسلمون فقال اللهم اعط علیاً فضیلة لم تعطها احداً قبلہ ولا تعطها بعدہ۔ **فهبط جبریل و معه اترحة من رطبة فقال** ان الله یقول حی بهذه علی ابن ابی طالب فدفعها الیہ فانفلقت من یدہ فلقیتین فاذا حریرة بیضاء مکتوب فیہا بسطرتین۔

(تحیة من الطالب الغالب الی علی بن ابی طالب) (اللائق المصوغه ص ۳۴۳)
صدقہ بن موسی نے ہم سے ہم سے حدیث بیان کی اس نے کہا سلمہ بن شعیب نے ہم سے حدیث بیان کی اس نے کہا عبد الرزاق نے ہم سے حدیث بیان کی اس نے کہا ابن عباس سے اس نے کہا علی نے عمر بن ود کو قتل کیا اور حضور کی خدمت میں آئے جب آپ نے علی رضی اللہ عنہ کو دیکھا تو تکبیر کہی اور مسلمانوں نے بھی تکبیر کا نعروں لگایا تو آپ نے فرمایا اے اللہ علی رضی اللہ عنہ کو وہ فضیلت عطا کر جو تو نے نہ کسی کو پہلے عطا کی اور نہ کسی کو بعد میں عطا کرے گا پس جبرائیل علیہ السلام اترے ان کے ساتھ ترہ اور کہا اللہ تعالیٰ تحیہ کہتا ہے علی ابن ابی طالب پر اس تحفے کے ساتھ اور وہ آپ نے علی رضی اللہ عنہ کو دے دیا۔ وہ علی کے ہاتھ سے پھسل گیا۔ تو وہ سفید ریشم تھا جس میں دو سطرین لکھی

حقین ، طالب غالب کی طرف سے تجویز ہے ، علی بن ابی طالب کی طرف

۴ عبد الرزاق کی ہر روایت میں چابکدستی ہے

غرض ہمارے نزدیک عبد الرزاق کی کوئی بھی روایت خواہ وہ کسی چیز سے متعلق ہو ان اکابر صحابہ کے متعلق اس قسم کے تصرفات سے خالی نہیں ہے غرض اس روایت میں اس جملے فاقدمروا کا موجد عبد الرزاق ہے ، یہیں سے یہ جملہ دوسری جگہ گیا ہے ۔ دوسروں نے اسے غلط فہمی سے اضافہ ثقہ سمجھ کر قبول کیا اور تدریسا اصل روایت کے راویوں کی طرف منسوب کر دیا ۔ اب یہ روایت کا جزو بن گیا ۔ یہ تھا عبد الرزاق کا دوسرا دور ۔

عبد الرزاق کا تیسرا دور | اور عبد الرزاق کا تیسرا دور وہ ہے جب ان کا حافظہ جواب دے گیا اور بینائی جاتی رہی تھی ۔ اس دور کی روایات کو تمام اہل علم ناقابل اعتبار خیال کرتے ہیں ۔

۵ ہشام بن یوسف | ہشام بن یوسف کی روایت وہی ہے جو عبد الرزاق کی ہے ۔ عبد الرزاق کے اعتماد پر ہشام نے یہ مکمل روایت بیان کی ہے جس کو بخاری نے بیان کے لئے منتخب کیا ہے ۔ اس لئے اس روایت پر مزید بحث کی گنجائش نہیں ہے ۔ ہشام بن یوسف عبد الرزاق کے خوشہ چین ہیں ۔ ان کی روایت عبد الرزاق ہی کی روایت ہے ۔ کیونکہ ہشام خود کہتے ہیں کہ حدیث سمر میں عبد الرزاق ہم سب سے احفظ اور اعلم ہیں ۔

لیکن طبقات کے ضابطے سے ہشام کی روایت میں یہ اضافہ عبد اللہ المستدی نے کیا ۔ اور اضافہ ثقہ خیال کر کے اپنی روایت ہشام میں جو بغیر فاقدمروا کے تھی یہ بڑھالیا ہے ۔ اس لئے کہ معمر کی روایت جو عبد الرزاق سے ہو وہ زیادہ قابل اعتماد ہے ۔ چونکہ اس میں یہ جملہ موجود ہے اس لئے یہ ہشام کی روایت میں بھی ہونا چاہیے ۔

۶ فاقدر والی روایت مسلمانوں میں بذریعہ یونس بن یزید

مسلم نے اس روایت کو ایک دوسری سند سے پیش کیا ہے۔ یعنی نہری کے ایک اور تلمیذ یونس بن یزید کے واسطے سے ہم پہلے لکھ چکے ہیں کہ محدثین ایک ہی شیخ کی روایت کو مختلف واسطوں سے لانے کی سعی کرتے ہیں۔ اگر ایک ہی واسطے سے ایک نے ذکر کر دیا ہے تو دوسرا محدث اس کے علاوہ کوئی دوسرا واسطہ تلاشی کرتا ہے۔

اس روایت کی سند یہ ہے۔۔۔۔۔
حدیثی ابو طاہر قال انا ابن وهب قال اخبرني يونس بن شهاب عن عروة ابن مريم قال قالت عائشة
اس روایت کی صحت میں کلام نہیں۔ ابن وہب تک کے رجال درست ہیں اور یہ روایت ابن وہب تک بغیر فاقدر والی کے منقول ہوئی ہے۔ چنانچہ ابن وہب سے یہی روایت بغیر فاقدر والی کے ابن شہاب اور یونس کے واسطے سے نہیں بلکہ محمد بن عبد الرحمن الاسدی اور عمر بن الحارث کے واسطے سے بخاری و مسلم میں منقول ہے لہذا اس روایت میں فاقدر والی کا اضافہ ابن وہب سے نیچے ابو طاہر نے کیا ہے۔ ابن وہب تک کے رواۃ اس فاقدر والی سے قطعاً لاعلم ہیں۔

ابو طاہر پر جرح | ابو طاہر کفیت . احمد بن عمر نام . مصر کے رہنے والے .
وفات ۲۵۰ھ

ان کے متعلق ابو داؤد کا بیان ہے کہ کان ابن معین یحلف انہ کذاب ابو حاتم فرماتے ہیں قکلم الناس فیہ ۔
ابو حاتم نے بیان کیا کہ مجھے مصر میں یہ کہا گیا کہ ابھی چند روز ہوئے ابو طاہر نے ابن وہب کی کتابیں خریدی ہیں اور کتاب المفصل بن فضالہ بھی خریدی ہے۔ اس کے بعد ابو طاہر مفصل سے روایت کرتا ہے۔ انہوں نے کہا ہاں۔ میں نے اسی وقت قابل ترک خیال کر لیا۔ اس لئے کہ ابن وہب کا راوی مفصل کی کم درجہ کی روایات بیان نہیں کرے گا۔ ابو زرہ نے مسلم پر گرفت کی ہے کہ ابو طاہر کی احمد بن عیسیٰ سے روایت کو مسلم نے اپنی صحیح میں بیان کیا ہے۔ حالانکہ ابو طاہر کی روایت احمد بن عیسیٰ سے ثابت ہی نہیں۔

ابو حاتم کا یہ بھی بیان ہے کہ اہل مصر ابو طاہر کو جھوٹا خیال کرتے تھے۔
حافظ ابن حجر کا خیال یہ ہے کہ لم یتھم بالوضع - انما انکروا علیہ ادعاء
السماح - یعنی واضح حدیث نہیں ہے مدلس ضرور ہے۔ "تہذیب التہذیب جلد ۱ نمبر ۱۱۵"
ان احادیث کی روشنی میں اس روایت میں فاقہ درو کا اضافہ ابو طاہر کا ہے۔ ابن
دہب کا دامن اس سے بالکل پاک ہے۔ اور اس سے اوپر کے رواۃ کو تو اس فاقہ درو کا
پتہ ہی نہیں ہے۔ اسی سے اندازہ کر لیجئے کہ کس طرح اجنبی جملے معتبر روایات کا جزو بن جاتے
ہیں۔

مسلم نے اس روایت ابو طاہر کو اس لئے قبول کر لیا کہ ان کے نزدیک یہ مکمل روایت
دوسرے واسطے سے بھی ثابت تھی۔ انہوں نے اس کو تائید مزید ہی خیال کیا اور تعدد طرق
کے ضابطہ سے اسے اپنی کتاب میں لے آئے۔

لطف کی بات یہ ہے کہ مسلم نے اپنی صحیح میں ذکر کرنے کے لئے یہ فاقہ درو کے
اضافہ والی روایت دو اسناد سے منتخب کی اور دونوں ہی محل نظر ہیں۔ اس روایت میں یہ
اضافہ مسلم کے شیخ ابو طاہر کا ہے۔ اس سے اوپر کا راوی ابن دہب اس سے بالکل بے
خبر ہے اور دوسری روایت جو ہشام بن عروہ سے ابواسامہ نے اور ابواسامہ سے الحسن بن بشر
نے اور الحسن بن بشر سے ابراہیم بن محمد بن سفیان نے بیان کی ہے۔ اس میں یہ اضافہ فاقہ درو
ابراہیم بن محمد بن سفیان کا ہے۔ اس سے اوپر کے تمام راوی اس سے بے خبر ہیں۔ روایت تو
معروف تھی اور عبد الرزاق عن معمر ثابت تھی۔ لیکن چونکہ ان طرق کو دوسرے آئمہ فن محدثین
اپنی کتابوں میں لا چکے تھے اس لئے امام مسلم نے یہ واسطے تلاش کئے۔

ائمہ فن فاقہ درو کے اضافہ سے بری الذمہ ہیں۔

غیب بات ہے کہ عروہ کی روایت لب حبشہ جو زہری سے منقول ہے۔ اس کے
آخر میں تو فاقہ درو ہے۔ لیکن یہی روایت زہری کے سوا عروہ کے دوسرے تلامیذ سے
جو منقول ہے اس میں فاقہ درو نہیں ہے۔

ہشام بن عروہ کی روایت کے آخر میں ایک سند سے فاقہ درو مروی ہے۔ لیکن ہم
پہلے لکھ چکے ہیں کہ یہ الحسن بن بشر یا ابراہیم بن احمد بن سفیان کا کارنامہ ہے۔ اور
ہشام اس سے قطعاً لاعلم ہے۔

پھر زہری کے تمام تلامیذ اس سے بے خبر ہیں۔ حالانکہ زہری کے سینکڑوں

تلامیذ ہیں۔ جن میں بڑے بڑے اہل فن ہیں۔ ائمہ ہیں۔ اور کتب رجال میں تصریح موجود ہے کہ ان کے دس تلامیذ تو معتد ترین تلامیذ ہیں۔ ان میں سے کوئی اس روایت کا راوی نہیں امام مالک اس روایت کے راوی نہیں۔ سفیان بن عیینہ سے کوئی اس روایت کا راوی نہیں۔ عمر بن عبد العزیز۔ عبد اللہ بن مسلم زہری۔ محمد بن علی بن الحسین۔ ابن جریر۔ اس روایت کے راوی نہیں۔ زہری صاحب الزہری اس اضافہ سے بے خبر ہیں۔ مدینہ کا کوئی شخص اس روایت کا راوی نہیں۔

زہری کے غیر مخصوص تلامذہ میں سے صرف بیروت کے ایک شخص اوزاعی اور صنعاء کے ایک شخص معمر کی طرف اس روایت کی نسبت کی جاتی ہے۔ حالانکہ نہ اوزاعی اصحاب زہری میں سے ہیں اور نہ معمر اصحاب زہری میں سے ہیں۔

اور خود اوزاعی کے رواۃ میں سے جو دس رواۃ اوزاعی میں معتبر ہیں ان میں سے ایک بھی اس فاقہ سرا کا راوی نہیں۔ صرف چار غیر معروف اور مدسین رواۃ اوزاعی سے یہ روایت نقل کرتے ہیں۔ جیسا کہ ہم مفصل بتا چکے ہیں۔

ایک احتمال اوزاعی کے متعلق یہ ہو سکتا ہے کہ ممکن ہے خود اوزاعی نے ہی یہ روایت معمر کی کتاب الجامع کے اعتماد پر بیان لی ہو۔ اور پھر آگے بیان کر دی ہو۔

لیکن ہمارے نزدیک یہ احتمال ضعیف ہے۔ اس لئے کہ عبد الرزاق نے شام کا سفر ۱۵۶ھ یا ۱۵۷ھ میں کیا ہے۔ یعنی اوزاعی کی وفات سے کچھ ہی قبل جبکہ اوزاعی کی عمر ستر سال تھی اور اس طویل عمر میں انہوں نے یہ نادور بات پہلے نہ سنی ہوگی۔ اوزاعی کی پیدائش ۸۹ھ کی ہے۔ اکابر تابعین کا وقت پایا تھا۔ اس لئے اوزاعی نے روایت حبشہ میں یہ اضافہ قبول نہ کیا ہوگا۔ بلکہ یہ اضافہ ان کے تلمیذ ولید نے قبول کیا اور پھر اس اضافہ کو اپنی عادت کے مطابق اوزاعی کی طرف منسوب کر دیا۔ اور پھر ان سے عیسیٰ بن یونس نے یہ روایت لی۔ اور یہ خیال کر کے کہ یہ اوزاعی کی روایت ہے۔ ولید کو در بیان سے نکال کر تدلیساً اوزاعی سے روایت شروع کر دی۔ اس اضافہ کو قبول کرنے کی زمین پہلے سے ہشام بن عروہ کی روایت تزوج کی وجہ سے تیار تھی۔ اس لئے کسی کو یہ اضافہ جیسی نہ معلوم ہوا۔ ایک معتبر شیخ کی روایت ہو جسے ایک معتبر راوی بیان کرے۔ پس قبول کرنے کیلئے اتنا ہی کافی ہے۔ بلکہ جہاں جہاں بھی عبد الرزاق الجامع لیکر پہنچے ہوں گے لوگوں نے بزعم خود اپنی ناقص روایات کی تکمیل الجامع کے مطابق کرنی ہوگی۔

رہ گئے معمر : تو ان کے متعلق جو یہ کہا جاتا ہے کہ معمر نہ ہری میں بہت معتبر ہیں۔ اور نہ ہری کے معتقد علیہ راوی ہیں تو ہمارے نزدیک یہ درست نہیں ہے۔ معمر نے چودہ سال کی عمر میں پڑھنا شروع کیا۔ اور قتادہ سے جو بصرے کے امام تھے بہت کم سنا۔ اس لئے کہ قتادہ کی وفات سالہ میں ہوئی۔ اس وقت معمر غلام تھے۔ مالکوں کی خدمت سے جو تھوڑا بہت وقت بچتا ہوگا اس میں قتادہ کے پاس جاتے ہوں گے۔ قتادہ کی وفات کے بعد یہ اپنے مالکوں کی تجارت کے سلسلہ میں مدینہ منورہ گئے۔ اس سفر میں یہ نہ ہری سے ملک شام کے شہر رصافہ میں جا کر ملے۔ اور ان پر عرض علم کیا۔ ^{۱۲۴} سالہ میں نہ ہری کی وفات ہو گئی۔ تو یہ نہ ہری کی خدمت میں خاص طور پر رہے کب ! محض ایک دفعہ زیارت کر لینے سے کیسے معتقد علیہ اور معتبر بن گئے۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ نہ ہری سے کچھ تحریری روایات لے کر ان کی اجازت حاصل کر لی ہوگی۔ یہی وجہ ہے کہ معمر جب تک بصرہ میں رہے ان کی روایات کا اعتبار نہیں تھا۔ اس لئے کہ شروع میں علم کم تھا۔ اور آقاؤں کی خدمت سے کچھ وقت بچتا ہوگا تو کچھ حاصل کرتے ہوں گے۔ لیکن جب آزاد ہو کر بصرہ سے یمن کے شہر صنعاء میں پہنچے تو وہاں ان کے جوہر کھلے۔ اور انہیں مقام شہرت حاصل ہوا۔

فاقدروا کا اضافہ گستاخانہ تمسخر اور خلاف فطرت ہے

جب ہم غور کرتے ہیں کہ آیا یہ جملہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا ہو سکتا ہے تو قرآن و دلائل بتاتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا جملہ نہیں ہو سکتا۔ اس لئے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اپنے بھانجے عروہ رضی اللہ عنہ سے روایت بیان کی تو اس میں فاقدروا کہنے کی کیا ضرورت تھی ؟ (اگر یہ تمثیل ہے تب بھی الحجار مینۃ الحدیثۃ السنۃ اور المحرر لیمۃ علی اللہ و حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ہی ہے) حالانکہ کوئی عورت اپنے آپ کو ایسے ہلکے الفاظ سے تعبیر کرنے کے لئے تیار نہیں ہو سکتی اور وہ بھی اس وقت جبکہ اس واقعہ کو چالیس سال گزر چکے۔ اور خود حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پختہ عمر کو پہنچ چکی تھیں۔

پھر عرم بنوی جنہیں اپنے مقام کا اور ابو بکر رضی اللہ عنہ کی عظیم بیٹی ہونے کا اور اپنی خودداری کا پورا پورا احساس ہو کبھی اپنے لئے المحرر لیمۃ علی اللہ و نہیں کہہ سکتی

اس کے علاوہ واقعہ تو سنارہی ہیں صرف ایک عروہ کو . تو یہ جہ کا صیغہ کہاں سے آگیا؟ اور خطاب کس سے ہے؟ حقیقت میں یہ جمع کا صیغہ بتلا رہا ہے کہ راوی نے اپنے ہم مشربوں میں بیٹھ کر یہ روایت بیان کی . اور پھر ازراہ تفسیر کہا فاقدر والا یعنی (معاذ اللہ) دیکھو تو کھیلوں پر مر مٹنے والی نوخیز چھو کمری کے انداز نخرے . غمزے "لاحول ولا قوۃ الا باللہ" . اس سے صاف ظاہر ہے کہ یہ الفاظ کسی حد سے بھنے ہوئے دل کے الفاظ ہیں . جس کا مطلب یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بلا وجہ تکلیف دیتی ہے اور آپ تقاضائے شرافت سے کچھ نہیں کہتے . مگر اس چھو کمری کو قطعاً اس کا احساس نہیں ہے . اور یہ الفاظ سوائے عبدالرزاق کے اور کوئی نہیں کہہ سکتا . اور یہ گستاخانہ الفاظ عروہ کے بھی نہیں ہو سکتے . اس لئے کہ عروہ سے ایسے الفاظ کا صدور اپنی ماں کے حق میں اسکا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا . اور نہ وہ ایسی بے ادبی کر سکتے تھے .

اور زہری تو وہ بے چارے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے تزوج بست سنین کے تصور ہی سے نا آشنا تھے . زہری کی وفات ۱۲۴ھ میں ہوئی تھی انہیں تو اس استخراج ہشام کی ہوا بھی نہیں لگی تھی . وہ کیسے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو الجباریۃ الحدیثۃ السنۃ المحرریۃ علی اللہ کہتے .

ہشام بن عروہ کی روایت تزوج میں ندرت بیشک ہے کہ بنا کے وقت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی عمر ۹ سال بتلا رہے ہیں . لیکن یہ ہشام کے سہو پر مبنی ہے . اس میں استعجاب ہے . حیرت ہے ایک امر خارق کا اظہار ہے . مگر ہشام کا مقصد تو ہیں و تفسیر نہیں ہے . اور فاقدر والا الجباریۃ الحدیثۃ السنۃ المحرریۃ علی اللہ کا جملہ امانت رگستاخی کیلئے وضع کیا گیا ہے . عظیمت رسول اور عظیمت صحابہ عظیمت شیوخ

سے مقدم ہے

ہمیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی عزت ان آئمہ فن اور شیوخ حدیث سے زیادہ محبوب ہے . اس لئے ہم اس معاملہ میں بے لاگ تنقید کر رہے ہیں . ورنہ ہم جانتے ہیں کہ یہ لوگ خادم حدیث ہیں . انہوں نے

دین کی بے حد خدمت کی ہے۔ اگر یہ لوگ خدمت دین پر کمر بستہ نہ ہوتے تو ہم علم کے بہت بڑے ذخیرے سے محروم رہ جاتے۔ ان کی نیت بخیر تھی۔ انہوں نے ان روایات کو خدمت دین سمجھ کر لیا اور اپنی کتابوں میں نقل کیا۔

ان علما و حدیث نے خود ہی قبول حدیث کے جو ضابطے بنائے ہیں ان ہی کی روشنی میں ہم یہ تنقید کر رہے ہیں۔ ہمیں کسی سے بھی کوئی کد نہیں ہے۔ ہمارے لئے عبد الرزاق کی شخصیت بھی اتنی ہی قابل احترام ہوتی جتنی ادراہل علم کی ہے اگر یہ چیزیں ان کی طرف منسوب نہ ہوتیں جو کتابوں میں منسوب ہیں، ہمارے لئے عبد الرزاق ایسی ہی قاضی کی شخصیت ہے جیسے لاکھوں کرڈروں آدمی پیدا ہوئے اور مر گئے۔ ان میں سے ایک عبد الرزاق بھی تھے۔ لیکن عبد الرزاق کا کام ہماری مذہبی زندگی پر اثر انداز ہے۔ ہمارے عقائد ان کی معلومات کی وجہ سے متاثر ہیں۔ ہماری قابل احترام ہستیوں کی زندگیاں اس شخص کے بیانات سے متعین ہوتی ہیں۔ اس لئے ہمیں اس ذریعے اور واسطے کو پرکھنا ضروری ہے۔ اور محض اسی وجہ سے ہم نے عبد الرزاق پر قلم اٹھایا ہے۔

حافظ ابن حجر کا حسن ظن ہمارے محدثین کے طبقے میں بڑے بڑے خوش عقیدہ لوگ موجود ہیں۔ ہمیں حافظ

ابن حجر کا بڑا احترام ہے۔ یہ شافعی المسک ہیں۔ اگر شرح حدیث در جال سے حافظ ابن حجر کو نکال دیا جائے تو ہم ایک قدم بھی نہیں چل سکتے۔ یہ رجال پر تحقیق اور بحث سب حافظ ابن حجر کی مرئون منت ہے۔ ہم صمیم قلب سے محسوس کرتے ہیں کہ حافظ صاحب علیہ الرحمۃ کا تمام ملت اسلامیہ پر احسان عظیم ہے کہ انہوں نے یہ گراں بہا خدمت انجام دی ہے۔ لیکن منقول ذخائر حدیث کو بچانے میں اور اس کے لئے تاویلات بعیدہ کرنے میں وہ اپنے مقام کا خود خیال نہیں کرتے۔

ہم اپنے اس مضمون میں پہلے لکھ آئے ہیں کہ تسمیہ ولید والی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی روایت موضوع ہے۔ گو امام احمد نے اسے اپنی مسند میں بیان کیا ہے۔ لیکن ابن جوزی نے اسے اپنی موضوعات میں ذکر کیا۔ اور علامہ سیوطی نے اسے اللآلی المصنوعہ فی الاحادیث الموضوعہ میں ذکر کیا ہے۔

حافظ ابن حجر نے امام احمد کی مدافعت میں ایک رسالہ لکھا جس میں لکھا ہے کہ یہ تسمیہ الولید والی حدیث جو ازرائی عن الزہری منقول ہے موضوع نہیں ہے۔ بلکہ زہری سے اس کے اور بھی متابع پائے جاتے ہیں۔ ایک محمد بن الولید الزہری کا۔ زہری کے

مخرج کا تو مجھے نام یاد نہیں رہا۔ معلوم نہیں کہاں دیکھا۔ ہاں دوسرا متابع جو معمر بن راشد
عن الزہری ہے یہ ہمیں امالی عبد الرزاق سے ملا ہے۔
سند یہ ہے۔

عبد الرزاق قال انا معمر عن الزہری عن سعید بن المسیب فذكره
ولم يذكر عمر (القول المسند في الذب عن المسند للإمام احمد)
ص ۱۵۸ مصنف حافظ ابن حجر مطبع مصر ۔
اسے کہتے ہیں ” یک شد و شد “ دو جھوٹوں کی گواہی سے واقعہ ثابت نہیں ہو
جاتا۔ یہ روایت زہری چاہے اوزاعی کے ذریعے سے ہو یا معمر کے ذریعے سے کذب موضوع
ہے۔ ان دونوں روایتوں میں اوزاعی اور معمر کا نام تو استعمال کیا گیا۔ ورنہ تو یہ بیچ کے
رواۃ کا کام ہے۔

ابن جوزی اور سیوطی نے اس پر بحث کی ہے۔ بنو مردان کے دور میں تو کسی کو یہ جرأت
نہیں تھی کہ اس قسم کی روایت بیان کرتا۔ ان کا دور گزرنے کے بعد اس قسم کے واصغین حدیث
کو یہ جرأت ہوئی کہ نام لے کر اس قسم کی روایتیں وضع کریں۔
عام طور سے متشیع حضرات کی روایات زید بن ارقم، حذیفہ یمانی، عمار بن یاسر، سلمان
فارسی اور حضرت ام سلمہ کی نسبت سے ہوتی ہیں۔ اس میں بھی ام سلمہ کے بھائی کے بچے کا ذکر
ہے۔ معلوم نہیں وہ کون سے بھائی کا کونسا بچہ تھا۔

حضرت عمر رحمہ کو ایسی روایات بیان کرنے سے کیا واسطہ۔ وہ تو ان روایات پر بھی
قدغن لگاتے تھے جو واقعی بیان کرنے کی تھیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ملکی مہمات مسائل سے ہی
فرصت نہ تھی وہ ایسی باتوں کی طرف کیا توجہ دیتے۔ اہم مسائل جن کا تعلق اجتماعی امور
سے تھا یا حقوق العباد سے تھا یا اخلاق سے تھا یا عبادات سے تھا ان امور میں ان سے روایات
ہیں۔ لیکن نتن اور پیشین گوئی میں ان کی روایات نہیں ہیں۔ لیکن واصغ نے روایت میں
زور پیدا کرنے کے لئے، اسے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب کر دیا۔ جب روایت وضع ہی
کرنی ہے تو کیوں نہ انتہا تک جائے۔ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بھی کیوں بچنے۔ عبد الرزاق
کو اور کیا چاہیے تھا۔ اس کو بنو امیہ سے خدا واسطے کا بیر تھا ہی۔ اس نے یہ روایت نہیں
واصغین سے لی اور معمر کی امالی میں شامل کر کے معمر سے اس کی روایت شروع کر دی۔ معمر زہری
میں محترم ہیں ہی۔ اس طرح یہ روایت زہری کی روایت بن گئی۔ اس میں تسلسل پیدا ہو
گیا اور روایت قبول کرنے کے قابل ہو گئی۔

عبدالرزاق چونکہ جعل کا ماہر ہے اس لئے یہ غلطی نہیں کی کہ اس سے حضرت عمر سے منسوب کرتا بلکہ سعید بن المسیب پر جا کر روایت بند کر دی۔ اور مراسلات سعید میں اس روایت کو شامل کر دیا۔ دوسرے واسطے سے یہ موصول تھی ہی اس لئے یہ روایت خود بخود موصول ہو گئی اور کہنا بھی کچھ نہیں پڑا۔

اس موضوع روایت کو اگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے سعید بن المسیب کے ذریعے موصول بیان کیا جائے۔ پھر بھی یہ مرسل ہے۔ کیونکہ سعید بن المسیب کا حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے بے لفاظی ثابت ہے نہ سماع۔ جن لوگوں نے یہ غلطی کی ہے وہ اس تاریخ سے واقف نہیں تھے عبدالرزاق اس سے واقف تھے اس لئے انہوں نے اس روایت کو سعید بن المسیب تک پہنچا کر آگے کچھ نہیں کہا۔ اور اس روایت کی جڑ بنادی اور روایت میں اصلیت پیدا کر دی۔

یہ تو خود علامہ ابن حجر کے بیان سے ظاہر ہے کہ معمر کے امالی عبدالرزاق ہی کے پاس تھے اور معمر کی الحبا مع بھی امالی کی شکل میں عبدالرزاق کے پاس تھی اور پھر معمر کے نامعلوم بھتیجے کا کسی اضافے اور ایزار سے کیا تعلق۔ اور اس غریب کو کیوں مطلع کیا جائے۔ معمر کے نامعلوم بھتیجے کی طرف اس جرم کی نسبت کرنا بھی انہیں ماہر فن عبدالرزاق کا کام ہے روایات افک میں ہم اس پر مزید روشنی ڈالیں گے۔

حضرت عائشہؓ کی کم عمری کا

پانچواں ماخذ



قصہ افکؓ کی روایات

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی کم عمری کا پانچوں ماخذ روایت انک ہے جس میں آپ خود اپنی زبان سے فرماتی ہیں دکت جارية حدیثہ بالسنن پہلے ہم انہی روایات پر مندرجہ ذیل اثبات سے بحث کریں گے

۱ آیا قصۃ انک میں ان احادیث حدیثہ بالسنن حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا اپنا ہی بیان ہے ؟

۲ زہری کی اصل روایت بالمعنی میں یہ جملہ تھا یا نہیں ؟

۳ اگر تھا تو کیا دوسرے قرائن اس کی تائید کرتے ہیں ؟

۴ اور اگر نہیں تھا تو پھر اس اضافے کا ذمہ دار کون ہے ؟

قصۃ انک کے راوی | قصۃ انک کی روایت مندرجہ ذیل صحابہ سے بیان کی جاتی ہے ۔

۱	ام رومان رضی اللہ عنہا (بخاری)
۲	الجبہریہ رضی اللہ عنہا
۳	ابن عمر رضی اللہ عنہما
۴	ابن عباس رضی اللہ عنہما
۵	عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ
۶	البواہلہ رضی اللہ عنہ
۷	حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا (صحاح)

صحابہ میں سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے سوا ام رومان کی روایت جو بخاری اور مسند امام احمد میں آتی ہے ۔ اس پر ہم اس سندہ جب روایت زہری کے مالہ و ما علیہ پر بحث کریں گے تب گفتگو کریں گے ۔ یہاں ہم صرف یہ بتانا چاہتے ہیں کہ اس روایت ام رومان میں کوئی جملہ ایسا نہیں جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی کم عمری پر دلالت کرے ۔

ام رومان کے علاوہ باقی صحابہ کی جو روایات ہیں وہ دوسرے اور تیسرے درجہ کی کتب حدیث میں آتی ہیں ۔ ہم نے صرف صحاح اور معتبر کتب پر انحصار کیا ہے ۔

علاوہ ازیں جن رواۃ کے ذریعے یہ روایات منقول ہیں وہ زہری کی روایت سے متاثر ہیں زہری کی روایت ہی ان سب روایات میں جھلک رہی ہے ۔

علاوہ ازیں ہمارے نقطہ نظر سے جن جملوں پر بحث ضروری ہے اور جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی کم عمری کو ظاہر کرتے ہیں وہ روایت زہری میں موجود ہیں ۔

بہر حال اس تعدد روایات کا ایک ہی فائدہ ہے . اور وہ یہ ہے کہ دل میں واقعہ احکام کا اعتماد پیدا ہو . لیکن یہ اعتماد تو نص قطعی سے حاصل ہے . مگر نص قطعی میں کسی فرد کا نام لئے بغیر اور اس واقعہ کی تفصیل بیان کئے بغیر ہی واقعہ کی طرف اجمالی اشارت پائے جاتے ہیں اور بس .

اس لئے ان روایات کے تعدد طرق اور متون کے اختلاف سے براہ راست ہمیں کوئی واسطہ نہیں .

رواۃ عائشہ رضی اللہ عنہا | حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے اس روایت کو بیان کرنے والے مندرجہ ذیل تابعین بیان کئے جاتے ہیں .

عروہ بن الزہیر	۱
سعید بن المسیب	۲
عبداللہ بن عبداللہ	۳
علقمہ بن وقاص	۴
ابو سلمہ بن عبدالرحمن	۵
عمرہ بنت عبدالرحمن	۶
قاسم بن محمد	۷
اسود بن یزید	۸
مقسم مولیٰ ابن عباس	۹
عباد بن عبداللہ بن الزہیر	۱۰

پہلے چار رواۃ کی روایت کا ایک مجموعہ زہری نے بیان کیا ہے . باقی حضرات سے جو روایات ہیں ان کے متن میں کافی اضطراب ہے . تعدد روایت کے شوق میں ہر طب و یابس سے مملو ہیں . اس لئے نہ ان روایات سے کوئی استدلال کیا جاسکتا ہے اور نہ ان پر کوئی بحث ضروری ہے . اور تیسرے درجے کی کتب میں آتی ہیں :

اس کے علاوہ عروہ کی ایک روایت علیحدہ بھی بیان کی جاتی ہے اور وہ ان کے بیٹے ہشام سے منسوب ہے . اور کہا جاتا ہے کہ اس کو ہشام سے بیان کرنے والے ان کے مندرجہ ذیل تلامیذ ہیں .

فلح بن سلیمان	۱
ابو اسامہ	۲

حماد بن سلمہ	۳
یونس بن بکر	۴
امام مالک	۵
علی بن مسہر	۶
سعید بن ابی بلال	۷
یحییٰ بن زکریا	۸
الوادیس	۹

روایت ہشام خارج از بحث ہے لیکن ہشام کی روایت زہری کی مفصل روایت کا نصف اخیر سے بھی کم ہے۔ اور اس میں ۲۱

جاریہ کا فقرہ نہیں ہے۔

بخاری نے سورۃ نور کی تفسیر میں ہشام کی روایت مرسل ذکر کی ہے۔ لیکن مسلم اور ترمذی نے اس روایت کو موصولاً بیان کیا ہے۔

بہر حال ہشام کی روایت میں کوئی ایسا جملہ نہیں ہے جو اس واقعہ کے وقت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی کم عمری کو ظاہر کرے۔ اس لئے اس حیثیت سے یہ ہماری بحث سے خارج ہے۔
روایت علقمہ بھی بحث سے خارج ہے۔ علقمہ بن وقاص کی جس روایت کو طبری اور طبرانی نے ایک دوسرے

ذریعے سے علیحدہ بھی نقل کیا ہے وہ بھی زہری کی روایت میں سے نصف اخیر کا اجمال ہے اور اس میں بھی انا جاریہ نہیں ہے۔ لہذا وہ بھی ہماری بحث سے خارج ہے۔
سعید بن المسیب اور عبد اللہ بن عبد اللہ سے زہری نے علیحدہ کوئی روایت ہی نہیں کی ہے۔

تلامیذ زہری | زہری سے اس روایت کو بیان کرنے والے اگرچہ ان کے ۲۳ شاگرد ہیں ۱۔ جن کی روایتیں مجل یا مفصل تمام کتب حدیث و سیر میں مذکور ہیں مگر صحاح میں زہری کے صرف چار مندرجہ ذیل تلامیذ سے یہ روایت منقول ہے۔ ۱۔ صالح بن کیسان ۲۔ یونس بن یزید ۳۔ فلیح بن سلیمان ۴۔ معمر بن راشد۔

۱۔ زہری بروایت ابی عوانہ و طبرانی :- یحییٰ بن سعید الفزاری
۲۔ عبید اللہ بن عمر العمری
۳۔ اسحاق بن راشد

عقیل بن جریج	۵	عطا خراسانی	۴
محمد بن اسحاق	۶	زہری محض بروایت ابی عوانہ :-	
حمید الاعرج	۹	بکر بن وائل	۷
زہری محض بروایت طبرانی :-		معاویہ بن یحییٰ	۸
زیاد بن سعد	۱۰	ابن ابی عتیق	۱۱
فلح بن عبد اللہ بن المغیرہ	۱۳	اسماعیل بن رافع	۱۲
زہری بروایت مرویہ :-		صالح بن ابی الاخضر	۱۴
سفیان بن عیینہ	۱۶	یعقوب بن عطاء	۱۵
یونس بن یزید	۱۹	عبد الرحمن بن اسحاق	۱۸
نعمان بن راشد	۲۲	فلیح بن سلیمان	۲۰
		صالح بن کیسان	۱۷
		معمربن راشد	۲۱

بخاری اس روایت زہری کو مندرجہ ذیل اسٹھ مختلف بابوں میں محل اور مفصل طور پر لاتے ہیں ۔

باب الشہادات	۲	جہاد	۳	تفسیر	۱
ایمان و نذور	۵	توحید	۶	اعتصام بالسنة	۲
تعديل النساء	۸	مغازی			
باب شہادات میں اس روایت کی سند یہ ہے ۔					
حد ثنا حجاج ثنا عبد اللہ بن عمر النخعی ثنا یونس عن ابن شہاب					
اور اس میں انا جارية موجود ہے ۔					
باب جہاد میں اس کی سند یہ ہے ۔					
حد ثنا حجاج ثنا عبد اللہ بن عمر النخعی ثنا یونس قال سمعت الزہری					
قال سمعت عروة ... ؟					
باب تعديل النساء میں اس کی سند یہ ہے ۔					
حد ثنا البوالد بیع سلیمان بن داؤد ؟ بعضہ احمد ثنا فلیح بن					
سلیمان عن ابن شہاب ...					
اس روایت میں بھی انا جارية موجود ہے ۔					

۴ باب غزوۃ بنی مصطلق حدیث افک کی سند یہ ہے .
حدیثنا عبدالعزیز بن عبداللہ ثنا ابراہیم بن سعد عن صالح بن کیسان
عن ابن شہاب قال حدیثنا عروۃ

اس روایت میں بھی اناجاریۃ موجود ہے .

۵ کتاب التفسیر سورۃ نور کی سند یہ ہے
حدیثنا یحییٰ بن بکیر ثنا اللیث عن یونس عن ابن شہاب قال
اخبرنی عروۃ

اس میں بھی اناجاریۃ موجود ہے .
مسلم میں ہے .

۶ ا - عبداللہ بن المبارک عن یونس عن الزہری
ب - عبدالرزاق عن معمر عن الزہری

الفاظ معمر میں روایت ہے . اور اس میں بھی اناجاریۃ موجود ہے .

۷ مسند امام احمد ص ۱۹۲ میں ہے .
حدیثنا عبداللہ ثنی ابی ثنا عبدالرزاق ثنا معمر عن الزہری
اس میں بھی اناجاریۃ موجود ہے .

زہری کے تمام تلامذہ پر گفتگو بے سود ہے . رواۃ کی کثرت یہ اعتماد پیدا کرتی ہے کہ
یہ روایت زہری ہے . اور اس بات کے ہم شک نہیں ہیں . البتہ اس روایت پر ہماری بنیادی
بحث یہ ہے کہ اس روایت زہری میں اناجاریۃ حدیث السن کا جملہ کس کا ہے . اور
آیا زہری کی اصل روایت میں یہ جملہ تھا یا نہیں .

اناجاریۃ کے رواۃ پر بحث | زہری کے ان تلامیذ کی ترتیب یہ ہے جن سے
یہ روایت صحاح میں مفصل آئی ہے اور جو اس

روایت میں اناجاریۃ حدیث السن بیان کرتے ہیں . اگر اس روایت میں اناجاریۃ
نہ ہوتا تو اس روایت پر ہمیں بحث کرنے کی ضرورت نہ تھی .

اب ضروری ہے کہ ہم پہلے سند جہ ذیل چار رواۃ کو جرح و تعدیل کے نقطہ نظر
سے دیکھ لیں . پھر متعین کریں کہ اناجاریۃ کہاں سے آیا .

معمر بن راشد

۲

صالح بن کیسان

۱

فلیح بن سلیمان

۴

یونس بن مزید

۳

۱ صالح بن کیسان | صالح بن کیسان مدنی اور طبقہ رابعہ میں سے ہیں۔ ابوہشیم کا بیان ہے کہ یہ مردان بن محمد کے زمانہ میں وفات پا گئے تھے۔

ابن سعد نے واقدی کے واسطے سے لکھا ہے کہ ان کی وفات سنہ ۱۴۰ کے بعد ہوئی ہے۔
حاکم نے لکھا ہے کہ صالح کی وفات ایک سو ساٹھ سال کی عمر میں ہوئی ہے۔ انہوں نے صحابہ کی ایک جماعت کو دیکھا ہے۔ بعد میں زہری سے تلمذ کیا۔ اور ان سے زبانی علم حاصل کیا جس وقت علم حاصل کرنا شروع کیا ان کی عمر ستر سال کی تھی۔ اس پر حافظ ابن حجر نے فرمایا۔
”هذه مجارفة قبيحة“ یہ تو انتہا درجے کی گپ ہے۔ اس کا تو یہ مطلب ہوا کہ صالح کی پیدائش نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے بھی پہلے ہوئی۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ حاکم کو کیسے یہ مغالطہ ہوا۔ اگر یہی صورت تھی تو انہیں تو اکابر صحابہ سے علم حاصل کرنا چاہیے تھا۔

علی ابن المدینی کا بیان ہے کہ صالح تو عقبہ بن عامر کو بھی نہ پاسکے۔ بلکہ انہوں نے عقبہ کی روایات ان کے کسی تلمیذ سے حاصل کی ہیں
حافظ ذہبی کے اپنے قلم سے لکھا ہوا میں نے خود دیکھا ہے کہ صالح کی عمر نوے سال بھی نہیں ہوئی۔

بخاری کا بیان ہے کہ صالح زہری سے بڑے تھے (تہذیب التہذیب۔ بیان صالح بن کیسان)

اول تو ہمیں اس میں بھی تامل ہے کہ صالح نے زہری سے یہ لمبی روایت لی ہو۔ اس لئے کہ زہری نے یہ روایت خود اپنی زندگی کے آخر میں مرتب کی ہے۔ کیونکہ جن رواۃ سے یہ روایت زہری نے مرتب کی ہے۔ ان میں سے عبید اللہ بن عبد اللہ بھی ہیں جن کی وفات سنہ ۱۴۰ میں ہوئی ہے۔ اس لئے یہ روایت اس کے بعد ہی مرتب ہوئی ہے اس وقت زہری کی عمر ساٹھ سال سے متجاوز تھی۔ صالح ان سے عمر میں بڑے ہیں تو ان کی عمر اس سے بھی زیادہ ہوگی۔ اس عمر میں حافظہ میں یہ صلاحیت ہی نہیں رہتی کہ لمبی روایات کو محض زبانی سن کر یاد رکھ سکے۔ بڑھاپے میں تو معمولی دعاؤں کا یاد کرنا بھی مشکل ہوتا ہے۔ پھر یہ روایت تو تحریری زبان میں ہے۔ کیونکہ یہی ایک روایت مختلف سندوں سے منقول ہے۔ اس کے الفاظ میں بہت حقوق اختلاف ہے۔ اس لئے صالح سے اس لمبی روایت کی نسبت ہی غلط معلوم ہوتی ہے۔ اگر صالح غیر معمولی حافظہ کے مالک تھے تو کیوں نہ شروع سے طلب علم میں منہمک ہوئے۔ اس وقت علم ہی یہ تھا کہ روایات سن کر یاد رکھی جاتیں۔

اس کے لئے کسی خاص اہتمام کی ضرورت نہ تھی۔ مدینہ مرکز علم تھا۔ چلتے پھرتے ہی ایک کثیر تعداد روایات کی جمع ہو جاتی۔ زہری سے خاص تلمذ کی ضرورت ہی نہ تھی۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ صالح بن کیسان معمولی صلاحیتوں کے مالک تھے۔ زیادہ سے زیادہ چھوٹی چھوٹی روایات یاد کر لی ہوں گی۔

علاوہ ازیں اس اضافہ اناجاریۃ حدیثۃ السن سے تو صالح بالکل ہی بے خبر ہیں یہ جملہ تو ۵۳ھ کے بعد کا ہے۔ اس سے تو ہشام بن عروہ کی روایت بھی خالی ہے جو روایت تزوج کے موجد ہیں۔ جن کی روایت نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے لئے اس قسم کے جملوں کے لئے زمین تیار کی۔ صالح قبل از وقت کہاں سے اس بعد کی ایجاد سے واقف ہو گئے تھے۔

صالح کی وفات ۴۱ھ کے قریب قریب ہوئی ہے۔ وہ تو روایت تزوج سے بھی لاعلم گئے ہیں۔ ہشام نے اپنے استنباط کا اعلان صالح کی وفات کے بعد عراق میں کیا پھر یہ جملہ صالح کی روایت میں کیسے آئے۔ اس بات کو ہم آئندہ واضح کریں گے۔

۲۔ **معمر بن مل شمل** معمر بن راشد کے حالات تفصیل کے ساتھ پہلے بیان کئے جا چکے ہیں۔ ان کی روایت بھی اس اضافہ

انا جاریۃ حدیثۃ السن سے خالی تھی۔ جیسے کہ ہم ابھی واضح کریں گے

۳۔ **یونس بن یزید الایلی** ان کے بارے میں دیکھ فرماتے ہیں کان سیء الحفظ سعید سے ایسی روایات بیان کرتے ہیں جو ان کی ہیں

عبداللہ بن احمد کہتے ہیں۔ لا یعرف الحدیث۔ جب لکھتے تھے تو اول یاد در میان میں سے کچھ رہ جاتا تھا۔ روایت میں کچھ حصہ سعید سے اور کچھ حصہ زہری سے لکھا جاتا تھا بعد میں خود ان پر مشتبہ ہو جاتا تھا کہ یہ روایت زہری سے ہے یا سعید سے۔

الوزرعة المشقی کہتے ہیں کہ میں نے امام احمد سے سنا انہوں نے مجھ سے خود فرمایا

فی حدیث یونس عن الزہری منکرات، حافظ ابن حجر نے منکرات کی تفصیل دی ہے (تہذیب التہذیب)

یعقوب فارہی نے محمد بن عبدالرحیم سے نقل کیا ہے کہ میں نے علی بن المدینی سے سنا ہے

اثبت الناس فی الحدیث ابن عیینہ زریاد بن سعد شرمالک و معمر و یونس من کتابہ۔

ابن سعد نے کہا
 حلو الحدیث کثیرہ و لیس بحجۃ - دیماجاء بالشیء المنکر
 وفات ۱۵۹ھ (تہذیب التہذیب ص ۴۵ جلد ۱)

زہری مدینہ سے شام جاتے تھے تو راستے میں ایل میں ان کے پاس ٹھہرتے تھے
 اور واپس آتے تھے تو بھی ان کے پاس ٹھہرتے تھے۔ اور واپسی میں یہ مدینہ تک زہری کے
 ساتھ آتے تھے اور ان کے زمیل ہوتے تھے۔ ان کی روایت میں کنت جاریہ موجود ہے۔
 قاعدے اور ضابطے کے لحاظ سے یہ اضافہ یحییٰ بن بکیر کا ہے۔

یحییٰ بن بکیر | یحییٰ بن عبداللہ بن بکیر مصری (وفات ۲۳۱ھ ولادت ۱۵۴ھ)
 عمر ۷۷ سال طبقہ عاشرہ کے راوی ہیں ان کے بارے میں۔

ابو حاتم کا قول ہے کہ یکتب حدیثہ ولا یجتنبہ۔

نسائی، ضعیف۔ پھر کہا قوی نہیں
 امام بخاری نے تاریخ میں لکھا کہ یحییٰ بن بکیر نے تاریخ کے بارے میں جو کچھ بیان کیا
 میں اس کی نفی کرتا ہوں۔ فانی الفیہ۔

امام بخاری نے اس کی یہ روایت تعدد طرق کی بنا پر اور لیث سے مروی ہونے کی
 بنا پر قبول کی ہے۔ چونکہ مضمون حدیث دوسری معتبر سند سے ثابت تھا۔ اس لئے ان سے
 بھی قبول کر لیا ورنہ قابل ترک ہے۔

صاحب مؤطا حبیب ابن حبیب نے کہا کہ یحییٰ ابن بکیر رافضی تھا۔ وضاع اور
 کذاب تھا۔ یہ صاحب لغت بھی نہیں تھا۔ اور بیشتر مصری رواۃ روایات میں غیر محتاط
 ہیں۔

روایت تزوج یونس بن یزید کی زندگی ہی میں چل چکی تھی، ممکن ہے فاقدا و
 کا جملہ بھی ان کی زندگی ہی میں معرض وجود میں آچکا ہو اور اس کے ساتھ ہی اناجاریہ
 بھی۔ لیکن پھر بھی قیاس یہی ہے کہ جن لوگوں نے زہری اور اس کے دور کو دیکھا ہے
 ان سے توقع نہیں ہے کہ ان نئے خیالات اور نئی معلومات کو قبول کر لیں، جنکا وجود ہی
 قدماء کے دور میں نہیں تھا۔ آخر ان لوگوں نے برسوں اساتذہ کے پاس رہ کر اخذ علم
 کیا تھا۔ اس قسم کی کوئی بات تو ان کی زبان سے سننے اور عام طور سے نقل ہوتی، لیکن یہ تو
 باتیں ہی نئی تھیں۔ انہیں یہ بزرگوں کی آنکھیں دیکھنے والے کیسے قبول کرتے۔ جو جملے
 یا خیالات طبقہ تاسعہ میں پیدا ہوئے وہ اس سے پہلے طبقہ میں کیسے پہنچ جاتے اور کیسے

مقبول ہوتے۔ یہ تو طبقہ تاسعہ اور اس کے بعد کے طبقات نے قبول کئے۔ اور اپنی اپنی روایات میں جو انہیں اپنے اساتذہ سے پہنچی تھیں ان کا اُسی جگہ اضافہ کیا جہاں ان جملوں کے موجد اول یعنی عبدالرزاق نے لگایا تھا۔ اور ان لوگوں نے اُسے اضافہ ثقہ سمجھ کر قبول کر لیا۔

۴ فلیح بن سلیمان بن ابی المغیرہ | فلیح، زہری، نافع مولیٰ ابن عمر ہشام اور یحییٰ بن سعید سے روایت کرتے ہیں۔ اور ان سے روایت کرنے والے زیادہ ابن سعد ہیں جو ان سے بڑے ہیں۔ ان کے بارے میں :-

عثمان دارمی نے یحییٰ بن معین کے حوالہ سے لکھا ہے کہ "ضعیف" "لیس بالقوی" لا یحتج بحديثه۔

ابو عاتم کہتے ہیں لیس بالقوی۔

آجری کہتے ہیں میں نے ابو داؤد سے پوچھا آپ کو معلوم ہے کہ یحییٰ بن سعید "کان یقشع من احادیث فلیح"۔

یحییٰ بن معین کا بیان ہے کہ ابو کامل مظفر بن مدرک یتکلم فی فلیح۔ کیونکہ ابو کامل کے خیال کے مطابق اس وقت عام طور سے عکس کیا جاتا تھا کہ یتبادل رحال الزہری و یتبادل رحال مالک۔ قال ابو داؤد و هذا اخطأ عندی۔

قال ابن معین عاصم بن عبد اللہ و ابن عقیل و فلیح لا یحتج بحديثهم۔

نسائی فرماتے ہیں :- "ضعیف"

ابن عدی کی رائے ہے :- فلیح احادیث صالحہ و غریب

علی ابن المدینی کہتے ہیں :- "کان فلیح و اخوه ضعیفین"

ابن معین :- ضعیف

حاکم :- اتفاق الشیخین یقوی امره

برکی نے ابو داؤد سے نقل کیا "لیس بشیء"

طبری کا بیان ہے کہ منصور نے فلیح کو صدقات کا حکم بنا دیا تھا۔ یہ صلہ تھا اس بات

کا کہ فلیح نے منصور کو اطلاعات پہنچائی تھیں کہ بنی حسن کو قید کر دو کہ یہ لوگ آپ کے خلاف سازشیں کرتے ہیں۔ اس پر منصور نے محمد بن عبد اللہ بن حسن کو طلب کر کے باز پرس

کی تھی ۔

ابن قطن کہتے ہیں کہ سب سے شدید الزام ان پر یہ ہے بلکہ ایک حد تک ثابت ہے کہ صحابہ کے اقوال میں رد و بدل کر دیتے تھے ۔ وفات ۶۸۰ھ (تہذیب التہذیب ص ۱ جلد ۱) ان حالات کے پیش نظر ہو سکتا ہے کہ یہ اضافہ خود فلیح بن سلیمان نے قبول کر لیا ہو ۔ لیکن گمان غالب یہ ہے کہ ابو الربیع سلیمان بن داؤد نے فلیح کی روایت کو اس اضافہ سے ” مکمل “ کیا ہے ۔

حدیث افک میں انا جاریہ کی مزید تفصیل | زہری کی حدیث افک میں انا

جاریہ تین جگہ آیا ہے ۔ اور تینوں ہی جگہ توجہ کے طور پر آیا ہے ۔ پہلی جگہ تو وہ ہے جب ہودج اٹھانے والے خالی ہودج کو یہ سمجھ کر لے گئے ۔ کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اس میں موجود ہیں ۔ حالانکہ آپ اس میں موجود نہیں تھیں بلکہ مار کی تلاش میں گئی ہوئی تھیں ۔ اس موقع پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی زبان سے کہلوا یا گیا انا جاریہ حدیث السنن ۔ یعنی مجھے ایسے موقع پر مار تلاش کرنے نہیں جانا چاہیے تھا ۔ اس لئے کہ قافلہ سے رہ گئی تھیں ۔ تو گویا اپنی نادانی ظاہر کرنے کے لئے یہ جملہ استعمال کیا ہے ۔ یا اس جملہ کا مطلب یہ ہو کہ میں پتلی دُبی کم عمر بچی تھی ۔ وزن کم تھا ۔ اٹھانے والوں نے محسوس نہیں کیا اور خالی ہودج کو اٹھا کر رکھ دیا ۔

دوسری جگہ بریرہ کی زبان سے کہلوا یا ۔ ” الا انها جاریہ حدیث السنن تمام عن عجین اہلہا فیا فی الداجن فتاکل العجین “ یعنی کم عمر بچہ ہونے کی وجہ سے مزاج میں غفلت تھی ۔ تیسری جگہ حضرت یعقوب علیہ السلام کا نام یاد نہیں آیا تو اس میں آپ کی زبان سے ادا کر دیا

و کنت جاریہ حدیث السنن لا احفظ کثیرا من القرآن ۔

یعنی نام بھول جانے کی وجہ یہ تھی کہ میں بچی تھی ۔ مجھے تو قرآن بھی زیادہ یاد نہیں تھا ۔ تبصرہ | اب تحقیق یہ کرنا ہے کہ آیا یہ جملے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بھی ہو سکتے ہیں ۔ یا نہیں ۔ اور ہمارا موقف یہ ہے کہ یہ جملے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے نہیں ہو سکتے ۔

اس لئے کہ : اول تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے جس وقت یہ واقعہ بیان کیا ہوگا ۔ اس وقت وہ

بھی تھی ہی نہیں۔ اس لئے ان کی زبان پر ایسا فقرہ آ ہی نہیں سکتا تھا کہ جس میں شائبہ خفت بھی ہو دوسرے ان کی اپنی زبان سے اپنے متعلق یہ تنقیصی بیان کہ لا احفظ کثیرا من القرآن بالکل مقتضائے حال کے خلاف ہے۔ اس لئے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو تو وہ سارا قرآن یاد تھا جو اس وقت تک نازل ہو چکا تھا۔ بلکہ شانِ نزول اور مواقعِ نزول بھی یاد تھے۔ کیونکہ ان کی اپنی زبانی بخاری میں روایت ہے کہ جب آیت یٰلِ السَّاعَةِ موعِدْهُمْ کے میں نازل ہوئی تو مجھے اچھی طرح یاد ہے۔ اسی طرح یوسف بن ماہک کی اسی روایت میں ہے کہ سورۃ بقرہ اور سورۃ نساء جب اُنہیں تو میں آپ کے پاس تھی۔

بریرہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی باندی تھیں۔ اور کم عمر تھیں جن کی وفات حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت کے آخر میں ہوئی۔ ان کی زبان سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے متعلق کم عمری کا بیان کسی طرح زیب نہیں دیتا۔

تیسرے جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے یہ روایت عروہ کو سنائی تو آپ بالکل بوڑھی تھیں۔ اور اس وقت وہ تاثرات بالکل ختم ہو چکے تھے جو اس واقعہ کے وقت ذہن میں ہوں گے۔ اس لئے یہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا کلام تو کسی صورت سے نہیں ہے۔

پھر کیا عروہ وغیرہ نے صرف توجیہ کے طور پر بڑھا دیا ہے ؟

یہ بھی غلط ہے۔ اس لئے کہ عروہ کی روایت جو ان کے بیٹے ہشام کے ذریعے بیان کی جا سکتی ہے۔ اس میں کہیں بھی یہ جملہ نہیں ہے۔ حالانکہ ہشام روایتِ تزودج کے راوی ہیں۔ اور لعب بالبنات کے راوی ہیں۔ لیکن ان کا یہ خاص ذہن اس روایتِ انک میں شامل نہیں ہوا۔ اس سے یہ بھی عیاں ہو گیا کہ روایتِ تزودج ہشام کی زندگی کے بالکل آخر میں مرتب ہوئی ہے۔ اور یہ روایت اس سے پہلے کی ہے۔

علقمہ بن وقاص کی روایت جو علیحدہ پائی جاتی ہے۔ اس میں بھی یہ جملہ نہیں ہے۔

عبید اللہ اور سعید بن المسیب کی روایت میں بھی یہ جملہ نہیں تھا۔

زہری کے اس روایت کو ترتیب دینے سے پہلے اس واقعہ کے متعلق صرف اشارے ملتے ہیں۔ مثلاً ام رومان کی روایت بخاری میں ہے جس میں اس واقعہ کی کوئی تفصیل نہیں ہے

ہم روایتِ زہری پر مفصل بحث کے وقت اسے پوری طرح واضح کریں گے۔

یہ روایت سیرۃ کے درجے کی روایت تھی اسی لئے اصحابِ سیرہ کے بیان کرنے

کی چیز تھی۔

۱۔ محدثین میں سے متقدمین نے اسے نہیں لیا۔ اور سند امام اعظم میں بھی یہ روایت موجود نہیں ہے۔

۲۔ مؤطا میں بھی یہ روایت نہیں ہے۔

۳۔ کتاب الام بھی اس روایت سے خالی ہے

۴۔ ابوالی معمر میں یہ روایت نہیں ہے۔

۵۔ ابوداؤد طیالسی (المتوفی ۲۵۴ھ) کی مسند میں بھی یہ روایت منقود ہے۔

سب سے پہلے اس روایت کو عبدالرزاق نے (غالباً) اپنے مصنف میں ذکر کیا۔ اور عبدالرزاق کے واسطے سے امام احمد نے اپنے مسند میں اس روایت کا ذکر کیا۔

غرض تمام کتب احادیث میں عبدالرزاق کی روایت مختلف اسناد سے مذکور ہے۔

اس کی زبان کی ترتیب و تہذیب عبدالرزاق کی کار پر وازی ہے۔ پہلے اس نے اپنے مصنف میں رکھا اور پھر وہیں سے امام احمد نے اسے قبول کر لیا۔

نوبت بایں جا رسید کہ اب یہ روایات تحریری زبان میں ہیں۔ تغیر الفاظ نہ ہونے کے

برابر ہے۔ صرف اسناد مختلف ہیں۔ حتیٰ کہ اس روایت زہری کو تو متاخرین نے متواتر کے قریب پہنچا دیا ہے۔

روایات کے ابتدائی دور میں نفس واقعہ کے متعلق جو کچھ بیان ہوتا تھا مختصر ہوتا

تھا اور عام طور سے روایت بالمعنی ہوتی تھی۔ الفاظ روایت کا تعین اور مقررہ ڈھانچہ تو

بعد میں ظہور میں آیا۔ اس لئے بعض رواۃ نے وضاحت روایت کے خیال سے یا مضمون

روایت کو تشنہ عکس کر کے روایت کی تشریح اور توجیہ میں جو کچھ کیا بعد کے رواۃ نے

اسے بھی روایت کا جزو بنا دیا۔ یا بعض رواۃ نے کسی دوسری مختصر روایت کو جو کسی دوسرے

موقع پر آئی تھی یا کسی دوسری ثابت شدہ روایت کا کوئی حصہ اپنی طویل روایات میں دلیل کے

طور پر یا کلام میں حسن پیدا کرنے کے لئے رکھ لیا۔ بعض فنکار رواۃ نے اپنے خاص مقصد

کے لئے دوسری روایتوں سے کوئی مفہوم اخذ کر کے متعین اور طویل روایتوں میں جہاں مناسب

نظر آیا رکھ دیا۔ اور بعض نے تو اپنی طرف سے نیا مفہوم ان روایات میں شامل کر دیا۔ جیسا کہ

ہم پہلے کھیل کی روایات میں ثابت کر چکے ہیں (اور اس روایت افک کے تفصیلی جائزے

کے وقت آئندہ ثابت کریں گے)

اضافہ ثقل چونکہ اصل روایت کسی ایک معتبر سند سے ثابت شدہ حقیقت

ہوتی ہے اس لئے اس میں ایک آدھ جملے کا اضافہ بار نہیں ہوتا

اور یہ خیال کیا جاتا ہے کہ یہ اضافہ ثقہ ہے لہذا معتبر ہے۔ اس ثقہ کو یہ روایت کامل پہنچی ہے اور دوسروں کو ناقص یا مجمل پہنچی ہے۔ اس اضافے کو روایت کا جزو بنا کر قبول کر لیا جاتا ہے۔ اور اس طرح اپنی دانست میں ناقص روایات کو کامل بنا لیا جاتا ہے۔ ارباب درس و تدریس اس حقیقت سے بخوبی واقف ہیں اور وہ اسی ضابطہ کی روشنی میں بہت سی روایات کی توجیہ و تطبیق کیا کرتے ہیں۔

ارباب جرح و تعدیل نے اگرچہ اس ادراج کو نظر انداز تو نہیں کیا لیکن اس قسم پر جتنی زیادہ توجہ کی ضرورت تھی اس میں بہت زیادہ کمی نظر آتی ہے۔ اب حدیث کا دار و مدار سند پر ہے۔ اگر سند قوی ہے تو مضمون روایت خواہ کیسا ہی مستبعد ہو اسے قبول کر لیا جاتا ہے اور توجیہ یا تاویل سے اس کی خامی کو پورا کر دیا جاتا ہے۔

اہل ہوائی و زلیغ کے لئے سب سے مامون اور محفوظ راستہ یہی ہے کہ وہ اپنے خیالات کو کسی مستند حدیث میں کسی مناسب جملہ کی شکل میں مناسب جگہ رکھ دیں۔ اس طرح ان کا یہ کھوٹ کھوٹے عرصہ میں روایت کا جزو بن جاتا ہے اور یہ روایت کامل تصور ہوتی ہے اور اصل روایت ناقص خیال کی جاتی ہے۔ تعدد طرق کی بنا پر اس روایت میں پہلی روایت سے زیادہ جان پیدا ہو جاتی ہے۔ کیونکہ یہ روایت اصل روایت سے زیادہ مضمون پر مشتمل ہوتی ہے۔

وضع حدیث کی نشاندہی کافی تحقیق اور تدقیق سے کی گئی ہے۔ لیکن وضع کی اس خاص قسم پر بہت کم لکھا گیا ہے۔ بہت سی روایات میں جو بے محل یا بے سیل اور غیر متعلق جملے یا غیر مربوط مضمون نظر آتا ہے یہ اسی خاص ذہن کے رواۃ کا کارنامہ ہے۔

”انا جاریۃ“ زہری کا جملہ نہیں ہے | روایت زہری میں انا جاریۃ

کا جملہ زہری کا نہیں ہے بلکہ بعد میں شامل کیا گیا ہے اور اضافہ ثقہ کے اصول سے اس روایت کا جزو بنا ہے۔

زہری اپنی زندگی میں اس حقیقت سے بے خبر تھے۔ زہری کی یہ روایت تمام ارباب سنن اور مصنفین معجمات نے ذکر کی ہے۔ مصنف عبدالرزاق کے بعد جتنی کتابیں حدیث میں لکھی گئی ہیں ان سب میں یہ روایت موجود ہے۔ کسی کتاب میں مفصل ہے اور کسی میں مجمل۔

(سند کے لحاظ سے بھی اس روایت کے درجات مختلف ہیں)

زہری سیر اور مغازی میں امام ہیں۔ اس وقت تو تمام مغازی اور سیر کا ذخیرہ انہی سے منقول ہے۔ ہمیں زہری کے قدیم ماخذوں میں تزوج کے وقت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی صغیر سنی کا ذکر نہیں ملتا۔ اگر زہری اس حقیقت سے باخبر ہوتے تو خوب تفصیل سے اس مسئلے کو بیان کرتے۔ ارباب سیر کے ابوالآبا ہیں۔ رائی کو پرہت بنا نا خوب آتا ہے۔ داستانوں کو پھیلا کر بیان کرنا جانتے ہیں۔ درباروں میں رہے ہیں۔ اس لئے اقسام سخن پر پورا عبور ہے۔

سیر و مغازی میں زہری کے دو تلمیذ ہیں۔

محمد بن اسحاق

۲

موسے بن عقبہ

۱

یہ دونوں حضرات مغازی اور سیر میں سند ہیں۔ اور فن تاریخ کے اس باب میں ان کا قول حرف آخر ہے۔

موسے بن عقبہ کی کتاب ضائع ہو چکی ہے۔

محمد بن اسحاق سے یہ روایت دو کتابوں میں مرقوم ہے۔

ابن اسحاق کی اپنی کتاب "سیرت ابن اسحاق" میں انہوں نے خود یہ روایت زہری سے اور زہری کی روایت کے ساتھ عبد اللہ بن ابی بکر کی روایت عمرہ سے، اور یحییٰ بن عباد بن عبد اللہ بن الزہری کی روایت اپنے باپ عباد سے اور عباد کی روایت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بیان کرتے ہوئے ان تینوں روایات کو ملا کر ایک روایت بنا کر پیش کیا ہے اور اس میں بھی انا جاریۃ حدیثۃ السن کا جملہ کہیں موجود نہیں ہے۔

سیرت ابن اسحاق اس اضافہ سے خالی ہے | محمد بن اسحاق نے اپنی کتاب سیرت ابن اسحاق

منصور عباسی کی خدمت میں پیش کی تھی۔ عباسی دور ۱۳۲ھ سے شروع ہو چکا تھا۔ منصور اپنے چھوٹے بھائی سفاح کی اچانک وفات (۱۳۶ھ) کے بعد برسر اقتدار آیا۔ اور تھوڑے ہی عرصہ میں اپنی حکومت کو مستحکم کر لیا۔ ابن اسحاق نے ۱۴۴ھ کے قریب یہ کتاب منصور کی خدمت میں پیش کی اور اسی کتاب کے ذریعے منصور کا تقرب حاصل کیا اور دوبارہ میں مقام حاصل کیا۔ زان بعد بغداد میں مستقل سکونت اختیار کر لی، سرکاری سرپرستی حاصل ہونے کی وجہ سے اس کتاب کی خوب تشہیر ہوئی۔ اس کتاب میں زہری ہی کی روایت ہے اور وہ موجودہ دور کی کتابوں میں لکھی ہوئی اس روایت سے کچھ زیادہ مختلف تو نہیں ہے البتہ اتنا ضرور ہے کہ ابن اسحاق کا بیان فطری انداز لئے ہوئے ہے۔

محمد بن اسحاق ۱۵۱ھ تک زندہ رہے۔ اس وقت تک ان کی یہ کتاب ضائع ہو چکی تھی۔

اگر زہری کی روایت میں یہ جملہ ہوتا تو محمد بن اسحاق کو زہری کے ۲۳ تلامیذ میں سے کوئی تو بتلانا کہ تم نے استاد زہری کی روایت میں سے یہ جملہ ترک کر دیا ہے لیکن اسے ایک کسی نے بھی محمد بن اسحاق کو اس غلطی سے آگاہ نہیں کیا۔

ہمارے ذخائر علمیہ میں قدیم ترین کتاب سیرت ابن اسحاق ہے۔ چونکہ اس کتاب کا ایک نسخہ شاہی کتب خانہ میں تھا اس لئے اس کتاب میں لفظ مشکل تھا۔ اس لئے ابن اسحاق کی کتاب اس اضافہ سے محفوظ رہی۔

یہ اضافہ اس روایت میں کسی ایسے شخص کا ہے جو تزوج عائشہ رضی اللہ عنہا سے متاثر ہے اور لعب بالبنات کی روایت سے باخبر ہے۔ اور کسی علی ذخیرے پر اس کی دسترس ہے۔ پھر اس کے ساتھ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ناخوش بھی ہے اور خفیہ طریقہ سے ان کی تحقیر کا خواہاں ہے۔ زہری کے ان چاروں رواۃ میں سے ایک راوی بھی ایسا نہیں جو حضرت عائشہ کی تحقیر چاہتا ہو۔ پھر آگے ان کے تلامیذ کا جائزہ لیا تو معمر کے تلمیذ عبدالرزاق میں یہ سب "صفات" پائی گئیں۔

عبدالرزاق کے سوا اس اضافے کا کوئی مرتکب نہیں

عبدالرزاق ہی نے لعب بالبنات سے مفہوم اخذ کر کے تزوج کی روایت میں شامل کیا اور "زفت الیہ" اہدیت الیہ۔ ولعبا معہا" بنا دیا اور پھر اسی شخص نے فاقد سروا کا زہری جملہ انشاء کر کے حبشہ کے کھیل والی روایت میں شامل کیا اور ادراج کے ذریعے اس روایت کا جزو بنا دیا۔

اسی شخص نے اس روایت کی تہذیب کے وقت معمر کی روایت میں تین جگہ انا جاریۃ حدیثۃ السن کا اضافہ کیا۔ اور معمر کے نام پر روایت چالو کر دی۔ اور ایک جگہ تو ان کی اپنی زبان میں ان پر یہ الزام دھرا کہ **ہے تک حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے قرآن پڑھا ہی نہیں تھا۔ قرآن کا کثیر حصہ ایسا تھا جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے نہیں پڑھا تھا (نغوذ باللہ)** "لا اقرا کثیرا من القرآن"

اور یہ اسی شخص کا کام ہو سکتا ہے کہ جو بہر نوع تحقیر عائشہ رضی اللہ عنہا پر تلا ہوا ہو معمر کی روایت کے معتبر ترین راوی ہی عبدالرزاق ہیں۔

زہری کے ان تلامیذ میں سے جن کی روایت میں انا جاریۃ حدیثۃ السن پایا جاتا ہے پہلے راوی جن کا ذکر ہم صفحات گذشتہ میں کر چکے ہیں۔

صالح بن کیسان حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں یہی جانتے تھے کہ ان کا نکاح سن
 رشد میں ہوا۔ اس لئے کہ تزوج عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہشام ان کی وفات کے بعد
 ظہور میں آئی ہے۔ لعب بالبنات کی روایت بھی بعد میں ظاہر ہوئی۔ کیونکہ
 ان دونوں کے واحد راوی ہشام ہیں جنہوں نے اس کا انکشاف اپنے عراق کے تیسرے
 سفر میں کیا۔ جبکہ صالح بن کیسان مدینے ہی میں رہے اور نہایت طویل عمر پا کر ۱۳۱ھ
 میں وفات پا گئے۔ انہوں نے اپنی طویل عمر میں کئی دور دیکھے اور ان تمام ادوار میں تزوج عائشہ
 والی روایت کے مفہوم کا نام و نشان تک نہیں پایا جاتا۔ ایسے حالات میں وہ کیسے اس روایت
 کے حقیقی راوی بن سکتے ہیں۔

دوسری طرف اناجاریۃ حدیثۃ السن کے جملے سے خود ہشام نا آشنا ہیں۔ اس
 لئے کہ یہ جملہ ان کی روایت میں موجود نہیں ہے۔ اور نہ ہی انہوں نے زندگی بھر حضرت عائشہ
 کے بارے میں یہ جملہ سنا اور نہ خود استعمال کیا۔ اندریں حالات لا محالہ یہ جملہ بلکہ یہ سب جملے
 عبدالرزاق ہی کے زرخیز دماغ کی پیداوار ہیں۔ اور ہماری دیانت دارانہ تفتیس اسی کا فیصلہ کرتی
 ہے۔ اب جن جن روایتوں میں یہ جملہ پایا جاتا ہے وہ ضرور عبدالرزاق کے دور کے بعد
 کے راوی ہیں۔

صالح کی روایت میں سب سے پہلے اس اضافے کو یا ابراہیم بن سعد نے قبول کیا
 یا ان کے بیٹے یعقوب نے۔ اور پھر اس کے بعد اس طبقہ کے دوسرے لوگوں نے معتد راوی
 کے اعتماد پر اپنی روایات کی کمی اس اضافہ سے پوری کر لی۔

معمربن راشد کی امالی میں یہ جملہ نہیں تھا۔ اگرچہ معمربن زہری کے تلمیذ ہیں لیکن ان کا
 تلمذ صرف زیارت، عرض علم اور کسی صحیفے کی اجازت تک ہی محدود تھا۔ یعنی
 مدینہ کے ایک سفر میں کچھ وقت نکال کر رضافہ کے مقام پر زہری کی زیارت کی۔ اُن
 پر اپنا علم پیش کیا اور اس کے بعد ان کے کسی صحیفے کی اجازت لے کر واپس آ گئے۔
 ہمارا خیال یہ ہے کہ یہ بھی عبدالرزاق وغیرہ کا پروپگنڈا ہی ہے کہ معمربن زہری میں سند
 ہیں تاکہ اس کی آڑ میں زہری کی طرف منسوب کردہ روایتیں بیان کی جاتی رہیں۔ اور اس
 طرح امالی معمربن زہری کے نام پر جو رطب و یابس چاہیں داخل کر دیا کریں۔ ورنہ
 مذکورہ بالا واقعات کی موجودگی میں معمربن زہری کا تلمیذ کہنا بھی مشکل ہے۔

اس کے برخلاف محمد بن اسحاق مدینے کے رہنے والے ہیں۔ احرار میں سے ہیں۔
 کسی کے غلام نہیں تھے کہ آقا کی خدمت سے وقت نہ بچتا ہو۔ بہر سول زہری کے ساتھ

رہے۔ زہری خود اپنے تلامیذ کو ہدایت کرتے تھے کہ مغازی ابن اسحاق سے حاصل کر دے۔ زہری شہزادوں کے اتالیق تھے۔ ہر شخص سے ملنا بھی گوارا نہیں کرتے تھے۔ دروازے پر دربان رہتا تھا جو آنے جانے والوں کو روکتا رہتا تھا۔ بغیر اجازت کوئی اندر نہ جاسکتا تھا سوائے محمد بن اسحاق کے جن کے لئے دربان کو ہدایت تھی کہ یہ جس وقت چاہیں اندر آ سکتے ہیں۔

جامع معمر میں یہ روایت ہی نہیں ہے

اگر زہری کی روایت میں یہ جملہ ہوتا تو محمد بن اسحاق کی روایت میں

ضرور ہوتا چاہیے۔

روایت زیر بحث کے تیسرے راوی یونس بن یزید نے بھی ہمارے خیال میں اس اضافہ کو قبول نہیں کیا۔ اس لئے کہ زہری کے دور کے تلامیذ بھی وہی ذہن رکھتے تھے جو زہری کا تھا۔ اور اس ذہن میں اس کی گنجائش کم تھی کہ وہ اس قسم کی نئی اور نادرا ایجادات حاصل کرتے۔ اس لئے قرین صواب یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ اضافہ بعد کے طبقہ کے راوی کا اضافہ ہے۔

اس روایت کے چوتھے راوی فلیح بن سلیمان کے بارے میں گمان کیا جاسکتا ہے کہ انہوں نے اس اضافہ کو قبول کر لیا ہو۔ اس لئے کہ یہ دیر تک زندہ رہے۔ اور ان کا سال وفات ۱۶۸ھ ہے۔ لیکن گمان غالب ان کے بارے میں بھی یہی ہے کہ اس اضافے کو ان کے بجائے ان کے شاگرد ابو النبیح سلیمان بن داؤد نے قبول کر کے اپنے استاد فلیح بن سلیمان کی روایت کو بزعم خود مکمل کیا ہے

اب تحقیق طلب امر یہ رہ جاتا ہے کہ عبدالرزاق نے اس جملہ کا اضافہ اس روایت میں کب کیا؟

اس سوال کا جواب ہم کسی تاریخی دستاویز سے یقینی طور پر اگرچہ نہیں دے سکتے لیکن قرآن کی دلالت اس بات کی طرف رہنمائی کرتی ہے کہ انہوں نے اس اضافہ کا متبرک تحفہ اہل شام کو اپنے اس سفر میں دیا ہو گا جس کے دوران الاونماعی کی وفات واقع ہوئی ہے۔

عبدالرزاق کے متعلق اتنا معلوم ہے کہ انہوں نے معمر کی وفات کے بعد اور اوزاعی کی وفات سے پہلے شام کا سفر کیا۔

معمر کی وفات ۱۵۳ھ یا ۱۵۴ھ میں ہوئی اور الاوزاعی کی وفات کا سال ۱۵۷ھ ہے۔ دروز کی وفات کے درمیان تین سال کا وقفہ ہے اور اسی وقفہ میں عبدالرزاق نے بغرض تجارت شام کا سفر کیا ہے۔ اسی سفر میں حج بھی کیا اور علماء سے استفادہ بھی کیا۔ اس سفر سے واپسی کے بارے میں بھی ہمیں کوئی تاریخ معلوم نہیں ہے۔ یہ بھی معلوم نہیں ہے کہ انہوں نے دوبارہ بھی سفر شام کیا یا نہیں۔

یہ تاریخی اشارات ہمارے اس قیاس کی بنیاد بن سکتے ہیں کہ چونکہ یہ تجارت کی غرض سے شام گئے تھے اس لئے وہاں کچھ عرصہ قیام کیا ہوگا۔ اور الاوزاعی کی وفات کے وقت یہ شام ہی میں ہوں گے۔ بیروت تو اس زمانہ میں بڑی جگہ نہیں تھی اس لئے وہاں تو تجارت کرنے کا سوال ہی نہیں تھا۔ وہاں تو کبھی کبھی استفادے اور افادے کی غرض سے الاوزاعی کے پاس چلے جاتے ہوں گے اور تجارت شام کے کسی دوسرے بڑے شہر میں کرتے ہوں گے۔ اسی سفر میں یہ شام والوں کو فاقہ سدا کا تحفہ دے کر آئے ہیں۔ جسے الاوزاعی کے شاگردوں نے تبرک اور حکمتہ ضالہ سمجھ کر الاوزاعی کی حبشہ والی روایت میں چسپاں کر لیا۔ اور کسی نے بھی یہ ظاہر نہ کیا کہ یہ اضافہ ہم نے عبدالرزاق سے لیا ہے۔

عبدالرزاق کا مقصد پورا ہو گیا۔ عبدالرزاق اس سفر سے ۱۶۰ھ کے بعد ہی

واپس آئے اور مستقل سکونت صنعاء میں اختیار کر لی۔

عبدالرزاق نے یہ انشاء پردازی معمور کی وفات کے بعد کی ہے

اسی دوران میں یعنی معمور کی وفات کے بعد عبدالرزاق نے مسلک تشیع بھی اختیار کیا اور یہ ایک عام بات ہے کہ جب کوئی شخص کسی دوسرے ملک میں داخل ہوتا ہے تو اس نئے ملک والوں کی خدمت میں ان کے دلچسپ تحفے بھی لیکر جاتا ہے۔ اور یہ تحفہ تحقیر عائشہ کے مذکورہ بالا جملے ہیں۔ جن سے بڑا تحفہ شیعہ مسلک کے لئے کوئی دوسرے نہیں ہو سکتا۔

چونکہ معمور کے علوم کے یہ واحد راوی ہیں اس لئے انہوں نے معمور کی وفات کے بعد معمور کی اپنے ہاتھ کی لکھی ہوئی **المجامع** میں یا خود عبدالرزاق نے اپنے ہاتھ کی لکھی ہوئی **المجامع** میں یہ تصرفات کئے۔ یعنی نامناسب اور غیر واقعی جملوں کا اضافہ کیا آج بھی معمور کی کتاب **المجامع**، مصنف عبدالرزاق کا جزو ہے۔ یہ اس کے واحد راوی ہیں۔ اور ہم معمور تک ان کی دسالت کے بغیر پہنچ ہی نہیں سکتے۔

حتیٰ کہ صحیفہ ہمام بن منبہ کے بھی واحد رادی یہی ہیں۔ لیکن ان کا ذہن حضرت عائشہؓ اور دیگر صحابہؓ غیر اہل بیت کے بارے میں نہ ہر اکود ہے۔ حدیث کے ہر سنی صحیح العقیدہ طالب علم کا فرض ہے کہ وہ ان کی مرویات کا جائزہ عقیدت مندی کے بجائے تحقیق و تفتیش کی نگاہ سے لے کر اپنا اطمینان کر لیا کرے۔

علمائے نقد حدیث اس بات کی تصریح فرما چکے ہیں کہ معمر کا ایک بھتیجا رافضی تھا اس نے معمر کی روایات میں مونسوع روایات شامل کر دیں۔

اگر یہ بات تسلیم کر لی جائے اور اس طرح عبدالرزاق کو بچا بھی لیا جائے تب بھی معمر کی روایات تو حضرت عائشہؓ کے بارے میں مشکوک ہو گئیں۔ اس لئے نہیں کہا جاسکتا کہ فاقدرہ اور انا جاریۃ معمر کا اپنا کلام ہے یا ان کے رافضی بھتیجے کا بڑھایا ہوا ہے۔

یہ مان لینے کے بعد بھی عبدالرزاق کا دامن صاف نہیں ہوتا۔ اس لئے کہ جو کچھ رافضی بھتیجے نے اضافہ کیا اسے شائع تو خود عبدالرزاق نے کیا۔ ورنہ ان کا دیانتدارانہ فرض تھا کہ وہ ان اضافات کو حذف کرتے اور اضافہ کرنے والے کو ناپسند کرتے۔

طبقات کی روشنی میں اضافات کا جائزہ | علمائے رجال نے اپنے تذکروں کو طبقات رواد کے لحاظ سے

ترتیب دیا ہے۔ اور ایک طبقہ تقریباً بیس سال کے عرصہ پر مشتمل ہوتا ہے۔ ہر طبقہ کے حفاظ علیحدہ علیحدہ ہیں۔ ایک طبقہ کے افراد آپس میں اقران کہلاتے ہیں۔ اور اس سے پہلے طبقے کے لوگ شیوخ خیال کئے جاتے ہیں۔ ہر طبقہ پہلے طبقہ سے اخذ حدیث کرتا ہے اور مابعد طبقہ کو تعلیم دیتا ہے۔ اصحاب رجال جب کسی شخص کے حالات بیان کرتے ہیں تو پہلے اس کے شیوخ کا ذکر کرتے ہیں اور پھر تلامذہ کا۔ اگر کوئی شخص غیر معمولی صلاحیت کا مالک ہو تو ظاہر کر دیتے ہیں کہ اس سے اس کے فلاں فلاں شیخ نے بھی روایت اخذ کی اور فلاں فلاں نے اقران میں سے روایت لی۔ گویا کسی شیخ کا اپنے تلمیذ سے اخذ روایت کرنا یا کسی قرن کا قرن سے اخذ روایت کرنا ایسا اہم معاملہ ہے کہ اس کا اظہار ضروری ہے۔ ورنہ تدلیس ہو جائے گی۔ اور کبھی یہ ہوتا ہے کہ راوی جس سے اخذ روایت کرتا ہے اسے ظاہر نہیں کرنا چاہتا۔ کیونکہ ماخوذ عنہ کبھی تو عمر میں چھوٹا ہوتا ہے اور کبھی مرتبے میں چھوٹا ہوتا ہے۔ کبھی ضعیف ہوتا ہے۔ اس لئے راوی اسے چھوڑ کر کسی اور طرف نسبت کر دیتا ہے۔ غرض قاعدہ عمومیہ یہ ہے کہ مابعد طبقہ ماقبل طبقہ

سے روایت کرتا ہے۔ اور اس کے خلاف اگر پایا جائے تو وہ مستثنیات میں سے ہے۔
طبقات کے لحاظ سے ہم ان جملوں کو دیکھتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ ان دونوں جملوں
کی ایجاد اور ان کا انشاء طبقہ تاسعہ میں ہوا۔ کیونکہ یہ جملے عبدالرزاق نے اختراع کئے ہیں
اور وہ طبقہ تاسعہ کے راوی ہیں۔

اب قاعدے کے لحاظ سے یہ جملے طبقہ عاشرہ میں منتقل ہوتے چاہئیں۔ لیکن چونکہ یہ معمر
کے نام سے جاری کئے گئے ہیں۔ اس لئے یہ طبقہ سابعہ تک پہنچ گئے ہیں۔ یعنی نسبت کے لحاظ
سے سابعہ تک پہنچ گئے۔ وقوع کے لحاظ سے طبقہ تاسعہ میں ہی رہے۔ اس لئے جو علماء
اس وقت موجود تھے ان میں زیادہ سے زیادہ ان جملوں کو معمر کا کلام خیال کرتے ہوئے طبقہ
تاسعہ نے قبول کر لیا ہوگا۔ ورنہ عام طور سے طبقہ عاشرہ نے اسے قبول کیا۔ اس لئے یہ جملے
جن روایات میں پائے جاتے ہیں ان میں ان جملوں کو شامل کرنے والے بیشتر طبقہ عاشرہ
کے رواۃ ہیں۔ اس سے کمتر طبقہ تاسعہ کے اور سب سے کم طبقہ ثامنہ کے۔ اور سابعہ کا کوئی
مہین ہے۔ جن روایات میں ان جملوں کا وجود ہے۔ ان کی اسناد میں طبقہ عاشرہ یا بعد کے
رواۃ پر انگلی رکھ دیجئے کہ اس سے اوپر نہ جائے۔

عبدالرزاق کے متعلق تصریح موجود ہے کہ ان کے شیوخ میں ان سے روایت کرنے والے
سلیمان بن عیینہ اور معمر بن سلیمان ہیں۔ یہ دونوں ان روایات کے راوی نہیں ہیں۔ نہ
قصۃ انک کے راوی ہیں اور نہ فاقدہما وا کے راوی ہیں۔

عبدالرزاق کے اقران میں سے ان سے روایت کرنے والے وکیع اور ابواسامہ ہیں۔
ابواسامہ معمر اور زہری کی روایت کے راوی نہیں ہیں۔ ہاں ہشام سے ان کی ایک روایت
مسلم میں آئی ہے جس میں فاقدہما وا ہے۔ لیکن ہم لکھ چکے ہیں کہ یہ کارنامہ ابوالہیثم
بن محمد بن سفیان کا ہے۔ اور اس کے دوسرے درجے پر الحسن بن بشر کا ہے۔ کہ انہوں
نے ابواسامہ عن ہشام کی روایت میں یہ جملہ اضافہ کر دیا۔

ابواسامہ قصۃ انک کے ہشام سے راوی بیان کئے جاتے ہیں۔ لیکن اس روایت
میں یہ جملہ انا جاریۃ حدیثۃ السن نہیں ہے۔

وکیع ان دونوں روایتوں کے راوی نہیں ہیں۔ اس لئے ان روایات میں ان جملوں
کے اضافہ کا مسئلہ بالکل واضح ہے۔ یہ اضافہ کرنے والے بیشتر رواۃ طبقہ عاشرہ کے ہیں۔
یہی وجہ ہے کہ ابوداؤد و طیالسی کی کتاب میں یہ روایت نہ آ سکی۔ یعنی اس تحریری
زبان میں نہ آ سکی۔ کیونکہ وہ خود طبقہ تاسعہ کا راوی ہے۔

رواۃ کے متعلق طبقات کی ترتیب ہم نے تقریب التہذیب سے لی ہے۔ تذکرۃ الحفاظ للذہبی میں ترتیب اس سے مختلف ہے۔ لیکن ہم نے حافظ ابن حجر کے بیان کو مقدم رکھا۔

ہودج کا ہلکاپن صغرسنی سے نہ تھا [چلتے چلتے ایک اچھٹی

ہوئی نظر اس تعلیل

پر بھی ڈال لیجئے کہ ہودج والے حضرت عائشہ رضہ کو پیچھے چھوڑ گئے کہ آپ جاریۃ الحدیثۃ السن محققین۔ حالانکہ خود حضرت عائشہ رضہ کا اسی روایت میں بیان ہے۔ وکان النساء اذا ذالت خفاً انما یا کلن الحلفۃ۔ حضرت عائشہ رضہ ہی دُبی پتلی نہ تھیں بلکہ تمام عورتیں کم خوراک ہونے کی وجہ سے دُبی پتلی تھیں۔ تو وجہ وہ خود بیان کر رہی ہیں۔ اور دوسری عورتوں کو بھی اس میں شریک کر رہی ہیں۔ تو صغرسنی اور کبرسنی کا سوال ہی نہیں ہے۔ عبدالرزاق نے جو یہ بیوقوف جملہ بڑھایا ہے۔ اس کی وجہ وہی بتلا سکتے ہیں۔

ہار تلاش کرنے کے لئے جانا بچپن تھا، یہ بھی غلط ہے۔ بلکہ یہ تو غایتِ خرم و احتیاط کی بات ہے کہ اپنی چیز کو ضائع نہ ہونے دیں (ہم اس پر مزید گفتگو روایت پر مفصل بحث کے دوران کریں گے۔

بریرہ کی زبان سے انہا جاریۃ حدیثۃ السن کہلوانا بھی مضحکہ خیز معلوم ہوتا ہے۔ اس لئے کہ بریرہ تو خود جاریہ تھیں تو وہ یہ وجہ کیا بتاتیں۔ اُن کی عمر تو حضرت عائشہ رضہ کی عمر سے زیادہ نہ تھی۔ مگر عبدالرزاق کا مقصد تو اس سے حضرت عائشہ رضہ کی عقلیت اور لا پرواہی کو ظاہر کرنا ہے۔

قالت قلت وانا جاریۃ حدیثۃ السن لا احفظ کثیرا من القرآن

اگر حضرت عائشہ رضہ کو حضرت یعقوب کا نام یاد نہ آیا تو اس کی وجہ نہیں جو عبدالرزاق نے بتلائی ہے۔ بلکہ رنج و غم اور شدتِ الم کی بنا پر ذہن نے کام نہیں کیا ہوگا۔ اور ایسے واقعات ہم خود اپنی روزمرہ زندگی میں دیکھ سکتے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ راوی کے ذہن پر اس درجہ بچپن کا تصور غالب آگیا ہے کہ ہر عمل میں اس کو حضرت عائشہ رضہ کا بچپن ہی نظر آتا ہے۔

حسب روایت زہری جو عورت دو رات اور ایک دن مسلسل روتی رہی ہو ایک لمحے کو بھی اس کی آنکھ نہ بھپکی ہو، اس افترا اور بہتان کے متعلق طرح طرح کے تصورات اس کے دماغ کو پریشان کر رہے ہوں وہ اگر کوئی نام بھول بھی جائے اور وقت پر یاد نہ آئے تو کون سے تعجب کی بات ہے۔ راوی نے اسے بھی بچپن کی دلیل بنالیا۔ اصل مضمون تو حضرت

عائشہ رضہ نہیں بھولیں۔ جس آیت سے استدلال کرتا تھا وہ تو انہیں پوری یاد تھی۔ یعنی
 بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ أَنْفُسُكُمْ أَمْراً ۖ فَصَبِرْ جَمِیلاً ۖ وَاللَّهُ الْمُسْتَعَانُ عَلَىٰ مَا
 تَصِفُونَ۔ اگر حضرت یعقوب کا نام یاد نہیں رہا اور وہیں سے اتر گیا تو ایسا ہو ہی جاتا
 ہے۔ ہم نے ایسے واقعات دیکھے ہیں کہ لوگ اپنا نام بھول گئے اور بیشتر لوگوں کو دیکھا
 جنہیں اپنے باپ کا نام یاد نہیں رہا۔ ۷۷۷ کے تبادلہ آبادی کے بعد آباد کاری کے دفتروں
 میں اکثر ایسے واقعات دیکھنے میں آئے ہیں۔ دوسری روایات اس نسیان کو ظاہر نہیں کرتیں۔
 پریشانی اور اضطراب میں ایسا ہوتا ہی رہتا ہے۔ تو کیا ان سب کی وجہ حادثہ السن ہی ہے
 ایک ذہین و فطین عورت جس کی آنکھ ہی قرآنی ماحول میں کھلی ہو۔ جس کے گھر میں
 ہر وقت تلاوت قرآن ہوتی ہو۔ جس کے بستر پر نازل قرآن ہوتا ہو۔ جسے بیت نبوت
 میں رہتے سہتے کئی سال ہو چکے ہوں اس کے متعلق یہ کہنا کہ لا احفظ کثیراً من
 القرآن۔ خود راوی کا بچپن ہے اور سوء ظنی۔

حضرت زید بن ثابت جو قرآن کے جامع ہیں اور جنہیں کم سنی کی وجہ سے جنگ احد
 میں شرکت کی اجازت بھی نہیں ملی تھی۔ ان کو تو سب سے کم قرآن آنا چاہیے!! ہمارے
 ہاں بیشتر بچے اور بچیاں نو دس سال کی عمر میں قرآن حفظ کر لیتے ہیں۔ حالانکہ ہمارے
 بچوں کی یہ مادری زبان نہیں ہے۔ تو کیا حضرت عائشہ رضہ (مشہور روایت کے مطابق)
 چودہ پندرہ سال کی عمر میں ان سے بھی کئی گزری تھیں کہ مادری زبان میں ہونے کے
 باوجود قرآن یاد نہ کر سکیں۔ اس وقت تک پورا قرآن اتر بھی نہ تھا۔

حضرت عائشہ رضہ خود فرماتی ہیں کہ مکتے میں جب آیت بَلِ السَّاعَةُ مَوْعِدُهُمْ
 اُتْرَی تو مجھے اچھی طرح یاد ہے جو عورت قرآن کے معافی اور مطالب کی بھی حافظ ہو ان کی
 طرف یہ نسبت لا احفظ کثیراً من القرآن خود راوی کا تطفل اور تلعب
 ہے اور حضرت عائشہ رضہ جیسی جلیل القدر شخصیت کے مقابلہ میں جرأت و بے باکی ہے۔
 ہمارے حفاظ قرآن جو چالیس چالیس محرابیں سنا چکے ہیں بسا اوقات ایسا ہوا کہ میں
 بھول گئے۔ اس لئے اتفاقی طور پر بھول جانا اور بات ہے اور لا احفظ کثیراً
 من القرآن اور بات ہے۔

عبدالرزاق کی سنگدلی | مذکورہ بالا بے موقعہ توجیہ سے معلوم ہو رہا ہے
 کہ عبدالرزاق حضرت عائشہ رضہ کے بارے میں
 تنگ دل ہی نہیں سنگ دل بھی واقع ہوئے ہیں۔ ان کی اس پریشانی اور مصیبت

ذکر کے وقت بھی اس کا دل نہیں فرماتا اور اس میں کوئی ہمدردی کا جذبہ پیدا نہیں ہوتا۔ اور مصیبت کی گھڑی میں حضرت یعقوب کا نام بھول جانے کی وجہ یہ بیان کرتا ہے کہ انہیں آتا ہی کچھ نہ تھا۔ نعوذ باللہ۔ استغفر اللہ۔ معلوم ہوتا ہے کہ عبدالرزاق کے داغ پر جنگ جمل مسلط ہے۔ اور وہ ادراک حقائق کے راستے میں حائل ہے۔

۱۔ فعین الرضا لمن کل عیب کبيلة۔ ولكن عین السخط بدی المساویا
زیر بحث اضافے جملہ عالیہ کی شکل میں ہیں۔ یعنی ”وانا جارية حدیثہ السن“
”و کنت جارية حدیثہ السن“ اس لئے اگر ان کو درمیان سے نکال بھی دیا جائے تو سیاق کلام میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ تسلسل کلام اسی طرح رہتا ہے۔ بلکہ کلام میں پہلے سے زیادہ روانی اور حسن بڑھ جاتا ہے۔ اور غیر ضروری اور غیر واقعی توجہات اور خلل انداز جملے درمیان سے نکل کر کلام کی سادگی عود کر آتی ہے۔

وہ روایات جن میں جارية حدیثہ السن کا جملہ لایا گیا ہے۔ اب ہم وہ نقل کرتے ہیں اور ان پر اصول حدیث کی روشنی میں مختصر تبصرہ بھی کرتے ہیں۔

جارية حدیثہ السن

والی روایات

۱۔ بخاری بروایت ابراہیم بن موسیٰ | حدثنا ابراہیم بن موسیٰ قال
حدثنا هشام بن یوسف | ان

ابن جریج أخبرهم قال أخبرني يوسف بن ماهك قال اني عند عائشة
امر المؤمنين قالت لقد انزل علي محمد صلى الله عليه وسلم بمكة
واني لجارية العب بل الساعة موعدهم والساعة اذهي وامره
(بخاری سورۃ قمر۔ باب قوله بل الساعة موعدهم)

ابراہیم بن موسیٰ نے ہمیں حدیث سنائی اس نے کہا ہشام بن یوسف نے ہمیں حدیث سنائی
ابن جریج نے ان کو خبر سنائی اس نے کہا مجھے خبر وہی یوسف بن مالک نے اس نے کہا کہ وہ
عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس آیا عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر کئے میں یہ آیت
نازل ہوئی اور میں کھیلتی بچی تھی۔ بل الساعة الی آخرہ

۲۔ مستند امام احمد بروایت عبد اللہ بن القاسم قال ثنا عبد العزیز بن

عبد اللہ بن ابی سلمۃ عن عبد الرحمن بن القاسم عن ابیہ عن عائشہ رضی اللہ عنہا قال
كانت عائشہ رضی اللہ عنہا تقول خرجنا مع رسول اللہ لا نذكر الا الحج . فلما قدمنا السرف
طمت فدخل رسول اللہ وانا ابکی . فقال ما يبکک . قلت ودود
انی لما خرج العام . قال لعلک نفسک یعنی حضرت . قالت قلت نعم .
قال ان هذا الشیء کتب اللہ علی نیاة ادم فافعل ما یفعل الحاج
غیر ان لا تطوفی بالبیت حتی تطهری . فلما قدمنا مکة قال رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم لا صحابه اجعلوها عمرة . فحل الناس الا من کان
معه هدی . وكان الہدی مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وابی بکر
وعمر و ذوی الیسارۃ . قالت ثم راہوا مہلین بالحج . فلما کان یوم
النحر طهرت . فامرسلنی رسول اللہ فافضت یعنی طفت . قالت فاتینا
بلحم بقرة فقلت ما هذا . قالوا هذا رسول اللہ ذبح عن نسائه البقرۃ
قالت فلما كانت لیلۃ الحصبۃ قلت یا رسول اللہ یرجع الناس . یحج
وعمرۃ وانا ارجع بحجۃ . فامر عبد الرحمن بن ابی بکر فامر دفنی علی
جملہ . قالت انی لا ذکر وانا جاریۃ حدیثۃ السنۃ انی
الغس فتضرب وجهی مویخۃ الرجل . حتی جاء بی التنعیم فاهللت
بعمرۃ . (مسند جلد ۲۴۵ ص ۲۴۳)

عبد اللہ نے ہمیں حدیث سنائی اس نے کہا میرے باپ نے مجھے حدیث سنائی اس نے
کہا ہمیں ہاشم بن قاسم نے حدیث سنائی اس نے کہا عبد العزیز بن عبد اللہ بن ابی سلمہ نے ہمیں حدیث
سنائی عبد الرحمن بن قاسم سے اس نے اپنے باپ سے اس نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے اس نے کہا
عائشہ کہہ کرتی تھی کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نکلے صرف حج کے لئے جب ہم سرف میں آئے
تو میرا ویسا تر ہو گیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس آئے اور میں رو رہی تھی آپ نے پوچھا کیوں

رورہی ہوا چھا ہوتا میں اس سال نہ آتی آپ نے فرمایا شاید تجھے ایام ہو گئے میں نے کہا ہاں۔
 آپ نے فرمایا یہ تو اللہ نے بنات آدم کے لئے لازم کر دئے ہیں۔ تو سب کچھ کر جو حاجی کرتے
 ہیں سوائے طواف بیت کے یہاں تک کہ تو پاک ہو جائے جب ہم مکے آئے تو آپ نے اپنے
 اصحاب سے فرمایا اسے عمرہ بنالو۔ پس لوگ حلال ہو گئے سوائے ان لوگوں کے جن کے
 ساتھ قربانی کے جانور تھے اور ہدی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ابو بکرؓ اور عمرؓ کے ساتھ اور کچھ
 فراخ دست لوگوں کے ساتھ تھے۔ پھر وہ حج کا تلبیہ کہتے رہے پھر جب یوم نحر آیا میں
 پاک ہو گئی۔ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھیجا میں نے طواف کیا انہوں نے کہا ہمارے پاس
 لحم بقر لایا گیا میں نے کہا یہ کیا ہے لوگوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیویوں کی
 طرف سے گائے ذبح کی ہے اس نے کہا جب حصبہ کی رات ہوئی میں نے کہا
 یا رسول اللہ لوگ حج اور عمرے کے ساتھ لوٹیں گے اور میں صرف حج کے ساتھ پس آپ نے
 عبدالرحمن بن ابوبکر کو حکم دیا اس نے مجھے اپنے پیچھے کجاوے پر بٹھالیا اور کہا مجھے یاد ہے
 اور میں نوجوان لڑکی تھی مجھے اُونگھ آرہی اور میرا سر کجاوہ کے آخری حصے سے ٹکراتا تھا
 حتی کہ وہ مجھے تنیم لایا پس میں نے عمرے کا احرام باندھا۔

۳۰ مسند امام احمد بروایت عبد اللہ [حدثنا عبد اللہ ثنی ابی ثنا
 عمر ابو حفص و الثقفی]

البلخی قال حدثنا هشام بن عروة عن ابيه عن عائشة رضي الله عنها قالت خرجت
 مع النبي صلى الله عليه وسلم في بعض اسفاره وانا جارية لم
 احمل اللحم ولم ابدن فقال للناس تقدموا ثم قال تعالى حتى
 اسابقك فسايقته فسبقته . فسكت عني . حتى اذا حملت اللحم
 وابدنت ونسيت وخرجت معه في بعض اسفاره فقال للناس تقدموا
 فتقدموا ثم قال تعالى حتى اسابقك فسايقته فسبقني فجعل
 يضحك وهو يقول هذه بتلك .

(مسند امام احمد جلد ۶ ص ۲۶۴)

عبداللہ نے ہم سے حدیث بیان کی اس نے کہا میرے باپ نے مجھ سے حدیث بیان کی اس
 نے کہا عمر ابو حفص نے ہم سے حدیث بیان کی اس نے کہا هشام بن عروہ نے ہم سے حدیث بیان
 کی اپنے باپ سے اس کے باپ نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے اس نے کہا میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نکلی
 ایک سفر میں اور میں چھو کڑی تھی مجھ پر گوشت نہیں تھا اور موٹی نہیں ہوئی تھی آپ نے

لوگوں سے کہا تم آگے چلو پھر مجھ سے کہا آؤ دوڑیں میں نے آپ سے دوڑ میں مقابلہ کیا اور میں بڑھ گئی آپ چپ رہے یہاں تک کہ مجھ پر گوشت چڑھ گیا اور میں موٹی ہو گئی اور اس واقعہ کو بالکل بھول گئی میں پھر کسی سفر میں آپ کے ساتھ گئی آپ نے لوگوں سے کہا آگے چلو وہ آگے نکل گئے پھر کہا آؤ میں تمہارے ساتھ دوڑ لگاؤں میں نے دوڑ لگائی آپ دوڑ میں آگے نکل گئے آپ ہنسنے لگے اور کہہ رہے تھے یہ کس پہلی دوڑ کا بدلہ ہے۔

۴ مستند امام احمد بروایت عبد اللہ [حدیثنا عبد اللہ ثنی ابی ثنا یعقوب ثنی ابی عن ابن

اسحاق قال حدثني يحيى بن عباد بن عبد الله عن ابيه عباد قال سمعت عائشة تقول بات رسول الله بين سحري ونحري وفي دولتي (نوبتي) لم اظلم فيه احدا. فمن سفهي وحداثة سني ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قبض وهو في حجرى ثم وصنعت له سدة على وسادة وقمت التدم مع النساء واضرب وجهي

رمسند امام جلد ۱ ص ۲۴۴

عبداللہ نے ہم سے حدیث بیان کی اس نے کہا میرے باپ نے مجھ سے حدیث بیان کی اس نے کہا یعقوب نے ہم سے حدیث بیان کی ابواسحاق سے اس نے کہا مجھ سے حدیث بیان کی یحییٰ بن عباد بن عبداللہ نے اس نے اپنے باپ عباد سے اس نے کہا میں نے سنا عائشہؓ کو وہ کہہ رہی تھی رات گزاری رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میری گود اور سینے میں میری باری میں۔ میں نے کسی پر زیادتی نہیں کی پس میری کم عقلی اور نوجوانی کی وجہ سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہو گئی اور وہ میری آغوش میں تھے میں نے آپ کا سر تکیے پر رکھ دیا اور کھڑی ہو کر عورتوں کے ساتھ ماتم کرنے لگی اور اپنا چہرہ پیٹنے لگی۔

پہلی روایت پر تبصروں پہلی روایت بخاری کی روایت ہے جس کے مستند ہونے میں کیا شک ہے۔ ہمیں مضمون روایت

سے اختلاف نہیں ہے۔ حضرت عائشہؓ کا بیان بالکل صحیح ہے۔ انہوں نے کئے میں یہ آیت اسی وقت سنی تھی جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی۔ یہ آیت ہم نبوت میں نازل ہوئی ہے۔ مشہور روایت کی رو سے تو حضرت عائشہؓ اسی سال پیدا ہوئی تھیں۔ مگر کیا یہ ممکن ہے کہ چھ ماہ سے کم عمر کی بچی یہ سمجھے

اور یاد رکھئے کہ یہ قرآن کی آیت ہے اور بنی کریم پر نازل ہوئی ہے۔ اسے تو اگر کہا جاسکتا ہے تو ایک معجزہ ہی کہا جاسکتا ہے۔

چونکہ روایت میں اجمال ہے اور غالباً راوی کو اس آیت کا سن نزول معلوم نہ تھا اس لئے اس نے اپنی طرف سے جملہ حالیہ اور بڑھا دیا۔ ”وَأَنى لِحَبَابَةِ الْعَبِّ“ اسی سے یہ بھی ظاہر ہے کہ یہ جملہ ایسے دور کے راوی کا ہے جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور کھیل کو لازم و ملزوم تصور کئے ہوئے ہے۔ کھیل کی روایات سے پوری طرح متاثر ہے اور اس کے ذہن میں تزوج عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت، لعب بالبنات کی روایت، حبشہ کے کھیل کی روایت مع فاقد سوا کے اور انا جاریۃ حدیثۃ السن وغیرہ کا سارا ذخیرہ موجود ہے اور وہ خوب جانتا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا تصور بغیر کھیل ہے ہی نہیں۔

طبقات کے نقطہ نظر سے یہ اضافہ غالباً ابراہیم بن موسیٰ کا ہے۔ لیکن احتمال یہ بھی ہے کہ یہ اضافہ ہشام بن یوسف کا ہو جو باوجود عبد الرزاق کا قرن ہونے کے عبدالرزاق سے بہت زیادہ متاثر ہیں۔ اور ان کی بات کو حرف آخر خیال کرتے ہیں۔ لیکن شرح صدر ہمیں اسی بات کا ہے کہ یہ اضافہ ابراہیم بن موسیٰ کا ہے اور باقی روایت ہشام بن یوسف کی ہے۔ ہشام سے اوپر یہ روایت اس اضافہ کے بغیر تھی۔ یعنی اس میں انی لالعب نہیں تھا۔

جملہ حالیہ کی صورت میں جو اضافے روایات میں پائے جاتے ہیں وہ عام طور سے رواۃ کے تشریحی کلمات ہوتے ہیں جو بعد میں روایت کا جزو بن جاتے ہیں۔ ہماری تحقیق کے مطابق یقیناً ”ہمہ نبوت میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بالغہ تھیں اور انہوں نے یہ آیت اس وقت ضرور سنی تھی۔“

دوسری روایت پر تبصرہ | دوسری روایت جس میں حجۃ الوداع میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے عمر کا ذکر ہے مختلف کتب

احادیث میں آئی ہے مگر ان میں انا جاریۃ حدیثۃ السن کا ذکر نہیں ہے۔ حج کی یہ روایت جو ہم نے مسند امام احمد سے نقل کی ہے اس میں یہ جملہ موجود ہے اس لحاظ سے یہ روایت منفرد ہے اس روایت میں اس جملہ کے متعلق دو احتمال ہیں۔ ایک یہ کہ یہ جملہ عبدالعزیز بن الما جشون کا ہے۔ یہ آخر میں بغداد آٹھ آئے تھے۔ اُن کا اپنا بیان ہے کہ اہل بغداد نے مجھے محدث بنا دیا۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے رواۃ میں عراقی زیادہ ہیں اور اہل مدینہ کم ہیں۔ بغداد آنے سے پہلے ان کا شغل حدیث نہیں تھا۔

لیکن بغداد آئے تو مدنی ہونے کی وجہ سے اہل علم نے گھیر لیا اور ان سے لکھنا شروع کر دیا اور اسی طرح یہ محدث بغداد بن سکے۔

دوسرا احتمال یہ ہے کہ یہ جملہ ابوالنضر ہاشم بن القاسم کا ہو۔ ہمارے خیال میں یہ اضافہ ابوالنضر ہاشم بن القاسم بن سلیم اللیثی بغدادی ہی نے کیا ہے۔ علماء رجال ان کی بھی تعدیل کرتے ہیں۔ باوجود اس تو ثیق و تعدیل کے اس روایت میں یہ اضافہ ہاشم نے کیا ہے۔

اس کے علاوہ عبدالرحمن بن القاسم کی یہی روایت خود مسند میں امام احمد نے ابن اسحاق کی سند سے بیان کی ہے جیسے کہ روایت نمبر ۳ کی سند میں ہے۔ اس میں یہ جملہ نہیں ہے۔

امام مالکؒ نے یہی روایت عبدالرحمن بن القاسم سے اپنی کتاب الموطا کتاب الحج میں بیان کی ہے۔ اس میں بھی یہ جملہ نہیں ہے۔

غرض دو معتبر راویوں سے یہ روایت منقول ہے۔ لیکن وہ اس جملہ سے خالی ہے پھر یہ جملہ تو روایت افک کا ہے۔ حجة الوداع کی روایت میں کیسے آگیا۔
سلسلہ ہجری میں بھی حضرت عائشہؓ کی زبان سے انا جاریۃ حدیث السنہ کہلوانا مذاق نہیں تو کیا ہے

ہاشم کے دور میں انا جاریۃ حدیث السنہ عام ہو چکا تھا۔ انہوں نے اسے خوبصورت جملہ دیکھ کر ادھر منتقل کر دیا۔ اور عبدالرحمن کی اس روایت میں زور اور ندرت پیدا کرنے کے لئے ایسا کیا۔

بہر حال اس روایت میں یہ جملہ بھرتی کا جملہ ہے۔ اور اس سے یہ بھی معلوم ہو رہا ہے کہ ابن اسحاق اور امام مالکؒ کے طبقے میں انا جاریۃ حدیث السنہ سے کوئی واقف نہ تھا۔

اگر یہ روایت بھی معمر سے ہوتی تو جلد ہی یہ جملہ اس روایت کا جزو بن جاتا۔ لیکن حسن اتفاق سے یہ روایت تو دوسرے دو ایسے ذریعوں سے منقول ہے جو اپنا علمی مقام رکھتے ہیں اور جن کے تحریری ذخائر موجود تھے۔ اور عبدالرحمنؓ کی دسترس سے باہر تھے اس لئے ان میں یہ جملہ راہ نہ پاسکا۔ اسی لئے محدثین کے اصول سے یہ ہاشم والی روایت شاذ ہے۔

تیسری روایت پر تبصرہ

اس حدیث مسابقت کو مسند امام احمد اور ابوداؤد نے ہشام سے روایت کیا ہے۔ مگر ہم پہلے تفصیل کے ساتھ بیان کر آئے ہیں کہ ہشام بن عروہ اناجاریۃ حدیث السن سے واقف ہی نہیں ہیں۔ اور یہ جملہ ان کی وفات کے بعد النشاء پذیر ہوا ہے۔ اس لئے اس جملہ کی نسبت اُن کی طرف سرے سے غلط ہے۔

چنانچہ ابوداؤد طیالسی میں یہ روایت آئی ہے۔ مگر اس میں اناجاریۃ نہیں ہے۔ اور نہ ہی اس میں یہ غیر ضروری تفصیل ہے۔ اور نہ بار بار دوڑ کا ذکر ہے اور نہ کسی سفر کا واقعہ بیان کیا گیا ہے صرف اتنا بیان ہے کہ:

حدثنا ابوداؤد قال حدثنا ابن ابی الزناد عن هشام عن ابيه قال قالت عائشة رضي دعاني رسول الله صلى الله عليه وسلم الى السباق فسبقته (جزء سادس مسند ابی داؤد مسند عائشہ ص ۲۶)

زیر بحث روایت نمبر ۴ کا سارا مضمون ہی اوپر اور نامانوس ہے۔ نہ اسناد کی تعیین ہے کہ کون نے سفر میں پہلا واقعہ پیش آیا۔ اور نہ یہ ہے کہ کون سے سفر میں دوڑ سرائے واقعہ پیش آیا۔ تاکہ ہم دونوں سفروں کے درمیان کا عرصہ نکال کر معلوم کر لیتے کہ اتنے عرصہ میں آدمی اتنا بھاری ہو سکتا ہے۔

آپ کے سفر مدینہ سے باہر مقصدی سفر ہوتے تھے تفریحی سفر نہیں ہوتے تھے۔ سواری پر جانا اور سواری پر آنا۔ مگر اس روایت سے معلوم ہوا کہ سارا قافلہ ہی پیدل تھا۔ آپ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پیچھے رہ گئے باقی قافلہ آگے نکل گیا۔ اور اگر تسلیم بھی کر لیا جائے کہ سواریاں ساتھ تھیں تو محض بیوی کے ساتھ دوڑنے کیلئے مٹھر جانا نہایت مستبعد اور عظمت رسول کے منافی ہے۔

علیٰ ہذا دوسرے سفر میں پھر اسی عمل کو دہرانا عادت کو ظاہر کرتا ہے۔ جو پہلے سے بھی زیادہ مستبعد ہے۔

پھر آپ پہلی "شکت" کو بھولے نہیں تھے۔ اس لئے تیاری کے ساتھ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو ہرایا اور بتلا بھی دیا کہ یہ اسی کا جواب ہے۔ حالانکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اس قصہ کو بھول چکی تھیں۔

چونکہ اس قسم کی روایات سے کوئی حکم شرعی متعلق نہیں ہوتا اس لئے آسانی سے قبول کر لی جاتی ہیں۔ حالانکہ اس قسم کے واقعات سے آدمی کا کردار معلوم ہوتا ہے۔

اس لئے ایسی روایات کی چھان بین اور بھی زیادہ ضروری ہے ۔
حدیث مسابقت میں کذب راوی | یہ روایت ہر امر کذب راوی ہے ۔ اور اس کی سند میں ایک

کذاب راوی موجود ہے جس کا یہ سارا کرشمہ ہے ۔ اور وہ ہے عمر ابو حفص ۔ اس کے بارے میں علماء رجال کی آراء ملاحظہ فرمائیں ۔

ابو حفص عمر بن ہارون بن یزید بن جابر ثقفی بلخی جو ابن جریر ، اسامہ بن زید اللیثی شعبہ مالک ، ثوری سے روایت کرتے ہیں اور آگے ان سے بیان کرنے والے امام احمد بن حنبل ابو الحسن اسماعیل بن ابراہیم والد بخاری ، صالح بن عبد اللہ ترمذی ، ابو طاہر بن السرح مصری اور قتیبہ بن سعید ہیں ان کے بارے میں :-

ابن سعد نے کہا :-

” لوگوں نے ان سے بہت کچھ لکھا مگر آخر میں ان کی روایت کو ترک کر دیا “
 امام بخاری :- ” تکلم فیہ “

یحییٰ بن مسیح کا بیان ہے کہ احمد بن علی الاکبار سے عمر نے کہا کہ ستر ہزار حدیثیں تو مجھے اپنے والد سے ملی ہیں ۔ اور عثمان بنی سے اتنی اتنی پہنچی ہیں (یعنی گنتی تھے)
 ابن عدی سے منقول ہے کہ ابن جریر نے اس عمر کو مکے میں دیکھا کہ یہ خوبصورت نوجوان

تھا ۔ ابن جریر نے اس سے پوچھا ” الک اخت ؟ “ قال نعم ” فتزوج باختہ ۔

یہ ابن جریر وہ بزرگ ہیں جنہوں نے زندگی میں ستر نکاح متہ کئے ہیں ۔ اور متہ کے جواز کے قائل تھے ۔ ذہانت اس سے ظاہر ہے کہ نوجوان خوبصورت کو دیکھتے ہی کہاں ذہن پہنچا ۔

اس نے ابن جریر سے عجیب و غریب روایات بیان کی ہیں جو اور کوئی بیان نہیں کرتا ۔

ابن جنید الرازی نے کہا کہ ابن معین کا قول ہے کہ عمر بن ہارون کذاب “
 یہ جب لکے گئے تو اس وقت جعفر بن محمد کا انتقال ہو چکا تھا ۔ اس سے حدیث بیان کی ابن مبارک نے اس پر سخت گرفت کی جس سے اس کا بھرم کھل گیا ۔

قتیبہ نے بیان کیا میں نے جریر سے کہا عمر بن ہارون یہ حدیث بیان کرتا ہے ۔
 ” حدثنا القاسم ابن المبرور قال نزل جبریل علی النبی فقال ان

کاتبہ ہذا امین“ جریر نے مجھ سے کہا اس سے جا کر کہو کہ تو بگتا ہے۔
ابن مہدی نے بیان کیا کہ ایک مرتبہ عمر ابو حفص ہمارے پاس آیا اور کچھ احادیث
بیان کیں۔ دوسری دفعہ آیا تو وہی احادیث سند بدل کر ابن عباس کی سند سے ذکر کیں
میں نے اس کو متروک قرار دے دیا۔

ابو زکریا نے کہا عمر بن ہارون کذاب خبیث لیس حدیثہ لشیء
قد کتبت عنہ فلما تبین لنا امره فحرقنا حدیثہ ما عندی
عنہ کلمتہ۔

ابوداؤد :- غیر ثقہ۔ عن ابن معین یکذب
عبداللہ بن علی بن المدینی کا بیان ہے کہ میں نے والد سے پوچھا تو انہوں نے اسے
مغفل قرار دیا۔

ابراہیم بن الناکس کا بیان ہے۔ ترکوا حدیثہ
صالح بن محمد، ابو علی الحافظ اور النسائی تینوں کا متفقہ فیصلہ ہے۔ ہو
متروک الحدیث۔ حدیثہ باطل
وارقطنی :- ”ضعیف“

ابو نعیم :- ”حدث بالمناکیر“
ساجی کا بیان ہے کہ میں نے ابو کامل اور محمد بن موسیٰ کو اس شخص سے مناکیر نقل
کرنے سنا ہے جن کی شرح طویل ہے
ابن حبان کا فتوہ ہے کہ ”یروى عن الثقات منفصلات و
یذعی شیوخا لم یرہم۔“

وفات ایک قول کے مطابق یکم رمضان ۱۹۴ھ یوم جمعہ ہے اور دوسرے قول
کے مطابق ۱۹۹ھ ہے۔ پیدائش کا سال ۱۳۳ھ اور عمر ۶۶ سال ہے۔
ابو حفص عمر کا سماع ہشام سے ثابت نہیں اس شخص میں اور
ہشام بن عروہ میں

نہ سماع ثابت ہے نہ إقواء۔ اس لئے کہ یہ شخص ہشام کی وفات سے کافی عرصہ بعد بغداد میں
آیا۔ اس لئے یہ جو کچھ ہشام سے بیان کرتا ہے سب منقطع اور منفصل ہے۔
نیز بحث روایت کا مضمون ہی اس کے کذب کی تصدیق کرتا ہے۔
یہ شخص مرجیہ کو برا بھلا کہتا تھا اور اہل سنت کا سرگرم حامی تھا۔ محض اس لئے

امام احمد نے اس کی روایت قبول کر لی ۔ ورنہ یہ روایت تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف نسبت کرنے کے قابل بھی نہیں ہے ۔ اور ہشام اس روایت اور اس اناجاریتہ سے بالکل بری ہیں ۔

چوتھی روایت پر تبصرہ | چوتھی روایت میں حضرت عائشہ کی حدیث سن کا ذکر آیا ہے ۔ مگر یہاں حدیث السن سے مراد ناتجربہ کاری ہے ۔ عمر کا بیان نہیں ہے ۔ لیکن حضرت عائشہ رضہ کے متعلق چونکہ ذہن بیمار ہو چکا ہے اس لئے اس کے معنی کم عمری خیال کئے جاتے ہیں ۔

حضرت علی رضہ کو جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یمن کا والی بنا کر بھیجا تو حضرت علیؓ نے خدمت اقدس میں عرض کیا تبعت الی قوم اسن منی وانا حدیث السن (مسند امام احمد جلد اول مسند علی ص ۱۱۱)

حضرت علی رضہ کا بیان ہے کہ بعثنی رسول اللہ الی الیمن وانا حدیث السن (مسند جلد اول ص ۸۳ مسند علی)

تو کیا اس وقت حضرت علیؓ بچہ تھے ۔ نہیں بلکہ اس سے مراد عدم مہارت ہے ۔ کیونکہ جوانی میں اتنے تجربات نہیں ہوتے جتنے بڑھاپے میں ہوتے ہیں ، اسی لئے اس کو اس عنوان سے ظاہر کرتے ہیں ۔

درحقیقت چونکہ حضرت عائشہ رضہ کو اس سے پہلے کسی کے مرنے کا ایسا عملی تجربہ نہیں تھا اس لئے شروع میں ان کو یہ خیال رہا کہ آپ بے ہوش ہو گئے ہیں بعد میں پتہ چلا کہ وصال ہو گیا ہے ۔

اتفاقات عجیبہ

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ کچھ عجیب اتفاقات پیش آتے رہے ہیں جن کی وجہ سے ان کے متعلق بچپن اور کھیل کی روایات کا ایک انبار جمع ہو گیا ہے ۔

۱۔ حضرت عائشہ رضہ کا حافظہ نہایت قوی تھا اور آپ بے حد ذہین تھیں ۔ ہوش سنبھالا تو پاکیزہ ماحول میں سنبھالا ۔ بیشتر اسلام کے ابتدائی واقعات کی راوی حضرت عائشہ رضہ ہی ہیں ۔ اپنے بچپن کے اکثر واقعات آپ کو یاد تھے ۔ عمر بھی آپ نے پوری پائی ہے ۔ آپ نے وقتاً فوقتاً اپنے لاڈلے بھانجے عروہ کو اپنے

گڑیاں کھیلنے کے واقعات نبی کریم ﷺ کے تعلق سے سنائے۔ یہ سب واقعات اسلام کی زندگی سے پہلے کے واقعات ہیں۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ ابو بکر رضی اللہ عنہ کے جگری دوست بلکہ منہ بلوے بھائی تھے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بیان کے مطابق ہر روز صبح و شام نبی کریم ﷺ ابو بکر رضی اللہ عنہ کے ہاں آیا کرتے تھے۔ اس لئے وہاں اس وقت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو کھیلنے دیکھتے ہوں گے اور خوش ہوتے ہوں گے۔ آپ کی سہیلیاں بھی اس وقت وہاں آتی ہوں گی اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ کھیلتی ہوں گی اور نبی کریم ﷺ کو دیکھ کر ادھر ادھر ہو جاتی ہوں گی۔ آپ تو شروع ہی سے مکے میں امین کے نام سے مشہور تھے۔ اور بعثت سے پہلے ہی بحیثیت ایک موحد اور مصلح کے معروف تھے۔ مکے کا بچہ بچہ آپ کو جانتا تھا اور آپ کی عظمت سب کے دلوں میں قائم تھی لہذا وہ سہیلیاں آپ کو دیکھ کر بھاگ جاتی ہوں گی۔ آپ تفریحاً ازراہ محبت و شفقت ان بچیوں کی وحشت دور کرنے کے لئے پکڑ کر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس چھوڑ دیتے ہوں گے۔

یہ اس وقت کے واقعات ہیں کہ ابھی بعثت نہیں ہوئی تھی اور آپ نے دعوائے نبوت نہیں کیا تھا۔ یہ سہیلیاں حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے گھر کے آس پاس کی بچیاں ہوں گی جو ان کے گھر میں کھیلنے کے لئے آ جاتی ہوں گی۔ کیونکہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے بڑے تاجر اور مالدار آدمی تھے۔ اس لئے ان کے بچوں کے پاس کھلونے بھی اچھے ہوتے ہوں گے نیز حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کا گھر بڑا وسیع تھا۔ اس میں کھیلنے کی گنجائش کافی ہوگی۔ بعد میں اسی مکان کے صحن میں حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے اپنی ذاتی مسجد بنالی تھی۔ (بخاری باب الهجرة)

غرض یہ واقعات حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی بالکل ابتدائی زندگی اور اسلامی زندگی سے پہلے کے واقعات ہیں۔

۲ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا نکاح مکے میں ہوا۔ اور بناء یعنی رخصتی مدینے میں آ کر ہوئی یہ واقعات بھی وقتاً فوقتاً آپ نے مخصوص متعلقین کو سنائے۔ مکے سے اپنی روانگی راستے کی کیفیت، مدینے میں قیام، اپنی بیماری اور بیماری میں بال گردانا بیان کیا۔ پھر اپنی سادہ اور دفعۃً رخصتی کا قصہ بیان کیا اور اس میں ضمناً یہ بھی کہہ دیا کہ جس وقت میری رخصت ہوئی اس وقت وانا یومئذ بنت تسع عشرۃ یا بنت تسع و عشرين۔

۳ اس رخصتی والی روایت میں جو عرودہ سے ہشام کو پہنچی تھی جس میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی عمر کا ذکر تھا ہشام سے سہو کتابت ہو گیا۔ اور عشرۃ یا عشرين کتابت

میں یا ہند سے میں رہ گیا ، ہشام کی عادت تھی کہ لکھتے ہوئے ان سے الفاظ رہ جاتے تھے ۔
 لکھنے کے بعد مقابلہ بھی نہ کیا ۔ کچھ عرصہ بعد عروہ کے امالی ضائع ہو گئے ۔ بعد میں جو
 لکھا تھا وہی پڑھا ۔ اور اسے ہی حقیقت خیال کیا ۔ اور یہ یاد ہی نہ رہا کہ یہ تسع عشر
 تھا ۔ اس وقت کوئی ذریعہ اس کی درستی اور تحقیق کا نہ رہا تھا ۔ اس لئے حضرت عائشہ رضی
 کی عمر کے بارے میں یہی مسلمہ حقیقت بن گئی ۔

۴ حضرت عائشہ رضی کے نکاح اور رخصتی کے درمیان عرصہ میں رواۃ میں اختلاف ہو گیا ۔
 شروع میں تو حضرت عائشہ رضی کی زندگی میں کسی نے ان سے پوچھا نہیں ۔ بعد میں قیاس
 سے کام لیا تو مختلف قرائن تھے ۔ کسی نے کسی کو ترجیح دی اور کسی نے کسی کو ۔
 بہر حال ہشام نے یہ مدت تین سال بنائی ۔

۵ ہشام نے اس ناقص نقل پر ^{۴۴}۴۵ء میں عراق کے نوجوان اہل علم کے سامنے اپنا
 مشہور استنباط پیش کیا :- تزوجہا النبی دہی بنت ست سنین
 و بنی بھا دہی بنت تسع دکانت عندہ تسعا ۔

۶ حضرت عائشہ رضی بے اولاد تھیں ۔ اگر رخصتی کے بعد اولاد ہو جاتی تو کم عمری کا مسئلہ
 پیدا نہ ہوتا ۔

۷ ایام عید الاضحیٰ میں خوشی کے طور سے مدینہ میں انصار کی دولونڈیاں (ڈومنیناں)
 حضرت عائشہ رضی کے گھر آئیں اور دف کے ساتھ گیت گانے لگیں ۔ نبی کریم صلی اللہ
 علیہ وسلم موجود تھے ۔ حضرت ابو بکر رضی آئے اور انہیں ڈانٹا مگر نبی کریم صلی اللہ علیہ
 وسلم نے روک دیا اور فرمایا ان لکل قوم عیداً فہذا عیدنا ۔

۸ حبشہ کا وفد آیا یا حبشی آئے اور مسجد کے میدان میں فوجی کرتب دکھانے لگے ۔
 نبی کریم ﷺ نے شور و غل سنا ۔ اٹھ کر دیکھا تو حبشی کو درہے تھے ۔ آپ نے حضرت
 عائشہ رضی کو بلایا اور کہا دیکھو کیا کرتب دکھا رہے ہیں ۔ حضرت عائشہ رضی آئیں اور
 آپ کے پیچھے کھڑی ہو گئیں اور آپ کے کاندھے کے اوپر سے حبشیوں کے کرتب
 دیکھنے لگیں ۔ اس طرح نبی کریم ﷺ کے ساتھ کھڑا ہونا حضرت عائشہ رضی کو بہت بھلا
 معلوم ہوا کیونکہ اس سے آپ کی محبت کا مقام ظاہر ہوتا تھا ۔ اور دوسری ازواج
 پر فوقیت ظاہر ہوتی تھی آپ دیر تک اسی طرح کھڑی رہیں ۔ نبی کریم ﷺ نے جو
 حضرت عائشہ رضی کے آگے کھڑے تھے حضرت عائشہ رضی سے پوچھا حضرت عائشہ رضی
 نے کہا ابھی ٹھہریئے ۔ پھر آپ نے فرمایا کہ جی نہیں بھرا ؟ حضرت عائشہ رضی نے

فرمایا جلدی نہ کیجئے۔ اس کے بعد خود ہی فرما دیا کہ مجھے کھیل سے کوئی دلچسپی نہیں۔
میں تو دوسری ازواج پر یہ ظاہر کرنا چاہتی تھی کہ میرا مقام نبی کریم ﷺ کے نزدیک
تمہارے مقابلہ میں یہ ہے۔ یہ جو میں دیر کر رہی تھی محض اسی لئے کر رہی تھی۔
مگر اس واقعہ کو اس انداز میں پیش کیا گیا کہ گویا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ایک کھنڈر ہی
صغیرۃ السن، بچی تھیں۔ حالانکہ نہ کھیل کا شوق تھا اور نہ صغیرۃ السن تھیں۔

۹ محض شہادت عثمان سے متاثر ہو کر قاتلین عثمان کو قرار واقعی سزا دلانے کیلئے
عملی قدم اٹھایا اس میں سبائیوں کی سازش سے حضرت علی اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے
آدمیوں میں فریقین کی مرضی کے خلاف تصادم ہو گیا۔ اور یہ قصہ ایک چند ساعات
میں ختم ہو گیا اور آپس میں صلح صفائی ہو گئی۔ غلط فہمی رفع ہو گئی۔ لیکن بعد کے
روایۃ نے ان واقعات میں عجیب عجیب ربط پیدا کئے اور نئے نئے گل کھلائے۔
۱۰ غزوہ مریض کے بعد منافقین نے تہمت کا ایک طوفان کھڑا کر دیا۔ پھر براۃ
میں آیات انک نازل ہوئیں اور قصہ ختم ہوا۔ لیکن اس کے چالیس پتالیس
سال بعد عروہ نے اس واقعہ کے متعلق دریافت کر لیا ہوگا تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے
مختصراً اور اشارۃً کچھ فرما دیا ہوگا۔ بعد میں زہری نے ان اشادات سے ایک
مفصل روایت خود حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں مرتب کی اور انک کی روایت
میں وہ پھول پتیاں بنائیں کہ ”ناطقہ سر بگر یہاں ہے اسے کھینچئے“ کہاں
لولا اذ سمعتموه قلتم ما یكون لنا ان نتکلم بهذا..... اور
کہاں فارقت اور السمیت بذنب جیسے کلمات۔ اور بھی منسوب بہ
حضور صلی اللہ علیہ وسلم سبحانک هذا بہتان عظیم۔

حاشیہ آرائی

یہ تھے وہ سادہ سادہ واقعات یا وقتاً فوقتاً پیش آنے والے اتفاقات جن پر بعد
کے راویوں نے حاشیہ آرائی اور فنکاری کر کے انہیں کچھ کا کچھ بنا دیا۔ ان کے درمیان
عجیب و غریب ربط پیدا کئے اور انہیں مسخ کر کے مندرجہ ذیل صورتیں عنایت
فرمادیں کہ :-
۱ نکاح اور رخصتی کم عمر میں ہوتی۔ رخصتی کے وقت ایسی بچی تھیں کہ منہ بھی دھونا

- ہیں آتا تھا۔ مگر یہ بال بھی بچوں جیسے تھے۔
- ۲ شادی کے بعد گڑیاں کھیلتی تھیں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پکڑ پکڑ کر سہیلیوں کو لاتے تھے کہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ کھیلو۔ اور آپ ان کے گڑیاں کھیلنے سے خوش ہوتے تھے۔
- ۳ بعض روایات نے تزوج اور گڑیوں کی روایات کو ملا کر پہلے تزوج پھر گڑیوں کی روایات بیان کرنی شروع کر دیں۔
- ۴ گانے اور حبشیوں کے کھیل کی روایات کو ملا کر بیان کرنا شروع کر دیا اور گانا سننا اور کھیل دیکھنا ان کے بچپن کا نتیجہ قرار دیا۔
- ۵ بد نہاد لوگوں نے جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو حضرت علیؓ کا مخالف تصور کرتے تھے۔ ان روایات میں اپنی طرف سے نامناسب اضافے کئے اور وہ ان روایات کا جزو بن کر رہ گئے۔ مثلاً محض حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی توہین اور تحقیر کیلئے کہا۔
- ” فاقدر اقدار الجارية الحديثة السن الحريصة على اللعب “ ” نرفت اليها ولعبها معها “ ” وكنت جارية حديثة السن “
- ۶ ان امور کا روایات کے نام پر اس قدر اشتہار دیا گیا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور کھیل لازم و ملزوم ہو کر رہ گئے۔
- ۷ قصہ افک کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے تعلق دیا گیا اور ان کے متعلق جو دل میں غبار تھا وہ نکالا گیا آخر میں آیات برآۃ سے صفائی دی گئی۔

حضرت عائشہ رضی کی کم عمری کا

چھٹا ماخذ

حدیث خواب

حدیث خواب | حدیثی ابی قال انا عفان قال حدثنا وهيب ثنا هشام بن عروة عن ابيه عن عائشة رضى الله عن النبي صلى الله عليه وسلم قال لما امرتك في المنام مرتين اراى رجلاً يحملك في سرقة من حدير فيقول هذه امرأتك . فاكشف عنها فاذا هى انت . فاقول ان يك هذا من عند الله عز وجل يمضه .

(مستند احمد جلد ۶ ص ۱۲۸)

خواب کا مضمون یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ تمہیں ریشم کے کپڑے میں لپیٹی ہوئی حالت میں لایا گیا ، ایک آدمی تمہیں اٹھائے ہوئے تھا اور کہہ رہا تھا کہ آپ کی بیوی ہے . کپڑا ہٹا کر دیکھئے ، میں نے کپڑا ہٹا کر دیکھا تو تمہاری صورت نظر آئی . میں نے کہا کہ اگر خدا کی طرف سے یہی ہونا ہے تو وہ اسکو ضرور پورا کریں گے .

استدلال | صغرسنی کے قائل اس سے یوں استدلال کرتے ہیں کہ ریشم کے کپڑے میں لپیٹ کر ایک آدمی کا اٹھانا ایک چھوٹی بچی ہی کے لئے ہو سکتا ہے .

نقد | روایت ہذا کے راوی ہشام اور ان کے تلامیذ ہیں . اور یہی لوگ روایت تزوج اور روایت لعب بالبنات کے بھی راوی ہیں . ان روایات کی وجہ سے ان کا ذہن حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے متعلق متقلد چھوٹا اور تنگ ہو کر رہ گیا ہے . اس لئے انہیں اس روایت میں بچپن ہی کے اشارات نظر آئے ہیں . دوسرے یہ روایت بالمعنی ہے جسمیں راوی اپنا ذہن آزادی کے ساتھ استعمال کر سکتا ہے .

تیسرے ہو سکتا ہے کہ یہ روایت حقیقت میں عروہ سے نہ ہو . بلکہ حسب عادیہ ہشام نے کسی اور سے سنی ہو اور اپنے باپ کی طرف منسوب کر دی ہو .

کیا یہ روایت صغرسنی پر دال ہے | حقیقت یہ ہے کہ یہ حدیث خواب نکاح کے وقت حضرت

عائشہ رضی اللہ عنہا کی صغرسنی پر دال نہیں ہے . خواب ایک غیر مادی فعل کیفیت ہے . اس میں تخیل ذہنی صور مادیہ میں دکھائی ضرور دیتا ہے . مگر ان صور مادیہ پر مادی اشیاء کے خارجی قواعد و ضوابط کا اطلاق ضروری نہیں ہوا کرتا . خواب میں ایک چیز اپنے خارجی

واقعی طول و عرض اور دیگر کوائف سے مختلف اور کم و بیش نظر آ سکتی ہے اور نظر آتی ہے۔
 روئے صادق میں نفس واقعہ کا ادراک نفس الامر میں ہوتا ہے۔ باقی جزئیات واقعہ کا نفس الامر میں ہونا ضروری نہیں ہے۔

یہ بھی ممکن ہے کہ خواب میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اپنی اصلی ہیئت میں پوری جوان عورت نظر آتی ہوں اور ان پر ریشمی چادر لیٹی ہوئی ہو کہ نئی دھن ہونے کی طرف واضح اشارہ ہے۔ اور اٹھا کر لانے والا کوئی فرشتہ ہوگا۔ جس کی طاقت کسی جوان عورت کو اٹھانے سے عاجز نہیں ہو سکتی۔ فرشتہ نہ بھی ہو تب بھی خواب ہی کی بات ہے۔
 بلکہ یہ روایت کبرسنی پر دال ہے "ان کان هذه من عند الله" کا اشارہ

اس طرف ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو حالات کے پیش نظر یہ توقع نہیں تھی کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے آپ کا نکاح ہو سکے گا۔ اس لئے کہ ان کا نکاح تو اس وقت جبیر بن مطعم سے ہو چکا تھا۔ اور بظاہر علیحدگی کی بھی کوئی صورت نظر نہیں آتی تھی۔ اسی لئے آپ نے فرمایا "یمنه" یعنی اللہ تعالیٰ ہی کوئی تدبیر اپنی طرف سے فرمائیں گے کہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا وٹاں سے چٹکارا ہو اور میرے نکاح میں آئے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ جبیر بن مطعم نے اسلام دشمنی کی بنا پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو طلاق دے دی اور اس کے بعد وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عقد میں آگئیں۔

غرض اس حدیث خواب میں باوجود روایت بالمعنی ہونے کے نہ صرف یہ کہ کوئی قرینہ ایسا نہیں ہے جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے نکاح کے وقت ان کی صغر سنی پر دلالت کرتا ہو بلکہ خواب کا آخری حصہ اس کے برعکس ان کی کبرسنی اور معاملہ کے الجھاؤ اور تعویق پر دال ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہم اس روایت پر کسی طویل گفتگو کی ضرورت محسوس نہیں کرتے۔ صرف اسی مختصر تحریر پر اکتفا کرتے ہیں۔

جلد دوم

عمر زکاء اشد

جلد دوم

عمر نکاح عائشہ رضی

اور

ہمعصر محققین

دور حاضر کے محققین اور ارباب سیر نے ہمیں کافی تحقیقی مواد فراہم کیا ہے۔ اور انہوں نے سیر و منغازی کے بہت سے پیچیدہ مسائل کو حل کیا ہے۔ لیکن اس کے باوجود ان کے دلوں میں نہ روایت زیر بحث سے کوئی کھٹک پیدا ہوئی اور نہ ہی انہیں اس کی تحقیق کا خیال آیا۔

شبلی علیہ الرحمۃ ایک مستقل مکتب فکر کے بانی ہیں۔ انہوں نے اور ان کے تلامیذ نے اردو زبان کو علوم عربیہ اور تراجم عربیہ سے مالا مال کیا۔ دارالمصنفین نے سیر میں اچھی اچھی کتابیں شائع کیں۔ سیرت النبی جیسی مبسوط اور ضخیم کتاب جس کی نظیر کسی دوسری زبان میں ملنی مشکل ہے۔ اسی ادارے کا قابل فخر کارنامہ ہے۔ سیر الصحابہ۔ سیر التابعین۔ صحابیات۔ سیرت عائشہ رضی (سید سلیمان ندوی) وغیرہ بھی اسی کی شائع کردہ ہیں۔ ہمارے محترم مولانا سعید احمد اکبر آبادی نے سیرت صدیق اکبر جیسی عمدہ کتاب لکھی ہے۔

قاضی سلیمان منصور پوری صاحب رحمۃ اللعالمین ایک اچھے متوازن اہل قلم تھے۔ سنین و تواریخ کے متعلق انہوں نے کلیوں اور ضابطوں سے واقعات کی صحیح تاریخ اور دن مقرر کر دیے ہیں۔ اور انہیں کلیوں کی مدد سے ہم حسب ضرورت دن اور مہینے معلوم کر کے تاریخی واقعات کی تطبیق و تفسیح کر سکتے ہیں۔ انجمن ترقی اردو کراچی نے تطبیق ایام و شہور و سنین شمسی و قمری پر تقویم ہجری و عیسوی

کے نام سے ایک جنتری یکم محرم ۱۰۰۰ ہجری سے ۱۰۵۰ تک کی مرتب کی ہے۔ جس سے معلوم کیا جاسکتا ہے کہ کوئی ایسا واقعہ جس کا سن ہجری معلوم ہو کس موسم میں ہوا تھا۔ اور معلومات کے اس گوشہ سے واقعات کے صحیح جائزے میں کافی مدد مل سکتی ہے۔

اردو کے مشہور نقاد ادب نیاز فتحپوری نے بھی صحابیات کے نام سے ایک کتاب لکھی ہے۔ یہ صاحب مذہب بیزادی میں مشہور ہیں اور عقل پرست ہونے کے دعویدار ہیں۔ ان کے مذہبی معرکے بڑی شہرت رکھتے ہیں۔ جدید تعلیم یافتہ متشککین کے امام ہیں۔ لیکن اس روایت پر ان کے ضمیر کو بھی جھجھک نہیں ہوئی۔
حضرت خدیجہ رضی کی بوقت نکاح چھل سالگی محل نظر ہے

ان تمام حضرات نے حضرت خدیجہ رضی کی عمر نکاح کے بارے میں بھی ۴۰ سال کے قول کو بلا تکلف قبول کر لیا ہے۔ حالانکہ اس کے متعلق سیر کی کتابوں میں صراحت مختلف اقوال موجود ہیں۔

طبعی اور طبعی اسباب کی بنا پر اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے کامل انسان ہونے کی بنا پر ہمارے لئے یہ کسی طرح بھی قابل قبول نہیں ہے کہ نکاح کے وقت حضرت خدیجہ رضی کی عمر چالیس سال تھی۔

اس بارے میں کم سے کم عمر کا جو قول ملتا ہے وہ پچیس سال ہے۔

ایک دوسرا قول ۲۸ سال کا ہے۔

اور انہی ہر دو اقوال میں سے کوئی ایک قول ہمارے نزدیک درست ہے۔

سمجھ میں نہیں آتا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر واقعے میں کیوں عام انسانی فطرۃ کو نظر انداز کر دیا جاتا ہے۔ کیا اصلی شان نبوت یہی ہے کہ نبی کی ہر بات عام انسانی فطرۃ سے ہٹتی ہوئی ہو۔

کیا نبی کے حق میں ترک دنیا ہی کو اصل الاصول خیال کر لیا گیا ہے۔ حالانکہ خود آپ کا ارشاد ہے **لَا رَهْبَانِيَّةَ فِي الْإِسْلَامِ**۔

کیا نبی تمام نفیس انسانی ذوقوں سے عاری ہوتا ہے! کیا کمال نبوت اسی میں ہے کہ فطرت کی عطا کردہ لذتوں سے نبی یکسر دست بردار ہو جائے!

ایک بوڑھی عورت سے اس نے شادی کرنا کہ لذت دنیوی سے کم سے کم فائدہ اٹھانے کا قدرتی سبب بن جائے۔ اور پھر اپنی جوانی کے پورے ۲۵ سال ایک بوڑھی عورت کے ساتھ

گزار دینا۔ پھر اس کی وفات کے بعد ایک بہت ہی کم سن صرف نو سالہ بچی سے شادی کرنا مزاج رہبانیت کے قریب تو ہو سکتا ہے لیکن مزاج نبوت سے اسے کوئی دور کی بھی مناسبت نہیں ہے۔

اعلیٰ معیاری اخلاق کے حصول کا ذریعہ ترک دنیا نہیں ہے اور نہ ہی کمال انسانیت ترک لذت سے وابستہ ہے غور کیجئے آپ کے مندرجہ ذیل فرامین گرامی پر

۱ خیرکم خیرکم لاهلہ وانا خیرکم لاهلی

۲ وحبیب الی النساء۔

نکاح خدیجہ رضہ ۲۵۔ ۲۶ سال کی عمر میں ہوا حضرت خدیجہ قریش کی

متمول حسین اور جوان عورت تھیں۔ ان کا ۲۵۔ ۲۶ سال کا سن تھا۔ عرب کے رواج کے مطابق خاوند کے انتخاب میں آزاد تھیں اس وقت انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو پاکیزہ فصائل اور ستودہ شمائل خوب درجوان سمجھ کر نکاح کے لئے انتخاب کیا تھا۔ اور ان کا یہ انتخاب صحیح اور بر عمل تھا۔ چنانچہ ۲۵ سالہ زندگی نے ثابت کر دیا کہ میاں بیوی میں بے حد محبت و رافت تھی۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا وفات تک صفات نسوانیت سے متصف تھیں۔ ان میں اپنے زوج کے لئے پوری سکینت اور کشش موجود تھی۔

اگر حضرت خدیجہ رضہ کی عمر نکاح کے وقت حقیقتہً چالیس سال کی تھی تو آخر کوئی امر مجبوری تو ہونی چاہیے تھی کہ حضرت خدیجہ رضہ جیسی سن یاس کو پہنچنے والی عورت سے آپ شادی کرنے پر مجبور تھے۔ کوئی داعیہ تو ایسا پیش آنا چاہیے تھا جس نے اس بے میل شادی پر مجبور کیا۔ تمام کتب احادیث و سیر ایسے کسی داعیہ کی نشاندہی سے قاصر ہیں۔ اس لئے نہ حضرت خدیجہ رضہ چالیس سال کی عمر رسیدہ تھیں اور نہ یہ شادی بے میل اور نفس کشی کا مظاہرہ تھی۔ بلکہ ان کی عمر کم سے کم ۲۵ سال اور زیادہ سے زیادہ اٹھائیس ۲۸ سال تھی۔

در نہ بصورت دیگر ماننا پڑے گا کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پندرہ سال ایسے گزارے کہ وہ سن یاس کو پہنچ چکی تھیں اور آپ ابھی جوان تھے۔ اور آپ کو دوسری شادی کر لینی چاہیے تھی۔

اولادِ نرینہ کی خواہش ایک فطری خواہش ہے۔ انبیائے سابقین کی دعا

قرآن مجید میں مذکور ہے ۔
 رَبِّ كُفِّ عَنِّي مِّنْ لَّدُنْكَ ذَلِيلًا بَرِّئْتُ مِمَّا آلَ يَعْتُوبُ .
 قَالَ رَبِّ إِنِّي يَكُونُ لِي غُلَامٌ وَقَدْ بَلَغَنِيَ الْكِبَرُ وَامْرَأَتِي
 عَاقِرٌ .

جب ایک عورت میں صلاحیت ہی نہیں رہی تو پھر اس سے اولاد کی توقع عبث
 شباب کے دوائی ایک جوان آدمی میں بہر حال موجود ہوتے ہیں اور وہ فطری
 طریقے سے ان کی تسکین و تکمیل کا سامان بہم پہنچاتا ہے ۔ اور اس کے ثمرات سے محفوظ ہونے
 کا تصور بھی اس کے ذہن میں ہوتا ہے ۔ قدرت کے نزدیک عمل ازواج بے مقصد عمل
 نہیں ہے ۔ اسلام کا تو مزاج ہی مقاصد پر مشتمل ہے ۔ حضور کی تمام زندگی لالینی امور
 سے خالی ہے ۔ من حسن اسلام المرء ترکہ مالا یغنیہ ۔

طبی لحاظ سے گرم ملکوں میں سن یاس اوسطاً ۴۵ سال ہوتی ہے ۔ اور عورت جب
 اس عمر کے قریب پہنچتی ہے تو استقرار کی صلاحیت پہلے ہی کم ہو جاتی ہے ۔ اگر نکاح
 کے وقت حضرت خدیجہ رضی کی عمر ۴۰ سال تسلیم کی جائے تو ۶ ۔ ۷ سال بعد وہ سن یاس
 کو پہنچ جاتی ہیں ۔ حالانکہ ایک روایت کے مطابق حضرت خدیجہ رضی کے چھ بچے پیدا ہوئے
 اور دوسری روایت کی رو سے ۸ بچے ہوئے ہیں ۔

اس لئے یہ خیال ہی برے سے غلط ہے کہ نکاح کے وقت حضرت خدیجہ رضی کی عمر
 ۴۰ سال تھی نکاح کے وقت حضرت خدیجہ تقریباً حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہم سن
 تھیں ۔

چونکہ یہ مسئلہ ضمنی طور پر سامنے آگیا تھا اس لئے ہم نے اس پر مختصر اظہار خیال
 کر دیا ہے ۔ اور اسی پر اکتفا کیا جاتا ہے ۔

ہمارے زمانے کے قابل قدر محققین نے اپنی قابل قدر تصانیف میں حضرت عائشہ
 کی سوانح میں ان کی عمر کے متعلق جو کچھ تحریر فرمایا ہے وہ اسی ہشام کی روایت کی تشریح
 و توضیح ہے ۔ بلکہ اسے اپنی طرف سے مدلل کرنے کے لئے ان حضرات گرامی نے خوب خوب
 دلائل پیش کئے ہیں ۔ ذیل میں ہم ان کی کتابوں سے چند اقتباسات پیش کر رہے ہیں
 ان سے اندازہ لگائیے کہ کس قسم کی تحقیق انیق ان حضرات نے پیش کی ہے ۔

سید سلیمان ندوی اور عمر نکاح عائشہ رضی حدیقہ رضی
 ” حضرت عائشہ رضی کا جب نکاح ہوا تھا وہ چھ برس کی تھیں ۔ اس کم سنی کی شادی کا

اصل منشاء نبوت و خلافت میں تعلقات کا استحکام تھا۔ ایک تو عرب کی گرم آب و ہوا میں عورتیں غیر معمولی نشوونما کی طبعی صلاحیت رکھتی تھیں۔ ثانیاً عام طور پر یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ جس طرح ممتاز اشخاص کے دماغی اور ذہنی قوایں میں غیر معمولی ترقی کی غیر معمولی استعداد ہوتی ہے۔ اسی طرح قد و قامت میں بھی بالیدگی کی خاص صلاحیت ہوتی ہے۔ اسی کو انگریزی میں "پری کوشن" کہتے ہیں۔ بہر حال اس کم سنی میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت عائشہؓ کو اپنی زوجیت میں قبول کرنا اس بات کی صریح دلیل ہے کہ لڑکیوں ہی سے اُن میں نشوونما، ذکاوت و جودت ذہن، نکتہ رسی کے آثار نمایاں تھے۔ عطیہ حضرت عائشہؓ کے نکاح کا واقعہ اس سادگی سے بیان کرتی ہیں کہ حضرت عائشہؓ لڑکیوں کے ساتھ کھیل رہی تھیں۔ ان کی آٹا آٹیں اور ان کو لے گئیں۔ حضرت ابو بکرؓ نے نکاح پڑھ دیا۔

(سیرت حضرت عائشہؓ ص ۱۰۰ از سید سلیمان ندوی مرحوم)

یہ عبارت ثر و لبیدگی افکار کا کامل نمونہ ہے۔ مضمون کی کمی کو الفاظ کی کثرت کے ذریعہ پورا کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ اور اس عبارت میں مندرجہ ذیل امور ہمارے لئے قابل غور ہیں۔

- ۱۔ گرم آب و ہوا کا سہارا لے کر کم سنی میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو بالغہ ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ حالانکہ تاریخ عرب میں اس کی کوئی نظیر نہیں ملتی۔
- ۲۔ "جس طرح بعض آدمی ابتدا ہی سے غیر معمولی ذہنی صلاحیتوں کے مالک ہوتے ہیں اسی طرح بعض جسمانی بالیدگی میں غیر معمولی صلاحیت رکھتے ہیں۔"

کیا سید صاحب کے محض اس امکان کے پیش کر دینے ہی سے واقعہ خود بخود ثابت ہو جاتا ہے۔ یعنی کیا کسی چیز کا امکان اس کے وقوع کو مستلزم ہوتا ہے؟

۳۔ انگریزی لفظ "پری کوشن" سے اس صلاحیت کی تعریف کی گئی ہے۔ اور یہ تعریف مجھول بالمجھول ہے۔ بجائے واقعے کی ماہیت بیان کرنے کے تعبیر کے چکر میں ڈال دینے سے تو کام نہیں چلتا۔

جہاں تک امکان کا تعلق ہے اس سے تو انکار نہیں کیا جاسکتا۔ بلکہ امکان کی حد تک تو یوں بھی ہو سکتا ہے کہ ۳۔ ۴ سال ہی میں ایک بچہ سن بلوغ کو پہنچ جائے۔ لیکن مدعا تو اس وقت تک پورا نہیں ہو سکتا جب تک اس امکان کا وقوع ثابت نہ کیا جائے۔

۴۔ معلوم ہوتا ہے کہ سید صاحب کے نزدیک اس شادی کا منشاء زن و شوہر کے تعلقات

قائم کرنا نہیں تھا بلکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی ذہانت سے فائدہ اٹھانا تھا۔ حالانکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی ذہانت کے فوائد نکاح کا سبب نہیں ہیں۔ بلکہ نکاح کا نتیجہ ہیں۔ اور اس نکاح کا منشاء وہی تھا جو نکاحوں کا منشاء ہوا کرتا ہے۔

۵۔ نبوت اور خلافت میں استحکام کی بھی ایک ہی رہی۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ دو بادشاہوں کو لڑائی کے امکانات سے بچانے کے لئے ان کے درمیان قبل از وقت ہی مصارت قائم کرادی گئی۔ اور معاملہ کی نزاکت اور اہمیت کے پیش نظر لڑائی کی کم سنی کو نظر انداز کر دیا گیا۔

۶۔ معلوم ہوتا ہے جس وقت نکاح ہوا اس وقت خلافت موجود تھی اور علیحدہ مستقل وجود رکھتی تھی۔ اس لئے نبوت و خلافت میں تعلقات کا استحکام ضروری تھا۔ اور یہ استحکام رشتہ دے کر ہی حاصل ہو سکتا تھا۔ ورنہ زبردست ٹکراؤ کا خطرہ تھا۔

۷۔ اس امر کے بعد باور کرنا پڑتا ہے کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی نبوت پر اس لئے ایمان نہیں لائے تھے کہ آپ نبی تھے۔ بلکہ اس لئے ایمان لائے تھے کہ انہیں سلطنت کے حصول کا لالچ تھا۔ اور شروع ہی سے وہ اقتدار کے امیدوار تھے۔ اور اسی امیدواری کو مستحکم کرنے کے لئے مصابرت قائم کی تھی۔ (عیاذ باللہ)

تو کیا روافض بھی حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے بارے میں ایسا ہی کچھ نظریہ پیش نہیں کرتے۔

۸۔ کیا ام رومان کوئی آنا تھیں؟

مولانا شبلی نعمانی اور عمر نکاح صدیقہ

”بعثت کے چار سال بعد پیدا ہوئیں۔ دس نبوی میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے نکاح ہوا۔ اس وقت شش سالہ تھیں نکاح کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا قیام مکہ میں تین سال تک رہا۔ ۳۱ھ نبوی میں آپ نے ہجرت فرمائی تو حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ بھی ساتھ تھے“

اس کے بعد ہجرت کا قصہ بیان کر کے فرماتے ہیں کہ:-

مدینے میں آکر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سخت بیمار میں مبتلا ہوئیں۔ امتدادِ مرض سے سر کے بال تک جھڑ گئے۔ صحت ہوئی تو ام رومان کو رسمِ عروسی کا خیال آیا۔ اس وقت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی عمر ۹ سال تھی۔ سہیلیوں کے ساتھ جھولا جھول رہی تھیں کہ ام رومان نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو

آواز دی۔ ان کو اس واقعہ کی خبر تک نہ تھی۔ ماں کے پاس آئیں۔ انہوں نے منہ دھویا۔ بال درست کئے اور گھر میں لے گئیں۔ انصار کی عورتیں انتظار میں تھیں۔ یہ گھر میں داخل ہوئیں تو سب نے مبارکباد دی۔ چاشت کے وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور رسم عروسی ادا ہوئی۔

(سیرت النبی جلد دوم طبع دوم ص ۴۰۵)

یہ تھوڑے سے تصرف کے ساتھ اس روایت کا ترجمہ ہے جو عام کتب حدیث میں مذکور ہے اور تمام ارباب سیر نے اسے لکھا ہے۔
پھر آگے مولانا شبلی اسی مضمون میں لکھتے ہیں :-

”یہ داستان نہایت پُر اثر ہے اور اسی وجہ سے امام بخاری رحمہ نے باوجود اختصار پسندی کے اسکو خوب پھیلا کر لکھا ہے۔ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی زبانی لکھا ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو اس وقت ۷ برس کی تھیں لیکن ان کا بیان درحقیقت خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ انہیں سے سن کر انہوں نے کہا ہوگا۔ اور ابتدائے واقعہ میں وہ خود بھی تھیں۔“

آخر ہر جگہ حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کی عمر بیان کرنے کا مقصد؟

غرض سیرۃ النبی شبلی میں جہاں بھی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا ذکر آتا ہے عمر کا ذکر بھی عموماً ساتھ ہی ساتھ ہے۔ کہیں اس فریضے سے غافل نہیں ہوئے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی ہر بات کے ساتھ ساتھ ان کی عمر کا بیان بھی ضروری ہو گیا ہے تاکہ ذہن ایک لمحے کے لیے بھی اس سے غافل نہ ہو کہ نکاح کے وقت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی عمر ۷ سال تھی اور رخصتی کے وقت ۹ سال تھی۔ جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا خیال آئے تو ان کی کم سنی کا تصور بھی ساتھ ہی آئے پیدائش کے بیان اور شادی کے ذکر میں اجمالاً عمر کا ذکر آگے آجائے تو کوئی مضائقہ نہیں۔ لیکن ہر واقعہ میں عمر کا بیان طبیعت میں ضیق پیدا کرتا ہے۔ آخر یہ کیا منصوبہ اور کیا سازش ہے؟ جو ایک بار کوفہ سے چلی ہے تو اب قیامت تک چلتی ہی رہے گی اور شبلی جیسا محقق بھی اس کی پردہ دری کے بجائے اس کو پردان ہی چڑھانے پر مجبور ہو جائے گا۔

نیاز فتیوری اور عمر نکاح صدیقہ رضی اللہ عنہا کی تاریخ کی کتابوں میں

کے سال ولادت کو نظر انداز کر دیا گیا۔ لیکن وہ چونکہ ہجرت سے تین سال پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں آئیں جبکہ ان کی عمر ۶ سال تھی۔ اور اس پر ارباب سیر کا اتفاق ہے۔ اس لئے ان کا سال ولادت ۶ سال قبل از ہجرت قرار پایا ہے۔

”عبد طفولیت کی باتیں عمر مآول سے فراموش ہو جاتی ہیں مگر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے لڑپن کی ایک ایک بات یاد رکھی۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت فرمائی تو ان کی عمر کا آٹھواں سال یا نوں سال تھا۔ لیکن ہجرت کے واقعات کا تسلسل جتنا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حافظے کا ممنون ہے کسی دوسرے صحابی کا نہیں۔“

پھر اسی کتاب کے صفحہ ۴۴ پر واقعہ انک میں لکھتے ہیں :-

”اس وقت ان کی عمر ۱۴ سال تھی۔“

پھر آگے لکھتے ہیں :-

”کم سنی میں یونہی زلیور کا شوق ہوتا ہے۔ نا تجربہ کاری سے خیال کیا۔“

نیاز صاحب کی یہ تمام عبارت پڑھ جائیے کہیں ان کے رہوارِ قلم میں رکاوٹ پیدا نہیں ہوئی کہ ذرا ٹھہر کر اس واقعے پر غور کر لیتے۔ غلطی بھی نکالنے بیٹھے تو یہ کہ سید سلیمان ندویؒ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی بیوگی کا زمانہ ۸ھ کے بجائے ۴۰ سال کیوں لکھ دیا۔

نیاز صاحب کا یہ ارشاد بھی عجیب ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا سال ولادت نظر انداز کر دیا گیا۔ سوال یہ ہے کہ دیگر ازواج یا بنات میں سے کسی کی بھی تاریخ پیدائش کہیں کتب حدیث یا سیر میں لکھی دیکھی ہے جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی تاریخ پیدائش نہ ملنے پر تعجب ہے۔

اس کے علاوہ جب نیاز صاحب لکھ رہے ہیں کہ نکاح کے وقت ۶ سال عمر تھی اور نکاح تین سال قبل از ہجرت ہوا تو تاریخ تو متعین ہو گئی۔ بلکہ ان کی تاریخ پیدائش اور ان کی عمر کی جتنی تشہیر تزوجھا النبی صلی اللہ علیہ وسلم وہی بنت سبت سنین و بنی بھا وہی بنت تسع سنین و مات عنھا وہی بنت شان عشر کے ذریعے کی گئی۔ اتنی شہرت تو کسی اور کو حاصل ہی نہیں ہوئی۔ تمام ازواج میں بلکہ تمام صحابہ میں سب سے زیادہ یقینی ثبوت تو انہی کی عمر کا ہے۔ اور ان کی عمر کے تو صرف اندازے ہیں لیکن حدیث و تفسیر کی کتب متداولہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی عمر کی روایات

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی کبریٰ

کے

اثباتی قرائن

اب تک ہم نے اپنی کتاب کے ضخیم حصہ میں ضروری شرح و بسط
 کے ساتھ جو کچھ لکھا وہ اس بحث کا منفی پہلو تھا، جو اس
 دعوے کی تردید اور نفی پر مشتمل تھا جس میں کہا جاتا ہے کہ
 حضرت عائشہ رضی کی عمر نکاح کے وقت چھ سال اور رخصتی
 کے وقت نو سال تھی۔

اب ہم اس مسئلہ صفحات میں اپنی بحث کے اثباتی پہلو کی
 طرف توجہ کرتے ہیں اور متعدد قرائن و شواہد سے اس بات
 کا ثبوت پیش کرتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی کی عمر نکاح
 کے وقت ۸ سال یا ۲۸ سال تھی اور رخصتی کے وقت
 ۱۹ سال یا ۲۹ سال تھی۔

حضرت عائشہ رضی کی کبر سنی بوقت نکاح کے

انبائی قرائن

پہلا قرینہ

۱ حضرت عائشہ رضی سلمہ میں ایمان لائیں | حضرت ابو بکر رضی کا خاندان ایمان

قبول کرنے میں السَّالِقُونَ الْأَوَّلُونَ میں سے ہے۔ ان کے والد ابو قحافہ اور ان کے بڑے بیٹے عبدالرحمن کے علاوہ باقی تمام خاندان بعثت کے وقت ہی ایمان لے آیا تھا۔

حضرت ابو بکر رضی کے متعلق ارباب سیر کی تصریح ہے کہ مردوں میں سب سے پہلے ایمان لانے والے ابو بکر تھے۔ اور عورتوں میں سب سے پہلے ایمان لانے والی حضرت خدیجہ تھیں۔ اور آزاد کردہ غلاموں اور باندیوں میں اولیت کا شرف پانے والے زید بن حارثہ اور ام ایمن اور بچوں میں سب سے پہلے ایمان لانے والے حضرت علی رضی اللہ عنہم ہیں۔

ہم مختلف کتب سیر سے سَالِقُونَ فِي الْإِسْلَام کی متعدد فہرستیں پیش کرتے ہیں جن سے معلوم ہوگا کہ سبقت ایمان میں خاندان صدیق رضی کا کیا مقام ہے۔ اور پھر انفرادی طور پر اس خاندان کے افراد کے نمبر بالترتیب کیا کیا ہیں۔ اور حضرت عائشہ رضی اس میں کس نمبر

پر ایمان لائی ہیں :-

سابقین بالایمان کی پہلی فہرست

السابقون الاولون کی ایک فہرست

مصنف نے یہ فہرست کاوش سے مرتب کی ہے جو ان کے گہرے مطالعہ کا پتہ دیتی ہے۔ اس فہرست کی ترتیب کے مطابق سب سے پہلے ایمان لانے والے ورقہ بن نوفل ہیں۔ اور اس کی تائید حافظ سراج بلقیفی اور حافظ عراقی نے کی ہے۔ ابن مسرہ نے ورقہ کو صحابہ میں بیان کیا ہے۔ حافظ ابن حجر نے اصحابہ میں صحابہ میں ان کا ذکر کیا ہے۔ طبری۔ بغوی۔ ابن قانع اور ابن المکن وغیرہ نے ان کو صحابہ میں شمار کیا ہے۔

ورقہ کے بعد سب سے مقدم حضرت خدیجہ ہیں۔ ان کے بعد مردوں میں حضرت ابو بکرؓ بچوں میں حضرت علیؓ رضی۔ موالی میں زید بن حارثہ۔ بہرام امین۔ پھر ام رومان زوجہ ابو بکرؓ پھر ام خیر والدہ ابو بکرؓ رضی۔ پھر اسماء بنت ابی بکر۔

اس ترتیب کی رو سے حضرت اسماء بنت ابی بکرؓ کا نمبر نواں ہے۔ اور چونکہ اسماء اور عائشہؓ دونوں بہنیں ایک وقت میں ایمان لائی ہیں۔ آگے اس کا ذکر آ رہا ہے۔ اس لئے اس ترتیب کی رو سے حضرت عائشہؓ کا نمبر دسواں ٹھہرتا ہے۔ اگرچہ مصنف "حیاب سید العرب" نے ان کا ذکر نہیں کیا ہے۔ لیکن اسی وقت جب حضرت ابو بکرؓ ایمان لائے ان کی دعوت پر مندرجہ ذیل اصحاب بھی فوراً ہی ایمان لائے :-

عثمان بن عفان۔ زبیر بن العوام۔ عبدالرحمن بن عوف۔ سعد بن ابی وقاص۔ طلحہ بن عبید اللہ۔ اس کے بعد اور بہت سے قریشی نوجوان حضرت ابو بکرؓ ہی کی دعوت پر ایمان لائے ہیں۔ جیسا کہ کتب سیر میں مذکور ہے۔ عشرہ مبشرہ کے بیشتر ارکان حضرت ابو بکرؓ کی وجہ سے اسلام میں داخل ہوئے (تلخیص "حیات سید العرب")

حضرت زید بن ارقم کے مکان میں داخل ہونے سے پہلے ۲ و آدمی اسلام لائے تھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دارالارقم میں بعثت کے تین سال بعد داخل ہوئے۔ (بحوالہ مذکورہ بالا)

سابقین بالایمان کی دوسری فہرست

سیرۃ النبویہ لابن ہشام جلد اول ص ۲۶ (حاشیہ پر) اردو ترجمہ مولانا عبد الجلیل ص ۲۶۵

جلد اول ناشر غلام رسول لاہور۔ پر ایمان لانے والوں کی ترتیب یہ ہے :- حضرت خدیجہؓ رضی۔ حضرت علیؓ رضی۔ زید بن حارثہؓ رضی۔ حضرت ابو بکرؓ رضی اور ان کے پانچ ساتھی عثمان بن عفان زبیر بن العوام۔ عبدالرحمن بن عوف۔ سعد بن ابی وقاص۔ طلحہ بن عبید اللہ۔

اس کے بعد لکھتے ہیں :-

ثم كان اول من ذكر من الناس يؤمن برسول الله صلى الله عليه وسلم
وصلى معه وصدق بما جاء من الله تعالى علي بن ابي طالب بن عبدالمطلب
بن هاشم وهو يومئذ ابن عشر سنين .

قال ابن اسحاق هو اول النفر الثمانية الذين سبقوا الناس بالاسلام
فصلوا وصدقوا رسول الله بما جاءه من الله .

پھر تھا اول جس کا ذکر کیا لوگوں میں ایمان لانے والا رسول اللہ پر آپ کے ساتھ نماز
پڑھنے والا تصدیق کرنے والا اس کی جو اللہ نے آپ پر نازل فرمایا ، علی ابن ابی طالب بن
عبدالمطلب بن ہاشم اور وہ اس وقت دس سال کے تھے .

ابن اسحاق نے کہا یہ آٹھ آدمی تھے جنہوں نے ایمان لانے میں سبقت کی اور نماز
پڑھی اور رسول اللہ کی تصدیق کی ان امور میں جو اللہ کی طرف سے آپ پر نازل ہوئے .
پھر آگے لکھتے ہیں :-

ثم اسلم ابو عبدة بن الجراح واسمه عامر عبد الله بن الجراح والبو
سلمة واسمه عبد الله بن عبد الله والارقم بن ابی الارقم واسم ابی الارقم
عبد مناف بن اسد و عثمان بن مظعون و عبدة بن الحارث بن عبدالمطلب
و سعيد بن زيد بن عمرو و امراءته فاطمة بنت الخطاب و اسماء بنت
ابی بکر و عائشة اختها . (دہی یومئذ صغیرۃ) و خباب بن الارت
پھر اسلام لائے ابو عبیدہ بن جراح اور ان کا نام عامر عبد اللہ بن جراح ہے ، اور ابو سلمہ
ان کا نام عبد اللہ بن عبد اللہ ہے اور ارقم بن ابی ارقم اور ابی ارقم کا نام عبد مناف بن اسد
ہے اور عثمان بن مظعون اور عبیدہ بن الحارث بن عبدالمطلب و سعید بن زید بن عمرو اور
اس کی بیوی فاطمہ بنت الخطاب اور اسماء بنت ابوبکر رضہ اور عائشہ رضہ اس کی بہن (اور وہ
اس وقت بچی تھی) اور خباب بن الارت .

دوسری فہرست کی اس ترتیب سے اسماء کا نمبر اٹھارواں ہے ۔ اور اس میں حضرت عائشہ رضہ
کا نام بھی موجود ہے جس کا نمبر انیسواں بیٹھتا ہے ۔

سابقین بالایمان کی تیسری فہرست | مواہب لدنیہ لاحمد بن محمد بن ابی بکر
خطیب قسطلانی مطبوعہ مصر ۱۹۰۶ء

کے صفحہ ۲۶ پر ترتیب یہ ہے :-

۱ خدیجہ علی ۲ ابو بکر ۳ زید ۴ عثمان بن عفان ۵ زبیر بن عبد الرحمن ۶ سعد بن ابی وقاص
طلحہ بن عبید اللہ

یہ اسلام لانے والوں کا سب سے پہلا گروہ ہے۔

ان کے بعد ابو عبیدہ بن الجراح - پھر زید بن ارقم - عثمان بن مظعون ان کے دونوں
بھائی قدامہ اور عبد اللہ - عبیدہ بن الحارث بن عبد المطلب - سعید بن زید -
اس کے بعد کہا :-

قال ابن سعد اول امرأة اسلمت بعد خديجة ام الفضل زوج العباس
واسماء بنت ابی بکر وعائشة اختها . كذا قال ابن عباس وغيره - وهو
دهم لان عائشة لم تكن ولدت بعد فكيف اسلمت وكان مولده سنة
اربع من النبوة قاله مخطا في وغيره .

ذرقانی علی المواہب مطبوعہ مصر ص ۲۴۶ اس کی شرح میں فرماتے ہیں :-

قال ابن سعد اول امرأة اسلمت بعد خديجة ام الفضل لبابة الكبرى
بضم اللام وخفة الموحدين بنت الحارث الهلالية تزوج العباس
وام بنیه ستة النجباء بانها وان كانت قديمة الاسلام لكنها لا تذكر
في السابقين فقد سبقتها سمية والدة عمار وام ايمن واسماء بنت
ابی بكر ذات النطاقين وعائشة اختها (وهي صغيرة)
اس سے آگے صاحب ذرقانی لکھتے ہیں :-

ولم يذكر بناته صلى الله عليه وسلم لانه لا شك في تمسكهن بهديه
وسيرته - وقد راوى ابن اسحق عن عائشة لما كرم الله نبيه بالنبوة
اسلمت خديجة وبناته وكان ابو العاصي نرج زينب عطيما في القریش
فكلمته قریش في فراقها على ان يتزوج من احب من نساءهم فاني -
وفي سيرة الشامية لابن المحاسن الدمشقي .

اسلمت راقية حين اسلمت خديجة وبايعت حين بايعت النساء
وام كلثوم حين اسلمت اخواتها وبايعت معهن والفاطمة لا يسئل منها
لولا دتها بعد النبوة او قبلها بخمس سنين .

ويشكل تزويج نريش بابي العاصي وراقية وام كلثوم لولدي ابی لہب
مع حيانة النبي صلى الله عليه وسلم من قبل البعثة على الجاهلية لان

تَحْرِيرِ الْمُسْلِمَةِ عَلَى الْكَافِرِ لَمْ يَكُنْ مَمْنُوعًا حَتَّى تَزَلَ قَوْلُهُ تَعَالَى فَلَا تُنْكِحُوا
 الْمُشْرِكِينَ حَتَّى يُؤْمِنُوا . وَقَوْلُهُ تَعَالَى فَلَا تَرْجِعُوهُنَّ إِلَى الْكُفَّارِ بَعْدَ
 صَلَاحِ الْحَدِيثِ كَمَا صَرَّحَ بِهِ الْعُلَمَاءُ . وَقَدْ كَفَاهُ اللَّهُ وَلَدِي أَبِي نَجَبٍ
 فَطَلَقَهَا قَبْلَ الدَّخُولِ وَاسْتَمَرَ زَيْنَبُ حَتَّى أُسِيرَ أَبُو الْعَاصِي بَيْدَرًا فَارْسَلَتْ
 فَلَمَّا عَادَ بَعَثَهَا إِلَيْهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَمْ تَزَلْ حَتَّى اسْلَمَ وَهَاجَرَ
 فَزَوَّجَهَا إِلَيْهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَدَقَّعَ فِي حَدِيثِ عَبْدِ ابْنِ إِسْحَاقَ الْأَسْلَامَ
 فَرَقَ بَيْنَهُمَا لَكِنَّهُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمْ يَقْدِرْ عَلَى نَزْعِهَا حِينَئِذٍ .

ابن سعد نے کہا پہلی عورت جو حضرت خدیجہ کے بعد ایمان لائی ام الفضل لبابۃ الکبریٰ لام
 کے پیش کے ساتھ اور دو با کے ساتھ بنت الحارث ہلالیہ عباس کی بیوی اور ان کے چھ
 بیٹوں کی ماں جو شریف اور نام آور تھے وہ قدیمۃ الاسلام تھی لیکن سابقون میں اس کا
 ذکر نہیں کیا جاتا اور اس سے پہلے ایمان لاتی ہیں . سمیتہ والدہ عمار اور ام ایمن اور اسماء
 بنت ابی بکر ذات النطاقین اور عائشہ اس کی بہن اور وہ اس وقت صغیرہ تھی .

و ابن سعد نے کہا پہلی عورت جو حضرت خدیجہ کے بعد ایمان لائی ام الفضل عباس
 کی بیوی اور اسماء بنت ابی بکر اور عائشہ اس کی بہن . ایسے ہی ابن عباس وغیرہ نے کہا
 ہے لیکن یہ وہم ہے کیونکہ عائشہ تو اس وقت پیدا ہی نہیں ہوئی تھی . اسلام کیسے لائی
 اس کی پیدائش چار نبوت میں ہوئی یہ مغلطائی وغیرہ نے کہا .

ج اور آپ کی لڑکیوں کا ذکر نہیں کیا اس لئے کہ اس میں ذرہ برابر شبہ نہیں کہ ان میں
 آپ کی سیرت اور عادت کا پورا اثر تھا اور ابن اسحاق نے عائشہ رض سے روایت بیان
 کی ہے جب اللہ تعالیٰ نے آپ کو نبوت سے سرفراز فرمایا تو خدیجہ رض اور آپ کی بیٹیاں آپ
 پر ایمان لائیں اور ابو العاصی زینب کا خاوند قریش میں بڑا مرتبہ رکھتا تھا اور قریش نے
 ابو العاصی سے کہا تھا کہ وہ زینب کو چھوڑ دے اور ہم اس کے عوض حسین ترین لڑکی بیاہ
 دیں گے مگر ابو العاصی نے انکار کر دیا .

اور سیرت شامیہ میں ہے .

رقیہ (بھی) تب ہی ایمان لائی جب خدیجہ رض ایمان لائی اور اسی وقت بیعت
 کی جب دوسری عورتوں نے بیعت کی اور ام کلثوم اسی وقت ایمان لائی جب اس کی بہنیں
 ایمان لائیں اور ان کے ساتھ ہی بیعت کی . اور فاطمہ کے متعلق تو بحث ہو ہی نہیں
 سکتی کیونکہ اس کی پیدائش نبوت کے بعد ہوئی یا نبوت سے پانچ سال پہلے . ایک سوال

اہم ہے کہ زینب کا نکاح ابوالعاصی سے اور رقیہ اور ام کلثوم کا ابولہب کے دو لڑکوں سے باوجود یکہ آپ نبوت سے پہلے بھی جاہلیت کے اثرات سے محفوظ تھے کیسے ہوا جو اب ظاہر ہے۔ مسئلہ کا فریکٹس اس وقت تک حرام نہیں تھی یہاں تک کہ یہ آیت نازل ہوئی۔
 لَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكِينَ حَتَّى يُؤْمِنُوا۔ اور اللہ کا قول لا ترجعواہن الی الکفار صلح حدیبیہ کے بعد اترا جیسا کہ علماء نے تصریح کی ہے اور اللہ نے ایسا سبب بنا دیا کہ ابولہب کے دو لڑکوں نے ان دونوں کو طلاق دیدی رخصتی سے پہلے اور زینب کا نکاح باقی رہا یہاں تک کہ ابوالعاصی بدر میں قید ہو گئے پھر وہ چھوڑ دئے گئے جب وہ لکے آئے تو انہوں نے زینب کو رسول اللہ کے پاس بھیج دیا وہ وہاں رہی جب تک کہ ابوالعاصی ایمان لائے اور ہجرت کی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زینب کی دوبارہ رخصتی کر دی اور ابن اسحاق کا بیان ہے کہ اسلام نے دونوں میں جدائی کر دی تھی لیکن آپ اس سلسلے میں عملی اقدام نہ کر سکے تھے۔

مختلف ترتیبوں کی تطبیق ہم نے مختلف کتابوں سے سابق الایمان لوگوں کی فہرست درج کر دی ہے۔ بعض صحابہ پر تو

ارباب سیر کا اتفاق ہے۔ لیکن جہاں فرق اور اختلاف ہے وہاں تطابق کی یہ صورت ہو سکتی ہے کہ یا تو سب نے ایک ہی وقت میں ایک ہی مجلس میں اسلام قبول کیا ہو اور تقدیم و تاخیر محض شہادتین کے پڑھنے میں ہوئی ہو۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ صبح و شام کا اختلاف ہو۔ کسی نے صبح کو کلمہ پڑھا ہو اور کسی نے شام کو۔ اور اس کا بھی امکان ہے کہ دو چار روز کا فرق ہو۔ ہر ایک نے انفرادی طور پر اسلام قبول کیا ہو اور اس وقت یہ معلوم نہ ہوا ہو کہ پہلے کس نے اسلام قبول کیا اور بعد میں کس نے۔

اس وقت تو ان اسلام لانے والوں کے ذہن میں کفر کی تاریکی سے نکلنا تھا۔ اور اندھیرے سے روشنی میں آنا تھا۔ یہ بحث تو بہت بعد میں پیدا ہوئی کہ پہلے کون ایمان لایا اور بعد میں کون۔ جب یہ سابق الایمان جماعت اللہ کو پیاری ہو گئی تو آنے والوں نے دیگر مسائل کی طرح یہ مسئلہ بھی درج تاریخ کیا کہ پہلے کون ایمان لایا۔ اور وہ ایسا وقت تھا جب قیاس اور سماعی روایات کے سوا کوئی ذریعہ ایسا نہیں تھا جس پر اس مسئلے کا فیصلہ کیا جاسکتا۔

اس انفرادی اولیت سے قطع نظر یہ بات تقریباً طے شدہ ہے کہ بیس پچیس آدمیوں پر اہل سیر کا اتفاق ہے کہ یہ سب پہلے ایمان لائے ہیں۔ اور تقدیم و تاخیر کا یہ مسئلہ بھی انہیں بیس پچیس کے درمیان ہے۔ ان سے باہر نہیں ہے۔ لہذا یہ مسلم ہے کہ السابقون کی جو

فہرست کتابوں میں مذکور ہے وہ یقینی اور متفق علیہ ہے۔ بہر حال یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ملحقہ کے قریبی لوگ ہیں اور یہ ضرور ایک ہی وقت میں ایمان لائے ہوں گے۔ اور ان میں تقدیم و تاخیر ساعی ہے یومی نہیں ہے۔

حضرت خدیجہ آپ کی اہلیہ ہیں۔ حضرت علی آپ کے ابن عم اور پروردہ ہیں۔ زید بن حارثہ آپ کے آزاد کردہ غلام ہیں۔ ام ایمن آپ کی باندی ہیں اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ آپ کے جگری دوست اور منہ بولے بھائی ہیں۔ اس سابق الایمان کردہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادیاں اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کا خاندان بھی ہے۔ اس لئے تقدیم و تاخیر کے سلسلہ میں تطبیق کی بہتر صورت جسے اہل سیر نے ذکر نہیں کیا یہ ہے کہ اگر

سب سے پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلقین ایمان لائے۔ یعنی آپ کی اہلیہ حضرت خدیجہ زید بن حارثہ اور آپ کی بنات میں سے حضرت زینب۔ کیونکہ اس وقت وہی بنات میں سے بالغہ ہوں گی اور باقی بنات اور حضرت علی تبعاً مومن قرار پائے۔ کیونکہ بچوں کا ایمان ان کے بزرگوں کا تابع ہوتا ہے۔ اس کے بعد مگر ساتھ ہی حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کا گھرانہ ایمان لایا۔ حضرت ابو بکر اور ان کی والدہ ام الخیر، ان کی اہلیہ ام رومان، ان کی لڑکی اسماء، ان کا لڑکا عبداللہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ایمان لائیں۔

بہت ممکن ہے کہ بنات البنی اور حضرت علی رضی اللہ عنہ اس وقت شہادتین کو دہرایا ہو۔ جس سے ان کے اس وقت ایمان لانے کا خیال ہو گیا ہو۔

اس کے بعد فوراً حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے مخصوص حلقہ کے لوگ عثمان بن عفان، زبیر عبدالرحمن، سعد بن وقاص اور طلحہ بن عبید اللہ۔ یہ سب نوجوان طبقہ ہے۔ اس کے بعد حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے حلقہ اثر کے دوسرے لوگ ایمان لائے۔ مثلاً ابو عبیدہ بن جراح، ابوسلمہ، ارقم، عثمان بن مظعون اور ان کے دونوں بھائی وغیرہ ایمان لائے۔ یہ ترتیب انفرادی نہیں ہے بلکہ خاندانوں اور حلقہ احباب پر مشتمل ہے۔

یہ وہ جماعت ہے جو نبی کریم کے دعوت نبوت کے فوراً بعد زیادہ سے زیادہ چند دن کے اندر اندر ایمان لے آئی۔ بعض ارباب سیر نے انفرادی طور پر ان میں سے کسی کو مقدم کر دیا اور کسی کو مؤخر۔

نیز بعض اہل سیر نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی والدہ ام خیر اور ان کی بیوی ام رومان کو ترک کر دیا۔ بعض نے ان کو ترتیب میں وہیں ظاہر کیا جہاں انہیں ہونا چاہیے تھا۔ یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خاندان کے فوراً بعد اس ترتیب میں ان کی بیوی کو ساتویں

نمبر پر۔ ان کی والدہ ام خیر کو آٹھویں نمبر پر اور ان کی لڑکی اسماء کو نویں نمبر پر۔ چونکہ دونوں بہنیں ساتھ تھیں اس لئے اہل سیر نے اسماء کے فوراً بعد کہا و عاشتہ الخیر۔ اس لئے ان کا نمبر دسواں قرار پاتا ہے۔

یہ بھی ممکن ہے کہ ان کے بھائی عبداللہ اس وقت بالغ ہوں۔

سابق الایمان لوگوں کی جو ترتیب ہم نے قائم کی ہے وہ ارباب سیر کی انفرادی ترتیب سے بہتر اور جامع ہے۔ حقیقت تو یہ ہے جیسے کہ ہم پہلے اجمالاً لکھ آئے ہیں کہ اس سلسلہ میں جتنے مباحث ہیں وہ شرف اولیت کو ظاہر کرنے کے لئے متاخرین نے پیدا کئے ہیں۔ ظہور فتن کے بعد یہ مباحث پیدا ہوئے ہیں۔ ورنہ سیدھی سادی بات تو یہ ہے کہ اس وقت حضرت علیؑ کے تھے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں پرورش پارہے تھے اور ان امور میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تابع تھے۔ ورنہ جو شخص مکلف ہی نہیں اس کا تکلیفات شرعیہ کے قبول کرنے کا اعلان کوئی اہم بات نہیں ہے۔ وہ تو ان امور میں اپنے سرپرستوں کے تابع ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بنات کے ایمان کی کوئی بحث ہماری کتابوں میں نہیں۔ حالانکہ وہ شرف اولیت میں اپنی والدہ حضرت خدیجہ رحمہ کے بعد سب سے مقدم ہیں۔ وہ عمر میں حضرت علیؑ سے بڑی تھیں۔ حتیٰ کہ حضرت فاطمہ رحمہ کا بھی دعویٰ تھا کہ میں عمر میں حضرت علیؑ سے بڑی ہوں۔

دخل العباس علی بن ابی طالب وفاطمۃ وہی تقول انا سن منک فقال العباس اما انت یا فاطمۃ ! فولدت وقریش تبی الکعبۃ والنبی صلی اللہ علیہ وسلم ابن خمس وثلاثین سنۃ۔ واما انت یا علی فولدت قبل ذلک سنۃ (ابن سعد ص ۲۶ ذکر فاطمہ)

اور عباس علی اور فاطمہ کے گھر گئے وہ علی سے کہہ رہی تھی میں عمر میں تجھ سے بڑی ہوں تو عباس نے بتلایا اے فاطمہ تو جب پیدا ہوئی تو قریش کعبہ کی تعمیر نو کر رہے تھے اور نبی صلعم کی عمر اس وقت ۵۳ سال تھی اور اے علی تو اس واقعے سے چند سال پہلے پیدا ہوا تھا۔

اسی طرح ام الفضل زوجہ عباس کا سابق الایمان ہونا یہ مسئلہ محض سلطنت عباسیہ کی وجہ سے پیدا ہوا۔ یہ روایت ابن سعد میں مذکور ہے۔ واقعی اس کا رادی ہے جو عباسی دور میں بغداد کا قاضی تھا۔ چونکہ بنو عباس کو فضیلت اولیت میں شریک کرنے

کی اس کے سوا کوئی صورت نہیں تھی اس لئے اس نے ماں کے ذریعے ان کو فضیلت
اولیت میں شریک کر دیا ۔

حضرت عباس کا فتح مکہ میں ایمان لانا ظاہر ہے جسے بدلا نہیں جاسکتا ۔ لہذا اس کے
لئے بہترین صورت یہی تھی کہ ام الفضل کو سابق الایمان لوگوں میں شریک کر دیا جائے ۔ اگر
سلطنت عباسی ظہور میں نہ آتی تو عباسیوں کے متعلق روایات کا یہ رنگ نہ ہوتا ۔

ام الفضل اگرچہ اپنے خاوند سے پہلے ایمان لائی ہیں لیکن زرقانی نے تصریح کی ہے
کہ ان سے پہلے عورتوں میں سمیہ ۔ ام ایمن ۔ اسماء ۔ عائشہ رضی اللہ عنہا پہلی تھیں ۔
اسی طرح ابن اسحاق کی ترتیب کے موافق عورتوں میں سب سے پہلے خدیجہ
فاطمہ ۔ بنت الخطاب ۔ اسماء اور عائشہ ہیں ۔

متقدمین کے نزدیک حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سابق الایمان ہیں

مختصر بات یہ ہے کہ سیرۃ النبویہ لابن ہشام میں امام ابن اسحاق کی روایت کی رد سے
سابق الاسلام لوگوں کی فہرست میں حضرت اسماء اور ان کی بہن عائشہ رضی اللہ عنہا کا ذکر ایک ہی جگہ
ایک ہی درجہ میں کیا گیا ہے ۔ اور اسماء کا سابق الایمان لوگوں کی فہرست میں ہونا متفق علیہ
ہے ۔ اس سے معلوم ہوا کہ متقدمین کے نزدیک حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سابق الایمان لوگوں میں
مذکور ہوئی ہیں ۔

لیکن متاخرین نے ہشام بن عروہ کی روایت کی وجہ سے ان کو اس فہرست سے خارج
کر دیا ۔

سیرۃ ابن اسحاق میں یہ عبارت ہے **واسماء بنت ابی بکر وعائشہ اختہا**
(وہی لیومئذ صغیرۃ) یہ جملہ حالیہ بھی کسی نے بعد میں اضافہ کیا ہے ۔ ورنہ ابن
اسحاق کا قول بغیر اس جملہ کے تھا ۔ جیسا کہ صاحب مواہب نے ابن اسحاق کا بیان بغیر اس
جملہ کے کیا ہے ۔ اور زرقانی نے اس عبارت کی شرح میں جہاں اور عبارتیں اضافہ کی ہیں
وہاں اس میں **وہی صغیرۃ** کا اضافہ کیا ہے ۔ اس سے معلوم ہوا کہ ابن اسحاق کی عبارت
بغیر اس جملہ حالیہ کے تھی ۔

صاحب مواہب نے اس عبارت کے آخر میں لکھا ہے **کذا قال ابن عباس وغیرہ**
یعنی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو سابق الایمان لوگوں میں بیان کرنے والے ابن عباس اور ان کے علاوہ
اور لوگ بھی ہیں ۔

محمد بن اسحاق کی روایت کا قتل سے بچ جانا ایک کرامت ہے

نہ معلوم محمد بن اسحاق کی یہ روایت قتل ہونے سے کیسے بچ گئی۔ حالانکہ ہشام بن عروہ کی روایت کی موجودگی میں اس کا زندہ رہنا محال تھا۔ اس کا بچ رہنا کرامت سے کم نہیں ہے۔

محمد بن اسحاق ہشام بن عروہ کے معاصر ہیں اور بخداد میں منصور کے دربار میں دونوں ساتھ رہے ہیں۔ اس میں شک نہیں ہے کہ ابن اسحاق نے بہت سی روایتیں ہشام سے قبول کی ہیں لیکن یہ روایت ہشام انہوں نے قبول نہیں کی۔ ابن اسحاق اس کو بدھتہ غلط تصور کرتے تھے۔ اس وجہ سے کہ آخر میں ہشام کی حالت بدل گئی تھی۔ اور یادداشت میں بھی فرق آگیا تھا۔ اور اسی طرح امام ابو حنیفہ رحم بھی بخداد میں ہشام کے ساتھ رہے ہیں۔ لیکن انہوں نے بھی ہشام کی اس روایت کو قبول نہیں کیا۔

محمد بن اسحاق کی روایت کے بچے رہنے کی وجہ یہی معلوم ہوتی ہے کہ ان سابق الایمان لوگوں کے ایمان لانے کا کوئی سنہ متعین نہیں تھا۔ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ایمان لانے کی روایت میں وہی یومین صغیرہ بھی نقل ہوا تو رواۃ کا ذہن اس طرف نہیں گیا کہ ہشام کی روایت اور اس قول میں کوئی تضاد ہے۔ محض اپنے اس اجمال کی وجہ سے یہ روایت قتل ہونے سے بچ گئی۔ ورنہ بعد کے محققین جنہوں نے ہشام کی روایت کو بطور حقیقت واقعہ کے قبول کر لیا تھا اسماء کے ساتھ عائشہ رضی اللہ عنہا کے نام اور اس جملے ہی کو صاف کر دیتے۔ اور سمجھتے کہ ہم نے کتاب کی تصحیح کر دی اور ایک زبردست غلطی کو دور کر دیا۔ اور اس سے بھی زیادہ اہم وجہ یہ ہے کہ سیرۃ ابن اسحاق کا ایک نسخہ مصنف کے اپنے ہاتھ کا لکھا ہوا سلطنت عباسی کے شاہی کتب خانے میں موجود تھا۔ اس میں تغیر و تبدل بہت مشکل تھا اور وہ نسخہ صدیوں محفوظ رہا اور اس کی نقلیں ہوتی رہیں۔

مواہب لدنیہ میں ابن سعد کی جس روایت کا حوالہ دیا گیا ہے وہ اب ہمیں مطبوعہ طبقات میں نہیں ملتی۔ کسی من چلے نے تصحیح کے خیال سے اس روایت ہی کو کتاب سے صاف کر دیا۔ حسب روایت مواہب لدنیہ ابن سعد کے علاوہ بھی کچھ اور لوگ اس روایت کو بیان کرتے تھے کہ سابق الایمان جماعت میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بھی شامل تھیں۔ جیسے اس فقرے: قال ابن عباس وغیرہ سے ظاہر ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ صحابہ میں سے ابن عباس اور ان کے علاوہ دوسرے صحابہ یہ بیان کرتے تھے

کہ سابقون الاولوں میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ہیں لیکن آج میں کسی کتاب میں ابن عباس یا کسی دوسرے صحابی کی کوئی روایت نہیں ملتی۔ کتب حدیث میں تو ہشام کی روایت کے خلاف کسی ازہ کی روایت کے آنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ کیونکہ ہشام کے مقابلہ میں اصحاب کس سے کسی مرجوح آدمی کی روایت قبول کرتے اور تیار ہی نہیں۔
عمر عائشہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں ابن اسحاق کی روایت قابل ترجیح ہے۔

ہمارے خیال میں قابل ترجیح روایت ابن اسحاق کی ہے جو اب سیرۃ ابن اسحاق میں ہے اور ابن عباس وغیرہ کی روایات بھی قابل اخذ ہوتی ہیں اگر وہ کتابوں میں باقی رہتے دی جاتیں۔ ابن اسحاق کی اس روایت کے روئے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا جب سلمہ نبوت میں ایمان لائیں تو اس وقت جوان تھیں تو ہجرت کے وقت یقیناً پوری عاقلہ بالغہ تھیں۔ لہذا رخصتی کے وقت نہ وہ ۹ سالہ بھی تھیں نہ کھیل تھے نہ گڑیاں تھیں۔
اس صورت میں نہ عادیۃ اللہ کی خلاف ورزی ہے نہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر سفسفہ میں بناء کا سوال پیدا ہوتا ہے۔ نہ اس میں کوئی خارق عادت صفت پائی جاتی ہے۔ نہ اس میں کسی قوی شہادت کی ضرورت ہے۔ روایت کے تمام ضابطوں پر پوری اترتی ہے۔
جیسے دیگر ازدواج کی عمریں کو مستعین کیا جاتا ہے اسی طرح حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی عمر بھی متعین ہو سکتی ہے۔

کیا صحابہ کی عمروں کا معلوم کرنا ضروریات دین میں سے ہے؟

علاوہ ازیں صحابہ کی عمروں کا معلوم کرنا فرائض شرعیہ یا واجبات شرعیہ میں سے نہیں ہے۔ نہ بھی معلوم ہوں تو کوئی حرج نہیں ہے۔

مواہب لدنیہ کا ابن سعد کی اس روایت کے متعلق یہ کہنا کہ یہ ابن سعد کا وہم ہے غلط ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ یہ ابن سعد کا نہیں بلکہ صاحب مواہب کا وہم ہے۔ یہ قتل روایات کے ذہن کی ترجمانی کر رہا ہے۔ ان کے دماغ پر ہشام بن عروہ کی روایت مسلط ہے جسے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی زبان سے ادا کر دیا گیا ہے۔ ہشام بن عروہ کی روایت کی روشنی میں صاحب مواہب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی پیدائش کا زمانہ ۳۳ھ نبوی مقرر کر رہے ہیں جو واقع کے خلاف ہے۔

ابن اسحاق کی یہ موجودہ روایت اور ابن سعد کی محوشدہ روایت ابن عباس اور دوسرے

صحابہ کی روایات جن کے حوالے کتب میں موجود ہیں مگر وہ ہمیں کتابوں میں نہیں ملتیں بالکل صحیح اور مبنی برحقیقت تھیں اور ہیں۔ موجودہ روایت ابن اسحاق ضابطہ اصول حدیث کی رو سے درست ہے۔ محمد بن اسحاق کا ضعیف فی الروایت ہونا اس روایت میں مضر نہیں ہے۔ کیونکہ اول تو ضعیف فی الروایت کا الزام جو محمد بن اسحاق پر وارد کیا جاتا ہے وہی الزام ہشام پر بھی عائد ہے۔ جیسے کہ آپ پہلے امام مالکؒ کا ارشاد پڑھ چکے ہیں علاوہ ازیں ضعیف فی الروایت کی وہ روایت ناقابل قبول ہوتی ہے جو ممکن امور میں کسی قوی راوی کی روایت کے خلاف ہو۔ اور وہ احکام سے متعلق ہو۔ لیکن جو روایت سیرت کے درجے کی ہو اور وہ اپنے مضمون کے ذریعے شکوک و شبہات پیدا کرنے کے بجائے شکوک و شبہات و اعتراضات کو اٹھا رہی ہو دوسرے لفظوں میں خود کسی ناقابل فہم مضمون پر مشتمل ہونے کے برخلاف وہ دوسری روایات کے ناقابل فہم مضامین کی تردید کر رہی ہو گویا بجائے مضر ہونے کے مفید ثابت ہو رہی ہو تو اسے بطیب خاطر اور بصد شکر یہ قبول کیا جائے گا۔ اور اس کے مقابلہ میں ایک قوی کی اس روایت کو جو عادت اللہ اور عادت الناس کے خلاف مضامین پر مشتمل ہو اور سب سے بڑھ کر جس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی پر حرف آتا ہو اسے بے تکلف اور اول نظر میں رد کر دیا جائے گا۔

خلاصہ | اس تمام بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ ”حیات سید العرب“ سیرت ابن اسحاق بروایت سیرۃ ابن ہشام۔ اور مواہب لدنیہ اور زرقانی شرح مواہب کی روایات اور ان کے بیانات کی رو سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا یقیناً ۳۸ نبوی میں ایمان لائیں اور اس وقت یقیناً ان کی عمر اس قابل تھی کہ وہ مکلف بایمان بھی تھیں اور ان کے ایمان کا ذکر بھی کیا جانا چاہیے تھا۔ اور یہ عمر ایمان دیگر شواہد و دلائل پندرہ سال بنتی ہے۔ اور پھر اس کے حساب سے بدھتہ ان کی عمر نکاح اٹھائیس سال اور عمر رخصت ۲۹ سال قرار پاتی ہے۔

اور عقل عام، تاریخ عام اور رواج عام اسی کا تقاضا بھی کرتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی عمر ایمان کے وقت پندرہ سال اور نکاح کے وقت ۲۸ سال اور رخصت کے وقت ۲۹ سال ہو۔

دوسرا قرینہ

ایت بِلِ السَّاعَةِ کے نزول سے حضرت عائشہ رضی کی خبر داری

حدثنا ابراهيم بن موسى قال حدثنا هشام بن يوسف ان ابن جريج
اخبرهم قال اخبرني يوسف بن ماهك قال اني عند عائشة ام المؤمنين
قالت لقد انزل علي محمد بمكة (دانی لجاریۃ العب) بِلِ السَّاعَةِ
مَوْعِدُهُمْ وَالسَّاعَةُ اَذْهَىٰ وَاَمَرٌ .

ابراہیم بن موسیٰ نے ہم سے حدیث بیان کی اس نے کہا ہشام بن یوسف نے ہم سے حدیث
بیان کی کہ ابن جریج نے ان کو بتلایا اس نے کہا یوسف بن ماہک نے اسے خبر دی کہ وہ عائشہ رضی
کے پاس آیا تو عائشہ رضی نے کہا اللہ نے محمد پر سکے میں یہ آیت اتاری (اور میں بچی تھی
کھیل میں مشغول) بِلِ السَّاعَةِ مَوْعِدُهُمْ .

یہ آیت قمر کی ہے . اور سورۃ قمر حبشہ کی طرف ہجرت اولیٰ سے پہلے نازل ہوئی
ہے . اسی زمانہ میں معجزہ شق القمر پیش آیا تھا .

اس روایت کے راوی منجملہ دیگر صحابہ کے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی بھی ہیں جو
زرقانی وغیرہ کی تصریح کے موافق ہجرت اولیٰ میں شریک تھے . معجزہ شق القمر کا وقوع
ہجرت اولیٰ سے پہلے ہے . اس لئے اس سورۃ کا نزول مکہ نبوی میں ہوا ہے . یہ سورۃ
مفصلات میں سے ہے . اور یہ تمام سورتیں تقریباً ایک ایک نخطے کی صورت میں نازل
ہوئی ہیں . یہ ساری سورت ایک دم نازل ہوئی ہے اور اسی کی ایک آیت بِلِ السَّاعَةِ ہے .

اس پوری آیت میں ایک آنے والے واقعے کی پیشین گوئی ہے۔ غزوہ بدر کے موقع پر یہ آیت آپ کی زبان پر تھی اور صحابہ نے اس پیشین گوئی کو اپنی آنکھوں سے پورا ہونے دیکھا ہے۔

سئم نبوت میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اس عمر میں تھیں کہ کلام اللہ کو سمجھتی تھیں اور یہ بھی جانتی تھیں کہ یہ خدا کا کلام ہے۔ اور انہوں نے اس کے نزول کے واقعے کو یاد بھی رکھا۔

اس روایت میں کَرَاتِي لِمَجَارِيَةِ الْعَبِّ پر ہم بحث کر چکے ہیں کہ یہ راوی کا اپنا بیان ہے اور اس سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا کوئی تعلق نہیں ہے۔

عام طور سے ہمارے رُوداۃ روایت کا ذہن یہ بن چکا ہے کہ کھیل اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا لازم و ملزوم ہیں۔ اور ان کا کوئی کام کھیل سے خالی نہیں ہو سکتا۔ سئم نبوت سے شروع ہو کر غزوہ تبوک سئم ہجری تک ۱۸ سال تک یہ کھیل اُن کا بیچھا نہیں چھوڑتے۔

ہماری تحقیق کی رُود سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نبوت میں بالغہ تھیں اور اسی لئے آیت بالا کے متعلق ان کا بیان بالکل صحیح ہے۔

روایات بشام یعنی روایت لعب بالبنات اور روایت تزوج کی وجہ سے خدا ہی جانتا ہے کہ کتنے ان حقائق نفس الامریہ کو مسخ اور محو کر دیا گیا ہوگا جو اگر باقی رہتے تو صحیح حالات و واقعات پر روشنی ڈالتے۔ اب تو ہمیں اپنی تحقیق میں انہی منتشر واقعات سے کام چلانا پڑے گا جو اپنے ابہام کی وجہ سے ان قاتل روایتوں کی زد سے بچ گئے ہیں ورنہ جنہیں ڈھونڈ ڈھونڈ کر لانا جوئے شیر لانے کے مترادف ہے۔

تيسر قرينه

روايت هجرة حبشه | حدثنا يحيى بن بكير قال حدثنا الليث عن عقيل
قال هشام اخبرني عن عروة بن الزبير ان عائشة

زوج النبي صلى الله عليه قالت لما عقل البوي قطالا وهما يدبران
دينا ولم يمر علينا يوم الا وياقينا فيه رسول الله صلى الله عليه وسلم
طرفي النهار بكرا وعشية . فلما ابتلى المسلمون خرج ابو بكر مهاجرا
نحو ارض الحبشة حتى اذا بلغ برك الغماد لقيه ابن الدغنة وهو
سيد القسارة . فقال اين تريد يا ابا بكر؟ لا يخرج ولا يخرج مثله
انك تكسب المعدوم وتصل الرحم وتحمل الكل وتقري الضيف
وتعين على نوائب الحق وانا لك جار فارجع فاعيد ربك ببلدك
فرجع دار تحمل معه ابن الدغنة وطاف ابن الدغنة عشية في
اشرف قریش فقال ان ابا بكر لا يخرج مثله ولا يخرج اتخرجون
رجلا يكسب المعدوم ويصل الرحم ويحمل الكل ويقري الضيف
ويعين على نوائب الحق فلم تكذب قریش بمجوار ابن الدغنة
وقالوا ابن الدغنة مرا با بكر فليعبد ربه في داره ويصل فيها وليقرأ
ما شاء ولا يؤذينا بذلك ولا يستعلن بصلواته ولا يقرأ في غير داره ثم
مدا لا في بكر فابتنى مسجد الفناء داره وكان يصلي فيه ويقرأ

القرآن فكان نساء المشركين وابناءهم يعجبون منه وينتظرون اليه وكان
ابو بكر رجلا بكاء لا يملك عينيه اذا قرأ القرآن فاذع ذلك اشرف قریش
من المشركين فاسلوا الى ابن الدغنة فقدم عليهم فقالوا انا كنا اجبرنا
ابا بكر بحوارك على ان يعبد ربك في دارة فقد جاورنا ذلك وابتنى مسجداً
بفناء دارة فاعلن في الصلوة القرآنية فيه وانا قد خشينا ان يفتن ابناؤنا
ونسائنا فانهم - فان احب ان يقتصر على ان يعبد ربك في دارة فعل
وان ابى الا يعلن ذلك فله ان يرد عليك ذمتك فانا قد كرهننا تخفرك
ولسنا مقرين لابي بكر بالاستعلاء - قالت عائشة رضي الله عنها فاني ابن الدغنة
الى ابى بكر فقال قد علمت الذي قد عاقدت عليه قریش فاما ان تقتصر
على ذلك واما تورد متى فقال انى لا احب ان تسمع العرب انى اخفرت في
رجل عقدت له فقال ابو بكر انى اسرد عليك حوارك وارحنى بحوارك الله
عن رجل (بخاری)

- یحییٰ بن بکر نے ہم سے حدیث بیان کی اس نے کہا لیث نے ہم سے حدیث بیان کی
عقیل سے اس نے کہا ہشام نے کہا مجھے بتلایا عروہ بن زبیر نے کہ عائشہ رضی اللہ عنہا زوجہ نبی صلعم
نے کہا میں نے جب سے ہوش سنبھالا ہے تب سے اپنے والدین کو اسلام کا پابند دیکھا
اور نبی صلعم ہر روز ہمارے ہاں آیا کرتے تھے صبح اور شام - جب مسلمانوں پر وقت ابتلاء
آیا تو ابو بکر رضی اللہ عنہ کی طرف نکلے مہاجر بن کر اور برک غماد تک پہنچ گئے وہاں
انہیں ابن الدغنے ملا یہ قبیلہ قار کا سردار تھا اس نے پوچھا کہاں جا رہے ہو ابو بکر - تجھ
جیسا آدمی نہ نکلتا ہے اور نہ نکالا جاتا ہے تو ناداروں کی مدد کرتا ہے - اور صلہ رحمی
کرتا ہے اور گرے کو اٹھاتا ہے اور مہمان نوازی کرتا ہے اور مددگار ہے فرائض حق کا
اور میں تجھے جار دیتا ہوں لوٹ چل - اپنے رب کی عبادت کر اپنے شہر میں پس ابو بکر
لوٹ آئے اور ابن الدغنے بھی ساتھ ہی آیا ابن الدغنے رات کو اشرف قریش میں گھوما
اور ان سے کہا ابو بکر جیسا آدمی نہ مجبور ہو کر نکلتا ہے اور نہ اسے نکالا جاتا ہے - کیا تم
ایسے آدمی کو نکال رہے ہو جو نادار کی مدد کرتا ہے - اور صلہ رحمی کرتا ہے گرے ہوئے
کو اٹھاتا ہے اور مہمان نوازی کرتا ہے اور حق کی ضروریات میں اعانت کرتا ہے تو
قریش نے ابن الدغنے کے جوار کو رو نہیں کیا - انہوں نے ابن الدغنے سے کہا جاؤ ابو بکر
سے کہو اپنے رب کی عبادت اپنے گھر میں کرے اور اپنے گھر میں نماز پڑھے

اور جو چاہے پڑھے اپنے گھر میں مگر ہمیں تکلیف نہ دے۔ اور اپنی نماز کا اعلان نہ کرے اور اپنے گھر کے علاوہ کہیں اور قرأت نہ کرے پھر ابو بکر کی رائے بدل گئی اس نے اپنے گھر کے صحن میں مسجد بنالی۔ اس میں نماز پڑھنے لگے اور قرآن پڑھنے لگے تو مشرکوں کی عورتیں اور بچے اس عمل کو متعجب دیکھتے تھے اور دیر تک اس حالت میں ابو بکر کو دیکھتے رہتے تھے اور ابو بکر رونے والے آدمی تھے جب قرآن پڑھتے تھے تو ان کے آنسو بہنے لگتے تھے تو اشراف قریش اس سے گھبرا اٹھے انہوں نے ابن الدغنه کو بلا بھیجا اور وہ ان کے پاس آیا تو انہوں نے شکایت کی کہ ہم نے ابو بکرؓ کو پابند کیا تھا تیرے جوار کی وجہ سے کہ وہ اپنے گھر میں اپنے رب کی عبادت کرے۔ اس نے اس سے تجاوز کیا اپنے گھر کے صحن میں مسجد بنالی اور نماز میں جہر سے قرأت کرنے لگا اور ہمیں ڈر ہے ہماری عورتیں اور بچے اس فتنے میں نہ پڑ جائیں اسے اس کام سے منع کر دو۔ اگر وہ اسے پسند کرے کہ اپنے رب کی عبادت اپنے گھر کے اندر کرے تو کرتا رہے اور اگر وہ اعلانیہ کرنے سے باز نہ آئے تو تیرے جوار کو واپس کر دے اور ہمیں اچھا نہیں لگتا تیرے معاہدے کو توڑیں لیکن ابو بکرؓ کو اعلانیہ ایسا کرنے کی ہم اجازت نہیں دیں گے۔ عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا ابن الدغنه ابو بکرؓ کے پاس آیا اور کہا تمہیں معلوم ہی ہے جس چیز پر قریش نے معاہدہ کیا تھا اگر تم اس حد تک رہو تو معاہدہ اور مرا ذمہ باقی ہے ورنہ میرا ذمہ واپس کر دو اور کہا مجھے پسند نہیں ہے کہ عرب یہ بات سنیں کہ میں نے ذمہ واپس لے لیا ہے اس شخص سے جس کے لئے میں نے یہ ذمہ لیا تھا ابو بکرؓ نے کہا میں تیرا ذمہ واپس کرتا ہوں اور میں اللہ کے جوار پر راضی ہوں۔

شرح روایت | اس روایت میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے مکے کی ۱۳ سالہ زندگی پر مختصر اور جامع تبصرہ فرمایا ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے والد حضرت ابو بکرؓ

کا گھر سابق الایمان افراد پر مشتمل تھا۔ حضرت ابو بکرؓ، ان کی والدہ ام النیر، ان کی بیوی ام رومان ان کی لڑکی اسماء ان کی دوسری لڑکی عائشہ رضی اللہ عنہا ان کا لڑکا عبداللہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اعلان بعثت کے فوراً بعد ہی ایمان لے آئے تھے۔ جب ان نئے اسلام لانے والوں پر سختیاں شروع ہوئیں تو ان میں سے کچھ لوگوں نے حبشہ کی طرف ہجرت کی جن میں حضرت ابو بکرؓ بھی شامل تھے۔ آپ مکے سے چلے آئے تھے اور ہرک الغناد تک جو مکے سے پانچ منزل پر ہے جا چکے تھے کہ ابن الدغنه جو قبیلہ قارہ کا سردار تھا انہیں واپس لے آیا۔ اور اپنی ضمانت پر مکے والوں سے وہ معاہدہ کر لیا جس کا اس روایت میں ذکر ہے۔

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ اس معاہدے پر آم فرما کر قائم رہے۔ پہلے تو گھر کے اندر ہی نماز پڑھتے رہے مگر طبیعت میں انقباض محسوس کرتے رہے۔ کیونکہ جب تک کلام اللہ کی قرأت ایک مخصوص انداز میں نہ کی جائے روح میں آسہن رازی کیفیت پیدا نہیں ہوتی۔ اس کے لئے گھر کا مشغول ماحول مناسب نہیں تھا۔ اس لئے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے اپنے گھر کے صحن کے ایک حصے میں ایک چھوٹی سی مسجد بنا لی۔ تاکہ جہری نمازوں میں تلاوت کا لطف آ سکے۔ یہ مسجد ذاتی استعمال کے لئے بنائی گئی تھی اور گھر کے ماحول سے مسجد کے ماحول کو جدا کرنے کے لئے ایسا کیا گیا تھا۔ اس میں حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نماز اور تلاوت کا لطف اٹھاتے اور حسب موقع آیات تخیلیہ و تحذیر پر دل گرفتہ ہو جاتے اور آنکھوں سے آنسو بہنے لگتے تھے۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ بے حد حساس اور رقیق القلب آدمی تھے۔ کلام ربانی کا جلال اور آیات وعید جذب و رقت پیدا کر دیتیں اور وہ اکثر رونے لگتے اس حالت میں قرآن کی تلاوت بے حد مؤثر ہو جاتی تھی اور راہگیر اس سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکتے تھے۔ خصوصیت سے عورتیں اور بچے جن کے دل پہلے ہی نرم و نازک ہوتے ہیں اس کیفیت کا بہت زیادہ اثر لیتے تھے۔ جب حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ اپنے گھر کی اس چھوٹی مسجد میں اپنے انداز خاص کے ساتھ تلاوت کلام اللہ فرماتے تھے اور آنکھوں سے آنسو جاری ہوتے تھے تو بچے کی عورتوں کا مجمع لگ جاتا تھا۔ مکی سورتوں کی چھوٹی چھوٹی آیات کا متوازن اور مناسب اختتام، مضمون کی ندرت، الہام الہی کا جلال، حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی زبان اور رقت بھری آواز ان مجموعی پر جادو کا کام کرتی تھی۔ دور دور سے لوگ کھینچے چلے آتے تھے۔

عہد شکنی قریش کی طرف سے ہوئی | اس خاموش اور گوشہ گیر تبلیغ سے بکے والے گھبراٹھ

اور اپنے عہد سے انحراف کی تدبیریں سوچنے لگے۔

ابن الدغنة اور اشراف قریش نے یہ شرط نہیں کی تھی کہ تم اپنے گھر میں اسلام کے ضابطے کے مطابق عبادت نہ کرنا بلکہ اس کی تو انہوں نے اجازت دی تھی۔ اور یہ جانتے ہوئے دی تھی کہ مسلمانوں کی دن کی نمازیں اخفا سے ادا کی جاتی ہیں اور رات کی جہر کے ساتھ اور یہ کہ تلاوت قرآن بھی اسلامی زندگی کی ایک عبادت ہے۔ اور ابو بکر رضی اللہ عنہ اپنے گھر میں یہ سب کچھ کریں گے۔ پھر ابو بکر رضی اللہ عنہ کا اپنے صحن میں مسجد تعمیر کر لینا بھی اس معاہدے میں ممد و معاون تھا۔ کیونکہ مسجد کی دیواریں آواز کے باہر جانے میں رکاوٹ پیدا کرتی تھیں برخلاف کھلے صحن میں تلاوت کرنے کے جس کی آواز بلا رکاوٹ دور

دور تک جاتی ہے۔

بہر حال اپنے گھر کی چار دیواری کے اندر مسجد بنا کر حضرت ابو بکرؓ نے معاہدے کا ضرورت سے زیادہ اور اس کی صراحت سے بھی آگے بڑھ کر احترام کیا۔ لیکن قریش نے جب اسلام کی صداقت اور کشش کو اس مقید اور محصور حالت میں بھی اندر ہی اندر دلوں میں نفوذ اور سینہ بسینہ نقب زنی کرتے دیکھا اور انہوں نے انسان حویص الی ما منع کے نفسیاتی ضابطہ کے مطابق اپنے بچوں اور اپنی عورتوں کو ایک پایہ زنجیر حسن کے نظاروں کی طرف پہلے سے زیادہ مائل پایا تو وہ اپنے معاہدے پر خود متاسف ہوئے اور بالآخر انہوں نے اپنے بچوں اور عورتوں کو "اغواء کے قلب" سے بچانے کے لئے ابو بکرؓ کے گھر کی مسجد کو عہد شکنی کا بیانا بنایا۔ اور ابن الدغنهؒ کو بلا کر اس مسجد کی آڑے کر حضرت ابو بکرؓ کو مجبور کرنا چاہا کہ وہ اپنے گھر میں حسب معاہدہ اپنے رب کی عبادت نہ کریں اور قرآن کی تلاوت سے متاثر ماحول پیدا نہ کریں۔ ابن الدغنهؒ بھی قریش کی باتوں سے متاثر ہو گیا اور اس نے اپنی ضمانت کو ختم کر دینا ہی بہتر سمجھا۔

قریش کی طرف سے نئی شرط کا اضافہ | معاہدے کو توڑنا عربوں جیسے بات کے پکے لوگوں

کے لئے ایک بڑی بات تھی۔ لیکن دوسری طرف اسلام کے نفوذ کا خطرہ بھی اپنی جگہ بیکراہم تھا جسے نظر انداز نہیں کیا جاسکتا تھا۔ اس لئے انہوں نے معاہدہ توڑنے کی بات بھی کی کہ کسی ڈھنگ سے کی۔ ابن الدغنهؒ کے ذریعہ حضرت ابو بکرؓ کے سامنے ایک نئی شرط یہ رکھی کہ آپ نماز میں بھی اور نماز کے بغیر بھی قرآن کی تلاوت بلند آواز سے نہ کیا کریں۔ چنانچہ ابن الدغنهؒ نے حضرت ابو بکرؓ سے صاف صاف کہہ دیا کہ میرا ذمہ آئندہ اسی شرط کے ساتھ باقی رہ سکتا ہے کہ آپ تلاوت بالجہر کو اپنے گھر میں ترک کر دیں۔

یہ شرط حضرت ابو بکرؓ کے لئے قطعاً ناقابل قبول تھی۔ اس لئے انہوں نے بھی ابن الدغنهؒ کو کھرا کھرا جواب یہ دیدیا کہ بیشک اپنی ضمانت واپس لے لو میرے لئے اللہ کی ضمانت کافی ہے۔
جو اس ابن الدغنهؒ ۷-۸ سال تک طویل ہے | روایت کا یہ حصہ کہ ابن الدغنهؒ نے حضرت

ابو بکرؓ کی ضمانت لی اور پھر اس سے ہاتھ اٹھالیا سات آٹھ سال کی مدت پر مشتمل ہے۔ حضرت ابو بکرؓ نے سترہ نبوت کے آخر میں یہ سفر ہجرت کیا تھا جس سے ابن الدغنهؒ انہیں واپس لایا تھا جس کے بعد کئی سال تک حضرت ابو بکرؓ کھلے صحن میں نماز پڑھتے رہے۔

اور پھر اس کے بعد صحن میں مسجد بنا کر بھی عبادت کرتے رہے ۔
ایسا بالکل نہیں ہوا کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے رادھرمعاہدہ کیا اور ادھر فوراً بعد انہیں
احساس ہوا کہ میں نے غلطی کی ہے اور گھر کے صحن میں مسجد بنا کر مشرکین کی عورتوں اور بچوں کو
بلا بلا کر دعوت اسلام دینی شروع کر دی ہوتا کہ معاہدہ توڑنے کا بہانہ جلد ہی پیدا ہو
جائے ۔

اگر ہم اس کلام سے یہ معنی مراد لیں تو اس سے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی سیرت کی ناپختگی
اور مزاج کے تلون اور معاہدے کی خلاف ورزی کا رجحان حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی طرف سے ظاہر ہوگا
اشراف قریش کی طرف سے نہ ہوگا جو حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی شان صداقت کے منافی ہے ۔

نیز یہ معنی مراد لینے سے یہ مضمون بھی پیدا ہوتا ہے کہ ابن الدغنه بنے سوچا کہ کل تو میں
اس شخص کے لئے ذمہ لے کر آیا تھا اور آج یہ میرے ذمہ کی خلاف ورزی کر رہا ہے ۔ اس
نے میری عزت کا بھی پاکس نہ کیا اور میرے ذمہ کا بھی احترام نہ کیا اور مجھے دلیل کو سنا
کے ور پے ہو گیا اس لئے ایسے شخص سے ذمہ داری کا اٹھالینا ہی بہتر ہے ۔ اور یہ مضمون
بھی حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی شان بردباری اور وفاداری کے سراسر خلاف ہے ۔

راویوں کی رسوا کن غفلت | ہمیں رُواة حدیث پر تعجب ہے کہ روایت
بالمعنی کے جواز سے فائدہ اٹھا کر اپنا مخصوص

ذہن روایات میں رکھتے وقت یہ بھی نہیں سوچتے کہ ان کی تعبیرات و توضیحات مروی
اہم کی سیرتوں اور درجوں کے ساتھ مطابقت بھی رکھتی ہیں یا نہیں اور کہیں ایسا تو
نہیں ہے کہ ہماری روایت بالمعنی حسن تعبیر کی بجائے سوء تعبیر بن کر اکابر کی سیرتوں پر داغ
دھبوں کا سبب بن رہی ہے ۔

سیرت کی ناپختگی بہت بڑا اخلاقی عیب ہے ۔ اور جس شخص کے اندر یہ عیب موجود
ہو اس کی کسی بات کی ذمہ داری کوئی شخص نہیں لیا کرتا ۔ ابن الدغنه قریش کا معتد علیہ آدمی
تھا اسی لئے انہوں نے اس کی ضمانت ایک اہم معاملہ میں قومی سطح پر بلا چون و چرا قبول
کر لی تھی ۔ اور خود اس نے بھی جس شخصیت کی ضمانت لی تھی اس کی سیرت سے بھی اسے
وفائے عہد کا پورا پورا یقین تھا ۔ ابن الدغنه ابو بکر کی سردارانہ صفات کو اسلام سے پہلے بھی
دیکھتا رہا تھا اور اسلام کے بعد بھی اور انہی صفات نے اسے قریش سے مشورہ کئے بغیر ہی ابو بکر
کو حبشہ سے واپس لانے پر بیک لمحہ آمادہ کر دیا تھا اور فوراً ہی اس کی زبان سے ” یا
ابا بکر لا یخرج ولا یخرج مثلك “ کے پُر و ثوق الفاظ کہلوائے تھے ۔

یہ روایت حقیقت کے خلاف کننا غلط تاثر دے رہی ہے کہ گویا اشرف قریشی نے ابن الدغنه کی وساطت سے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے ذمہ کو پورا کیا مگر حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے اس ذمہ کو پورا نہیں کیا۔

روایت ہذا سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو ابن الدغنه کے ذمہ کے فوراً بعد احساس ہوا کہ مجھے کسی انسان کا ذمہ قبول نہ کرنا چاہیے تھا بلکہ خدا کے ذمہ کو کافی سمجھنا چاہیے تھا۔ اور میں نے ابن الدغنه کا ذمہ قبول کر کے غلطی کی ہے اس لئے انہوں نے اپنی طرف سے اس ذمہ کو فوراً ہی توڑ دیا اور ایسی باتیں شروع کر دیں جو معاہدے کے خلاف تھیں۔ لہذا اشرف قریشی کو بھڑا ابن الدغنه کو بلانا اور ابو بکر کی عمدہ شکنی کا قصہ سننا پڑا۔ حالانکہ تعبیر واقعہ یہ نہیں ہے۔ بلکہ اصل تعبیر واقعہ وہ ہے جسے ہم نے بیان کیا ہے۔

جب تک ہم اس روایت میں امتداد زمانہ کو شامل نہ کریں گے۔ اس وقت تک یہ روایت واقعہ کی غلط تعبیر کرتی اور اذیان کو مسخ کرتی رہے گی۔

امتداد زمانہ کے مفہوم کو روایت میں شامل کرنے سے واقعہ پچرل اور فطری ہو جاتا ہے۔ یعنی ایک لمبے عرصے میں تدریجی طور پر نوبت یہاں تک پہنچی کہ اشرف قریشی کو اپنے بیوی بچوں کے متعلق خطرہ پیدا ہونے لگا۔ تو انہوں نے اس معاہدے سے سبکدوشی کی راہ نکالی۔

عمر حدیقہ رحمہ اللہ | سلسلہ نبوت سے لیکر ہجرت حبشہ تک کے چار سالہ زمانے کو حضرت عائشہ رحمہ اللہ نے ان الفاظ میں ظاہر

کیا ہے کہ :-

”جب میں نے ہوش سنبھالا تو اپنے والدین کو اسلام کا پابند دیکھا“

”فلما ابتلی...“ سے اس روایت کا دوسرا دور ہے۔ اور پہلا دور

ہجرت حبشہ تک ہے۔

راست ہذا میں لہذا عقل سے مراد یہی ہے کہ جس وقت ان کے والدین

نے اسلام قبول کیا اسی وقت سے ان کے شعور کا دور شروع ہوا یعنی سلسلہ نبوت میں انہیں پورا شعور تھا کہ ان کے ماں باپ نئے دین کے پابند ہیں اور خود بھی انہوں نے اس نئے دین کو قبول کیا۔

اگر حضرت عائشہ رحمہ اللہ کی پیدائش سلسلہ نبوت میں ہوتی تو پھر انہیں کہنا چاہیے تھا

کہ لم اُولد یعنی میں ابھی پیدا بھی نہیں ہوئی تھی کہ میرے والدین اسلام کے پابند تھے۔

ہجرت حبشہ کے وقت سے انہوں نے بتلایا کہ اس وقت سے مسلمانوں کا استیلاء شروع ہو گیا تھا یہ وہی واقعات ہیں جو بنی کریم صلعم کے ساتھیوں کو سلمہ نبوت سے سلمہ تک اور سلمہ سے لیکر ہجرت مدینہ تک پیش آئے۔ اس سے ظاہر ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ہجرت مدینہ تک آنکھوں دیکھا حال بیان کر رہی ہیں۔ آخر میں ہجرت مدینہ کے واقعے کو پھیلا کر بیان کیا۔ اس سے پہلے ۱۳ سالہ زمانے کا حال بطور تمہید کے بہت مختصر بیان کیا۔

خلاصہ یہ کہ اس روایت سے ظاہر ہے کہ سلمہ نبوت میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اپنے والدین کو اسلام کا پابند دیکھا اور اس نئے دین کو وہ یہ سمجھتی تھیں کہ یہ نیا دین ہے۔ اور ان تیرہ سالہ واقعات کی وہ عینی شاہد ہیں۔

اس روایت سے ابن اسحاق کی اس روایت کی تائید ہوتی ہے کہ سلمہ نبوت میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اپنی بہن اسماء اور اپنے کنبے کے ساتھ ایمان لائی ہیں۔ اس لئے سابق الایمان لوگوں میں شامل ہیں۔ **بَلِ السَّاعَةِ مَوْعِدُهُمْ** کا واقعہ نزول بھی جو سلمہ نبوت میں پیش آیا انہیں خوب یاد تھا۔ اور اس وقت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا یقیناً جوان تھیں۔

چوتھا قرینہ

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا نکاح | بشام کی روایت ہماری تاریخ پر بہت زیادہ اثر انداز ہوئی ہے

اس روایت سے بہت سے تاریخی حقائق مسخ کر دیئے

گئے ہیں۔ اور بہت سے حقائق طاق نسیان کی نذر ہو کر رہ گئے ہیں۔ اس لئے کہ جو واقعہ

بھی اس روایت کے خلاف نظر آئے اسے تبدیل کر دیا گیا یا ترک کر دیا گیا ہے۔

معلوم نہیں بعض روایتیں اس قدر سخت جان کیے نکلیں کہ اب تک زندہ ہیں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح کے بارے میں چند اشارات ملتے ہیں۔ ان اشاروں

ہی کی مدد سے لوگوں نے تاریخ مرتب کی ہے اور اب انہیں اشاروں نے تاریخ کی جگہ

لے لی ہے۔ اور اب یہ تاریخ تراثر کے درجے میں آگئی ہے۔

تحریک نکاح بروایت خواب | کہا جاتا ہے کہ نکاح کی تحریک اس خواب سے

ہوئی جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا تھا۔ اور

جس کی راوی خود حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ہیں۔

ہشام بن عروہ عن ابیہ عن عائشۃ رضی اللہ عنہا قالت قال اریتک فی المنام

فیعی بک الملک فی سرقة من حریر فقال لی هذه امرأتک فکشففت

عن وجهک الثوب فاذا انت ہی فقلت ان ین هذه من عند اللہ

یمضہ .

ایک اور روایت میں ہے :- اریتک فی المنام ثلاث لیل .

تین راتیں مجھے خواب دکھایا گیا .

تحریکِ نکاح بتوغیب خولہ | نکاح عائشہ رضی کی تحریک کے بارے میں ہم ایک روایت مسند امام احمد سے نقل کر چکے ہیں۔ اور

اسی روایت کو ابابکر سیر نے اختیار کیا ہے جس کا مضمون یہ ہے :-

”خولہ بنت حکیم زوجہ عثمان بن مظعون نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا آپ کب تک بغیر اہلیہ کے رہیں گے۔ (اس سے پہلے حضرت خدیجہ رضی کی وفات ہو چکی تھی) نکاح کیوں نہیں کر لیتے۔ آپ نے فرمایا کون ہے جس سے نکاح کروں۔ خولہ نے عرض کیا اگر بیوہ چاہتے ہیں تو وہ بھی موجود ہے اور کنواری چاہتے ہیں تو وہ بھی موجود ہے۔ آپ نے فرمایا بیوہ کون اور کنواری کون؟ خولہ نے عرض کیا بیوہ سودہ بنت زمعہ اور کنواری حضرت عائشہ رضی ابوبکرؓ کی بیٹی۔ جو آپ کے حبیبِ خاص ہیں۔ آپ نے فرمایا جاؤ دونوں سے ذکر کرو۔

خولہ کہتی ہیں پہلے میں ابوبکرؓ کے گھر گئی اور ام رومان سے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے کس قدر بھلائی کا سامان فرمایا۔ ام رومان نے پوچھا وہ کیا؟ میں نے کہا کہ نبی کریمؐ نے اپنے لئے حضرت عائشہ رضی کا رشتہ مانگا ہے۔ ام رومان نے کہا تھوڑی دیر انتظار کر لو۔ ابوبکرؓ آتے ہی ہوں گے ابوبکرؓ آگئے تو میں نے ان سے بھی وہی کہا کہ خدا تعالیٰ نے کس قدر بھلائی کا سامان آپ لوگوں کے لئے کیا ہے۔ ابوبکرؓ نے دریافت کیا وہ کیا میں نے کہا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عائشہ رضی کا رشتہ مانگا ہے۔ انہوں نے کہا کیا آنحضرتؐ سے اس کا نکاح ہو سکتا ہے۔ یہ تو ان کی بھتیجی ہے؟ میں لوٹ کر آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور سارا واقعہ سنایا۔ آپ نے فرمایا واپس جاؤ اور ابوبکرؓ کو بتلاؤ کہ تم میرے دینی بھائی ہو اس لئے عائشہ رضی کا نکاح ہو سکتا ہے نسب بھائی کی لڑکی حرام ہے۔ میں واپس گئی اور ابوبکرؓ کو آپ کے جواب سے مطلع کر دیا۔ ابوبکرؓ نے کہا ٹھیکہ میں ابھی آ رہا ہوں اور باہر نکل گئے۔ ان کے جانے کے بعد ام رومان نے بتلایا کہ ابوبکرؓ نے تو عائشہ رضی کا وعدہ مطعم بن عدی کے بیٹے حبیر سے کیا ہوا ہے اور ابوبکرؓ نے آج تک کسی سے وعدہ خلائی نہیں کی۔

حبیر بن مطعم اور عائشہ رضی | حضرت ابوبکرؓ موقع نکال کر مطعم بن عدی

کے پاس پہنچے۔ مطعم اور اس کی بیوی

دونوں اکٹھے بیٹھے تھے۔ آپ نے مطعم سے کہا بھئی اس رشتے کے متعلق مجھے آخری بات بتا دو مطعم تو کچھ نہیں بولا لیکن اس کی بیوی نے کہا کہ اگر لڑکی ہمارے گھر میں آ جائے گی تو ہمارا لڑکا بھی بے دین ہو جائے گا۔ بس یہی ڈر ہے۔ اس لئے ہم اس رشتے کی تکمیل سے گھبرارے

ہیں۔ حضرت ابوبکرؓ خاص طور سے مطعم کی طرف متوجہ ہوئے اور کہا تم کیا کہتے ہو۔ مطعم نے کہا جو یہ کہہ رہی ہے تم سن رہے ہو حضرت ابوبکرؓ وہاں سے اٹھ آئے اور ارادہ کر لیا کہ جلد از جلد رشتہ کا انتظام کر لیں گے۔

خولہ سے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کر دو کہ وہ تشریف لے آئیں۔ آپ تشریف لے آئے اور حضرت ابوبکرؓ نے عائشہؓ کا نکاح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کر دیا۔

اس روایت کی رو سے یہ تمام معاملہ تھوڑی سی دیر میں طے ہو گیا۔
نکاح سودہ بنت زید خولہ یہاں سے فارغ ہو کر خولہ سودہ کے ہاں پہنچی اور وہاں بھی اسی قسم کی گفتگو کی اور سودہ سے بھی اسی روز نکاح ہو گیا۔ جیسا کہ اسی روایت میں مذکور ہے۔
 یہ روایت ہم شروع میں درج کر چکے ہیں۔

نتیجیات

- اس روایت پر مفصل بحث سے پہلے مندرجہ ذیل امور تنقیح طلب ہیں :-
- ۱ جیسر بن مطعم جو ان تھا یا صغیر سن۔ اگر جوان تھا تو عائشہؓ رضہ صغیرۃ السن سے کیوں شادی کرنا چاہتا تھا۔
 - ۲ کیا عربوں میں صغیر سنی کی شادی کا رواج تھا؟
 - ۳ مطعم بن عدی کے بیٹے جیسر بن مطعم سے حضرت عائشہؓ رضہ کی صرف منگنی ہوئی تھی یا نکاح بھی ہو چکا تھا؟
 - ۴ کیا بکر کا اطلاق ماکتھا کم سن نابالغ بچی پر بھی ہو سکتا ہے۔ بکر غدار کو کہتے ہیں۔
 - ۵ کیا خولہ کی تحریک کا مقصد ایک نابالغ بچی سے شادی کر لینے سے پورا ہو سکتا تھا؟ یا یہ تحریک اور تزوج بے مقصد تھے؟
 - ۶ خولہ کیوں ایک شش سالہ بچی سے نکاح کر دانے کے درپے تھی؟
 - ۷ حضرت ابوبکرؓ جب جیسر بن مطعم سے حضرت عائشہؓ رضہ کا وعدہ کر چکے تھے تو حضرت خولہ نے کیوں حضرت عائشہؓ رضہ کا نام تجویز کیا اور خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

کیوں نہ اس کی تردید فرمائی ؟
۸ حضرت ابو بکر رضی نے بھتیجی یعنی دوست کی بیٹی ہونے کو تو مانع سمجھا مگر ان کو
یہ خیال کیوں نہ آیا کہ بیت نبوت کی ذمہ داریاں ”گڑیاں کھیلنے والی“
شش سالہ بچی کیسے سنبھال سکے گی ؟

۹ حضرت خدیجہ رضی نے کب وفات پائی ؟ اور حضرت خدیجہ رضی کی وفات اور نکاح
عائشہ رضی کی درمیان فی مدت کتنی تھی ؟
۱۰ کیا حضرت خولہ کے تحریک کرتے ہی نکاح ہو گیا ۔ یا کچھ دیر لگی تھی ۔ اور وقفہ لگا
تو کتنا ؟

۱۱ نکاح کب ہوا اور بنا کب ہوئی ۔ دونوں میں کتنی مدت کا فاصلہ رہا ۔
اور کیوں رہا ؟

تنقیحات سے پہلے محققین کا جائزہ | مذکورہ بالا امور کا شوق دار
جائزہ لینے سے پہلے مناسب

ہے کہ نکاح عائشہ رضی کے سلسلے میں ہمارے دور کے محققین نے جس سہل انگاری اور
عقلیت کا ثبوت دیا ہے اُسے بھی آپ ملاحظہ فرمائیں ۔

۱ مولانا شبلی نعمانی

سیرت النبی جلد دوم طبع دوم ۱۳۳۱ھ ص ۵۰۵ حضرت عائشہ رضی کے بیان میں
فرماتے ہیں :-

”عائشہ رضی نام تھا ۔ اگرچہ ان سے کوئی اولاد نہیں ہوئی تاہم اپنے بھانجے عبداللہ بن
زبیر کے تعلق سے ام عبداللہ کنیت کرتی تھیں ۔ ماں کا نام زینب اور کنیت ام رومان
تھی ۔ بعثت کے چار برس بعد پیدا ہوئیں ۔ ششہ نبوی میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
سے نکاح ہوا ۔ اس وقت شش سالہ تھیں ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے جبیر بن مطعم
کے صاحبزادے سے منسوب تھیں ۔ حضرت خدیجہ رضی کے انتقال کے بعد خولہ بنت حکیم
نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے نکاح کی تحریک کی ۔ آپ نے رضامندی ظاہر کی ۔ خولہ
نے ام رومان سے کہا انہوں نے حضرت ابو بکر رضی سے ذکر کیا بولے کہ جبیر بن مطعم سے
وعدہ کمر چکا ہوں اور میں نے کبھی وعدہ خلائی نہیں کی لیکن مطعم نے خود اس بنا پر انکار
کر دیا کہ اگر حضرت عائشہ رضی ان کے گھر آگئیں تو گھر میں اسلام کا قدم آ جائے
گا ۔“

کیا عائشہ رضی اللہ عنہا جابر بن مطعم کے صاحبزادے سے منسوب تھیں؟

اس عبارت میں آپ ملاحظہ فرمائیں۔

محقق نعمانی رحمہ اللہ کیا لکھ رہے ہیں : ” جابر بن مطعم کے صاحبزادے سے منسوب تھیں “ ” جابر بن مطعم سے وعدہ کر چکا ہوں “ ” لیکن مطعم نے انکار کر دیا “ ” ” کچھ نہ سمجھے خدا کرے کوئی “

مولانا شبلی نے اصل عربی عبارت سے ترجمہ کرتے ہوئے یہ بھی خیال نہ کیا کہ میرے اس کلام میں تضاد ہے۔ اور پھر شبلی کے بعد ان کے متوسلین نے بھی اس خبطِ عشواء کو تبرک سمجھ کر جو کلمات باقی رکھنا ہی مناسب خیال کیا۔ اور ہمارے ہاتھ میں کتاب کا جو دوسرا ایڈیشن ہے اس میں بھی یہ غلطی بدستور موجود ہے۔

حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے مطعم بن عدی سے جو ملے کا سردار تھا۔ اس کے جوان بیٹے جابر بن مطعم کے لئے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا وعدہ کیا تھا۔ تمام سیر کی کتابوں میں یہ واقعہ موجود ہے لیکن مولانا شبلی فرماتے ہیں کہ :-

” جابر بن مطعم کے صاحبزادے سے منسوب تھیں “

جابر بن مطعم کے دو صاحبزادے ہیں معلوم ہیں ایک محمد اور دوسرا نافع۔ دونوں تابعی ہیں، جن کی پیدائش شہادۃ کے بعد ہے۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے وعدہ جابر بن مطعم سے نہیں کیا تھا بلکہ اس کے باپ مطعم بن عدی سے کیا تھا۔ یعنی جابر کے لئے کیا تھا۔ البتہ مولانا شبلی کا آخری فقرہ کہ ”مطعم نے انکار کر دیا“ درست ہے۔

دارالمصنفین ایک اہم ادارہ ہے اس کے مصنفین نے اس غلطی کی اصلاح بھی ضروری نہ سمجھی۔ اردو میں یہ کتاب سب سے زیادہ مستند ہے۔ جس کی صحت کے اہتمام کا یہ عالم ہے۔

جو لوگ شبلی کو سند خیال کرتے ہیں ان کے لئے تو شبلی کی یہ تحریر حرفِ آخر ہے۔ اگر اس ترجمہ کے اصل ماخذ تک کسی کو رسائی نہ ہو تو شبلی کے مقابلے میں ہماری بات ماننے کے لئے کبھی تیار نہ ہوگا۔

۲ سید سلیمان ندوی | مولانا سید سلیمان ندوی اپنے استاد شبلی سے بھی ایک قدم اور آگے نکل گئے۔

” سیرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر فرماتے ہیں :-

” لیکن اس سے پہلے عائشہ رضہ جبیر بن مطعم کے بیٹے سے منسوب ہو چکی تھیں۔ اس لئے ان سے پوچھنا بھی ضروری تھا۔ حضرت ابو بکر رضہ نے جبیر سے جا کر پوچھا کہ تم نے عائشہ رضہ کی نسبت اپنے بیٹے سے کی تھی اب کیا کہتے ہو۔ جبیر نے اپنی بیوی سے پوچھا۔ جبیر کا خاندان ابھی اسلام سے آشنا نہیں ہوا تھا۔ ان کی بیوی نے کہا کہ اگر یہ لڑکی ہمارے گھر آگئی تو ہمارا بچہ بے دین ہو جائے گا، ہم کو یہ بات منظور نہیں۔“

اس عبارت میں سارا واقعہ جبیر سے متعلق کر دیا گیا ہے۔

” جبیر کے بیٹے سے منسوب تھیں۔“

” جبیر نے اپنی بیوی سے پوچھا۔“

” جبیر کی بیوی نے جواب دیا کہ اگر یہ لڑکی ہمارے گھر میں آگئی تو میرا بچہ....“

بہتر تھا کہ مولانا سید سلیمان ندوی اس ”بچہ“ کا نام بھی تحریر فرما دیتے۔

انا للہ وانا الیہ راجعون۔

یہ عبارت بے احتیاطی اور غفلت کا شاہکار ہے۔ جبیر کی تو اس وقت شادی بھی نہیں ہوئی تھی۔ اور اسی جبیر سے تو حضرت عائشہ رضہ منسوب تھیں۔ یہ ساری گفتگو جو سید سلیمان ندوی نے نقل کی ہے، جبیر کے باپ مطعم بن عدی اور جبیر کی ماں مطعم کی بیوی سے ہوئی تھی، لیکن سید صاحب مرحوم نے تاریخ کو ایک قدم آگے بڑھا کر خود جبیر کے گلے میں ڈال دیا۔

یہ حضرات مطمئن تھے کہ ماخذ تک کون جائے گا جو کچھ ہم لکھیں گے حرفِ آخر ہے۔ اور اسی سے یہ بات ثابت ہے کہ یہ لوگ اصل ماخذ کی طرف کم رجوع کرتے تھے۔ استادوں کی کتابوں سے نقل کر لیتے تھے۔

البتہ سید صاحب نے اتنا ضرور کیا کہ شبلی کی عبارت کا جھول نکال دیا اور سارا واقعہ جبیر سے متعلق کر دیا۔ شبلی صاحب کی عبارت میں پہلے جبیر کا بیٹا پھر جبیر اور پھر مطعم آتے تھے مگر انہوں نے ساری گفتگو ہی براہِ راست جبیر سے متعلق کر دی اور سارے واقعے کو جبیر کے بیٹے کا واقعہ قرار دیدیا۔

دارالمصنفین کی دوسری کتابوں مثلاً سیرہ الصحابہ اور سیر الصحابیات میں بھی

ایسا ہی ہے۔

۳ نیاز فتحپوری نے بھی مکھی پر مکھی مار دی | نیاز فتحپوری صاحب

اصحابیات ص ۳۹ میں

لکھتے ہیں :-
 ” حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اسی وقت جبیر بن مطعم کے بیٹے سے منسوب ہو چکی تھیں۔ اس لئے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے جبیر سے پوچھا ۔ مگر ابھی جبیر کا خاندان اسلام سے نا آشنا تھا۔ اس لئے جبیر کی ماں نے یہ کہہ کر کہ اس لڑکی کے آنے سے ہمارا لڑکا لاندہیب ہو جائے گا صاف انکار کر دیا “

معلوم یہ ہوتا ہے کہ الفاظ کے تھوڑے سے تغیر کے ساتھ یہ عبارت سیرۃ النبی شبلی سے لی ہوئی ہے۔ اس لئے اس میں بھی وہی کمی موجود ہے جو سیرت النبی کی عبارت میں تھی۔ لیکن نیاز صاحب کی توجہ بھی اس تضاد کی طرف نہیں گئی اور کسہلی نگاری میں مکھی پر مکھی مار دینے ہی کو انہوں نے کافی سمجھا۔

۴ مولانا سعید احمد اکبر آبادی بھی قدم بقدم

محترم مولانا سعید احمد صاحب اکبر آبادی سیرت الصدیق ص ۱۶ پر فرماتے ہیں :-
 ” اسی اثنا میں خولہ بنت حلیم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح کی تحریک کی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک خواب کے ذریعے قرآن السعیدین کی اطلاع پہلے ہی مل چکی تھی اس لئے آپ راضی ہو گئے۔ اب خولہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی والدہ ام رومان رضی اللہ عنہا سے اس کا ذکر چھیڑا۔ انہوں نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے تذکرہ کیا وہ بولے میں جبیر بن مطعم کو زبان دے چکا ہوں۔ لیکن جب جبیر بن مطعم سے اس معاملہ میں بات چیت کی گئی تو اس نے انکار کر دیا۔ اب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ آزاد تھے۔ “

تحقیق و تفتیش کا ہمہ گیر فقدان

مذکورہ بالا ہر جہاں

اقتباسات سے آپ نے اندازہ لگایا ہو گا کہ ہمارے اس دور کے محقق مصنفین اتنی بھی تکلیف نہیں کرتے کہ اس ”نقل“ کے ماخذ کی تصدیق بھی کر لیں جو اپنے سے پہلے مصنفین کی کتابوں سے وہ لے رہے ہیں۔

ایسے سہولت پسند مصنفین سے کیا توقع کی جاسکتی ہے کہ وہ کسی مسئلے کی تحقیق اور تدقیق میں کاوش اور جاں کاہی برداشت کریں گے۔ جذباتی عبارتیں جب خشک علمی

نہریوں سے زیادہ بار آور ثابت ہوں تو کیا ضرورت ہے کہ کسی مسئلے کو چھانا اور کچھوٹا جائے۔ اور اپنے آپ کو ہدف ملامت بنا کر پیش کیا جائے۔

تنقیحات

تیسرا نمبر۔

جبیر ابن مطعم جو ان آدمی تھا

جبیر ابن مطعم جس کے متعلق یہ کہا جاتا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اس سے منسوب تھیں۔ جو ان آدمی تھا۔ جسے اس وقت بیوی کی ضرورت تھی۔ عربوں میں خطبہ کیا ہی اس وقت جاتا تھا جب نکاح کرنا مقصود ہوتا تھا۔ یہ ہندو سوسائٹی کا تصور وہاں نہیں تھا کہ پیدا ہوتے ہی بچے اور بچی کی نسبت کر دی جائے۔

جبیر بن مطعم کے اس وقت جو ان ہونے کا ثبوت یہ ہے کہ ہجرت کے وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کی سازش جو اشرف قریش نے دارالندوہ میں تیار کی تھی اس میں یہ شریک تھا۔

پھر اساری بدر کے معاملہ میں قریش کی طرف سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جو شخص بات کرنے گیا تھا وہ یہی جبیر بن مطعم تھا۔

بخاری باب الهجرة میں یہ قصہ حضرت جبیر کی زبانی مذکور ہے دیکھئے اصابہ ص ۲۲۶

وقدم علی النبی فی فداء اساری بدر فسمعہ یقر بالطور قال فکان

ذلک اذل ما دخل الایمان فی قلبی۔ ساری ذلک البخاری فی الصحیح

قال لہ صلی اللہ علیہ وسلم لو کان البول حیا کلمنی فیہم لو ہبتہم

لہ۔

اتیت النبی صلی اللہ علیہ وسلم لا کلمہ فی أساری مبدی رہو یہ صلی
 باصحابہ المغرب والعشاء فسمعتہ وهو یقرأ دعوتہ یخرج من
 المسجد إنا عذاب ربک لواقع قال فکانما
 صدع قلبی فلما فرغ من صلوتہ کلمتہ فی أساری مبدی فقل لو کان
 الشیخ البوک حیا فانا فیہ مرشفعنا و قال بعضهم فیہ . لو ان اباک
 حیا اولوان مطعم بن عدی کان حیا ثم کلمنی فی هؤلاء السنن
 لا یلتفت لہ وکان کانت لہ عند رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ید
 وکان من اشرف قریش وانما کان هذا القول من رسول اللہ صلی اللہ
 علیہ وسلم فی مطعم بن عدی لانه الذی کان احب الی رسول اللہ صلی اللہ
 علیہ وسلم حین قدم من الطائف من دعاء ثقیف وکان رفاة مطعم
 بن عدی فی صفر سنة ثنتين من الهجرة قبل مبدی بنحو مبعثة اشهر
 ومات جبیر بن مطعم بالسرینة سنة سبع وخمسين فی خلافة
 معاوية رضي الله عنه .

بدر کے قیدیوں کے بارے میں عدیہ و بنے کی بات کرنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گیا
 پس اس نے سنا کہ آپ سورتہ پڑھ رہے تھے اس نے کہا کہ یہ ابتداء تھی کہ ایمان
 میرے دل میں داخل ہو گیا . بخاری نے یہ روایت اپنی صحیح میں بیان کی ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم
 نے اس سے کہا کہ تیرا باپ زندہ ہوتا اور مجھ سے ان قیدیوں کے بارے میں گفتگو کرتا
 تو میں انہیں اسے بہرہ کر دیتا .

اس نے کہا . میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا کہ بدر کے قیدیوں کے بارے میں بات
 کروں اور آپ صحابہ کے ساتھ مغرب اور عشاء کی نماز پڑھ رہے تھے . آپ پڑھ
 رہے تھے اور آپ کی آواز مسجد سے باہر آرہی تھی . انا عذاب ربک لواقع الخ
 اس نے کہا گویا کہ اس نے میرا دل چیر دیا . جب آپ نماز سے فارغ ہوئے میں نے بدر
 کے قیدیوں کے بارے میں گفتگو کی آپ نے فرمایا اگر تیرا بزرگ باپ زندہ ہوتا اور
 ہمارے پاس ان کے متعلق آتا ہم اس کی سفارش قبول کر لیتے .

اور بعض رفاة نے بیان کیا اگر تیرا باپ زندہ ہوتا یا اگر مطعم بن عدی زندہ ہوتا
 پھر مجھ سے ان مردوں کے متعلق گفتگو کرتا تو میں انہیں چھوڑ دیتا کیونکہ رسول اللہ کے
 نزدیک اس کی وقعت تھی اور وہ اشرف قریش میں سے تھا اور یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

کا قول مطعم بن عدی کے بارے میں تھا اس لئے کہ اس نے ہی جار دیا تھا بنی صلمہ کو جب آپ طائف سے واپس آئے قبیلہ ثقیف کو دعوت تبلیغ دے کر اور مطعم بن عدی کی وفات صفر ۲۸ھ میں ہوئی بدر کے غزوہ سے سات مہینے پہلے اور جبیر بن مطعم نے مدینہ میں وفات پائی ۳۵ھ میں خلافت معاویہ میں ۴۰ھ

یہ جبیر بن مطعم النسب عرب تھے۔ انہوں نے یہ فن حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ سے حاصل کیا تھا۔ یہ اس رشتے کے ترک سے پہلے سیکھا ہوگا اور اس وقت اچھی پختہ عمر کے ہوں گے۔

”پانچ سالہ“ عائشہؓ کی نسبت جوان جبیر سے مستبعد ہے

پانچ چھ سال کی عمر میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی نسبت مطعم بن عدی کے جوان بیٹے سے بے میل۔ بے جوڑ معاملہ ہے۔ اگر حضرت ابو بکر اس رشتے کو وہاں سے منقطع نہ کرتے تو انہیں بھی دس سال انتظار کرنا پڑتا۔ ان کے پیش نظر کو کسی مصلحت تھی کہ ایک کس بجی سے شادی کرنا چاہتے تھے۔

منقطع نمبر ۲

کیا عربوں میں نکاح صغیرہ کا رواج تھا؟ | عربوں میں صغیرہ کی شادی کا رواج

نہیں تھا۔ باوجود تلاش اور تحقیق کے کوئی ایک مثال بھی ہمیں ایسی نہ مل سکی جس سے ہم اس نتیجے پر پہنچتے کہ چلو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے نکاح صغیرہ کی ایک نظیر تو ملی۔

عربوں کی تاریخ اسلام سے پہلے تاریک ہے۔ محض اشعار کا ذخیرہ ان کے رسم و رواج پر روشنی ڈالتا ہے۔ یا زبان کی وسعت ان کے رسم و رواج کو ظاہر کرتی ہے۔ اس لئے اس دور کی کوئی مرتب تاریخ ہمارے پاس نہیں ہے۔ یونہی سنے سنائے قصے ہیں جو نقل و نقل ہوتے ہوئے کچھ سے کچھ ہو گئے ہیں۔

خود اسلام کی تاریخ قبل از ہجرت بہت مختصر، محمل اور منفرد واقعات پر مشتمل ہے۔ صرف قرآن مجید مرتب نزول کے اعتبار سے باصحابہ کے واقعات جو کتب سیر میں مذکور ہیں اس دور پر کچھ روشنی ڈالتے ہیں۔

اسلام کے معاشرتی مسلک کی بنا پر بیشتر انہیں امور پر ہے جو عربوں میں پہلے سے جاری تھے۔ جو امور کسی بنیادی عقیدے سے متصادم تھے ان کو ترک کر دیا اور باقی امور جو ان کے فرائض پر تھے۔ مثلاً نکاح میں ایجاب و قبول۔ اعلان نکاح۔ مہر۔ دلایت۔ کفالت۔ طلاق اور اس کے موٹے موٹے احکام۔ مصاہرت کے ضابطے۔ محرمات سے نکاح کی حرمت رقتہ اور عتق کے احکام وغیرہ۔

تاہم اسلامی دور کے مندرجہ ذیل واقعات اس پر روشنی ڈالتے ہیں۔
عمر نکاح فاطمہ رضہ بیس چھبیس سال ہے | یہ مصرح ہے کہ
 نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم

نے اپنی دو لڑکیوں کا نکاح کبر سن میں کیا۔

حضرت فاطمہ رضہ کی پیدائش ایک قول کے مطابق پانچ سال قبل از نبوت ہے اور ان کا نکاح صفر یا ربیع الاول ۳۳ ہجری میں ہوا۔ اور رخصتی سات آٹھ ماہ بعد ہوئی۔ جیسا کہ مواہب لدنیہ میں اس کی تصریح موجود ہے۔ اس حساب سے نکاح کے وقت ان کی عمر بیس سال ہوتی ہے۔ اور ان کی وفات ۳۳ ہجری میں ہوئی ہے۔ تو ان کی عمر وفات کے وقت ۲۹ سال ہوتی ہے۔ ۲۹ میں سے ۹ سال ازدواجی زندگی کے نکال کر نکاح کے وقت ان کی عمر بیس سال بنتی ہے۔

زبیر بن بکر سے روایت ہے کہ ہشام بن عبدالمکک کے پاس عبداللہ بن حسن بن امام حسن تشریف لائے۔ وہاں مشہور مورخ کلبی پہلے سے موجود تھا۔ ہشام نے دریافت کیا کہ سیدہ فاطمہ کی عمر وفات کے وقت کیا تھی۔ عبداللہ نے کہا بیس سال۔ کلبی نے کہا ۳۵ سال تھی۔ ہشام نے کہا ابو محمد سننے سے کلبی کیا کہتا ہے۔ انہوں نے جواب دیا میری ماں کا حال مجھ سے دریافت کیجئے اور کلبی کی ماں کا حال کلبی سے پوچھئے (الاستیعاب ذکر فاطمہ رضہ)
 اس روایت سے معلوم ہوا کہ عبداللہ کے بیان کے مطابق نکاح کے وقت حضرت فاطمہ رضہ کی عمر ۲۱ سال تھی اور کلبی کے مطابق ۲۶ سال تھی۔

عمر نکاح ام کلثوم ۱۸ - ۲۸ سال ہے | نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دوسری بیٹی
 ام کلثوم رضہ کا نکاح حضرت عثمان رضہ

سے حضرت رقیہ رضہ کی وفات کے بعد ربیع الاول ۳۳ ہجری میں ہوا۔ تو اگر ام کلثوم رضہ کو حضرت فاطمہ رضہ سے چھوٹا تسلیم کیا جائے جیسا کہ بعض ارباب سیر نے لکھا ہے اور یہ نکاح کی تقدیم و تاخیر بھی اس سے ظاہر کر رہی ہے کہ آپ نے پہلے حضرت فاطمہ رضہ کا نکاح

کیا بعد میں ام کلثوم کا تو اگر ام کلثوم بڑی ہوتیں تو ان کا نکاح حضرت فاطمہ سے پہلے ہوتا چاہیے تھا) تو ام کلثوم کی عمر نکاح کے وقت اٹھارہ سال سے زیادہ ہے۔ بشرطیکہ دونوں بہنوں میں دو ڈھائی سال کا وقفہ ہو۔ جیسا کہ عموماً ہوتا ہے۔

اور اگر ام کلثوم کو حضرت فاطمہ سے بڑا تسلیم کیا جائے تو ان کا نکاح ۲۷-۲۸ سال کی عمر میں تسلیم کرنا پڑے گا۔ اور یہ بات مسلم ہے کہ حضرت ام کلثوم حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ساتھ نکاح کے وقت باکرہ تھیں۔

اگر اس دور میں ابتداء بلوغت کی شادی کا بھی رواج ہوتا تو آپ کو اپنی صاحبزادیوں کا نکاح بھرت سے پہلے ہی کر دینا چاہیے تھا۔ خود احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے رشتے کے متعلق مدینے میں حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے درخواست کی تھی مگر آپ نے تامل فرمایا اور کوئی جواب نہ دیا۔ بعد میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے نکاح کر دیا۔ اس رشتے کی ان درخواستوں سے یہ ظاہر ہے کہ ان کے ہاں اسی عمر میں شادی کا رواج تھا۔

پختہ عمری میں نکاح کرنا عالمگیر فطرت انسانی ہے | ویسے بھی یہ ایک عام فہم بات ہے

جسے گھر کی عورتیں خوب جانتی ہیں کہ عقلمندان میں ابتداء بلوغت میں اپنی لڑکیوں کی شادی سے گریز کرتی ہیں۔ اس لئے کہ یہ ایک بامقصد عمل ہے جس کا نتیجہ اولاد کی شکل میں ظاہر ہوتا ہے اور اس کچی عمر میں بچیاں اس بوجھ کی متحمل نہیں ہوتیں ان کی صحت اور زندگی خراب ہو جاتی ہے۔ اس لئے سمجھدار مائیں پختگی کی عمر تک پہنچنے کا انتظار کرتی ہیں۔ اگر کوئی مناسب رشتہ پہلے ہی مل جائے تو رخصتی میں کافی دیر لگا دیتی ہیں تاکہ بچیاں اس بوجھ کی متحمل ہو سکیں۔ باغبان نو عمر درختوں کی پہلی موسم میں پھلوں کو جھانگ دیتے ہیں تاکہ درختوں کی نشوونما پوری طرح ہو سکے اور وہ پھل کے بوجھ سے ٹھٹھ کر نہ رہ جائیں۔

ہر مہذب معاشرے میں یہی رواج ہوا کرتا ہے کہ لڑکیوں کی شادی پختہ عمری میں کی جائے۔ اور پختہ عمری یہی اٹھارہ بیس سال سے شروع ہوتی ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی بہن کا نکاح ۲۶-۲۷ سال کی عمر میں ہوا

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادیوں کے علاوہ خود حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی بڑی بیٹی اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا کی شادی کبرسنی میں ہوتی ہے شادی کے وقت ان کی عمر ۲۶-۲۷ سال

سے کم نہیں تھی ۔

بعثت کے وقت جب وہ ایمان لائیں تو وہ بالغہ تھیں ۔ ہجرت مدینہ سے کچھ پہلے ان کا نکاح زبیر بن العوام سے ہوا ۔ جس وقت ہجرت ہوئی ہے غالباً ان کی رخصتی بھی نہیں ہوئی تھی ۔

ام المومنین حضرت زینبؓ کا پہلا نکاح ۳۴ سال کی عمر میں ہوا

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ زینب بنت جحش کی پہلی شادی زید بن حارثہ سے ۳۴ سال کی عمر میں ہوئی ۔ صرف ایک سال زید کے نکاح میں رہیں ۔ اس کے بعد زید نے طلاق دیدی اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نکاح کر لیا ۔ زید کے نکاح سے پہلے تاریخ میں ان کے کسی خاوند کا ذکر نہیں ہے ۔ جس وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے نکاح کیا اس وقت ان کی عمر ۳۵ سال تھی ۔

عن عمرة سئلت عائشة رضى الله تعالى عنه عن تزويج رسول الله صلى الله عليه وسلم زينب بنت جحش قالت فرجعنا من غزوة المريسيع او بعدة بيسير .
عن عبد الله بن جحش قال تزويج رسول الله صلى الله عليه وسلم زينب بنت جحش لاهل ذي القعدة سنة خمس من الهجرة و هي بنت خمس و ثلاثين .

ام عائشہ بنت محسن کا بیان ہے کہ ان سے سوال کیا گیا ۔

کہ کانت بنت جحش يوم توفيت فقالت فقد منا المدينة للهجرة و هي بنت بضع و ثلاثين سنة و توفيت سنة عشرين من الهجرة (طبقات ابن سعد ص ۱۱۴ ذکر زینب جلد ۲)

عمرہ سے روایت ہے میں نے عائشہؓ سے پوچھا کہ رسول اللہ ﷺ نے نکاح کیا تھا زینب بنت جحش سے انہوں نے جواب دیا ہم غزوہ مریسہ سے لوٹے یا اس کے تھوڑی دیر بعد ۔

عبداللہ بن جحش سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے زینب بنت جحش سے نکاح کیا ۔ پہلی ذی قعدہ ۳۵ سال کی تھی ۔

ام عائشہؓ سے پوچھا کہ بنت جحش کی کیا عمر تھی جب ان کی وفات ہوئی اس نے کہا جب ہم ہجرت کر کے مدینے آئے تو اس کی عمر کچھ اوپر تیس سال تھی اور ان کی وفات ۳۵ سال کی ہوئی

امّ کلثوم بنت عقبہ کا نکاح بھی کبر سن میں ہوا | ام کلثوم بنت عقبہ بن ابی معیط حضرت عثمان

کی اخیانی بہن ہیں۔ صلح حدیبیہ کے بعد انہوں نے مکہ سے مدینہ تک تنہا ہجرت کی ہے۔ مدینہ پہنچ گئیں تو ان کے دو بھائی ولید اور عمارہ انہیں واپس لیجانے کے لئے مدینے گئے اور مطالبہ کیا کہ صلح حدیبیہ کی شرائط کے مطابق انہیں واپس کرا دیا جائے۔ انہوں نے نبی کریم سے احتجاج کیا۔ سورہ ممتحنہ اتر ہی اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کی واپسی سے انکار کر دیا اور ان کا نکاح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے زید بن حارثہ سے کر دیا۔ ان کی شہادت کے بعد زبیر بن العوام نے ان سے نکاح کیا۔ ان سے طلاق لے لی اور عبدالرحمن بن عوف سے نکاح کیا ان کی وفات کے بعد عمرو بن العاص سے نکاح کیا اور انہی کی زوجیت میں وفات پائی تو ان کا پہلا نکاح بھی نہایت پختہ عمر میں ہوا۔

نتیجہ نمبر ۳

جبیر بن مطعم سے عائشہؓ کا نکاح ہو چکا تھا

عن ابن عباس قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم لا بی بکر الصدیق لعائشہؓ فقال ابو بکر یا رسول الله کنت وعدت بها او ذکرتها لمطعم بن عدی لابنه جبیر فدعنی حتی اسلمها منهم ففعل ذلك ثم تزوجها رسول الله صلى الله عليه وسلم وكانت بکرا۔

انحیرنا عبد اللہ بن نمیر عن الا جلیح عن عبد اللہ بن ابی ملیکہ قال خطب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عائشہؓ فی الی ابی بکر الصدیق فقال یا رسول اللہ انی کنت اعطيتها لمطعم بن عدی لابنه فدعنی حتی اسلمها منهم فطلقها فتزوجها رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

(طبقات ابن سعد جلد ۸ ص ۵۸ ذکر عائشہؓ)

ابن عباس سے روایت ہے اس نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو بکر سے عائشہؓ کے لئے کہا ابو بکر نے جواب دیا یا رسول اللہ میں نے اس کا وعدہ کیا ہوا ہے۔ یا اس کا ذکر کیا ہوا ہے مطعم بن عدی سے اس کے بیٹے جبیر کے لئے مجھے مہلت دیجئے تاکہ میں

حسن تدبر سے ان سے عہدہ برآ ہو سکوں۔ پس ابو بکر نے ایسا ہی کیا، پھر رسول اللہ ﷺ نے اس سے نکاح کر لیا اور وہ اس وقت باکرہ تھی۔

ہمیں خبر دی عبداللہ بن نمیر نے اہلح سے اس نے عبداللہ بن ابی بلیکہ سے اس نے کہا خطبہ کیا (مانگا) رسول اللہ ﷺ نے ابو بکر سے عائشہ کیلئے اس نے کہا یا رسول اللہ ﷺ میں اس سے دے چکا ہوں مطعم بن عدی کو اس کے بیٹے کے لئے آپ مجھے مہلت دیں کہ میں حسن تدبر سے وہاں نکال لوں پس جبیر نے طلاق دیدی اور رسول اللہ ﷺ نے عائشہ رضہ سے نکاح کر لیا۔

مسند امام احمد کی مرسل روایت سے معلوم ہو رہا ہے کہ تمام معاملہ ایک دن میں خولہ کے ذریعے طے ہو گیا۔ اور اسی روز خولہ کے ذریعے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت ابو بکر نے بلا کر حضرت عائشہ رضہ کا نکاح کر دیا۔

ابن سعد کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے براہ راست حضرت عائشہ رضہ کے نکاح کا مطالبہ کیا تھا۔ حضرت ابو بکر نے مہلت مانگی تاکہ لڑکی کو وہاں سے آزاد کرالیں۔ چنانچہ آزاد کر دیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نکاح کر دیا، اور حضرت عائشہ رضہ اس وقت کنواری تھیں۔

جبیر سے انقطاع ایک ہی دن کی بات چیت سے نہیں ہوا

ہمارے سامنے نہ خولہ کی پوری گفتگو ہے اور نہ نبی کریم ﷺ کی پوری بات ہے اور نہ حضرت ابو بکر اور ام رومان کا پورا جواب ہے۔ یہ روایت بالمعنی ہے۔ معلوم نہیں کس راوی کا ذہن اس میں کار فرما ہے۔

حقیقت یہ نظر آتی ہے کہ یہ ایک دن کا معاملہ نہیں تھا جیسا کہ پہلی روایت سے ظاہر ہے۔ بلکہ اس رشتے کو چھڑانے میں کافی تدبر اور کوشش سے کام لینا پڑا ہو گا۔ رشتے کی پہلی گفتگو خولہ نے شروع کی۔ بعد میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے براہ راست حفصہ ابو بکر رضہ سے بات چیت کی۔ رشتہ کو چھڑانے کے اصلی اور تفصیلی واقعات پس پردہ رہ گئے۔ راوی نے صرف نتائج کا ذکر کر دیا۔ مگر ایسے رنگ میں کہ جیسے کل واقعات بس یہی ہوں۔ اور پھر ان واقعات کے بیان میں بھی اس نے اپنا ذہن استعمال کر کے واقعات کی کڑیاں اپنے ذہن سے جوڑی ہیں۔ اور اسی لئے راوی مبہم زبان استعمال کر رہا ہے۔

اور یہ ذہن ہشام کی روایت سے متاثر ہے۔ دور حدیث کے رِوَاۃ کا ذہن ہے اور زبان بھی اسی دور کی ہے۔ ورنہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا نکاح مطعم بن عدی کے بیٹے جبیر سے کر چکے تھے اور ان کے لئے اس سے پیچھے ہٹنے کی کوئی سبیل نہ تھی۔ صرف رخصتی کا معاملہ باقی تھا۔ اب ان کو اس رشتے کو چھڑانے کا تردد نہ تھا۔ اسی لئے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا: ”جیسے کہ آپ کو معلوم ہے (کہا تعلم) راوی نے یہ جملہ ترک کر دیا۔ یہ رشتہ تو جبیر بن مطعم کے لئے پکا کر چکا ہوں نکاح ہو چکا ہے۔ اب اس رشتے کو وہاں سے چھڑانے کے لئے وقت اور تدبیر کی ضرورت ہے۔ آپ مہلت دیجئے میں پوری کوشش کر دوں گا۔“

چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں مہلت دیدی۔
جبیر سے عائشہ رضی اللہ عنہا کا انقطاع وعدہ خلافت کی تعریف میں نہیں آتا

البتہ یہ بات غور طلب ہے کہ اگر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا نکاح جبیر ابن مطعم سے کر چکے تھے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اور خولہ نے کیوں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے عائشہ رضی اللہ عنہا کے لئے کہا۔ کیا اس کے یہ معنی نہیں ہوئے کہ معاذ اللہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو وعدہ خلافت کے لئے کہا جا رہا ہے۔ یہ بات تو عام الناسی اخلاق کے بھی خلاف ہے۔ چہ جائیکہ مقام نبوت کے لئے۔

حاشا ثم حاشا۔ ایسا ہرگز نہیں ہے۔

بلکہ اصل میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے بھی اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے لئے بھی یہ امر باعث تردد نہ تھا کہ وہ گھر ہرگز ہرگز حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے لئے اب مناسب نہ تھا جس لڑکی نے ہوش ہی اسلام کی آغوش میں سنبھالا ہو وہ کفر اور بت پرستی کے ماحول میں کس طرح رہ سکتی تھی۔ اور بعد کے واقعات نے ثابت بھی کر دیا کہ ان حالات میں اس رشتے کا نبھاؤ مشکل تھا۔

جبیر صف اول کا دشمن اسلام تھا | جبیر بن مطعم کی اسلام دشمنی کا یہ عالم تھا کہ ہجرت کے موقع پر

قریش نے آپ کے خلاف جو قتل کی سازش کی تھی اس سازش میں یہ جبیر بن مطعم شریک تھا۔ مکہ کی اس نوجوان پارٹی کا رکن تھا جو اسلام دشمنی میں پیش پیش تھی۔ اس پارٹی میں عبدالرحمن بن ابی بکر، عکرمہ بن ابی جہل، خالد بن ولید، عمرو بن العاص،

حضرت علی کے دونوں بھائی، طالب بن ابی طالب اور عقیل بن ابی طالب اور کتے کے دوسرے نوجوان شامل تھے۔

پھر اس نے اُساری بدر کے بارے میں اپنے باپ کے احسان کے بدلے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات سے مشرکین مکہ کے حق میں فائدہ اٹھانے کی کوشش کی۔ اُحد میں حضرت حمزہ کو شہید کرنے والا وحشی اسی جبیر بن مطعم کا غلام تھا جس سے جبیر نے وعدہ ہی یہ کیا تھا کہ اگر تو نے حمزہ کو قتل کر دیا تو آزاد ہے۔

ان حالات میں ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بیٹی کیا اس گھر میں بس سکتی تھی یا رہ سکتی تھی۔ اس پر بھی وہی گزرتی جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بڑی بیٹی حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے ساتھ بیٹی۔ کئی سال مدینے میں باپ کے گھر رہیں۔ دیر میں جا کر ابوالعاص زینب کے خاوند راہ راست پر آئے۔ یہاں پہلے ہی قدم پر اس کا خیال کر لیا گیا تھا تو اچھا ہوا۔ ورنہ نتیجہ پھر بھی یہی تھا اور پریشانی الگ۔

صوف نسبت کو چھڑانے کے لئے لڑکی والے لڑکے والے

کے گھر نہیں جایا کرتے

محض نسبتوں کو چھڑانے یا رکھنے کے لئے لڑکی والے لڑکے والوں کے ہاں نہیں جایا کرتے۔ نسبت کا مطلب ہی یہ ہوتا ہے کہ دونوں فریق کو اچھا اور بُرا دیکھنے کا موقع مل جائے۔ جب کوئی بات طبیعت یا توقع کے خلاف ہو تو ایک دوسرے کو کہلوا دیں کہ ہم رشتہ چھوڑ رہے ہیں۔ چونکہ حضرت ابوبکر نسبت نہیں بلکہ نکاح کر چکے تھے اس لئے معاملہ محض رشتے سے جواب دینے کا نہیں تھا بلکہ طلاق لینے کا تھا۔

چنانچہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اس رشتہ کو چھڑانے کے لئے ایسا طریقہ اختیار کیا کہ لڑکے والوں نے خود رشتے سے جواب دیدیا اور انہیں یہ بھی معلوم نہ ہونے دیا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ چاہتے تھے۔

انہوں نے مطعم بن عدی اور اس کی بیوی سے جا کر کہا کہ لڑکی کی رخصتی ہو اور اسے بساؤ۔ مطعم بن عدی اور اس کی بیوی اس الجھن میں پڑ گئے کہ اگر لڑکی کو بساتے ہیں تو خاندان کے بے دین ہو جانے کا ڈر ہے۔ اور اگر چھوڑتے ہیں تو ابوبکر کی بیٹی

ہے۔ کچھ روز تو وہ اس معاملے کو ٹالتے رہے۔ آخر حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے کہا بھائی اس معاملے کو طے کر دو۔ یا رخصتی لو اور لڑکی کو بساؤ یا مجھے کوئی راستہ بتاؤ۔ مطعم بن عدی کو خود تو جواب دینے کا حوصلہ نہ ہوا۔ اس نے اپنی بیوی سے جواب دلوا دیا اور کہہ دیا کہ ہم آپ کی لڑکی کو نہیں بسائیں گے۔ اور اس رشتے کو ختم کرتے ہیں کیونکہ خاندان کے بے دین ہو جانے کا ڈر ہے۔

مطعم کی بیوی کا یہ جواب بظاہر کر رہا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اس وقت شش سالہ بھی نہیں تھیں بلکہ جوان اور بااثر شخصیت کی مالک تھیں۔ ماں باپ کو ڈرتھا کہ اگر ہم نے رخصتی کرالی تو لڑکا بیوی کے اثر سے نئے مذہب میں داخل ہو جائے گا۔ اس خوف سے وہ پہلے ہی رخصتی سے کترار ہے تھے۔ اگرچہ اس خدشے کا اظہار خود مطعم نے اپنی زبان سے نہیں کیا لیکن اس کی بیوی نے **بر ملا** حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے سامنے اس خدشے کا اظہار کر دیا۔

تدبیر القطار

اس سے یہ بھی عیاں ہے کہ حضرت ابو بکر کو ان کے اس خدشے کا پہلے سے علم تھا اور وہ طحیمہ وجبیر کی اسلام دشمنی سے خوب واقف تھے۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ ان کے اس خدشے کو اپنے مقصد کے لئے مفید پا کر ان پر فوری رخصتی کے لئے زور ڈالا اور انکار کرنے پر طلاق کے لئے کہا اور انہوں نے طلاق دینا منظور کر لیا۔

ہم اس سے پہلے وضاحت کے ساتھ لکھ چکے ہیں کہ عرب میں صغیر سنی کی شادی کا رواج نہیں تھا۔ اگر ہم تسلیم بھی کر لیں تو نسبتیں چھوٹے بچوں کی کی جاتی ہیں اور یہ رواج دنیا میں کسی جگہ بھی نہیں ہے کہ ایک جوان آدمی جسے نکاح کی فوری ضرورت ہو اس کی نسبت پنج سالہ کم عمر بچی سے کر دی جائے اور وہ دس گیارہ سال اس کی بلوغت کا انتظار کرتا رہے۔ اور وہ بھی رئیس مکہ مطعم کا لڑکا۔ جس کو بہت سے جوان رشتے بل سکتے تھے۔

اس سے بھی زیادہ تعجب خیز امر یہ ہے کہ پچاس سال کی عمر مبارک رکھنے والے بزرگ جنہوں نے پچیس سال تاہل کی زندگی گزاری ہو اور وہ پہلی بیوی کی وفات کے بعد نئی اہلیہ کی ضرورت محسوس کریں تو اس ضرورت کو شش سالہ بچی سے نکاح

کر کے پورا کریں اور پھر بلوغت کا انتظار کرتے رہیں !

جبیر نے عائشہ رضی کو طلاق دیدی | مطعم بن عدی کی بیوی کے صاف

جواب کے بعد حضرت ابو بکر

نے براہ راست مطعم سے پوچھا کہ تم کیا کہتے ہو۔ اس نے بیچی نظریں کر کے جواب دیا جو کچھ میری بیوی نے کہا وہ آپ نے سُن ہی لیا۔ مطلب یہ تھا کہ جو کچھ وہ کہہ رہی ہے ٹھیک ہے۔ میں بھی اس کی تائید کرتا ہوں۔

حضرت ابو بکر رضی تو چاہتے ہی تھے یہ تو محض معاملہ کو سختگی کی حد تک پہنچانا تھا مگر جبیر بن مطعم نے طلاق دی ”فطلقھا“ اور حضرت ابو بکر نے عائشہ رضی کا نکاح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کر دیا۔ چونکہ رخصتی نہیں ہوئی تھی اس لئے عدت کی ضرورت پیش نہ آئی فوراً نکاح ہو گیا۔

روایت مسند میں پوری گفتگو نقل نہیں کی گئی ہے

مسند کے رواۃ نے حضرت خولہ کی پوری گفتگو نقل نہیں کی ہے۔ انہوں نے کہا ہو گا کہ ایک شیب ہے اور ایک باکرہ جو اس وقت منکوحہ ہے لیکن اس رشتہ کو وہاں سے چھڑا کر آپ سے کر دینا چاہیے۔ حضرت ابو بکر کا جواب بھی غیر مکمل نقل ہوا ہے۔ حضرت ابو بکر کا یہ کہنا کہ انی ذکر تھا علی ابنہ جبیر یا وعدتھا لہ یا : اعطیتھا کہنا کوئی ایسی بات نہیں تھی جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو پہلے سے معلوم نہ ہو۔ آپ ہر روز صدیق اکبر کے ہاں جاتے تھے۔ جگہی دوست تھے۔ منہ بولے بھائی تھے اور آپ مطاع اور رسول تھے۔ حضرت عائشہ رضی کا یہ رشتہ تو یہاں ہی آپ کے مشورے سے ہو گا۔ لیکن حالات کچھ اتنی تیزی سے بدلے کہ جن حالات میں یہ نکاح کیا گیا تھا وہ اور تھے اور اب حالات بالکل بدل چکے تھے۔ اگرچہ مطعم بن عدی بذات خود شریف آدمی تھا اس کا بدویہ مسلمانوں کے حق میں معتدل تھا اور نبی کریم ص کے حق میں ہمدردانہ تھا لیکن قریش کی اکثریت کے سامنے مجبور تھا۔ خود اپنے گھر میں اس کا بھائی طعیمہ بن عدی اسلام کا سخت دشمن تھا۔ اس کا بیٹا جبیر اسلام کی مخالفت میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتا تھا۔ خالد، عکرمہ، طالب بن ابی طالب اور عقیل بن ابی طالب وغیرہ نوجوانوں کی پارٹی کا رکن تھا۔ انہوں نے اب تہمت کر لی تھی کہ جب طرح بھی ہوا اسلام کی جڑ کاٹ دینی چاہیے۔ اور مسلمانوں کو ختم کر دینا چاہیے۔ اس

لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خود اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو بھی یہ تردد تھا کہ اب ان مشرکین سے سماجی اور معاشرتی بیاہ مشکل ہے۔

مُشرکین سے نکاح کی ممانعت | مشرکین سے نکاح کی ممانعت کے صریح احکام تو بعد میں مدینہ میں نازل ہوئے۔ لیکن اس

کا احساس پہلے ہی ہو چلا تھا۔ مکے کی آخری زندگی میں ہجرت سے کچھ پہلے یہ حالات پیدا ہو گئے تھے کہ امت مسلمہ اور کفار میں معاشرتی تعلقات خاص طور پر شادی بیاہ کے رشتے مشکل ہی سے باقی رہ سکیں گے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم عائشہ رضی اللہ عنہا سے نکاح نہ کرتے تب بھی جبیر سے انقطاع ضروری تھا

اگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خود اپنے لئے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا رشتہ درکار نہ ہوتا تب بھی یہ تردد ضرور تھا کہ ابو بکر رضی اللہ عنہ کی بیٹی کو نامناسب ماحول سے نکالنا چاہیے۔ یہ بجائے خود ایک ایسی پریشانی تھی جس کا تدارک اشد ضروری تھا۔ اور یہ ایک ایسا عقدہ تھا جس کا حل حسن تدبیر کا متقاضی تھا۔ اور اسی کی طرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو توجہ دلائی

ابو بکر رضی اللہ عنہ کے الفاظ ”اعطیہا“ اور ”فطلقہا“ سے صاف ظاہر ہے کہ بات وعدہ سے آگے بڑھ چکی ہے۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نکاح کر چکے ہیں اور اسی لئے اس سے گلو خلاصی تدبیر کی متقاضی ہے اسی لئے فرمایا فدعنی (آپ مجھے مہلت دیجئے) حتی اسلہا منہم (میں اسے تدبیر ہشیاری اور احتیاط کے ساتھ ان کے پنجہ سے نکال لوں)

ان تمام الفاظ کا زور بتا رہا ہے کہ بات صرف نسبت ختم کر دینے کی نہیں تھی بلکہ اس سے آگے بڑھ کر طلاق لینے کی تھی۔ بات اپنے ماتھے کی نہیں تھی دوسرے کے ماتھے کی تھی۔ اپنے بس میں نہیں رہتی دوسرے کے بس میں جا چکی تھی۔

مطعم بن عدی کوئی معمولی آدمی نہیں تھا مکے کا رئیس اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کا ایک شریف دوست تھا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جلاس دے کر تازہ تازہ مہربانی بھی کر چکا تھا۔ اور ایسے شخص سے لڑکی کو طلاق دلوانا انتہائی عزم و احتیاط اور حسن تدبیر کا متقاضی تھا اور یہ بات ہرگز نہیں تھی کہ ایک بار گئے اور معاملہ ختم کر کے چلے آئے۔ جیسے

کہ اربابِ سیر نے لکھ دیا ہے

”سَلَّ اور ”اِسْتَسَلَّ“ ترک نسبت کے بجائے طلاق کے لئے ہوتا ہے

سَلَّ الشَّيْءُ مِنَ الشَّيْءِ : اِسْتَزَعَهُ وَاخْرَجَهُ بِرَفْقٍ (المنجد)
اِسْتَلَّ : ذَهَبَ بِهِ فِي خَفِيَّةٍ .

زیر بحث روایت میں فَاِسْتَسَلَّهَا کا مطلب یہ ہوا کہ حضرت ابو بکر رحمہ نے اس کام کو نہایت خاموشی خوش اسلوبی اور حسن تدبیر سے انجام دیا جس کے نتیجہ میں جبیر بن مطعم نے حضرت عائشہ رحمہ کو طلاق دے دی . فطلقها .

اس کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رحمہ سے نکاح کیا فتزوجھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

اب اس بارے میں حضرت ابو بکر رحمہ کی تدابیر اور کوششوں کی تفصیل کیا پیش آئی . اس کے بیان سے روایات خاموش ہیں . کسی روایت سے حضرت ابو بکر کی کوشش کا پتہ نہیں چلتا . خدا جانے حضرت ابو بکر کو کتنی بار ان لوگوں کے پاس جانا پڑا ہوگا . اور اس صلیق سے نکلنے کی کیا کیا تدبیریں کرنی پڑی ہوں گی . بالآخر حضرت ابو بکر رحمہ نے ایسا طریقہ اختیار کیا کہ مطعم اور اس کی بیوی نے خود رخصتی لینے سے انکار کر دیا . اور دونوں میاں بیوی کو محسوس بھی نہیں ہوا کہ خود حضرت ابو بکر رحمہ کا منشاء بھی یہی انقطاع تھا .

جو خطرہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابو بکر کو تھا کہ شرک و کفر کے ساتھ اسلام کا نباہ نہیں ہو سکتا یہی خطرہ مطعم کے دل کی صدائے بازگشت بنا اور حضرت ابو بکر کو اپنی زبان پر اسے لانے کی ضرورت بھی پیش نہیں آئی .

ہمارا خیال ہے کہ ابو بکر کی تدابیر اسی نوعیت کی ہوں گی جن سے اس گھرانے کے دل میں اس بات کا یقین پیدا کرنا مقصود ہوگا کہ عائشہ رحمہ کا ان کے گھرانے میں جانا اسلام کے داخل ہو جانے کا مترادف ہوگا . اس لئے وہ اس پہلو پر اچھی طرح غور کر لیں .

واللہ اعلم بالصواب .

ابن ابی ملیکہ کی روایت کے صحیح نکلنے پر اظہار حیرت

ابن ابی ملیکہ والی روایت کے رجال سب ثقہ ہیں۔ رجال صحیح ہیں لیکن روایت مرسل ہے۔ معلوم نہیں یہ روایت ہشام کی روایت کی موجودگی میں زندہ کیسے رہی۔ اور ”تصحیح“ سے کس طرح بچ گئی۔ بہر حال ہماری خوش قسمتی ہے کہ یہ بچ گئی تھی تو ہمارے کام آگئی اور سچی سچی بات کی طرف اشارہ کر گئی کہ جبیر ابن مطعم سے حضرت عائشہ رضہ کا نکاح ہو چکا تھا۔ اور جبیر نے قبل از رخصت طلاق دے دی تھی۔

اب ہم صغریٰ سنی کے قائلین سے اس بات کے پوچھنے کا حق رکھتے ہیں کہ کیا جبیر ابن مطعم سے بھی حضرت عائشہ رضہ کا نکاح صغریٰ سنی ہی میں ہوا تھا اور ہوا تھا تو کن مصالح اور کن مجبوریوں کے پیش نظر ہوا تھا؟

باب کے شروع میں جو ہم نے ابن سعد کی دو روایتیں لکھی ہیں ان میں پہلی روایت میں بھی ”فطلقها“ کو لفظ موجود ہوگا لیکن بعد کے کسی راوی نے ہشام کی روایت کو سامنے رکھ کر اس کی ”درستی“ فرمادی ہوگی۔ اور اسے ”ففعليها“ یا ”ففعلي ذلك“ بنا دیا ہوگا۔ اور ”اعطيتها“ کو ”كنت وعدت بها“ یا ”ذكرتها“ کے الفاظ میں بدل دیا ہوگا تاکہ یہ روایت ہشام کی روایت کے مخالف نہ رہے۔

تنقیحات ۴ تا نمبر

خولہ کی تجویز نکاح کس نے بھی کیلئے ہرگز نہیں تھی

حضرت خولہ کی گفتگو سے یہ متبادر ہے کہ ان کے ذہن میں نکاح کے قابل دو عورتیں موجود تھیں کہ ان دونوں میں سے آپ جو بھی ایک پسند فرمائیں۔ فرق صرف ثیبہ اور باکرہ کا تھا۔ یہ تو حسن اتفاق تھا کہ دونوں رشتہ نکاح کے لئے آمادہ ہو گئے۔ لیکن اصل میں خولہ کے ذہن میں صرف ایک ہی رشتہ تھا اور مقصد ضرورت

کو پورا کرتا تھا۔ یہ نہیں کہ حضرت خولہ آج کی ضرورت کو کئی سال بعد تک اٹھا رکھنا چاہتی تھیں۔

اگر بالفرض حضرت سودہ کا خیال ہی نہ آیا ہوتا یا حضور ہی پسند نہ فرماتے یا خود سودہ یا ان کا والد انکار کر دیتے تو پھر اس فوری ضرورت اور خانگی امور کی بجائے آوری کے لئے صرف حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ہی ہوتیں۔ یہ تو اتفاقی بات ہو گئی کہ حضرت سودہ سے بھی نکاح ہو گیا اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بھی۔ حضرت سودہ نے فوراً امور خانہ داری کو سنبھال لیا اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی رخصتی میں حسب قاعدہ کچھ وقت لگا۔ اور اسی دوران میں ہجرت پیش آ گئی جس کی وجہ سے ان کی رخصتی کچھ مؤخر ہو گئی۔ اگر اس وقت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو شش سالہ بچی تسلیم کیا جائے تو خولہ کی تجویز مضحکہ خیز نظر آئے گی۔ لہذا اس تجویز سے واضح ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا تجویز کے وقت عادت کے موافق شادی کے قابل اور خانگی ذمہ داریاں اٹھانے کی پوری اہل تھیں۔

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے ”بھتیجی“ ہونے کے بجائے ”کم سن“ ہونے کا عذر کیوں پیش نہ کیا

علاوہ ازیں حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کا یہ استفسار کہ بھتیجی سے نکاح جائز ہے ؟ ظاہر کر رہا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اس وقت بالغ تھیں۔ ورنہ ابو بکر صغیر سنی کا عذر بیان کرتے۔ اور کہتے کہ ابھی تو وہ بچی ہے۔

اگر عائشہ رضی اللہ عنہا شش سالہ بچی تھیں تو اول تو خود خولہ ان کا نام نہ لیتیں اور ان سے یہ غلطی ہو ہی گئی تھی تو خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرما دیتے کہ خولہ کیا باتیں کرتی ہے۔ کہیں شش سالہ بچی سے بھی خانگی ضروریات پوری ہو سکتی ہیں ؟ اور پھر حضرت ابو بکر بھی اس تجویز کو سن کر مزید کوئی بات کرنے کی ضرورت ہی نہ سمجھتے۔

منقح نمبر ۹-۱۰

وفات خدیجہ رضی اللہ عنہا اور نکاح عائشہ رضی اللہ عنہا کا درمیانی وقفہ اب ایک نہایت اہم اور اثر انداز

سوال یہ سامنے آتا ہے کہ حضرت خدیجہ رضی کی وفات کب ہوئی اور وفات خدیجہ اور نکاح عائشہ رضی کی درمیانی مدت کتنی تھی ؟

وفات خدیجہ رضی کے بارے میں مختلف قول ملتے ہیں ۔

اصل میں ارباب سیر حضرت خدیجہ رضی کی وفات اور حضرت عائشہ رضی کے نکاح کے قصے کو ملا کر بیان کرتے ہیں ۔ لیکن ان کے اس بیان اور اس روایت میں سخت اضطراب پایا جاتا ہے ۔ اور اسی بناء پر ہمارے نزدیک اس سے کوئی نتیجہ نکالنا دشوار ہے ۔
البتہ ابن سعد میں کچھ تفصیل پائی جاتی ہے :- (جلد ۸ ص ۱۵۱ ذکر خدیجہ)

وفات خدیجہ رضی کے بعد وقفہ تین سال
بروایت ابن سعد

أخبرنا محمد بن عمر عن محمد بن صالح و عبد الرحمن بن
عبد العزيز قالوا توفيت خديجة بعشر خلون من شهر رمضان
وفيك قبل الهجرة بثلاث سنين وهي يومئذ بنت خمس و
ستين سنة .

أخبرنا محمد بن عمر عن معمر بن الزهري عن عروة عن
عائشة قالت توفيت خديجة قبل ان تفرض الصلوة وذلك
قبل الهجرة بثلاث سنين .

أخبرنا محمد بن عمر أخبرنا المنذر بن عبد الله الحزامي عن
موسى بن عقبة عن أبي عبيدة مولى الزبير قال سمعت حكيم بن حزام
يقول توفيت خديجة بنت خويلد في شهر رمضان سنة عشر من
النبوة وهي يومئذ بنت خمس و ستين سنة فخرجنا بها من
منزلها حتى دفناها بالبحون ونزل رسول الله صلى الله عليه وسلم في
حفرتها ولم تكن يومئذ سنة الجئارة الصلوة عليها . قيل و
متى ذلك يا أبا خالد قال قبل الهجرة بسنوات ثلث أو نحوها
و بعد خروج بني هاشم من الشعب بيسير .

محمد بن عمر نے ہمیں خبر دی محمد بن صالح سے اور عبد الرحمن بن عبد العزیز سے ان دونوں
نے کہا خدیجہ کی وفات دس رمضان کو ہوئی یہ ہجرت سے تین سال پہلے اس وقت

ان کی عمر ۶۵ سال تھی ۔

محمد بن عمر نے ہمیں خبر دی معمر سے اس نے زہری سے اس نے عروہ سے اس نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے اس نے کہا خدیجہ کی وفات نماز فرض ہونے سے پہلے ہوئی اور یہ ہجرت سے تین سال پہلے کی بات ہے ۔

محمد بن عمر نے ہمیں خبر دی ۔ اس نے کہا منذر بن عبد اللہ عزامی نے ہمیں خبر دی ۔ موسیٰ بن عقبہ سے اس نے ابو جیبہ غلام زبیر سے اس نے کہا میں نے حکیم بن عزام کو کہتے سنا خدیجہ بنت خویلد فوت ہوئی رمضان کے مہینے میں دس نبوت میں اس وقت خدیجہ کی عمر ۶۵ سال تھی ہم اس کا جنازہ لیکر گھر سے نکلے اور اسے جمون میں دفن کیا اور رسول اللہ اس کی قبر میں اترے اس وقت تک جنازہ مقرر نہیں ہوئی تھی اور کہا گیا کب ہوا یہ اے ابو خالد اس نے کہا ہجرت سے تین سال پہلے یا اس کے قریب بنو ہاشم کے شعب سے نکلنے سے کچھ عرصے بعد ۔

ان روایات ابن سعد سے معلوم ہوا کہ ہجرت سے تین سال قبل حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی وفات ہوئی ۔

دفعہ تین سال بروایت هشام | مندرجہ بالا روایات ابن سعد کے علاوہ
ہشام ہی کی ایک روایت اس

طرح ہے :-

تزوج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عائشہ بعد خدیجہ بثلاث سنين وعائشہ رضی اللہ عنہا یومئذ ابنة ست سنين ۔

(البدایہ والنہایہ جلد ۲ ص ۱۳۱)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کیا خدیجہ رضی اللہ عنہا کی وفات کے تین سال بعد اور عائشہ رضی اللہ عنہا کی عمر اس وقت چھ سال تھی ۔

اس روایت سے معلوم ہو رہا ہے کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی وفات کے تین سال بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کیا ۔ اور نکاح کے وقت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی عمر ۶ سال تھی ۔ اس حساب سے وفات خدیجہ رضی اللہ عنہا کے وقت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی عمر تین سال ہوتی ہے اور شہ نبوی میں ان کی پیدائش بنتی ہے ۔

دفعہ دو سال بروایت هشام | توفیت خدیجہ قبل مخرج النبی
الی المدینة بثلاث سنين فلیث

سنتین اذ قرأ بيا من ذلك و نكح عائشة و هي بنت ست سنين .
(المحدث بخاری باب الهجرة)

خدیجہ رضی کی وفات ہوئی نبی صلعم کے مارنے کی طرف نکلنے سے تین سال پہلے پھر آپ دو سال یا اس کے قریب رُکے رہے پھر عائشہ رضی سے نکاح کیا اور چھ سال کی تھی ۔

وقفہ تین ، چار ، پانچ سال بروایت اسد الغابہ | تزوجھا
مراسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم قبل الهجرة بثلاث سنين وقيل بامربع سنين و قيل بخمس سنين وكان عمرها لما تزوجها رسول الله صلى الله عليه و سلم ست سنين وقيل سبع سنين و بنی بها و هي بنت تسع .

(اسد الغابہ جلد ۵ ص ۵)

رسول اللہ صلعم نے عائشہ رضی سے نکاح کیا ہجرت سے تین سال پہلے اور کہا گیا چار سال پہلے اور کہا گیا ۵ سال پہلے اور جب رسول اللہ صلعم نے اس سے نکاح کیا اس کی عمر ۶ سال تھی ۔

ناقابل تطبیق | یہ بیان اس قدر مختلف فیہ ہے جس کی تطبیق بھی مشکل ہے جو راوی یہ کہتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی کا نکاح

ہجرت سے تین سال پہلے ہوا ۔ اور وفات خدیجہ کے تین سال بعد ہوا ان کے حساب کی رو سے حضرت خدیجہ رضی کی وفات ہجرت سے چھ سال پہلے ہوئی نیز نکاح کے وقت حضرت عائشہ رضی کی عمر چھ سال تھی ۔ تو اس روایت کی رو سے ہجرت کے وقت ان کی عمر ۹ سال ہوگی ۔ پھر اگر ان کے خیال کے مطابق رخصتی سٹہ ہجری میں ہوئی تو بناء کے وقت ان کی عمر ۱۲ سال بنتی ہے ۔ اور اگر بنا سٹہ میں ہے تو پھر عمر ۱۱ سال ہوتی ہے ۔

جو لوگ ہجرت سے دو سال پہلے نکاح تسلیم کرتے ہیں ان کے نزدیک وفات خدیجہ ہجرت سے ۵ سال پہلے بنتی ہے ۔ بشرطیکہ یہ لوگ اس بات کو مانتے ہوں کہ نکاح وفات خدیجہ سے تین سال بعد ہوا ۔ اور ہجرت کے وقت ان کی عمر آٹھ یا ۹ سال بنتی ہے اور بناء کے وقت ۱۰-۱۱ سال بنتی ہے ۔

وقفہ کی تعین نفس مسئلہ کے لئے ضروری نہیں ہے

غرض ان دونوں واقعات کو بلا کر بیان کرنے سے یہ اضطراب پیدا ہو گیا ہے۔
تعبیر کے نقص نے سارے مضمون کو خبط کر دیا ہے۔

اسی بات تو مسلم ہے کہ وفاتِ خدیجہ کے بعد آپ نے حضرت عائشہ رضہ سے
نکاح کیا۔ اب یہی بات کہ وفات کے کتنے عرصہ بعد کیا؟ اس سے نفس مسئلہ
پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ البتہ چونکہ استخراجِ ہشام میں نکاح کے وقت حضرت عائشہ رضہ
کی عمر کا بیان ہے۔ اس لئے اسکو متعین کرنے کے لئے یہ ضروری ہے کہ ہجرت سے
کتنے عرصہ پہلے نکاح ہوا۔ اسی کی مناسبت سے اہل سیر حضرت خدیجہ کی وفات
کا ذکر کر دیتے ہیں۔ اور یہ بات ظاہر کر دیتے ہیں کہ ان کی وفات سے اتنے عرصہ بعد
نکاح کیا۔ ورنہ عمر عائشہ رضہ کے تعین کی بنیاد محض ہجرت کی نسبت سے وقت
نکاح کو بیان کرنا اور ہجرت کے بعد بنار کے سن کو بیان کرنا ہے۔ ان دونوں اوقات
کی نسبت سے حضرت عائشہ کی عمر متعین ہو جاتی ہے۔ اور وفاتِ خدیجہ رضہ کو ملانے
کی ضرورت پیش نہیں آتی۔

روایت ہشام فی البخاری پر بحث

بخاری کی اس روایت میں ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے
حضرت خدیجہ کی وفات کے بعد تقریباً دو سال نکاح نہیں کیا اور پھر نکاح کے تین سال
بعد رخصتی ہوئی یہ ظاہر کرتا ہے کہ حضرت عائشہ رضہ اس وقت عمر میں چھوٹی تھیں تب
ہی تو یہ صورت پیش آئی۔ ہم اس مسئلہ پر مفصل بحث کر کے ثابت کریں گے کہ ہشام
کی روایت کی یہ دونوں باتیں درست نہیں ہیں۔

حضرت خدیجہ کی وفات کے بعد خدا ہی جانتا ہے کیا حالات پیش آئے جن کی
بنا پر آپ نے دو سال تک نکاح نہیں کیا۔ کتب سیر اس معاملہ میں بالکل خاموش
ہیں۔ یہ تو اس راوی کا فرض تھا جس نے یہ روایت بیان کی کہ ان حالات پر بھی روشنی
ڈالتا جن کی وجہ سے آپ نے نکاح نہیں کیا۔

مدّتِ بلا نکاح کے حالات کیا تھے

خولہ کی روایت کے انداز سے

معلوم ہوتا ہے کہ آپ تو بالکل مطمئن بیٹھے تھے۔ اگر خولہ توجہ نہ دلاتیں تو ابھی کچھ اور وقت اسی طرح گزر جاتا۔

کے کی زندگی کے حالات تاریکی میں ہیں۔ بیشتر تاریخی خلا قرائن اور قیاسات سے پُر کئے گئے ہیں۔ جو بعد میں شہرت اور تسلسل روایت کی بنا پر حقائق بن گئے۔
 مدینے کی زندگی حالانکہ پوری روشن ہے۔ لیکن اس روشنی کے باوجود مہربانیا اور غزوات

کے سنیں و تواریخ میں اختلاف ہی اختلاف نظر آتا ہے۔
 چونکہ اس وقت کلام اللہ کے سوا کسی دوسری بات کے ضبط کا اہتمام نہیں کیا جاتا تھا اس لئے معاملہ جہاں یاد پر آ جائے وہاں اختلاف ہو ہی جاتا ہے۔
 بہر حال معلوم یہ کرنا ہے کہ اگر واقعی آپؐ نے نکاح نہیں کیا تو وہ کون سے حالات تھے جو اس کے متقاضی ہوئے؟

۱ ہو سکتا ہے یہ خیال ہو کہ مکے کی آخری زندگی میں حضرت خدیجہ رضی کی وفات کے وقت جو نئے حالات پیدا ہو گئے تھے تو ان کا جائزہ لینے کے بعد اور اطمینان حاصل ہونے کے بعد اس بارے میں کچھ سوچیں گے۔

۲ چونکہ دعوت اسلام اب ایسے مرحلے میں داخل ہو چکی تھی کہ ہمہ وقت کی جدوجہد سے اسے سنبھالنے کی ضرورت تھی۔ اب یہ خالی عقیدہ توحید و رسالت کی بات نہ تھی بلکہ اس سے جو معاشرتی، سماجی، اخلاقی اور سیاسی امور وابستہ تھے ان کے لئے زمین ہموار کرنی ضروری تھی۔ اور یہ بات کھل کر سامنے آ چکی تھی کہ مکے کی فضا اس دعوت کے لئے سازگار نہیں ہے۔ اسے نئے وطن کی ضرورت ہے۔ جہاں یہ دعوت کامیاب ہو سکے۔

یہ دنیا عالم اسباب ہے یہاں امور سلسلہ علت و معلول کے تابع ہو کر چلتے ہیں۔ دعوت اسلامی میں تدریجی ارتقاء ایک تاریخی حقیقت ہے اس لئے یہ دور دعوت کے لئے موڑ کا دور ہے جو ہمہ وقتی فراغت چاہتا ہے اس لئے آپؐ نے یہ وقت مستقبل کی بنیاد رکھنے میں صرف کیا اور اپنی دعوت کے لئے نیا وطن اور نئے ساتھی اور معاون تلاش کئے۔ اور اس کے لئے جوابدہائی کام ضروری تھا وہ کیا۔ اور نکاح کے معاملہ کو ملتوی رکھا۔

بعض روایات وقفہ تسلیم نہیں کرتیں | احتمال کے طور پر ان دو توجہات کا ذکر ہم نے

کر دیا ہے۔ ورنہ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ ادھر خدیجہ رضی کی وفات ہوئی اور ادھر عائشہ رضی کا نکاح ہو گیا۔ یعنی ہجرت سے پہلے ایک سال کے اندر اندر حضرت خدیجہ

کی وفات بھی ہوئی اور اس کے بعد دو ماہ کے اندر اندر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے نکاح بھی ہو گیا۔ اس صاحب حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی وفات شعبان یا رمضان ۳۱ھ نبوی میں ہوئی قال السرمیاطی فی سیرتہ ماتت خدیجہ فی رمضان و عقد علی سودہ فی شوال ثم علی عائشہ و دخل سودہ قبل عائشہ (زرقانی) ہشام ہی کی ایک روایت یہ بھی ہے کہ :-

تزوجنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم متوفی خدیجہ رضی اللہ عنہا قبل مخرجہ من مکة وانا ابنة سبع فلما قدمنا المدينة۔ الحديث (البدایہ والنہایہ ج ۳ ص ۱۳)

اس روایت سے معلوم ہو رہا ہے کہ ادھر خدیجہ رضی اللہ عنہا کی وفات ہوئی ادھر عائشہ رضی اللہ عنہا کا نکاح ہو گیا اس لئے صاحب بدایہ والنہایہ نے فرمایا ہے کہ :-
متوفی خدیجہ یقتضیٰ امنہ علی اثر ذلك قریباً۔ یعنی حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی وفات کے فوراً بعد نکاح کر لیا۔

یہی وجہ ہے کہ صاحب بدایہ نے ہشام کی اس روایت پر جس میں خدیجہ کی وفات سے تین سال بعد نکاح کا بیان ہے اعتراض کیا ہے۔ اور فرماتے ہیں :-
اما کون تزوجھا بعد موت خدیجہ بنحو ثلاث سنین فیہ نظر یعنی خدیجہ رضی اللہ عنہا کی وفات کے تین سال بعد نکاح غیر ثابت شدہ امر ہے۔
نکاح قبل انہ ہجرت تین سال کے قول کو علماء نے رد کر دیا ہے

غرض ہجرت سے تین سال پہلے نکاح کے قول کو علماء نے رد کر دیا ہے۔ اور کہہ دیا ہے کہ یہ قابل قبول نہیں ہے۔

اسی طرح ہجرت سے دو سال پہلے کے قول کو بھی جس کے قائل ابو عبیدہ ہیں ضعیف اور مرجوح قرار دیا گیا ہے۔

اب تین قول قابل غور باقی رہ جاتے ہیں۔

- ۱۔ نکاح وفات خدیجہ رضی اللہ عنہا سے تین سال بعد ہوا۔ یعنی ہجرت کے بالکل متصل ہوا۔
- ۲۔ نکاح وفات خدیجہ رضی اللہ عنہا سے دو سال سے کچھ زیادہ مدت کے بعد یعنی ہجرت سے چند ماہ پہلے ہوا۔ یہ اس صورت میں ہے جب وفات خدیجہ رضی اللہ عنہا کو ہجرت سے

تین سال پہلے تسلیم کریں ۔

وفاتِ خدیجہ رضہ ہجرت ہی کے سال ہوئی اور اس سے تھوڑے عرصہ کے بعد نکاح ہوا ۔ یعنی ہجرت سے چند ماہ پہلے ۔

ان تینوں اقوال کا مال ایک ہی ہے ۔

متفق علیہ ملے | عن عبد اللہ بن عروہ عن عروہ عن عائشہ رضہ
قالت تزوجنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

فی شوال و بنی بی فی شوال فای نساء رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
کان عندہ اخطی منی و کانت عائشہ رضہ تستحب ان تدخل نساء ہا
فی شوال ۔ (رواہ مسلم والنسائی والترمذی وابن ماجہ)

فعلی هذا یكون دخوله بها عليه السلام بعد الهجرة
لسبعة اشهر او ثمانية اشهر ۔

عبداللہ بن عروہ سے روایت ہے اس نے عروہ سے اس نے عائشہ رضہ سے اس
نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے شوال میں نکاح کیا پھر میری بنا (رخصتی) شوال میں
ہوئی ۔ آپ کی کوفی بیوی آپ کو مجھ سے زیادہ پسند تھی اور عائشہ رضہ ۱ سے پسند
کرتی تھی کہ ان کی لڑکیاں شوال میں رخصت ہوں ۔

اس روایت کی رد سے حضرت عائشہ رضہ کا نکاح مکے میں شوال میں ہوا ۔ اور
اس سے پہلے تینوں اقوال کا مال بھی یہی تھا کہ نکاح ہجرت والے سال میں ہوا اور وہ
شوال ہی میں ہو سکتا ہے ۔ لہذا اب یہ مسئلہ تقریباً متفق علیہ ہے کہ
حضرت عائشہ رضہ کا نکاح ہجرت سے پانچ مہینے پہلے شوال میں مکے میں ہوا ۔

تنقیح مبرر زمانہ رخصتی

یہ مسئلہ بھی مختلف فیہ ہے کہ حضرت عائشہ رضہ کی رخصتی کب ہوئی ۔
ایک فرق جس میں ہشام بن عروہ بھی شامل ہیں اس بات کا قائل ہے کہ بناء
ہجرت سے اٹھارہ ماہ بعد شوال میں غزوہ بدر کے بعد ہوئی ۔

وقد ثبت فی الصحاح وغیرہا وکان بناءہ بها علیہ السلام
فی السنۃ الثانیۃ من الهجرة الی المدینۃ (البدایہ والنہایہ جلد ۴ ص ۱۳۱)

واعرض بها بالمدينة في شوال سنة اثنين من الهجرة على
رأس ثمانية عشر شهرا . (مواهب لدنيه ص ۴۶)

وقيل في السنة الثانية من الهجرة

(نذر تافى على المواهب ص ۲۳ جلد ۱۳)

اس روایت کی رو سے حضرت عائشہ رضی کی رخصتی ہجرت کے سات آٹھ مہینے
بعد ہوئی .

صحاح وغیرہ میں ثابت ہو چکا ہے کہ حضرت عائشہ رضی کی رخصتی
مدینے میں ہجرت کے دوسرے سال میں ہجرت کے اٹھارہ ماہ بعد ہوئی۔
اور کہا گیا ہجرت کے دوسرے سال میں ہوئی۔

اب تک کے اقوال سے تین باتیں منقح ہو کر سامنے آئیں :

۱ نکاح وفات خدیجہ رضی کے بعد ہوا .

۲ نکاح شوال میں مکے میں ہجرت کے سال ہوا .

۳ بنا مدینے میں شوال میں ہوئی .

پہلے دو امور میں تقریباً سب کا اتفاق ہے . مگر آخری تنقح میں اختلاف
ہے . یعنی اس بات میں اختلاف ہے کہ نکاح اور بنا میں کتنا وقفہ ہے .
تین اور دو سال کے وقفے تعبیری مغالطے ہیں

ہشام اور ان کے سامعین نکاح اور بنا میں تین سال یا دو سال کا وقفہ بتلاتے
ہیں . اور ہمارے نزدیک یہ دونوں ایک ہی بات کہہ رہے ہیں . اور ان ہردو
اقوال میں حقیقت کے بجائے صرف تعبیر کا فرق ہے .

تین سال کی تعبیر اس لئے اختیار کی گئی کہ ہجرت سے ایک سال پہلے نکاح
ہوا اور رخصتی سنہ میں ہوئی . اور ظاہر ہے کہ اس صورت میں تین سال ہو
گئے . اس تعبیر میں کسروں کو سال شمار کر لیا گیا ہے . یعنی مہینوں کے بجائے سالوں
کی گنتی کر لی گئی ہے .

اس مغالطے کی وضاحت یوں سمجھئے کہ مثال کے طور پر یہ بات مسلم ہے کہ
نکاح ہجرت سے پانچ ماہ پیشتر شوال میں ہوا . مگر تعبیر کے وقت اسے پورا سال
شمار کر لیا گیا . یعنی ہجرت سے پہلے کے پانچ ماہ کو ہجرت سے پہلے کا سال کہہ دیا گیا .

پھر ان لوگوں کے خیال کے مطابق چونکہ حضرت عائشہ رضی کی رخصتی غزوہ بدر کے بعد شوال ۲ھ میں ہجرت سے ۱۸ ماہ بعد ہوئی اس لئے انہوں نے یہاں بھی دوسرے سال کی کسر کو پورے سال کے الفاظ سے تعبیر کر دیا۔ اور اس طرح ہجرت سے پہلے کا ایک تعبیری سال اور ہجرت کے بعد کے دو تعبیری سال بلا کر تین سال کا وقفہ بن گیا۔

ان کے برخلاف جو لوگ کہتے ہیں کہ نکاح اور رخصتی میں دو سال کا وقفہ سے توفہ مہینے گن کر سال بناتے ہیں اور کسروں کو سال قرار نہیں دیتے، اور ان کا تجزیہ اور شمار اس طرح ہے کہ ہجرت سے پہلے کے پانچ ماہ اور ہجرت کے بعد کے اٹھارہ ماہ بلا کر کل ۲۳ ماہ بن گئے۔ چوبیسویں مہینے کی ابتداء میں رخصتی ہو جاتی ہے۔ لہذا مہینوں کی گنتی کے حساب سے وقفہ دو سال بن گیا۔

خلاصہ یہ ہے کہ نکاح اور رخصتی کے درمیان تین سال کا وقفہ قرار دینے والوں اور دو سال کا وقفہ قرار دینے والوں کے نزدیک حقیقت کا اختلاف کچھ نہیں ہے صرف تعبیر و اظہار کا اختلاف ہے۔ اور دونوں کے نزدیک یہ وقفہ ۲۳ ماہ اور کچھ دن کا متعین ہے۔

دو یا تین سال کے وقفے کی تردید | اب ہم ہشام اور ان کے ساقیوں سے پوچھتے ہیں کہ ان کے پاس

اس وقفے کا ثبوت کیا ہے؟ وہ کن دلائل کی بنیاد پر ۱۸ ماہ بعد بناء کے قائل ہیں۔ غالباً انہوں نے اپنے ہی نقل کردہ اس بیان عائشہ رضی پر اپنے استنباط کی بنیاد رکھی ہوگی کہ:

۱۔ عرس بی فی السنة الثانية۔

اور پھر اس کے ساتھ انہوں نے بناء فی شوال والی روایت کو بلا کر ۱۸ ماہ مستنبط کر لئے ہوں گے۔ اور استنباط کی تفصیل یہ بنالی کہ سال کی ابتدا بمع الاول سے کی گئی اور بناء کی تعیین شوال والی روایت سے کمر لی گئی تو خود بخود ۱۸ ماہ متعین ہو گئے۔

ہو سکتا ہے کہ فریق ہشام کے پاس ۲ھ میں رخصتی کے کچھ اور قرائن بھی ہوں لیکن ہمارا مطالعہ ان قرائن تک پہنچنے سے تاحال قاصر ہے۔ ہو سکتا ہے کہ ہشام نے اپنی رائے اس قیاس پر قائم کی ہو کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ

وسلم کی ہجرت کے بعد حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بہت دیر میں ہجرت کر کے مدینہ پہنچیں اور پھر وہ بیمار ہو گئیں۔ اور دیر میں تندرست ہوئیں۔ ہجرت کے بعد پہلا سوال تو بیماری میں نکل گیا۔ اب رخصتی کے لئے لا محالہ سلسلہ ہجری کا سوال ہی باقی رہ جاتا ہے۔ لہذا سلسلہ ہی کو روایت میں داخل کر دیا جائے۔ اور اس صورت میں حساب کی رو سے وقفہ آپ سے آپ ۱۸ ماہ بن جاتا ہے۔

لیکن ہمارا یہ سوال پھر بھی اپنی جگہ باقی ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے صحتمند ہو جانے کے بعد آخر سوال کا انتظار کیوں کیا گیا۔

اب تک ہم نے جو روایات نقل کی ہیں وہ اسی نظریے کی تائید میں ہیں اور ہشام اور ان کے متبعین اسی کے قائل ہیں۔ اب ہم ارباب تحقیق کی رائے وقفہ کے بارے میں بیان کرتے ہیں۔

تحقیق کی رو سے وقفہ صرف ایک سال کا تھا

ہشام اور ان کے متبعین کے خلاف محدثین اور مورخین میں سے ارباب تحقیق یہ کہتے ہیں کہ رخصتی ہجرت کے ۱۸ ماہ بعد نہیں ہوئی بلکہ صرف ۷ یا ۸ ماہ بعد سوال سلسلہ میں ہوئی ہے۔ اور غزوہ بدر سے تقریباً ایک سال پہلے ہوئی ہے۔ اور ان کی تحقیق کے مطابق نکاح اور رخصتی کا وقفہ صرف ایک سال تھا۔

روایت ابن سعد

واعمرس بنی فی شوال علی مراس ثمانیۃ اشھر من المهاجر

(ابن سعد جلد ۸ ص ۵۹)

روایت طبری

وفیہا (۱) السنة الاولى (۲) بنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بعائشہ بعد مقدمہ المدینۃ بثمانیۃ اشھر فی ذی قعدة فی قول بعضهم۔
وفی قول بعض بعد مقدمۃ المدینۃ بسبعة اشھر فی شوال وکات تزوجہا بمکہ بعد وفاة خدیجة بثلاث سنین قبیل الهجرة
دھی بنت ست سنین وقد قیل تزوجہا دھی بنت سبع وقیل بنی

بہا فی شوال یوم ۱۲ الاربعاء فی منزل ابی بکر بالسنح
(طبری جلد ۲ ص ۱۹۷)

روایت اصابت

وكان دخوله في شوال في السنة الاولى كما اخبره ابن سعد عن الواقدي
عن ابی الرجال عن ابيه عن امه عمرة عنها قالت اعرض بي على راس ثمانية
اشهر. كذا قال الحافظ في الفتح كان دخوله على راس ثمانية اشهر من
الربيع الاول وقيل سبعة اشهر من مقدمه عليه الصلوة والسلام
(مواهب الدنيا)

كذا في العيون وفي مسلم في السنة الاولى لان التزوج كان في شوال
وبناؤه عليه السلام كان في شوال. وقال الدمياطي في تاريخه كان وفات
خديجة في رمضان وتزوج النبي صلى الله عليه وسلم في شوال.
(اصابة جلد ۲ ص ۳۷۸)

نراقی علی المواہب

نراقی علی المواہب میں مواہب لدنیہ کا اشارہ مہینے والا قول نقل کر کے آگے لکھا
ہے کہ فیما قال بعضهم واخذه في الاصابة والفتح. وحديثه بانہ بنی بہا
في السنة الاولى وقيل بعد سبعة اشهر من مقدمه عليه الصلوة والسلام.
وروي ابن سعد وغيره عنها قالت اعرض بي على راس ثمانية اشهر
ولهذا صدر في الاصابة والعيون. وفي مسلم عنها تزوجني في شوال
وبني بي في شوال. قال في الفتح اذا ثبت انه بنی بہا في شوال في السنة
الاولى قوى قول من قال ودخل بها بعد الهجرة بسبعة اشهر
وقد وهاه النودى وليس بواہ (نراقی علی المواہب جلد ۳ ص ۲۳۱)

میری رخصتی ہوئی ہجرت سے آٹھ ماہ بعد۔

اس سال میں یعنی ہجرت کے پہلے سال میں آنحضرتؐ نے عائشہؓ سے خلوت کی
مدینے آنے کے آٹھ ماہ بعد نوی قعدہ میں بعض کے بیان کے مطابق اور بعض نے
بیان کیا مدینے آنے کے سات ماہ بعد شوال میں آپؐ نے عائشہؓ سے نکاح کیا تھا

خدیجہ رضی کی وفات کے بعد مکے میں ہجرت سے تین سال پہلے اور وہ چھ سال کی تھی اور کہا گیا سات سال کی تھی کہ نکاح ہوا اور کہا گیا رخصتی ہوئی شوال میں بدھ کے دن شج میں ابو بکر رضی کے گھر میں۔ اور آپ نے رخصتی کرائی شوال میں ہجرت کے پہلے سال میں جیسا کہ ابن سعد نے واقدی سے روایت بیان کی اس نے ابوالرجال سے اس نے اپنے باپ سے اس نے عمرہ سے عمرہ نے عائشہ رضی سے اس نے کہا میرے ساتھ خلوت کی آٹھویں مہینے میں ہجرت کے بعد۔

ایسے ہی حافظ نے فتح میں کہا کہ آپ نے رخصتی کرائی آٹھویں مہینے کے شروع میں ربیع الاول کے مہینے سے اور کہا گیا سات مہینے بعد آپ کے مدینے آنے سے۔ ایسا ہی عیون میں ہے اور مسلم میں ہے پہلے سال میں اس لئے کہ نکاح شوال میں ہوا اور رخصتی شوال میں ہوئی۔

وسیلہ نے اپنی تاریخ میں کہا خدیجہ رضی کی وفات رمضان میں ہوئی اور نکاح شوال میں ہوا۔ جیسا کہ بعض نے کہا۔

آخری حصہ اصحاب میں ہے اور فتح میں ہے اور یہ گذر چکا کہ رخصتی پہلے سال میں ہوئی اور کہا گیا آپ کے مدینے آنے کے سات ماہ بعد۔ ابن سعد وغیرہ نے روایت بیان کی حضرت عائشہ رضی سے میری رخصتی ہوئی۔ ہجرت کے بعد آٹھویں مہینے کے شروع میں۔ یہی اصحاب میں ہے اور عیون میں ہے اور مسلم میں عائشہ رضی سے روایت ہے شوال میں مجھ سے نکاح کیا اور شوال میں میری رخصتی ہوئی اور فتح میں کہا جب ثابت ہو گیا کہ رخصتی شوال میں پہلے سال میں ہوئی تو اس سے ان لوگوں کی بات پکی ہو گئی جنہوں نے کہا کہ ہجرت کے بعد رخصتی سات ماہ بعد ہوئی۔ نووی نے اسے واپس لیا کہا اور یہ واپس نہیں ہے۔

دہ سالہ معیت نبی و عائشہ میں تردید قول ہشام ہے

صاحب عیون نے عیون میں، مسلم نے مسلم میں، حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں، ابن سعد نے طبقات میں، طبری نے اپنی تاریخ میں تحقیقاً لکھا ہے کہ بناءً علیہ ہجری میں ہجرت کے سات آٹھ مہینے بعد شوال میں ہوئی ہے۔ اور ان لوگوں کے نزدیک حضرت عائشہ رضی بنی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں دس سال رہی ہیں کیونکہ جب رخصتی سالہ میں ہوئی اور آپ کی وفات سالہ میں ہوئی تو معیت کے

دس سال ہو جاتے ہیں۔ ان کی تحقیق کی رو سے ہشام کی روایت کا آخری جملہ تاریخی اعتبار سے غلط ثابت ہوتا ہے۔ کیونکہ وہ کہتے ہیں کہ وکانت عندہ تسعا۔ نیز اس تحقیق کی رو سے ہشام کی روایت کا پہلا جملہ یعنی ”نکاح کے وقت عمر ۶ سال تھی“ وہ بھی قطعاً غلط ثابت ہوتا ہے۔ کیونکہ ہشام کا یہ جملہ کہ و بنی بھاوہی بنت تسع سب کے نزدیک متفق علیہ ہے۔ جس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے۔ تو جب بناء کے وقت عمر ۹ سال ہے اور نکاح ایک سال پہلے ہے تو نکاح کے وقت ۸ سال ہوگی اور نبی کریم ﷺ کی وفات ۳ میں۔ اس لئے نبی کریم ﷺ کی وفات کے وقت ان کی عمر ۱۹ سال ہوگی ۳ میں جس کی عمر ۹ سال ہو ۳ میں اس کی عمر ۱۹ سال حساب کے قاعدے سے ہو جاتی ہے۔ جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے لیکر اللہ تک ساتھ رہیں تو معیت دس سال ہو گئی۔

محققین کے قول سے ہشام کی روایت کے سیاق اور سباق دونوں رد ہو جاتے ہیں

غرض اس تحقیق سے ہشام کی روایت کا سیاق اور سباق بالکل ختم ہو جاتا ہے۔ اور اس کا صرف ایک جملہ باقی رہ جاتا ہے اور وہ ہے بناء تسع۔ اس میں دونوں فریق کا اتفاق ہے۔ اور یہ وہی ناقص جملہ ہے جو ہجرت والی روایت میں آپ نے فرمایا تھا وانا یومئذ بنت تسع عشرة یا بنت تسع وعشرین لیکن ہشام سے عشرہ کا لفظ چھوٹ گیا اور صرف وانا یومئذ بنت تسع رہ گیا۔ اس یکسالہ وقفہ کی وجہ کیا تھی؟

اس تحقیق کی رو سے نکاح اور بناء میں ایک سال کا وقفہ ہے۔ آخر یہ وقفہ کیوں ہے؟

ہجرت کے بعد کے سات مہینے تو مجبوری میں گزرے۔ پانچ چھ ماہ تک تو آپ اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے اپنے کنبوں کو نہ بلا سکے اس لئے اس مدت کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے خود اپنی طرف سے پہل کر کے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ آپ رخصتی کیوں نہیں لے لیتے۔ آپ نے فرمایا میرے پاس مہر نہیں ہے۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے یہ مہر کی رقم پانسو درہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بطور قرض

بھیج دئے۔ آپ نے وہی رقم واپس مہر میں بھیج دی اور رخصتی ہو گئی۔

ہجرت سے چار ماہ پہلے رخصتی نہ ہونے کی ایک وجہ تو یہی ہے کہ عربوں کے اُس وقت کے رواج کے مطابق نکاح اور بناء میں عموماً کئی مہینے کا وقفہ ہوتا تھا۔ تاکہ بیٹی کا والد کچھ تیاری کر لے۔ یہ ان کے رواج کا معلوم ہونا ہے جزو تھا۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا نکاح محرم یا صفر ۳۰ھ میں ہوا اور رخصتی سات مہینے بعد شعبان میں ہوئی۔ کیا حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی عمر کم تھی کہ سات ماہ انتظار کرنا پڑا۔ حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا کا نکاح حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے جب ہوا تو رخصتی تین ماہ بعد ہوئی۔ ہو سکتا ہے کہ مکے میں بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خیال میں مہر ہی کا عذر ہو۔ مدینے میں تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے سبب تاخیر دریافت کیا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ظاہر فرمادیا لیکن مکے میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے دریافت نہیں کیا تھا اس لئے معلوم نہ ہو سکا۔

علاوہ ازیں مکے کی زندگی کے آخری ایام بے حد پریشانی اور مصروفیت کے ایام تھے۔ دن رات دشمنوں سے بچنے کی تدابیر میں مصروف رہتے تھے۔ ہر وقت خدا کے حکم کا انتظار تھا کہ کب ہجرت کا حکم ہوتا ہے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے پہلے سے اس کام کے لئے اونٹنیاں تیار کر رکھی تھیں۔ ہجرت کوئی فوری اور وقتی بات نہ تھی۔ البتہ ہمارے رواد کا انداز بیان فوری اور فجائی رحجان کا حامل ہوتا ہے۔ ہجرت ایک تدریجی عمل کے نتیجے میں ظہور پذیر ہوئی ہے۔ ہجرت کے وقت کے تعین میں مشرکین کی سرگرمیوں کو بھی دخل ہے۔ وہ قتل کی سازش کر رہے تھے اس سے بچنا بھی ضروری تھا۔ غرض یہ زمانہ قطعاً ذہنی خلفشار کا زمانہ تھا۔ اگر اس دوران میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی رخصتی نہ ہو سکی تو یہ کم عمری کی وجہ سے نہ تھا بلکہ حالات کا تقاضا ہی یہ تھا۔

خلاصہ بحث

اس تمام بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نکاح ہوتے سے پہلے جوان تھیں۔ مطعم بن عدی کے بیٹے سے ان کا نکاح ہو چکا تھا۔ رخصتی البتہ ابھی نہیں ہوئی تھی۔ کیونکہ عرب لوگ نکاح اور رخصتی کے درمیان چند ماہ کا وقفہ رکھتے تھے۔ نیز اختلاف عقیدہ کی وجہ سے مطعم بن عدی رخصتی لینے سے دانستہ گریز کرتے رہے تھے۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو بھی جلدی نہ تھی۔ اسی دوران حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی وفات ہو گئی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو نکاح کی ضرورت پیش آئی۔ تو ابو بکر رضی اللہ عنہ کے لئے بھی اس مشکل کے حل کا راستہ ملا۔ اور انہوں نے بحسن تدبیر خود اپنی طرف سے اقدام کر کے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو جبر سے طلاق دلوائی۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نکاح کیا۔ جیسا کہ ابن سعد کی روایت سے معلوم ہو رہا ہے۔

اعطیتھا مطعمًا لابنہ جبیر یعنی انکحتھا جبیر بن مطعم۔ فاستسلھا کے الفاظ ظاہر کر رہے ہیں کہ طلاق حاصل کرنے کی تمام خفیہ اور علانیہ تدابیر اختیار کی گئیں۔ اور پھر فطلقھا سے ظاہر ہے کہ یہ کوششیں بار آور ہوئیں اور نتیجہ طلاق کی شکل میں نکل آیا۔ اسی سے یہ بھی معلوم ہوا کہ نکاح ہو چکا تھا۔

پھر ان تمام مراحل کے بعد فتزوجھا النبی کا مرتبہ ہے۔ یہ تزوج سوال شدہ نبوی میں ہوا۔ چار ماہ بعد ہجرت ہو گئی۔

پانچوال قرینہ

واقعہ ہجرت بروایت ابن سعد

ابتداءً کتاب میں بخاری کی روایت ہجرت پر بحث کرتے ہوئے تم لکھ آئے ہیں کہ ایک لمبی حکایت کا آخری ٹکڑا جو صرف رخصتی کی کیفیت کو ظاہر کر رہا ہے۔ اور اس میں عمر کا ذکر بطور جملہ معترضہ کے آ گیا ہے۔ مسلم میں بھی یہی روایت مذکور ہے۔ اس میں یہ جملہ معترضہ (وانا یومئذ بنت تسع) ترک کر دیا گیا ہے۔ اب ہم طبقات ابن سعد سے پوری روایت نقل کرتے ہیں۔ اور یہ معلوم کرتے ہیں کہ یہ قصہ ہجرت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کیوں سنایا تھا :-

اخبرنا محمد بن عمر حدثنا موسى بن محمد بن عبد الرحمن عن عمرة بنت عبد الرحمن عن عائشة رضي الله عنها قالت لما هاجر رسول الله صلى الله عليه وسلم الى المدينة خلفنا بناته فلما قدم المدينة بعث الينا نريد بن حارثة وبعث معه ابا رافع مولاہ واعطاهما بعيرين وخمس مائة درهم اخذها رسول الله صلى الله عليه وسلم من ابى بكر يشتریان بها ما يحتاجان اليه من الظهر وبعث ابو بكر معهما عبد الله بن اريقط الديلي ببعيرين او ثلاثة وكتب الى

عبد اللہ بن ابی بکر یا مردہ ان یحمل اہلہ امی ام سر ومان وانا وختی اسماء
 امرأۃ الزبیر فخرجوا مصطبحين فلما انتهوا الی قدید اشتراى نریں
 بن حارثۃ بتلك الخمسمائة ثلاثۃ البعدۃ ثم رحلوا من مکة
 جميعا وصادفوا طلحة بن عبید اللہ یرید الهجرة بال ابی بکر فخرجنا
 جميعا وخرج نریں بن حارثۃ والبول فغاططۃ وام کلثوم و سودۃ
 بنت زمعة وحمل نریں ام ایمن واسامتی بن نریں وخرج عبد اللہ بن
 ابی بکر بام سر ومان واختیه وخرج طلحة بن عبید اللہ واصطحبنا
 جميعا حتی اذا کنا بالبیض من منی نفر بعیری وانا فی محفة معی فیها
 امی فجعلت امی تقول وابنتاه واعرساه . حتی ادراک بعیرنا وقد هبط
 من لفت فسلم اللہ عز وجل ثم انا قد من المدينة فنزلت مع
 عیال ابی بکر و نزل ال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ورسول اللہ یومئذ
 یبني المسجد وابیاتا حول المسجد فانزل فیها اہلہ فمکثنا ایاما
 فی منزل ابی بکر ثم قال ابو بکر ما یمنعک من ان تبني باہلک
 قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الصدق فا عطاہ ابو بکر اثنتی عشرة
 اوقیة ونشتا فبعث بہما رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الینا . وبنی بی
 رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی بیتی ہذا الذی انا فیہ . وهو الذی
 تو فی فیہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وجعل رسول اللہ صلی اللہ علیہ
 وسلم لنفسہ بابا فی المسجد وجاء باب عائشۃ ثم قالت وبنی رسول
 اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لبسودۃ فی احد تلك البيوت اللتی الی جنبی
 فكان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکیون عندها .

(طبقات ابن سعد جلد ۸ ص ۶۸)

محمد بن عمر نے ہمیں خبر دی اس نے کہا موسیٰ بن محمد بن عبد الرحمن نے ہمیں حدیث
 سنائی عمرہ بنت عبد الرحمن سے اس نے عائشہ رضی سے اس سے پوچھا کب رخصتی
 لی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس نے کہا جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ کی طرف
 ہجرت کی تو ہمیں اور اپنی اہل کیوں بھیجے مکہ چھوڑ گئے جب آپ مدینہ آ گئے اس کے
 کچھ عرصہ بعد آپ نے ہماری طرف زید بن حارثہ کو بھیجا اس کے ساتھ اپنے غلام ابورافع
 کو بھیجا اور ان دونوں کو دواؤں اور پانسو درہم دیئے ۔ یہ درہم آپ نے ابوبکرؓ

سے لئے تھے تاکہ وہ دونوں اس سے ضرورت اور کھانے پینے کا سامان خرید سکیں۔ اور
 ابو بکر رضی نے ان دونوں کے ساتھ عبداللہ بن اریقظ ویلی کو دو اونٹ یا تین اونٹ دے کر
 بھیجا اور اپنے بیٹے عبداللہ کو لکھا کہ ان کے کنبے کو سوار کرا دے یعنی ام رومان کو۔
 میری بہن اسماء زہیر کی بیوی کو۔ سب اکٹھے نکلے جب قید میں آئے تو زید بن حارثہ
 نے پانسو درہم سے تین اونٹ خریدے پھر نکلے سے اکٹھے سفر کیا۔ انہوں نے
 طلحہ بن عبید اللہ کو پایا کہ وہ بھی ہجرت کے ارادے سے نکلے وہ آل ابو بکر رضی کے ساتھ
 سفر کرنا چاہتے تھے اب ہم اکٹھے سفر کرنے لگے۔ زید بن حارثہ اور ابو رافع لائے۔
 فاطمہ، ام کلثوم اور سودہ بنت زمعہ کو اور زید نے ام ایمن کو اور اسماء بن زید
 کو بھی ساتھ لیا۔ اور عبداللہ بن ابو بکر رضی اپنی ماں ام رومان اور اپنی دو بہنوں کو لے
 کر نکلے اور طلحہ بن عبید اللہ بھی نکلے ہم اکٹھے چلتے رہے جب ہم بیض کے مقام پر
 آئے جو منی کے قریب ہے میرا اونٹ بدک کر دوڑا اور میں محض میں تھی میری
 ماں میرے ساتھ تھی۔ میری ماں چلانے لگی اے میری بیٹی اے میری دو بہن بیٹی۔
 یہاں تک کہ ہمارا اونٹ پالیا گیا اور وہ ٹیلے سے اتر آیا اللہ نے محفوظ رکھا پھر
 جب ہم مدینے آئے میں ابو بکر رضی کے کنبے کے ساتھ اتری اور رسول اللہ صلیعہ کا کنبہ
 مسجد کے گرد گھروں میں اُترا اور آپ اُس وقت مسجد اور اس کے گرد حجرے بنا
 رہے تھے۔ پس ہم کچھ دن ابو بکر رضی کے گھر میں رہے پھر ابو بکر رضی نے رسول اللہ
 سے پوچھا آپ کے لئے رخصتی میں کیا رکاوٹ ہے رسول اللہ صلیعہ نے جواب دیا
 مہر رکاوٹ ہے۔ پس ابو بکر رضی نے ان کو پانسو درہم اور کچھ زیادہ مہر ادا کرنے کو
 دیا۔ پس رسول اللہ صلیعہ نے وہی ہماری طرف بھیج دیئے۔ پس میری رخصتی اسی
 گھر میں ہوئی جس میں اب ہوں یہی وہ گھر ہے جس میں رسول اللہ صلیعہ کی
 وفات ہوئی اور رسول اللہ صلیعہ اپنے لئے مسجد میں دروازہ بنا لیا تھا جو عائشہ رضی کے
 دروازے کے سامنے تھا اور سودہ کی رخصتی بھی انہیں مسجد کے گھروں میں سے ایک
 میں ہوئی جو میرے گھر کے پہلو میں ہے پس رسول اللہ صلیعہ اس کے پاس
 رہتے تھے۔

یہ روایت حشو و زوائد سے خالی اور فطری انداز بیان میں ہے

یہ روایت حضرت عائشہ رضی کی خادمہ عمرہ بنت عبدالرحمن سے مروی ہے جو برسوں

حضرت عائشہ رضی کی خدمت میں رہیں۔ اس کا مضمون نہ روایت کے خلاف ہے اور نہ ہی کسی واقعہ سے متصادم ہے۔ اور نہ اس کے خلاف کسی دوسرے صحابی کا کوئی بیان ہے۔ اس لئے یہ صحیح واقعات کا مرنج ہے۔ اس سے زیادہ صحیح اور مفصل بیان کسی اور روایت میں نہیں ملے گا۔

اس روایت میں واقعات کا بیان فطری انداز میں ہے۔ اس میں نہ اربابِ سخن کی طرح ادب و حور کا ذکر ہے نہ بنات کا۔ نہ صواب کا قصہ ہے نہ ام رومان کے چلانے کا۔ نہ عائشہ رضی کے سانس پھولنے اور درست کرنے کا ذکر ہے اور نہ ماں کے منہ دھلانے کا۔ اور نہ ہی حضرت عائشہ رضی کی بے خبری اور مفروضہ بچپن کی کسی اور خصوصیت کا۔

پھر اس روایت میں حضرت ابو بکر رضی کا یہ کہنا مایمنعل ان تبني باهلک ظاہر کر رہا ہے کہ حضرت عائشہ رضی میرے بالغہ تھیں۔ بہت پہلے سے رخصتی کے قابل تھیں۔ اسی وجہ سے حضرت ابو بکر رضی نے کہا آپ رخصتی کیوں نہیں کرا لیتے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ نہ مانا کہ میرے پاس مہر نہیں ہے ظاہر کر رہا ہے کہ تاخیر کی وجہ صرف مہر کی ادائیگی تھی۔ اگر حضرت عائشہ رضی کی عمر ۹ سال کی ہوتی اور وہ بچی ہوتیں تو حضرت ابو بکر رضی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے رخصتی کرا لینے کا مطالبہ نہ کرتے اور نہ ہی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم یہ فرماتے کہ مہر نہ ہونے کی وجہ سے التوا ہو رہا ہے۔ بلکہ یہ فرماتے کہ ابھی کیا جلدی ہے ابھی عائشہ رضی ۹ سال کی بھی ہے۔

ابن سعد نے یہ روایت اگرچہ واقدی کے ذریعے ذکر کی ہے لیکن ہمارے لئے واقدی کا بیان اس بارے میں زیادہ قابلِ استناد ہے۔ اس لئے کہ اگرچہ وہ داستان گو ہے۔ لیکن اس نے یہ بات تو سچی کہی ہے۔ اس لئے کوئی وجہ نہیں ہے کہ اس روایت کو قابلِ قبول نہ سمجھا جائے۔

اس روایت سے مندرجہ ذیل امور پر روشنی پڑتی ہے :-
۱ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل وعیال کے بغیر اکیلے ہجرت کی۔ بعد میں جب مدینے میں مسجد اور اس کے گرد حجرات بن گئے تو آپ نے اپنے اہل وعیال کو بلالیا۔

۲ حضرت ابو بکر رضی نے بھی اپنے اہل وعیال کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل وعیال کے ساتھ بلالیا۔

۳ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل وعیال مسجد نبوی کے مکانوں میں اُترے۔

۴۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے اہل و عیال کسج میں حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے مکان میں آئے۔
اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بھی وہیں اپنے باپ کے پاس آئیں۔

۵۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے خور انتظار کے بعد نبی کریم ص سے عرض کیا کہ آپ رخصتی کیوں
نہیں لیتے؟ آنحضرت ص نے جواب میں فرمایا میرے پاس اس وقت مہر نہیں ہے۔

۶۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے پانسو درہم بطور قرض آپ کے پاس بھیج دیئے۔ آپ نے
وہی رقم مہر میں حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو واپس بھیج دی اور اس طرح حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی
رخصتی ہوئی۔

اس سے ثابت ہوا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا یقیناً بالغہ تھیں اور نو سالہ نہیں
تھیں۔ ورنہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ ان کی رخصتی پر اپنی طرف سے زور نہ ڈالتے اور جواب
میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی فقدان مہر کے بجائے عائشہ رضی اللہ عنہا کی کم سنی کا عذر
پیش کرتے۔

چھٹا قرینہ

سلسلہ میں حضرت عائشہ رضی کی روایت عیادت

یہ روایت مختلف طریقوں سے کتب سیر اور سنن میں آئی ہے۔ بخاری میں بھی یہ روایت موجود ہے۔ مسلم نے بھی اسے مختصراً ذکر کیا ہے۔ اسی موقع پر آپ نے فرمایا تھا اللہم حبیب الینالمدینۃ کحبنا مکۃ اداشد۔

اے اللہ ہمارے لئے مدینہ کو اتنا ہی محبوب بنارے جیسا کہ ہمیں مکہ محبوب ہے۔ عبداللہ بن عروہ کے واسطے سے حضرت عائشہ رضی کی روایت ہے کہ جب بنی کریم مدینہ تشریف لائے تو مدینہ بیماری کا گھر تھا۔ عام طور سے لوگ بخاریں مبتلا رہتے تھے۔ مہاجرین مدینہ آتے ہی بخاریں مبتلا ہو گئے تھے۔ حضرت ابو بکر رضی۔ عامر بن فہیرہ رضی۔ بلال رضی جو حضرت ابو بکر رضی کے خادم تھے ایک گھر میں بیمار پڑے تھے۔ میں بنی کریم سے اجازت لیکر ان کی عیادت کے لئے گئی۔ اس وقت تک حجاب کا حکم نہیں اُترا تھا۔ شدتِ بیمار سے یہ لوگ بے ہوش تھے۔ میں پہلے حضرت ابو بکر رضی کے پاس آئی۔ ان سے پوچھا ابا کیا حال ہے؟ انہوں نے جواب دیا

کل امرئ مصبح فی املہ والمویت ادنی من شرک لعلہ

ہر آدمی اپنے اہل میں وقت گزارتا ہے اور موت اس کے جوتے کے تسمے سے بھی زیادہ نزدیک ہے۔

حضرت عائشہ رضی کا بیان ہے کہ میرے والد کو کچھ پتہ نہیں تھا کہ وہ کیا کہہ رہے ہیں۔ پھر میں عامر کے پاس گئی۔ اس سے پوچھا عامر کیا حال ہے؟ اس نے کہا

لقد وجدت الموت قبل ذوقه
ان الجبان حنقه من فوقه
کل امری مجاهد بطوقه
کثوب یحیی جلدہ بروقه
میرا خیال ہے اسے بھی کچھ پتہ نہیں تھا کہ وہ کیا کہہ رہا ہے۔

بلال کی عادت تھی کہ جب انہیں بخار آتا تھا تو وہ گھر کے صحن میں لیٹ جاتے تھے اور زور زور سے چلایا کرتے تھے۔ اور اس وقت وہ یہ شعر پڑھ رہے تھے۔

الالیث شعری هل ابیتن لیلة
لبواد و حولی اذخر د جلیل
د هل امدن یوما میاه مجنة
د هل یبدون لی شامة و طفیل

کاش مجھے معلوم ہو کیا میں ایک رات گزاروں گا۔ اس داری میں کہ میرے چاروں طرف اذخر گھاس جلیل ہوں گے اور کیا میں اُتروں گا مجنہ کے پانیوں پر اور کیا ظاہر ہوں گے میرے سامنے شامہ اور طفیل پہاڑ۔

حضرت عائشہ رض کا بیان ہے کہ میں نے وہ تمام کیفیت جو وہاں دیکھی تھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کر دی میں نے کہا

انهم یهزون د ما یعقلون من شدة الحمی۔

وہ بہک رہے ہیں شدت بخار سے اور کچھ نہیں سمجھ رہے۔

اس واقعہ سے ظاہر ہے کہ اسے میں حضرت عائشہ رض اپنے گھر میں رہتی سہتی تھیں۔ گھر سے اجازت لیکر تیمار داری کے لئے گئیں۔ اس وقت تک آیت حجاب بھی نہیں اُتری تھی۔ پھر تمام اشعار ہو بہو نقل کئے۔ اور یہ بھی بیان کیا کہ یہ سب بخار کی بیہوشی میں کہہ رہے تھے۔ اور انہیں شدت بخار کی وجہ سے تن بدن کا ہوش نہ تھا۔

ان امور کو سمجھنا ۹۔ ۱۰ سال کی بچی کا کام نہیں ہو سکتا۔ یہ تو پختہ ذہن اور پختہ عمری کی باتیں ہیں۔ یہ بچپن کے استاد کے یاد کرائے ہوئے اشعار نہیں ہیں بلکہ بر محل ہیں۔ جیسے کوئی شعر فی البدیہہ کسی شاعر کی زبان سے نکل جاتا اور صاحب ذوق سامع کے دل میں اُتر جاتا ہے۔ یہی اس وقت حضرت عائشہ رض کے ساتھ ہوا۔ موقع کے چار پانچ چھ اشعار کا سنتے ہی دل میں اتار لینا اور ہو بہو نقل کر دینا ایک ایسی بچی کا کارنامہ نہیں ہو سکتا

جسے کھلونوں اور کھیلوں سے فرصت نہ ہو

سوال و فریہ

غزوہ بدر سلسلہ میں شرکت عائشہ رضی

اگرچہ ارباب سیر نے غزوہ بدر میں کسی عورت کی شرکت کا ذکر نہیں کیا۔ لیکن حضرت عائشہ رضی اس میں شریک تھیں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھیں۔ مسلم میں حضرت عائشہ رضی سے ایک روایت مروی ہے۔

حدیثی تراویح بن حرب قال نا عبد الرحمن بن مہدی عن مالک عن قال
وحدیثیہ ابو طاہر واللفظ لہ قال حدیثی عبد اللہ بن وہب عن مالک
بن انس عن الفضیل بن ابی عبد اللہ بن دینار الاسلمی عن عمرو بن الزبیر
عن عائشہ رضی عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم انها قالت خرج النبی صلی
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قبل بدر۔ فلما کان بحرۃ الخیرۃ ادراکہ رجل
قد کان یذکر منہ حیوۃ وخبۃ۔ ففرح اصحاب رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم حین رؤوہ۔ فلما ادراکہ قال لوسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
جت لا تبعلک و احیب معک۔ قال لہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
تومن باللہ ورسولہ؟ قال لا۔ قال فارجع۔ فلن استعین
بمشرک۔ قالت شعرمضی۔ حتی اذا کنا بالشجرۃ ادراکہ الرجل۔

فَقَالَ لَهُ كَمَا قَالَ أَوَّلَ مَرَّةٍ . فَقَالَ لَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَمَا قَالَ أَوَّلَ مَرَّةٍ . قَالَ فَارْجِع . فَلَمَّا اسْتَعْيَيْنَ بِمُشْرَاكَ . قَالَتْ ثُمَّ ارْجِع . فَادْرَاكُهُ بِالْبَيْدَاءِ . فَقَالَ لَهُ كَمَا قَالَ أَوَّلَ مَرَّةٍ . تَوَمَّنْ بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ؟ قَالَ " نَعَمْ " . فَقَالَ لَهُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ " فَاَنْطَلِقْ " .
 (مسلم جلد ثانی ص ۱۱۸ . مطبوعہ اصح المسالک)

مجھ سے حدیث بیان کی نہ ہیر بن حرب نے اس نے کہا ہم سے حدیث بیان کی عبدالرحمن بن مہدی نے مالک سے ح کہا یہ حدیث بیان کی مجھ سے ابو طاہر نے اور لفظ اس کے ہیں اس نے کہا مجھ سے حدیث بیان کی عبداللہ بن وہب نے مالک بن انس سے اس نے فضیل سے اس نے ابو عبداللہ سے اس نے عبداللہ بن دینار اسلمی سے اس نے عروہ بن زبیر سے اس نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے زوجہ نبی صلعم اس نے کہا نبی صلعم بدر کی طرف نکلے پس جب وہ عروہ پر تھے ایک آدمی ان کے پاس آیا جس کی جرأت اور بہادری کا شہرہ تھا پس اصحاب رسول اللہ صلعم بہت خوش ہوئے جب اسے دیکھا پس جب وہ بالکل نزدیک ہو گیا اس نے نبی صلعم سے کہا میں آپ کے پاس اس لئے آیا ہوں تاکہ آپ کی اتباع کروں اور آپ کے ساتھ مشقت برداشت کروں . اس سے رسول اللہ صلعم نے فرمایا تو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان رکھتا ہے اس نے کہا نہیں . آپ نے فرمایا لوٹ جا میں مشرک سے استعانت نہیں چاہتا . عائشہ نے کہا وہ چلا گیا جب ہم شجرہ میں آئے تو پھر وہی آدمی آیا اور وہی بات کہی جو پہلی دفعہ کہی تھی نبی صلعم نے وہی جواب دیا جو پہلی دفعہ دیا تھا لوٹ جا میں مشرک سے استعانت نہیں چاہتا وہ پھر لوٹ گیا پھر وہ بیدار میں آیا اور آپ سے ملا اور آپ سے وہی بات کہی جو پہلی دفعہ کہی تھی آپ نے پھر پوچھا اللہ اور اس کے رسول پر ایمان رکھتا ہے اس نے کہا ہاں آپ نے فرمایا ہمارے ساتھ چل)

اس روایت سے معلوم ہوا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا تھیں . اور اس وقت کی تمام مستورات میں یہ فخر صرف حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو حاصل ہے کہ وہ بھی بدر میں شامل ہیں . اور تاریخ اسلام میں بدر میں کی فضیلت مسلم ہے . چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے دور خلافت میں جب صحابہ رضی اللہ عنہم کے وظائف مقرر کئے تو بدر میں غیر بدر میں سے زیادہ مقرر کئے .

بدری ہونے کی بناء پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا وظیفہ دیگر اناج سے زیادہ تھا

ازواج مطہرات میں سب سے زیادہ وظیفہ حضرت عائشہ رض کا مقرر کیا گیا۔ اس کی وجہ صرف یہ نہ تھی کہ دیگر ازواج کے مقابلہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا تقرب انہیں زیادہ حاصل تھا بلکہ یہ وجہ بھی تھی کہ حضرت عائشہ رض شریک بدر تھیں۔

آٹھواں قرینہ بعثت سے وفات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک اسلام کی تدریجی تاریخ کی وہی راوی ہیں

حضرت عائشہ رض اسلام کے مزاج اور اس کے نشوونما کے ایک ایک مرحلے سے نہ صرف واقف تھیں بلکہ قدم قدم پر جو مشکلات پیش آئیں ان میں عملاً شریک رہی ہیں۔ قدرت نے وقاد فہن اور دراک طبیعت عطا فرمائی تھی۔ اس لئے ان کا بیان اسلام کے خواء کسی واقعہ سے متعلق ہو روح واقعہ پر مشتمل ہوتا ہے۔

مکی دور میں اگرچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ازدواجی رشتہ میں منسلک نہیں تھیں اور ہمہ وقت معیت بھی نہ تھی۔ مگر جیسا کہ ہم پہلے بتا چکے ہیں۔ حضرت ابو بکر رض کے ساتھ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا تعلق ایسا تھا کہ ہر روز ہی دن میں کئی کئی بار حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام حضرت ابو بکر رض کے گھر جاتے تھے۔ اور حضرت عائشہ رض اُن تمام تبلیغی اور تدریجی ارتقاء کے امور کو دیکھتی تھیں تو آپ مکی دور کی بھی عینی شاہد ہیں۔ اور مدنی دور میں تو جو ہمہ وقتی معیت حضرت عائشہ رض کو حاصل تھی۔ وہ اور کسی کو بھی حاصل نہ تھی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دس سالہ ہمہ وقتی معیت نے ان کی فطری خوبیوں کو اور اجاگر کر دیا تھا۔ ماکثرین روایت اور متقلین صحابہ میں ان کا مقام حضرت ابو بکر رض کے بعد سب سے مقدم ہے۔ وہ اسلام کی تدریجی تاریخ کی واحد راویہ ہیں۔ جن کے متعلق کہا جاسکتا ہے کہ وہ بعثت سے لیکر آپ کی وفات تک کے واقعات کی عینی شاہد ہیں۔

بخاری جلد ثانی ۵۶ | حدیثی عبد اللہ بن محمد سمع روح بن عبادۃ قال حدیثا سعید بن ابی

عروۃ عن قتادۃ قال ذکر لنا انس بن مالک عن ابی طلحۃ ان السنبی صلی اللہ علیہ وسلم امر یومہ بدر باربعۃ وعشرین رجلا من صنادید قرییش۔ ففقدوا فی طوی من اطواء بدر انجیث فخبث۔

وكان اذا ظهر على قوم اقام بالعرصة ثلاث ليال . فلما كانت بيد الرب
الثالث امر برأجلته . فثقل عليها رعلها . ثم مشى واتبعه اصحابه .
وقالوا ما نرى ينطلق الا لبعض حاجته . حتى قام على شفة الدكي .
فجعل يناديهم باسمائهم واسماء آبائهم . يا فلان بن فلان
ويا فلان بن فلان ! اليس كنتم اطعتم الله ورسوله ! فاننا قد
وعدنا ما وعدنا ربنا حقاً . فهل وعدتم ما وعد ربكم حقاً . قال .
فقال عمر بن الخطاب يا رسول الله ! ما تعكم من اجساد لا ارواح لهم .
فقال النبي صلى الله عليه وسلم والذي نفسي محمد بيده ما انتم
باسمع لما اقول منهم . قال قتادة احياءهم الله حتى اسمعهم
قوله توبخا وتصغيروا ونقمة وحسرة وندما .

حدثني عبيد بن اسماعيل قال حدثنا ابو اسامة عن
هشام عن ابيه قال ذكر عند عائشة رضي الله عن ابن عمر رضي الله عنهما
النبي صلى الله عليه وسلم ان الميت يعذب في قبره ببيكار اهله
فقلت انما قال رسول الله صلى الله عليه وسلم انه يعذب بخطيئته
وزنبيه . وان اهله ليكون عليه الآن . قالت وذلك مثل
قوله ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قام على القليب وفيه
قتلى بدر من المشركين . فقال لهم ما قال انهم ليسمعون ما
اقول . وانما قال انهم الآن ليعلمون ان ما كنت اقول لهم
حق . ثم قرأت انك لا تسمع الموتى . وما انت بمسمع من
في القبور . يقول حين تبوأوا مقاعدهم من النار .

حدثنا عثمان حدثنا عبدة عن هشام عن ابيه عن
ابن عمر قال وقف النبي صلى الله عليه وسلم على قليب بدر . فقال
هل وعدتم ما وعد ربكم حقاً . ثم قال انهم الآن ليعلمون
ما اقول لهم . فنذكر لعائشة رضي الله عنها فقالت انما قال النبي صلى الله
عليه وسلم انهم الآن ليعلمون ان الذي كنت اقول لهم
الحق ثم قرأت انك لا تسمع الموتى . حتى قرأت
الآية .

۱ ابو طلحہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ بدر کے دن قریش کے چوبیس مقتولوں کے لئے حکم دیا اور انہیں بدر کے ایک بہت ہی گندے غلیظ کنویں میں پھینک دیا گیا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا معمول تھا کہ جنگ میں فتح حاصل کرنے کے بعد میدان جنگ میں آپ تین رات قیام فرماتے تھے۔ چنانچہ بدر میں جب تیسرا دن ہوا تو آپ نے سواری کا حکم دیا اور سواری کس دی گئی۔ آپ چلے اور آپ کے اصحاب آپ کے پیچھے چلے۔ صحابہ کا خیال تھا کہ آپ اپنی کسی ضرورت کی وجہ سے تشریف لیجا رہے ہیں۔ حتیٰ کہ آپ ایک اوندھے کنویں کے کنارے پر جا کھڑے ہوئے۔ اور آپ نے ان کو ان کے اور ان کے آباء کے ناموں سے پکارنا (آواز دینا) شروع کیا۔ اے فلان ابن فلان! اے فلان ابن فلان! اب تو تم بھی چاہتے ہو گے کہ اللہ کی اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے کیونکہ ہم سے ہمارے رب نے جو وعدہ کیا تھا وہ تو ہم نے حق پایا۔ تو کیا تم سے تمہارے رب نے جو وعدہ کیا تھا تم نے بھی اسے حق پایا؟

ابو طلحہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا یا رسول اللہ! آپ ان لاشوں سے کیا بات کر رہے ہیں کہ جنہیں روح ہی نہیں ہے؟ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں محمدؐ کی جان ہے میں ان سے جو کہہ رہا ہوں (میری بات تم ان سے زیادہ نہیں سن سکتے)

قتادہ کہتے ہیں کہ اللہ نے ان کو زندہ کر دیا اور ان کو آپ کی زبردستی اور ان کی تذلیل اور ان کی سزا اور حسرت و ندامت کیلئے آپ کا ارشاد سنادیا۔

۲ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بھانجے حضرت عروہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے سامنے یہ ذکر آیا کہ حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ کا یہ ارشاد نقل کرتے ہیں کہ ”مردہ کو اس کے گھر والوں کے رونے سے عذاب قبر ہوتا ہے“ یہ سن کر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ فرمایا تھا کہ مردہ کو اس کی خطاؤں اور اس کے گناہ کی وجہ سے عذاب ہوتا ہے اور اس کے گھر والے اس وقت اسے روتے رہتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک اوندھے کنویں پر جا کر کھڑے ہوئے اور اس میں بدر کے مشرکین کے مقتولوں کی لاشیں پڑی تھیں تو آپ نے ان کے متعلق یہ نہیں فرمایا تھا کہ میں جو کچھ کہہ رہا ہوں وہ سن رہے ہیں بلکہ آپ نے جو فرمایا وہ یہ تھا کہ ان کو اب پتہ چلا ہے کہ میں جو کچھ

ان سے کہا کرتا تھا وہ حق تھا ۔ پھر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے یہ دو آیتیں پڑھیں ۔
 اِنَّا لَنَسْمَعُ السَّوْتِیٰ اور وَاَنْتَ بِمَسْمَعٍ مِّنْ فِی الْقُبُورِ ۔ یعنی آپ
 مردوں کو نہیں سنا سکتے ۔ اور آپ ان کو نہیں سنا سکتے جو قبروں میں ہیں ۔
 راوی کہتا ہے کہ آپ کا مقصد تھا کہ جب وہ کفار اپنے آگ کے ٹھکانوں پر پہنچ
 جاتے ہیں ۔

۳۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بدر کے ایک
 اندرے کنویں پر کھڑے ہو کر فرمایا تھا کیا تم نے دیکھ لیا کہ تمہارے رب نے جو تم سے
 وعدہ کیا تھا وہ حق تھا ۔ پھر آپ نے فرمایا تھا کہ میں ان کو جو کچھ کہہ رہا ہوں وہ اس
 وقت سن رہے ہیں ۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے اس کا ذکر آیا تو آپ نے فرمایا کہ نبی کریم
 صلی اللہ علیہ وسلم نے تو لیعلمون فرمایا تھا ۔ یعنی ان کو معلوم ہو گیا ہے کہ جو کچھ
 میں ان سے کہا کرتا تھا وہ یقیناً حق تھا پھر آپ نے اِنَّا لَنَسْمَعُ السَّوْتِیٰ
 پوری آیت پڑھی ۔

مذکورہ بالا احادیث حدیث کی معتبر کتابوں میں وارد ہیں ہم نے صرف بخاری
 شریف سے نقل کی ہیں ۔

مسئلہ یہ ہے کہ عزیزوں کے رونے سے میت کو عذاب ہوتا ہے ۔ یہ روایت
 حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور ان کے بیٹے عبداللہ بن عمر سے منقول ہے الفاظ حدیث یہ ہیں
 اِنَّ الْمِیْتَ لَیُعْذِبُ بِکَاءِ اَہْلِهِ عَلَیْہِ ۔

جب یہ حدیث حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے سامنے ذکر کی گئی تو آپ نے فرمایا
 رحمہ اللہ عمر واللہ ما حدثنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان
 اللہ لیُعْذِبُ الْمُؤْمِنِ بِکَاءِ اَہْلِهِ عَلَیْہِ لَکِنِّ رَسُولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ
 اِنَّ اللہَ لَیُعْذِبُ الْکَافِرَ عَذَاباً بِکَاءِ اَہْلِهِ عَلَیْہِ ۔

ابن ابی بلیک نے کہا مجھے قاسم بن محمد نے سنایا کہ جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو حضرت
 عمرؓ اور ابن عمرؓ کا یہ قول پہنچا تو آپ نے فرمایا اَنْتُمْ لَتُخْذِلُوْنَ مِنْ غَیْرِ
 کَاذِبِیْنَ وَلَا مَکْذِبِیْنَ وَلَکِنِّ السَّمِیْعُ یُحْطِی ۔

ایک دوسری روایت میں ہے جب ابن عمرؓ نے مرفوعاً نبی کریمؐ سے مذکورہ بالا
 حدیث بیان کی تو آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ ابو عبد الرحمنؓ پر رحم فرمائے انہوں نے

جو سنا یا د نہیں رکھا آپ کے پاس سے ایک یہودی جنازہ گذرا اس کے اقارب رو رہے تھے تو آپ نے فرمایا تھا تم اس پر رو رہے ہو حالانکہ وہ اس وقت عذاب میں مبتلا ہے ۔

ایک اور روایت میں ہے وہ اپنے گناہوں اور خطیئات کی وجہ سے عذاب میں مبتلا ہے اور اس کے عیال اس پر رو رہے ہیں ۔
اس اختلاف کا مآل یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ یا ابن عمر رضی اللہ عنہما کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا قول یاد نہیں رہا ۔

اسی طرح بدر میں ہوا

آپ نے اونٹھ کوئیں پر صنادید کے مردوں سے بدر سے واپسی پر خطاب فرمایا ۔
هل وجدتم ما وعد ربكم حقا . تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کیا آپ مردوں سے خطاب کر رہے ہیں آپ نے فرمایا اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے ما انتم باسمع لما اقول منهم ۔ ایک دوسری روایت میں فقال لهم ما قال انهم ليسمعون ما اقول لهم ۔

جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے یہ قول سنا تو آپ نے فرمایا نبی کریم نے ليسمعون نہیں فرمایا تھا بلکہ آپ نے یہ فرمایا تھا انهم الا ان يعلمون ان الذي قلت لهم حق ۔

قطع نظر اس بحث کے یہ روایت بالمعنی ہے اور راوی کو اختیار ہے کہ مفہوم روایت کو اپنے الفاظ میں ادا کرے ۔ سعید بن ابی عروبہ ایسے راوی ہیں کہ انہیں آخر میں اختلاط ہو گیا تھا اپنی عمر کے آخری سال اسی اختلاط میں گزارے ممکن ہے انہوں نے ليعلمون کی بجائے لسمعون کہ دیا یا کسی اور راوی نے یہ خیال کیا ہو کہ مضمون روایت سے ليعلمون کی بجائے لسمعون سوال کے زیادہ مطابق ہے ۔ ہمیں اس روایت میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سوال سے کوئی تعرض نہیں ہے ۔

یہ روایت ابو طلحہ سے منقول ہے جو شریک بدر تھے پھر ان سے آگے حضرت انس سے منقول ہو یا ابن عمر سے یہ دونوں بدر میں شریک نہیں تھے لیکن حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بدر میں شریک تھیں جب آپ نے نام بنام مقتولین قلیب سے خطاب فرمایا تو جیسے اس موقع پر اور صحابہ شریک تھے جو فشل علیہا رعلہا شرمشی واتبعہ اصحابہ سے ظاہر ہے کہ تمام صحابہ موجود تھے تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بھی

ساتھ تھیں حضرت عائشہ رضی آپ کے کلام کی عینی شاہد ہیں اسی لئے حصر کے ساتھ
فراقی ہیں انما قال لیعلمون . عینی شاہد کا بیان سماعی شاہد سے زیادہ معتبر
ہوتا ہے . بد قسمتی یہ ہے کہ روایت ہشام نے حضرت عائشہ رضی کو کم عمر بنا دیا . اس
لئے علماء کا آسان جواب یہ ہوتا ہے کہ وہ تو بچی تھیں . بدر میں شریک ہی نہیں
تھیں حالانکہ باتفاق مورخین اسے ہجری میں ان کی رخصتی ہو چکی تھی . اور بدر میں
وہ شریک تھیں جیسا کہ مسلم کی روایت سے ثابت ہے مگر متاخرین مورخین اس
واقعہ ہی کو مہضم کر گئے .

طول صحبت میں حضرت عائشہ رضی حضرت ابوبکر رضی کے بعد سب سے افضل ہیں

حضرت کے کمالات سے مستفید ہونے کا موقع جتنا حضرت عائشہ رضی کو ملا اتنا کسی
کو بھی نہیں ملا . علی ایمان لائے تو بچے تھے حضرت عائشہ رضی ایمان لائیں تو بالغہ تھیں .

بنات رسول ﷺ میں ہر وقت پاس تھیں لیکن مدینے میں اپنے خاوندوں کے
ہاں جانے کی وجہ سے اور بال بچوں میں مصروف ہو جانے کی وجہ سے زیادہ استفادہ
نہ کر سکیں . مگر حضرت عائشہ رضی کا واحد مشغلہ رات دن اخذ علم ہی تھا .
حضرت ابوہریرہ رضی پر حیب کثرت روایت کی وجہ سے لوگوں نے اعتراضات
کئے تو انہوں نے جواب میں یہی فرمایا تھا کہ لوگ اپنے اپنے کاروبار میں لگے
رہتے تھے اور میں ہر وقت طلب علم میں رہتا تھا . اصحاب صفہ میں شامل تھا
اور نبی کریم ﷺ کی خدمت میں آپ کے اقوال محفوظ کرنے میں مشغول تھا .
حضرت ابوہریرہ رضی کی بیشتر روایات سماعی ہیں
۱۔ حضرت عائشہ رضی کی مشاہداتی

حضرت ابوہریرہ رضی فتح خیبر کے سال ۶ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت
میں حاضر ہوئے ہیں . اور اس وقت تک اسلام کا ڈھانچہ تقریباً مکمل ہو چکا
تھا . عبادات کے احکام اور ان کی مکمل شکل متعین ہو چکی تھی . معاملات کی تمام

ہدایات نازل ہو چکی تھیں۔ حتیٰ کہ معاشرتی احکام اور فوجداری قانون کی تمام دفعات نازل ہو چکی تھیں۔ حدود و قصاص کے احکام اتر چکے تھے۔ آیت حجاب پر عمل ہونے کی وجہ سے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے لئے یہ موقع نہیں تھا کہ گھر میں ہوتے ہوئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے استفادہ کر سکیں۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے پانچ ہزار سے زیادہ روایات منقول ہیں۔ خیبر کے بعد کے واقعات سے متعلق ان کی روایات عینی شاہد کی حیثیت سے مانی جاسکتی ہیں اور وہ بھی گھر سے باہر کے واقعات کے متعلق۔

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے بعض فتاویٰ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی اصلاح

یہی وجہ ہے کہ گھریلو معاملات میں، بالخصوص زمانہ مسائل سے متعلق حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے بعض فتاویٰ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اصلاح فرمائی ہے۔ ان میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے قیاس سے کام لیا تھا۔ مگر چونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ان واقعات کی عینی شاہد تھیں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان مسائل کو خود دریافت فرمایا تھا۔ اس لئے ان کا بیان اس باب میں سند ہے۔ اسلام لانے سے پہلے کے واقعات میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا بیان سماعی ہے مگر الصحابہ کلہم عدول کے ضابطے سے قابل قبول ہے۔ لیکن حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا بیان ایک عینی شاہد کا بیان ہے اور ایسے راوی کا بیان ہے جس کو خدا تعالیٰ نے زمین و آسمان پر عینیت فرمایا تھا۔ جس کی نظر نہ صرف واقعات کو حاوی ہوتی تھی بلکہ ان واقعات کے اسباب اور محرکات تک اترتی تھی۔ اسی لئے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بیانات باوجود مجمل ہونے کے جامع اور روح احکام پر مشتمل ہیں نہی و کلام ما قل و دل۔

آپ کے اخلاق کے متعلق فرمایا کان خلقہ القرآن۔ آپ کے اعمال کے بارے میں فرمایا کان عملہ دیمۃ۔ کان اذا عمل عملاً اثبتہ وغیرہ۔ ایسے چھوٹے چھوٹے جملے ہیں جو اپنے معانی میں بہت وسعت رکھتے ہیں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا دیگر مکثرین سے بھی افضل اور مقدم ہیں

علیٰ ہذا دوسرے مکثرین صحابہ باوجود کثرت روایات کے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے مقام کو نہیں پا سکتے۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے میں بہت چھوٹے تھے۔ جس وقت ہجرت کر کے مدینہ آئے ان کی عمر ۱۱ گیارہ سال تھی۔ غزوہ احد میں ان کو شرکت کی اجازت نہیں ملی تھی۔ ان کے مقابلہ میں حضرت عائشہ رضہ ہجرت کے وقت علاوہ قدم الاسلام اور زمین و فطین ہونے کے جوان عورت تھیں اور سلسلہ ہجری سے تو ہمہ وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہیں۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضہ فتح مکہ کے بعد مدینہ آئے ہیں اور اس وقت ان کی عمر دس گیارہ سال تھی۔ ویسے ہی صغارِ صحابہ میں ہیں۔ ان کو تو کل تین سال استفادہ کا موقع ملا۔ ان سے زیادہ استفادہ کا موقع تو حضرت ابوہریرہ رضہ کو مل گیا تھا کیونکہ ابوہریرہ رضہ کو چار سال ملے۔

حضرت انس رضہ خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے تو دس سال عمر تھی۔ دس سال آپ کی خدمت میں رہے۔ سن شعور کے بعد پانچ سال استفادہ کر سکے۔ وہ بھی مدینہ کی زندگی میں اور گھر سے باہر کے امور میں۔

اسی طرح ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بھی صغارِ صحابہ میں ہیں اور انہیں استفادہ کا کم موقع ملا ہے۔

نزدولِ قرآن کی کیفیات کا مشاہدہ کرنے کا جتنا موقع حضرت عائشہ رضہ کو ملا کسی کو بھی نہیں ملا۔ مواقعِ نزولِ آیات اور شانِ نزولِ آیات سے جتنی واقف حضرت عائشہ رضہ تھیں کوئی اور صحابی اتنا واقف نہیں تھا۔ بیشتر مدنی سورتیں گھر میں نازل ہوئی ہیں۔ پھر آیات کے معانی اور مطالب جس کثرت سے حضرت عائشہ رضہ نے دریافت کئے اور کسی نے دریافت نہیں کئے۔ مسائل کے بیان میں اور آیات کے مطالب میں اور دوسرے صحابہ کی کوتاہیوں کی نشاندہی میں جس خود اعتمادی اور بصیرت کا اظہار ان کی طرف سے ہوا ہے وہی ان کی پختہ ذہنی اور پختہ عمری کا وزنی ثبوت ہے۔ منافقین کی خسارت کے کارنامے

حضرت عائشہ رضہ کی اسی فضیلتِ معیت اور ان کے بالغ ذہن کے ثمرات کو بے وقعت بنانے کے لئے ایک مخصوص گروہ نے روایات میں حسبِ منشاء و راجح کر کے ان کے شرفِ معیت کو ان پر کم عمری کا لیبل لگا کر بے اعتبار بنانے کی کوشش کی اس گروہ کو یہ جرات تو نہ ہوئی کہ کھلم کھلا بُرائی کرتے مگر ہشام کے

مہو سے فائدہ اٹھا کر روایات میں لعبہا معها حریصۃ علی اللہ وجاریۃ حدیثۃ السنن۔ لا اقرأ کثیرا من القرآن ضرور انشاء کئے اور چالیس روایات کا جزد بنادیا۔ ہمارے علماء اس دام ہم رنگ میں پھنس گئے اور اس ذہن کے علماء سے مرعوب ہو کر ان کی دسیسہ کاریوں کو نہ پکڑ سکے اور روایات کا چشمہ صافی ان دامن حدیث اور سارقین حدیث کی وجہ سے مکدر اور ملوث ہو گیا اور روایات میں خالص اور معشوش کا امتیاز مشکل ہو گیا۔

یہ روایات حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی رخصتی سال میں ہونے کا ثبوت ہیں

غرض روایت عیادت سالہ اور شرکت بدر سالہ سے ظاہر ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی رخصتی سالہ میں ہو چکی تھی۔ تب ہی رمضان سالہ میں بدر میں ساتھ تھیں۔ حضرت ہشام نے تقریباً ڈیڑھ سو سال بعد اپنے تاریخی قیاس سے رخصتی کا زمانہ بدر کے بعد سالہ متعین کیا جو خلاف واقعہ ہے ؟

نیز یہ بھی ثابت ہو گیا کہ غزوہ بدر میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کم سن بھی نہیں تھیں بلکہ یقیناً جوان عورت تھیں۔ ورنہ غزوات میں شریک نہ ہو سکتیں جیسا کہ ولیم صغیر السن صحابہ کو اجازت نہ ملی تھی۔

آنکھ وال قرینہ

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ہاتھوں خدمتِ اسامہ بن زید

سیر اعلام النبلاء للہی فظ الذہبی جلد ۲ صفحہ ۳۵۴ کے مندرجہ ذیل اقتباسات پر غور فرمائیے :-

(الف) وثبت من اسامة بن زيد كان النبي صلى الله عليه وسلم ياخذني والحسن فيقول اللهم اني احبهما قلت (يعني الذهبي) وهو اكبر من الحسن يا زيد من عشر سنة

(ب) عن عائشة رضي الله عنها قالت امر رسول الله صلى الله عليه وسلم ان يمسح مخاط اسامة فقلت دعني حتى اكون انا التي افعل فقال يا عائشة رضي الله عنها فاني احبه قلت (يعني الذهبي) وكان سنة في سنها

(بيهقي بحواله سیر اعلام ...)

(ج) قال محب الد عن الشعبي عن عائشة رضي الله عنها قالت امرني رسول الله صلى الله عليه وسلم ان اغسل وجه اسامة وهي حي قالت ما وددت ولا اعرف كيف يغسل الصبيان فاخذته واغسلته غسلا ليس بذلك قالت فاخذته فجعل يغسل وجهه ويقول لقد احسن بنا اسامة اذ لم يكن جارياً ولو كنت جارياً لمحييتك واعطيتك

(د) عن ابیہی عن عائشۃ رضی قالت قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لو کان اسامۃ حارۃ کسیتہ وحلیتہ حتی انفقہ
 منذ امام احمد جلد ۷ بحوالہ سیر اعلام النبلاء میں مندرجہ ذیل عبارت مذکور ہے :
 (ه) عن ابیہی عن عائشۃ رضی ان اسامۃ عثر باسکفة الیاب فشی فی وجہہ فجعل النبی صلی اللہ علیہ وسلم یمسہ یمجہ وقال لو کان اسامۃ حارۃ لکسوتہ وحلیتہ حتی انفقہ قلت (یعنی الذہبی) لما امرہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم علی ذلک الجیش الذی ذہب بعد وفاتہ کان عمرہ ثمان عشر سنۃ .
 (الف) اور اسامہ بن زید سے ثابت ہے کہ نبی صلعم مجھے اور حسن کو پکڑ کر کہتے تھے اے اللہ میں ان سے محبت کرتا ہوں میں کہتا ہوں (یعنی ذہبی) وہ حسن سے کس سال سے زیادہ بڑا ہے .

(ب) عائشہ سے اس نے کہا رسول اللہ صلعم نے ارادہ کیا کہ اسامہ کا ناک صاف کروں میں نے کہا مجھے اجازت دیجئے کہ میں ہی یہ کروں آپ نے فرمایا اے عائشہ رضی اس سے محبت کیا کہ میں اس سے محبت کرتا ہوں میں کہتا ہوں (ذہبی) کہ ان دونوں کی عمر برابر تھی .

(ج) مجاہد نے شعبی سے بیان کیا اس نے عائشہ رضی سے اس نے کہا مجھے رسول اللہ صلعم نے حکم دیا کہ میں اسامہ کا منہ دھوؤں اس نے بیان کیا کہ میرے کوئی بچہ ہے ہی نہیں . میں نہیں جانتی بچوں کے منہ کس طرح دھلتے ہیں اسے پکڑو اور منہ دھوؤ جو ایسا نہ ہو . آپ نے اسے پکڑا اور اس کا منہ دھونے لگے اور کہنے لگے تو نے ہمارے لئے سہولت کر دی کہ تو لڑکی نہ ہوا اگر تو لڑکی ہوتا تو میں تجھے زیور سے سجاتا اور تجھے دیتا .

(د) یہی سے اس نے عائشہ رضی سے اس نے کہا رسول اللہ صلعم نے فرمایا اگر اسامہ لڑکی ہوتا تو میں اسے کپڑے پہناتا زیور سے سجاتا اور اس پر خرچ کرتا .
 (۴) یہی سے اس نے عائشہ رضی سے بیان کیا کہ اسامہ گھر کی چوکھٹ سے گر پڑا اس کے چہرے پر چوٹ آئی رسول اللہ صلعم اسے گل رہے تھے اور صاف کر رہے تھے اور آپ نے فرمایا اگر اسامہ لڑکی ہوتا تو میں اسے کپڑے پہناتا اور زیور پہناتا اور خرچ کرتا میں کہتا ہوں (ذہبی) جب رسول اللہ صلعم نے اسے اس

۱۲
شکر کا امیر بنایا جو آپ کی وفات کے بعد جہاد پر گیا تو اسامہ کی عمر اس وقت اٹھارہ سال تھی ۔

حضرت اسامہ زید بن حارث کے بیٹے ہیں ۔ اور یہ وہی زید ہیں جنکو زید بن محمد کہا جاتا تھا ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو زید اور ان کی اولاد سے ایسی محبت تھی جیسی اپنی اولاد سے ہوتی ہے ۔ زید بذات خود گورے چٹے آدمی تھے ۔ لیکن اسامہ ماں کی وجہ سے کالے رنگ کے تھے اور جسامت میں بہت پتلے دُبلے تھے ۔ بچپن میں لڑکوں کے مقابلہ میں لڑکیوں سے زیادہ مشابہ تھے ۔ ہم نے یہاں علیحدہ علیحدہ پانچ روایات نقل کی ہیں ۔ جن میں سے پہلی روایت کا مضمون یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اسامہ اور حسن کو پاس بٹھا کر دعا فرمایا کرتے تھے جس پر حافظ ذہبی کو شک ہوا کہ اس طرح سے اکٹھے گود میں بٹھانا مستبعد ہے جبکہ ایک بچے کی عمر دوسرے سے دس سال زیادہ ہو ۔

آخری چار روایات ایک ہی روایت کے ٹکڑے ہیں ۔

باقی رہیں دوسری ، تیسری ، چوتھی اور پانچویں روایت تو درحقیقت یہ ایک ہی مسلسل روایت تھی جس کے چار حصے بن کر چار روایتیں ہو گئی ہیں ۔

۱۔ حضرت اسامہ بچے ہی تھے کہ گھر کی چوکھٹ سے ٹھوکر کھا کر گر پڑے اور منہ پر زخم آگئے خُون بہنے لگا ۔ آپ نے اٹھایا ۔ منہ صاف کرنے لگے اور چومنے لگے ۔

۲۔ آپ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ اسامہ کا منہ دھو دو ۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا مجھے بچوں کا منہ دھونا نہیں آتا ۔ میرے کو لے لے بچے ہیں ۔ اگر میں نے دھویا بھی تو آپ فرمائیں گے ٹھیک نہیں دھلا ۔

۳۔ آپ بنفس نفیس اٹھے اور اسامہ کا منہ دھویا اور فرمایا ۔

۴۔ یہ تو ہمارے لئے اچھا ہی ہوا کہ اسامہ لڑکی نہ ہوئی ۔ اے اسامہ اگر تو لڑکی ہوتی تو تجھے کپڑے اور زیور بھی مجھے ہی پہنانا پڑتے ۔

دوسری روایت کا یہ مطلب ہے کہ اسامہ کی ناک بھری ہوئی تھی بہتر ش ٹپک رہی تھی آپ صاف کرنے کے لئے اٹھنے لگے تو (حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ) میں نے کہا آپ تکلیف نہ کریں ۔ میں صاف کئے دیتی ہوں ۔ آپ نے فرمایا اے عائشہ رضی اللہ عنہا اس بچے سے محبت کہ یہ مجھے بہت ہی پیارا ہے ۔

ذہبی کا اعتراض

حافظ ذہبی کہ اس روایت پر یہ اعتراض ہے کہ حضرت اسامہ اور حضرت عائشہ رضی کی عمریں تو برابر تھیں۔ پھر یہ کیسے ہوا۔

ہم کہتے ہیں کہ یہ روایت بالکل ٹھیک ہے۔ نفس الامر کے عین مطابق ہے۔ اسامہ ۲۰ سالہ میں حضرت اسامہ کی عمر ۸ یا ۹ سال تھی۔ دُبلّا پتلا جسم تھا۔ ان کو گھر کی چوکھٹ سے ٹھوکر لگی تھی اور منہ پر چوٹ آئی تھی اس لئے آپؐ نے اس کا منہ دھویا اور صاف کیا بعد میں رینزش آگئی جسے صاف کرنے کے لئے آپؐ اٹھنے لگے تو حضرت عائشہ رضی نے عرض کیا میں صاف کئے دیتی ہوں۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی کی طرف سے اتنی مہربانی اُس بچے پر دیکھی تو آپؐ نے فرمایا اے عائشہ رضی تو اس سے محبت کر یہ مجھے بہت ہی پیارا ہے۔ پھر آپؐ نے مزاح اور تفریح کے طور پر فرمایا کہ اچھا ہی ہوا تو لڑکی نہ ہوا۔ اگر تو لڑکی ہوتا تو تجھے خوب سبّا کر رکھتا۔ اچھے اچھے کپڑے پہناتا اور تجھے بیاہ دیتا۔

یہ ہشام بن عروہ کی روایت کا اثر ہے کہ ہم ان واقعات کو بھی جو اپنے اجمال کی وجہ سے ہشام کی روایت کی زد سے بچ گئے ہیں تعجب کی نظر سے دیکھتے ہیں حالانکہ صحیح واقعات کو دیکھا جائے تو اس میں کسی قسم کے تعجب کی گنجائش نہیں رہتی۔

حضرت عائشہ رضی جوان عورت تھیں اور اسامہ اس وقت ۸ یا ۹ سال کے بچے تھے۔ تو اگر ۸ یا ۹ سال کا دُبلّا پتلا بچہ ٹھوکر کھا کر گر پڑے اور اس کے منہ پر چوٹ آ جائے اور نبی کریمؐ اپنی جوان بیوی سے فرمائیں کہ اس کا منہ دھو دے تو اس میں تعجب کی کیا بات ہے۔ مگر چونکہ ہشام کی روایت کی رو سے ان دونوں کی عمریں میں کوئی تفاوت نہیں تھا اس لئے ان صحیح اور واقعی روایتوں میں شک ہونے لگتا ہے۔ اور اُلٹی یہی بے محل معلوم ہونے لگتی ہیں۔ اور جو شک کے قابل تھیں وہ یقینی ہو گئی ہیں۔

ذہبی کا اعتراض ہشام کی روایت پر مبنی ہے جسے ہم کلی طور پر مجروح کر چکے ہیں۔

حافظ ذہبی کا یہ خیال کہ کاتب سنہا فی سنہا اسی روایت ہشام سے پیدا ہوا ہے جسے ہم مدلل طور پر مجروح اور مسترد کر چکے ہیں۔

ہشام کی روایت کو درست تسلیم کرنے کے بعد تو اس اعتراض کا پیدا ہونا ضروری تھا۔ اس لئے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت آپؐ نے جو شکر شام کے لئے تیار کیا تھا اس کے امیر یہی اسامہ تھے۔ کچھ لوگوں نے آپؐ کی زندگی ہی میں ان کی امارت پر

چہ میگوئیاں شروع کر دی تھیں۔ جب آپ کو یہ خبریں پہنچیں تو آپ خفا ہوئے اور فرمایا کہ لوگوں کو اس کے باپ کی امارت پر بھی اعتراض تھا۔ اب اس کی امارت پر بھی اعتراض ہے۔ حالانکہ اس میں امارت کی پوری صلاحیتیں موجود ہیں۔ یہ شکر ابھی روا نہ نہیں ہوا تھا کہ آپ کی وفات ہو گئی حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے خلیفہ بننے کے بعد ان کو بدستور امیر لشکر مقرر رکھا اور صرف حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اسامہ کی اجازت سے اپنے پاس مشورے کے لئے ٹھیرا لیا تھا۔ اس وقت اسامہ کی عمر اٹھارہ سال تھی اور ہشام کی روایت کے حساب سے بنی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی عمر بھی اٹھارہ سال ہی بنتی ہے۔ اس لئے حافظ ذہبی فرماتے ہیں فکان سنہ فی سنہا۔ ہم حافظ ذہبی کے اس قول کو روایت کا درجہ دینے کے لئے تیار نہیں ہیں۔ بلکہ یہ حافظ صاحب کا اپنا استنباط ہے۔ اور چونکہ اس کا مبنا و منشا ہشام کی مجرد روایت ہے لہذا اس استنباط کی حیثیت بھی بناء فاسد علی الفاسد سے زیادہ نہیں ہے۔ (بلکہ یہ روایات ثبوت ہیں اس بات کا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پوری جوان عورت تھیں اسامہ رضی اللہ عنہ کی ہم عمر نہیں تھیں)

نواں قرینہ

جنگ اُحد میں حضرت عائشہ رضی کی خدمات

حدثنا ابو معمر حدثنا عبد الوارث حدثنا عبد العزيز عن انس بن مالك
قال لما كان يوم اُحد انهزم الناس عن النبي صلى الله عليه وسلم والابو
طلحة بين يدي رسول الله صلى الله عليه وسلم محبوب عليه بحفظة له و
كان ابو طلحة رجلا راميا شديدا السرع كسر يومئذ قوسين او ثلاثا و
كان الرجل يمر معه المجبة من النبل فيقول انصرها لابي طلحة
قال ويشرف النبي صلى الله عليه وسلم ينظر الى القوم فيقول ابو طلحة
بابي انت واهي لا تشرف يميمك سهم من سهام القوم غري دون
نحرک - ولقد رايت عائشة بنت ابي بكر وام سليم انهما مشمزان
اسی خدم سوقهما تنقزان القرية على متونهما تفرغانها في
افواه القوم - (بخاری)

ابو معمر نے ہم سے حدیث بیان کی اس نے کہا عبد الوارث نے ہم سے حدیث بیان کی اس نے
کہا عبد العزیز نے ہم سے حدیث بیان کی انس بن مالک سے اس نے کہا جب اُحد کا غزوہ تھا
لوگ شکست کھا کر پیچھے ہٹ گئے تھے نبی صلعم سے اور ابو طلحہ نے رسول اللہ کے سامنے آڑ
بنارکھی تھی اپنے ترکش کی۔ اور ابو طلحہ زبردست تیر انداز تھے۔ زور کی کمان کھینچتے تھے اس
دن انہوں نے دو یا تین کمانیں کھینچ کر توڑ دی تھیں اور جو آدمی پاس سے گزرتا تھا اور
اس کے پاس تیروں کا ترکش ہوتا تو آپ کہتے تھے اس سے ابو طلحہ کی مدد کرو اس نے کہا

اور نبی صلعم سر اوپر اٹھا کر لوگوں کو دیکھتے تھے تو ابو طلحہ کہتے تھے میرے ماں باپ آپ پر قربان اوپر نہ اٹھتے نہیں دشمنوں کا کوئی تیر آپ کو نہ لگ جائے میرا سینہ آپ کے سینے کے سامنے ہے۔ میں نے عائشہ رضی اللہ عنہا کو دیکھا اور ام سلیم وہ دونوں اپنے پائے چڑھائے تھیں اور مجھے ان کی پٹیلیوں کے پچھلے حصے نظر آ رہے تھے ان دونوں نے مشکیں اپنی کمر پر اٹھائی ہوئی تھیں اور اٹھیل رہی تھیں۔ غازیوں کے منہ میں۔

یہ روایت بخاری میں ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ احد کے وقت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا مضبوط اور جوان عورت تھیں بھی نہیں تھیں۔

غزوہ احد کی ہولناکی | احد وہ جنگ ہے جس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم شدید زخمی ہو گئے تھے کچھ لوگ بھاگ کھڑے

ہوئے تھے۔ بخاری کی ایک روایت کے مطابق تو صرف دو صحابی طلحہ بن عبید اللہ اور سعد بن ابی وقاص آپ کے پاس رہ گئے تھے۔ کچھ صحابی افراتفری میں مبتلا ہو کر دل چھوڑ بیٹھے تھے۔ کچھ مالروسی کے عالم میں بلا ترتیب جان لینے اور دینے پر تل گئے تھے۔ صرف چند جاں نثار آپ کو حلقے میں لئے ہوئے تھے۔ اضطراب اور پریشانی کا یہ عالم تھا کہ ایک کو دوسرے کی خبر نہ تھی۔ کیونکہ یہ مشہور ہو گیا تھا کہ آپ کو شہید کر دیا گیا ہے۔ اسی لئے میدان میں کوئی مرکز اجتماع نہیں رہا تھا۔ اس بدحواسی کے عالم میں مسلمانوں نے اپنی جماعت کے ایک فرد یمان کو کافر سمجھ کر قتل کر دیا تھا۔ ان کے بیٹے حذیفہ چلاتے ہی رہے۔ کہ یہ میرا باپ ہے۔ باوجود منع کرنے اور روکنے کے اس کے قتل سے نہ رُک سکے۔ اُس روز ابو طلحہ جو ام سلیم کے خاوند اور حضرت انس کے سوتیلے والد ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سخت دفاع کر رہے تھے۔ بار بار کہتے تھے باجی انت داحی آپ اپنی جگہ سے نہ ہٹے اور نہ اٹھتے کہ کوئی تیر نہ لگ جائے۔ حضرت ام عمارہ کا بیان ہے کہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ڈھال بنی ہوئی تھی۔ میرے مونڈھوں پر یہ گہرے زخم آپ کی ممانعت میں آئے ہیں۔ حضرت ابو عبیدہ بن جراح کے دو دانت آپ کی پیشانی میں گھسی ہوئی دو کڑیاں نکالنے میں کام آئے۔ اس قدر خون آپ کی پیشانی سے نکلا کہ آپ اسی روز کھڑے ہو کر نماز بھی ادا نہ کر سکے۔ حضرت حمزہؓ کا دردناک قتل اور دوسرے صحابہ کے قتل کے افسوس ہولناک اور جگر گداز واقعات پیش آئے تھے جن کے ذکر اور تصور ہی سے طبیعت میں گھبراہٹ اور بے چینی پیدا ہو جاتی ہے۔

احد کے میدان میں خدمتے پیورے کا کام نہ تھا۔

ان دردناک واقعات کے ہوشربا مناظر اور ایسے سنگین ماحول میں جب ایک کو ایک

کا ہوش نہ تھا دو عورتیں اپنی ڈیوٹی تند ہی جان نثاری اور استقلال سے انجام دے رہی تھیں ۔
 زخمیوں کی خدمت میں ایسی منہمک تھیں کہ انہیں اپنے تن بدن کا ہوش نہ تھا ۔ پائینے چڑھا رکھے
 تھے اور مشکیں مکر پر لادے نہایت تیزی سے زخمیوں کے منہ میں مشکیزوں سے پانی انڈیل رہی تھیں
 پانی ختم ہوا اور فوراً پھر مشک بھرت لائیں ۔ تیروں کی بارش ہے مگر انہیں بہر صورت اپنا فرض
 پورا کرنا ہے ۔

یہ بہادر عورتیں کون تھیں ؟ ایک ام سلیم رضی اللہ عنہا ، حضرت انسؓ کی والدہ ، ابو طلحہ رضی اللہ عنہ کی بیوی اور
 دوسری نبی کریمؐ کی چھٹی بیوی ، ابو بکرؓ کی لاڈلی بیٹی عائشہ رضی اللہ عنہا ۔ جن کے متعلق ہمارے ثقہ رواۃ
 اندازہ کرتے ہیں کہ اس وقت ان کی عمر دس سال تھی ۔

اس روایت میں ام سلیم رضی اللہ عنہا اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی ایک ہی حالت بیان کی گئی ہے ۔
 دونوں کی ایک ہی خدمت پیش کی گئی ہے ۔ ان کے مشک اٹھا کر بھاگنے دوڑنے کا ایک
 ہی انداز ہے ۔ اور کوئی لفظ اس میں یہ بات بھی ظاہر نہیں کرتا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا باوجود
 کم عمری کے یہ اہم خدمت انجام دے رہی تھیں ۔

غزوہ احد میں سات سو مسلمان شریک تھے ۔ ان میں سے بعض کی بیویاں بھی وہاں
 ہوں گی لیکن اس مستعدی اور جفاکشی میں ارباب سیر نے صرف تین عورتوں کا ذکر کیا ہے :-
 ۱۔ ام عمارہ ۲۔ ام سلیم ۳۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا

اُحَدَکُم شَرِکَتُم مِّنْ چودہ سالہ لڑکوں کے سامنے اور
 عائشہ رضی اللہ عنہا کو اجازت

یہ بھی پیش نظر رہے کہ غزوہ احد میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ ، سمرہ بن جندبؓ ،
 اور زید بن ثابتؓ کو کم عمری کی وجہ سے شرکت کی اجازت نہیں ملی تھی ۔ اس لئے کہ ان کی
 عمر میں اس وقت ۱۲ ، ۱۲ ، ۱۲ سال تھیں ۔ پھر عائشہ رضی اللہ عنہا جیسی ” دس سالہ بچی “ کو ایسے
 ہولناک غزروں میں فوجی خدمت کی اجازت کیسے ملی گئی تھی ! یہ کسی بزمِ عروسی کی سقائی
 تو نہیں تھی جس میں بچے ، بچیاں پانی پلانے کی خدمت انجام دے لیا کرتے ہیں ۔ یہ تو میدان
 جنگ کی فوجی خدمت تھی جس کے اہتمام میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس قدر احتیاط ملحوظ
 تھی کہ ملاحق اور قریب البلوغ نوجوانوں کو بھی شرکت کی اجازت نہیں دی تھی ۔

یہی ام سلیم ہیں جن کے متعلق مسلم میں روایت موجود ہے کہ کان رسول اللہ صلی اللہ
 علیہ وسلم یغزوہ ام سلیم و نسوة من الانصار معه اذا غزی فیسقین

السَّاءُ وَبِإِذْنِ الْحَرْحِ (مسلم)

ب۔ اُمّ سلیم کے سلاح بندی | اُخبرنا ابواسامہ اُخبرنا ابو عون

عن محمد بن اُمّ سلیم كانت مع النبی صلی اللہ علیہ وسلم یوم احد ومعها خنجر .

شهدت اُمّ سلیم حنینا ومعها خنجر قد حزمته علی وسطها .

عن النسب ان اُمّ سلیم اتخذت خنجرًا یوم حنین قال ابو طلحة ۛ یا رسول اللہ ۛ هذه اُمّ سلیم ومعها خنجر فقالت یا رسول اللہ ۛ اتخذت ان دنی منی احد من المشرکین بقرت به بطنه او لجت به بطنه واقتل الطلقاء واصرب اعناقهم ان هزموا بک قال فتبسم رسول اللہ وقال یا اُمّ سلیم ان اللہ قد کفی واحسن .

(ابن سعد جلد ۸ ص ۲۲۵)

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لڑائی پر جاتے تھے اور ام سلیم اور انصار کی دوسری عورتیں ساتھ ہوتی تھیں تو وہ پانی پلاتی تھیں اور زخمیوں کی مرہم پٹی کرتی تھیں .

ب۔ ابواسامہ نے ہمیں خبر سنائی اس نے کہا ابو عون نے ہمیں خبر سنائی محمد سے کہ ام سلیم اُحد کے دن نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھی اور اس کے پاس خنجر تھا .

ج۔ حنین کی جنگ میں ام سلیم شریک تھی اور اس کے پاس خنجر تھا جو اپنی کمر میں باندھ رکھا تھا .

انس سے روایت ہے کہ حنین میں ام سلیم کے پاس خنجر تھا۔ ابو طلحہ نے کہا یا رسول اللہ یہ ام سلیم ہے اور اس کے پاس خنجر ہے۔ ام سلیم نے کہا میں اس لئے خنجر ساتھ رکھتی ہوں کہ اگر کوئی مشرک میرے نزدیک لگے تو میں اس سے اس کا پیٹ چاک کر دوں یا پیٹ میں گھونپ دوں اور میں قتل کروں گی ان نئے مسلمانوں کو بھی اگر وہ لڑائی سے منہ موڑیں ان کی گردنیں اڑا دوں گی پس آپ اس کی بات سن کر مسکرا دیئے . اور فرمایا اے ام سلیم اللہ کافی ہے اور بہتر کرنے والا ہے .

غزوات میں عورتیں مسلح ہوتی تھیں | ان عورتوں

کے لئے جو

ان جنگوں میں پانی پلانے اور زخمیوں کی مرہم پٹی پر مامور ہوتی تھیں ضروری تھا کہ اپنے آپ کو مسلح رکھیں۔ اگر دشمن قریب آئے تو دفاع کر سکیں۔ اس لئے ضروری ہے کہ حضرت عائشہؓ

بھی غزوہ احد میں ضرور مسلح ہوں گی
امّ عمارہ کو دفاع نبی صلعم میں ۱۳ زخم آئے

اسی غزوہ میں نبی کی مدافعت کرتے ہوئے ام عمارہ کے جسم پر ۱۳ زخم آئے تھے جن کی مرہم پٹی حضورؐ نے خود کھڑے ہو کر کرواتے تھے۔ اور فرمایا تھا کہ من یطیق ما تطیق یا ام عمارہ جس کے جواب میں ام عمارہ نے عرض کیا تھا ما ابالی ما احساہنی من الاذی۔

بشر بن عقرہ سے روایت ہے کہ میرے والد احد کے دن شہید ہو گئے تھے میں وہاں بیٹھا رو رہا تھا۔ نبی کریمؐ تشریف لائے اور فرمایا اما ترضی ان اکون اباک و عائستہ املک۔ کیا تو راضی نہیں کہ میں تیرا باپ بنوں اور عائشہؓ ماں بنے۔ غور فرمائیے و عائستہ املک کے جملہ پر۔ کیا یہ کس سالہ بچی کے متعلق ارشاد ہے؟

(١٠)

دسوان قرينه

فنون عربيت واسباب ميں مهارت عائشة ر

شعر) قال الزبير بن البكار عن ابي الزناد قال ما رايت احدا
اروحي في شعر من عروة فقلت له ما رواك قال روايتي في رواية
عائشة ر ما كان تنزل بها شيء الا انشدت فيه شعرا .

طب :- عن عروة عن عائشة ر انه قال لها يا امته لا اعجب من
فقهك اقول زد حجة رسول الله وابنة ابي بكر ولا اعجب من علمك
بالشعر وايام الناس اقول ابنة ابي بكر وكان من اعلم الناس ولكن
اعجب من علمك بالطب فكيف هو واين هو فضربت على منكبيه
وقالت اے عروية ان رسول الله صلى الله عليه وسلم كان يسقم عند
آخر عمر فكانت تقدم عليه وفود العرب من كل وجه فتعننت
له النفات وكنت اعالجه .

دين :- قال عروة ما رايت احدا اعلم بالقرآن ولا الفريضة ولا
الحرام ولا الحلال ولا الفقه ولا الشعر ولا طب ولا بحديث
العرب ولا بنسب من عائشة ر

راثة :- قال العطاء بن ابي سباح :-
كانت عائشة افقه الناس اعلم الناس احسن الناس رأيا في العامة .

(درخافضہ علوم المواہب جلد ۳ ص ۲۴۶)

شعر: زبیر بن بکار نے ابو الزناد سے روایت نقل کی میں نے عروہ سے زیادہ کوئی ماہر نہیں دیکھا شعر میں میں نے اس سے پوچھا تم کیسے ماہر بنے اس نے جواب دیا میں نے حضرت عائشہ رض سے سیکھا کوئی واقعہ پیش آتا تو حضرت عائشہ رض اس کے بارے میں شعر پڑھتیں۔

طب: عروہ سے روایت ہے اس نے عائشہ رض سے نقل کی ہے۔ عروہ نے ان سے کہا اے اماں مجھے آپ کی فقہ پر تعجب نہیں ہے کیونکہ آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اہلیہ ہیں ابو بکر رض کی بیٹی ہیں اور نہ مجھے تعجب ہے کہ اشعار کی ماہر ہیں اور تاریخ میں کامل ہیں کیونکہ آپ ابو بکر رض کی بیٹی ہیں اور وہ اعلم الناس تھے مگر مجھے آپ کے علم طب پر تعجب ہے۔ کیسے سیکھا اور کہاں سیکھا انہوں نے عروہ کے کندھے پر ہاتھ مارا اور کہا اے عریہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آخر عمر میں مریض رہتے تھے اور ہر طرف سے آپ کے پاس وفود آتے رہتے تھے تو وہ آپ کے لئے نسخے لاتے تھے اور میں ان سے آپ کا علاج کیا کرتی تھی۔

دین: عروہ نے کہا میں نے کوئی حضرت عائشہ رض سے زیادہ اعلم قرآن میں اور فرائض میں حرام اور حلال میں۔ فقہ میں شعر میں اور طب میں عرب کی تاریخ میں اور انساب میں نہیں دیکھا۔

رائے: عطاء بن ابی رباح نے کہا

حضرت عائشہ رض افقہ الناس تھیں اور اعلم الناس تھیں اور رائے میں عام لوگوں کے بارے میں سب سے بہتر تھیں۔

مہارت شعر و نسب کیلئے عائشہ رض کا کم از کم ۱۷-۱۸ سال تک

اپنے معلم والد کے گھر میں رہنا ضروری ہے۔

انساب اور عربیت میں کمال حاصل کرنے کیلئے ایک شخص کو عمر کا ایسا حصہ درکار ہے جس میں ایسی باتوں کو سمجھ سکے اور یاد رکھ سکے۔

”مشہور“ روایت کی رو سے حضرت عائشہ رض کی عمر ابھی سات سال تھی کہ ہجرت کا واقعہ پیش آگیا جس میں حضرت ابو بکر رض اپنے بال بچوں کو چھوڑ کر مدینے آ گئے اور جب کئی ماہ

بعد بال بچوں کو مدینے بلایا تو چند روز بعد حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی رخصتی ہو گئی۔ اور انہیں اپنے والد سے تلمذ کا موقع ہی نہیں ملا۔ مدینے میں نبی کے گھر کے مشاغل کے کی زندگی سے بالکل مختلف تھے۔ یہاں قرآن، تبلیغ، صوم، صلوٰۃ کے مسائل اور ملکی مہمات کے اشغال تھے جنہیں علوم عربیت و انساب سے دور کا بھی تعلق نہیں تھا۔ حضرت عائشہؓ کو شعر فہمی اور انطباقی اشعار کا کامل ذوق و مزادت کلام کے بغیر حاصل ہونا مشکل تھا۔ عرب شعراء کے کلام کا نفیس حصہ انہیں زبانی یاد تھا۔ جو موقع عمل کے لحاظ سے فوراً زبان پر آ جاتا تھا۔ اسی طرح شرکاً بہترین حصہ آپ کو ازبر تھا حدیث ام زرعہ اس کی مثال ہے۔

جعبہ بن مطعم جو حضرت ابو بکرؓ کے دوست رئیس مکہ معظمہ کے صاحبزادے اور حضرت عائشہؓ کے پیلے خاوند تھے ان کے متعلق رجال کی کتابوں میں مرقوم ہے۔ کان من علماء قریش و ساداتہم دکان یوخذ عنہ النسب لقریش و للعرب قاطبہ و کان یقول اخذت النسب من ابی بکر الصدیقؓ (اسد الغابہ۔ ذکر جعبہ ص ۲۱) وہ علماء قریش میں سے تھا اور سادات قریش میں سے تھا اور اس سے قریش کا نسب حاصل کیا جاتا تھا بلکہ تمام عرب کا نسب۔ اور وہ کہا کرتا تھا میں نے علم نسب ابو بکر الصدیقؓ سے حاصل کیا۔

اس بیان سے یہ بات واضح ہے کہ حضرت ابو بکرؓ اپنے متعلقین کو فزون عربیت و انساب سکھاتے تھے۔ انہوں نے اپنی ذہین و فطین بیٹی عائشہؓ کو بھی ان علوم سے بہرہ ور کیا تھا جیسا کہ عروہ کے بیان سے ظاہر ہے۔ تو چھ سال کی عمر میں تو یہ صلاحیت ہی نہیں ہوتی کہ انساب کو سمجھ سکے یا یاد رکھ سکے۔ اور شعر کا ذوق تو کافی دیر میں جا کر پیدا ہوتا ہے۔

لہذا ماننا پڑے گا کہ نکاح سے پہلے ہی حضرت عائشہؓ بالغہ اور عاقلہ تھیں۔ انہوں نے اپنی ابتدائی جوانی سے ہی اپنے والد ماجد سے کسب علوم کیا اور جعبہ سے زیادہ حضرت ابو بکرؓ سے اخذ انساب کیا۔ جس وقت حضرت ابو بکرؓ نے مکہ سے ہجرت کی حضرت عائشہؓ پختہ عمر کی عورت تھیں۔ اور اس وقت تک وہ اپنی جودت طبع اور غیر معمولی قوت حافظہ کی وجہ سے انساب عرب اور شعر عرب میں کامل دستگاہ حاصل کر چکی تھیں۔

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ آپ اپنا جوتا درست فرما رہے تھے اور میں آپ کو غور سے دیکھ رہی تھی۔ آپ کی نظر جو مجھ پر پڑی تو دریافت فرمایا کیا بات ہے غور سے دیکھ رہی ہو؟ میں نے عرض کیا کہ ابو بکرؓ ہزلی کے اشعار آپ پر صادق آتے دیکھ رہی ہوں۔ وہ خود زندہ ہوتا تو اپنے اشعار کا مصداق آپ سے زیادہ کسی کو نہ پاتا۔ آپ

نے فرمایا وہ اشعار کیا ہیں ؟ عرض کیا :-

و مبرا آمن کل غیر صفیة

د فساد مرضعة و داء معضل

برقت کبرق العارض المتهاهل

۲۔ فاذا نظرت الی اسرة وجهه

۱۔ وہ محفوظ ہے ہر نجاست سے اور دودھ پلانے والی کی خرابی سے اور ہر ٹیلی بیماری

سے ۔ ۲۔ جب تو دیکھے اس کے چہرے کے خطوط کی طرف تو اس طرح روشن ہوتے ہیں

جیسے کہ روشن گال چمکتے ہیں

آپ سُن کر خوشی سے جھوم اُٹھے اور فرمایا "ما سورت کسروری منك"

یعنی تمہارے اس بر محل شعر کے انطباق سے مجھے بہت خوشی ہوئی ۔ ان کے بھائی عبدالرحمن کا

انتقال ہو گیا ۔ بے اختیار منہ سے نکلا ۔

و کنا کن دمانی هنریمہ حقبة

من الدهر حتی قیل لن یتصدعا

فلما تفرقنا کافم و مالک

علی طول اجتماع لم یبت لیلة معا

گیارہواں قرینہ (۱۱)

کُنِیتُ عائِشَہ رَضِ | اَخْبَرَنَا النُّسَّ عَنْ عِبَادِ اللِّیْثِ عَنْ هِشَامِ بْنِ

عُرْوَةَ عَنْ عِبَادِ بْنِ حَمْزَةَ اَنْ عَائِشَةَ رَضِ قَالَتْ
 یَا نَبِیَّ اللّٰهِ ۴ اَلَا تَکُنِیْ فَقَالَ النُّبِیُّ صَلِی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَم اَکُنِیْ بِاَبْنِکَ عَبْدِ اللّٰهِ
 بْنِ الزُّبَیْرِ فَکَانَتْ تَکُنِیْ بِاُمِّ عَبْدِ اللّٰهِ (ابْنِ سَعْدٍ جِلْد ۸)

ہمیں خبر سنائی انس نے عباد لیثی سے اس نے ہشام بن عروہ سے اس نے عباد بن حمزہ سے
 اس نے کہا عائشہ رض نے کہا۔ اے اللہ کے نبی کیوں میری کنیت نہیں رکھتے پس رسول اللہ
 نے فرمایا تو اپنی کنیت اپنے منہ بولے بیٹے عبد اللہ بن زبیر کے نام پر رکھ لے تو کنیت رکھ
 دی گئی ام عبد اللہ۔

عرب میں کنیت کا عام رواج تھا۔ انسانوں سے گذر کر جانوروں تک کے لئے کنیت ملتی
 ہے مثلاً لومڑی کیلئے ابو الفوارس۔ شیر کیلئے ابوالمحادث وغیرہ
 کنیتیں بعض اوقات اوصاف کے لحاظ سے رکھی جاتی تھیں۔ مثلاً حضرت زینب رض
 کی کنیت ام المساکین تھی۔ اکثر و بیشتر اولاد کی نسبت سے کنیتیں اختیار کی جاتی
 تھیں۔ جیسے ابو طالب۔ ابو حفص۔ ابو القاسم۔ ام عمارہ۔
 ام حبیبہ۔ ام سلمہ وغیرہ۔

کنیت سے آدمی کا ایک وقار بن جاتا ہے۔ اس کی ذات میں ایک بزرگی بڑائی
 اور ذمہ داری کا احساس ہونے لگتا ہے۔ یعنی کنیت والا آدمی محض ایک جوان یا

بوڑھا نہیں ہوتا بلکہ ایک باپ ہوتا ہے جسے ذمہ داری کا پورا احساس ہے۔ ایک بکنیت عورت محض لڑکی یا صرف عورت نہیں ہوتی بلکہ ماں ہوتی ہے جو زمانے کے سرد و گرم دیکھے ہوئے ہوتی ہے جسے اپنے قول و عمل کا پورا پورا احساس ہوتا ہے۔

جس کے نام پر یہ کنیت اختیار کی گئی ہے وہ نہ صرف رشتے کی وجہ سے مرتبہ اہلیت میں ہونا چاہیے بلکہ عمر کے لحاظ سے بھی ایسا ہونا چاہیے کہ دونوں پر ماں بیٹے کے مراتب زیب پاسکیں۔

یہ حضرت عبداللہ بن الزبیر حضرت عائشہ رضی کی عمر والی روایت مشہور کی رو سے حضرت عائشہ رضی سے صرف ۸ سال چھوٹے ہیں۔ اور بھائی کہلانے کی زیادہ صلاحیت رکھتے ہیں۔ لیکن اصل واقعہ کے لحاظ سے ان کی اور حضرت عائشہ رضی کی عمر میں ۱۸ سال یا ۲۸ سال کا تفاوت ہے جو ماں اور بیٹے کی عمر میں ہو سکتا ہے۔

قیاس کا تقاضا ہے کہ عبداللہ حضرت عائشہ رضی کے متبنی ہوں گے

پھر یہ بھی دیکھنا ہے کہ حضرت اسماء کے تو بہت سے بچے تھے۔ کسی اور کے نام پر یہ کنیت رکھی جاسکتی تھی نیز یہ بھی دیکھنا ہے کہ جب عبداللہ حضرت اسماء کے بیٹے ہیں تو خود حضرت اسماء نے ان کے نام پر اپنی کنیت کیوں نہ رکھی۔ مگر تاریخ تو یہ بتاتی ہے کہ میرے سے ان کی کوئی کنیت تھی ہی نہیں۔

قیاس یہ کہتا ہے کہ عبداللہ زیادہ تر اپنی خالہ عائشہ رضی کے پاس ہی رہتے ہوں گے جیسے عام طور پر کثرت اولاد کی صورت میں کچھ بچے نانی یا تائی۔ چچی۔ پھوپھی بے اولاد خالہ کے پاس رہنے لگتے ہیں۔ اس لئے حضرت عائشہ رضی نے ان کے نام پر کنیت اختیار کی۔ ہو سکتا ہے کہ حضرت عائشہ رضی نے انہیں منہ بولا بیٹا بنا لیا ہو۔ کیونکہ روایت کے آخری الفاظ بابنک عبداللہ بھی یہی ظاہر کر رہے ہیں کہ وہ حضرت عائشہ رضی کے منہ بولے بیٹے تھے۔

اس کنیت کے اختیار کرنے سے طبیعت کو کچھ اطمینان ہو گیا ہوگا۔ کیونکہ جذبہ تکنیت حقیقت میں جذبہ مادی کا ایک تقاضا ہوتا ہے۔ اور یہ تقاضا اس وقت ہوا ہوگا جب انہیں خود اپنی اولاد سے مایوسی ہو گئی ہوگی۔ اور اس قسم کی کیفیت ۱۴۔ ۱۸ سال کی لڑکی میں پیدا نہیں ہوا کرتی۔ بلکہ ۲۸۔ ۳۰ سال کی عورت

میں ممکن ہے ۔

اس کیفیت اور اس کمیت اختیار کرنے کی روشنی میں حضرت عائشہؓ کی عمر کو زیادہ
تسلیم کرنا ہی قرین عقل و دانش ہے جو فطرت اور نفسیات انسانی کے عین مطابق ہے ۔
حضرت اسماءؓ کو چونکہ عملاً اس جذبہٴ مادرہ کی تسکین حاصل تھی اس لئے انہیں
کمیت کی ضرورت پیش نہیں آئی ۔

(۱۲) بارہواں قرینہ

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا تھوڑا سا | عن علقمة بن وقاص قال اخبرتنی
عائشة رضي الله عنها خرجت ليوم المحدث اقفوا

الناس فسمعت من يد المراءى فاذا بسعد بن معاذ ومعه ابن اخيه
الحارث بن عوف يحمل مجنه قالت فجلست الى الارض فمر سعد وعليه
درع من حديد قد خرجت منها اطرافه فانما اتخوف على اطراف سعد
قالت وكان سعد من اعظم الناس واطولهم فمرو هو يرتجز :
البيث قليلا بد ألهيما جيل : : : ما احسن الموت اذا حان الاجل
قالت فقلت فاقتممت حديقة فاذا انقر من المسلمين فاذا فيها
عمر بن الخطاب فيهم رجل عليه سبغة له نعتي المغفر فقال عمر
ما جاء بك والله انك لحريئة ما يوتيك ان يكون بلاء او يكون تهور
فما نزل بيومني حتى تمنيت ان الارض فتحت ساعتئذ فدخلت فيها فرفع
الرجل السبغة عن وجهه فاذا هو طلحة بن عبيد الله فقال يا عمر ديمك
انك قد اكلت منذ اليوم واين التهور والفرار لا الى الله عز وجل
(السبدايه والنهايه - جلد ۴ - غزوة خندق)

علقمة بن وقاص سے روایت ہے اس نے کہا مجھے عائشہ رضی اللہ عنہا نے سنایا میں خندق کے دن
گھر سے نکلی لوگوں کے پیچھے چل رہی تھی مجھے اپنے پیچھے کسی آدمی کی آہٹ معلوم ہوئی تو میں

نے دیکھا سعد بن معاذ تھے اور ان کے ساتھ ان کے بھتیجے حارث بن عوف تھے وہ اپنی ڈھال اٹھائے تھے۔ عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا میں ایک طرف زمین پر بیٹھ گئی تو سعد پاس سے گزرے وہ لوہے کی ذریعہ پہنے تھے لیکن بازو ذریعہ سے باہر تھے مجھے سعد کے بازوؤں کا ڈر ہوا اور سعد بہت لمبے قد کے آدمی تھے اور بڑے آدمی تھے وہ چل رہے تھے اور یہ رجز پڑھ رہے تھے۔

مھڑا سا مھیر لڑائی چھڑ گئی۔ موت کس قدر اچھی ہوتی جب موت کا وقت قریب آجائے۔

اس نے کہا پھر میں اٹھی اور ایک باغ میں گھس گئی میں نے دیکھا مسلمانوں کا ایک گروہ ہے اس میں عمر بن الخطاب بھی ہیں اور ان میں ایک آدمی ہے جس پر خود ہے جسے مغفر کہتے ہیں تو عمر رضی اللہ عنہ نے مجھے کہا تو کیوں آئی واللہ تو بہت جرتی ہے۔ تجھے خیال نہ آیا کہ کسی مصیبت میں پڑ جائے یا کوئی ناحیہ حفاظت کا ملے یا نہ ملے۔ وہ مجھے ڈانٹتے ہی رہے اس حد تک میں نے تمنا کی کہ زمین شقق ہو جائے اور میں اس میں دھس جاؤں پس اس شخص نے اپنے چہرے سے اپنا خود اتار دیا تو وہ طلحہ بن عبید اللہ تھے اس نے کہا افسوس ہے تجھ پر اسے عمر آج تم علامت میں مبالغہ کر رہے ہو کہاں حفاظت ہے یا فرار کی جگہ ہے مگر اللہ کی طرف۔

یہ واقعہ غزوہ خندق کا ہے جس کے متعلق قرآن مجید میں فرمایا گیا ہے :-

إِذْ جَاءَ ذِكْرُنَا مِنْ فَوْقِكُمْ وَمِنْ أَسْفَلَ مِنْكُمْ وَإِذْ تَرَاءَتِ الْأَبْصَارُ وَبَلَغَتِ الْقُلُوبُ الْحَنَاجِرَ وَتَظُنُّونَ بِاللَّهِ الظُّنُونَا ۝

هَٰذَا لَكُمْ آيَاتُنَا الَّتِي كُنْتُمْ تَسْأَلُونَ ۝ وَذِكْرُنَا لَكُمْ لَعْنَةُ الْكَافِرِينَ ۝ وَإِذْ يَقُولُ الْمُنَافِقُونَ وَالَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ مَرَضٌ مَّا وَعَدَنَا اللَّهُ وَرَسُولُهُ إِلَّا غُرُورًا ۝

وَإِذْ قَالَتِ طَائِفَةٌ مِّنْهُمْ يَا أَهْلَ يَثْرِبَ لَا مُقَامَ لَكُمْ فَارْجِعُوا ۝ وَيَسْتَأْذِنُ فَرِيقٌ مِّنْهُمُ النَّبِيَّ يَقُولُونَ إِنَّ بُيُوتَنَا عَوْرَةٌ ۚ وَمَا هِيَ بِعَوْرَةٍ ۚ إِنَّهُمْ يُبْذَلُونَ ۝ (سورۃ احزاب)

غزوہ احزاب ایک شدید معرکہ تھا۔ مسلمانوں کی زندگی اور موت کا سوال تھا باہر سے تمام حزب امینڈ آئے تھے۔ اندر سے منافقین اور بنی قریظہ پشت میں چھرا گھونپنے کیلئے تیار تھے۔ عین احزاب کے حملے کے دوران بنو قریظہ نے اپنا معاہدہ توڑ دیا تھا۔ اور ہر وقت خطرہ تھا کہ معلوم نہیں یہ مسلمانوں پر کس وقت ٹوٹ پڑیں۔ اس حالت میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا قلعہ بنی حارثہ

سے نکل کر جو مدینے کا محفوظ ترین مقام تھا جس میں مسلمان عورتوں کو جمع کر دیا گیا تھا اور کچھ لوگوں کو اس کی حفاظت کیلئے مقرر کر دیا گیا تھا (مردوں کے پیچھے پیچھے میدان کارزار تک پہنچ گئیں۔ اور ایک باغ میں جہاں مسلح لوگ دشمنوں کا حملہ روکنے کو تیار کھڑے تھے پہنچ گئیں۔ ان لوگوں میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ ایک اور صاحب تھے جو لوہے میں غرق مغفرت پہنے ہوئے تھے، یہ نہیں معلوم ہو رہا تھا یہ کون ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انہیں دیکھا تو حیرت زدہ رہ گئے اور دیر تک چشم نمائی اور نصیحت فرماتے رہے۔

غرض اس شدید معرکے میں بھی ان کی بہادر طبیعت نے ان کو عورتوں میں نہ بیٹھنے دیا اور میدان جنگ میں پہنچ گئیں۔

اس لڑائی کے متعلق موسیٰ بن عقبہ کا بیان ہے کہ دشمنوں نے اپنی فوجوں سے مسلمانوں کے گرد ایک قلعہ بنا دیا تھا۔ اور مسلمان اس میں محصور تھے۔ تو یہ جرات و حوصلہ ایک بچی میں نہیں ہو سکتا۔ یقیناً اس وقت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پوری جوان تقریباً چوبیس پچیس سال کی تھیں یا ۳۴۔ ۳۵ سال کی تھیں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ہی پر کیا موقوف ہے ان کا پورا گھرانہ ہی نڈر اور بہادر تھا۔ ان کی بڑی بہن اسماء جنگ یرموک میں شریک تھیں۔ ناظمہ بنت منذر سے ہشام بن عروہ کی روایت ہے کہ:-
ان اسماء بنت ابی بکر اتخذت خنجرًا من سعید بن العاصی للمصوحہ
کالواقدا استعردا بالمدینۃ کانت تجعلہ تحت راسہا۔

(ابن سعد جلد ۸ ص ۲۵۲ ذکر اسماء بنت ابی بکر)

۱۔ اپنے پاس اسماء بنت ابوبکر رضی اللہ عنہا رکھتی تھی سعید بن العاصی کے زمانے میں چوروں کے لئے جو مدینے میں آگئے تھے اور رات کو اُسے سر کے نیچے رکھتی تھی۔

(۱۳)

تیرھواں قرینہ

ایتم تخیر | يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّأَزْوَاجِكَ إِن كُنْتُنَّ تُرِدْنَ
الْحَيَاةَ الدُّنْيَا وَذِينَتَهَا فَتَعَالَيْن أُمِّتْكُنَّ وَ
أَسْرَحْكُنَّ سَرَاحًا جَمِيلًا ۝

وَإِن كُنْتُنَّ تُرِدْنَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَالدَّارَ الْآخِرَةَ فَإِنَّ اللَّهَ
أَعَدَّ لِلْمُحْسِنَاتِ مِنْكُنَّ أَجْرًا عَظِيمًا ۝ (سورۃ احزاب ع ۴)

روایتے تخیر | عن عائشة رضی قالت اتانی النبی صلی اللہ علیہ وسلم
فقال انی ساعرض علیک امرا فلا علیک ان لا تعجلی

بہ حتی تشاوری ابویک فقلت وما هذا الامر قالت فتلا علی
يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ الْآيَةَ قالت عائشة رضی فی ذلك تامر فی ان اشاور ابوی
بل اسرید اللہ ورسولہ والدار الاخرۃ . قال فسر بذلک رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم واعجبہ وقال ساعرض علی صواحبک ما عرضت علیک قالت
فلا تعرض بالذی اخترت فلم یفعل کان یقول کما قال لعائشۃ
ثم یقول قد اختارت عائشۃ رضی اللہ ورسولہ والدار الاخرۃ .

(ابنے سعد جلد ۸ ذکر عائشۃ رضی)

عائشہ رضی سے روایت ہے اس نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس آئے فرمایا میں تیرے
سامنے ایک معاملہ پیش کر دوں گا تو اس میں جلدی نہ کرنا یہاں تک کہ تو اپنے والدین سے

مشورہ کر لے میں نے کہا وہ کیا معاملہ ہے آپ نے یہ آیت پڑھی **يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّأَنزَا وَاجِلِكُمُ الْغِيَاثُ** عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا کیا اس معاملے میں آپ مجھے حکم فرما رہے ہیں کہ میں والدین سے مشورہ کروں میں تو اللہ اور اس کے رسول اور آخری گھر کو قبول کرتی ہوں۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بہت خوش ہوئے اور متعجب ہوئے آپ نے فرمایا یہی معاملہ ازدواج کے سامنے بھی پیش کروں گا عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا یہ نہ بتلانا میں نے جو اختیار کیا ہے مگر آپ نے یہ بات نہ مانی۔ آپ وہی بات کہتے تھے جو عائشہ رضی اللہ عنہا سے کہی تھی پھر فرماتے تھے عائشہ رضی اللہ عنہا نے اللہ اور اس کے رسول اور دار آخرت کو اختیار کیا۔

اس موقع پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو ماں باپ سے مشورہ کرنے کے لئے اس واسطے نہیں کہا تھا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بچی تھیں، بلکہ معاملہ جذبات کا تھا۔ اور ازدواج میں منافست تھی اور جوان آدمی میں جذبات شدید ہوتے ہیں اس لئے احتیاط کے طور پر آپ نے فرما دیا تھا کہ اپنے والدین سے مشورہ کر کے کوئی قدم اٹھانا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا بلا مشورہ جواب ان کے ذہن کی پختگی اور ان کے ذہن کے روشن ہونے پر دلالت کرتا ہے۔ ان کا اسلوب جواب بہت زیادہ خود اعتمادی کا مظہر ہے اور یہ ظاہر کرتا ہے کہ یہ معاملہ ان کے نزدیک مشورے کا تھا ہی نہیں، یعنی اس معاملہ میں کوئی دوسرا پہلو ان کی نظر میں تھا ہی نہیں جس پر وہ غور کرتیں۔ ایک ہی پہلو تھا جس پر انہوں نے فوری فیصلہ دے دیا کہ میں اللہ اور رسول اور آخرت کو اختیار کرتی ہوں۔

مگر اس کے ساتھ ہی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ میرا جواب دوسری ازدواج کے سامنے نقل نہ کیجئے گا۔ اس سے ان کا مطلب یہ تھا کہ دوسری ازدواج میری نقل نہ کریں بلکہ آزادانہ اپنے دماغ اور اپنی طبیعت سے فیصلہ کریں۔ دوسرے اپنی مثال سے ان کے اختیار کو متاثر نہیں کرنا چاہتی تھیں کہ بلا وجہ وہ شرائے عائشہ رضی اللہ عنہا کی تقلید کریں۔ غرض اس سارے واقعے سے ان کی پختہ عمری اور پختہ ذہن کا ثبوت ملتا ہے نہ کہ کم عمری کا۔

ایک مسئلہ اسرار اور معراج جسمانی ہے ۔ اور دوسرا روایت باری ہے ۔
اسرار کا وہ حصہ جو بیت المقدس تک ہے نص قطعی ہے اور اس میں کسی صحابی سے کوئی اختلاف
منقول نہیں ہے ۔

بیت المقدس سے آگے کا حصہ جس میں آسمانوں کی سیر اور فرشتہ صلوٰۃ کا ذکر ہے اس میں
گفتگو ہے کہ آیا بیداری میں اس جسد عنصری کے ساتھ پیش آیا یا خواب میں ۔
معراج جسدی کی تردید کسی صحابی سے ثابت نہیں

حقیقت یہ ہے کہ معراج جسدی کی تردید میں صحابہ میں سے کسی کا مستند بیان مذکور نہیں
ہے ۔

قابلِ تعجب اور غور طلب تو یہ بات ہے کہ اس اختلاف کو دو ایسے صحابہ کی طرف منسوب
کیا گیا ہے جو حضرت علی رضی اللہ عنہ سے اختلاف رکھتے تھے ۔ اور اسی لئے اس شبہ کی بڑی حد تک
گنجائش نکل رہی ہے کہ یہ نسبت یا الزام بھی شاید اسی تاریخی اختلاف کا شاخسانہ ہے ۔
یہ روایت مندرجہ ذیل وجوہ سے ضعیف ہے :-

۱۔ اس روایت اختلاف کا راوی محمد بن اسحاق ہے جو متہم بالتشیع ہے ۔ اس کی ایسی روایت
جس سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی تنقیص کا پہلو نکلتا ہے قابلِ اعتبار نہیں ہے ۔

۲۔ اُس روایت کے متن میں اضطراب پایا جاتا ہے جس میں کہا گیا ہے کہ :-

مَا فَتَدَتْ جَسَدًا رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ . اس لئے کہ اس وقت تو
حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا مہرم ہوتی تھیں ۔ ان کی رخصتی تو مدینہ میں ہوئی اور
واقعہ معراج مکہ میں پیش آیا ۔ لہذا یہ بیان ہی سارا اختلاف واقعہ اور بے محل ہے ۔

۳۔ اس کی سند میں " بعض ال ابی بکر رضی اللہ عنہ " مہم ہے جس کی تعیین نہیں کی گئی کہ وہ
کون ہے ۔ محمد بن اسحاق نے اس کا نام کیوں نہیں لیا ۔

بہر حال سند میں ایک راوی تو ضرور مجہول ہے ۔ لہذا سند منقطع ہے ۔

۴۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے اپنے بیانات اس کی نفی کرتے ہیں ۔

لہذا ہمارا خیال یہی ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما کو بدنام کرنے اور
ساقط الاعتبار قرار دینے کے لئے اس کی تشہیر کی گئی ہے ۔

ابن اسحاق نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے جو روایت ذکر کی ہے اس کی سند میں یعقوب بن عبثہ

بن المغیرہ بن الاخنس ہے ۔ جس نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا زمانہ ہی نہیں پایا ۔ لہذا یہ روایت بھی

منقطع ہے اور درمیان میں کوئی راہی متروک ہے ۔
 حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے اپنے گھر میں قرآن کریم کا کثیر حصہ نازل ہوا ہے ۔ وہ کیفیت وحی سے
 پوری طرح واقف ہیں ۔ قرآن کریم میں بہت سے معجزات اور خوارقِ عادات کا ذکر ہے ۔ مثلاً
 عصائے موسیٰ علیہ السلام کے کرشمے کَذٰلِكَ يُخَيِّطُ اللّٰهُ السُّوٓرَۃَ ۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے چپار
 پر ندوں کا واقعہ ۔ قُلْنَا يَا نَارُ كُونِي بَرْدًا ۔ ناقہ یہود کا واقعہ ۔ کشتی نوح ۔ حضرت
 عیسیٰ علیہ السلام کا مردوں کو زندہ کرنا اور اندھوں کو بینا کرنا ۔ بدر میں نزول ملائکہ ۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام کا
 قرآن لے کر نازل ہونا وغیرہ ۔
 جب یہ واقعات حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے نزدیک صحیح تھے تو کیا صرف معراجِ جدی میں وہ
 متروک ہو جائیں ۔

ان کے والد تو اسی بناء پر الصدیق کہلائے کہ قریش نے اسراء اور معراج کا انکار د
 استہزاء کیا لیکن ابو بکر رضی اللہ عنہ نے خبر کے سنتے ہی تصدیق فرمائی ۔
 علاوہ ازیں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا معراج کے وقت بالغ تھیں ۔ سابق الایمان مومنہ تھیں پھر وہ
 کیسے واقعہ اسراء اور معراج کا انکار کرتیں ۔
 قاضی عیاض نے شفاء میں لکھا ہے :-

ذهب معظم السلف والمسلمين الى ان الاسراء بالجسد في اليقظة
 وهو الحق . وهذا قول عباس وجابر والنس وحذيفة وعمر وابی
 هريرة ومالك بن صعصعة وابی البدرى وابن مسعود والحكم وهو
 دليل قول عائشة رضي الله عنها .

سلف اور مسلمانوں کی اکثریت اس کے قائل ہیں کہ اسراء جسمانی ہے اور بیداری کی حالت
 میں ہوا اور یہی حق ہے ۔ یہی کہا ہے ابن عباس ۔ جابر ۔ النس ۔ حذیفہ ۔ عمر ۔ ابو ہریرہ ۔
 مالک بن صعصعہ ۔ ابن مسعود وغیرہ صحابہ رضوان اللہ علیہم نے اور یہی قول عائشہ رضی اللہ عنہا کی دلیل
 ہے ۔

علامہ خفاجی نسیم الریاض میں قاضی عیاض کی اس عبارت کے متعلق فرماتے ہیں کہ اس سے
 معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا جمہور ہی کے ساتھ ہیں ۔

حافظ ابن کثیر نے اپنی تفسیر میں حافظ خطاب کی کتاب ” التذییر فی مولد السراج
 المنیر ” سے حدیث اسراء کے طرق کا ذکر کیا ہے اور ۲۵ صحابہ سے اُسے منقول بتایا ہے ۔
 جن میں حضرت اسماء اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا بھی ذکر کیا ہے کہ یہ دونوں بھی اس روایت

کی راوی ہیں۔

غرض حضرت عائشہ رضی کی طرف معراجِ جسدی کے انکار کی نسبت غلط معلوم ہوتی ہے۔ اُن سے کوئی روایت ایسی منقول نہیں ہے جو محمد بن اسحاق کے بھول راوی کے بیان کی موید ہو بلکہ حسب تصریح حافظ ابو خطاب و قاضی میاض وہ خود روایتِ معراج کی راوی اور واقعہ معراج کی گویا عینی شاہد ہیں۔

جس روز واقعہ معراج پیش آیا جیسے ہی اس کی اطلاع حضرت ابو بکر رضی کو ہوئی آپ نے اس کی بلا پس پیش تصدیق کر دی اسی طرح جب ان کے گھرانے کے علم میں آیا تو سب کے سب افراد خانہ نے بھی اس کی تصدیق کی۔ اور ان میں حضرت عائشہ رضی بھی شامل ہیں۔ اور اسی بنا پر اس روایت کی راوی اسماء اور عائشہ رضی دونوں بہنیں ہیں۔ اور اسی سے یہ ثابت ہو گیا کہ

(جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی کی بات اس باب میں معتبر نہیں ہے کیونکہ وہ اس وقت بچی تھیں ان کا یہ بیان اور جواب درست نہیں ہے)

حضرت عائشہ رضی اس وقت بچی نہیں تھیں بلکہ پوری جوان عورت تھیں۔ اس وقت کے حالات سے مکمل طور پر باخبر اور اس وقت تک کے احکام اسلام، مزاج اسلام صداقتِ رسول اور معجزات رسول سب سے واقف اور مطمئن تھیں

روایتِ باری میں حضرت عائشہؓ کا موقف

البتہ روایتِ باری کے معاملہ میں حضرت عائشہؓ

کا مسک بالکل واضح ہے۔ وہ اس کی قائل نہیں ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کو جسمانی آنکھوں سے دیکھا ہے۔ اور ان کا استدلال قرآن کریم کی آیات سے بھی ہے۔ اور خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی انہوں نے یہ سوال کیا تھا تو آپ نے جواب میں فرمایا تھا ”میں نے خدا کو نہیں دیکھا“

جو صحابہ اس کے قائل ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خدا کو دیکھا ہے۔ ان کی یہ روایت بتاویل تو درست ہے لیکن حضرت عائشہ رضی کے استدلال اور بیان کو نہیں پہنچتی۔

غالباً اس انکارِ روایت سے بعد کے رواۃ نے خود ہی یہ خیال کر لیا ہوگا کہ حضرت عائشہ رضی معراجِ جسدی کی بھی منکر ہیں۔ کیونکہ روایتِ باری کا واقعہ اسی واقعہ معراج میں پیش آیا تھا۔

حالانکہ حضرت عائشہ رضی نے اس روایت کو جبرائیل علیہ السلام کی روایت فرمایا ہے۔ اور اسی سے یہ بات بھی ثابت ہے کہ حضرت عائشہ رضی معراجِ جسدی کی قائل ہیں۔

صحابہ کرام میں سے حضرت عبداللہ بن مسعود بھی روایتِ باری کے قائل نہیں ہیں۔ لیکن

(۱۴)

چودھواں قرینہ

واقعہ معراج | امرا اور معراج کے متعلق مفصل مباحث فتح الباری اور عینی وغیرہ میں مذکور ہیں۔ اس پر براہ راست بحث ہمارے موضوع سے خارج ہے۔ اس لئے ہم اختصار کے ساتھ صرف اس حقے کو ذکر کرتے ہیں جو حضرت عائشہ رضہ اور ان کی عمر سے تعلق رکھتا ہے۔

اس باب میں جمہور کا مبک یہ ہے کہ معراج جسمانی تھی۔ ارباب سیر و سنن نے مختلف صحابہ سے معراج جسمانی کی روایات نقل کی ہیں۔ صحیحین میں معراج کی روایات حضرت انس بن مالک اور ابنی کے واسطے سے مالک بن صعصعہ انصاری اور حضرت ابوذر سے بیان کی گئی ہیں۔ صحابہ میں دو صحابیوں کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ معراج جسمانی کے قائل نہیں تھے۔ جن میں سے ایک حضرت عائشہ رضہ اور دوسرے حضرت معاذ بن رضی اللہ عنہما۔

اسراء اور معراج کا واقعہ کب پیش آیا ؟
تحقیقی رجحان یہ ہے کہ یہ ہجرت کے سال ہی پیش آیا ہے۔ چونکہ ارباب سیر اسراء اور ہجرت کو بلا فصل بیان کرتے ہیں اس لئے بھی اور اس لئے بھی کہ حضرت خدیجہؓ کی وفات اور فرصیت ہلوۃ کو بھی مصنفین ساتھ ہی ساتھ بیان کرتے ہیں معلوم ہوتا ہے کہ اسراء واقعہ معراج اور ہجرت تینوں واقعات ۳۱ھ نبوی میں ہی پیش آئے۔

اصل میں یہاں دو مسئلے بالکل علیحدہ علیحدہ ہیں۔ اور چونکہ ان دونوں ہی کا تعلق واقعہ معراج سے ہے اس لئے ان میں التباس ہو گیا ہے۔

روایت اسراء اور معراج جدی کے رادی ہیں۔ مگر ان کے متعلق کسی کو یہ غلط فہمی نہیں ہوئی کہ یہ معراج جدی کے منکر ہیں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا استدلال اس روایت سے ہے :-

حدثنا زهير بن حرب قال قال اسماعيل بن ابراهيم عن داود عن الشعبي عن مسروق قال كنت متكئا عند عائشة رضي الله عنها قالت يا ابا عائشة رضي الله عنه ثلاث من تكلموا واحدة منهن فقد اعظم على الله الفرية فقلت ما هن قالت ما من احد من رعاي محمد بن ابي ربه فقد اعظم على الله الفرية :- قال وكنت متكئا فجلست فقلت يا اهل المؤمنين انظروني ولا تعجليني - الم يقل الله تعالى وَلَقَدْ رَاَهُ بِالْأَفْقِ الْمُبِينِ ۝ وَلَقَدْ رَاَهُ نَزْلَةً أُخْرَى ۝ فقالت انا اول هذه الامة سال عن ذلك رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال انما هو جبرئيل ۝ لمرأه على صورة التي خلق عليها غير هاتين المرأتين رايته منبطا من السماء سادا اعظم خلقه ما بين السماء والارض فقالت اولم تسمع ان الله عز وجل يقول :- لَا تَدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ وَهُوَ اللَّطِيفُ الْخَبِيرُ ۝ اولم تسمع ان الله يقول :- وَمَا كَانْ لِنَبِيٍّ اَنْ يَكْلِمَهُ اللهُ اِلَّا وَحْيًا اَوْ مِنْ وَرَاءِ حِجَابٍ اَوْ يُرْسِلَ رَسُوْلًا فَيُوحِيَ بِاِذْنِهِ مَا يَشَاءُ ۝ اِنَّهٗ عَلَىٰ حَكِيمٍ ۝ قالت ومن ثم نرا عمران رسول الله صلى الله عليه وسلم كتم شيئا من كتاب الله فقد اعظم على الله الفرية - والله يقول يَا أَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَا اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ ۝ وَاِنْ لَمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهُ ۝ قالت ومن ثم نرا عمر انه يخبر بما يكون في غد فقد اعظم على الله الفرية والله يقول قُلْ لَا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَيْبَ اِلَّا اللهُ ۝

(فتح الملهم جلد اول من ۳۳ باب معنی قوله وَلَقَدْ رَاَهُ نَزْلَةً أُخْرَى)

زهیر بن حرب نے ہم سے حدیث بیان کی اس نے اسماعیل بن ابراہیم نے ہم سے حدیث بیان کی داؤد سے اس نے شعبی سے اس نے مسروق سے اس نے کہا میں تمہیں لگائے بیٹھا ہوا تھا عائشہ کے پاس اس نے کہا اے ابو عائشہ رضی اللہ عنہا مسروق کی کنیت ہے ؛ میں بائیں ایسی ہیں کہ ان میں سے کسی ایک کے متعلق بھی کوئی بات کرے تو اس نے اللہ پر بہت بڑا جھوٹ گھڑا ہے میں نے کہا وہ کیا ہیں اس نے کہا جو یہ کہے کہ محمد نے خدا کو دیکھا تو اس نے اللہ پر جھوٹ بولا ہے ۔ اس نے کہا میں

تکبیر چھوڑ کر بیٹھ گیا اور میں نے کہا اے ام المؤمنین مجھے سمجھائے جلدی نہ کیجئے کیا اللہ نے نہیں فرمایا اس نے یقیناً اسے دیکھا افتح بین میں اور اس نے اسے دیکھا دوسری اتار میں . عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا میں امت میں پہلی ہوں جس نے اس کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا آپ نے فرمایا وہ جبرائیل تھا میں نے اسے اس کی اصلی صورت پر جس پر کہ خدا نے اسے پیدا کیا سوائے ان دو مرتبہ کے کبھی نہیں دیکھا میں نے اسے آسمان سے اترتے دیکھا بھرے ہوئے تھی اس کی عظیم آسمان اور زمین کے درمیان اس نے کہا کیا تو نے نہیں سنا اللہ تعالیٰ کا قول . اسے آنکھیں نہیں پاسکتیں اور وہ آنکھوں کو پالیتا ہے وہ لطیف اور خیر ہے . اور کیا نہیں سنا اللہ تعالیٰ کہتا ہے کسی بشر میں یہ مجال نہیں ہے کہ اللہ اس سے براہ راست بات کرے مگر بذریعہ وحی یا پردے کے پیچھے سے یا پیغام بر بھیجے اور وہ اسے وحی کرے اللہ کے حکم کی جو وہ چاہتا ہے .

۲ . جو کہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کتاب اللہ کا کچھ حصہ چھپا لیا تو اس نے اللہ پر بڑا جھوٹ باندھا اللہ تو کہتا ہے اے نبی یہی جو تجھ پر اُترتا ہے رب کی طرف سے اور اگر تو نے ایسا نہ کیا تو تو نے تکمیل رسالت نہ کی . اس نے کہا جو یہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کی خبر دیتا ہے جو کل واقع ہوگا تو اس نے بھی اللہ پر بڑا جھوٹ گھڑا . اور اللہ تو کہتا ہے . کہہ دے نہیں جانتا جو زمین اور آسمانوں میں غیب کو مگر ہاں اللہ جانتا ہے .

بحث کا خلاصہ :-

غرض حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا واقعہ معراج اور روایت باری میں اپنی رائے کا اظہار محض سماع پر نہیں تھا .

(۱۵)

پندرہواں قرینہ

نمائے کہ تدریج فرضیت سے حضرت عائشہؓ کے واقفیت

حدیثنا مسدد قال حدثنا یزید بن زریع قال حدثنا معمر بن الزہری عن عروۃ
عن عائشہؓ قالت فرضت الصلوۃ رکعتین ثم ما حبر النبی صلی اللہ علیہ
وسلم ففرضت اربعاً ترکت صلوۃ السفر علی الاولی .

(بخاری باب المہجرۃ جلد اول ص ۵۶)

مالک عن صالح بن کیسان عن عروۃ بن الزبیر عن عائشہؓ زوج
النبی صلی اللہ علیہ وسلم قالت فرضت الصلوۃ رکعتین رکعتین فی
الحضر والسفر فاقرت صلوۃ السفر ویزید فی صلوۃ الحضر .
(موطا امام مالک ص ۵۵ قصر الصلوۃ فی السفر . ومسلم)

عن یونس عن ابن شہاب عن عروۃ بن الزبیر عن عائشہؓ
زوج النبی صلی اللہ علیہ وسلم قالت فرض اللہ الصلوۃ حین فرضها
رکعتین ثم اتمها فی الحضر فاقرت صلوۃ السفر علی الفریضۃ الاولی .
(مسلم جلد اول . صلوۃ المسافرین وقصرها)

مسدد نے ہم سے حدیث بیان کی اس نے کہا یزید بن زریع نے ہم سے حدیث بیان کی اس
نے کہا معمر نے ہم سے حدیث بیان کی زہری سے اس نے عروہ سے اس نے عائشہؓ سے

اس نے کہا نماز شروع میں دو رکعت نماز فرض کی گئی پھر نبی صلعم نے ہجرت کی تو چار رکعت فرض کی گئی اور سفر کی نماز دو ہی رہنے دی گئی ۔

۲۔ مالک نے صالح بن کیسان سے اس نے عروہ بن زبیر سے اس نے عائشہ رضہ زوجہ نبی صلعم سے اس نے کہا نماز فرض کی گئی دو ۔ دو رکعتیں حضر میں اور سفر میں ۔ تو سفر کی نماز اسی طرح رہی اور حضر کی نماز میں زیادہ کر دی گئی ۔

۳۔ یونس سے اس نے ابن شہاب سے اس نے عروہ بن زبیر سے اس نے عائشہ رضہ زوجہ نبی صلعم سے اس نے کہا اللہ تعالیٰ انجب نماز فرض کی تو دو رکعتیں فرض کی پھر حضر میں پوری کر دی گئی اور سفر میں وہی پہلی ہی رہنے دی گئی ۔

نماز کی فرضیت کی ابتدائی کیفیت ہمیں حضرت عائشہ رضہ کی مذکورہ بالا حدیث ہی سے معلوم ہوئی ہے ۔ در نہ کسی اور صحابی سے اس باب میں کوئی روایت منقول نہیں ہے ۔ ہجرت سے پہلے تمام فرض نمازیں سوائے مغرب کی نماز کے دو دو پڑھی جاتی تھیں ۔ ہجرت کے بعد ظہر ، عصر اور عشاء کی نماز میں دو دو رکعات کا اضافہ حالت حضر میں کیا گیا ۔ اور سفر میں وہ سہولت علی حالہ باقی رہی ۔

اس روایت سے صاف ظاہر رہتا ہے کہ حضرت عائشہ رضہ ابتداء اسلام ہی سے نماز کی کیفیت سے واقف ہیں ۔ کہ جب ابتدائے اسلام میں خدا نے نماز فرض فرمائی تھی تو دو ہی رکعت فرض فرمائی تھی ۔ اور ہجرت تک یہی صورت رہی ۔

گویا ہجرت اور اس کے قبل و بعد کے جزئی اور کلی اجمالی اور تفصیلی واقعات حضرت عائشہ رضہ کے ذہن میں واضح طریقہ پر ثبت ہیں ۔ اور جب بھی کوئی بیان دیتی ہیں پُر وثوق اور جاندار انداز میں دیتی ہیں ۔ اور ان کے بیانات سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ بیان عینی شاہد کے بیان ہیں اور ان لوگوں کے بیانات سے ممتاز ہیں جو ایک دوسرے سے سن سنا کر بیان کرتے ہیں ۔

کیوں نہ ہو وہ بعثت کے شروع سے پختہ ذہن رکھتی تھیں اور ان کا مشاہدہ واقعات وسعت و گیرائی بھی رکھتا ہے اور علم اور گہرائی بھی

اسلام کی ابتدائی زندگی اور کئے کے متغیر حالات کے متعلق اگر کچھ ہماری معلومات ہیں تو وہ حضرت عائشہ رضہ کے بیانات سے ماخوذ ہیں ۔

قصر صلوٰۃ میں ائمہ کا اختلاف | قصر نماز کا مسئلہ ائمہ کے درمیان اس حیثیت سے مختلف فیہ ہے

ہے کہ یہ قصر ضروری ہے یا اختیاری۔ یعنی ایک مسافر اگر سفر میں پوری نماز پڑھے اور قصر کی سہولت سے فائدہ نہ اٹھائے تو وہ اس کا شرعاً مجاز ہے یا نہیں؟
اس سلسلہ کی ضروری معلومات مختصراً درج ذیل کی جاتی ہیں:-

۱۔ حدیثنا عبدالمہ بن محمد قال حدثنا سفیان عن الزہری عن عروۃ عن عائشۃ رضی اللہ عنہا قالت الصلوۃ اول ما فرضت رکعتان فاقرت صلوۃ السفر واثنت صلوۃ الحضر۔ قال الزہری فقلت لعروۃ فما بال عائشۃ تتم قال تاملت کما تامل عثمان۔

(بخاری ج ۱ ص ۱۰۸ کتاب الصلوۃ۔ باب یقصر اذا خرج فی موضعہ ص ۱۲۸)

۲۔ حدیثنا علی بن خشرم قال اما ابن عیینہ عن الزہری عن عروۃ عن عائشۃ رضی اللہ عنہا ان الصلوۃ اول ما فرضت رکعتین فاقرت الصلوۃ السفر واثنت صلوۃ الحضر۔ قال الزہری فقلت لعروۃ ما بال عائشۃ تتم فی السفر قال انها تاملت کما تامل عثمان۔

(مسلم کتاب صلوۃ المسافرین وقصرها)

۱۔ عبداللہ بن محمد نے ہم سے حدیث بیان کی اس نے کہا سفیان نے ہم سے حدیث بیان کی زہری سے اس نے عروہ سے اس نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے اس نے کہا نماز شروع میں جب فرض کی گئی تو دو رکعات فرض کی گئی تو سفر کی نماز وہی دو رکعت رہی اور حضر کی نماز پوری کر دی گئی، زہری نے کہا میں نے عروہ سے کہا عائشہ رضی اللہ عنہا کو کیا وجہ پیش آئی کہ وہ سفر میں اتمام کرنے لگیں۔ عروہ نے جواب دیا کہ وہ تاویل کرتی تھیں جیسے عثمان تاویل کرتے تھے۔

۲۔ علی بن خشرم نے ہم سے حدیث بیان کی اس نے کہا ابن عیینہ نے ہمیں خبر دی زہری سے اس نے عروہ سے اس نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے اس نے کہا کہ نماز پہلے دو رکعات فرض کی گئی پس سفر کی نماز وہی رہی اور حضر کی نماز پوری کر دی گئی زہری نے کہا میں نے عروہ سے پوچھا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کیوں اتمام کرتی ہیں اس نے کہا وہ اسی طرح تاویل کرتی ہیں جیسے عثمان نے تاویل کی ہے۔

قصر نماز کے سلسلے میں رواۃ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے متضاد روایات نقل کی ہیں۔

۱۔ نماز اس میں دو رکعت فرض ہوئی تھی۔ جو ہجرت کے بعد سفر میں علیٰ حالہ باقی رہی اور حضر میں اس پر مزید دو رکعت کا اضافہ کر دیا گیا۔

۲۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سفر میں چار رکعتیں پڑھتی تھیں۔ جب زہری نے ان کے بھائی عروہ

سے اس کی وجہ پر بھی تو انہوں نے فرمایا تاوالت کما تاوالت عثمان .
یہ ہر دو روایات صحیحین کی ہیں .

اس کے علاوہ بیہقی اور دارقطنی نے صحیح سند کے ساتھ مندرجہ ذیل روایت بیان کی

جے :-

۳ - عن هشام بن عروة عن أبيه عن عائشة رضى الله عنها كانت تصلي في
السفر اربعاً فقلت لها لو صليت ركعتين فقالت يا ابن اختي
انه لا يشق على

(فتح الملہم جلد ۲ ص ۲۳۸)

۴ - قال الحافظ ابن قيم واما حديث عائشة رضى الله عنها ان النبي صلى الله عليه وسلم
كان يقصر في السفر ويتم ويفطر ويصوم فلا يصح وسمعت
شيخ الاسلام ابن تيمية يقول هو كذب على رسول الله انتهى
وقدر دی :-

كان يقصر ويتم ويفطر وتصوم . اے تاخذهی بالعزيمة في
الموضعين . قال شيخنا ابن تيمية وهذا باطل . ما كانت امر المؤمنين
تخالف رسول الله صلى الله عليه وسلم وجميع اصحابه فتصلي خلاف
صلواتهم . كيف والصحيح عنها ان الله فرض ركعتين ركعتين
فلما هاجر رسول الله صلى الله عليه وسلم الى المدينة نريد في صلاة
المحضر واقربت صلاة السفر . فكيف يظن بهامع ذلك ان تصلي
بخلاف صلاة النبي والمسلمين معه .

(فتح الملہم ص ۲۳۸)

واما ما روى الشافى والبيهقى وغيره عن عائشة رضى الله عنها اعتمدت
مع النبي صلى الله عليه وسلم من المدينة الى مكة حتى اذا قدمت
مكة قالت يا رسول الله صلى الله عليه وسلم يا بني انت واهي قصرت
واتممت وصمت وافطرت قال احسنت يا عائشة رضى الله عنها فقد تقدم
توجيه في مبحث تقريره صلى الله عليه وسلم وسكوته من
مقدمة هذا الشرح فليراجع وقال الشوكا في اعتراض عليه الحافظ
ابو عبد الله محمد بن عبد الله الواحد المقدسي في كلام له على هذا

الحديث فقال وهم في هذا في غير موضع وذكر احاديث في الرد عليه
وقال ابن حزم هذا حديث لا خير فيه وطعن فيه وورد عليه ابن
النجوى وفي اسناد العلاء ابن الزهير والعلاء بن الزهير
قال ابن حبان كان يردى عن الثقات ما لا يشبه حديث الاثبات
في بطل الاحتجاج به فيما لم يوافق الاثبات وقال ابن القيم
سمعت شيخ الاسلام ابن تيمية يقول هذا الحديث كذب على
عائشة رضي الله عنها ولم تكن عائشة رضي الله عنها تصلي بخلاف صلوة رسول الله
صلى الله عليه وسلم وسائر الصحابة وهي تشهد بهم يقصرون
ثم تتم وحدها بلا موجب كيف وهي القائلة فرضت
الصلوة ركعتين فزيد في صلوة الحضر واقرت صلوة
السفر فكيف يظن انها تزيد على ما فرض الله وتخالف
رسول الله صلى الله عليه وسلم واصحابه . قال الزهري العروة
لما حدثته عن ابيه عنها بذلك فما شأنها كانت تتم الصلوة
فقال تاويلت كما تاويل عثمان . فاذا كان النبي قد حسن فعلها
واقترها عليه فما للتاويل حينئذ وجه . ولا يصح ان يضاف
اتمامها الى التاويل على هذا التقدير . وقد اخبر ابن عمر
ان رسول الله صلى الله عليه وسلم يكن يزيد في السفر ولا البوكير ولا عمر ولا
عثمان رضي الله عنهم . فيظن لعائشة رضي الله عنها امر المؤمنين
مخالفتهم وهي تراهم يقصرون واما بعد موته صلى الله
عليه وسلم فانها اتمت كما اتم عثمان وكلاهما تاويل
تاويلا والحجة في روايتهم لا في تاويل الواحد منهم مع مخالفة
غيره له . والله اعلم .

(فتح الملهم جلد ۲ ص ۲۴۹)

۳۰۔ ہشام بن عروہ نے اپنے باپ سے اس نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے کہ وہ شہر میں چار رکعت
پڑھتی تھیں میں نے کہا کاش وہ دو رکعت پڑھیں انہوں نے جواب دیا اے بھائی
یہ مجھ پر بوجھ نہیں ہے ۔

۴۔ حافظ ابن قیم نے کہا کہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سفر میں قصر کرتے تھے اور

اتمام بھی کرتے تھے۔ اور روزہ چھوڑ بھی دیتے تھے اور رکھ بھی لیتے تھے۔ یہ حدیث صحیح نہیں ہے میں نے شیخ الاسلام ابن تیمیہ کو کہتے سنا ہے یہ جھوٹ ہے رسول اللہ ص پر انتہی۔

اور روایت کی گئی کہ نبی صلعم قصر کرتے تھے اور عائشہ رضہ اتمام کرتی تھی اور آپ افطار کرتے تھے اور وہ روزہ رکھتی تھی یعنی وہ عزیمت پر عمل کرتی تھی ہمارے شیخ ابن تیمیہ نے کہا یہ باطل ہے ہرگز ام المومنین رسول اللہ صلعم کی مخالفت اور آپ کے تمام صحابہ کی مخالفت کر کے ان کی نمازوں کے خلاف نماز نہیں پڑھتی تھی اور یہ کیسے ہو سکتا ہے آپ سے صحیح روایت ہے نماز اللہ نے فرض کی دو دو رکعات جب رسول اللہ سلم نے ہجرت کی مدینے کی طرف تو حضر کی نماز بڑھادی گئی اور سفر کی نماز وہی رہی اس کے باوجود یہ کیسے گمان کیا جاسکتا ہے کہ عائشہ رضہ نماز ادا کرتیں حضور کی نماز کے خلاف اور آپ کے صحابہ کی نماز کے خلاف۔

اور لیکن جو لسانی اور بیہقی وغیرہ نے عائشہ رضہ سے روایت کی ہے کہ عمرہ کیا نبی صلعم کے ساتھ مدینے سے مکے کی طرف اور کہا میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں میں نے قصر کیا اور اتمام کیا افطار کیا روزہ رکھا آپ نے فرمایا تو نے اچھا کیا اے عائشہ رضہ۔ اس کی توجیہ پہلے گزر چکی آپ کی تقریر اور سکوت کی بحث میں صلعم اس شرح کے مقدمہ میں دیا دیکھ لو۔ شوکانی نے کہا اس پر اعتراض کیا ہے حافظ ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ واحد مقدسی نے اس حدیث پر کلام کرتے ہوئے اس نے کہا مصنف کو اس میں وہم ہو گیا ہے یہ وہم کی جگہ نہ تھی اور اس کے رد میں بہت سی احادیث ذکر کیں اور ابن حزم نے کہا یہ حدیث ایسی ہے جس میں خبر نہیں ہے اور اس میں طعن کیا ہے۔ اور اس پر ابن النخوی نے رد کیا ہے اور اس کی اسناد میں العلاد بن زہیر ہے اور علاء بن زہیر کے متعلق ابن حبان نے کہا کہ وہ ثقافت سے ایسی روایات بیان کرتا ہے جو مثبت حدیثوں کے مشابہ نہیں ہیں پس اس سے احتجاج باطل ہے ان چیزوں میں جو اثبات کے موافق نہ ہوں۔ ابن قیم نے کہا میں نے شیخ الاسلام ابن تیمیہ کو سنا وہ کہتے تھے کہ یہ حدیث عائشہ رضہ پر جھوٹ ہے اور عائشہ رضہ کبھی بھی نبی صلعم کی نماز کے خلاف اور تمام صحابہ کی نماز کے خلاف نماز نہیں پڑھتی تھی اور وہ مشاہدہ کرتی تھی کہ وہ لوگ قصر کر رہے ہیں اور وہ اکیلی اتمام کرتی تھی بلا وجہ کے کیسے ہو

سکتا ہے وہی تو اس روایت کی راوی ہیں کہ نماز دو رکعت فرض کی گئی حضرت میں زیادہ کر دی گئی اور سفر میں وہی رہی۔ کیسے گمان کیا جاسکتا ہے کہ جو اللہ نے فرض کیا اس میں زیادہ کریں اور رسول اللہ ص کی مخالفت کریں اور آپ کے صحابہ کی مخالفت کریں نہ ہری نے عروہ سے کہا جب اس نے یہ حدیث اس سے بیان کی۔ کیا وجہ ہے کہ عائشہ رضہ تمام کرتی تھی تو عروہ نے جواب دیا وہ تاویل کرتی تھی جیسا کہ عثمان تاویل کرتے تھے۔ جب نبی صلم نے عائشہ رضہ کے نقل کو اچھا کہا اور وہ ایسا کرتی رہی تو اب تاویل کی ضرورت ہی نہیں۔ اور یہ صحیح نہیں ہے کہ عائشہ رضہ کے تمام کو تاویل سے وابستہ کیا جائے اس صورت میں ابن عمر نے خبر سنائی کہ رسول اللہ صلم سفر میں زیادہ نہیں کرتے تھے اور نہ ابو بکر رضہ اور نہ عمر رضہ اور نہ عثمان رضہ۔ کیا گمان کیا جاسکتا ہے عائشہ رضہ ام المؤمنین کے متعلق کہ وہ نبی صلم کی اور اجل صحابہ کی مخالفت کرتی تھی اور خود دیکھتی تھی کہ وہ قصر کر رہے تھے لیکن نبی صلم کی وفات کے بعد عائشہ رضہ نے تمام کیا جیسے عثمان نے تمام کیا اور ان دونوں نے تاویل کی اور حجت ان کی روایت میں ہے ان میں سے کسی کی تاویل حجت نہیں ہے جبکہ دوسرے اس کے خلاف کہہ رہے ہوں۔

۱۔ حضرت عائشہ رضہ قصر صلوٰۃ کی راوی ہیں۔ اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے۔ یہ روایت تمام کتب حدیث میں مذکور ہے۔

۲۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حیات طیبہ میں سفر میں ہمیشہ قصر فرمایا۔

۳۔ حضرت عائشہ رضہ سے ان کی اپنی روایت قصر کے خلاف ایک اور روایت یہ تھی اور دارقطنی نے صحیح سند کے ساتھ نقل کی ہے: ان النبی کان یقصر فی السفر ویتم ویفطر ویصوم۔ اس روایت کے متعلق محقق علماء کی یہ رائے ہے کہ یہ روایت ہشام کذب ہے۔ علامہ ابن تیمیہ فرماتے ہیں کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر بہتان ہے۔ بعض رواۃ نے مندرجہ بالا روایت یوں نقل کی ہے: کان یقصر ویتم ویفطر ویصوم۔

علامہ ابن تیمیہ نے اس کے متعلق بھی فرمایا: هذا باطل۔ یہ بھی غلط ہے۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ حضرت عائشہ رضہ آپ ص کی معیت میں آپ کے اور تمام صحابہ کے عمل کے خلاف کریں۔

۴۔ نسائی اور بیہقی نے مذکورہ بالا روایت کی تائید میں حضرت عائشہ رضہ سے ایک

اور روایت کتاب المناہک میں بیان کی ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی معیت میں مدینے سے مکہ کے لئے گئیں۔ جب مکہ پہنچیں تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا: **بَابُ اَنْتَا هُوَ اَقْصَوْتُ وَ اَتَمَمْتُ صَمْتَ وَ افْطَرْتُ فَقَالَ احْسَنْتِ** یا عائشہ۔ اس روایت پر بھی علماء نے جرح کی ہے۔ شوکانی نے بیان کیا ہے کہ حافظ ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ الواحد نے اس روایت کو مفصل بحث کے بعد رد کر دیا اور اس روایت کے خلاف روایات بیان کرنے کے بعد کہا وہم فی هذا۔ ابن حزم نے اس روایت کو مطعون قرار دیا اور فرمایا **هَذَا حَدِيثٌ لَا خَيْرَ فِيهِ** ابن نجی نے بحث کے بعد اس روایت کو رد کر دیا۔ کیونکہ اس کی سند میں **العلاء بن الزبیر** ہیں جن کے متعلق مشہور ناقد حدیث ابن حبان فرماتے ہیں کہ: **كَانَ يَرُدُّ عَنِ الثَّقَاتِ مَا لَا يَشْبَهُ حَدِيثَ الْأَشْبَاتِ**۔ علامہ ابن قیم فرماتے ہیں میں نے شیخ الاسلام ابن تیمیہ سے سنا **هَذَا الْحَدِيثُ كَذَبٌ عَلَى عَائِشَةَ**۔ بنی کریم کی زندگی میں آپ کا اور آپ کے صحابہ کا معمول سفر میں قصر تھا۔

۵۔ سفر میں قصر ضروری ہے یا اختیاری۔ اس میں ائمہ کا اختلاف ہے۔ اور یہ اختلاف آیت قصر کے لفظ **لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَقْصُرُوا مِنَ الصَّلَاةِ** سے پیدا ہوا ہے۔ جن فقہاء نے اسے رنج حرج پر معمول کیا انہوں نے کہا کہ یہ رخصت اور سہولت ہے۔ اور اصل اتمام ہی ہے۔ ان لوگوں نے اپنے اس خیال کو آثار صحابہ سے مؤید قرار دیا ہے۔ اس گروہ میں سرفہرست حضرت عثمان کا عمل ہے۔ وہ حج کے موقعہ پر منیٰ میں قصر نہیں فرماتے تھے۔ بلکہ اتمام فرماتے تھے۔ اس کی تائید میں زہری نے عروہ کے ذریعہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا یہ عمل بھی نقل کیا ہے کہ وہ اپنی روایت کے خلاف سفر میں اتمام کیا کرتی تھیں۔ زہری کی یہ روایت اتمام عائشہ رضی اللہ عنہا تمام کتب حدیث میں مذکور ہے۔ زہری نے عروہ سے دریافت کیا مابال عائشہ **تَمَرُ فِي السَّفَرِ قَالَتْ لَا كَانَتْ تَأْوِلُتُ كَمَا تَأْوِلُ عَثْمَانُ**۔ یہ صرف زہری کا بیان ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سفر میں اتمام فرماتی تھیں۔ اور زہری نے اس کے متعلق عروہ سے دریافت کیا تو عروہ نے یہ جواب دیا کہ وہ اپنی صریح روایت کے خلاف تاویل یا یہ عمل کرتی تھیں۔ جیسا کہ عثمان بتا دیا حدیث قصر کے خلاف عمل کرتے تھے۔

جن روایات میں صراحۃً آیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں بھی اتمام فرمائی تھیں ان کے متعلق ہم ائمہ فن کی آراء نقل کر چکے ہیں کہ یہ کذب اور وہم ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد زہری کے اس بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی تھیں۔ زہری کے علاوہ کوئی اور راوی اتمام عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت بیان نہیں کرتا۔ مگر زہری نے نہیں بتایا کہ یہ اتمام عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت انہوں نے کس سے سنی۔ عروہ سے محض یہ دریافت کیا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کیوں اپنی روایت کے خلاف اتمام فرماتی تھیں جس کے جواب میں عروہ نے صرف اتنا کہا کہ تاؤلت کما تاؤل عثمان۔ اب یہ بات کہ وہ تاویل کیا تھی اس کے بارے میں زہری اور عروہ دونوں خاموش ہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل کے خلاف اپنے عمل کو کونسی تاویل سے جائز قرار دیتی تھیں۔ انہیں ایسی کونسی مجبوری پیش آئی تھی کہ عمل رسول کی صریح خلاف ورزی کریں۔ زہری کے سوال کے جواب میں صرف تاؤلت کے لفظ سے عروہ کا جواب مکمل نہیں ہو جاتا۔ معلوم نہیں اس محل اور ناما کافی جواب سے زہری کا اطمینان کیسے ہو گیا۔

اتمام کا قول زہری کا ہے۔ معلوم نہیں زہری نے یہ کس سے سنا۔ عروہ نے تو صرف تاؤلت کہا تھا۔ اس سے زہری کے قول کی تائید تو ضرور ہوتی ہے لیکن اس سے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ اتمام کی روایت زہری کے راوی عروہ ہیں، اور زہری نے اتمام کی روایت ان سے سنی ہے۔ پھر ”کما تاؤل عثمان“ خود محل ہے۔ اول تو حضرت عثمان کے متعلق سفر میں اتمام کی روایت مروج مجرد اور ضعیف ہے۔ پھر ان کے تاؤل کی حقیقت اتنی تو معلوم ہو گئی کہ انہوں نے مکہ میں تاقصل اختیار کر لیا تھا۔ لیکن حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے تاؤل کی حقیقت تو کچھ بھی معلوم نہیں ہو سکی۔ اور حضرت عثمان کی تاویل تاقصل میں کوئی چیز ایسی نہیں ہے جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے تاؤل کی نظیر بن سکے۔

بیہقی وغیرہ کی وہ روایت ہشام جس میں یہ ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سفر میں چار رکعتیں پڑھتی تھیں جب عروہ نے ان سے کہا آپ دو پڑھیں تو بہتر ہے تو انہوں نے فرمایا اے بھانجے یہ عمل مجھ پر شاق نہیں ہے اس لئے دو کی بجائے چار پڑھ لیتی ہوں۔ اس روایت میں چار پڑھ لینے کی جو وجہ بتلائی گئی ہے وہ زہری کے جواب تاؤلت سے زیادہ بہتر ہے۔

لیکن جب مشقت قصر کا سبب نہیں ہے تو پھر عدم مشقت اتمام

کی وجہ کیوں بنے۔ یہ وجوہات جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں پیش کیں تو پھر کسی اور کو پیش کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے چونکہ سفر میں قصر فرمایا ہے اس لئے صحابہ نے اتباع کیا۔ خود حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حیات طیبہ میں قصر فرماتی تھیں۔ حالانکہ اس وقت بھی کالیشت علی کا تحقیق تھا۔ پھر کیا وجہ ہے کہ اخیر عمر میں جب سفر بجائے خود مشقت ہوتا ہے آپ ص نے اتمام شروع کیا۔ اصل بات یہ ہے کہ یہ روایت ہشام کے زرخیز دماغ کی پیداوار ہے یا پھر انہوں نے کسی اور غیر معتمد راوی سے لیکر اسے اپنے والد کی طرف منسوب کر دیا ہے۔

طحاوی اور بیہقی نے ایک روایت صالح بن کیسان عن عروہ بیان کی ہے۔ اس میں یہ ہے کہ صالح نے یہ روایت عمر بن عبدالعزیز کو سنائی۔ عمر بن عبدالعزیز نے صالح سے کہا کہ عروہ مجھ سے کہتے تھے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اتمام فرماتی تھیں۔ میں نے وجہ پوچھی تو عروہ نے کہا تا وقت کما تادل عثمان۔ پھر عمر نے یہ بات عروہ سے صالح کے سامنے تصدیق کرائی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اصل میں یہ روایت صالح بن کیسان کی ہے۔ صالح سے زہری نے لی اور درمیان سے صالح اور عمر بن عبدالعزیز کو نکال دیا۔

بہر حال زہری نے یہ روایت عروہ سے نہیں سنی۔ کسی اور سے سنی اور اس کو درمیان سے نکال کر خود عروہ سے اسے بیان کرنا مشروع کر دیا۔

علاوہ ازیں ان روایات بیہقی اور طحاوی کی سند میں ضعف ہیں۔ اس لئے یہ روایات صحاح ستہ کی روایات کے مقابلہ میں قابل استناد نہیں ہیں۔

اسی طرح ہشام کی روایت اتمام کو بھی صحاح میں سے کسی نے قبول نہیں کیا۔ اور اسی سے اس کا ضعف ظاہر ہے۔

غرض حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے متعلق یہ بیان کہ وہ اپنی روایت قصر کے خلاف اتمام فرماتی تھیں ہرگز قابل قبول نہیں ہے خواہ اس کے راوی زہری ہوں یا ہشام یا کوئی اور سب قابل رد ہیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے قصر کی روایت منقول ہے۔ اور وہ اپنی اس روایت پر خود عامل تھیں اس کے خلاف جو کچھ بیان کیا جاتا ہے وہ وہم اور باطل ہے۔

جب علماء نے صرف اس بناء پر صریح روایات اتمام عائشہ رضی اللہ عنہا کو رد کر دیا

کہ حضرت عائشہ رضی اپنی روایت قصر کے خلاف ، بنی صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل کے خلاف اور صحابہ رضی کے عمل کے خلاف کیسے عمل کرتیں ان روایات کو حضرت عائشہ رضی کی طرف نسبت کذب قرار دیا تو کوئی وجہ نہیں ہے کہ ہم زہری کے قول اتمام عائشہ رضی کو کیوں نہ کذب علی عائشہ رضی قرار دیں ؟

زہری سے پہلے اس قول کا کوئی راوی نہیں ۔ عروہ سے اس کی بالواسطہ تائید تاولت کے محل اور مبہم لفظ سے ہمارے لئے ہرگز قابل قبول نہیں ۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ جب عروہ سے زہری کا نہ لقا ہے نہ سماع ہے تو زہری نے عروہ سے کیسے پوچھا اور کہاں پوچھا ؟

اس جواب کا اجمال اور اہمال ہی ظاہر کر رہا ہے کہ یہ جملہ اختراع زہری ہے ۔ یا پھر زہری نے حسب دستور یہ قول ہشام بن عروہ سے سنا اور درمیان سے ہشام کو نکال کر براہ راست خود عروہ سے بیان کرنا شروع کر دیا ۔

اس باب میں ہشام کی موصول روایت اپنے باپ سے بیہقی وغیرہ نے بیان کی ہے ۔ جس پر پہلے تفصیل کے ساتھ بحث ہو چکی ہے ۔ اسی روایت ہشام کو زہری نے بالمعنی کو صورت میں مرسل عروہ کے رنگ میں براہ راست عروہ سے بیان کیا ۔

یہ بات اپنی جگہ ثابت ہے کہ ہشام ہر رطب و یابس خواہ وہ کسی طرف سے انہیں پہنچا ہو اپنے باپ کی طرف منسوب کر کے بیان کرتے تھے ۔ اور انہی بے سرو یا روایات میں سے ایک یہ بھی ہے ۔ اور اس کی حیثیت قول ہشام اور مرثدہ زہری سے زیادہ کچھ نہیں ہے ۔ اس کی نسبت عروہ کی طرف تلبیہ ہے وہ اس روایت کے راوی ہرگز نہیں ہیں ۔ اور نہ ہی انہیں اسکی خبر ہے ۔

جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بقول اہل تحقیق بنی صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں قصر کرتی رہیں اور بنی صلی اللہ علیہ وسلم کو اور تمام صحابہ رضی کو قصر کرنے دیکھتی رہیں تو بنی ۲ کی وفات کے بعد زندگی کے آخری دور میں انہیں کوئی ضرورت ایسی پیش نہیں آگئی تھی جس کی بنا پر وہ قصر کو ترک کر کے اتمام شروع کر دیتیں ۔ کیا ان کے پیش نظر لَقَدْ كَانَتْ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ

نہیں تھا ۔ ضرور تھا ۔ اور حضرت عائشہ رضی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع کا کامل جذبہ رکھتی تھیں ۔ محض زہری کے بیان پر ہم یہ کیسے تسلیم کر لیں کہ حضرت

عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت کے خلاف اپنی عادیہ مستمرہ کے خلاف اور اتباع رسول کے کامل جذبے کے خلاف آخر عمر میں اتمام شروع کر دیا تھا۔ ہمارے لئے سب سے بڑی مشکل یہ ہے کہ اس قسم کے غیر واقعی اقوال صحیحین میں آنے کی وجہ سے حد درجہ مستند خیال کئے جانے لگے۔ اور تنقید کے ضابطوں سے بالاتر ہو گئے۔ ان پر تنقید سے یہ خیال کیا جانے لگا ہے کہ ”ہائیں! کیا غضب ہو گیا بخاری اور مسلم پر تنقید ہو رہی ہے!“

یہ صورت حال کیسی افسوسناک ہے۔ آخر محدثین نے خبر کو قبول کرنے کے جو اصول اور ضابطے بنائے ہیں وہ روایات کو جانچنے اور پرکھنے کے لئے ہی تو بنائے ہیں۔ اس لئے ہم ان اصول اور ضوابط سے روایات کو پرکھیں گے جو ان اصولوں پر پوری اترے گی اسے قبول کریں گے اور جو ان پر پوری نہیں اترے گی اسے رد کر دیں گے۔

بخاری اور مسلم نے اپنی کتابوں میں سند کا التزام اسی لئے کیا ہے کہ رجال سند کو دیکھا اور پرکھا جاتا رہے۔ پھر رجال کی کتابیں بھی اسی لئے لکھی گئی ہیں کہ ان سے استفادہ کیا جائے۔ رجال روایت کو ان کے احوال و کوائف کی روشنی میں تنقید کی نظر سے دیکھا جائے۔

بخاری اور مسلم وغیرہ محدثین کرام نے اپنی کتابیں مطالعہ حدیث اور اخذ حدیث کا دروازہ کھولنے کے لئے لکھی ہیں۔ نہ کہ بند کرنے کیلئے۔ یہ سب ان کے اخلاص نیت ہی کی برکت ہے کہ ان کے بعد کے شائقین حدیث نے ان ہی کے نقش قدم پر چل کر حدیث کی خدمت ہے۔ اور آئندہ بھی کرتے رہیں گے۔

سولہواں قرینہ

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا تدریج احکام اور اسرار و حکم کی ماہرین

قرآن مجید کی ترتیب تلاوت ترتیب نزول سے مختلف ہے۔ لیکن ترتیب نزول مقتضائے حال کے موافق ہے۔ مکی زندگی میں اصلاح عقائد، تطہیر فکر، توحید و رسالت پر زیادہ توجہ دی گئی ہے۔ عبادت اوثان، رسوم آباء اور اندھی تقلید سے سختی سے روکا گیا ہے۔ مکی سورتوں کے چھوٹے چھوٹے جملے اور مقفی عبارت ہے۔ ان میں جذبات سے اپیل کی گئی ہے۔ فصاحت و بلاغت کے واقعات سے عبرت، توحید، ذکر اللہ، ذکر قیامت، آیات حشر نشر، مبادی و معاد کی تعلیم، مکی زندگی میں زیادہ تر اخلاقی تعلیم پر زور دیا۔ اعمال و عبادات کا اجتماعی نظام کم ہے۔ دعوت، تبلیغ حکمت و موعظت ہی ہے۔

مدنی سورتوں میں احکام و قوانین نازل کئے گئے۔ قانون و احکام کی زبان استعمال کی گئی ہے۔ نصیحت و تبلیغ کی زبان کم استعمال کی گئی ہے۔ اعمال و عبادات کا اجتماعی نظام دیا گیا ہے اس پر سختی سے عمل کرانے کی تاکید ہے۔ یہود و نصاریٰ کے اعتراضات کے جوابات ہیں۔ جہاد و قتال کے احکام ہیں۔ احکام الہی کی خلاف ورزی کرنے والوں کیلئے حدود ہیں۔ غرض اس سارے نظام میں ایک تدریج ہے۔ لوگوں کو آہستہ آہستہ احکام کا عادی بنایا گیا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: ۱۔ انما نزل اول ما نزل منه سور من المفصلات فیہا ذکر الجنة والنار حتی اذا قاب الناس الى الاسلام

ثم نزل الحرام والحلال . ولو نزل اول شئ عالا تشربوا الخمر فقالوا
لا تدع الخمر ابدا .

ولو نزل لا تزنا فقالوا لا تدع الزنا ابدا .

لقد نزل بمكة (وانا جارية العب) بل الساعة مؤعدهم
والساعة اذ هي وامرؤ . وما نزلت سورة البقرة والنساء الا وانا عنده
(باب تالیف القرآن . بخاری)

پہلے پہلے مفسلات کی سورتیں نازل ہوئیں جن میں جنت اور دوزخ کا ذکر تھا یہاں تک
کہ لوگ اسلام کی طرف آ گئے .

پھر نازل ہوئے حرام و حلال اگر پہلے ہی نازل ہوتا شراب نہ پیو تو وہ کہتے ہم تو کبھی
بھی شراب نہیں چھوڑیں گے .

اور اگر نازل ہوتا زنا تو کہتے ہم تو کبھی بھی زنا نہیں چھوڑیں گے .

اور یقیناً مکے میں انہی یہ آیت اور میں بھی کھیلنے والی . بل الساعة الخ اور
سورہ بقرہ اور سورہ نساء تمام کی تمام میری موجودگی میں نازل ہوئی .

مدینے میں اسلام کی مقبولیت کا سبب بیان کرتے ہوئے فرماتی ہیں :
كان يوم بعثت يوماً قدمه الله لرسوله صلى الله عليه
وسلم فقدم رسول الله قد اترف ملثهم وقتلت سرواتهم
وخرجوا فقدمه الله لرسوله في دخولهم الاسلام .

(بخاری باب القسامة في اهليه)

یوم بعثت وہ دن تھا جس کو اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ کے لئے ذریعہ بنا دیا
یہ آپ کے مدینے آنے سے پہلے واقع ہوا تھا اس میں ہزار دن آدمی کام آ
چکے تھے اور گروہ گروہ قتل ہو چکے تھے یہ ان کے اسلام میں داخل ہونے کا
سبب بن گیا .

جمعہ کے دن غسل کی اہمیت کی وجہ بیان فرماتی ہیں .

كان الناس ينتابون الجمعة من مناثر لهم والحوالي فياتون
في الغبار والعرق فخرج منهم العرق فاقى رسول الله صلى الله عليه
وسلم انسان منهم وهو عندي فقال النبي صلى الله عليه وسلم لو
تطهرتم ليو مكم هذا . بخاری باب الغسل

لوگ جہد میں آتے تھے اپنے گھروں سے اور گرمیوں سے تو غبار میں آتے تھے
 اور پیسنے میں اور پسینا نکلتا رہتا تھا پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس انسان سے ایک
 آدمی آیا اور آپ میرے پاس تھے پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کاشش تم آج کے دن
 بہادری کر آتے ۔



ہمارا تحقیقی موقف

روایت ہشام میں سہو کا تلب سے

سقوط عشرہ

یا

سقوط عشرین

ہمارا تحقیقی موقف

روایتِ ہشام میں سہو کتابت

خطا غفلت اور نسیان انسان کی سرشت میں داخل
ہیں

سہو کتابت کی پہلی مثال :-

۱۔ جبیر بن مطعم کے باب میں مولانا شبلی وغیرہ کے غفلت

ہم اپنی تاریخی اور دوسری کتابوں میں سہو کتابت اور غلط طباعت کا روزانہ مشاہدہ کرتے ہیں۔ اور یہ ایک ایسی کمزوری ہے جس سے کوئی فرد بشر مستثنیٰ ہونے کا دعویٰ نہیں کر سکتا۔ یہاں تک کہ خود اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ کتاب قرآن مجید بھی جو لوح محفوظ اور لوح انسان میں قیامت تک محفوظ رہے گا وہ بھی جب کاتب کے ہاتھ اور ناشر کے مطبع سے نکلتا ہے تو کتابت اور طباعت کی غلطیوں سے محفوظ نہیں ہوتا۔

پھر دوسری کتابوں کا تذکرہ ہی کیا ہے کہ ان کے اس درجہ محفوظ اور صحیح ہونے کا دعویٰ کیا جاسکے کہ ان میں نہ کوئی سہو کتابت ہے۔ نہ لغزش طباعت ہے اور نہ ہی کوئی خطا و نسیان مصنف ہے۔ نہ اس کے اوراق میں کبھی دیمک لگ سکے گی۔ نہ اس کے حروف پر کبھی کوئی مکھی بیٹھ سکے گی۔ اور نہ ہی اس کے قلمی مسودات پر کبھی کوئی پانی کی چھینٹ پڑ کر اس کے حروف و نقاط کو محو کر سکے گی وغیرہ من الافات۔

اب ہم آپ کے سامنے سہو کتابت اور لغزش قلم کی چند مثالیں پیش کرتے ہیں۔ کہ آپ آسانی کے ساتھ ”روایتِ ہشام میں سہو کتابت“ کے موقف کو تسلیم کر سکیں۔

آپ کو یاد ہوگا کہ ہم نے اپنی اسی کتاب کے صفحاتِ قریبہ میں اپنے دور کے کئی فاضل

مصنفین کی ایک غفلت کا ذکر کیا ہے۔ یہ اہم غفلت ان مستند تاریخی اور سیر کی کتابوں میں ہے جو دورِ حاضر میں سند سمجھی جاتی ہیں اور جن کے حوالے دئے جاتے ہیں جو لاکھوں کی تعداد میں چھپ کر حدیث کی اصطلاح میں حدِ ثواتر کو پہنچ چکی ہیں۔ ان کتابوں کے ایڈیشن پر ایڈیشن چھپ رہے ہیں مگر کتاب کی یہ غلطی بھی حدِ ثواتر تک تسلیم کی جا رہی ہے کہ

”جبر بن مطعم کے کوئی لڑکا تھا جس سے حضرت [ابو بکر رضی اللہ عنہ نے حضرت عائشہؓ کی نسبت کی تھی]“

اگر ہم محوِ ری ویر کے لئے یہ فرض کر لیں کہ خدا نہ کر وہ قدیم اصلی ماخذ سب کے سب ضائع ہو جائیں تو کیا ان جدید نقلی ماخذ ہی پر بھروسہ کرتے ہوئے مستقبل کا ہر مورخ یقین واثق کے ساتھ اس کذبِ واثق و مستند کو حقیقت و واقعہ بنا کر لکھنا نہیں چلا جائے گا کہ حضرت عائشہؓ کی نسبت جبر بن مطعم کے بجائے اس کے بیٹے سے کی گئی تھی !

ہو سکتا ہے کہ اب بھی شبلی اور سید سلیمان ندوی کے عقیدتمند ایسے نکل آئیں جو اصرار کریں کہ شبلی کا لکھا ہوا صحیح ہے اور جو تم کہہ رہے ہو وہ غلط ہے۔ اتنے بڑے محقق نے جو لکھا ہے وہ تحقیق کے بعد ہی لکھا ہوگا۔ پھر جب ان دونوں کی تائید جناب نیاز فتحپوری کے جیسے بیباک نقاد اور مولانا سعید احمد اکبر آبادی جیسے محتاط اور دیانتدار محقق نے کی ہے آج تک ان کی تحریرات پر کسی نے گرفت نہیں کی تو یہ اعتراض غلط ہو سکتا ہے مگر ان کا لکھا کبھی غلط نہیں ہو سکتا۔

یہ بھی عین متوقع ہے کہ اگر ہم قدیم حوالہ جات ان کے سامنے پیش کر دیں پھر بھی وہ یہی کہتے رہیں کہ شبلی جیسے محقق کے مقابلہ میں جن کتابوں کے حوالے دیتے ہو ان میں غلطی ہو سکتی ہے لیکن شبلی کی کتابوں میں غلطی نہیں ہو سکتی۔

جب کسی شخصیت کی عقیدت عقیدے میں شامل ہو جائے تو عام انسانی کمزوری ہے کہ اس شخص کی غلطیاں بھی جزو عقیدہ بن جایا کرتی ہیں اور ان غلطیوں کی ایسی ایسی تاویلات عقیدتمندوں کی طرف سے گھڑ لی جاتی ہیں کہ عقلِ سلیم خود ان کے آگے گھونگھٹ نکال کر بیٹھ جاتی ہے۔

سہو کتابت غرض کتابوں میں ردِ زائد غلطیاں ہوتی رہتی ہیں۔ اور

مصنفین کی زندگی ہی میں ہوتی رہتی ہیں۔ ان میں سے بعض کی اصلاح بھی ہو جاتی ہے۔ کسی کتاب کے دوسرے ایڈیشن میں اغلاط نامہ بھی شامل کر دیا جاتا ہے لیکن اکثر و بیشتر کی فحش اغلاط ایڈیشن در ایڈیشن نقل ہوتی اور حدِ شہرت

و تارخ نہ ہوتی ۔ در حقیقت واقعہ کا ان اڑا سیار کہ باقی ہیں ۔

تاریخ اسلام میں اس قسم کی منبیاں سب سے زیادہ چلی آرہی ہیں ۔
جس میں سے چند مثالیں پیش کی جا رہی ہیں ۔

اول تو ہماری تاریخ کا ایک المیہ یہ ہے کہ کوئی واقعہ بھی ایسا نہیں ملتا جس میں
دو قول نہ پائے جاتے ہوں ۔

جب تک واقعات ضبط تحریر میں نہ آئیں اس وقت تک ان کا محفوظ رہنا مشکل ہوتا
ہے چونکہ پہلے لکھنے کا رواج نہیں تھا ۔ زبان یا داشت ہر شخص کی برابر نہیں ہوتی ۔ وقوع
واقعہ کے وقت تو واقعات ذہن میں ہوتے ہیں لیکن اس کے بعد مرور زمانہ سے یہی
واقعات ذہنوں سے محو ہوتے چلے جاتے ہیں ۔ اس لئے ایام و تاریخ و سنیں میں اختلاف
ہو جانا لازمی اور ضروری ہے ۔ ان لوگوں کی یادداشتوں کو اپنے ہی حالات سے قیاس
کر لیجئے ۔ ہم کئی عزیزوں کی وفات کا نہ دن بتلا سکتے ہیں نہ تاریخ نہ سن ۔ شادی بیاہ
مرنا جینا ہر روز گھروں میں ہوتا ہے لیکن دن ، تاریخ اور سالوں کے ضبط کے ساتھ بہت
کم لوگوں کے اذہان میں خود ان کے اپنے گھر کے واقعات ملیں گے ۔ آپ کسی ایسے شخص
سے جس کے آٹھ دس بچے ہوں ان کی پیدائش کا دن اور تاریخ پوچھ کر دیکھ لیں تو آپ کو تجربہ
ہو جائے گا ۔ ہماری زندگی میں اپنے وقت پر جو اہم واقعات ہوئے ہیں وقت گزر جانے
کے بعد ان کا دن تاریخ اور سن سب کچھ بھول جاتے ہیں ۔

ایسا ہونا انسانی خواص میں سے ہے اور اس سے نہ مضر ہو سکتا ہے نہ ہوا ہے ۔

سہو کی دوسری مثال :-

۲۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے تاریخ وفات

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات اسلامی زندگی کا سب سے زیادہ المناک اور اہم واقعہ
ہے ۔ آپ ص کی وفات کے وقت ایک لاکھ سے اوپر لوگ اسلام لا چکے تھے ۔ مدینہ میں
جانشانوں کی کثیر تعداد تھی ۔ صحابہ کے لئے وہ دن ان کی زندگی کا تاریک ترین دن تھا ۔ ان
کے بعد تابعین کے دور میں جن کی تعداد صحابہ سے کہیں زیادہ تھی کوئی مسلمان بھی ایسا نہیں
تھا جو یہ معلوم نہ کرنا چاہتا ہو کہ آپ کی وفات کونسے دن کونسی تاریخ کونسے مہینے اور
کونسے سن میں ہوئی وہاں ہوا ۔

۱۲ وفات

لیکن ایک وقت آیا کہ تاریخ کے اس اہم ترین واقعہ کے متعلق بھی اختلاف ہو گیا۔ اور خلاف حقیقت اور خلاف واقعہ پوری ملت نے اس بات کو تسلیم کر لیا کہ آپ کی وفات ۱۲ ربیع الاول پیر کے دن ۱۲ ہجری میں ہوئی۔

دن، مہینہ، سال درست ہے جس میں کسی کا بھی اختلاف نہیں ہے۔ لیکن تاریخ غلط ہے۔ آپ کی وفات ۱۲ ربیع الاول کو نہیں ہوئی۔ لیکن آج کسی کے سامنے یہ بات کہے تو وہ کہتا ہے کہ یہ شخص مسلمات اور متواترات کا انکار کر رہا ہے۔ یا اس کی دماغی حالت درست نہیں ہے۔ ہماری سرکاری چھٹی ۱۲ وفات (۱۲ ربیع الاول) کو ہوتی ہے۔ ہمارے کسیرت کے جلسے بارہ وفات کو ہوتے ہیں۔ حتیٰ کہ عورتوں کی زبان میں اس مہینے کا نام ہی بارہ وفات کا مہینہ ہے۔

یہ غلطی آج سے نہیں سینکڑوں برس سے چلی آرہی ہے اور دماغوں میں پک چکی ہے۔ اہل علم کی ایک جماعت نے کوشش کے ساتھ اس غلطی کی اصلاح کی کوشش کی ہے۔ علمی حیثیت سے انہوں نے یہ بات ثابت کر کے دکھائی ہے کہ بارہ وفات غلط ہے لیکن آج کتنے لوگوں کو معلوم ہے کہ یہ بات غلط ہے؟ سوائے چند اہل علم کے تمام عوام اس سے بے خبر ہیں۔ اور بارہ وفات ہی کو عین حقیقت و صداقت سمجھتے ہیں۔ مسلمانوں کی اتنی بڑی تعداد جس چیز کو حقیقت سمجھنے لگے پھر اس کے حقیقت ہونے میں کیا شبہ رہ جاتا ہے۔ کس کی جرأت کہ وہ اس قواٹر کی تردید کرے اور کس میں دم کہ پہلوں کی کتابوں کو جھٹلائے۔

۱۲ وفات اور محقق علماء جن علماء نے اسے غلط کہا ہے ان کا استدلال

یہ ہے کہ وفات سے تین مہینے پہلے جو حج آپ نے فرمایا تھا اس کا دن اور تاریخ متعین ہے۔ نہ ۹ ذی الحجہ جمعہ کے دن آپ نے حج کیا۔ وفات کا دن بالاتفاق پیر ہے۔ مہینہ بالاتفاق ربیع الاول ہے۔ تاریخ یکم ربیع الاول سے بارہ ربیع الاول تک ہے۔ جب ان مہینوں کے چاند کا حساب لگاتے ہیں تو کسی حساب سے ۱۲ ربیع الاول کو پیر کا دن نہیں بنتا۔ تینوں مہینے ذی الحجہ، محرم، صفر تیس تیس دن کے تسلیم کئے جائیں یا انتیس انتیس دن کے تب بھی دو شبہ نہیں آتا۔ دو تیس کے ایک انتیس کا یا دو انتیس کے ایک تیس کا تسلیم کریں تب بھی پیر نہیں بنتا۔

غرض کوئی صورت بھی لے لیں ۱۲ ربیع الاول پیر کے دن نہیں آتی ۔

مشہور مورخ کلبی نے تاریخ وفات ۲ ربیع الاول لکھی ہے ۔ اہل تحقیق نے یکم ربیع الاول ثابت کی ہے ۔

چونکہ کلبی رطب و یابس نویس ہے اس لئے اس کی روایت کا اعتبار کم ہے اور یہ تاریخ صحیح بھی اس صورت میں ہوتی ہے جب تینوں مہینوں کے چاند ۲۹-۲۹ کے تسلیم کئے جائیں ۔

” ثانیہ شہر “ سبقت قلم سے ” ثانیہ عشر “ حیل نکلا

بارہ ربیع الاول کی غلطی کی بنیاد بھی کلبی ہی کی روایت ہے ۔ اس کی کتاب میں الثانیہ شہر سے ربیع الاول تحریر تھا ۔ اور یہ ” شہر “ کا لفظ عربی اسلوب نگارش کے عین مطابق تھا ۔ کیونکہ اس زمانہ کے لوگ صرف ربیع الاول کے شروع میں ” شہر “ کا لفظ لکھتے تھے ۔ باقی گیارہ مہینوں کے شروع میں نہیں لکھتے تھے ۔ لہذا بعد کے لوگوں نے اس شہر کی جگہ ” عشر “ کا لفظ بطور اصلاح یا سہولت لکھ دیا ۔ یا پھر ” شہر “ کو ” عشر “ ہی پڑھ لیا گیا اس لئے قدیم رسم الخط میں اعراب اور نقطے کم ہونے کی وجہ سے اور کچھ عجلت خوانی اور رواں بینی کی وجہ سے نظر اور زبان کے اچٹ جانے کے امکانات زیادہ تھے اس لئے ” ثانیہ شہر “ کو ” ثانیہ عشر “ پڑھ جانا یا لکھ جانا مستبعد نہ تھا ۔ بعد میں مرور زمانہ اور تصحیح کے فقدان کی وجہ سے یہی غلطی حقیقت بن گئی اور مشہور ہوتے ہوئے خبر متواتر اور طبع ہوتے ہوئے متواتر در متواتر بن گئی ۔

سہو کے تیسرے مثالے ۔

سر ۔ لم یکن عبد الرحمن وکنہ نسى وخطا | حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا

نے عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی ایک حدیث سنی اور فرمایا :۔ رحمہ اللہ ابا عبد الرحمن سمع شیئا ولم یحفظ ۔

اللہ ابو عبد الرحمن پر رحم کرے کچھ سنا اور یاد نہ رکھا ۔

ایک دوسری روایت میں ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے یہ الفاظ فرمائے :۔

یخبر الله لا في عبد الرحمن انه لم یکن نسى وخطا ۔

اللہ ابو عبد الرحمن کی مغفرت کرے اس نے جھوٹ نہیں بولا لیکن معمول گیا اور غلطی کی۔
 نسیان و خطا کی چوتھی مثال۔

۴۔ عبد اللہ بن عمر کے ایک نسیان کی تصحیح حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمائی

غزوہ بدر میں جو کفار مارے گئے تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کی نعشوں کے پاس کھڑے ہو کر فرمایا: **هَلْ دَخَلْتُمْ مَا وَعَدَ رَبُّكُمْ حَقًّا**۔
 صحابہ رضوان نے عرض کی یا رسول اللہ آپ مردوں کو پکارتے ہیں؟ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اس سوال کے جواب میں آپ نے فرمایا: **ما اتمر باسمع منهم**۔
 وکن لا یجیبون۔

تم ان سے زیادہ نہیں سُننے لیکن وہ جواب نہیں دے سکتے۔
 حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے جب یہ روایت بیان کی گئی تو انہوں نے کہا: آپ نے وہ نہیں بلکہ یہ ارشاد فرمایا تھا:۔

انهم سيعلمون الآن انما كنت اقول لهم حقا۔

کہ وہ اب جانتے ہیں کہ میں جو ان سے کہتا تھا حق ہے

پانچویں مثال۔

۵۔ (یا اباہریرۃ) بالنظر والحسب تفتی الناس

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے ایک دن وعظ میں بیان کیا کہ اگر روزے کے دنوں میں کسی کو نہانے کی ضرورت پیش آجائے تو وہ روزہ نہ رکھے۔
 حضرت مردان نے کسی کو بھیج کر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور ام سلمہ رضی اللہ عنہما سے تصدیق چاہی۔
 دونوں نے فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس حالت میں روزہ رکھتے تھے۔
 مردان نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو بلا کر کہا: آپ یہ فتویٰ دیتے ہو اور ازواج یہ فرماتی ہیں؟

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ میں نے تو اپنے قیاس سے کہا تھا (کذا کنت احسب وکذا کنت اظن)۔

میرا یہی گمان تھا میرا یہی خیال تھا ۔

حضرت مردان نے کہا :-

بالظن والحسب تفتی الناس !

تو گمان اور خیال سے لوگوں کو فتویٰ دیتا ہے ۔

چھٹی مثال ۔

۶۔ **ولكن السمع يخطئ** | مسند امام احمد ، صحیح مسلم اور مؤطا امام مالک ۵
میں روایت ہے کہ :-

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ **أَعِزَّةٌ** کے رونے سے مردے پر عذاب ہوتا ہے ۔
حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے سنا تو فرمایا :-

انکم تعدثون من غیر کا ذبین ولا مکذبین ولكن السمع
يخطئ ۔

تم بیان کرتے ہو جھوٹوں سے نہیں اور نہ جھٹلانے والوں سے لیکن سننے میں غلطی
ہو جاتی ہے ۔

۷۔ **خدا ابو عبد الرحمن پر رحم کرے** ۔

ایک اور روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے اپنے شاگردوں سے بیان
کیا کہ مہینہ ۲۹ دن کا ہوتا ہے ۔

لوگوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے جا کر عرض کیا تو انہوں نے فرمایا :-
خدا ابو عبد الرحمن پر رحم فرمائے ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تویہ فرمایا تھا کہ :-
مہینہ کبھی ۲۹ دن کا بھی ہوتا ہے ۔

۸۔ **حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ایک اور تصحیح** ۔

اسی طرح ایک اور روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ نبی کریم
صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زندگی میں چار مرتبہ عمرہ کیا اور ایک مرتبہ رجب کے مہینے میں کیا ۔
حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے یہ سنا تو فرمایا کہ " رجب میں آپ نے کوئی عمرہ نہیں
کیا ۔

۹۔ لَا نَعْلَمُ أَنَّهُ نَسِيتَ أَوْ أَخْطَأْتَ

فاطمہ بنت قیس نے جب زنِ مطلقہ کی سکونت اور نفقہ کے متعلق اپنی روایت بیان کی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا :-
لَا نَتْرُكُ كِتَابَ اللَّهِ بِقَوْلِ امْرَأَةٍ لَا نَعْلَمُ أَنَّهُ نَسِيتَ

أَوْ أَخْطَأْتَ .

ہم اللہ کی کتاب کو نہیں چھوڑ سکتے ایک عورت کی بات پر ہمیں معلوم نہیں وہ بھول گئی ہے یا کوئی غلطی ہوئی

۱۰۔ لَعَلَّهٗ أَخْطَأْتُ سَمْعًا

جنگِ مریض سے واپسی میں جب عبداللہ بن ابی کی اشتعال انگیز گفتگو کی تو زید بن ارقم نے جواب بھی نہ دیا تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچائی تو آپ نے فرمایا :-

لَعَلَّكَ غَضِبْتَ عَلَيْهِ .

شاید تو اس پر غصہ ہوا

عرض کیا :- جو کچھ میں نے سنا ہے وہی آپ تک پہنچایا ہے .

آپ نے پھر فرمایا :-

لَعَلَّكَ أَخْطَأْتُ سَمْعًا .

شاید تیرے سننے میں غلطی ہوئی .

زید نے پھر کہا کہ میں نے وہی عرض کیا ہے جو سنا ہے .

تو آپ نے پھر فرمایا :-

لَعَلَّهٗ اشْبَهَ عَلِيًّا .

شاید تجھے شبہ ہو گیا .

زید نے پھر اپنی وہی بات لٹائی کہ میں نے سنی ہوئی بات کہی ہے .

اس کے بعد آپ نے قافلے کو لیے کوچ کا حکم دے دیا .

۱۱۔ يَغْفِرُ اللَّهُ لِعَائِشَةَ

حضرت عبداللہ بن الزبیر عصر کے بعد دو رکعت نماز پڑھا کرتے تھے . مردان نے پوچھا

آپ یہ نماز کیوں پڑھتے ہیں . جواب دیا کہ :-
 اے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی پڑھا کرتے تھے .

چونکہ عبد اللہ بن الزبیر نے یہ حدیث حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے سنی تھی اس لئے مروان
 نے اس کی تصدیق حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے چاہی .

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا میں نے ام سلمہ سے یہ روایت سنی ہے . پھر اس کے
 متعلق ام سلمہ سے دریافت کیا گیا تو انہوں نے فرمایا :-

يُغْفِرُ اللَّهُ لِعَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا . انْهَاقًا وَضَعَتْ عَلَى غَيْرِ مَوْضِعِهِ .
 اُولَئِكَ خَبَرَهَا أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَى عَنْهَا .
 (مسند امام احمد . مسند ام سلمہ)

اللہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی مغفرت کرے اس نے بات کر بے موقع رکھ دیا کیا میں نے اسے نہیں بتایا
 تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع کیا .

۱۲- ان الثقة قد يروى وينسى

ابن جوزی نے تحقیق میں لکھا ہے :-

ان الثقة قد يروى وينسى .

قال احمد بن حنبل كان ابن عيينة يحدث ناسا . ثم
 يقول هذا ليس من حديثي ولا اعرفه .

ثقة کبھی بیان کرتا ہے اور بھول جاتا ہے . احمد بن حنبل نے کہا کہ ابن عیینہ لوگوں سے
 حدیث بیان کرتا تھا اور بھول جاتا تھا اور کہتا تھا کہ تیری حدیث نہیں ہے میں نے اسے
 نہیں پہنچاتا .

۱۳- خود اپنی روایت کو بھول جانا

روى عن سهيل بن صالح انه ذكر له حديث فانكره
 فقال له ربعة انت حدثتني به من ابيك . فكان سهيل
 يقول حدثتني ربعة عني وقد جمع الدارقطني جزء فيمن
 حدث ونسى .

(نصب الراية على الهداية . كتاب النكاح)

سہیل بن صالح سے روایت ہے کہ اس سے ایک حدیث ذکر کی گئی اس نے انکار کیا پس ربیعہ نے اس سے کہا تو نے خود مجھ سے اپنے باپ سے یہ حدیث بیان کی اس کے بعد سہیل کہا کرتے تھے ربیعہ نے مجھ سے مجھے حدیث بیان کی دارقطنی نے ایک کتاب ان لوگوں کے بارے میں لکھ دی جنہوں نے حدیث بیان کی اور بھول گئے۔
۱۴۔ امام زہری خود اپنی روایت بھول گئے۔

امام زہری اس مشہور روایت کے راوی ہیں :-
ایما امرأة نکحت بغیر اذن ولیہا فنکاحہا باطل۔
جو عورت بغیر ولی کے نکاح کرے اس کا نکاح باطل ہے۔
لیکن ان کے تلمیذ ابن جریج نے جب ان کے سامنے کسی وقت یہ روایت رکھی تو انہوں نے انکار کر دیا اور کہہ دیا یہ میری روایت نہیں ہے۔
اس انکار کے باوجود محدثین اس روایت کو زہری سے صحیح تسلیم کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ زہری اس روایت کو بیان کرنے کے بعد بھول گئے ہیں۔
راہن عربی شرح ترمذی - بیان حدیث ایما امرأة
۱۵۔ تقاضائے عمر ایک ناقابل انکار حقیقت ہے۔

جوانی میں آدمی کے قومی مضبوط ہوتے ہیں اور صحیح کام کرتے ہیں۔ لیکن بڑھاپے میں کمزور ہو جاتے ہیں اور یادداشت بھی جواب دے جاتی ہے۔ ہشام بن عبد الملک نے امام زہری کو شاہزادے کی تعلیم کے لئے مقرر کیا اور یہ کہا کہ اسے کچھ حدیثیں لکھوا دیجئے۔ امام زہری نے چار سو حدیثیں لکھوا دیں۔
فاملی علیہ السلام بحماتہ حدیث۔

کچھ عرصے بعد زہری دربار میں پہنچے تو ہشام نے کہا ان ذلک الکتاب قد صنع زہری نے کہا کاتب کو بلائے۔ کاتب آگیا۔ زہری نے پھر وہی چار سو احادیث زبانی لکھوا دیں۔

اس کے بعد وہ پہلا صحیفہ مل گیا۔ جب دونوں صحیفوں کا مقابلہ کیا گیا تو ایک حرف کا بھی فرق نہ نکلا۔
قابل بالکتاب فما غادر حرفا واحدا۔

لیکن زہری جو امام فن ہیں ان کا آخر میں یہ حال ہو گیا تھا کہ اپنی روایت کردہ روایات سے انکار کرنے لگے تھے۔ اپنی مرویات کو بھول گئے تھے۔

۱۶۔ خطائے سماعت

حضرت ابو ہریرہؓ کی ایک روایت میں ہے :-
 ”بدشکونی تین چیزوں میں ہے۔ گھوڑے میں۔ مکان میں اور عورت میں“
 حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے سنا تو فرمایا :-

ابو ہریرہؓ نے آنحضرت ﷺ کی آدھی بات سنی ہے اور آدھی نہیں سنی۔ آپؐ نے فرمایا تھا یہ ہود کا یہ خیال ہے کہ تین چیزوں میں بدشکونی ہے۔ ابو ہریرہؓ نے پہلا جملہ نہیں سنا اور آدھی بات بیان کرنی شروع کر دی۔

۱۷۔ ترک لفظ ”ابن“

تحریر کے وقت بھول چوک میں الفاظ عام طور پر رہ ہی جایا کرتے ہیں۔ مثلاً تہذیب التہذیب میں بیانِ اعمش میں حافظ ابن حجر نے لکھا ہے :-

قول ابن المنادی ان الاعمش اخذ برکاب ابی بکرۃ الثقفی غلط
 فاحش لان الاعمش ولد سنة احدى وستين فليف يتھيا
 ان ياخذ برکاب من مات قبل مولده بعشر سنين یعنی سنة
 احدى وخمسين كانه كان اخذ برکاب ابن ابی بکرۃ الثقفی
 فسقطت لفظة ”ابن“ وثبت الباقي۔

(د اکمال فی اسماء الرجال)

ابن منادی کا یہ قول کہ اعمش نے ابو بکرہ ثقفی کی رکاب پکڑی بالکل غلط ہے اس لئے کہ اعمش ۱۵ھ میں پیدا ہوا۔ پس کیسے ہو سکتا ہے کہ وہ اس شخص کی رکاب پکڑے جو اس کی پیدائش سے دس سال پہلے مر چکا ہو یعنی ۵ھ میں گویا کہ اس نے ابن ابو بکرہ ثقفی کی رکاب پکڑی۔ لفظ ابن ساقط ہو گیا باقی عبارت باقی رہی۔

۱۸۔ ”تسع عشرة“ کا صرف عشرۃ رہ گیا

صفوات بن معطل یکنی ابا عمر والسلمی شہد الخندق

والشاهد كلها وهو الذي قيل ما قيل في حديث الافك وكانت
مرحلا خيرا شعبا فاضلا قتل في غزوة ارمينية شهيدا
سنة عشرة وهد و ابن بضع وستين -

صفوان بن معطل سلمی جس کی کنیت ابو عمر تھی خندق میں شریک ہوا اس کے بعد ہر
غزوے میں حاضر رہا یہ شخص وہی ہے جس کے بارے میں حدیث افک میں کیا گیا وہ مہلہ
بہادر اور فاضل آدمی تھا غزوہ ارمینہ میں سالہ میں قتل ہوا شہید ہو کر اور وہ اس وقت
کچھ اوپر ساٹھ برس کا تھا۔

جنگ ارمینہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں ۱۹ھ ہجری میں واقع ہوئی
ہے۔ نامخ سے لفظ "تسع" لکھنے میں رہ گیا اور خالی عشرہ لکھا گیا۔ اصل میں تھا
"تسع عشرة"۔ چونکہ تاریخی اعتبار سے ہمیں معلوم ہے کہ غزوہ ارمینہ ۱۹ھ میں واقع
ہوا اس لئے یہ غلطی معلوم ہو گئی۔ ورنہ عشرہ ہی صحیح خیال کیا جاتا۔

ترک امام بخاری بہ سبقت قلم

.... وہی غزوة المريسيع . قال ابن اسحاق وذلك سنة
ست . قال موسى ابن عقبة سنة اربع .
(بخاری - غزوہ بنی مصطلق ص ۵۱۳)

وہ غزوہ مریسيع ابن اسحاق نے کہا ۶ھ میں موسی بن عقبہ نے کہا ۴ھ میں
بخاری کے حاشیہ میں اسی روایت پر تحریر ہے کہ بر

قال الحافظ ابن حجر كانه سبق قلم البخاري . المراد ان يكتب
سنة خمس " فكتب سنة " اربع " لان الذي في مغازي
موسى بن عقبة من عدة طرق سنة خمس . قال السيوطي
في التوشيح الذي في مغازي موسى بن عقبة سنة خمس فالذي
ذكره هنا سبق قلم البخاري . ثم قال وهذا اصح من قول
ابن اسحاق .

(بخاری غزوہ بنی مصطلق . ص ۵۱۳ حاشیہ مولانا احمد علی)
ابن حجر نے کہا بخاری کی سبقت قلم سے چار ہوا وہ ۵ھ لکھنا چاہتے تھے چار لکھ ہو
گیا اس لئے کہ مغازی موسی بن عقبہ میں مختلف طریقوں سے ۵ھ ہے۔ سیوطی نے توشیح

میں جو موسیٰ بن عقبہ کے مغازی کے بارے میں ہے شہہ لکھا ہے پس یہاں جو ذکر کیا گیا یہ بخاری کی سبقت قلم سے ہوا پھر کیا یہ زیادہ صحیح ہے ابن اسحاق کے قول سے ۔

لیجئے امام بخاری سے سبقت قلم کی وجہ سے یہ غلطی ہو گئی کہ لکھنا کچھ چاہتے تھے لکھا کچھ گیا ۔ جب ایسے ایسے آئمہ فن سے ایسی غلطیاں ہو جاتی ہیں تو اوروں سے اس قسم کی بھول چوک کیوں نہیں ہو سکتی ۔ تحریر میں اس قسم کا سہو عموماً ہوتا رہتا ہے ۔

۱۹۔ " وَاَنَا يَوْمَ ذُنُوبِ تِسْعٍ " میں سہو ہشام

مندرجہ بالا مثالوں سے واضح ہو گیا کہ اسم قسم کا سہو ہوتا ہی رہتا ہے چنانچہ یہی کچھ روایت ہشام میں بھی ہوا ہے ۔ روایت بھول کی وجہ سے آدھی رہ گئی ہے ۔ جیسا کہ ذہری، ابن عیینہ، اور سہیل، امام بخاری، ابن منادی اور صفوان بن معطل کے واقعات کی مشلہ سے ظاہر ہے ۔

خود ہشام کے متعلق میزان الاعتدال میں مذکور ہے کہ ابوالحسن قطان ہشام بن عمرو اور سہیل بن صالح کے متعلق کہتے ہیں اختلطاً ۔

حافظ ذہبی میزان الاعتدال میں ہشام کے متعلق لکھتے ہیں :-
فی الکبر تنقض حفظ ہشام

فی الکبر تنقض حفظہ وتغیر ولم یبق حفظہ کہو فی حال الشباب فنی بعض محفوظہ او دھم فکان ماذا ۔ اھو معصوم عن النسیان ولما قدم العراق فی اخر عمرہ حدیث بجملة کثیرة من العلم فی غضون ذلک بيسيرا حدیث لم یجود ہا ۔

(میزان الاعتدال ۔ ذکر ہشام)

روایت تزوج عائشہ ہشام کی نسیان نردہ روایت ہے

جس کی اصلاح اُمت کے ذمہ ہے

حافظ ذہبی کے اقرار اور معذرت سے کسی غلطی کی تلافی نہیں ہو جاتی ۔ حافظ صاحب یہی فرما رہے ہیں کہ بھول چوک انسان کی فطرت ہے ۔ اگر ہشام سے بھول ہو گئی تو کیا

ہوا۔ ایسی بھول تو اوروں سے بھی ہوئی ہے۔ علماء نقد کے اس بیان کے بعد کہ ہشام سے اخیر عمر میں غلطیاں ہوئی ہیں یہ یقین ہے کہ یہ صحیح روایت ہشام کے نسیان کا شکار ہو گئی ہے۔ اور جس وقت انہیں یہ سہولہ حق ہوا اور یہ سہو کی ماری ہوئی روایت بیان کی اس وقت، سے قبول کرنے والے تو سب تھے۔ لیکن اصلاح کرنے والا کوئی نہ رہا تھا۔ ہشام کی بزرگی اور ان کا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر کا ایک فرد ہونے کی وجہ سے علماء نے اسی ناقص روایت کو قبول کر لیا۔

تولع عشرہ یا عشرين

اس روایت کی تحریر میں ہشام سے لفظ ”عشرہ“ یا ”عشرين“ رہ گیا ہے۔ خواہ لفظوں میں رہ گیا ہو یا ہندسوں میں اکائی لکھی گئی ہو اور دہائی چھوٹ گئی ہو۔

۲۰۔ خود میرا اپنا حال

میں اگر ایک صفحہ لکھتا ہوں تو ایک ہی صفحہ میں چھ سات لفظ لکھنے سے رہ جاتے ہیں۔ میں نے اسی تحریر میں دیکھا ہے کہ اکثر جگہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا لکھتا تھا مگر میں صرف حضرت لکھتا چلا گیا اور عائشہ رضی اللہ عنہا چھوڑتا چلا گیا۔ اور یہی سمجھتا رہا کہ پورا نام لکھا ہے صفحہ ختم ہونے کے بعد جب دوبارہ پڑھا تو معلوم ہوا کہ مسلسل لفظ عائشہ رضی اللہ عنہا چھوڑتا چلا گیا ہے۔ جسے پھر بعد میں درست کیا۔

علیٰ ہذا جن کتابوں سے اقتباس لئے ہیں ان کے صفحات ساتھ ساتھ لکھتا چلا گیا جب بعد میں مقابلہ کیا گیا تو کئی جگہ ہندسوں کے نقل کرنے میں غلطی پاٹی گئی۔ باوجودیکہ میں لکھتے وقت کافی محتاط رہتا ہوں۔ لیکن پھر بھی ترک پر ترک ہوتے چلے جاتے ہیں۔ خاص طور پر کا۔ کے۔ کی۔ یہ۔ میں وغیرہ چھوٹے چھوٹے الفاظ اکثر و بیشتر چھوٹ جاتے ہیں۔ اگر تحریر کو دوبارہ نہ پڑھا جائے تو کچھ عرصہ بعد مضمون کی اصلاح ہی مشکل ہو جاتی ہے۔ زیادہ دیر ہو جانے کی صورت میں یہ یاد ہی نہیں آتا کہ یہاں کونسا لفظ رہ گیا ہے۔

خُلاصَةُ الْكِتَابِ

خلاصۃ الكتاب

ہشام کی روایت تزوج عائشہ رضی میں "عشرہ" یا
 "عشرین" کا لفظ ساقط التحریر ہے
 اصل میں وانا یومئذ بنت "تسع عشرہ" یا "تسع
 وعشرین" تھا۔ نقل کرتے ہوئے "عشرہ" یا "عشرین" کا لفظ چھوٹ
 گیا اور صرف "تسع" باقی رہ گیا۔ حضرت عائشہ رضی کے اپنے جملے میں "تسع
 عشرہ" یا "تسع وعشرین" تھا۔ ان کے بعد عروہ کی تحریر اور بیان
 میں بھی "تسع عشرہ" یا "تسع وعشرین" تھا۔ لیکن ہشام بن عروہ
 سے سہواً دوسرا لفظ چھوٹ گیا اور صرف تسع باقی رہ گیا۔
 واللہ اعلم بالصواب۔

سقوط "عشرہ" کا ثبوت

ساقط شدہ لفظ "عشرہ" کو متیقن کرنے کے لئے مذکورہ بالا ۲۰ قرائن کے علاوہ
 ایک ٹھوس مثبت ثبوت حضرت عائشہ رضی کے بھائی بہنوں کی عمروں کا تفاوت ہے۔ اور
 جب ہم اس ناطق شہادت کو سامنے رکھتے ہیں تو اس کی روشنی میں مندرجہ ذیل حقائق کھل
 کر سامنے آجاتے ہیں :-

۱۔ کتب سیرور جال متفق الرائے ہیں کہ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا حضرت عائشہ
 رضی اللہ عنہا سے بڑی تھیں :-

ان اسماء اکبر من عائشہ رضی۔ یا۔ ہی اکبر من اختہا
 عائشہ رضی۔

بے شک اسماء بڑی ہے عائشہ رضی سے اور وہ بڑی ہے اپنی بہن عائشہ رضی
 سے۔ اور یہ ایک متفقہ فیصلہ ہے۔

۲۔ سابق الایمان لوگوں میں حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کا نمبر نواں یا بقول بعض سترھواں یا اٹھارواں ہے جیسے کہ ہم اس سے پہلے ثابت کر چکے ہیں۔

۳۔ جب حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے ہجرت کی تو ۳۳ھ ہجری میں عبداللہ کی پیدائش ہوئی جو مہاجرین میں ہجرت کے بعد سب سے پہلی پیدائش ہے یہ بات بھی متفق علیہ ہے۔

۴۔ ہجرت کے وقت حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کی عمر بالفاق رائے ۲۷ سال تھی۔

۵۔ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کی وفات ۳۳ھ ہجری میں ان کے بیٹے عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہ کے مصلوب ہونے کے چند مہینے یا چند دن بعد واقع ہوئی۔

۶۔ وفات کے وقت حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کی عمر ۳۰ سال تھی۔

۷۔ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا اپنی بہن حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے عمر میں دس سال بڑی تھیں۔

یہ سب متفقہ امور جو ہم نے لکھے ہیں کتب رجال و سیر سے ثابت شدہ حقائق ہیں۔
حوالے کے لئے مندرجہ ذیل اقتباسات پیش خدمت ہیں :-

قال هشام بن عروة عن أبيه بلغت أسماء مائة سنة ولم يسقط لها سن ولم ينكر لها عقل۔

ہشام بن عروہ نے اپنے باپ سے نقل کیا اسماء رضی اللہ عنہا ۱۰۰ سال کی ہوئی نہ کوئی دانت گرا اور نہ سٹھائی۔

وقال ابو نعیم الاصبہانی ولدت قبل الهجرة بسبع وعشرين سنة وعاشت الى اوائل سنة اربع وسبعين سنة قتل عاشت بعد ابنها عبد الله عشرين يوماً وقيل غير ذلك۔

(الاصابة جلد ۲ ص ۲۲۵)

ابو نعیم نے کہا ہجرت سے ۲۷ سال پہلے پیدا ہوئی اور زندہ رہی اوائل ۳۳ھ تک اور کہا گیا زندہ رہی اپنے بیٹے عبداللہ کے بعد ۲۰ دن اور اس کے علاوہ بھی ذکر کیا گیا۔

توفیت اسماء في مكة في جمادى الاولى سنة ثلاث وسبعين بعد قتل ابنها عبد الله بن الزبير ولم تلبث بعد انزاله من الخشبة ودفنه الالى الى دكان قد ذهب بصرها وماتت وبلغت

مائة سنة . (الاستيعاب علم الاصابة جلد ۴ ص ۲۲۵)

اسمار نے وفات پائی مکہ میں جمادی الاول میں ۳۳ھ اپنے بیٹے عبداللہ بن زبیر کے قتل کے بعد نہیں رہی اپنے بیٹے کے سولی سے اتارنے کے بعد اور اس کے دفن کے بعد مگر چند راتیں اور اس کی نظر جاتی رہی تھی اور مر گئی مگر سو سال تک پہنچ گئی ۔
ومات اسماء بنت ابی بکر الصديق بعد قتل ابنہا عبداللہ ابن الذبیر بلیال وكان قتله يوم الثلاثاء بسبع عشرة ليلة خلت من جمادی الاولی سنة ثلث وسبعین .

(طبقات ابن سعد جلد ۸ ص ۶۵۵ ذکر اسماء)

اسماء بنت ابوبکر صدیق مر گئی اپنے بیٹے عبداللہ بن زبیر کے قتل کے بعد چند راتوں میں اور اس کا قتل منگل کے دن ۳۳ھ کو ہوا ۔

اسماء بنت ابی بکر . واسم ابی بکر عبداللہ بن عثمان القرشیة التیمیة وكانت اسن من عائشة وهی اختها لابیہا وكان عبداللہ بن ابی بکر خال اسماء شقیقہا قال ابو نعیم ولدت قبل تاریخ بسبع وعشرين سنة . وكان عمر ابيها لما ولدت نيفاء وعشرين سنة اسلمت بعد سبعة عشر اسانا وهاجرت الى المدينة وهی حامل لعبداللہ . ثم ان اسماء عاشت وطال عمرها وعميت وبقیت الى قتل ابنہا عبداللہ سنة ثلاث وسبعین بعد قتله قبل عشرة ايام وقيل عشرون يوما وغير ذلك .

(اسد الغابہ جلد ۵ ذکر اسماء ص ۳۹۳)

اسماء بنت ابوبکر اور ابوبکر کا نام عبداللہ بن عثمان قرشیہ تیمیہ اور یہ بڑی تھی عائشہ رضی اللہ عنہا سے اور یہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی علاقہ بہن تھی اور عبداللہ بن ابوبکر اسماء رضی اللہ عنہا کا سکا بھائی تھا ۔ ابو نعیم نے کہا یہ پیدا ہوئی تاریخ سے ۲۷ سال پہلے اور اس کے باپ کی عمر اس وقت کچھ اوپر ۲۰ سال تھی اسلام لائی ۷ آدمیوں کے بعد اور مدینے کی طرف ہجرت کی اس وقت عبداللہ پیٹ میں تھے پھر اسماء رضی اللہ عنہا زندہ رہی اور لمبی عمر ہوئی نابینا ہو گئی اور زندہ رہی اپنے بیٹے عبداللہ کے قتل ہونے تک ۳۳ھ تک اس کے قتل کے بعد کہا گیا دس دن اور کہا گیا بیس دن وغیرہ ذلک ۔

ثم ان اسماء عاشت وطال عمرها وعميت وبقیت الى ان قتل

ابنہ عبداللہ سترہ تلات و سبعین داشت بعد قتلہ قبل عشرہ
 یازد و دیا عشرہ دن بیوما . دانت ہی و اختہا عائشہ رضہ و ابوها
 ابوبکر صدیق رضہ و ابوالعتیق دابنہ عبداللہ رضہ و جہا الزبیر
 صحابی رضہ و بنان اللہ علیہم . و قد مشہدت الی یومک مع ابنہا و
 زوجہا دہی اکبر من اختہا عائشہ رضہ بعشر سنین و عمرت اسماء
 دہم حالہا و اختہا فی آخر عمرہا و قیل ہاں ہی کانت صحیحۃ
 البصر و لم یسقط لہا سن و ادراکت قتل ولدہا فی ہذہ السنۃ کما
 ذکرنا ثم ماتت بعد وہ بخمسۃ ایام و قیل بعشرۃ ایام و قیل
 بعشرین و قیل بضع و عشرين و قیل مائۃ یوم و ہوا الشہر و بلغت
 من العمر مائۃ سنۃ و لم یسقط لہا سن و لم ینکزلہا عقل
 رحمہا اللہ . و ماتت فی الخرجمادی الاخرۃ سنۃ ثلاث و سبعین
 و البدایہ و النہایہ جلد آخر ص ۳۶۶ ذکر عبداللہ بن الزبیر (۳۶)

پھر اسکا زندہ رہی اور اس کی عمر لمبی ہوئی اور نابینا ہو گئی اور باقی رہی اپنے بیٹے عبداللہ
 کے قتل تک ۳۶ تک اور اس کے قتل کے بعد کہا گیا دس دن زندہ رہی اور کہا گیا
 بیس دن زندہ رہی اور وہ خود اس کی بہن عائشہ رضہ اس کا باپ ابوبکر صدیق اس کا دادا
 ابوالعتیق اور اس کا بیٹا عبداللہ اور اس کا خاوند زبیر سب صحابی تھے اور وہ یرموک میں شریک
 تھے اپنے بیٹے اور خاوند کے ساتھ اور وہ اپنی بہن عائشہ رضہ سے دس سال بڑی تھیں اور
 اسکا زندہ رہی لمبے عرصے اور اندھی ہو گئی تھی آخر عمر میں اور کہا گیا بلکہ اس کی بینائی
 ٹھیک تھی اور کوئی دانت نہیں گرا تھا اسی سال اس نے اپنے بیٹے کا قتل دیکھا جیسا کہ ہم
 نے بیان کیا پھر اس کے بعد پانچ دن کے بعد مر گئی اور کہا گیا دس دن کے بعد اور کہا
 گیا بیس دن کے بعد اور کہا گیا کچھ اوپر بیس دن کے بعد اور کہا گیا ستر دن کے بعد
 اور یہ زیادہ مشہور ہے اور عمر سو سال ہوئی نہ کوئی رات جھڑا اور نہ کھٹیائی اللہ اس پر
 رحم کرے اور وفات آخر جمادی الاخرہ ۳۶ میں ہوئی .

اسماء بنت ابی بکر ہی اسماء بنت ابی بکر الصدیق و تسمى ذات
 النطاقین و ہی ام عبداللہ اسلمت بمکہ قديما و قیل اسلمت بعد
 سبعۃ عشر اسانا و ہی اکبر من اختہا عائشہ رضہ بعشر سنین
 ماتت بعد قتل ابنہا العشر ایام و قیل بعشرین یوما بعد ما نزل

ابنهما من الخشب ودها مائة سنة ثم وذلک سنة ثلاث وسبعين
رمکة . مرادى عنهم اخلق كثير .

(مشكرة ص ٥٥) أكمال في أسماء الرجال لصاحب مشكاة المصابيح - الشيخ
دلى الدين البدر - الله محمد بن عبد الله الخطيب (

اسماء بنت ابوبکر یہ اسماء بنت ابوبکر الصدیقہ ہے جسے نظائین دانی کہا جاتا ہے۔ یہ
عبداللہ کی ماں ہے کہا گیا اسلام لائی سترہ برسوں کے بعد اور یہ بڑی تھی اپنی بہن عائشہ
رنہ سے دس سال مر گئی اپنے بیٹے عبداللہ کے متسل کے بعد دس دن بعد اور کہا گیا
بیس دن بعد جب اس کے بیٹے کو سولی سے اُتار دیا گیا اس کی عمر سو سال تھی اور یہ ۲۰
تھانے میں اس سے بہت لوگوں نے روایت بیان کی۔

وكانت اسن من عائشة في بضع عشرة سنة وقال عبد الرحمن بن
ابي الزناد وكانت اسماء اكبر من عائشة بعشر

(سیر اعلام النبلاء ص ۱۵۲ جلد ۲ ذکر اسماء بنت ابی بکر)

اور یہ بڑی مہتی عائشہ رضی سے کچھ اوپر دس سال . عبدالرحمن بن ابی النضر نے کہہ
اسماء رضی عائشہ رضی سے دس سال بڑی تھی .

حضرت اسماء بنت ابی بکر رضہ حضرت عبداللہ بن زبیر رضہ کی والدہ ہیں۔ مکہ معظمہ میں شروع ہی میں اسلام لائی تھیں۔ بعض کہتے ہیں کہ سترہ آدمیوں کے اسلام لانے کے بعد یہ مسلمان ہوئیں۔ اور اپنی ہمیشہ رام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضہ سے دس سال بڑی تھیں۔ آپ کا انتقال ۳۰ھ میں آپ کے بیٹے عبداللہ بن زبیر کے قتل کے دس یا بیس دن بعد ہوا۔ جو بیٹے کی محبت کی دلیل ہے۔ اکثر لوگوں نے اسماء رضہ سے احادیث روایت کی ہیں۔ آپ نے سو سال کی عمر پائی۔

(مقدمه تجرید البخاری ذکر اسماء - از علامه حسین بن المبارک زبیدی متوفی ۱۰۷۰ هـ)
 (ذکر اسماء ص ۱۷)

أخبرنا ابو اسامة حماد بن اسامة عن هشام عن أبيه عن أسماء بنت أبي بكر رضيت نريد بن عمر بن نفييل قائما مسند أظهر إلى الكعبة وهو يقول يا معشر قريش ما منكم أحد على دين إبراهيم غيري .
وطبقات ابن سعد جلد ٣ ذكر سعيد بن نريد ص ٣٨٠)

حماد بن سلمہ ابو اسامہ نے ہمیں خبر سنائی . ہشام سے اس نے اپنے باپ سے اس نے اسماء

بنت ابو بکر سے میں زید بن عمرو بن نفیل کو دیکھا کھڑے ہوئے اپنی پیٹھ لگائے کعبہ سے اور وہ
کہہ رہا تھا اے گروہ قریش تم سے کوئی بھی دین ابراہیم پر نہیں میرے سوا

اخبرنا احمد بن قاسم نا محمد بن معاذ نا ابراہیم بن موسی نا
اسماعیل بن اسحاق نا نصر بن علی نا الاصمعی قال نا ابو الزناد قال
قالت أسماء بنت ابی بکر دكانت اكبر من عائشة رضي الله عنها بعشر سنين
ونحوها رويت نرايد بن عمرو بن نفيل مسند اظهره الى الكعبة وهو يقول
يا معشر قریش والله لا اكل ما ذبح بغير الله والله ما احد على دين ابراهيم
غيري . (الاستيعاب في أسماء الاصحاب على الاصابة . ذكر سعيد بن نرايد بن عمرو
ابن نفيل . جلد ۲ ص ۳ مطبوعه مصر)

احمد بن قاسم نے ہمیں خبر دی اس نے کہا محمد بن معاذ نے ہمیں خبر دی اس نے کہا ابراہیم
بن موسیٰ نے ہمیں خبر دی اس نے کہا اسماعیل بن اسحاق نے ہمیں خبر دی اس نے کہا نصر بن
علی نے ہمیں خبر دی اس نے کہا اصمعی نے ہمیں حدیث سنائی اس نے کہا ابو زناد نے ہمیں
خبر دی اس نے کہا اسماء بنت ابو بکر نے کہا اور وہ تھی بڑی عائشہ رضی اللہ عنہا سے دس سال
یا اس کے قریب میں نے زید بن عمرو بن نفیل کو دیکھا کعبہ سے پشت لگائے اور وہ کہہ
رہا تھا اے گروہ قریش واللہ میں نہیں کھاتا وہ ذبح جو غیر اللہ کے نام پر ہو واللہ کوئی نہیں
ہے دین ابراہیم پر میرے سوا ۔

عن خارجة قال سمعت سعيد بن المسيب يذكر نرايد بن عمرو ابن نفيل
قال توفي وقریش تبني الكعبة قبل ان ينزل الوحي على رسول الله صلى الله
عليه وسلم بخمس سنين . (طبقات ابن سعد جلد ۳ ص ۳۸)

خارجہ سے روایت ہے میں نے سعید بن المسیب کو سنا وہ ذکر کر رہا تھا زید بن عمرو
بن نفیل کا اس نے کہا زید نے وفات پائی جب قریش کعبہ کی تعمیر کر رہے تھے اس سے
پہلے کہ وحی اتری رسول اللہ پر اس سے پانچ سال پہلے ۔

مدلول الروایات | مذکورہ بالا روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا

اور اسماء رضی اللہ عنہا کی عمر میں دس سال کا فرق تھا۔ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا
عائشہ رضی اللہ عنہا سے دس سال بڑی تھیں۔ اور حضرت اسماء رضی اللہ عنہا قبل از بعثت کے واقعات کی چشم دید
راویہ ہیں ۔

ہجرت کے وقت حضرت اسماء کی عمر ۲۷ سال تھی ۔ لہذا ہجرت کے وقت حضرت عائشہ

کی عمر اس سال کی تھی ۔

سہ ہجرت میں رخصتی کے وقت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی عمر انیس سال تھی ۔ اسی سے پہلے

نے فرمایا تھا دانا یومئذ بنت تسع عشرة سنة ۔

لیکن ہشام سے تحریر میں لفظ عشرة رہ گیا ۔ اور ہندسوں میں تھا تو ۱۹ میں سے دہائی

کا ہندسہ ایک گر گیا و خالی رہ گیا ۔

”عشرہ“ کا لفظ کس سے چھوٹا | یہ غلطی یقیناً عروہ اور ہشام کے درمیان دائر ہے ۔

عروہ سے اس روایت کے راوی صرف ہشام بن عروہ

ہیں ۔ ان کے علاوہ کوئی اور راوی نہیں ۔ اس لئے یہ غلطی یا عروہ سے ہوئی ہے یا ہشام

سے ۔

ہشام اور ان کے والد عروہ دونوں مورخ ہیں ۔ سیر میں کافی روایات ان سے

مردی ہیں ۔ ار باب سیر نے بہت سے واقعات ان کے حوالے سے کئے ہیں ۔ تذکرۃ الحفاظ

میں عروہ کے متعلق لکھا ہے

دکان عالم بالسیرة

صاحب کشف الظنون نے لکھا ہے کہ :-

ظن البعض ادل من كتب في المغازی عروہ ابن الزبیر

امکان ضعیف یہ ہے کہ یہ ترک عروہ سے ہوا ہے ۔

ہو سکتا ہے کہ عروہ نے مغازی کے متعلق یادداشتیں چھوڑی ہوں اور ان میں یہ

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی رخصتی کا قصہ بھی لکھا ہو اور اس میں نادانستہ طور پر تحریر میں لفظ

”عشرہ“ یاد سے رہ گیا ہو ۔ اور پھر جب عروہ کی وفات کے بعد یہ یادداشتیں حضرت

ہشام کے ہاتھ آئی ہوں تو چونکہ ان یادداشتوں میں صرف تسع لکھا ہوا تھا تو ہشام

نے اسے حرف آخر خیال کر کے اور ایک خصوصی واقعہ خارجِ عادت تصور کر کے اپنے استنباط

کی بنیاد اس پر رکھ دی ہو اور اسی کو نقل کرنا شروع کر دیا ہو ۔

اس وقت دنیا میں کوئی شخص ایسا تو زندہ رہا نہیں تھا جس سے اس واقعہ کی تصدیق

ہو سکتی کہ نکاح کے وقت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی عمر کیا تھی آیا و سال تھی یا زیادہ تھی ۔

چونکہ نو سال کی عمر میں بنا ایک عجیب چیز تھی اس لئے انہوں نے اس ایک جملے

کو تاریخی معلومات اور ان سے استخراج کردہ نتائج کے ساتھ بلا کر تین جملوں کی ایک روایت

مرتب کر لی اور اسے مختلف عنوانات سے بیان کر دیا۔
امکان قومی یہ ہے کہ اس سہو کتابت کے ذمہ دار خود ہشام ہیں۔

عمرہ سے اس روایت میں غلطی کا امکان بے حد ضعیف ہے اگر عمرہ کی کتاب یا دستاویز میں یہ غلطی ہوتی تو عمرہ کی وفات کے وقت سے ہی یہ روایت چل نکلتی چاہے تھی۔ اور ۹۴ھ کے بعد ہی سے اس کے اور راوی بھی ملنے چاہئیں تھے۔

لیکن یہ روایت ہشام نے اپنی عمر کے بالکل آخر میں بیان کرنی شروع کی ہے۔ اس لئے گمان غالب یہ ہے کہ یہ نسخ اور کتابت کی غلطی خود ہشام سے ہوئی ہے۔

غالباً ایسا ہوا ہوگا کہ شروع میں ہجرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی مفصل روایت جس میں ان کی رخصتی کا بیان ہے بیان کی جاتی ہوگی۔ اور عمرہ کی وفات کے بعد حضرت ہشام اس سیر کے درجے کی روایت کو سناتے ہوں گے اور دانا یومئذ بنت تسع عشرہ نقل کرتے ہوں گے۔ جیسا کہ ان کے والد کی یادداشتوں میں تھا۔ لیکن آخر میں جب یہ لفظ عشرہ ان سے کتابت میں چھوٹ گیا تو انہوں نے ان روایات کو بھی جن میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بچپن کے واقعات تھے اس روایت کے ساتھ ملا لیا۔ اور خود ان روایات میں ایسا تصرف کر دیا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا پورا بچپن عیاں معلوم ہو۔ مثلاً یہی روایت جس میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی رخصتی کا قصہ ہے اس کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بچپن میں بدل دیا۔ اس روایت میں تھا کہ مدینے آکر بیمار ہو گئیں سر کے بال گر گئے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بچپن کے جھوٹے دیکھ رہی تھیں۔ اچانک رخصتی کرنے کی وجہ سے ماں کو گھبراہٹ تھی۔ انہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو آواز دی۔ وہ تیزی سے آئیں۔ سانس چڑھ گیا۔ ان کو جلدی جلدی تیار کیا اور رخصت کر دیا۔

اس ساری روایت میں کہیں ان کے بچپن ہونے کا ذکر نہیں تھا۔ صرف لفظ عشرہ کے ترک نے اس تمام روایت کو بچپن کے آثار میں تبدیل کر دیا۔

چونکہ یہ روایت سیرت کے درجے کی روایت تھی اس لئے علماء نے اس کی تحقیق میں کاوش نہیں کی۔

چونکہ یہ روایت بالمعنی تھی اس لئے اس میں اصل واقعہ کی روح کم اور ہشام کا ذہن زیادہ کارفرما ہوتا چلا گیا۔

ان روایات میں پہلے پہلے واقعات کا بیان تھا اور عمر کا کوئی ذکر نہیں تھا۔

نہایت خیر و برکت قبول محمد بن ابی بشار سنین
فلان سنین اور قدیم امن دلت و نگہ عالیشان

یہ روایت اتنی تھی۔ لیکن ہشام نے اس روایت میں وہی بنت ست سنین
کے جملہ حالیہ کا اضافہ اپنی طرف سے اپنے استخراج کے بعد کیا اور اب یہ اضافہ بھی ان کے
باپ کی روایت کا جزو بن گیا۔ اس میں ”وہی“ سے شروع ہونے والا جملہ اور جہ ہشام
ہے۔

ہشام کے استخراج سے پہلے لوگ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی سادہ رخصتی کے واقعہ سے ضرور واقف
تھے اور یہی جانتے تھے کہ نکاح اور رخصتی پوری عمر میں ہوتی ہے اور ان کی عمر ان کے اپنے
بیان کے مطابق ۹ سال تھی۔ یہ محض ہشام ہیں جنہوں نے ۹ سال کی عمر بیان کر کے اس پر
اپنے استخراج کی بنیاد رکھی اور مدینے سے دور عراق میں جا کر اپنی اس غری عمر میں اس استنباط
کا اعلان عراق کے نوجوانوں کے سامنے کیا۔
استخراج ہشام کی امکانی روایت

ہشام سے یہ غلطی کس طرح ہوئی :

اس کی صورت یہ معلوم ہوتی ہے کہ یا تو اپنے باپ عروہ کی امالی سے نقل کرتے ہوئے ان
سے لفظ ”عشرہ“ سہواً رہ گیا۔ اور کچھ لینے کے بعد ان کا اصل سے مقابلہ نہ کر سکے۔
پھر ان متفرق یادداشتوں (امالی) کو یہ سمجھ کر کہ میں انہیں نقل کر چکا ہوں ضائع کر رہا۔
ہشام کو خیال نہ آیا کہ مجھ سے نقل کرنے میں غلطی ہو گئی ہے۔ انہوں نے صرف تسع والی روایت
بیان کرنی شروع کر دی اور وہ ایک نئی، دلچسپ، فوق العادۃ اور معجزانہ چیز ہونے کی
وجہ سے عجوبہ پسند رواد میں کل جدید لذیذ کے قاعدے کے مطابق چل نکلی۔
اصلاح کی کوئی صورت تھی ہی نہیں۔ اس لئے یہ غلطی ہی حقیقت کی صورت اختیار
کر گئی اور حقیقت پسند علماء نے حدیث و فقہ نے بھی بعد میں بالآخر اس جدید شہرت
یافتہ ”حقیقت“ کو قبول کر لیا۔

لیکن ہم ان کے اس قبول لاچارگی کو پوری نیک نیتی کے ساتھ غلط العوام فصیح
کی حیثیت دیتے ہیں۔ اور چونکہ اس ”غلط العوام“ کا اثر براہ راست شان رسالت
پر پڑ رہا ہے۔ اس لئے ہم نے اپنا علمی اور ایمانی فرض سمجھ کر اپنی ہمہ پہلو تحقیق علماء اور
طالبان علم کے سامنے رکھ دی ہے اور یہ کوشش از اول تا آخر صائنۃ الہی کی خاطر ہے۔

اور اسی سے اس کے اجر اور قبولیت کی امید بھی ہے۔
استخراج ہشام ان کی زندگی میں | جب تک ہشام زندہ رہے اپنے اس استخراج کو عنعنہ اور غائب کے صیغے کے ساتھ بیان کرتے رہے۔ اور روایت بالمعنی کی رو سے اپنے خیال میں صحیح روایت بیان کرتے رہے جس کی صورت یہ رہی :-

ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم تزوج عائشۃ وھی بنت سبت اوسبع و بنی بھادھی بنت تسع و کانت عندہا تسعا و مات عنها وھی بنت ثمان عشر سنۃ۔

کبھی یہ عنوان اختیار کیا کہ :-

نکح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عائشۃ وھی بنت سبت اوسبت و ادخلت علیہ وھی بنت تسع و صحبتہ تسعا۔

گویا عنعنہ ہونے کی وجہ سے کافی گنجائش رہی کہ جس طرح چاہیں بیان کریں۔
استخراج ہشام تلامین ہشام کے دور میں | ان کے بعد ان کے تلامین نے یہ خیال کرتے ہوئے کہ حضرت شیخ نے

اپنے والد عروہ سے سنا ہے اور ان کے والد عروہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے سنا ہے اس عنعنہ کو "قالت و اخبرت" کی صورت میں تبدیل ہو گئی اور اس کے بعد یہ روایت تزوجی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وانا بنت سبت سنین کی صورت میں یعنی غائب کے صیغے سے بیان کرنے کے بجائے متکلم کے صیغے سے بیان کرنا شروع کر دیا۔

استخراج ہشام مبدل بکلام عائشہ رضی اللہ عنہا | اس طرح ہشام کا یہ استخراج حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا کلام بن گیا اور اب جو

روایت چلی تو خوب زور دار ہو کر اس طرح چلی :-

تزوجنی النبی صلی اللہ علیہ وسلم وانا بنت سبت اوسبع و بنی وانا بنت تسع و کنت عندہ تسعا۔

پھر اس بلا واسطہ کلام میں بھی وہی تنوع پیدا کر دیا جو بالواسطہ کلام میں تھا۔

اس طرح یہ ہشام کا کلام حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث بن گئی۔

استخراج ہشام بلباس حدیث متواتر | پھر حفاظ حدیث نے اسے احکام کی حدیث بنا کر اس کثرت سے اس کی روایت کی

کہ یہ حد تو اتر تک پہنچ گئی اور بعد میں آنے والے رواۃ نے اس کے متابع اس طرح پیدا کئے کہ اسی استخراج ہشام کو دوسری سندوں سے متعلق کر دیا اور اس ایک متن کے لئے بہت سے اسناد تدلیساً مہیا کر دیئے۔
حالانکہ اس پوری حدیث میں ایک جگہ بھی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا نہیں ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا اپنا کلام تو ہجرت والی روایت میں "وذا لیرمٹ ذ بنت تسع عشرة" تھا جس کو ہشام نے ناقص نقل کیا۔ یعنی ان سے سہواً تحریر میں عشرہ قلم انداز ہو گیا اور صرف "تسع" باقی رہ گیا۔ پھر ہشام نے اس ناقص "تسع" پر اپنے استخراج کی بنیاد رکھ کر اس کو بالکل ایک نئی چیز بنا دیا۔ اور "تسع" کو سامنے رکھ کر اس کے لوازمات اپنے ذہن میں جمع کر کے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت میں بھر دیئے۔ یعنی ان کی زندگی کے بچپن کے واقعات کو بھی اسی روایت کے ساتھ ملا دیا۔ اور مجموعہ ایک روایت بنا کر روایت شروع کر دی۔ یعنی ہجرت والی روایت کے ساتھ اس جوہر صواب بنات، لعب، ماں کا منہ دھونا، سانس پھول جانا وغیرہ کا ذکر، جو سارا کا سارا اسی لفظ "تسع" کے تصور پر مبنی ہے یہ سب کچھ ہشام کا اپنا ذہن ہے یا ان کے کسی شاگرد کا جس کا روایت سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

ابن سعد کی روایت جو ہم پہلے بیان کر چکے ہیں ظاہر کر رہی ہے کہ اصل روایت میں ان چیزوں میں سے کسی کا بھی ذکر نہیں ہے۔

تاریخ کے اس دور میں ہشام کے سوا رُدئے زمین پر کوئی دوسرا راوی اس روایت کو بیان کرنے والا نہیں تھا۔ اس لئے تمام آئمہ فخر کو ان کی طرف رجوع کرنا پڑا۔ چنانچہ امام شافعی رحمہ اللہ اور امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کے اساتذہ، اور بخاری اور اصحاب سنن کے اساتذہ اساتذہ سب اس روایت کو ہشام ہی سے بیان کرتے ہیں۔

اس روایت کے تین متابع بیان کئے جاتے ہیں۔ اور ان کے الفاظ وہی ہیں جو ہشام کی روایت کے ہیں۔

جبکہ یہ تحقیق ہو چکا کہ یہ روایت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا کلام نہیں ہے بلکہ استخراج ہشام ہے تو پھر ظاہر ہے کہ یہ متابعات بھی خود بخود ختم ہو جاتے ہیں۔
ہشام کا خاتمہ اختلاف پر ہوا ہے اللہ تعالیٰ انہیں معاف فرماتے ہیں دربارہ حضرت ہشام کے متعلق

تہذیب التہذیب کی عبارت نقل کر کے ان کے تعارف کو مکرر تازہ کرتے ہیں۔
 قدم الاسوفۃ ثلاث مرات فقدم الادلی دکان یقول :-
 "حدثنی ابی قال سمعت عائشۃ :-"

قدم الثانیۃ فکان یقول :- "اخبرنی ابی عن عائشۃ :-"

وقدم الثالثۃ فکان یقول :- "ابی عن عائشۃ :-"

سمع منه بالخرۃ وکیع ومحاضر وابت نمیر

وقال الاجری عن ابی داؤد لما حدث هشام بن عروہ حدیث امر
 نرعة هجرہ :-

وقال العقیلی کان ابو الاسود یتعجب من حدیث هشام عن ابیہ
 دیمما مکث سنۃ لا یکلمہ :-

وقال ابن قطان قد تغیر قبل موته ولم نزلہ فی ذلك سلفنا
 ولم ینکر علیہ شیء الا بعد ما حاصر الی العراق فانه انبسط فی روايته
 عن ابیہ بما کان سمعہ من غیر ابیہ :-

وقال ابن خرواش وکان مالک لا یرضاه

وبلغنی ان مالکاً نقر علیہ حدیثہ لاهل العراق :-

(تہذیب التہذیب ص ۴۸ جلد ۱)

وہ کوئی تین دفعہ آئے پہلی دفعہ آئے تو کہتے تھے میرے باپ نے مجھ سے حدیث بیان
 کی اس نے کہا میں نے عائشہؓ کو سنا :-

دوسری دفعہ آئے تو کہتے تھے میرے باپ نے خبر سنائی عائشہؓ سے :-

اور تیسری دفعہ آئے تو کہتے تھے میرے باپ سے اس نے عائشہؓ سے :-

اور اس سے آخر میں سننے والے وکیع محاضر اور ابن نمیر ہیں :-

اجری نے کہا ابو الاسود سے جب ہشام بن عروہ نے حدیث ام زرع بیان کی اس نے
 اسے چھوڑ دیا :-

عقیلی نے کہا ابو الاسود تعجب کرتے تھے ہشام کی حدیث سے جو وہ اپنے باپ کی طرف
 منسوب کر کے بیان کرتے تھے :- اور اکثر سال سال بھر اس سے بات نہیں کرتے تھے :-

ابن قطان نے کہا موت سے پہلے ان کی حالت بدل گئی تھی اور ہمیں کوئی اس کا بدل
 نہ مل سکا ان پر کسی چیز کا انکار نہیں کیا گیا مگر جب وہ عراق گئے اور فراخی پیدا کر دی اپنے

باپ سے اپنی روایات میں تو ان کے اہل شہر نے اُن کی روایات کا انکار کر دیا۔
اور ہشام نے اہل عراق کے لئے یہ تنہیں کر دی کہ جو اپنے باپ سے نہیں سنا تھا
اوروں سے سنا تھا وہ بھی اپنے باپ سے بیان کرنے لگے۔

ابن خراش نے کہا امام مالک سے پسند نہیں کرتے تھے مجھے یہ بات پہنچی کہ امام
مالک نے ان پر گرفت کی ہے۔ ان کے حدیث بیان کرنے پر اہل عراق کے لئے۔

ہشام کے ساتھ آخری رعایت | حضرت ہشام نے اپنی اس روایت میں نہایت بچپن
کا ثبوت دیا ہے۔ بایں ہمہ ان کی اس روایت کے بارے

میں ہمارا محتاط اور دیانت دارانہ موقف یہ ہے کہ ہشام سے یہ غلطی سہواً بھول چوک کے طریقے
پر ہوئی ہے۔ دانستہ نہیں ہوئی۔ یعنی لفظ ”عشرہ“ کتابت کے دوران سہواً ان سے
چھوٹ گیا ہے۔ ورنہ امام مالک تو کھرے کھرے الفاظ میں فرماتے ہیں کہ:-

”ہشام بن عروہ کذاب“

سہو کتابت نہ ہوتا تو استنباط ہشام کی
صورتیں مندرجہ ذیلے ہوتیں

ا۔ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم تزوجھا وہی بنت سبع عشرۃ
سنۃ وادخلت علیہ وہی بنت تسع عشر سنۃ وکانت عندہ
تسعا۔

ب۔ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم تزوجھا وہی بنت سبع عشرۃ سنۃ
وہی بنت تسع عشر سنۃ وکانت عنہا وہی بنت ثمان وعشرین
سنۃ۔

ج۔ ... توفی عنہا وہی ثمان وعشرین سنۃ۔

د۔ فقبض رسول اللہ ص وہی بنت ثمان وعشرین سنۃ۔

ا۔ نبی صلعم نے اس سے نکاح کیا اور کترہ سال کی تھی اور رخصتی ہوئی تو وہ انیس سال
کی تھی وہ آپ کے ساتھ نو سال رہی۔

ب۔ نبی صلعم نے اس سے نکاح کیا تو وہ کترہ سال کی تھی رخصتی ہوئی تو وہ انیس سال
کی تھی اور آپ کی وفات ہوئی تو وہ ۸ سال کی تھی۔

اور جب اس استخراج کو بلا واسطہ کلام میں تبدیل کیا جاتا تو روایت اس طرح ہوتی۔

تزوجنی النبی صلی اللہ علیہ وسلم وانا بنت تسع عشرة سنة وبنی حب
وانا بنت تسع عشرة سنة وکنت عندا تسعا۔ او۔ مات عني وانا بنت
ثمان وعشرين۔

مجھ سے نکاح کیا بنی صلعم نے اور میں ۱۷ سال کی تھی اور میری رخصتی ہوئی تو میں ۱۹ سال
کی تھی اور میں آپ کے ساتھ نو سال رہی یا جب آپ کی وفات ہوئی تو میں ۲۸ سال کی تھی۔
اور اگر حافظ ابن حجر اور دیگر محققین کے بیان کے موافق یہ تسلیم کیا جائے کہ رخصتی سہ
بھری میں ہجرت کے سات آٹھ ماہ بعد ہوئی ہے اور سہ بھری میں نہیں ہوئی ہے۔ (جیسا
کہ ہشام کا خیال ہے) اور نکاح کی مدت کو پانچ ماہ سے بڑھا کر سال نہ کریں یعنی نکاح اور
بناء میں صرف ایک سال کا وقفہ تسلیم کریں اور بناء کے وقت حضرت عائشہ رضی کی عمر ان
کے اپنے بیان کے مطابق ۱۹ سال تسلیم کریں۔ تو پھر اس جملے وانا یومئذ بنت
تسع عشرة سے استخراج کی صورت یہ ہوگی۔

عن عائشة تزوجها النبی صلی اللہ علیہ وسلم وہی بنت ثمان
عشرة سنة وبنی بھا وہی بنت تسع عشرة سنة وکانت عنده
عشر۔ او۔ مات عنها وہی بنت تسع وعشرين سنة۔

عائشہ رضی سے روایت ہے کہ بنی صلعم نے نکاح کیا تو اس کی عمر ۱۸ سال کی تھی اس
کی رخصتی ہوئی تو ۱۹ سال کی تھی وہ آپ کے پاس ۹ سال رہی یا جب آپ کی وفات ہوئی
تو ۲۹ سال کی تھی۔

اور جب اس بالواسطہ کلام کو بلا واسطہ کلام میں تبدیل کیا جائے گا تو اس طرح
کلام عائشہ رضی بنے گا:-

تزوجنی النبی صلی اللہ علیہ وسلم وانا بنت ثمان عشرة سنة وبنی بی
وانا بنت تسع عشرة سنة وکنت عنده عشرة۔ او۔ مات عني وانا
بنت تسع وعشرين سنة۔

مجھ سے نکاح کیا بنی صلعم نے تو میں ۱۸ سال کا تھی اور میری رخصتی ہوئی تو میں ۱۹ سال
کی تھی اور میں آپ کے ساتھ ۱۰ سال رہی یا جب آپ کی وفات ہوئی تو میں ۲۹ سال
کی تھی۔

تصحیح کتابت کے بعد ہشام کی روایت بالمعنی ہر طرح حقائق کے مطابقت ہو جاتی ہے

ہشام کی روایت بالمعنی واقعہ کے لحاظ سے غلط نہیں ہے۔ وانا لیسو من بنی بنت تسع عشرة سے ماخوذ ہے اور ان تاریخی حقائق پر مبنی ہے کہ نکاح ہجرت سے چند ماہ پہلے شوال میں ہوا۔ رخصتی ہجرت سے سات آٹھ ماہ بعد سلمہ ہجری شوال میں ہوئی۔ بنی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سلمہ میں ہوئی۔ نکاح اور رخصتی میں ایک سال کا وقفہ ہے۔ رخصتی کے بعد ربیع الاول سلمہ تک مقررہ سنین کے حساب سے آپ کی خدمت میں دس سال رہیں۔ رخصتی کے وقت عمر تسع عشرہ۔ اس سے ایک سال پہلے ثمان عشرہ۔ رخصتی کے دس سال بعد تسع وعشرین۔

ہشام سے پہلے لوگ اس روایت سے بالکل ناواقف تھے۔ اور یہی سمجھتے تھے کہ حضرت عائشہ رضی کی عمر نکاح اور رخصتی کے وقت ۱۸۔ ۱۹ سال تھی۔ ہشام نے اسے عجوبہ بنادیا "تسع عشرہ" کی صورت میں اس روایت میں کوئی استکراہ نہیں تھا۔ ازواج مطہرات میں حضرت حفصہ حضرت عائشہ رضی کی ہم عمر ہیں۔ حضرت جویریہ اور حضرت صفیہ حضرت عائشہ رضی سے عمر میں چھوٹی ہیں۔ سلمہ ہجری میں جب بنی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جویریہ سے نکاح کیا تو ان کی عمر بیس سال تھی۔ اس وقت حضرت عائشہ رضی کی عمر ۲۳ سال تھی۔ اس طرح حضرت عائشہ رضی حضرت جویریہ سے تین سال بڑی ہیں۔

حضرت صفیہ سے سلمہ ہجری میں بنی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نکاح کیا تو اس وقت ان کی عمر ۱۷ سال تھی۔ اور حضرت عائشہ رضی کی عمر اس وقت ۲۵ سال تھی۔ اس طرح حضرت عائشہ رضی حضرت صفیہ رضی سے ۸ سال بڑی تھیں۔

بنات میں سے حضرت فاطمہ رضی حضرت عائشہ رضی کی

ہم عمر ہیں لیکن روایت ہشام نے تاریخ کو کچھ بنا دیا

ذہانت اور فطانت کے اعتبار سے حضرت عائشہ رضی اپنی عمر کی یہ نسبت بہت زیادہ پختہ تھیں۔ جو پختہ کاری عام آدمی بڑی عمر میں تجربہ کے بعد حاصل کرتے ہیں وہ پختہ کاری انہیں ابتداء ہی میں ذہانت کی وجہ سے حاصل تھی۔ وہ اپنے وقت میں نابغہ دوران تھیں۔ دُور بینی اور واقعات کے تجربے میں انہیں کمال حاصل تھا۔ نفسیات

انسانی کا شعور انہیں کمال کی حد تک حاصل تھا۔ ان کی کسی بات میں بچپن نہیں تھا۔
 اے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آکر ان کا کبھی کھیل کود سے تعلق نہیں رہا۔
 ان کی عمر کا تقاضا کھیل کود نہیں تھا۔ ان کے مقام کا تقاضا قرآن و سنت کے مسائل کو
 حل کرنا اور انہیں محفوظ کرنا تھا۔ اور وہ انہوں نے کیا اور خوب کیا۔

عمر عائشہؓ کے بارے میں مزید بحث

ہشام سے ہجرت عائشہؓ کے واحد راوی صرف علی بن مسہر ہیں

اس وقت کتب تاریخ و حدیث میں حضرت عائشہؓ کی عمر کے بارے میں صراحت صرف قیاس و استنباط ہشام ہی ہے جو تین جملوں پر مشتمل ہے:-

فلکھا النبی صلی اللہ علیہ وسلم وہی بنت ست سنین :-

و بنی بہا وہی بنت تسع :-

و کانت عندہ تسعاً .

نبی صلعم نے اس سے نکاح کیا تو وہ چھ سال کی تھی .

رخصتی ہوئی تو نو رو، سال کی تھی .

وہ نو سال آپ کے ساتھ رہی .

اس استنباط ہشام کے راوی تو کثیر التعداد حفاظ حدیث ہیں . جیسا کہ ہم اپنے موقعہ

پر تفصیل کے ساتھ لکھ چکے ہیں . لیکن ہشام نے اپنے قیاس کی بنیاد جس روایت کے آخری

جملے " وانا یومئذ بنت تسع " پر رکھی ہے اس پوری روایت کا راوی تلامیذ ہشام

میں سے کوئی کا صرف ایک شخص علی بن مسہر ہے .

یہ روایت حدیث کی صرف تین کتابوں میں آئی ہے . بخاری . ابن ماجہ اور

سنن دارمی . جن میں سے دارمی بخاری کے ہم عصر ہیں .

یہ روایت اگرچہ مسلم میں بھی بذریعہ ابواسامہ منقول ہے لیکن اُس میں زیر بحث

جملہ " وانا یومئذ " موجود نہیں ہے .

روایت ہجرت تعیین عمر کی کمزور بنیاد ہے | جب ہم نے مفصل بحث و تمحیص کے بعد

اس تمام روایت ہی کو متناً اور سنداً دونوں حیثیت سے مسترد کر دیا ہے تو پھر اس کے ایک جملے "وانا یومئذ" کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا جملہ کہنا اور پھر اس سے ناقص قرار دے کر ناقص حالت میں قیاس ہشام کی بنیاد تسلیم کرنا بھی برائے بحث تھا۔

وہ حقیقت تو یہ ہے کہ اس جملے کو بھی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا جملہ تسلیم کرنا ایک بے دلیل دعویٰ کو تسلیم کرنا ہے۔ اور کچھ نہیں کہا جاسکتا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے یہ جملہ بھی فرمایا تھا یا نہیں۔

جب کوفے میں حضرت ہشام نے اپنے اس استنباط کا اعلان کیا اس وقت دیگر رواد بھی موجود تھے۔ وہ سب استنباط ہشام کے راوی ہیں۔ لیکن استنباط کے پہلے جملے کے بعد "فقد منا" سے شروع ہونے والا وہ حصہ جس کے آخر میں "وانا یومئذ" ہے محض علی بن مسہر سے منقول ہے۔

اب یہ بات بالکل معلوم نہیں ہے کہ علی بن مسہر نے یہ روایت ہشام سے علیحدگی میں کب سنی۔ جس "مکڑے" کو ہشام کے استخراج کے پہلے جملے کے ساتھ ملا کر ہشام کی روایت ظاہر کیا گیا ہے معلوم نہیں اس کی اصلی صورت کیا تھی اور علی بن مسہر نے اسے کیا سے کیا بنا دیا۔

اس میں شک نہیں ہے کہ "فقد منا" سے شروع ہونے والا حصہ ایک بڑے قصہ کا جزو ہے لیکن اس میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا بچپن ظاہر کرنے کے لئے بے سرو پا باتوں کا ذکر نہیں ہے۔

تعیین عمر کی پختہ بنیاد روایت بکارت ہے | روایت ہجرت کو کمزور ثابت کرنے کے بعد اب ضرورت ہے کہ بناء کے وقت

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی تعیین عمر کے لئے کوئی اور بنیاد بھی تلاش کی جائے جس سے یہ ثابت ہو سکے کہ "وانا یومئذ" فی الواقع حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا اپنا جملہ تھا جسے ہشام نے ناقص صورت میں نقل کیا ہے۔

صحابہ میں سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی عمر کے متعلق کسی کا کوئی بیان نہیں ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا اپنے متعلق صرف اتنا بیان ہے کہ "وکنت یسکوا" یعنی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے دیگر ازواج مطہرات کے مقابلہ میں اپنے بکر پر تو فخر کیا ہے لیکن اپنی کم عمری کا کوئی ذکر نہیں کیا ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا اپنا بیان | عن هشام بن عروہ عن ابیہ عن عائشہ رضی اللہ عنہا قالت قلت یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

الرأیت لو نزلت دایا وفيه شجرة قد اكل منها وحدثت شجرة لم یوکل منها . فی ایہا تر تع بحیرک قال فی اللتی لم یر تع منها (بخاری باب نکاح الایکام)

ہشام بن عروہ سے روایت ہے اس نے باپ سے اس نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے سنا عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا میں نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا آپ نے دیکھا جب آپ کسی وادی میں ٹھہریں اور اس میں ایسے درخت ہوں جو کھائے گئے ہوں اور ایسے درخت بھی ہوں جو کھائے نہ گئے ہوں تو آپ چرنے کے لئے اپنا اونٹ کو نئے درختوں میں چھوڑیں گے آپ نے فرمایا ان میں جو ابھی چرے نہیں گئے .

حضرت عبداللہ بن عباس کا بیان | حدیث محمد بن المثنی قال حدیثنا یحییٰ

عن عمر بن سعید بن ابی حنین قال

حدیثی ابن ابی ملیکہ قال استاذن ابن عباس قبیل موتہا علی عائشہ رضی اللہ عنہا دہی مغلوبہ قالت خشیت ان یثنی علی فقیل ابن عمر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال فانت بخیر ان شاء اللہ نرا وجہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ینکح بکرا غیرک ونزل عذراک من السماء ودخل ابن نربیر خلفہ فقالت دخل علی ابن عباس فاثنی علی ووددت انی کنت لسیا منسیا .

(بخاری جلد دوم جزو تاسع باب دلولا اذ سمعتہ)

محمد بن مثنیٰ نے ہم سے حدیث بیان کی اس نے کہا ۔ یحییٰ بن عمر بن سعید بن ابی حنین نے ہم سے حدیث بیان کی اس نے کہا مجھ سے ابن ابی ملیکہ نے حدیث بیان کی اس نے کہا ابن عباس نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے حاضر ہونے کی اجازت طلب کی ۔ عائشہ رضی اللہ عنہا کی وفات سے تھوڑی دیر پہلے اور وہ مرض الموت میں جکڑی ہوئی تھی عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا مجھے اندیشہ ہے کہ میں میری تعریف نہ شروع کر دے ان سے کہا گیا کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا چچا زاد بھائی ہے اور مسلمانوں میں سربراہ اور وہ ہے تو عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا اسے اجازت ہے ابن عباس نے آکر پوچھا آپ کا

اب کیا حال ہے عائشہ رضی نے جواب دیا خیریت سے ہوں اگر میں متقی ہوں ابن عباس نے کہا آپ تو انشاء اللہ ہر حالت میں بخیر ہیں آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اہلیہ ہیں۔ آپ کے سوا کسی باکرہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نکاح نہیں کیا آپ کی برأت آسمان سے اتری اور دوسری طرف سے عبداللہ بن زبیر داخل ہوئے عائشہ رضی نے اس وقت کہا ابن عباس آپ سے اور میری تعریف کی اور میری تمنا ہے میں کچھ بھی نہ ہوتی۔

حضرت ابن عباس کے اس بیان سے ظاہر ہے کہ حضرت ابن عباس کے وقت تک لوگ محض اس حقیقت سے واقف تھے کہ نکاح اور بناء کے وقت حضرت عائشہ رضی باکرہ تھیں۔ صغیرہ نہیں تھیں۔ حضرت ابن عباس کی وفات ۶۸ھ میں ہوئی۔ اس وقت تک نکاح صغیرہ کی نادرہ واثبت سے کوئی واقف نہیں تھا۔ صحابہ میں سے کسی اور صحابی کا کوئی بیان نظر سے نہیں گذرا۔ تابعین میں سے بھی سوائے ہشام کے کسی کا کوئی بیان نظر سے نہیں گذرا اور ہشام کی روایت تسع بوجہ ناقابل قبول ہے۔

مختلف کتب رجال تاریخ سے ہم نے حضرت اسماء اور حضرت عائشہ رضی کی عمر کے فرق کو ظاہر کیا ہے لیکن یہ سب کتابیں پانچویں صدی ہجری کے بعد کی ہیں۔ ان کے بیان باوجود ثقہ ہونے کے متقدمین محدثین کے مقابلہ میں وزن نہیں رکھتے۔ تاوقتیکہ ہمیں متقدمین میں سے اس دس سالہ فرق کا مستند ماخذ معلوم نہ ہو۔ اس لئے ہم نے اس دس سالہ فرق کے قول کے ابتدائی ماخذ کو تلاش کیا تو سیر اعلام النبلاء میں حافظ ذہبی کا ایک قول بلا سند نظر پڑا جس میں لکھا تھا کہ :-

قال عبدالرحمن بن ابی الزناد۔ مگر حافظ ذہبی کا یہ بیان ہمارے لئے ناقابل قبول تھا۔ اس لئے کہ عبدالرحمن کی پیدائش ۱۱۰ھ ہجری کی ہے۔ یہ پہلے مدینے میں رہے پھر بغداد جا رہے تھے۔ لہذا ان کی بغداد کے زمانے کی روایات مشکوک ہیں۔

بالآخر ہماری اس مشکل کو صاحب الاستیعاب نے حل کر دیا۔ کیونکہ اس قول کو صحیح سند کے ساتھ ابوالزناد تک پہنچا دیا۔ اور یہ روایت اب مرسل ابوالزناد ہے۔

عمر اسماء و عائشہ رضی میں دس سالہ فرق کے
راوی ابوالزناد تابعی ہیں

حضرت اسماء کی وفات کے وقت ابوالزناد کی عمر ۸۰۔ ۹۰ سال تھی۔ اس لئے ان

کا براہ راست حضرت اسماء سے سماع ثابت نہیں۔ اس لئے لازماً انہوں نے یہ روایت اپنے
اساتذہ سے سنی ہوگی کہ حضرت اسماء اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی عمر میں دس سال کے قریب فرق تھا۔
ایسا معلوم ہوتا ہے کہ پہلی صدی ہجری کے آخری دور میں اہل علم کے حلقہ میں یہ خیال معروف
تھا کہ ان دونوں بہنوں میں ۹ - ۱۰ سال کا فرق تھا۔ اسی لئے ابوالزناد نے اس فرق کو
زید بن عمرو کی روایت حضرت اسماء سے نقل کرتے ہوئے بیان کر دیا۔ اس روایت کو ہم
پہلے لکھ چکے ہیں۔

حافظ ذہبی کے بیان کے مطابق عبدالرحمن بن ابی الزناد کے بھائی راد جانی نے مکہ مدینہ
میں اہل مدینہ کا یہی خیال تھا کہ ان دونوں بہنوں میں دس سال کے قریب فرق تھا۔
عبدالرحمن سنہ ۱۵۰ھ کے بعد بغداد گئے ہیں۔

موازنہ ابوالزناد و ہشام بن عروہ | اب ہمارے سامنے ایک طرف ابوالزناد کی تصریح
ہے کہ حضرت اسماء حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے دس

سال کے قریب بڑی ہیں۔ دوسری طرف حضرت ہشام کی تصریح ہے کہ بناد کے وقت
حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ۹ سال کی تھیں۔ یعنی دونوں میں بیس سال کا فرق تھا۔ یعنی حضرت
اسماء حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بیس سال بڑی تھیں۔

ان دونوں اقوال میں تضاد ہے۔

ہشام کی روایت بظاہر موصول معلوم ہوتی ہے لیکن حقیقت میں موصول نہیں
ہے جیسا کہ ہم مفصل بیان کر چکے ہیں۔

اب یا تو ہم ابوالزناد کی تصریح کو قبول کریں یا ہشام کی تصریح کو۔ یا ان دونوں
کے درمیان تطبیق کی کوئی صورت پیدا کریں۔

ابوالزناد ہشام سے زیادہ حجت ہیں | ہم رجال کے نقطہ نظر سے ابوالزناد کے
بیان کو قابل ترجیح خیال کرتے ہیں۔

ابوالزناد اور ہشام ہم عمر ہیں۔ لیکن آئمہ رجال کی تصریح کے موافق ابوالزناد ہشام کے مقابلہ
میں ثقہ اور حجت ہیں۔ کسی نے بھی ان پر نکیر نہیں کی۔ اور تنقید کے نقطہ نظر سے ان پر
کوئی گرفت نہیں ہے۔

ابوالزناد علماء سے رجال کی نظر میں

ابو عبد الرحمن کے الفاظ میں :-

فقیہ وقاضی مدینة . ابوالزناد فقیہ تھے اور قاضی مدینہ تھے .

ابوالزناد نے انس بن مالک سے سماعت کی . عبد اللہ بن جعفر اور سعید بن المسیب سے سنا ابوالزناد الاخرج کے خصوصی تلمیذ ہیں . پھر ان سے سماعت حدیث کرنے والے امام مالک ، اور امام لیث مصری جیسے آئمہ فن ہیں . صالح بن کيسان بھی ان کے شاگرد ہیں . لیث اور صالح دونوں عمر میں ابوالزناد سے بڑے تھے . اعمش ، ہشام بن عروہ ، موسیٰ بن عقبہ . سفیانان وغیرہ نے ان سے روایات اخذ کیں اور بیان کی ہیں گویا ابوالزناد خود ہشام بن عروہ کے بھی شیخ ہیں .

قال الليث :-

رأيت خلفه ثلاث مائة من طالب فقه و طالب شعر .

قال الامام ابو حنيفة :-

رأيت الربيعه و ابا الزناد . و ابوالزناد اقضى الرجلين .

قال سفیان :-

ابوالزناد امير المؤمنين في الحديث .

قال مصعب الزبيري :-

ابوالزناد فقيه اهل المدينة .

(تذکرۃ الحفاظ رقم ۲۶ طبقہ خامسہ ص ۱۲)

قال الامام احمد :-

ابوالزناد ثقة .

قال ابن معين :-

ابوالزناد ثقة حجة . لم يكن بالمدينة بعد

كبار التابعين اعلم منه .

قال ابو حاتم :-

ابوالزناد صالح الحديث . صاحب سنة . فهو

ممن تقوم به الحجة .

قال ابن سعد :-

كان ابوالزناد ثقة كثير الحديث بصيرا

بالعربية عالما عاقلا .

قال النسائي والعجلي
والساجي والطبري :-

كان ابوالزناد ثقة .

قال ابن حبان :-

كان ابوالزناد صاحب كتاب و فقيها .

قال ابن عدي :-

احاديثه مستقيمة كلها .

قال البخاری : — اصح الاسانید

” ابوالزناد عن الاعرج عن ابی ہریرۃ “

(تہذیب التہذیب جلد ۵ ص ۲۳۳ رقم ۳۵۱)

لیث نے کہا : — میں نے اس کے پیچھے تین سو طالب علم فقیہہ اور شعر کے رکھے
امام ابو حنیفہؒ نے کہا : — میں نے ربیعہ اور ابوالزناد دونوں کو دیکھا ابوالزناد قضی میں
ربیعہ سے بڑھ کر تھے ۔

سفیان نے کہا : — ابوالزناد امیر المومنین ہیں حدیث میں ۔

ابن مصعب زہری نے کہا : — ابوالزناد مدینے والوں کے فقیہہ تھے ۔

امام احمد نے کہا : — ابوالزناد ثقہ تھے ۔

ابن معین نے کہا : — ابوالزناد ثقہ تھے اور حجتہ تھے ۔ کبار تابعین کے بعد مدینے
میں کوئی ان سے زیادہ اعلم نہیں تھا ۔

ابو حاتم نے کہا : — ابوالزناد درست احادیث والے تھے ۔ اور صاحب سنت تھے
اور ان میں سے جن سے حجت حاصل کی جاتی ہے ۔

ابن سعد نے کہا : — ابوالزناد ثقہ تھے کثیر الحدیث تھے عربیت میں صاحب بصیرت
تھے عالم اور عاقل تھے ۔

نسائی عملی ساحی طبری نے کہا : — ابوالزناد ثقہ تھے ۔

ابن حبان نے کہا : — ابوالزناد کتاب والے اور فقیہہ تھے ۔

ابن عدی نے کہا : — ابوالزناد سے مروی احادیث درست ہیں ۔

بخاریؒ نے کہا : — سب سے بہتر سند یہ ہے ابوالزناد اعرج سے اور وہ
ابو ہریرہ سے ۔

مگر ابوالزناد کی روایت سے صرف اتنا معلوم ہوتا ہے کہ دونوں بہنیں و کس سال
کے قریب چھوٹی بڑی تھیں ۔ اب یہ کیسے معلوم ہو کہ حضرت عائشہؓ کی عمر بناء کے
وقت کیا تھی ؟

اس سوال کا جواب مندرجہ ذیل واقعات اور معلومات کو جمع کرنے سے خود بخود
نکل آتا ہے ۔

حضرت اسماءؓ کی عمر کے مختلف مدارج | ۱ - حضرت اسماءؓ کی وفات ۳۳ھ
میں ہوئی ۔ اور وفات کے وقت

ان کی عمر سو سال تھی۔ اسی لئے ابو نعیم اصفہانی نے کہہ دیا کہ ہجرت کے وقت ان کی عمر ۲۷ سال تھی۔

ابو نعیم کا یہ بیان قیاس ہے۔ اس لئے کہ جو شخص ۳۷ سال میں سو سال کا ہوگا وہ لامحالہ ۳۷ سال کا ہوگا۔

۲۔ حضرت اسماءؓ بعثت کے فوراً بعد ایمان لائی ہیں اور وہ اس وقت بالغہ تھیں۔ بعثت سے ہجرت تک کا زمانہ ۳۱ سال ہے۔ لہذا حساب کی رو سے

$$(13 + 43 = 86 - 100 = 14)$$

یعنی ایمان لانے کے وقت ان کی عمر ۱۴ سال تھی۔

حضرت اسماءؓ زید کے ایک قول کی راوی ہیں۔ اور زید کی وفات بعثت سے پانچ سال پہلے بنا۔ کعبہ کے وقت ہوتی (۸۶ + ۵ = ۹۱) جس وقت حضرت اسماءؓ نے زید سے اس کا قول سنا حساب کی رو سے ان کی عمر ۹ سال تھی۔

لیکن ۹ سال کی بچی دقیق مضمون پر مشتمل یہ جملہ کہ :-

”وین ابراہیم پر آج میرے سوا کوئی نہیں“ مستبعد ہے۔

حضرت عائشہؓ کی عمر بنا۔ ۱۹۔ ۲۰ سال | لہذا ماننا پڑے گا کہ زید کی وفات

کے وقت حضرت اسماءؓ کی عمر

۹ سال سے کچھ زیادہ ہوگی۔ یعنی کم از کم ۱۱۔ ۱۲ سال تو ہوگی۔ بنا بریں بعثت کے وقت ۱۶۔ ۱۷ سال اور ہجرت کے وقت ۲۹۔ ۳۰ سال ہوگی۔ پھر اگر اس میں سے دس سال کم کر کے حضرت عائشہؓ کی عمر نکالیں گے تو ان کی عمر ہجرت کے وقت ۱۹۔ ۲۰ سال بنتی ہے۔

تطبیق ابو الزناد و ہشام | اب اگر ہم اس کے ساتھ ہشام کی روایت کے آخری جملے

”وانا یومئذ“ کو ملا لیں اور یہ مان لیں کہ ان

سے اس میں سہو گناہت سے سقوط ”عشرہ“ ہوا ہے جیسے کہ ہم تحقیق کر چکے ہیں تو ہشام کی تطبیق بھی ہو جاتی ہے۔

اس صورت میں حضرت عائشہؓ کی عمر ۱۹ سال ہوتی ہے۔ اور اگر وہ

۳۷ سال تک زندہ رہیں تو ۹۰ سال کی ہوتیں۔ جبکہ ۳۷ سال میں ان کی بہن اسماءؓ

سال کی ہوں ۔
 البوالزناد کی روایت کو اصل مانیں اور ہشام کی روایت " وانا یومئذ " کو ناقص
 بالسہو تسلیم کر لیں (جیسا کہ واقع میں ہے) تو حضرت اسامہ کی عمر ۳۳ھ میں تیسواں سال ہو
 اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی عمر ۳۳ھ ہجری میں ۱۹ سال ہو تو اس صورت میں دونوں بہنوں کی
 عمر میں ۹ - ۱۰ سال کا فرق بھی نکل آتا ہے ۔ اور البوالزناد اور ہشام کی روایت میں تطبیق
 بھی ہو جاتی ہے ۔ اور اس سے یہ بھی ظاہر ہو جاتا ہے کہ روایت ہشام میں سہو کتا بت
 واقع ہوا ہے ۔



خلاصہ بحث

ہم عمر عقیقین۔ یہ ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت اسماء رضی اللہ عنہا قیاس ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی عمر بھی نکاح کے وقت اپنی بہن حضرت اسماء کی طرح ۲۷ - ۲۸ سال تھی۔

چونکہ ہمارے اس قیاس کے لئے ان قرآن کے سوا جن کا ہم نے اوپر ذکر کیا ہے کسی مورخ اور کسی راوی کا کوئی تحریری تاثر ہی بیان نہیں ملتا اس لئے اس کی واقعیت پر ہم زور نہیں دے سکتے۔ بخلاف ہمارے پہلے بیان کے کہ بناء کے وقت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی عمر ۱۹ سال تھی۔ اس کے لئے تاریخ میں تصریحی بیان ملتا ہے۔

بائیں ہمہ ہمارے قیاسی بیان خارج از امکان نہیں ہے۔ اور ہمارے نزدیک ہمارے قیاس پہلے بیان سے کم وزن نہیں ہے۔ اس لئے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بہن حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کے ساتھ ساتھ نبوت میں ایمان لائی ہیں تو ایمان لانے کے وقت ان کی عمر اگر تیرہ سال بھی ہو تو ہجرت مدینہ کے وقت ۲۷ سال بن جاتی ہے۔ اور ہمارے اس قیاس میں اور ہشام کے ناقص جملے میں اس طرح تطبیق کی جاسکتی ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا تھا وانا یومئذ بنت تسع وعشرین اس جملے میں عشرين کا لفظ ساقط ہو گیا اور صرف تسع رہ گیا۔

خلاصہ یہ ہے کہ موجودہ ان عام روایات کی رو سے ایک بہن کی شادی ۲۷ - ۲۸ سال کی عمر میں ہو اور دوسری کی صرف ۶ سال کی عمر میں جبکہ دونوں بہنوں کے نکاح کا زمانہ بھی ایک ہی ہو یا قریب قریب ہو تو عمروں میں نکاح کے وقت اس قدر فرق! حالانکہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو کوئی ایسی مجبوری بھی نہ تھی۔ یہ سمجھ میں نہ آنے والی بات ہے اور مذکورہ بالا قرآن کی روشنی میں حقیقت یہی معلوم ہوتی ہے کہ دونوں بہنیں تقریباً ہم عمر عقیقین اور دونوں کا نکاح تقریباً ایک ہی عمر میں ہوا تھا یعنی ۲۷ - ۲۸ سال کی عمر میں اور نخستی بھی ایک ہی زمانہ میں یعنی ہجرت کے بعد مدینہ منورہ میں ہوئی۔

عمر عائشہؓ کے بارے میں

ہمارا قیاس

حضرت عائشہؓ رضی اللہ عنہا کی برائیاں ان سے قدر بڑی تھیں

اب تک ہم نے یہ تحقیق کیا کہ حضرت عائشہؓ رضی اللہ عنہا کی عمر بناء کے وقت ۹ سال نہیں تھی۔ اور اس کے لئے ہمیں جو تاریخی مواد مل سکا وہ ہم نے پیش کر دیا۔ تحقیق و تدقیق کے دوران ایسے قرائن و شواہد بھی ہمارے سامنے آئے جن کے اشارات اس طرف معلوم ہو رہے تھے کہ حضرت عائشہؓ رضی اللہ عنہا کی عمر نکاح اور بناء کے وقت ۹ سال سے بھی زیادہ تھی۔

ہم ان اشارات کو تسلیم کرتے ہوئے اس قیاس میں حق بجانب نظر آتے ہیں کہ حضرت اسماء اور حضرت عائشہؓ رضی اللہ عنہا کی عمریں میں کچھ زیادہ تفاوت نہیں تھا۔ صرف ایک آدھ سال کا فرق ہو سکتا ہے۔ اور یہ بھی اس طرح کہ حضرت عائشہؓ رضی اللہ عنہا بڑی ہوں اور حضرت اسماءؓ رضی اللہ عنہا چھوٹی۔ اور نتیجہ قیاس یہ ہے کہ نکاح کے وقت حضرت عائشہؓ رضی اللہ عنہا کی عمر ۲۸ سال تھی اور بناء کے وقت ۲۹ سال۔

بنائے قیاس | ان دونوں بہنوں کی عمریں کے متعلق دور صحابہ میں کسی شخص کا بیان تاریخ میں مذکور نہیں ہے۔ صرف اتنا معلوم ہے کہ حضرت عائشہؓ رضی اللہ عنہا کی وفات ۶۸ھ میں ہوئی ہے۔ اگر

ہشام کے قیاس کو ترک کر دیا جائے (جیسے کہ ہم) سے قابل ترک ثابت کر چکے ہیں)
تو یہ معلوم نہیں کہ وفات کے وقت ان کی عمر کیا تھی ۔

حضرت اسماء کی وفات ۳۷ھ میں ہوئی ہے ۔ بعد والوں کا اندازہ ہے کہ وفات کے
وقت عمر سو سال تھی ۔ اسی سے حساب کے قاعدے سے یہ نتیجہ نکال لیا گیا ہے کہ ہجرت
کے وقت ان کی عمر ۲۷ سال تھی ۔ یا کچھ منتشر تاریخی اقوال یہ ملتے ہیں کہ انہوں نے زید بن
عمر بن نوفل کو دیکھا تھا جو اسلام سے پہلے مکہ کے مشہور موحد تھے ۔ جن کی وفات بنام
کعبہ کے زمانے میں بعثت سے پانچ سال پہلے ہوئی ہے ۔

دونوں بہنوں سے متعلق تسلسل واقعات

ابتداء سے اسلام سے واقعات کا تسلسل اس طرح ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے
کہ حضرت اسماء کی عمر کا اندازہ کرنے میں غلطی کا امکان کم ہے ۔ پھر واقعات کا یہی تسلسل
ہمیں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں بھی ملتا ہے ۔ مثلاً :

ایمان لانے میں دونوں کی معیت

سابقوں الاولوں میں دونوں
بہنیں شامل ہیں ۔ بعثت
فوراً بعد ایمان لانے میں دونوں کا شمار ہے ۔ بلکہ دونوں بہنیں ایک ہی وقت میں ایمان
لائی ہیں ۔

ایمان کے وقت دونوں بالغ تھیں

یہ بات ظاہر ہے
کہ انسان تکلیفات
شرعیہ کا مکلف ہی بلوغ کے بعد ہوتا ہے ۔ اس لئے یہ دونوں بہنیں شروع بعثت ہی
میں بالغ تھیں اور سن شعور کو پہنچ چکی تھیں ۔ اور اس وقت جس عمر میں حضرت اسماء
تھیں اسی میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بھی تھیں ۔

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے پاس اس وقت دو بیویاں تھیں ۔ ایک ام رومان جس سے
حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پیدا ہوئے ۔ دوسری قبلہ بنت عبد العزیٰ جن سے حضرت
اسماء اور عبد اللہ پیدا ہوئے ۔

اس لئے ان دونوں کی عمریں ایک بھی ہو سکتی ہیں اور کم زیادہ بھی ۔
بہر حال ان کے ایمان لانے اور سابقوں کی فہرست میں شمار ہونے سے ظاہر ہوتا
ہے کہ یہ ایمان کی عمر میں تھیں ۔ دونوں کی عمریں ہمارے اندازے میں پندرہ سولہ سال
ضرور ہوں گی ۔

حضرت اسماء کی تو اتنی عمر سب ہی تسلیم کرتے ہیں ۔ لیکن حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی
عمر کا حضرت اسماء کی عمر کے مساوی ہونا ان دونوں کے ایمان لانے سے ثابت ہو جاتا
ہے ۔

یہی وجہ ہے کہ ابن اسحاق نے دونوں کے ایمان لانے کا ذکر کیا ہے ۔ اگر ہشام
کا استخراج حائل نہ ہوتا تو تاریخ میں بعثت کے وقت ہی سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے
واقعات ملتے ۔ لیکن ہشام کے سہونے تاریخ اسلام کو اتنا متاثر کیا ہے کہ ہمیں
بعثت سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حالات نہیں ملتے ۔ اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ روایت
ہشام کی روکشی میں ان میں ترمیم کر دی گئی ہے یا نہیں حذف کر دیا گیا ہے ۔

سیرت ابن اسحاق میں بھی وہی یومئذ صغیرۃ کافقرہ بعد میں
درج کیا گیا ہے

بلکہ سیرت ابن اسحاق کے بیان کو بھی بعد والے لوگوں نے " وہی یومئذ
صغیرۃ " کے فقرے سے از خود مقید کر کے روایت ہشام کے ساتھ اس بیان کو مطابق
کیا ہے ۔ اور ان درست کرنے والوں نے یہ سوچنے کی زحمت گوارا نہیں کی کہ اگر
واقعی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اس وقت صغیرہ تھیں تو ان کے اسلام لانے کا ذکر ہی بے
محل ہے ۔ اُس وقت دوسرے جو آدمی ایمان لاتے ان کے بھی بچے تھے جن کے اسلام
کا کوئی ذکر نہیں ملتا ۔ حتیٰ کہ حضرت فاطمہ کے اسلام کا بھی ذکر نہیں حالانکہ اس
وقت ان کی عمر کم از کم چھ سات سال تھی ۔

لہذا یہ اضافہ غیر واقعی اور ہشام کی روایت سے تاثر کا نتیجہ ہے ۔ ورنہ
ابن اسحاق کے وقت تک ذی علم حضرات کا یہی بیان تھا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا
کے وقت ایمان لائیں اور بالغہ تھیں ۔ اسی لئے تو ابن اسحاق نے ان کا
ذکر کیا ہے ۔

اپنے والد کے متعلق دونوں بھنوں کا انداز بیان ایک ہے

ان دونوں بھنوں نے بعثت کے وقت کی اپنے والدین کی کیفیت ایک ہی ذہن اور ایک ہی عبارت میں بیان کی ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ اسماء نے محض اپنے والد کا ذکر کیا۔ کیونکہ ان کی والدہ ایمان نہیں لائی تھیں۔ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اپنے والد اور والدہ دونوں کا ذکر کیا ہے اس سے کہ ان کی والدہ ام رومان بھی بعثت کی وقت ہی ایمان لے آئی تھیں :-

۱۔ اخبرنا محمد بن عمر حدثني موسى بن محمد عن ابراهيم بن عبد الرحمن بن عبد الله بن ابي ربيعة عن اسماء بنت ابي بكر قالت اسلم ابي ادل المسلمين . لا والله ما عقلت ابي الا وهو يدين الدين .

(طبقات ابن سعد جلد ۳ ص ۱۷۲ مطبوعه بيروت)

۲۔ اخبرنا محمد بن عمر قال حدثني معمر ومحمد بن عبد الله عن الزهري عن عروة عن عائشة رفا قالت ما عقلت البوتى الا وهما يدينان الدين وما مر علينا يوم قط الا ورسول الله ﷺ ياتينا فيه بكرة وعشيته .

(طبقات ابن سعد جلد ۳ ص ۱۷۳ مطبوعه بيروت)

۳۔ حدثنا يحيى بن بكير قال حدثنا الليث عن عقيل قال هشام اخبرني عروة بن الزبير ان عائشة رفا زوج النبي ﷺ عليه وسلم قالت لما عقل البوتى قط الا وهما يدينان دينا ولم يمر علينا يوم الا وياتينا فيه رسول الله ﷺ عليه وسلم طرقي النهار بكرة وعشيته .

(بخاری جلد اول باب الهجرة)

۱۔ محمد بن عمر نے ہمیں خبر سنائی اس نے کہا موسیٰ بن محمد نے مجھے حدیث سنائی ابراہیم بن عبد الرحمن بن عبد اللہ بن ابو ربیعہ سے اس نے اسماء بنت ابی بکر سے اس نے کہا میرا باپ اسلام لایا وہ پہلا مسلمان ہے۔ خدا کی قسم میں نے اپنے

ابو الحجب سے مجھے ہوش آیا ہی پایا کہ وہ دین اسلام کا پابند ہے ۔

۲۔ محمد بن عمر نے ہمیں خبر دی اس نے کہا مجھ سے حدیث بیان کی معمر نے اور محمد بن عبد اللہ

نے زہری سے اس نے عروہ سے اس نے عائشہؓ سے اس نے کہا میں نے جب سے

مجھے ہوش آیا اپنے ماں باپ کو دین اسلام کا پابند پایا اور ہم پر کوئی دن نہیں

گزر تا تھا مگر یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صبح و شام ہمارے ہاں آتے تھے ۔

۳۔ یحییٰ بن جکر نے ہم سے حدیث بیان کی اس نے کہا لیث نے ہم سے حدیث بیان کی ۔

عقیل سے اس نے کہا ہشام بن عروہ نے کہا مجھے خبر سنائی عروہ بن زبیر نے کہ بیشک

عائشہؓ زوجہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا میں نے اپنے ماں باپ نہیں دیکھا ہرگز جب سے

مجھے ہوش آیا مگر یہ کہ وہ دین اسلام رکھتے تھے اور ہم پر کوئی دن بھی نہیں

گزر تا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صبح و شام ہمارے ہاں آتے تھے ۔

مذکورہ بالا روایت ایک وقت اور ایک ہی کیفیت سے متعلق ہے ۔ حضرت

اسماءؓ بھی اپنا احساس اپنے والد کے متعلق انہیں الفاظ میں ذکر کر رہی ہیں جن الفاظ

میں حضرت عائشہؓ اپنا احساس اپنے والدین کے متعلق ذکر کر رہی ہیں ۔ اور حضرت

عائشہؓ حضرت اسماءؓ کے بیان سے زیادہ یہ بات بھی بتلا رہی ہیں کہ بعثت کے وقت

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہر روز صبح و شام دو وقت حضرت ابوبکرؓ کے گھر تشریف

لاتے تھے ۔ آپ کا یہ معمول ہجرت کے وقت تک جاری رہا ۔ حضرت عائشہؓ رضی اللہ عنہا

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تیرہ سالہ معمول کو بتلا رہی ہیں اور وہ خود اس کی عینی

شاہدہ ہیں ۔

اس سے بھی یہ بات ظاہر ہو رہی ہے کہ دونوں بہنیں بعثت کے وقت ہی اپنے

کنبے کے ساتھ اسلام لاتی ہیں ۔ اور دونوں کا انداز بیان یہ ہے کہ ماعنا لت الایا ۔

لما عقل الایا ۔ یعنی ہم نے تو اپنے عنفوان شباب میں اپنے والد یا والدین کو

دین اسلام کا دلدادہ ہی پایا ۔

دونوں کے احساسات ایک ہیں ۔ عمر ایک ہے ۔ اور ذہن بھی ایک ہے ۔ دونوں

ہی کو اس بات پر فخر ہے کہ ہم اور ہمارے والدین سب سے پہلے مسلمان ہوئے ۔ اور

اس پر بھی فخر ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہر روز ہمارے ہاں تشریف لایا کرتے تھے ۔ اور ہم

آپ کا یہ عمل شروع ہی سے دیکھتے رہے ہیں ۔

اگر حضرت اسماءؓ ایمان لانے کے وقت بالغہ تھیں اور وہ ان الفاظ میں اپنے احساس

کا اظہار کر رہی ہیں تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بھی ان کے ساتھ ہی ایمان لاتے وقت بالغہ تھیں۔ اس لئے وہ بھی اسی جہارت میں اپنے احساس کا ذکر فرما رہی ہیں۔ اور اپنا تیرہ سالہ مشاہدہ بیان کر رہی ہیں کہ آپ ص دو لون وقت ہمارے ہاں تشریف لایا کرتے تھے۔

ابن سعد کی روایت کے راوی تو عروہ سے نہ ہری ہیں۔ لیکن بخاری کی روایت کے راوی عروہ سے خود ہشام ہیں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بیشتر واقعات کی راویہ ہیں

بخاری کی ہجرت والی روایت میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بعثت سے لیکر ہجرت تک کے زمانے پر مختصر تبصرہ فرمایا ہے۔ اور یہ ایک عینی شاہد کا تبصرہ ہے۔ اپنے والد کی حبشہ کی طرف ہجرت کا بھی ذکر کیا۔ اور ابن الدغنة کے جار کا بھی واقعہ سنایا اور کفار مکہ کے بچوں اور عورتوں کے قرآن سے متاثر ہونے کی کیفیت بھی بیان کی۔ یہ سنی ہوئی بات کا انداز بیان نہیں ہے بلکہ عملی مشاہدہ کا اظہار ہے۔

حدیث بدر الوحی کی راوی بھی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ہی ہیں۔ یہ روایت صحیحین میں آئی ہے اس روایت میں ہے نہ ملوفی نہ ملوفی حتی ذهب عنه الروع۔ ثم قال لخديجة رضي الله عنها خديجة بنت خويلد! واخبرها الخبر. قال لقد خشيت على نفسي قالت له خديجة البشر. فوالله لا يخزيك ابداً انك تفضل الرحم. وتصدق الحديث. وتحمل الكل. وتكسب المعدوم وتقوي الضيف. وتعين على نواب الحق.

(فتح الملهم جلد ۱ ص ۲۱۲)

مجھے چادر اڑھاؤ مجھے چادر اڑھاؤ یہاں تک کہ خوف کا اثر جاتا رہا۔ پھر خدیجہ سے کہا اے خدیجہ اور پورا واقعہ بتایا اور کہا مجھے اپنی جان کا ڈر ہے تو خدیجہ نے کہا ہرگز نہیں خوش ہو اللہ تمہیں ہرگز رسوا نہیں کرے گا۔ واللہ آپ صلہ رحمی کرتے ہیں۔ سچی بات کہتے ہیں اور گرے ہوتے کو اٹھاتے ہیں اور نادار کو دیتے ہیں۔ اور مہمان نوازی کرتے ہیں اور حق فرائض میں مدد کرتے ہیں۔

اس روایت کے متعلق نوویؒ کہتے ہیں :-

هذه من مراسيل الصحابة. لان عائشة لم تدرك هذه القصة.

اس کے ایک سوال کے جواب میں کہتے ہیں ۔

ان مرسل الصحابی ما يرويه عن الامور التي لم يدركها نراها
بجلائ الامور التي يدرك نراها لا يقال انها موسلة . بل
يحمل على انها سمعها او حضرها . ولم يصرح بذلك .
(فتح الملهم جلد ۱ ص ۲۱۲)

لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس روایت کو مرسل صحابی کہنا ہی صحیح نہیں ہے۔ اس
واقعہ کے وقت حضرت عائشہ رضی عاتلہ بالغہ تھیں۔ ان کا یہ بیان ایسے راوی کا بیان ہے
جس نے واقعہ کا علم اس کے وقوع کے وقت حاصل کیا ہو۔ ابتدائے اسلام کی بیشتر
روایات کی راویہ حضرت عائشہ رضی ہیں۔ اسی طرح اپنے والد کے حبشہ کی طرف
ہجرت کے ضمن میں بھی ابن الدغنے کے الفاظ میں ان کی روایت ہے :-
انك تكسب المعدوم وتصل الرحم وتحمل الكل وتقري الضيف
وتعين على نوائب الحق . (بخاری باب الہجر)

آپ نادار کو دیتے ہیں۔ اور صلہ رحمی کرتے ہیں اور گرے ہوئے کو اٹھاتے
ہیں اور فرائض حق کی مدد کرتے ہیں۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مکارم اخلاق کا ذکر جن الفاظ میں حضرت خدیجہ
نے کیا انہیں الفاظ میں حضرت ابو بکر رضی کے لئے ابن الدغنے نے کیا اور دونوں روایتوں
کی راوی حضرت عائشہ رضی ہیں جو دونوں واقعوں کے وقوع کے وقت مکہ مکرمہ میں
موجود تھیں۔ حضرت عائشہ رضی جس واقعہ کا بھی ذکر کرتی ہیں پورے وثوق اور
اعتقاد کے ساتھ کرتی ہیں اور واقعہ کی روح اس طرح بیان کرتی ہیں کہ سوائے
شاہد و حاضر کے کسی سے بن نہیں آ سکتا۔

(۳)

دونوں بھنوں کے نکاح کا زمانہ تقریباً ایک ہے۔

بارجود تلاش و تجسس کے حضرت اسماء رضی کے حضرت زبیر بن العوام سے نکاح
کا صحیح زمانہ معلوم نہیں ہو سکا۔ کیونکہ ہجرت سے پہلے کے پیشتر واقعات پر وہ

خفا میں ہیں۔ تاہم یہ معلوم ہے کہ یہ نکاح حبشہ کی ہجرت ثانیہ سے نبوت سے واپسی کے بہت دیر بعد ہوا اور غالباً حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی وفات سے کچھ پہلے ہوا۔ کیونکہ وفات خدیجہ رضی اللہ عنہا کے وقت اگر حضرت اسماء فارغ ہو تیں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ان سے نکاح کرنے میں کوئی امر مانع نہ ہوتا۔ اور یہ ہر طرح آپ کے مناسب بھی تھیں۔ اور پھر اس صورت میں آپ کو کیا ضرورت تھی کہ آپ عام روایات کی رو سے ایک کشت سالہ لڑکی سے نکاح کرتے اور پھر مزید تین سال انتظار بھی کرتے، اس سے معلوم ہوا کہ جس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نکاح ثانی کی ضرورت پیش آئی اس وقت حضرت اسماء کا حضرت زبیر رضی اللہ عنہ سے نکاح ہو چکا تھا۔ اور اسی زمانہ میں حفصہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا بھی جبیر بن مطعم سے نکاح ہو چکا تھا۔ لیکن ابھی رخصتی نہیں ہوئی تھی کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی وفات ہو گئی۔ اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو نکاح ثانی کی ضرورت پیش آ گئی۔

چونکہ وفات خدیجہ رضی اللہ عنہا کے وقت کفار میں اور مسلمانوں میں سخت کیدگی پیدا ہو چکی تھی۔ اختلاف عقیدہ کی بنا پر معاشرتی تعلقات نباہنے مشکل ہو گئے تھے اس لئے منطعم بن عدی اور اس کی بیوی اپنے دین کی حفاظت کی وجہ سے اور خود جبیر اور اس کا چچا طعیم اسلام دشمنی کی وجہ سے رخصتی لینے سے گریز کر رہے تھے۔ ادھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ان نامناسب حالات سے ناگواری محسوس کر رہے تھے۔ اور پھر حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی وفات سے آپ کو نکاح ثانی کی ضرورت بھی تھی تو یہی مناسب خیال کیا گیا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی دناں سے خلاصی کر کے آپ ان سے نکاح کر لیں۔ چنانچہ کوشش کی گئی اور جبیر سے طلاق لی گئی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے فوراً نکاح کر دیا گیا۔ چونکہ رخصتی تو ہوتی ہی نہیں تھی اس لئے عدت کی کوئی ضرورت نہیں تھی البتہ رخصتی ہجرت مدینہ کے بعد مدینہ منورہ جا کر ہوئی۔

بہر حال حضرت اسماء اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے نکاحوں کا زمانہ بالکل ایک ہے۔ یا قریب قریب ہے۔ تو کس قدر عجیب بات ہے کہ ایک ہی زمانہ میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ایک بیٹی کی شادی ۲۶۔۲۷ سال کی عمر میں کریں اور دوسری کی شادی اتنی چھوٹی عمر میں۔ آخر ایسا کیوں ہوا کیا مجبوری پیش آ گئی تھی صحیح یہی معلوم ہوتا ہے کہ دونوں کی عمریں بھی ایک ہی تھیں۔ یعنی ۲۶۔۲۷ سال۔

دونوں بہنوں کے عسری نکاح کی وقت تقریباً ایک تھیں

علماء رجال کے بیان کے مطابق حضرت اسماء کی شادی حضرت زبیر رضی اللہ عنہ سے ۲۶ سال کی عمر میں ہوئی۔ تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو آخر کیا مجبوری تھی کہ انہوں نے حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کی شادی میں اس قدر تاخیر کی

اصل میں حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کی شادی میں اس قدر تاخیر کی وجہ ان کے رواج کی گرفت تھی۔ اس کے علاوہ مناسب رشتہ ہر وقت نہیں ملتا۔ اس کے انتظار میں بھی بعض دفعہ کئی کئی سال لگ جاتے ہیں۔ ہم اپنے ماحول سے اندازہ لگا سکتے ہیں۔ آج سے چالیس سال پہلے لڑکیوں کی شادی کی عمر عام طور سے تقریباً ۱۶-۱۷ سال تھی آج ہم دیکھتے ہیں کہ ہمارے پڑھے لکھے طبقے میں ۲۶-۲۷ سال ہے۔ اور بعض صورتوں میں اس سے بھی زیادہ وقت لگ جاتا ہے۔ غرض جب حضرت اسماء رضی اللہ عنہا اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے نکاح تقریباً ایک ہی زمانہ میں ہوئے۔ اور حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کی عمر اس وقت ۲۶-۲۷ سال تھی تو کوئی وجہ نہیں کہ ہم حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا نکاح بھی جبیر سے اسی عمر میں تسلیم نہ کریں۔

نکاح ہو جانے کے بعد اگر تعلقات خراب ہو جائیں یا معاشرتی طور پر نباہ کی امید نہ رہے تو رشتہ کو خوش اسلوبی سے منقطع کرنے میں بھی کچھ وقت لگ جاتا ہے۔ یہی صورت یہاں پیش آئی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کیلئے جبیر کا رشتہ بہت اچھا تھا۔ یہ جبیر مطعم بن عدی رئیس مکہ کا لڑکا تھا۔ لیکن شدید اختلاف عقائد کی وجہ سے نباہ مشکل تھا۔ جس کو طرفین نے محسوس کر لیا تھا۔ مطعم کا خاندان بھی رخصتی لینے میں لیت و لعل کر رہا تھا۔ ادھر حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی وفات کی وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نکاح کرنے کی بہترین صورت پیدا ہو گئی تھی۔ تو نہایت حسن تدبیر سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا تعلق وہاں سے منقطع کرایا وہاں سے خلاصی دلائی۔ جیسا کہ ہم پہلے مفصل نقل کر چکے ہیں۔

غرض قرین قیاس یہی ہے کہ دونوں بہنوں کا نکاح تقریباً ایک وقت میں ہوا۔ حضرت اسماء کا حضرت زبیر رضی اللہ عنہ سے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا جبیر سے۔

چونکہ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کے معاملہ میں کوئی الجھن نہیں تھی اس لئے کسی تردد کی صورت پیش نہیں آتی۔ مگر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے معاملہ میں الجھن پیدا ہو گئی تھی اس لئے یہ الجھن طلاق کی صورت میں ختم ہوئی۔ فطلقھا (ابن سعد)
 پھر ہجرت سے چار ماہ پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے نکاح ہوا۔ اور ہجرت کے بعد مدینہ منورہ میں رخصتی ہوئی۔

(۵)

زوجین میں تناسب عمری بھی عموماً ملحوظ رہتا ہے

عام طور پر باکرہ کا نکاح اس کے مناسب عمر کے نوجوان سے کیا جاتا ہے۔ حضرت زینب رضی اللہ عنہا کا نکاح ابوالعاص بن ربیع سے کیا گیا جو ان کی خالہ کا لڑکا اور تقریباً ہم عمر تھا۔ ایسے ہی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا نکاح حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ہوا جو ہم عمر تھے۔ بلکہ زبیر بن بکر کے بیان کے مطابق تو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرماتی تھیں انا استمنک اسی طرح حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کا نکاح حضرت زبیر رضی اللہ عنہ سے ہوا جو حضرت اسماء کے ہم عمر تھے۔ بالکل اسی طرح حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور جبیر بن مطعم ایک دوسرے کے ہم عمر تھے جبیر کوئی بانا بچہ نہیں تھا۔ جو ان تھا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قتل کی سازش میں شریک تھا۔ بدر میں شریک تھا اور اُساری بدر کی سفارش کیلئے کیا تھا۔ اسلام دشمن جوانوں کی پارٹی کا رکن تھا جس میں طعیم بن عدی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دو بھائی طالب بن ابی طالب اور عقیل بن ابی طالب نیز خالد بن ولید۔ عمر بن العاص وغیرہ تھے۔

اس سے معلوم ہوا کہ جو عمر جبیر بن مطعم کی تھی تقریباً وہی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی بھی تھی۔ حضرت جبیر نے عمر طبعی کو پہنچ کر ۵۵ھ میں وفات پائی۔ اگر ان کو غزوہ بدر کے وقت تیس سال کا تسلیم کیا جائے تو وفات کے وقت ان کی عمر ۸۵ سال کے قریب قریب ہوگی۔ اسی طرح حضرت عائشہ کی عمر بھی وفات کے وقت ۸۵ سال ہونی چاہیے۔

(۶)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اسماء کو کبھی اختی الاکبر نہیں کہا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بیان میں جہاں بھی حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کا نام آیا اختی اسماء آیا ہے۔ اگر حضرت اسماء بڑی ہوتیں تو کہیں تو اختی الاکبر آتا۔ اس سے یہی متبادر ہے کہ حضرت اسماء بڑی نہیں تھیں یا تو چھوٹی تھیں۔ ورنہ ہم عمر تھیں۔

حضرت اسماء کی رخصتی مکہ میں ہوئی یا مدینہ میں

حضرت اسماء کی رخصتی کب ہوئی :-

وفي الصحيح من طريق هشام بن عروة عن أبيه عن أسماء أنها حملت لعبد الله بن الزبير بمكة قالت فخرجت وأنا متم فأتيت بقبا فولدته بقبا ثم أتيت به إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم فوُضعت في حبرة.

وقد وقع في صحيح البخاري أن الزبير كان بالشام لما هاجر رسول الله صلى الله عليه وسلم وأنه قدم بمدينة لما قدم النبي صلى الله عليه وسلم فلكسها ثوبا أبيض كذلك فمتى حملت اسماء منه بعد ذلك بل الذي يدل عليه الخبر أنها حملت منه قبل أن يسافر إلى الشام. (أصابه)

اور صحیح بخاری میں ہے ہشام بن عروہ اور وہ اپنے باپ سے وہ اسماء سے کہ اسے امیدواری ہوئی عبد اللہ کی کہ میں اس نے کہا میں نکلی اور میرے دن پورے ہو رہے تھے پس میں قباء میں آئی اور عبد اللہ کی پیدائش قباء میں ہوئی میں اسے لیکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی اور میں نے اس کو آپ کی گود میں رکھ دیا اور یہ بھی

اور یہ بھی صحیح بخاری میں ہے کہ زبیر شام میں تھے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کی اور زبیر شام سے مدینہ اسی وقت آئے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہاں پہنچے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو سفید کپڑا پہننے کیلئے دیا تو اس صورت میں اس کا کب اس کے بعد بار آور ہوئی بلکہ حدیث سے تو معلوم ہوتا ہے کہ حمل سے تھی سفر کرنے سے پہلے (یعنی عبد اللہ حمل میں تھے)

معلوم ہوا کہ حضرت اسماء کی رخصتی اس روایت کی رو سے یکے ہی میں ہو چکی تھی۔ اور حضرت زبیر ہجرت سے پہلے اسماء کو ان کے باپ کے گھر چھوڑ کر شام کی طرف تلاش معاش میں نکل گئے تھے۔ جب ہجرت ہوئی تو اس وقت یہ یکے میں نہیں تھے۔

اگر ہشام کی یہ روایت صحیح ہے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت مدینہ سے چند روز پہلے ہی زبیر بن العوام شام گئے ہوں گے کیونکہ ربیع الاول میں آپ نے ہجرت فرمائی۔ وہاں مسجد بنوائی اور اس کے پاس حجرے تیار کروائے۔ جب حجرے تیار ہو گئے اور مسجد بن رہی تھی تب آپ نے اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ اپنے کنبوں کو مدینہ بلایا۔ جیسا کہ ہم پہلے لکھ چکے ہیں۔ اس کے کئی ماہ بعد عبد اللہ پیدا ہوئے۔

بعض کا خیال ہے حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ شوال ۱ھ ہجری میں پیدا ہوئے اس حساب سے حضرت زبیر تقریباً آپ کی ہجرت سے ایک ماہ پہلے شام گئے اور حلایا ہی مدینہ واپس آ گئے۔

حضرت عبد اللہ عام روایت کے مطابق تسخ میں حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے گھر میں پیدا ہوئے لیکن زبیر بن بکار کا بیان ہے کہ قبا میں پیدا ہوئے۔
واقعی کا بیان ہے کہ یہ شوال ۲ھ میں پیدا ہوئے۔ صاحب اصحاب نے واقعی کی تردید میں یہ کہا کہ :-

اذا كان كذلك فمستی حلت الخ

حضرت زبیر کا اپنا بیان ابن سعد نے نقل کیا ہے کہ طلحہ بن عبید اللہ اپنے لڑکوں کے نام انبیاء کے نام پر رکھتے ہیں میں نے اپنے لڑکوں کے نام شہیدوں کے نام پر رکھے۔

سیت عبد اللہ یعبد اللہ بن جحش و منذر بمنذر ابن عمرو

دَعْرُودَةُ بَعْرُودَةُ بْنُ مَسْعُودٍ وَحَمْزَةُ بَحْمَزَةُ بْنُ عَبْدِ الْمَطْلَبِ
وَجَعْفَرُ بْنُ جَعْفَرِ بْنِ أَبِي طَالِبٍ . وَمُصْعِبُ بْنُ مِصْعَبِ بْنِ عَمِيرٍ
عَبِيدَةُ بَعْبِيدَةُ بْنُ الْحَارِثِ وَخَالِدُ بْنُ سَعِيدٍ وَعُمَرُ بْنُ
بَعْرِ بْنِ سَعِيدِ بْنِ الْعَاصِ قَتْلُ يَوْمِ يَرْمُوكَ .

(طبقات ابن سعد جلد ۳ ص ۱۰۰ مطبوعہ بیروت)

میں نے اپنے پہلے بیٹے کا نام عبداللہ رکھا عبداللہ بن جمش کے نام پر اور دوسرے
بیٹے کا نام منذر رکھا منذر بن عمرو کے نام پر اور پھر عروہ نام رکھا عروہ بن مسعود
کے نام پر اور حمزہ نام رکھا حمزہ بن عبدالمطلب کے نام پر اور جعفر نام رکھا جعفر
بن ابوطالب کے نام پر اور مصعب نام رکھا مصعب بن عمیر کے نام پر اور عبیدہ نام
رکھا عبیدہ بن الحارث کے نام پر اور خالد نام رکھا خالد بن سعید کے نام پر
اور عمرو نام رکھا عمرو بن سعید بن العاص کے نام پر جو جنگ یرموک میں قتل ہوئے
شہید ہوئے .

اس بیان سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عبداللہ کی پیدائش سلمہ میں نہیں
بلکہ کم از کم سلمہ میں ہوئی . کیونکہ عبداللہ بن جمش غزوہ اُحد میں شہید ہوئے ان
کو اور حضرت حمزہ کو ایک ہی قبر میں دفن کیا گیا .

اصل میں مسلمانوں کی مکے کی زندگی بہت مبہم اور پردہ خفا میں ہے . تاریخ
سے کسی صحیح نتیجے پر نہیں پہنچتے کہ کیا واقعات تھے .

بخاری کی مذکورہ بالا روایت سے معلوم ہو رہا ہے کہ حضرت عبداللہ کی پیدائش
قبا میں ہوئی . حالانکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی عمرہ والی روایت سے ثابت ہے کہ
حضرت ابو بکر کا کنبہ ہجرت کر کے سحیح میں رہا قبا میں نہیں رہا . حضرت اسماء
ان کے ساتھ تھیں . گمان غالب یہ ہے کہ حضرت اسماء کی رخصتی ہی مدینہ میں
ہوئی ہو . کیونکہ نہ بن العوام مفلس آدمی تھے . عربوں کے قاعدے کے مطابق
مہر پہلے ادا کرنا پڑتا تھا جب تک مہر ادا نہ ہوتا تھا اس وقت تک رخصتی
مؤخر رہتی تھی . جیسے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی رخصتی کے بیان میں مفصل لکھا جا چکا
ہے مہر بھی غالباً پانسو درہم ہو گا . چونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا مہر نبی کریم سے نکاح
کے وقت یہی تھا . حالات کی سختی کی وجہ سے نبی کریم مہر ادا نہ کر سکے اور رخصتی مؤخر
رہی . بیچارے نہ بیر کہاں سے دیتے . اس لئے ہو سکتا ہے کہ نکاح کے بعد ہی

تلاش معاش میں شام چلے گئے ہوں اور پھر واپس لکے نہ گئے ہوں۔ اس دوران میں ہجرت ہو گئی اور شام سے مدینے ہی آئے ہوں۔ کیونکہ ہجرت تک کے واقعات میں اسماء کے ساتھ کہیں بھی زبیر کا ذکر نہیں ہے۔ جس دن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت فرمائی۔ اس روز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم غیر وقت دوپہر کو حضرت ابوبکرؓ کے ہاں پہنچے۔ اور فرمایا سب کو علیحدہ کر دو۔ حضرت ابوبکرؓ نے کہا یہاں میری دو بیٹیوں اسماء اور عائشہؓ کے سوا اور کوئی نہیں ہے۔ غرض اسماء مدینے پہنچنے تک باپ کے کنبے کے ساتھ رہی ہیں۔ مدینے میں جب زبیر شام سے آ گئے تو لڑکی کو رخصت کیا ہو گا۔ اور مالی مدد دی ہو گی۔ نیز آخر تک مالی مدد کرتے رہے۔

حضرت اسماء کا اپنا بیان ہے جسے ہم بخاری کی روایت سے پہلے نقل کر چکے ہیں :- تزوجنی الزبیر و مالہ فی الارض مال دلا مملوک و لاشیء غیر فرسہ مکثت اعلف فرسہ و استقی الماء و احذر عسرتہ۔ مجھ سے زبیر بن العوام نے نکاح کیا اس کے پاس روئے زمین پر کوئی مال نہیں تھا نہ کوئی غلام نہ تھا نہ کچھ اور سوائے ایک گھوڑے کے میں اس کے گھوڑے کو گھاس کھلاتی تھی اور پانی لاتی تھی اور حفاظت کرتی تھی اس کی کھیتی کی۔ اس روایت سے معلوم ہو رہا ہے کہ جس وقت حضرت اسماء کا نکاح ہوا۔ اس وقت زبیر بالکل مفلس تھے۔ سوائے گھوڑے کے ان کے پاس کچھ نہیں تھا۔ یہ روایت مدینے کی زندگی سے متعلق ہے۔ لکے کی زندگی کا اس میں قطعاً ذکر نہیں ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ زبیر شام سے ایک گھوڑے پر سوار ہو کر آئے تھے۔ اور پانی لانے کے لئے ایک اونٹ تھا۔ اور یہی ان کی کل ملکیت تھی۔

یہ روایت بھی ہشام ہی سے ہے۔ اور بخاری کی وہ روایت بھی ہشام ہی سے ہے جس میں یہ ہے کہ حضرت اسماء لکے ہی میں رہتی سہتی ہو گئی تھیں۔ یہ روایت بتلا رہی ہے کہ تزوج مدینے میں ہوا۔ ان میں تطبیق کی یہ صورت ہو سکتی ہے کہ نکاح مکہ میں ہوا اور بنام مدینے میں ہوئی۔ اور اس روایت میں تزوج بمعنی بنا رہے۔ پہلی روایت میں باقی جمل سے متعلق مضمون ہشام کا اپنا ہے :-

وهو اذل مولود في الاسلام بعد الهجرة بعشرين شهرا وهو اكبر اولاد الزبير قول من قال انه كان يوم الهجرة حملا غلط من الرطاة قاله الواقدي قال لا اختلاف بين المسلمين في ان

ابن الزبیر اول مولود ولد في الاسلام بعد الهجرة بالمدينة .
 وہ اول مولود ہے اسلام میں ہجرت کے بعد بیس مہینے بعد اور وہ اولاد
 زبیر میں سب سے بڑا تھا اور اس شخص کا قول جس نے یہ کہا کہ وہ ہجرت کی وقت
 محل میں تھا غلط ہے رواد میں سے یہ واقعہ نے بیان کیا اور کہا مسلمانوں میں اس
 بارے میں بالکل اختلاف نہیں کہ ابن زبیر پہلا مولود ہے جو اسلام میں پیدا
 ہوا، ہجرت کے بعد مدینے میں .

سوائے ہشام کی روایت کے تمام قرائن اور واقعات یہ بتلا رہے ہیں کہ حفصہ
 اسماء کی رخصتی مدینے میں ہوئی اور اس سے یہ بھی ظاہر ہے کہ دونوں بہنوں کا پہلا
 نکاح اسماء کا زبیر سے اور عائشہ رض کا جبیر سے حیات خدیجہ رض میں ایک ہی وقت
 میں ہوا تھا . وفات خدیجہ رض کے بعد جبیر سے حضرت عائشہ رض کو طلاق دلوائی
 گئی اور نبی کریم صلعم سے دوبارہ نکاح ہوا . رخصتی دونوں کی مدینے میں ہوئی . اور
 رخصتی کے وقت دونوں بہنوں کی عمر ۲۸ . ۲۹ سال تھی . واللہ اعلم بالصواب .

احتیاط اس میں ہے کہ حضرت عائشہ رض کی عمر

کا کوئی تعین نہ کیا جائے

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں ہمارا اپنا خیال یہ ہے کہ ان کی عمر نکاح
 کا سرے سے کوئی تعین نہ کیا جائے محض اتنا کہا جائے کہ نکاح کے وقت وہ پختہ عمر
 باکرہ تھیں . شرفاء قریش جس پختہ عمر میں لڑکیوں کی شادیاں کرتے تھے اسی عمر میں
 حضرت عائشہ رض کا نکاح بھی ہوا .

ان کی بہن اسماء کا نکاح جس عمر میں ہوا اسی میں حضرت عائشہ رض کا نکاح بھی

ہوا .

احتیاط کا تقاضا یہی ہے کہ حضرت عائشہ رض کی عمر کے بارے میں لا طائل دلائل
 اور غیر واقعی توجہات سے احتراز کیا جائے . فطرت کے مسلمہ اصول کے سامنے ہشام
 کے استخراج کو رد کر کے اس باب میں خاموشی اختیار کی جائے . شذوذ اور مستثنیات
 کی تلاش اور ان سے استدلال کی بجائے فطرت کے مسلمہ اصول کو تسلیم کر لینے

ہی کا سیدھا راستہ اختیار کیا جائے ۔

تاریخ کم سب سے مظلوم شخصیت حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا ہیں

تاریخ کی سب سے مظلوم شخصیت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ہیں ۔
سے متعلق کہا گیا ، بنوں نے ان کے ساتھ یہ برتاؤ کیا کہ بنا کے وقت نوسال
کی بچی بنا دیا ۔ بچپن اور کھیل کا مترادف قرار دے دیا ۔ ان کے کردار کو افسانوی
کردار بنا کے رکھ دیا ۔ حالانکہ ایسی صغیر سنی کی بنا کہ کوئی ادنی آدمی بھی اپنے لیے
تصور نہیں کر سکتا ۔

برأت صدیقہ میرے ایمان کا تقاضا تھا

ہم نے اپنے ایمانی تقاضے سے یہ تحقیق کی ہے ۔ ہماری نظریں آنحضرت صلی اللہ
علیہ وسلم کی ذات اقدس و اعلیٰ ؐ بعد از خدا بزرگ توہی قصہ مختصر " کی مصداق
ہے ۔ کوئی ایسا قول یا فعل آپ کی طرف منسوب کرنا جو مکارم اخلاق سے کم ہو
ہمارے نزدیک حبط اعمال کا سبب اور نہایت سوء ادب ہے ۔ آپ کی ذات
اقدس خیر کے سوا کسی چیز کا صدور نہیں ہو سکتا ۔ آپ کی ذات اقدس و نہایت
خاصیت سے مبرا اور دراز ہے ۔

ہم رجال کتب پر ایمان نہیں لاتے ہیں بلکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان
لاتے ہیں ۔ آپ منبع صفات حسنہ ہیں ۔ حامل لوازم مکارم اخلاق ہیں ۔ کسی عمل
کا آپ سے ظہور ہوتا ہی اس کی خوبی کی دلیل ہے ۔ آپ ہمارے لئے نمونہ اور
آپ کا ہر عمل ہمارے لئے اسوۂ حسنہ ہے ۔

ہم نے ہشام کی روایتِ تزوج کو ہمیشہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مقام اعلیٰ سے کم تصور کیا ہے اسی لئے ہم نے اس کے متن اور سند دونوں کو پرکھنا ضروری سمجھا اب ہم نے اس کتاب کی صورت میں اپنے پورے غور و فکر کو آپ کے سامنے پیش کر دیا ہے۔ اور اس امید پر

جس غور و فکر نے مجھے بخشا سکون دل

ممكن ہے آپ بھی خلش کو نکال دے

اب ہام

اپنی اس ناچیز پیش کش کو حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کے شعر پر ختم کرتے ہیں اور جس طرح انہوں نے شانِ رسالت کی طرف سے گستاخانِ رسالت کے مقابلہ میں اپنی ہر مدافعت پر اللہ تعالیٰ سے اجر عظیم کی امید کی ہے اسی طرح ہم بھی اپنی اس دفاعی کوشش پر اللہ تعالیٰ سے پورے پورے اجر کی توقع رکھتے ہیں :-

فان ابی ووالدتی وعرضی لعرض محمد منکم دقاء

پس میرے ماں باپ اور میری عزت و آبرو۔ محمد کی عزت و

عزت و آبرو کیلئے تمہارے مقابلے میں ڈھال ہے۔

تت بالخنیر

23-6-91

داخلہ نمبر 5616 تاریخ وصول

یہ کتاب جناب محمد یوسف بہتہ نے

انسٹی ٹیوٹ آف پالیسی سٹڈیز کے کتب خانہ

کو بطور عرصہ عداوت کی -

